بیاد:

خصوصی اشاعت

امام الشہداء شیخ الحدیث حضرت

ماہنامہ الحق

مولانا سمیع الحقؒ

تذکرہ وسوانح، فضل وکمال، عالمانہ ومحققانہ عظمتِ شان محدثانہ جلالت قدر، تدریسی، تقریری، اصلاحی، تصنیفی جہادی اورسیاسی کارناموں پر مشتمل علمی وتاریخی دستاویز، بالخصوص افغانستان کے چالیس سالہ جہاد مجاہدین کی سرپرستی اور طالبان کی فتوحات وانقلابات میں تاریخی کردار، اہل علم و دانش کے دلچسپ تاثرات ومشاہدات، افادات وملفوظات اور بے شمار جواہر پاروں کا حسین مجموعہ مولانا شہیدؒ کی ایمان افروز داستان حیات، شہادت اور سفر آخرت پر نامور اہل قلم کی طرف سے خراج عقیدت ومحبت پر چار ضخیم جلدوں پر مشتمل قیمتی کاوش

مرتبین

مولانا راشد الحق سمیع
مدیر اعلیٰ مجلّہ ''الحق'' جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا عبدالقیوم حقانی
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''القاسم'' جامعہ ابوہریرہ

''موتمر المصنفین'' جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

ماہنامہ ''الحق'' کی خصوصی اشاعت بیاد مولانا سمیع الحق شہیدؒ

(جلد سوم)

مرتبین	....	مولانا حافظ راشد الحق سمیع، مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب
زیرسرپرستی	....	حضرت مولانا انوار الحق (مہتمم حقانیہ)، مولانا حامد الحق (نائب مہتمم حقانیہ)
زیرانتظام ونگرانی	....	مولانا حافظ راشد الحق سمیع (مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''الحق'' وصدر موتمر المصنفین)
معاونت ونظر ثانی	....	مولانا محمد اسلام حقانی، مولانا حبیب اللہ شاہ حقانی، مولانا مفتی محمد فہد
کمپوزنگ	....	جناب بابر حنیف، مولانا محمد نعمان حقانی
فنی معاونت	....	مولانا اسرار مدنی، مولانا سید یوسف شاہ، مولانا اسامہ سمیع
ضخامت	....	۵۸۱صفحات
اشاعتِ اوّل	....	اکتوبر ۲۰۲۱
ای میل	....	editor_alhaq@yahoo.com
آن لائن منگوانے کیلئے	....	0923-630435 - 0315 9898998 -0333 9167789

☆☆☆

ملنے کے پتے

☆ مؤتمر المصنّفین...... جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک (0315 9898998)

☆ القاسم اکیڈمی...... جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ (0301 3019928)

☆ الحافظ کتب خانہ...... سردار پلازہ، اکوڑہ خٹک (0348 8454763)

☆ مکتبہ علمیہ...... اکوڑہ خٹک ☆ مکتبہ رشیدیہ...... اکوڑہ خٹک، پشاور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

آٹھواں باب
جہاد افغانستان، تحریک طالبان اور حضرت شہیدؒ کا مجاہدانہ کردار

نواں باب

تصنیفی، تالیفی اور ادبی خدمات

دسواں باب

ملاقاتیں، مشاہدات اور تأثرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آٹھواں باب

جہادِ افغانستان، تحریک طالبان اور حضرت شہیدؒ کا مجاہدانہ کردار

- ...... زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر
- ...... جہادِ افغانستان کے عظیم المرتبت جرنیل
- ...... عالمِ اسلام کی مایہ ناز شخصیت
- ...... سیاسی اور فکری بصیرت، سنگلاخ وادیوں کا مردِ مجاہد
- ...... صلیبی دہشت گردی کے خلاف مرحلہ وار جہاد
- ...... مسئلہ افغانستان پر مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا موقف
- ...... غیرت وحمیتِ اسلامی کے پیکر
- ...... افغان طالبان نائین الیون کے تناظر میں
- ...... اسامہ بن لادنؒ سے مولانا شہیدؒ کی ایک ملاقات کی دلچسپ روئیداد
- ...... مولانا شہیدؒ کے متنوع الجہات جہادی خدمات
- ...... صدر پرویز مشرف سے گفتگو؛ احقاقِ حق اور اتمامِ حجت
- ...... شہادت کا تاج اور مذاکرات کی میز
- ...... جنرل پرویز مشرف کی دعوت، مولانا سمیع الحقؒ کی استقامت اور مجاہدانہ فتویٰ

افغان باقی کوہسار باقی
الحُکم للّٰہ! المُلک للّٰہ!

....

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تونے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مقصود ومطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مولانا راشد الحق سمیع
مدیر ماہنامہ ''الحق''

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا

امارت اسلامی افغانستان کی عالمی استعماری قوتوں کو شکست

اسلام پسندوں اور امام الشہداء مولانا سمیع الحقؒ کے نظریہ کی جیت

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ (البقرة:۲٤۹)

الحمدللہ! قندہار کے ریگزاروں اور احمد شاہ ابدالیؒ کے دیس سے جو کاروان دعوت وعزیمت و قافلہ سخت جاں ایک طویل اور تھکا دینے والے خاک وخون سے آلودہ سفر وانتظار کے بعد بالآخر تمام رکاوٹوں اور گھاٹیوں کو عبور کرتا ہوا نعرہ ہائے تکبیر کے ساتھ میدان جنگ کی فتح کے ساتھ ساتھ دوحہ قطر میں مذاکرات کی بچھی بساط بھی فتح کر گیا اور آخرکار فرح وانبساط کی وہ گھڑی آ پہنچی جس کا امت مسلمہ کو مدتوں سے انتظار تھا اور جس خوشخبری کو سننے کے لئے کان بیتاب اور طالبان کی فتح وامریکیوں کی شکست کے مناظر دیکھنے کے لئے آنکھیں بیس برس سے ترستی تھیں۔

۱۵/اگست ۲۰۲۱ عالم اسلام کیلئے فتح مبین کے طور پر صدیوں تک یاد رکھا جائے گا کہ عہد حاضر کی تنہا سپر پاور امریکہ، نیٹو اپنے اس حریف کے سامنے شکست وریخت کے بوجھ کے باعث بیٹھنے اور جھکنے پر مجبور ہوگیا تھا جو اس کی نظر اور بظاہر اسباب کی دنیا میں بے سروسامان اور فوجی وعسکری لحاظ سے نہایت کمزور تھے، اسی لئے تو نائن الیون کے بعد امریکی سابق صدر بش (ابرہہ وقت) نے طاقت کے زعم میں نہتے طالبان (لشکر محمدیؐ) کو دھمکی دی تھی کہ تمہیں اپنے پچاس سے زائد اتحادی ممالک نیٹو وغیرہ کے ذریعے ہم پتھر کے زمانے میں پہنچا دیں گے لیکن آج وہ خود کسی پتھر کے بت کی طرح ذلت ورسوائی اور شکست فاش کے باعث چپ سادھ لئے تحریک طالبان کے سامنے پہلے مذاکرات کی میز پر ہارا اور پھر میدان جنگ میں بھی رات کے اندھیروں میں بگرام ایئربیس سے دم دبا کر بھاگ گیا، نائن الیون کے فوراً بعد افغان جنگ کی شروعات میں اس نے مغربی ممالک کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے صلیبی جنگوں کا متعصّبانہ نعرہ بھی لگایا اور پھر عملاً امریکہ نے بیس سال تک صلیبی جنگوں والی حکمت عملی، متعصّبانہ نظریہ اور جدید فوجی ٹیکنالوجی بھی مسلمانوں اور خصوصاً افغانیوں کے خلاف خوب استعمال کی

لیکن انہوں نے ماضی میں بھی مسلمانوں سے صلیبی جنگوں میں شکست کھائی تھی اوراب بھی الحمدللہ امارت اسلامی افغانستان نے انہیں نئی صلیبی جنگ میں عبرتناک شکست سے دوچار کردیا ہے۔بقول سابق امریکی صدر ٹرمپ کے کہ امریکیوں کو تاریخ کی سب سے بڑی شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے اور نیٹو اور یورپی یونین کے سربراہوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امریکہ اور نیٹو کو طالبان کے ہاتھوں تاریخی ہزیمت اٹھانی پڑی ہے۔ برطانیہ، جرمنی وغیرہ تو امریکہ پر کھل کر برس رہے ہیں کہ امریکہ کی پالیسیوں ، دوحہ مذاکرات میں اس کے غلط فیصلوں اور افغانستان سے فوری انخلاء کے باعث ہماری بیس سالہ محنت ضائع ہوگئی ہے اور الحمدللہ طالبان پہلے سے زیادہ قوت کیساتھ تخت کابل پر براجمان ہوگئے ہیں وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ال عمران:۱۳۹)

۲۹ فروری ۲۰۲۰ء کو قطر کے ریگستانوں میں ایک نئی تاریخ رقم ہورہی تھی،ایسی روشن تاریخ جس کی روشنائی خون شہداء سے بنائی ہوئی تھی،قندہار وہلمند کے نوجوانوں کے گرم خون سے لے کر اکوڑہ خٹک کے ۸۲سالہ بوڑھے شیخ ''فادر آف طالبان'' حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے خون جگر کے نقش سمیت اس میں ان کی خونِ شہ رگ تک شامل تھی،فتح ونصرت کا یہ معاہدہ نویدِ نخلستاں بن کر ریت کے ریگزاروں کے دیس سے لیکر کرۂ ارض کے ذرے ذرے تک پھیل گیا اور بانگ دہل یہ پیغام دے رہا تھا کہ اگر اہل ایماں تھوڑے بھی ہوں، ان کے پاس اسباب وسائل کم بلکہ کالعدم بھی ہوں اوراوپر سے مسلم حکمرانوں کا ساتھ بھی نہ ہوتب بھی جذبہ ایمانی،توکل علی اللہ اور جذبہ جہاد سے فضائے بدر پیدا کی جاسکتی ہے۔آج جہاں مجاہدین کی تاریخی فتح کی خوشی محسوس ہورہی ہے وہیں اس موقع پر اپنے عظیم والد اور مظلوم شہید رحمہ اللہ کی زندگی کی تمام تر جدوجہد اور خصوصاً مجاہدین و ''طالبان'' کی ترجمانی،طویل مذاکراتی وسیاسی زندگی کا ایک ایک لمحہ آنکھوں کے سامنے گزر رہا ہے، اسی طرح حضرت والد شہیدؒ کے دیرینہ جگری،فکری ساتھی استادالمجاہدین شیخ الحدیث حضرت مولانا شیر علی شاہ نوراللہ مرقدہ کی پرخلوص کاوشیں،دعائیں، جذبہ اورحضرت والد صاحب شہیدؒ سے وقتاً فوقتاً ''طالبان تحریک'' کی جدوجہد کے سلسلے میں ان کی مشاورت بھی کانوں میں گونج رہی ہے ،آج اگرآپ دونوں حضرات اورامیرالمومنین ملامحمد عمر نوراللہ مرقدہ اورعظیم جرنیل مولانا جلال الدین حقانیؒ وغیرہ دنیا میں حیات ہوتے تو اپنے قابل فخر حقانی شاگردوں ومجاہدین کی فتح ونصرت کا یہ عظیم معرکہ و''معجزہ'' دیکھتے تو کتنے فرحاں ومسرور ہوتے۔۱۴/اگست کی رات جب اکوڑہ خٹک میں بارش زوروں پر تھی تو آدھی رات کو بھیگی آنکھوں کے ساتھ مقبرہ حقانیہ جا کر اپنے عظیم دادا شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ اور اپنے شہید والد رحمہ اللہ کی قبروں پر جا کر انہیں مبارکباد پیش کی

کہ آپکے شاگردوں اور روحانی فرزندوں نے آپ کے دیئے ہوئے ''حقانی'' نام کی نہ صرف لاج قائم رکھی بلکہ اس تاریخی فتح اور آپ کے دیئے ہوئے نظریہ خودداری وحمیت کو دنیا کے ماتھے پر پھر سے ثبت کرادیا۔ حقانی فضلاء نے قافلہ حریت کے سرخیل حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے اس تسلسل کو قائم و دائم رکھا جب ان نفوس قدسہ نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مقام پر اُس وقت کے ظالم و جابر استعماری قوتوں کے خلاف نہ صرف جدوجہد کی بلکہ اپنے خون کا نذرانہ دے کر اس وادی حریت اور گلشن نبوتؐ کی آبیاری اور تخم ریزی کی پھر دارالعلوم حقانیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید شیر علی شاہؒ اور ان کے شاگردوں، تحریک طالبان اور خصوصاً ''حقانی نیٹ ورک'' کے غازیوں نے پہلے روس جیسی سپر طاقت کو شکست سے دوچار کیا اور اب الحمدللہ دوسری سپر پاور امریکہ ونیٹو اور ان کے ہمنوا عالم کفر کی تمام افواج اور عہد جدید کے جبر وطاغوت کے لات ومنات کے بتوں کو اپنی ایمانی قوت سے پاش پاش کردیا۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں　　　ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

بھگوڑے سابق افغان صدر اشرف غنی نے ۱۵راگست کی شکست اور بھاگنے سے دو ہفتے قبل کابل کے شاہی محل میں متکبرانہ وتحقیرانہ انداز میں اپنی تقریر میں یہ بڑک ماری تھی کہ ''اکوڑہ خٹک کے مدرسہ حقانیہ کو اب افغانستان کے مستقبل کا تعین کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور مولانا سمیع الحق کے بیٹے کا افغانستان کے مسائل میں مداخلت ہمیں منظور نہیں۔'' اس بیان اور بکواس کے کچھ دن بعد ہی الحمدللہ ثم الحمدللہ جامعہ حقانیہ، امام الشہداء مولانا سمیع الحقؒ ''فادر آف طالبان'' کی روحانی اولاد اس کے شاہی محل میں براجمان ہوگئی ہے اور خیر سے مرکزی شوریٰ کے اہم رہنما مولانا شہاب الدین دلاور حقانی، مولانا عبدالحکیم حقانی، مولانا عبدالباقی حقانی (وزیر تعلیم)، مولانا خلیل الرحمٰن حقانی، مولانا انس حقانی، مولانا سراج الدین حقانی (نائب امیرالمؤمنین افغانستان)، مولانا عبدالقدیر حقانی (گورنر اسٹیٹ بینک افغانستان)، مولانا نورمحمد ثاقب حقانی (سابق چیف جسٹس آف افغانستان) مولوی کبیر حقانی، مولانا امیر خان متقی، مولانا مسلم حقانی اور دیگر ہزاروں فرزندان حقانی وعلمائے ربانی اسی تخت کابل وشاہی محل سے افغانستان کے مستقبل کی حکومت، خدوخال اور منشور مرتب کرار ہے ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے　　　جنہیں تونے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا　　　سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مقصود ومطلوب مومن　　　نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

جہاد افغانستان اور امارت اسلامی افغانستان کے حوالے سے

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ایک یادگار تحریر

اَبد سے اس کارزارِ ہستی وکائنات میں حق وباطل کے درمیان جہاد اور کشمکش جاری ہے اور تاصبح قیامت یونہی معرکہء خیروشر کے میدان سجتے رہیں گے اور خون شہیداں کے مقدس چھینٹوں سے اسلام کے عظیم پرچم کی رنگینی بڑھتی چلی جائے گی۔ فرزندان توحید کے خلاف کفر کا اعلان جنگ محسن انسانیت ، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے شروع ہوگیا تھا۔قرآن مجید اور قدیم تاریخ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے خلاف کی گئی جنگوں سے بھری پڑی ہے۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم ،حضرت موسیٰ، حضرت زکریا ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام اور دیگر درجنوں معزز انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس میدانِ کارزار کے اولین سپاہی اور جرنیل تھے اور جن کی پیہم کاوشوں اور قربانیوں کے نتیجے میں اسلام کی روشن مشعل،شمع حق اور چراغ مصطفوی،شرار بولہبی کی زہریلی ہواؤں کے باوجود اور حوادثاتِ زمانہ اور کفر کی بھرپور سازشوں کے بادِسموم کے باوجود خونِ حق کے تیل سے نہ صرف جلتی رہی بلکہ آج پہلے سے زیادہ پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ افروز و رونق افزا ہے۔ پھر اس کے بعد اسلام کی درخشاں داستاں میں مسلمانوں کے مہا بہادر اور عظیم جہادی کمانڈر، اسلام کی آبرو، انسانیت کی معراج، دانائے راز، امن وآشتی کے پیکر، امین صادق، مولائے کُل ،ختم الرسل ، فقیر منش شہنشاہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس ترین خون سے اس کی بہادری وشجاعت وعظمت کے ایسے عناوین رقم کئے کہ اسلام کی دعوت و جہاد کی برکت سے اب رہتی دنیا تک مسلمان ومحکوم قومیں ہدایت ورہنمائی حاصل کرتی رہیں گی۔

اسلام کی ابتدائی جنگوں میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرات صحابہ کرامؓ کے ایثار و قربانی کی اکثر روایات سے آج امتِ مسلمہ آگاہ ہے۔ بخاری شریف کی ''کتاب المغازی'' اور دیگر صحاح ستہ کے اہم ابواب مثلاً ''کتاب الجہاد'' وغیرہ ان غزوات پر شاہد ہیں اور اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانوں کے چھوٹے سے چھوٹے معرکے اور جنگی جھڑپ کی داستان سے بھی آج امت مسلمہ کا ایک ایک فرد کسی نہ کسی طور سے آشنا ہے۔اس طرح صحابہ کرامؓ کے عہدِ مبارک کے بعد مسلم سلاطین کی قیادتوں میں لڑی گئی اکثر جنگوں اور جہادی کاروائیوں اور روداد سے اسلامی تاریخ کا ایک ضخیم حصہ

مالا مال ہے۔مثلاً علامہ واقدی کی ''فتوح الشام'' ''فتوح العراق''، ''فتح العجم'' اور ''المغازی النبویہ'' وغیرہ اسی سلسلۃ الذہب کی اہم کڑیاں ہیں جبکہ ان ادوار میں موجودہ اور قدیم ابلاغی ذرائع ڈاک کا نظام، ٹیلی گرام، ٹیلی فون، ٹی وی، ریڈیو، موبائل، انٹرنیٹ اور اخبارات وغیرہ کا نام ونشان بھی نہیں تھا مگر معجزاتی طور پر صحابہ تابعین کے ہاتھوں یہ ساری جنگی روئیدادیں مرتب ومحفوظ ہوئیں۔

اسی طرح معرکہ قادسیہ مصروشام فتوحات اندلس وخراسان، محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی، فتوحات غزنوی وابدالی، ٹیپو سلطان کا معرکہ سرنگا پٹم، حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید کے کاروانِ دعوت وعزیمت، ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی، معرکہ پانی پت وشاملی، تحریک ریشمی رومال، تحریک پاکستان اور دیگر چھوٹی بڑی تحریکات اور جہادی کاروائیوں سے بھی تاریخ کے اوراق مزین ہیں لیکن افغانستان کا عظیم جہاد جو روس جیسی سپر طاقت سوویت یونین کے خلاف لڑا گیا اور فتح یاب ہوا جو کہ بجا طور پر ام المعارك اور الملحمة الكبرىٰ کہلانے کا مستحق ہوا۔جس کے نتیجے میں سوشلزم کی سیاسی، نظریاتی اور اقتصادی تحریک کے پرخچے اڑا دیئے گئے، عیسائی مشرقی یورپ سمیت متعدد وسط ایشیائی مقبوضہ مسلم ممالک بھی غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوگئے اور جرمنی میں نفرت کی علامت دیوار برلن تک کو گرا دیا گیا، یہ معجزے، فتوحات جغرافیائی تبدیلیاں اور سوویت یونین کی شکست اوراب دنیا کے واحد سپر پاور ہونے کے گھمنڈ میں مبتلا امریکی اوراس کے حواری موالی نیٹو افواج کی پسپائی محض ٹیکنالوجی، فوجی برتری وساز وسامان کی زیادتی کی بنا پرنہیں ہوئی بلکہ یہ مردانِ خودآگاہ وخدا مست مجاہدین کی قلندرانہ فلک شگاف نعرۂ ہائے تکبیر کی ہیبت سے ہوا جس سے کفارِ مکہ کے شقی قلوب ہی نہیں بلکہ وہاں کے بلند وبالا پہاڑوں کے سینے تک شق ہوگئے تھے، ان مردانِ حق کی تکبیر مسلسل، سوز وسازِ رومی، پیچ وتاب رازیؒ، ایمانی حرارت، لشکر اسلام کی تیغ جگرداری وخودداری اور بے پروبال پراگندہ حال افغان مجاہدوں کی پیہم اذانِ بلالی سے بالآخر کفر کے شبستان لرز گئے اور آخر کار اس ضربِ مومن کے نتیجہ میں کفر کے ہر دو آہنی قلعے (روس اورامریکہ) زمین بوس اور ریزہ ریزہ ہوکرٹوٹ گئے۔ ع کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

یہ بیسویں صدی کا سب سے بڑا کارنامہ اور مسلمانوں کی درخشاں تاریخ کا ایک ایسا نیا باب رقم کیا گیا کہ اس فتح کے موضوع پر لائبریریاں بھر جانی چاہیے تھیں لیکن وہی مسلمانوں کا روایتی تکاسل یا اپنی قربانیوں کو نمود وریا کے تمام آلائشوں سے بچا کر رکھنے کا جذبہء للّٰہیت واخلاص ان واقعات کو کما حقہ قلمبند اور مرتب نہ کیا جاسکا کہ اصل توجہ عملی جہاد پر رہی اور قلم وکتاب ثانوی رہے۔چنانچہ اس

عظیم ۳۳؍ سالہ جہاد کی تفصیلی رپورٹس اور منظّم و مفصل با قاعدہ تاریخ عالم اسلام کے مورخوں، دانشوروں، اداروں اور صحافیوں نے اس شان سے مرتب نہیں کی جس کی بہت زیادہ ضرورت واہمیت تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ افغانستان کے اس عظیم جہاد پر عالم اسلام سے اب تک ہزاروں ضخیم کتابیں شائع ہوچکی ہوتیں اگر کچھ ہوئیں بھی تو ماسوائے معدودے چند کتابوں کے آج ہمارے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر طرفہ تماشہ یہ کہ عالم اسلام ،مشرق سے زیادہ مغرب کے دانشوروں نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اس پر ہم سے زیادہ کتابیں انگریزی میں شائع کی ہیں اور اس طرح اپنے مخصوص نقطہ نظر کو ترویج دینے کیلئے انہوں نے اس اسلامی جہاد کے متعلق فرضی و افسانوی فلمیں تک بناڈالیں اور مسلمانوں کے اس عظیم محیر العقول کارنامے کو اپنے کھاتے اور جھولی میں ڈالنا چاہا اور اس طرح یہ تاثر دینا چاہا کہ یہ تاریخی فتح دراصل امریکہ کی ٹیکنالوجی کی طفیل ہی مسلمانوں نے حاصل کی۔ اگر اس بے جان مفروضے میں جان ہوتی تو پھر بعد میں طالبان کے خلاف جاری گیارہ سالہ جنگ جس میں امریکہ کے ہمراہ نیٹو کے پچاس کے لگ بھگ ممالک بھی جدید ترین ہتھیاروں اور جنگی ٹیکنالوجی سے مالا مال ہونے کے باوجود آج کیوں شکست وریخت سے دوچار وخوار ہیں؟ برصغیر میں برٹش سامراج کے خلاف دارالعلوم دیوبند کے مرکزی قائدانہ کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

الحمدللہ آج دارالعلوم حقانیہ پاکستان وافغانستان میں دیوبند ثانی کا صحیح مصداق ہے۔ دین کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں فرزندانِ حقانیہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہو۔ جہادِ افغانستان جو دارالعلوم حقانیہ کی دہلیز پر ہی ہورہا تھا تو دارالعلوم اس شورِ قیامت سے کہاں غافل والگ رہ سکتا تھا، اور لالہ ہائے صحرائی وکوہستانی کے قافلوں کے استقبال اور مہمان نوازی سے کیسے رُک سکتا تھا؟ چنانچہ سوویت یونین کی آمد کے ساتھ ہی ''مکتبِ فکر وکرامت'' حقانیہ کے فیض یافتہ، آداب فرزندگی وشاگردی سے آراستہ اور اپنے شیخ کی فیضانِ نظر کے تربیت یافتہ حضرت مولانا جلال الدین حقانی اور حضرت مولانا یونس خالص حقانیؒ وغیرہ بانی دارالعلوم مردقلندر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کی تحریک اور دعاؤں سے اس عظیم معرکے میں مصروف عمل ہوگئے اور یہاں دارالعلوم میں جاری تدریسی فرائض اور سلسلہ لوح وقلم ترک کرکے اپنے وطن کی آزادی کی خاطر شمشیر وسنان کے جوہر دکھانے کیلئے دیوانہ وار آتش نمرود میں سنتِ ابراہیمیؑ کی پیروی کرتے ہوئے کود پڑے پھر اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ جہاد افغانستان کی مسلسل اخلاقی وسیاسی حمایت میں مگن ہوگئے۔ اُن کی دعائے نیم شبانہ وتب وتاب جاودانہ اور حمایت بے باکانہ انہی فرزندانِ

اسلام کے لئے مختص ہوگئیں۔ خود راقم نے بھی وقت کے اس اہم ترین چیلنج پر تمام توجہات مرکوز کر دیں اور اپنی تمام تر ناقص توانائیوں، پارلیمنٹ کے پلیٹ فارم پر اور سینٹ کے خارجہ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے عالمی دوروں اور وہاں کے اعلیٰ کلیدی اداروں اور شخصیات سے دوٹوک ڈائیلاگ اور بحث ومباحثے کئے، جس کے کچھ نمونے اس کتاب میں عالمی دہشت گردی کے تعاقب کے عنوان سے شامل ہیں جس کا سلسلہ عالمی میڈیا سے انٹرویوز اور مکالموں کی شکل میں آج تک جاری ہے اور بلامبالغہ دنیائے صحافت کے سینکڑوں شہرہ آفاق افراد سے یہ دوٹوک دفاعی مکالمے کی جنگ لڑی گئی، جس کا کچھ حصہ ''صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام'' نامی کتاب میں آچکا ہے۔ مقدور بھران کوششوں کے علاوہ مجلّہ ''الحق'' کے ذریعہ بھی صحافتی میدان میں اس جہاد میں اپنا حصہ ڈالنے میں یکسو رہا، جس کی کچھ تفصیلات اس اکتیس سالہ جہاد کی ''الحق'' کی تمام فائلوں میں بکھری ہوئی ہیں۔ افغانستان کی قانونی طالبان حکومت پر امریکی یلغار کے خلاف پوری قوم کو متحرک اور صف آراء کرانے کیلئے ۱۰/جنوری ۲۰۰۱ء میں ''دفاع افغانستان کونسل'' کی شکل میں پورے ملک کے دینی اور سیاسی قوتوں کو ایک دفاعی لڑی میں پرو دیا گیا تھا (اور اب جبکہ امریکہ کھل کر پاکستان کے دروازوں کو توڑ کر اندر آنے اور ''حقانی نیٹ ورک'' کے بہانے کے نام پر جارحیت کرنا چاہتا ہے۔ جس کی شروعات ایبٹ آباد اور مہمند ایجنسی کے واقعات سے ہوچکی ہے لہٰذا ایک بار پھر یہ کونسل ''دفاع پاکستان کونسل'' کی شکل میں منظم ہوکر برسرپیکار ہے اور دن رات اس عظیم جہاد کے ثمرات کو بارآور بنانے کیلئے تگ و تاز کررہی ہے)

احقر کچھ عرصہ جہاد افغانستان کے محاذوں میں مصروف مجاہدین علماء وطلباء اور کمانڈروں سے جنگی رپورٹیں لکھوا کر ارسال کرنے کا اہتمام کراتا رہا اور یہ رپورٹیں مسلسل مجلّہ ''الحق'' میں شائع ہوتی رہیں۔ چنانچہ شہیدوں کے عجیب وغریب ایمان افروز واقعات، غازیوں کی کامیابیوں کی روداد اور تجزیئے دنیا کے سامنے آتے رہے لہٰذا زیرنظر جلد میں مجاہدین مشاہیر کے خطوط کے ہمراہ اُس عظیم جہادی دور کا بہت سا بکھرا ہوا مواد، محاذِ جنگ کی رپورٹس اور بطور نمونہ کچھ حقانی شہداء کے اسمائے گرامی اور اُن کا مختصر تعارف بھی شامل اشاعت کردیا گیا ہے جبکہ اصل تعداد ہزاروں میں ہے پھر ۱۹۹۶ء میں تحریک طالبان جو افغان جہاد کے مقاصد سے منحرف ہونے والے لیڈروں کے خلاف ایک اصلاحی پُرامن تحریک کے طور پر ابھری تو ہم سب کو پورے زوروشور سے اس کی پشت پناہی کے لئے کھڑا ہونا پڑا، دارالعلوم اس کا مجلّہ ''الحق'' اور ہمارے سیاسی پلیٹ فارم جمعیۃ علماء اسلام نے ان کی تائید وتشیید

اوردفاع کودین وملت اور وقت کا تقاضا سمجھا اور الحمدللہ فرزند عزیز راشد الحق سلمہ نے بھی اپنے قلم وقرطاس اورصحافتی تقاضوں وذمہ داریوں کے ذریعے ان سولہ برسوں میں ''الحق'' واخبارات کے کالمز کے ذریعہ مسلسل صحافتی میدان میں مجاہدین و طالبان کی حمایت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ تحریک طالبان کےعروج وزوال کی داستانِ دلخراش اور پھر بعد میں امریکی استعمار کے خلاف جاری مزاحمت وآزادی کی دستیاب کاروائیوں وحقائق کوبھی یکجا کردیا گیاہے گویا اس جلد میں تیس سالہ افغان جہاد میں جامعہ حقانیہ اوراس کےعظیم بانی اوراس کے غیورفضلاء علماء اورشاگردوں کا جہادافغانستان سے تعلق کواجاگر کیا گیا ہے پھرہمارے سامنے اصحاب صفہ کے صحابہ کرام اورحضرت امام ابن تیمیہؒ،حضرت مجدد الف ثانیؒ،حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ،شیخ الہندحضرت مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ولولہ انگیزشخصیات تھیں جو قال اللہ اور قال الرسولؐ کی تدریس اورتصنیف وتالیف کے مشغلے اور سیاست کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ جہاد کیلئے بھی اپنے قول وعمل سے خلق خدا میں شعور ووجدان کے جذبے اُبھارر ہے تھے۔تحدیث نعمت کے طور پر روس کے خلاف بھی جہادِ افغانستان میں دارالعلوم حقانیہ نے ایک ایسا مثالی کردار ادا کیا جس کا اعتراف آج کرۂ ارض کا ایک ایک ملک، ایک ایک ادارہ اورخود امریکہ ومغرب سمیت پورا عالم کفر بھی اچھے یا برے الفاظ اور پروپیگنڈے کی صورت میں کررہا ہے، اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے کی گئی کوششوں اوراپنے کردار پرکفر کی جانب سے لومۃ لائم پرہمیں کوئی شرمندگی، کوئی خجالت اورکسی بھی نقصان اور خطرے واندیشہ ہائے غرق وحرق کی پروانہیں۔خودروس نے اُس وقت پاکستان کے نقشے میں دارالعلوم حقانیہ کےمحل وقوع پرسرخ نشان کھینچا تھا کہ یہی وہ تعلیمی وروحانی اورسیاسی چھاؤنی ادارہ ہے جہاں سے مجاہدین کی روحانی وفکری تربیت ہوتی ہے۔اسی طرح اُس وقت کے وزیراعظم میاں محمدنواز شریف نے بھی قوم سے خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ اوراس احقر کے کردار پرخراج تحسین اوراعتراف عظمت وکمال ان الفاظ میں کیا:''افغانستان اور پاکستان کے ممتاز علماء اور رہنماؤں خصوصاً اکوڑہ خٹک کے مولانا عبدالحق مرحوم کے(جہادافغانستان میں) کردارکو خراج تحسین پیش کرتا ہوں ان کی تقلید میں ان کے صاحبزادے (مولانا سمیع الحق) کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں۔'' (ٹی وی اور ریڈیو پرقوم سے خطاب ۵مئی ۱۹۹۲ء)

حقانی فرزندوں نے ستائش وتمنا کی صلہ کی پرواکئے بغیر مال غنیمت کے حصول سے مستغنی ہوکر اورکشورکشائی سے کوسوں دورصرف اورصرف جذبہء ایثار وقربانی اورشوقِ شہادت میں جہادِ افغانستان

کے پچھلے اور حالیہ جہاد کیلئے اپنے خونِ جگر سے ایسی ایسی بہادری کی داستانیں رقم کی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر خیر القرون کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ پیر کلیسا وقت کا طاغوت، عہدِ جدید کا فرعون اور نارِ نمرود کا علمبردار امریکہ اور اس دجالی قافلے کے شریکِ جرم اور سیاہ ابلیس نیٹو ممالک اسی لئے اپنی تمام شکست و ریخت کا ملبہ حقانیہ کے ایک فرزندِ رشید مولانا جلال الدین حقانی اور اس کے بہادر خانوادہ کے فرزندوں اور طالبان وافغان مجاہدین پر ڈال رہے ہیں اور قول و عمل سے علامہ اقبال کے اس الہامی شعر

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج ملّا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو

کی تصدیق کررہے ہیں اور آج اِسی لئے عہدِ حاضر کے درودیوار اور میڈیا ''حقانی نیٹ ورک'' کی کامیابیوں کی صداؤں سے گونج رہے ہیں اور راقم جیسے ناتواں سے بھی افغانستان کے حقانیوں سے امن مذاکرات اور صلح کیلئے رابطے کررہے ہیں کہ کسی طرح افغانستان سے نکلنے کا محفوظ راستہ نکالا جائے۔ ایک حقیقت تو دنیا پر واشگاف ہوگئی ہے کہ حقانی کبھی شکست نہیں کھا سکتے اور نہ کبھی مٹ سکتے ہیں نہ مرسکتے ہیں نہ فنا کے گھاٹ اتر سکتے ہیں کیونکہ حقانی کے معانی حق وصداقت کے ہیں اور اس بحرِ ہستی کی سطح پر حق وصداقت کا سفینہ ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔ نہ اس کیلئے غرقابی ہے نہ اس کیلئے بادِفنا، نہ اس کے راستے میں طوفاں حائل ہوسکتے ہیں نہ یہ مشکلات کے بھنور میں پھنس سکتا ہے کیونکہ خود خداوند اس کے ناخدا ہیں۔

کاش! میرے لئے ایسا ممکن ہوتا کہ اس افغان جہاد کی تاریخ دعوت وعزیمت کی روح پرور داستانِ صد ہزار رنج و اَلم اور لاکھوں خونِ شہیداں کے ذکر سے رنگین اس جلد کا مقدمہ اپنے خونِ جگر سے لکھ پاتا اور اُن بے کس، بے گوروکفن مظلوم لاشوں کا نوحہ ومرثیہ میرانیس ودبیر کی طرح پیش کرسکتا اور اپنے مجروح دل ودماغ اور سوختہ جان وتن کے مقتل میں ان تیس برسوں کے جہاد کے دوران مختلف موقعوں پر صدموں، حادثوں اور عارضی شکستوں نے جو قیامتیں ڈھائی ہیں ان داغوں کی بھی کچھ تصویر کشی یا زخموں کی کچھ نقاب کشائی صفحہ قرطاس کی زینت بنا سکتا لیکن مجھ میں ایسا کرنے کی تاب نہیں کہ

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد وگردم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

پھر افغانستان و پاکستان کے قبائل کے لق و دق صحرا اور سرسبز کوہ بیاباں میں ان لاکھوں شہیدوں کی قبروں کی تعداد بھی گنوا سکتا جن پر نہ کوئی شمع جلائی گئی، نہ کبھی کوئی سوگوار وغمگسار پہنچا اور اُن ٹوٹے کتبوں سے بھی کچھ گمنام سپاہیوں کے نام بتلا سکتا اور بوسیدہ قبروں پر پھڑ پھڑاتے خستہ (روایتی رواج

کے مطابق) جھنڈوں کی پھڑ پھراہٹ میں دُکھ بھری روسی وامریکی مظالم کی داستاں بھی سنا سکتا لیکن صحافت و ادب کے ہنر سے نا آشنا اپنی ناتواں فگار فگار انگلیاں جہاد افغانستان کے شایان شان یہ مقدمہ جو کہ ایک طرح کا کتبہ بھی ہے نہ سلیقے سے لکھ سکا نہ تراش سکا، اس کے لئے تو علامہ واقدی جیسے مورخ، نسیم حجازی جیسا افسانوی قلم اور شاعرِ اسلام اور افغان قوم کی شجاعت و بہادری کے مداح علامہ اقبال اور شاہنامہء اسلام کے حفیظ جالندھریؒ جیسے الہامی شاعر ومورخ کی ضرورت تھی۔ یہاں یہ چند صفحات جو دراصل قلبِ حزیں کی قاشیں ہیں بطور تبرک اور بطور ایک ''سلطانی گواہ'' کے پیش کی جارہی ہیں کہ شاید یہ مقدور بھر کوششیں ہی میدانِ حشر میں اپنے کچھ کام آ سکیں اور اُن لاکھوں خوش نصیب شہیدوں، غازیوں اور اس جہاد کے معاونین اور حامیوں کی صفوں کے کسی کونوں کھدروں میں ہم جیسوں کو بھی کسی شمار وقطار میں جگہ مل سکے......

گلگونہء عارض ہے نہ ہے رنگِ حنا تو   اے خوں شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

محکوم قوموں کو آزادی اوران کی بگڑی تقدیروں کو ایسے ہی مردانِ درویش اور خلعتِ افغانیت سے نوازے گئے شاہیں صفت، گلیم پوش نوجوان ہی سنوارا کرتے ہیں جو سلطاں کی درگاہ کی چوکھٹ اور بادشاہوں کی دہلیز سے کنارہ کش اور باغی رہتے ہیں۔ فتح وکامیابی کے چاند ستاروں پر کمندیں ہمیشہ فاقہ مست اور ٹوٹی ہوئی جوتیوں والے ہی ڈالا کرتے ہیں جن کی نگاہ بلند اور عقابی روحیں اسباب وسپاہ کی زیادتی پر نہیں بلکہ وہ اپنی جرأت مومنانہ اور خون کے نذرانوں سے فضائے بدر کا سماں پیدا کرتے ہیں۔ بہرحال! مردِ میدانی، بندہ دہقانی اور مجاہدِ کوہستانی افغانیوں نے برطانوی سامراج، روسی طاغوت کے بت لات اور اکیسویں صدی میں عالم کفر کے سب سے بڑے امریکی بت ''منات'' اوراس کے نیو ورلڈ آرڈر اور نیٹو کے ''سومنات'' سمیت دنیا بھر کے چھوٹے بڑے بتوں کے نظاموں کو توڑ کر اور نئی صلیبی جنگ میں انہیں شکست و ریخت کے بعد ایک بار پھر ثابت کرا دیا ہے کہ وہی عہد جدید کے محمود غزنویؒ، فاتح سکندر وذوالقرنینؒ، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ، شہاب الدین غوریؒ، سلطان محمد فاتحؒ، احمد شاہ ابدالیؒ، جمال الدین افغانیؒ، علامہ اقبالؒ کے تصوراتی ''محراب گل'' افغان کے حقیقی کردار اور ملا محمد عمر حفظہ اللہ تعالیٰ کے جانشیں اسلام و ہلال کی آبرو اور فاتح زمانہ ثابت ہوئے ہیں......

افغان   باقی   کوہسار   باقی
الحُکم   للّٰہ!   المُلك   للّٰہ!

واللّٰه يقول الحق وهو يهدى السبيل   (یکم جنوری ۲۰۱۲ء--۶/صفر ۱۴۳۳ھ)

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا جہاد افغانستان کے عظیم مجاہد مولانا جلال الدین حقانیؒ کی وفات پر تاثرات

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے جہاد افغانستان کے عظیم مجاہد، عسکری جرنیل، بطل حریت مولانا جلال الدین حقانیؒ کی وفات پر ۴ستمبر ۲۰۱۸ء کو درج ذیل بیان میڈیا و اخبارات کو جاری کیا (ادارہ)

۴ستمبر ۲۰۱۸ (اکوڑہ خٹک) جمعیت علماء اسلام کے صدر اور دفاع پاکستان کونسل کے چیئرمین حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے کہا ہے کہ پندرہویں صدی ہجری کے کفرشکن عظیم جہادی شخصیت دوسلطنتوں کو شکست فاش دینے والے مجاہد کبیر جہاد افغانستان کے عظیم مجاہد مولانا جلال الدین حقانیؒ کی وفات پوری امت مسلمہ کیلئے ایک عظیم سانحہ ہے، دنیا کے سپر پاور سوویت یونین کو شکست و ریخت سے دوچار کرانے میں ان کا بنیادی کردار ہے، ایک سامراجی طاقت سے ملک کو آزاد کرانے میں ان کا اہم رول ہے، انہوں نے اپنے خاندان اور اہل خانہ کے تقریبا سترہ افراد کی قربانی بھی اس مقصد کے لئے پیش کی جن میں ان کے کئی جوانسال بیٹے اور گھر کی بوڑھی خواتین بھی شامل ہیں، جس کے نتیجے میں مشرقی یورپ کی تمام ریاستیں اور سنٹرل ایشیا کی آٹھ دس ریاستیں سوویت یونین کے سامراجی پنجہ استبداد سے آزاد ہوئیں، جرمنی میں دیوار برلن ٹوٹ گئی اور افغانستان آزاد ہوگیا اور پاکستان سرخ سامراج کے جارحانہ عزائم سے محفوظ ہوگیا اور امریکہ واحد سپر طاقت بن گیا، آزادی اور انسانی حقوق کے دعویدار امریکہ اور مغربی ممالک کو ان کی عظیم خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کرنا چاہیے تھا نہ کہ انہیں ''دہشت گرد'' قرار دے کر حقائق کو مسخ کیا جائے۔ اقوام عالم کی آزادی کی پاسداری کرنے کے دعویدار مغرب کو آزادی کی اس جدوجہد کی قدر کرنی چاہیے تھی اور اسلامی دنیا کو بھی اس کی پشت پناہی کرنی چاہیے تھی، مولانا حقانی مرحوم کی قربانیاں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں، اس وقت بھی افغانستان میں آزادی کی موجودہ جنگ مولانا حقانی کے خاندان کی مرہون منت ہے، وہ وقت کے امام شاملؒ تھے ان کا نام بھی مؤرخ خالد بن ولیدؓ، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ، سلطانی محمود غزنویؒ، ٹیپو سلطان شہیدؒ کی صف میں لکھے گا، مسلمان حکمرانوں، سیاستدانوں، صحافیوں میڈیا اور عوام کا مغربی طاقتوں کے خوف سے اپنے اس عظیم سپوت کی وفات پر چپ سادھ لینا ناشکری، بےحمیتی، ضمیر کی موت اور اتنا بڑا جرم ہے کہ تاریخ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ حضرت مولانا سمیع الحق نے ملک کے تمام دینی مدارس، اداروں، مساجد اور خانقاہوں میں ختم کلام پاک ایصال ثواب اور تعزیتی اجتماعات کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ ایسا کرکے ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہوں گے۔

ادارہ

روس کے خلاف دورانِ جہاد حقانی فرزندوں کا حقانیہ سے ربط و تعلق

محاذ جنگ افغانستان سے عصر حاضر کے امام شامل فاتح روس و امریکہ حضرت مولانا جلال الدین حقانیؒ کا خط بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ، جہاد اور محاذ جنگ کی کارگزاری، حضرت سے دعاؤں کی درخواست، ۲۳ اپریل ۸۶ء کو انہوں نے حضرت شیخؒ کے خط کا جواب ارسال فرمایا۔ ذیل میں اس تاریخی مکتوب کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔(ادارہ)

جناب عالی قدر استاذ المکرّم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کی صحت اور عافیت کیلئے خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں ہم اب تک خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے صحت منداور تندرست ہیں، آپ محترم کا گرانقدر مکتوب موصول ہوا اور وہ مدداور خصوصی نصرت جونقدی کی صورت میں آپ نے مجاہدین کیلئے اور کچھ میری ذات کے لیے بھیجی تھی وہ بھی موصول ہوئی ہمارے مرکز پر ۴/اپریل ۸۶ء کو ملحد (کابل کٹھ پتلی) حکومت نے حملہ کیا تھا۔زمینی فوج ہیلی کا پٹروں کے ذریعہ اتاری گئی تھی مگر الحمدللہ کہ مجاہدین ثابت قدم رہے، ۴۲۰ فوجی اوران کے امراء کمانڈر مجاہد ین کے ہاتھوں مردار ہو کر جہنم رسید ہوئے اور بعض زندہ پکڑے گئے ۔ یہ پہلے روز کے حملہ کی رپورٹ ہے، ۴۲۰ میں ۷۰ زندہ ہیں جن میں ۳۲ ان کے بڑے افسر اور بڑے درجے کے فوجی ہیں ، جواب تک مجاہدین کے ہاتھوں میں قیدیوں کی حیثیت سے محفوظ ہیں۔ ۷/اپریل کو سخت بمباری ہوئی اس روز میں بھی قدرے زخمی ہوا مگر خدا کا فضل ہے کہ اب تک صحت مند ہوں، جنگ اس وقت تک جاری ہے ملحدین کو مجاہدین نے جو نقصان پہنچایا ہے وہ یہ ہے کہ ۱۸۰۰ افراد اُن کے مارے گئے ہیں۔ان کے تمام مرنے والوں اور زخمیوں کی تعداد ۱۴۰۰ ہے، چھوٹا بڑا اسلحہ جس میں توپیں ،کلاشنکوف بندوقیں وغیرہ ہیں ان سے پکڑا گیا ہے جس کی مجموعی تعداد ۶۰۰ بنتی ہے یہ بھی ہمارے قبضہ میں ہے۔ میرے گروپ سے تعلق رکھنے والے مجاہدین جو شہید ہوئے ۸۲ ہیں اور ۲۵۰ مجاہدین زخمی ہوئے ہیں، آج کے روز یعنی ۲۲/اپریل کو مجاہدین کے مرکز سے ملحد حکومت کی فوجیں بحمداللہ شکست کھا کر پیچھے کو ہٹ رہی ہیں۔ہم تو آپ کی دعاؤں پر زندہ ہیں اور آپ کی دعا چاہتے ہیں (ومن اللہ التوفیق)

(نوٹ) ۴/ہیلی کاپٹر ۱۱/جیٹ طیارے بھی ہم نے دشمن کے مار گرائے ہیں۔ہم نے دشمن کے تین پائلٹ زندہ گرفتار کر لئے ہیں جو ہمارے قبضہ میں ہیں۔ والسلام آپکا شاگرد محتاج دعا جلال الدین حقانی (۱۹۸۶ء)

الشیخ عبدالمجید زندانی

بانی جامعۃ الایمان صنعا یمن

جامعہ حقانیہ کی عظمت اور جہادی کارناموں کی گواہی

دارالعلوم حقانیہ کے عظیم سپوت اور جرنیل مولانا جلال الدین حقانیؒ سے شیخ عبدالمجید زندانی کا تعارف اوران کے جہادی کارناموں کا اعتراف

شیخ عبدالمجید زندانی صاحب، یمن اور عالم عرب کے مشہور عالم دین ،جید محقق اور نامور مصنف و مجاہد ہیں، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے موقر رکن ،الهيئة العالميه للاعجازالعلمی للقرآن والسنة کے بانی اور الاخوان المسلمین یمن کے متحرک رہنما، کافی عرصہ تک افغان جہاد میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے ،انہوں نے یمن کے دارالخلافہ صنعا میں جامعۃ الایمان کے نام سے ایک آزاد اسلامی یونیورسٹی قائم کی ہے جسے وہ اپنے ذرائع اور محنت سے چلا رہے ہیں۔ذیل میں شیخ زندانی صاحب کی عربی تقریر سے چند اقتباسات ترجمہ کرکے نذر قارئین ہیں۔(ادارہ)

پاکستان آنے سے قبل بلکہ پاکستان کو جاننے سے قبل میں نے اس مدرسہ حقانیہ کے بارے میں سنا تھا اور اس کی روشنی کو دیکھا تھا یہ اس وقت کی بات ہے جب مجھے پاکستان کی بھی معرفت نہیں تھی یہ وہ دن تھا جب میری ملاقات دارالعلوم حقانیہ کے عظیم سپوت اور جہاد افغانستان کے معروف جرنیل جلال الدین حقانی صاحب سے ہوئی تھی میں نے پوچھا کیا یہ شخص قبیلہ حقان سے تعلق رکھتا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ نہیں حقان قبیلہ نہیں پاکستان میں ایک مدرسہ ہے جس کا نام حقانیہ ہے اس وقت میں نے کہا الحمد للہ کہ نور ہدایت کی شعاع تھی جو ہم تک پہنچ گئی اور اس کو اٹھانے والا مدرسہ حقانیہ کا ایک فارغ التحصیل فاضل اور ایک عالم ہے اور پوری دنیا نے اسے دیکھا اور اہل زمین نے سنا، لوگ چاہے کافر ہوں یا مسلمان ان کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔

جامعہ حقانیہ کی عظمت کی گواہی

جس سے پوچھتا ہوں کہ تمہارا کمانڈر کون ہے ؟ تو وہ کہتا ہے کہ حقانی لہٰذا مبارک ہو اس مدرسہ کو کہ وہ ایسے کمانڈروں کو مرد میدان کیلئے معاون پیدا کرتی ہے یہ مدرسہ کیلئے اس کی عظمت کی

گواہی ہے کہ یہ صحیح اور حقانی مدرسہ ہے اور جو علماء حق کی مادر علمی اور آدم گری کا کارخانہ ہے نیز مسلمانوں کو ایسے علماء اور ایسا مدرسہ مبارک ہو۔

پگڑیاں باندھنے والوں نے روس کو نکال دیا

بخدا مجھے انتہائی خوشی ہوئی ہے کہ میرے دیکھتے دیکھتے میری آنکھوں کے سامنے یہ مدرسہ حقانیہ یہ مادر علمی پگڑیوں والے علماء، فضلاء کو تحصیل علم سے فارغ کر کے رخصت کر رہی ہے یہی پگڑیاں تھیں کفار کے استعماری قوتوں نے جن کی تحقیر کی اور انکے شاگردوں نے جن کی توہین کی چنانچہ پگڑیاں اتاری گئیں اور ہم نے وہ لباس جو علم، علماء، شیوخ اور صحابہ کرام کی یاد دلاتا تھا اتار پھینکا اور ہم گاتے رہے کہ ہم فتح اور عزت کی راہ پر لگ گئے جبکہ ہم ذلت رسوائی اور ہلاکت کے گڑھوں میں اسی روز سے گرتے جا رہے ہیں جس دن سے ہم نے کافروں کا اتباع کیا، مسلمانوں کو دوبارہ فتح پگڑیاں باندھنے والوں کے ہاتھوں سے ملی چنانچہ ہم نے افغانستان میں بڑی پگڑی دیکھی جو روس کی فوج کو نکال دیتی ہے اور انہیں دھتکارتی اور ہزیمت پر مجبور کر دیتی ہے پھر یہ دستار عزت وشرف کی علامت بن گئی اور پگڑی والا جب کہیں سے گذرا تو یہ کہا جانے لگا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو روس پر غالب آئے۔

مسلمانوں کی بیداری کا راستہ کیا ہے؟

اہل اسلام ہر میدان میں آلودگی کا شکار ہیں مگر بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بیداری کا راستہ کیا ہے؟ پھر کہتے ہیں یہ کہ باعمل عالم پیدا ہوں اور میں تو کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی بیداری کا راستہ ایسے مدارس کا قیام ہے جو کہ باعمل علماء نکالیں ایسے کارخانوں کا قیام ہے جو کہ متقی علماء پیدا کریں یہی مسلمانوں کی بیداری کا راستہ ہے۔ مجھے انتہائی مسرت ہے اور سعادت سمجھتا ہوں کہ اپنے آپ کو ان مدارس میں علماء کے ساتھ پاتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان میں برکت ڈالے اور ان کے اکابر، انتظامیہ، طلبہ، ملازمین اور متعلقین کو توفیق دے کہ وہ کلمۃ اللہ کی سربلندی اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت کا کام کریں اور دعا ہے کہ اللہ رب العزت مجاہدین کیلئے مدد مقدر فرمائے ان کی صفوں میں وحدت پیدا فرمائے اور ان کی بڑی مدد فرمائے نیز دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کے مسلمانوں میں اتحاد پیدا فرمائے اور ان کی بات کو عظمت عطا فرمائے والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (ماہنامہ الحق ج ۲۴ ش ۷ اپریل ۱۹۸۹ء)

پروفیسر عبدالواحد سجاد
معروف کالم نگار روزنامہ ''اسلام''

''خیر مجسم'' مولانا جلال الدین حقانیؒ
''ترے عشق میں زندگانی لٹادی'' دارالعلوم حقانیہ کے عظیم قابل فخر فرزند

نیکی مجسم ہوکر سامنے آگئی ہے، مجسم عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم مبالغہ کا صیغہ ہے، جو اردو میں بطور اسم صفت مستعمل ہے،اس کا مطلب ''ایک جسمانی شکل خیر مجسم سرتاپا خیر'' بہت سی خوبیوں کا حامل، نیکوں کا مجموعہ، بے حد شریف ''واوین'' میں جو جملہ نقل کیا گیا ہے، وہ ایک امریکی فوجی جارج کرائل جو ایک کتاب ''دی چارلی ولسنز وار'' کا مصنف ہے،اسی کتاب میں اس نے چارلی ولسن کا یہ جملہ نقل کیا ہے، چارلی ولسن سویت یونین کے خلاف افغان وار میں امریکا اورمجاہدین کے مابین سہولت کار کے فرائض انجام دیا کرتا تھا،وہ ٹیکساس کی امریکی ریاست سے رکن کانگریس اورسی آئی اے کا مخفی طور پر انڈر کورنیول آفیسر تھا، وہ جلال الدین حقانیؒ کے متعلق اکثر مذکورہ بالا جملہ کہا کرتا تھا، یہ ان دنوں کی بات ہے، جب حقانی اوراس قبیل کے لوگ مجاہد کہلاتے ،انہیں امریکا میں ہیرو کا درجہ حاصل تھا،ان کا امریکا میں پروٹوکول دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، اس وقت کے امریکی صدر رونالڈریگن خود ان کا استقبال کیا کرتے تھے، ان کے ساتھ میٹنگز ہوتیں، انہیں امریکا اپنا محسن گردانتا، نہ ان کی لمبی داڑھیوں پر کسی کو اعتراض تھا، نہ ان کی پگڑیوں پر، حقانی جو''خیر مجسم'' تھے، نائن الیون کے بعد ''مجسم شر'' قرار پائے اوران کے سر کی قیمت لگادی گئی، ان کے نام پر بنائی گئی تنظیم'' حقانی نیٹ ورک'' دہشت گرد قرار پائی۔

مولانا جلال الدین حقانیؒ کا تعارف

جلال الدین حقانیؒ ۱۹۳۹ء میں پیدا ہوئے،افغانستان کے صوبے پکتیا سے تعلق رکھنے والی اس اساطیری شخصیت نے نصف صدی کے لگ بھگ (۴۸ سال) جہاد میں گزارے، افغانستان پر سوویت قبضے کے خلاف لڑنے کیلئے انہوں نے اپنے مادر علمی جامعہ حقانیہ کا تدریسی میدان چھوڑ کر عسکری میدان سنبھالا، وہ شہادت کی آرزو لئے دو سپر پاورز سوویت یونین اورامریکا کی افواج کے ساتھ

دوبدوبرسرپیکار رہے ، وہ جن کی کمان میں ملا محمد عمرؒ عام سپاہی کے طور پر لڑتے رہے اور جب حالات بدلے تو یہی کمانڈر ملا محمد عمرؒ کے ہاتھ پر شرعی بیعت لیتا ہے اوردم آخریں تک اسی بیعت کو آگے بڑھاتا رہا، مولانا جلال الدین حقانیؒ پر کیا کیا ڈورے نہیں ڈالے گئے ، افغان فوج کا سربراہ بنانے کی پیشکش کی گئی ،صوبوں کا مکمل انتظام ان کے سپرد کرنے کی آفر ہوئی لیکن جواب میں صرف ایک انکار تھا۔

مردقلندر کی جراءت ایمانی

اس دور میں لوگ طاقت ، اختیار ،اقتدار اور روشن مستقبل کیلئے بھاگتے ہیں مگر اس مردقلندر نے انکی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا ،کسی نے سوال کیا طاقت اوراقتدار سے آپ کو غرض نہیں تو پھر آپ کس چیز کے خواہاں ہیں؟ توایک لمحہ سوچے بغیر جواب تھا، اللہ کی رضا اورشافع محشر کے دربار میں سرخروئی چاہتا ہوں بس...... بوڑھا آدمی ہوں اور کتنے برس جی لوں گا، میں جاتے جاتے اپنی عاقبت کیوں خراب کروں؟ شرعی بیعت کیسے توڑوں؟ جہاد کیسے ترک کردوں ؟ میں سفاک غیر ملکیوں سے لڑنے میدان جہاد کی پکار پر لبیک کہتا ہوں، وہ آخری دم تک اپنے کہے پر قائم رہے ۔ملا محمد عمرؒ کے بعد ملا اختر منصورؒ اورحضرت ملا ہبت اللہ حفظہ اللہ کے ساتھ شرعی بیعت قائم رکھی ، یہی شرعی بیعت افغان طالبان کی وہ روحانی اورفوجی قوت ہے ، جسے امریکا اوراس کے اتحادی آج تک نہ سمجھ سکے ،امریکی اورمغربی دانشوراورتھنک ٹینکس اس کا اندازہ لگانے سے قاصر رہے ، جب شرعی بیعت کرلی جاتی ہے ،تو وہ آخری سانس تک مؤثر رہتی ہے ، یہی وجہ ہے کہ امریکا کی تمام ترکوششوں، سازشوں ، ریشہ دوانیوں، ترغیبی اورترہیبی حربوں ، اچھے اور برے طالبان کی اصطلاحوں کے باوجود افغان طالبان کو انتشار کا شکار کرسکا اور نہ ان کی قوت کا توڑ کرسکا۔

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ سے بیعت

مولانا جلال الدین حقانیؒ نے ۸۰ برس کے لگ بھگ عمر پائی، روس افغانستان سے مجددی صاحب اور برہان الدین ربانی برسراقتدار آئے تو مولانا جلال الدین حقانیؒ کو وزیر سرحدی امور بنا دیا گیا مگر جب مجاہدین ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوئے توانہوں نے واپس خوست کی راہ لی، اسی سرپھٹول کے باعث جب مجاہدین کی قربانیاں رائیگاں ہوتی نظر آئیں تو۱۹۹۶ء میں ملا محمد عمرؒ کی قیادت میں طالبان نمودار ہوئے تو وہ ان کے ساتھ ہولئے اورامیر المومنین ملا محمد عمرؒ کی بیعت کرلی اوراپنے بچوں طالبان کے ساتھ شانہ بشانہ رہے اورطالبان حکومت میں اہم وزیر رہے،امریکا آیا تو

وہ بھی طالبان کے ساتھ روپوش ہوگئے مگر جہاد کی راہ پرکاربند رہے،واپسی ہوئی توان کے دیئے ہوئے زخم امریکا اوراس کے اتحادی اب تک چاٹ رہے ہیں،مغرب ان کے نیٹ ورک کا میدان میں مقابلہ نہ کرسکا ۲۰۱۲ء میں امریکا کے جانب سے اس نیٹ ورک کو''دہشت گرد'' قرار دے دیا گیا۔

بہرحال! مولانا جلال الدین حقانیؒ غاصب قوتوں کے خلاف جہاد میں متعدد بار زخمی ہوئے اوراپنے چار بیٹوں عمر حقانی ، محمد حقانی ، بدرالدین حقانی اورنصیرالدین حقانی (عرف ڈاکٹر صاحب، امریکہ نے اس جواں سال متحرک،فعال اور متعدد اوصاف کی حامل پراسرار جہادی شخصیت کے سر پر کروڑوں کا انعام مقرر کیا تھا، اسی لئے اسلام آباد میں امریکہ اوراس کے ہمنواؤں کی ایک خفیہ بزدلانہ کاروائی میں انہیں شہید کردیا) کواسی راہ میں وقف کر کے شہادت کی اوج ثریا پر فائز کراگئے ، ان کے ایک بیٹے انس حقانی پانچ سال سے کابل جیل میں ہیں، مولانا سراج الدین حقانی خلیفہ (موجودہ وزیر داخلہ افغانستان)،حاجی خلیل حقانی (موجودہ وزیربرائے امور مہاجرین وغیرہ) اورابراہیم حقانی زندہ ہیں،حقانی نیٹ ورک کی موجودہ کمان اول الذکر کے پاس ہے ،مولانا جلال الدین حقانیؒ کی طرح مولانا سراج الدین کی سر کی قیمت بھی امریکا نے لگارکھی ہے جوایک کروڑ ڈالر ہے،مگر وہ جہاد کی راہ کے راہی ہیں۔

کل جب تاریخ لکھی جائے گی تو حقانی کو''مجسم خیر'' لکھا جائے گا،جس نے جہاد کے فریضے کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اگلی نسلوں تک منتقل کیا اور مدرسہ منبع العلوم کی درسگاہ سے اٹھ کر میدان جہاد کارخ کیا،مگر خود حضرت خالد بن ولیدؓ کی طرح شہادت پا نہ سکے مگر چار شہیدوں کے باپ کی حیثیت سے رخصت ہوئے ، امریکا کی ترجیحات بدلیں تو ہم بھی بدل گئے ،مگر مولانا جلال الدین حقانیؒ نے اپنی ترجیح وہی رکھی اورآج امریکا ان کے دیئے زخم ہی چاٹ رہاہے ، اس کا فتح کا خواب چکنا چور ہوچکا اوربے سروسامانوں سے امن کی بھیک مانگ رہا ہے ، جہاد کے عشق میں انہوں نے زندگانی لٹا کر سرخروئی حاصل کرلی۔

زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا
نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے رہنما بدلا
راہ اُلفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے
نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

جنرل مرزا اسلم بیگ
سابق چیف آف آرمی سٹاف

مسئلہ افغانستان پر مولانا سمیع الحقؒ کا مؤقف

افواجِ پاکستان کے سابق سربراہ جنرل مرزا اسلم بیگ صاحب نے ریٹائرڈ ہونے کے بعد عوامی قیادت پارٹی بنائی، ''پاک افغان دفاع کونسل'' اور دیگر فورمز پر حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا بھرپور ساتھ دیتے رہے اور اپنے جرأت مندانہ مؤقف ،نظریاتی ہم آہنگی اور تقاریر سے اس فورم کی رہنمائی بھی فرمائی اور مولانا شہیدؒ کی جہادی وفکری نظریہ کا بھرپور اخلاقی ساتھ دیا۔ملکی اور بین الاقوامی امور اور خصوصاً ماہنامہ ''الحق'' میں جناب مرزا اسلم بیگ صاحب کے ٹھوس مضامین اور تجزیے ملک کے مختلف فورمز پر شائع ہوتے رہتے ہیں،اس کے علاوہ آپ فرینڈز تھنک ٹینک نام سے ایک تحقیقاتی ادارہ کے بانی بھی ہیں (ادارہ)

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو کس نے شہید کیا؟ اس کا علم تو شاید ہی ہوسکے لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی شہادت سے پاکستان اور افغان طالبان کے درمیان ایک معتبر رابطہ ختم ہوگیا ہے جس کا نقصان پاکستان کو ہی ہوگا،مولانا سمیع الحق شہید کا یہ پختہ موقف تھا کہ جب تک امریکہ اور دیگر قابض افواج افغانستان میں موجود ہیں خطے میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ان کا کہنا تھا افغانستان کی قسمت کا فیصلہ خود افغانیوں کو کرنا چاہیے امریکہ، پاکستان ،ایران یا روس کو ان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

مسئلہ افغانستان کے متعلق مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا موقف

ایک سازش کے تحت پاکستان سے ایسے رہنماوں کو ہٹایا جارہا ہے جو امریکی ایجنڈے کی راہ میں رکاوٹ ہیں، امریکہ نے افغان حکومت کے ذریعے مولانا سمیع الحق شہیدؒ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔آج سے تقریباً ایک ماہ پہلے افغان حکومت نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے افغان طالبان کے ساتھ مذاکرات میں ثالث بننے کی درخواست کی جس کے جواب میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے کہا تھا کہ امریکہ کی افغانستان میں موجودگی کی وجہ سے وہ یہ کردار خوش اسلوبی سے ادانہیں کرسکتے۔اسی سلسلے میں افغان حکومت کی طرف سے آئے ہوئے ایک اعلیٰ سطحی سرکاری وفد نے ان سے یکم اکتوبر ۲۰۱۸ء کو اسلام آباد میں ایک بڑے ہوٹل میں اہم ملاقات کی، یہ ملاقات دو ڈھائی گھنٹے تک جاری رہی ،وفد

میں افغانستان کی مختلف جماعتوں کے سرکردہ حکومتی افراد، اہم علماء و سیاسی زعماء شامل تھے، جن میں سے کچھ علماء جامعہ حقانیہ سے فارغ التحصیل اور مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے شاگرد رہ چکے تھے، پاکستان میں افغان سفارتخانہ کے سینئر سفارتکار بھی اس ملاقات میں شریک تھے۔

افغان وفد کی مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے ملاقات

وفد نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے افغانستان کی صورتحال پر تفصیلی بات چیت کی اور مولانا سے قیام امن کیلئے کردار ادا کرنے پر زور دیا ان کا مقصد تھا کہ کسی طرح طالبان اشرف غنی کی حکومت کو تسلیم کرلیں۔ اس ضمن میں وفد نے افغانستان حکومت بشمول شمالی اتحاد اور حکومت کے تمام اتحادی گروپوں کی طرف سے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو ثالث بننے کی پیشکش کی اور ان کے ہر فیصلہ کو تسلیم کرنے کا یقین دلایا سرتسلیم خم کیا کہ ہم سب افغان طالبان کی طرح آپ کو اپنا استاد، رہبر اور باپ کی طرح سمجھتے ہیں لیکن مولانا شہیدؒ نے ان سے کہا کہ یہ ایک پیچیدہ بین الاقوامی مسئلہ ہے امریکہ سمیت بڑی طاقتیں اپنی مرضی کے مطابق اسے حل کرنا چاہتی ہیں اور وہ ہمیں حل کرنے نہیں دیں گی میں اپنے کمزور کندھوں پر اتنی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈال سکتا مگر میری دلی خواہش ہے کہ افغان جہاد افغانیوں کی مرضی کے مطابق اپنے منطقی انجام یعنی ملک کی آزادی اور اسلام کی سر بلندی تک پہنچ جائے اور یہ باہمی خون خرابہ بند ہوجائے۔

افغانی وفد کو مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا مشورہ

انہوں نے مشورہ دیا کہ پہلے مرحلے میں آپ میں سے چند مخلص علماء افغان حکمران پاکستان اور امریکہ کی مداخلت سے ہٹ کر خاموشی سے کسی خفیہ مقام پر مل بیٹھیں اور متحارب گروہ بھی ایک دوسرے کا نقطہ نظر سمجھ لیں مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے کہا کہ میرے نزدیک اس مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ افغانستان کے حکمران، پچھلے دور کے مجاہدین عوام اور طالبان کا ایک نقطہ پر متفق ہوکر ملک کی آزادی اور امریکی نیٹو افواج کے انخلا پر متفق ہو جائیں تو قابض استعماری قوتیں نکلنے پر مجبور ہونگی، اس کے بعد تمام افغانیوں کو ملک بیٹھ کر ملک کیلئے ایک نظام پر اتفاق کرنا چاہیے اور تمام طبقوں کو افغانستان کی آزادی کیلئے دی گئی لاکھوں افراد کی جانی شہادتوں اور لاکھوں مہاجرین کے دربدر ہونے کی قربانیوں کی لاج رکھنا ہوگا۔ ان حالات میں حکومت پاکستان کو بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے اور ذہن میں ملا عمر کے ان الفاظ کو دل سے رجوع کر کے افغانستان میں امن کی تلاش جاری رکھنا ضروری ہے،'' ہماری قدریں مشترک ہیں، قومی سلامتی کے تقاضے ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور ہماری جدوجہد آزادی کی منزل ایک ہے۔''

مولانا عبدالقیوم حقانی

پندرہویں صدی میں اسلام کا اعجاز
طالبان: دو سپر پاورز کے فاتحین

- ...... مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی کامیاب جہادی حکمت عملی، مجاہدین کی سرپرستی ورہنمائی اور مولانا سمیع الحقؒ کی شہادت کے ثمرات
- ...... امارتِ اسلامیہ افغانستان کے قائدین کی مولانا سمیع الحقؒ کی شہادت پر تعزیتی قرارداد، خدمات کا اعتراف، ''امام الشہداء'' کے تاریخی لقب کا اعلان اور ایمان افروز تأثرات
- ...... خون پھر خون ہے جم جاتا ہے رنگ لاتا ہے

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعلَونَ إِن كُنتُم مُؤمِنِينَ o

كَم مِن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَت فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَo

مولانا سمیع الحق شہیدؒ امارتِ اسلامی افغانستان کے قیام و استحکام کے داعیٔ مغرب و مشرق اور پورے عالم میں ''فادر آف طالبان'' کے لقب سے معروف ومتعارف، امریکہ، برطانیہ، فرانس، بلجئیم ور مشرق ومغرب میں ''جہادِ اسلامی'' کی پہچان، اتحادِ اُمت کے علمبردار اور وحدتِ ملی کے نشان ہیں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو ان کے روحانی ابناء اور امارتِ اسلامیہ افغانستان کے قائدین اور زعماء نے اپنے تعزیتی بیان میں جس طرح دل کی قاشیں نکال کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے وہ اگر چہ مختصر ہے مگر ایک مفصل کتاب کا متن اور نصف صدی کی مجاہدانہ تاریخ کا ایمان افروز باب ہے۔

اگر کوئی شخص مجھ سے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے نظریۂ تعلیم و تربیت، اخلاق وسیاست اور جہاد و اسلامی انقلاب کے بارے میں سوال کرے تو میں اسے بلا تکلف علامہ اقبالؒ کے مطلوب امام کے اوصاف پر

مشتمل وہ اشعار سناؤں گا جوانہوں نے ضربِ کلیم میں ''امامت'' کے عنوان سے لکھے ہیں......

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے　　حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق　　جو تجھے حاضر و موجود سے بے زار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دِکھا کر رُخ دوست　　زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے　　فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی　　جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

تحریک جہادِ افغانستان' تحریک نفاذِ شریعت بل پاکستان' تحریک طالبان اور امارتِ اسلامیہ کے قیام و استحکام کے دوران مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ''سپر پاورز'' سے لا شرقية ولا غربية کا علَمِ بغاوت بلند کیا۔ مولانا سمیع الحقؒ نے جو طرزِ جہاد جو لائحۂ عملِ انقلاب اور غلبہ اسلام کے لئے جو جہادی منہج اختیار کیا دُنیا کے بزرجمہر آج تک انگشت بدنداں ہیں کہ یہ درمیان کا نیا اور انوکھا لائحہ عمل ایک مستقل نظریۂ انقلاب وسیاست ہے ورنہ آج تو ہر ایک نے سیاسی جغادریوں کو امریکہ کی جھولی میں بیٹھ کر اور روس کی گود میں دبک کر ایک دوسرے پر غراتے ہوئے دیکھا ہے اور آج کل امریکہ کی آغوش سب کے لئے آغوشِ پدر ہے۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے دُنیا بھر کو صاف صاف بتا دیا کہ......

ع　درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو درسگاہِ نبوت کے فیض علم سے حصہٗ وافر ملا تھا اس لئے وہ برملا شرق و غرب کی طاقتوں کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتے تھے۔ مولانا سمیع الحقؒ نے اپنے شاگردوں، حقانیین اور جمیع طالبان کو شہادت کے آئینے میں رُخِ دوست دِکھا کر متوالا اور دیوانہ بنا دیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے سرزمین افغانستان پر شہادتوں کی لہلہاتی فصل تیار ہوگئی۔ میں نے انہیں بارہا گنگناتے سنا......

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن　　نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

افغانستان میں جہاد اور تحریکِ طالبان کے دوران روس اور امریکہ دونوں انہیں للچائی نظروں سے دیکھتے رہے اور اپنا اپنا دام بچھا کر بیٹھے رہے کہ شاید یہ شہباز کسی دانے کی بدولت پھنس جائے لیکن تھوڑے ہی عرصے میں سب کو معلوم ہوگیا کہ...... ع　کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

تحریک طالبان افغانستان کے سرپرست و پشتیبان اور سب سے بڑھ کر نا اُمیدی و خوف کے دور میں حضرت شہیدؒ امارتِ اسلامیہ افغانسان کے سب سے بڑے ترجمان بنے رہے۔ شہادت

سے ایک ماہ قبل بھی افغان حکومت کے اعلیٰ سطحی حکومتی وفد کو کھری کھری اور صاف باتیں سنائیں۔ اکثر مفکرین اور تجزیہ نگاروں کے مطابق اسی ملاقات کے بعد دشمنانِ اسلام اور استعماری قوتوں نے طے کرلیا تھا کہ مولانا سمیع الحقؒ کو راستے سے ہر حالت میں ہٹانا اب ناگزیر بن گیا ہے۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اپنی ہدایات و تعلیمات میں امارتِ اسلامیہ افغانستان کے قائدین اور مجاہدین کو ایک نیا آہنگ دیا کہ مشرق ومغرب پر انحصار نہ کریں بلکہ اپنے زورِ بازو سے خود کفالت کی راہ اختیار کریں، یہی وجہ ہے کہ آج افغانستان دُنیا کے کسی ملک کا ایک پائی کا بھی مقروض نہیں ہے۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے تربیت یافتہ طالبان میدانِ عمل میں ہیں اور روس کے بعد امریکہ کو بھی مار بھگا کر افغانستان میں فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں، طالبان، روس کے بھی فاتح ہیں اور امریکہ کے بھی فاتح ہیں ......

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پہ اسرارِ شہنشاہی

یہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تعلیم و تربیت، رہنمائی و سرپرستی اور فروغِ علم و جہاد کی مخلصانہ دعوت وتبلیغ تھی جس نے الفاظ کو باقاعدہ زبان دی جس نے ان کی نوک کو خنجر وسنان اور پلک کو شمشیر و تیر بنا دیا یہی تعلیم وتربیت کے الفاظ وحروفِ طوفان بن گئے اور روس وامریکہ کے جور وستم کے سبھی خس وخاشاک کو بہا کر لے گئے۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ تعلیم وتربیت کے ساتھ عملاً میدانِ جہاد میں اُترے تو ان کی دعوت وخطاب کے الفاظ بجلی کی چکا چوند بن گئے جنہوں نے ظالم طاقتوں کی آنکھیں چندھیا دیں، یہ جہاد وانقلاب ہی ہے جس نے کسی فکر کو منطق کا صغریٰ کبریٰ اور فلسفے کی گتھی نہیں بننے دیا بلکہ ایک پیغامِ حیات بنا دیا ہے۔کسی نظریۂ تعلیم وتربیت اور کسی فکر کی پشت پر کوئی انقلابی اور عملاً جہادی شخصیت نہ ہوتو فکر صرف شطرنج کی بازی بن جاتا ہے جسے کھلاڑی کھیلتے رہیں اور چاہیں تو قیامت تک ختم نہ ہونے دیں مگر عملاً جہادی وانقلابی شخصیت، فکر کو پارہ بنا دیتی ہے جو جسم میں جاتی ہے۔ برابر تھرکتی رہتی ہے اور اذہان کو کباب بنا دیتی ہے نہ اس پہلو چین نہ اس کروٹ قرار

ع جو جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی علمی اور فکری تربیت نے افغان مجاہدین کو غلبہ اسلام کے صحیح راستے پر

لگا دیا۔ انقلابی مجاہد نے ان کی اُنگلی پکڑ کر منزل پر پہنچا دیا، میدانِ کارزار میں دو سپر پاورز کو لوہے کے چنے چبوائے، روس کو شکست فاش دے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور امریکہ کو ذلیل ترین شکست سے دوچار کر کے دنیا میں قیامِ امن اور نفاذِ شریعت کی راہ ہموار کر دی۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ضخیم کتابیں اور تصنیفات و تالیفات ایک عظیم علمی کارنامہ ہے مگر ان کے انبار انہیں وہ مقام نہ دے سکے جو روشن جہادی کردار نے انہیں عظمتوں کی رفعتوں پر پہنچا دیا ہے۔

آج دونوں سپر پاورز، روس وامریکہ کے فاتح افغان مجاہدین، طالبان بالخصوص حقانیین اور امارتِ اسلامیہ افغانستان کی قیادت نے مولانا سمیع الحق کی شہادت پر جو تأثرات (درج ذیل تعزیتی قرارداد کی صورت میں) جریدۂ عالم پر ثبت کر دیے ہیں۔اس کے مطالعہ سے قطعی طور پر یہ حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے وہ سارے اسرار و رموز کھول دیے ہیں جو کسی فلسفی سے حل نہ ہوئے اور کسی منطقی سے کھل نہ سکے قلم کی سیاہی مٹ سکتی ہے مگر خون کی سرخی انمٹ ہوتی ہے قلم کی نگارشات صفحات کی زینت بنتی ہیں جبکہ خونِ شہید لوحِ کائنات پر ثبت ہو جاتا ہے جسے زمانہ مٹانا بھی چاہے تو نہیں مٹا سکتا۔ ع خون پھر خون ہے جم جاتا ہے رنگ لاتا ہے

تاریخ کا یہ صدیوں کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ جس طرح ''فرزانے'' حیلہ سازی سے باز نہیں آتے، اسی طرح ''دیوانے'' بھی جان کی بازی سے کبھی نہیں رُکتے سوا ایک ''خو'' حکمرانوں اور ظالم طاقتوں کی ہے اور ایک وضع افتادگانِ خاک کی، نہ وہ اپنی عادت بدلنے پر قادر نہ یہ اپنی روایت چھوڑنے کو تیار۔ نام ونمود، زرو جواہر کے بھوکے اور دُنیا کے پجاری وزارت کا عہدہ پا کر پھولے نہیں سماتے اور مجاہدین شہادت کا مرتبہ پا کر اُٹھلاتے نظر آتے ہیں دنیاداروں کی نظر میں مجاہدین وشہداء ہر لذت، خوشی، لطف، کیف اور سرور سے محروم ہوتے ہیں جبکہ شہیدوں کی روحیں ایسے لوگوں کو متوجہ کر کے کہہ رہی ہوتی ہیں

ایسے دیوانے تو نہ تھے جہاں سے گذرنے والے ناصحو پند کرو راہ گذر تو دیکھو

بہرحال! عالمی سپر پاورز اور ان کے پجاری خنجر چلاتے رہے، مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور ان کے شاگردانِ رشید اپنے جگر آزماتے رہے بالآخر خنجر کے مسلسل وار اور ظالموں کے وحشیانہ کردار نے شہداء کو خلعتِ خونِ شہادت پہنا دی۔ تخت کے بدمست خوش ہو گئے کہ اسلامی جہاد کی فکر پر جبر غالب آ گیا لیکن مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور ہزاروں شہداءِ افغانستان کی آخری ہچکی قوم وملت کے لئے گلبانگ مسیحا بن کر درندہ صفت ظالم قوتوں کو پیغام دے گئی ......

دورِ حیات آئے گا قاتل قضاء کے بعد ہے ابتداء ہماری تیری انتہاء کے بعد

اسلام اور دینی اقدار کے ابدی دشمنوں نے بزرگ علمی اور دینی شخصیت شیخ القرآن والحدیث مولانا سمیع الحق نور اللہ مرقدہ پر بھی رحم نہیں کھایا، وہ اپنی عمر اور بیماری کے لحاظ سے اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ کسی سہارے کے بغیر چل نہیں سکتے تھے، گزشتہ دنوں پاکستان کے شہر راولپنڈی میں اپنے گھر میں عصر کے وقت چند درندہ صفت لوگوں نے بیدردی کے ساتھ ان پر چھریوں کے وار کر کے شہید کر دیا، ان کے جنازے میں لاکھوں افراد نے شرکت کی اور انہیں دارالعلوم حقانیہ میں اپنے والد بزرگوار شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا (انا للّٰہ وانا الیه راجعون)

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ایک جید عالم دین تھے، عالم اسلام کی سطح پر سیاسی رہنماء اور سچے انسان تھے، وہ ہر میدان میں اور ہر حساس موقع پر مسلمانوں کے دفاع کیلئے آواز اٹھاتے تھے، اسلامی تہذیب اور جہادی اقدار کے دفاع کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، انہوں نے اپنی ساری زندگی درس و تدریس، دینی کتب کی تالیف اور پاکستان میں امریکی اور مغربی سازشوں کو ناکام بنانے کی جدوجہد میں گزاری، وہ فلسطین، افغانستان، کشمیر، بوسنیا، عراق اور دیگر اسلامی ممالک میں طاغوتی اور استعماری قوتوں کی جانب سے ڈھائے گئے مظالم پر صدائے حق بلند کرتے اور ان کا دفاع کرتے تھے، بالخصوص جب افغانستان پر سوویت یونین نے حملہ کیا تو مولانا شہیدؒ نے اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مظلوم افغان عوام کی ہر قسم کی امداد کی، مجاہدین اور مہاجرین کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی کیلئے انکے پروگراموں اور تقریبات میں شرکت فرماتے تھے اور انہیں خراج تحسین پیش کیا کرتے تھے، اسی طرح وہ جہادی تنظیموں کے درمیان وحدت اور اتفاق کی بھی کوشش کرتے تھے، ملکی اور عالمی سطح پر مجاہدین کے مؤقف کی حمایت کرتے تھے، جب امریکی پرچم تلے درجنوں ممالک نے افغانستان پر جارحیت کا ارتکاب کیا تو مولانا شہیدؒ اصولی مؤقف اور اپنے دینی فریضے کے طور پر افغان مظلوم عوام اور مجاہدین کے ساتھ کھڑے رہے، بہت مشکل حالات کے باوجود ان کی سیاسی اور اخلاقی حمایت کا اعلان کیا، جس طرح مولانا شہیدؒ کی شہادت کے حوالے سے امارت اسلامیہ کے جاری کردہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ مولانا صاحب پر قاتلانہ حملہ بلاشبہ اسلام دشمنوں کا کام ہے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ مولانا سمیع الحقؒ جیسی قدآور دینی شخصیت امت مسلمہ کو جاگنے کا درس دیتی رہے اور اسلامی اقدار اور تہذیب کا دفاع کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تمام دینی اور اسلامی خدمات قبول فرمائے ان کے جامعہ کو قائم و دائم رکھے۔ (آمین)

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کے متعلق

امارت اسلامیہ افغانستان کا اعلامیہ

یہ المناک اطلاع ملی کہ مملکت پاکستان کے مایہ ناز عالم دین اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم جناب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کو نامعلوم افراد نے شہید کر دیا (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)

امارت اسلامیہ افغانستان جناب مولانا سمیع الحق صاحبؒ کی شہادت کو تمام عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان وافغانستان کے مسلمان عوام کیلئے عظیم اور ناقابل تلافی ضائعہ سمجھتی ہے، اس حوالے سے مولانا صاحبؒ کے معزز خاندان، جمعیت علماء اسلام پاکستان کے تمام دینی حلقہ جات اور مسلمہ امہ کو دِل کی گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتی ہے، اللہ تعالیٰ سے شہید مولانا صاحبؒ کیلئے جنت الفردوس، اقرباء، متعلقین، دینی طبقات، پاکستان عوام اور امۃ مسلمہ کو صبر جمیل اور اجر جزیل کی التجاء کرتی ہے۔

شہید مولانا سمیع الحق صاحبؒ نے اپنی تمام زندگی کو تعلیمی اور سیاسی شعبوں میں دین کی خدمت کیلئے وقف کر رکھا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر جہادی تحریکات کیساتھ ان کی وابستگی اور ہماری خصوصی سرپرستی زندگی کے آخری لمحے تک آپ فرماتے رہے اور اسی وجہ سے ظالموں نے بیدردی کے ساتھ انہیں شہید کر دیا، انہوں نے افغان مظلوم ملت کیساتھ سوویت یونین کی جارحیت اور امریکی قبضے کے خلاف ناقابل فراموش خدمات انجام دیتے ہوئے ان کا ساتھ دیا، ہمیشہ حق کی بات جرأت سے کرتے اور افغان عوام کی مظلومیت کی صدا کو ہر جگہ بلند کرتے، امارت اسلامیہ افغان مسلمان عوام کی نمائندگی سے شہید مولانا سمیع الحق صاحبؒ کی شہادت پر افسوس کا اظہار کرتی ہے اور ان کے قاتلوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے عظیم جزا اور رسوائی کی التجاء کرتی ہے۔ تحریک طالبان افغانستان کا یہ نمائندہ اجتماع آپ کو عمر بھر افغان مجاہدین وتحریک طالبان کی سرپرستی فرمانے اور اس بڑھاپے میں شہادت کے عظیم مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کو ''امام الشہداء'' کا لقب دیتی ہے۔ مولانا سمیع الحق صاحبؒ پر قاتلانہ حملہ بیشک اسلام کے دشمنوں کا فعل تھا، وہ نہیں چاہتے کہ مولانا سمیع الحق صاحب رحمہ اللہ کی طرح مایہ ناز اور مصمم شخص امت مسلمہ کو بیداری کا درس دے، اسی لئے انہیں نہایت بزدلی سے شہید کر دیا، اللھم اغفرہ وارحمہ وتجاز و عنہ

جناب حامد میر
معروف اینکر،صحافی، کالم نگاراوردانشور

افغان طالبان کامستقبل؟

جناب حامد میر صاحب کا افغان طالبان کے حوالے سے بے لاگ تبصرہ ،جس میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے کلیدی کردار اور افغانستان میں امن کے حوالے سے ان کی خدمات و مساعی کو سراہا ہے، واضح رہے کہ یہ تحریر مولانا شہیدؒ کے حین حیات میں لکھی گئی تھی۔ (ادارہ)

افغان طالبان کیلئے ملا محمد عمرؒ کی موت کی تصدیق کرنا ایک مشکل فیصلہ تھا لیکن انہیں یہ مشکل فیصلہ کرنا پڑا ملا محمد عمرؒ کی موت کی تصدیق کے بعد مولانا جلال الدین حقانی اور ملا محمد یعقوب کی موت کے دعوے بھی کئے گئے لیکن یہ دعوے غلط ثابت ہوئے ،عام خیال یہ تھا کہ ملا محمد عمر کی جانشینی کے معاملے پر افغان طالبان میں پھوٹ پڑجائے گی اوران کی مسلح مزاحمت بھی کمزور پڑجائے گی ملا محمد عمرؒ کی جگہ ملا اختر منصور کو طالبان کا نیا امیر بنائے جانے کے اعلان پر کچھ اعتراضات سامنے آئے لیکن ملا اختر منصور نے امارت سنبھالنے کے فوراً بعد کابل حکومت کے ساتھ مذاکرات معطل کر کے اپنے آپ پر اعتراضات کی شدت کو کم کردیا کیونکہ اعتراضات کرنے والوں کے زیادہ تر تحفظات ملا اختر منصور کی ذات پر نہیں بلکہ کابل حکومت کے ساتھ مذاکرات پر تھے،ملااختر منصور کی امارت پر اعتراضات اٹھانے والوں میں ملا محمد عمرؒ کے کچھ ایسے ساتھی بھی تھے جن کو کچھ عرصہ سے پاکستان سے بھی شکایات ہیں یہ شکایات پاکستان کیلئے کافی مشکلات کھڑی کرسکتی تھیں لیکن مغربی میڈیا اور افغان حکومت کے پروپیگنڈے نے افغان طالبان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ملا محمد عمرؒ کی موت کے بعد اگر انہوں نے آپس کے اختلافات پر قابو نہ پایا اور پاکستان کے خلاف ایک نیا محاذ کھول لیا تو فائدہ دشمنوں کو ہوگا دشمنوں نے دعوی کیا کہ ملا محمد عمرؒ کا انتقال پاکستان میں ہوا طالبان نے اس دعوے کی تردید کی تو دشمنوں نے کہا کہ ملا محمد عمر کو دفن تو افغانستان میں کیا گیا لیکن انہیں پاکستان میں قتل کر دیا گیا تھا اس دعوے کی تردید بھی ہوگئی تو ایک نیا دلچسپ دعویٰ سامنے آیا۔ایک صحافی نے لکھا کہ ملا محمد عمر کراچی کی لی

مارکیٹ میں آلوفروخت کیا کرتے تھے ملا محمد عمرؒ کی کراچی اور کوئٹہ میں موجودگی کے دعوے کرنے والے آج تک اپنے موقف کو سچ ثابت کرنے کیلئے کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں لا سکے۔

بہر حال! ملا محمد عمرؒ کی موت کے بعد طالبان کے خلاف پروپیگنڈے کے طوفان نے انہیں نقصان کے بجائے فائدہ پہنچایا اور انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات کو مل بیٹھ کر طے کرنے پر توجہ دی اس سلسلے میں مولانا سمیع الحق اور ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نے اہم کردار ادا کیا، ملا اختر منصور سے شاکی افغان طالبان کا ایک وفد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پہنچا اور ملا محمد عمر کی موت کے بعد پیدا ہونے والے صورتحال میں رہنمائی طلب کی مولانا سمیع الحق نے انہیں باہمی اختلافات ختم کرنے کا مشورہ دیا بعد ازاں مولانا صاحب نے ملا اختر منصور سے شکوے شکایت کرنے والے کچھ طالبان رہنماؤں سے خود بھی رابطے کئے اور آہستہ آہستہ ملا اختر منصور کے مخالفین خاموش ہوتے گئے ملا اختر منصور کی طرف سے کابل حکومت کے ساتھ مذاکرات کا عمل معطل کرنے کے بعد افغانستان میں طالبان کے حملوں میں شدت آ گئی ہے۔طالبان نے کابل میں پولیس اکیڈمی اور مغربی افواج کے ایک مرکز پر حملہ کرکے عالمی طاقتوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ ملا محمد عمرؒ کی موت کے بعد بھی طالبان ایک موثر قوت کے طور پر موجود ہیں شاید انہی حملوں کا اثر تھا کہ پاکستان کے سفیر اکوڑہ خٹک میں مولانا سمیع الحق کے پاس جا پہنچے اور ان سے درخواست کی کہ وہ افغان طالبان کو مذاکرات کا عمل دوبارہ شروع کرنے پر راضی کریں ،مولانا سمیع الحق مذاکرات کے حامی ہیں لیکن انہوں نے افغان سفیر کو طالبان کے تحفظات سے بھی آگاہ کیا اور بتایا کہ افغانستان کی جیلوں میں طالبان کے قیدیوں پر تشدد جاری رہا تو صدر اشرف غنی کی حکومت ملا اختر منصور کے روئے میں کسی لچک کی توقع نہ کرے۔

مولانا سمیع الحق نے ہمیشہ افغان طالبان کی سرپرستی اور ترجمانی کی ہے، ان کی سیاست سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اُن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حال ہی میں انہوں نے افغان طالبان کے بارے میں انگریزی میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے''افغان طالبان، وار آف آئیڈیالوجی'' اس کتاب میں انہوں نے افغان طالبان اور ملا محمد عمرؒ کے بارے میں کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ملا محمد عمر کے دارالعلوم حقانیہ میں تعلیم حاصل کرنے کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں تاہم وہ دارالعلوم کے دو پرانے طلبہ وفضلاء مولوی یونس خالص اور محمد نبی محمدی کے شاگرد رہے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ نے ملا محمد عمر کو ایک اعزازی ڈگری ضرور جاری کی۔ اس کتاب کے مطابق ملا محمد عمر کی دو بیویاں ہیں۔ مولانا سمیع الحق نے لکھا ہے کہ ملا محمد عمر عورتوں کی

تعلیم کے خلاف نہیں تھے البتہ وہ مخلوط تعلیم کے خلاف تھے۔ اس کتاب میں مولانا صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ طالبان کے دورِ حکومت میں پوست کی کاشت کو ختم کر دیا اور ''سوارا'' (ونی) جیسی رسموں پر پابندی لگائی جن کے تحت قبائلی دشمنیاں ختم کرنے کیلئے عورتوں کی زبردستی شادیاں کی جاتی تھیں۔ فرگوسن نے لکھا ہے کہ ملا محمد عمر کے دور میں قاری برکت اللہ سلیم کابل میں ایک گرلز سکول چلاتے رہے جس میں سات ہزار طالبات زیرِ تعلیم تھیں، ملا محمد عمر نے افغانستان میں ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کے تحفظ کے لئے کئی اقدامات کئے لیکن بدقسمتی سے عالمی میڈیا میں اُن کے مثبت اقدامات کو زیادہ توجہ نہ مل سکی۔

عالمی میڈیا نے ملا محمد عمر اور افغان طالبان کو صرف القاعدہ کے ایک سرپرست کے طور پر دیکھا۔ پاکستان کی حکومتیں تمام تر کوششوں کے باوجود ملا محمد عمر کو القاعدہ اور اسامہ بن لادن سے علیحدہ نہ کر سکیں۔ ملا محمد عمر نے ہمیشہ پاکستان کے مفادات کا خیال رکھا لیکن پاکستانی حکومت کی خواہشات اور گزارشات کو حرف آخر کبھی نہ سمجھا۔ ۲۰۱۰ء میں افغان طالبان اور پاکستانی حکومت نے کافی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ ملا محمد عمر کے ایک قریبی ساتھی عبید اللہ اخوند ایک پاکستانی جیل میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ان کے اہل خانہ سے موت کی خبر چھپا کر اُنہیں خاموشی سے دفن کر دیا گیا۔

طالبان حکومت کے ایک اور سابق وزیر استاد یاسر بھی ایک پاکستانی جیل میں پراسرار موت کا شکار ہوئے۔ پھر ملا محمد عمر کے ایک اور قریبی ساتھی ملا عبدالغنی برادر کو کراچی میں گرفتار کر لیا گیا۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ۲۰۱۰ء میں کس پاکستانی ادارے کا کون کون سربراہ تھا لیکن افغان طالبان کو زور زبردستی سے امریکا کے ساتھ اور حامد کرزئی کے ساتھ مذاکرات پر راضی کرنے کی کوشش میں وہی لوگ ملوث تھے جنہوں نے بعد میں سی آئی اے کے ایجنٹ ریمنڈ ڈیوس کو رہا کرا کر اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد کی زندگی میں غیر ملکی نوکری کا بندوبست کر لیا۔ یہ وہ دور تھا جب ملا محمد عمر کو بھارت سمیت کئی ممالک نے اپنے مفادات کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کی لیکن ملا محمد عمر تمام تر شکایتوں کے باوجود پاکستان کے بارے میں خاموش رہے تاہم افغان طالبان پر پاکستان کا اثر ونفوذ کافی کم ہو گیا۔

ملا محمد عمر کی موت کے بعد طالبان اور افغان حکومت میں مذاکرات کا عمل معطل ہو چکا ہے۔ یہ عمل بحال ہونا چاہئے تاہم اس معاملے میں پاکستان کو بہت احتیاط، صدر اشرف غنی کو برداشت و حکمت اور عالمی طاقتوں کو غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ افغان طالبان کی نفسیات کو سامنے رکھا جائے، اگر ان کے خلاف سختی کی جائیگی اور جھوٹ بولا جائے گا تو پھر جواب نفی وغیرہ میں آئیگا۔

(ماہنامہ ''الحق'' جولائی، اگست ۲۰۱۵ء)

مولانا راشدالحق سمیع

انا فتحنا لك فتحاً مبيناً

تحریک طالبان کا پہلا فتح کابل

ع کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

تحریک طالبان نے جب پہلی مرتبہ ۱۹۹۶ء میں دیگر صوبوں کی طرح کابل کو بھی فتح کیا تو پوری دنیا میں اس فتح کی گونج اٹھی، مدیر ''الحق'' مولانا راشد الحق سمیع نے بھی اس عظیم فتح پر طالبان کو مبارکباد اور خراج تحسین پیش کیا اور اپنے جذبات کو ان الفاظ میں ڈھالا۔ مدیر صاحب کا وہ مؤثر اداریہ آج بھی ویسے ہی تازہ ہے جو کہ نذر قارئین ہے (ادارہ)

بالآخر وہ تاریخی لمحہ آ ہی گیا جس کا امت مسلمہ کو مدتوں سے انتظار تھا اور جس خوشخبری کو سننے کے لئے کان بے تاب تھے اور جس اسلامی انقلاب کیلئے آنکھیں ترستی تھیں۔ وہ فتح کابل کی صورت میں دنیا نے دیکھ لیا (۱۹۹۶ء) یہ جمعہ کی بابرکت اور پرسعادت رات تھی اور بدرِ کامل اپنی ضوفشانیاں اس رات مجاہدین کے قدموں، کابل کی گلیوں میں نچھاور کئے جارہا تھا اور یہ غازی آگے بڑھے جارہے تھے اور یہ خداوند قدوس کی حکمت تھی کہ فتح کابل کو اسی بابرکت رات تک موقوف کئے رکھا۔ پھر جمعہ کے دن اس خوشی میں نماز جمعہ میں تمام امت مسلمہ اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود تھی۔ یہ تمام فتوحات اور کامیابیاں اتنی اچانک اور برق رفتار تھیں کہ عقل انسانی اس کے سامنے دنگ رہ گئی تمام ماہرین جنگ اور سیاسی مبصرین ورطہ حیرت میں پڑ گئے۔ یقیناً نصرت خداوندی نے لشکر محمدی کے ہاتھوں ایک زبردست انقلاب بپا کیا اور وقت کے ابرہوں کے لشکر کو طالبان کی شکل میں ابابیل کے ہاتھوں تہس نہس کر دیا۔ ماضی قریب میں پہلی دفعہ کابل کو بزور شمشیر فتح کرنا ایک بہت بڑا تاریخی کارنامہ ہے او رانقلابات میں جبکہ لاکھوں افراد کو اس کے فوراً بعد تہہ تیغ اور انتقام وغارت گری کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور لوٹ مار اور قتل عام کا ایک شرمناک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے انّ الملوكَ اِذا دَخلوُا قرية اَفسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذاله و كذالك يفعلون۔ لیکن آفرین ان قدسی صفات پیغمبران امن وآشتی پر جنہوں نے فتح مکہ کی یاد تازہ کرتے ہوئے کسی کو ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنایا اور نہ ہی لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ نہ کسی کی عصمت دری کی اور نہ ہی کسی کو ذلیل و رسوا

کیا اور دنیا کے نقشہ پر عرصہ دراز کے بعد ایک خالص، مکمل آزاد اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی۔ تختِ کابل کو اس کے اصل حق داروں کو واپس دلانے میں اور اس طویل، صبرآزما، مشکل اور پرخطر راستے میں کیا کچھ پیش آیا۔ امت مسلمہ کو کیا کیا قربانیاں دینی پڑیں۔ یہ ایک لمبی داستان ہے کئی لاکھوں افراد کے خون سے بالآخر یہ چراغ روشن ہو ہی گیا اور برصغیر میں تین سو سال سے بند میخانہ رشد وہدایت کو لاکھوں نوجوانوں نے جام شہادت نوش کر کے کھولا۔ ع کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اور اس پر کمیونزم اور شہنشائیت کا بھاری قفل جو پڑا ہوا تھا، آخر کار ضرب حیدری سے وہ کھل ہی گیا۔ امت مسلمہ کی ناؤ جو مایوسی اور قنوطیت کے گرداب میں بری طرح ہچکولے کھا رہی تھی، بالآخر انہیں ناخداؤں نے اس کو بھنور سے نکالا اور بے شمار طوفانوں کا مقابلہ کر کے آخر کار ساحل مقصود تک بخیر و عافیت پہنچایا۔ اب یہ ہماری بدقسمتی ہوگی کہ اتنا عظیم تاریخی کام سرانجام دینے والوں کی ہم قدر نہ کریں اور نہ ہی ان کی کوئی مدد اور نصرت کریں۔ آج تحریک ریشمی رومال کی کڑیاں فتح کابل کے بعد مکمل ہوگئی ہیں۔ اس تحریک کیلئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے جو تاریخی جدوجہد کی تھی، وہ اس لئے تھی کہ کابل کو اسلامی مرکز بنا کر دنیا بھر میں خصوصاً برصغیر میں خلافت راشدہ کا عملی نمونہ پیش کیا جاسکے اور اس برصغیر میں جو غیرملکی طاقتوں کے اثرات اور باقیات ہیں وہ زائل ہوجائیں۔ بالآخر وہ کوششیں اور جدوجہد بارآور ثابت ہوئیں اور وہ چنگاری جو ان قدسی صفات بزرگوں اور درویشوں نے روشن کی تھی، وہ افغانستان کی یخ بستہ فضاؤں میں استعماری اور استبدادی ہواؤں کے تھپیڑوں کے باوجود اس عرصہ دراز کے بعد آتش فشاں (طالبان) کی صورت میں بھڑک اٹھی اور پورے عالم کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں   جگر کی آگ دبی ہے مگر بجھی تو نہیں

دوسری طرف لاکھوں افغان مسلمانوں کا قاتل غدار اور مرتد جس نے نہ صرف اپنی ہی قوم افغانوں سے غداری کی بلکہ ہزاروں افغان دوشیزاؤں کی عصمت دری کرائی اور افغانستان کے مقدر کو خراب اور تہہ بالا کرنے میں اس نے بنیادی کردار ادا کیا اور جس نے رسوائے زمانہ تنظیم خاد کی سربراہی کے دوران پاکستان کے شہروں میں ہزاروں بم دھماکے کرا کے بے شمار نہتے بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جوانوں کو اڑا دیا پھر خصوصاً پشاور کی نواحی بستی گڑھی قمر دین سکول کے معصوم فرشتہ صفت بچوں کے پورے مکتب کو اڑا دیا تھا۔ جس میں اخباری اطلاعات کے مطابق چارسو کے لگ بھگ بچوں کے چیتھڑے اڑا دیئے اور ہنستی بستی زندگیوں کو ناکردہ گناہ کی سزا دیتے ہوئے انہیں خاک وخون میں نہلا

دیا اور ہرات و پکتیا وغیرہ ولایتوں میں ہزاروں افغانوں کو زندہ درگور کیا تھا جس کی ایک بڑی اور زندہ جاوید مثال ۲۵ ہزار افراد کی اجتماعی قبر کی صورت میں دنیا کے سامنے واضح ہے۔ابھی ماضی قریب میں سربوں نے بوسنیائی مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ ہم نجیب کے قتل پر ان بدبخت بے حمیت، بے حیا اور دینی غیرت سے معرا نام نہاد قوم پرست اور دیگر ایسے افراد کو جنہوں نے اس قتل پر طوفان بدتمیزی بپا رکھا ہوا ہے کیا اس عظیم ظالم اور مجرم کو کسی رحم وشفقت کا مستحق سمجھا جاسکتا ہے اور کیا اس کے یہ جرائم قابل معافی تھے؟ ہرگز ہرگز نہیں! فتح مکہ کا ادھورا حوالہ دینے والے ابن خطل کے انجام سے کیوں چشم پوشی کرتے ہیں۔ بلاشبہ نجیب کا قتل ان جیسے بدکرداروں کے لئے ایک عبرت ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرعون کے بارے میں ارشاد ہے فجعلنا هم سلفاً ومثلا للاخرين اور یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن لوگوں نے نجیب کے لئے ختمات قرآن کا اہتمام کیا تھا، کیا یہ قرآن پاک کی توہین نہیں اور کیا یہ لوگ قرآں پر یقین بھی رکھتے ہیں ہم ان لوگوں سے پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ ان لاکھوں افغان مسلمانوں کے قتل پر کبھی انہوں نے تعزیت کے دو بول بھی کہے تھے؟ کیا وہ مسلمان نہیں تھے؟ کیا وہ پختون اور افغان نہیں تھے؟ ع بریں عقل ودانش بباید گریست

اور اس پرستم بالائے ستم یہ کہ بعض اسلامی جماعتیں اوران کے زیراثر نمائندہ جرائد ہنوز حقائق سے صرف نظر کرکے پروپیگنڈوں کے ذریعے حقائق کو مسخ کرنے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں، نجیب کی موت پر حیرت ہے کہ وہ لوگ بھی جو کل تک جہاد کے بڑے حامی اور کمیونسٹوں کے سب سے بڑے مخالف نظر آرہے تھے' قوم پرستوں کے ساتھ ماتم اورعزاداری میں شریک ہیں۔ ع بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اب سب سے بڑی ذمہ داری علمائے کرام کی ہے کہ ان کو صحیح اور درست مشورے دیں اور ان کی رہنمائی کریں اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ کے جو طوفان او رجھکڑ چل رہے ہیں اس کے سدباب کیلئے انکی مدد کریں اور بالخصوص عرب ممالک اور دیگر اہل خیر حضرات کو افغانستان کی اسلامی حکومت سے تعاون اور اس کی تعمیر نو میں بھرپور حصہ لینا چاہیے اور وہ ماہرین جن کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے جیسے انجینئرز، ڈاکٹرز، ماہرین اقتصادیات ومعاشیات، سائنس وٹیکنالوجی وغیرہ وغیرہ یہ لوگ اپنی خدمات پیش کریں کیونکہ ابھی اسلامی حکومت کی تشکیل کے ابتدائی خدوخال ابھر رہے ہیں اوراس نوزائیدہ اسلامی حکومت کو ایک عظیم سلطنت میں ڈھالنے کا وقت ہے اور فوری خصوصی توجہ نظام تعلیم پر مرکوز رکھنی چاہیے کیونکہ تعلیم ہی ملک کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے طالبان نے ابتدائی مرحلے میں تعلیمی ادارے بطور تطہیر بند کئے ہیں تاکہ نصاب سے لینن

وسٹالن کی غلاظت کوختم کیا جاسکے۔اس کی مثال ایران کا انقلاب ہے کہ انہوں نے بھی تعلیمی ادارے بندکردیئے تھے اورتہران یونیورسٹی انقلاب کے پانچ سال بعدتک بند پڑی تھی۔

ہماری طالبان تحریک سے یہی درخواست ہے کہ وہ جنگ کے ابتدائی مراحل میں نصاب تعلیم کی طرف توجہ دیں اور اس کے لئے عالم اسلام کے ماہرین تعلیم کے بورڈ کی تشکیل دے کر ان کے تجربات سے استفادہ کریں۔ پاکستان کی حکومت سے ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ وہ اپنی گومگواورمنافقانہ پالیسی ترک کرکے طالبان کی حکومت کو فی الفورتسلیم کرے اور اس طرح بھارت اور دیگر پاکستان اور اسلام دشمن قوتوں کی سرگرمیوں کو خاک میں ملا دے۔طالبان کی فتح دینی طبقات، علما وصالحین، اہل مدرسہ او راہل حق کی فتح ہے۔ طالبان کی فتح سے دنیا بھر میں حق پرستوں اور علما کا وقار بڑھا ہے۔اس تحریک میں پاکستان کے دینی مدارس نے جو اساسی کردار ادا کیا ہے وہ قابل تحسین ہے ان مدارس نے بہت بڑی قربانیاں دی ہیں۔اپنے اسباق بند کئے اورحکومتی دباؤ کا سامنا بھی انتہائی پامردی کے ساتھ کیا ہےاگرچہ اس کے ساتھ ساتھ بعض علما کواس خدائی تحریک کے بارے میں تر ددر ہااورآخرتک شرح صدر کے انتظار میں رہےلیکن آج بحمداللہ طالبان تحریک کےقول وفعل اورعلم نے ان تمام بے بنیاد خدشات کوغلط ثابت کردیا ہے۔ حاسدین ومخالفین کے تمام تراندازے، تخمینے اور تجزیے غلط ثابت ہوئے اور جھوٹے پروپیگنڈوں کی تمام تر سیاہی طالبان کے صاف وشفاف کردار کی وجہ سےخود انہیں مخالفین کے چہروں پر آگری اوران کےمکروہ چہروں کومزید سیاہ کردیا۔ ع ترااے روسیہ منہ اورکالا ہونے والا ہے

طالبان نے آج پورے عالم کفرکو للکارا ہےجس کی وجہ سے روس اور اس کے حواریوں کی نیندیں حرام ہوگئیں ہیں اور وہ الماتا میں سرجوڑکر بیٹھ گئے ہیں۔وہ تو افغانستان کو ہڑپ کرنے نکلے تھےلیکن آج نقشہ کچھ اور ہےاورخودانہیں اپنی بقا خطرے میں نظرآ رہی ہے۔ ع لوخود ہی اپنے دام میں صیاد آ گیا

ان شاء اللہ! وہ دن دور نہیں جب لینن گراڈ اور ماسکو میں اللہ اکبر کے نعرے گونجیں گے۔ وہاں کی فلک بوس عمارتیں طالبان کی آذانوں کے انتظار میں ہیں اور بہت جلد دنیا کو یہ نوید سننے کو ملا گا کہ اب اسلام کی باری ہے۔خلافت راشدہ کا دورآنے والا ہے اور دنیا بھر کےمظلوموں کی آنکھیں اسلامی انقلاب کی راہ تک رہی ہیں۔ پاکستان کے دینی مدارس اور یونیورسٹیز کےطلبہ اور پاکستان کے سنجیدہ اسلام پسند حلقوں میں طالبان جیسی تحریک کا داعیہ بیدار ہورہا ہے اور یہی داعیہ ایک عالمگیر صورت اختیارکرتا جارہا ہے، ان شاء اللہ وہ دن دورنہیں جب نغمہ توحید سے کرہ ارض کا چپہ چپہ گونج اٹھے گا۔(کابل کی طرح)اورخدا کی زمین پرخدا کے نظام کا بول بالا ہوگا۔

ان الحكم الا لله امرالا تعبدوالا اياه ذٰلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لايعلمون

مولانا راشد الحق سمیع

فتح کابل کے بعد سب سے پہلے کابل جانے والے وفد کی واپسی پر تاثرات

جہاد افغانستان میں فضلائے حقانیہ نے عملاً شرکت کی اور سپر پاور روس کو شکست سے دوچار کر کے جب طالبان نے خانہ جنگی رکواتے ہوئے کابل کو فتح کیا تو دین وشریعت اور اسلامی خلافت سے محبت رکھنے والے امارت اسلامی افغانستان میں اسلامی نظام دیکھنے روانہ ہوئے، ان میں سرفہرست مولانا راشد الحق سمیع تھے، آپ فتح کی صبح افغانستان پہنچ گئے تھے، ذیل کا مضمون اسی تناظر میں لکھا گیا ہے (ادارہ)

جمعہ کی رات کو جب طالبان نے فتح کابل کا تاریخی معرکہ (۱۹۹۶ء) میں سر کرلیا اور اس کی اطلاع رات ڈھائی بجے دارالعلوم حقانیہ پہنچی تو تمام دارالعلوم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اگرچہ آدھی رات کا وقت تھا لیکن پھر بھی تمام طلبہ اپنے احاطوں سے نکل کر فوراً سربسجود ہوگئے اور ختم قرآن پاک کا اہتمام بھی کیا۔ علی الصباح دارالعلوم کا ایک وفد طلبہ کو مبارکباد دینے کے لئے مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے ترتیب دیا۔ چنانچہ راقم الحروف اپنے دوساتھیوں سمیت روانہ ہوا۔ جب یہ وفد طورخم بارڈر پر پہنچا تو لوگوں کا ایک جم غفیر سرحد کے دونوں طرف سرحد پار کرنے کیلئے موجود تھا جبکہ بارڈر طالبان کی فتح کے فوراً بعد غیر معینہ مدت تک کے لئے بند ہو چکا تھا۔ اور وہاں پر متعین پاکستانی حکام اور ملیشیا کے اہلکار اور افسران سے درخواست کے باوجود ان کو آگے نہیں جانے دیا گیا۔ بالآخر کافی تگ و دو کے بعد سرحد پار کرنے کی صورت نکل آئی۔ طورخم بارڈر پر طالبان کی طرف سے متعین آفیسر مولانا حاجی احمد جان صاحب دارالعلوم کے فاضل نکلے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ دارالعلوم سے کابل کا دورہ کرنے کے لئے وفد آیا ہے تو انہوں نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا اور وہاں پر موجودہ دفاتر اور ملحقہ علاقے کا دورہ کرانے کے بعد اپنے ہمراہ جلال آباد کے گورنر ہاؤس لے گئے، بارڈر سے لے کر جلال آباد تک تمام راستے میں لوگ انتہائی خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے تھے اور فتح کی خوشی میں جگہ جگہ انگور اور مٹھائیاں تقسیم کی جارہی تھیں۔ وفد گورنر ہاؤس پہنچا تو وہاں پر دارالعلوم کے فضلا

اور طلبہ کثیر تعداد میں موجود تھے، انہوں نے وفد کا شاندار استقبال کیا اور تحریک طالبان کے اہم مرکزی رہنما مولانا احسان اللہ احسان نے وفد کو خوش آمدید کہا اور رات کے کھانے پر موجودہ صورتحال اور فتح کابل پر تفصیلی بات چیت ہوئی۔ رات گورنر ہاؤس میں گزارنے کے بعد علی الصبح علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے آئے ہوئے علماء کے وفد سے ملاقات ہوئی۔ جن میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد ولی درویش صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع صاحب اور حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب شامل تھے۔ کابل جانے کے لئے گاڑیوں کا انتظام کیا گیا، رات ہی کو پاکستان ٹی وی اور ریڈیو کے رپورٹر بھی کابل جانے کیلئے جلال آباد پہنچ چکے تھے۔ تین گاڑیوں پر مشتمل یہ قافلہ علی الصبح کابل روانہ ہوا۔ چنانچہ وفد پانچ گھنٹے کے انتہائی مشکل اور تکلیف دہ سفر کے بعد کابل کے مضافات میں صبح دس بجے داخل ہوا۔ راستے میں جا بجا سڑک کے اوپر ہزاروں کی تعداد میں فوجی گاڑیاں جلے ہوئے ٹینک، مارٹر گولے، میزائل اور ہزاروں ناکارہ شدہ بارودی سرنگیں جو کہ طالبان کی جرأت، بہادری اور عالی ہمتی اور ایک عظیم معرکے کے منہ بولتی تصویریں تھیں، نظر آرہے تھے۔ قدم قدم پر مہینوں پہلے سرکاری فوج کی طرف سے بنائے گئے مضبوط ترین مورچے اسلحہ اور بارود کے ڈھیر اس سخت ترین اور طویل ترین پہاڑی درے میں پڑے ہوئے تھے اور دنیا بھر کے ماہرین حرب ان چیزوں کی بدولت ہی کابل شہر کو ناقابل تسخیر قرار دے رہے تھے۔ ہمیں خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کا یہ دعویٰ مادی اور جنگی نقطہ نگاہ سے بالکل درست اور حق بجانب تھا۔ طالبان نے محض خدائی نصرت کے بل بوتے پر ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں کو عبور کیا صرف ایک دن کے قلیل ترین عرصہ میں حکمت یار کے مضبوط ترین ہیڈ کوارٹر سروبی کو فتح کر کے کابل کے مشہور فوجی علاقے پل چرخی میں داخل ہوئے اور وہاں پر کابل فوج کی طرف سے آخری شدید مزاحمت کے بعد شہر کے وسط میں داخل ہوئے اہم سرکاری عمارات پر قبضہ کیا اور قصر صدارت (ارگ) کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ طالبان نے جو سب سے بڑا اور عظیم کارنامہ انجام دیا، وہ سابق کمیونسٹ افغان صدر لاکھوں بے گناہ افغانوں کے قاتل، بدنام زمانہ تنظیم خاد کے سربراہ اور پاکستان کے ازلی دشمن ڈاکٹر نجیب اللہ کی گرفتاری اور فی الفور ان کو پھانسی پر لٹکا دینا تھا۔ ہم کابل شہر کے مشہور چوک آریانا چوک پہنچے، جہاں پر نجیب اللہ کو پھانسی دی گئی تھی اور وہاں پر لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا، سابق کمیونسٹوں کو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ وفد نے شہر بھر میں مختلف لوگوں سے ان کے تاثرات معلوم کئے۔ اکثریت نے طالبان کی آمد پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ گزشتہ

اٹھارہ برس میں پہلی دفعہ کابل کے اندر گولیوں کی آواز نہیں سنی اور نہ ہی کوئی راکٹ گرا، نہ کوئی لوٹ مار یا غارت گری ہوئی۔ طالبان کے آتے ہی لوگوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور ان کے ٹینکوں کو ہار پہنائے اور خوشی میں انگور تقسیم کئے۔ ایک ٹینک ارگ کے مین گیٹ پر پھولوں سے لدا کھڑا تھا۔ طالبان نے فتح مکہ کی یاد تازہ کرتے ہوئے تمام شہر میں عام معافی کا اعلان کردیا تھا اور لوگوں سے کہا تھا کہ تمام لوگ اپنے اپنے کاموں میں صبح سے مشغول ہوجائیں اور عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا اور جو ملازمت پیشہ خواتین تھیں ان کو اپنے اپنے گھر میں تنخواہ دینے کا اعلان کیا، قانون الٰہی وقرن فی بیوتکن کے تحت شرعی حجاب لازمی قرار دیا گیا، عوام نے طالبان کے انہی اقدامات کو سراہا۔ لوگوں نے بتایا کہ ہمیں دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے، ایک امن وامان یعنی جان و مال اور آبرو و ناموس کی حفاظت اور دوسری ناقابل برداشت مہنگائی سے چھٹکارا۔ طالیان کی آمد سے یہ دونوں چیزیں ہمیں میسر ہوچکی ہیں، طالبان کی آمد سے ایک دن قبل کابل میں ایک گیلن تیل کی قیمت ساٹھ ہزار افغانی تھی اور طالبان کی آمد کے دوسرے روز یہ قیمت گھٹ کر پچیس ہزار تک پہنچ چکی تھی اور قیمتیں مزید گر رہی تھیں۔ دوسرے روز وفد نے مولانا شیرعلی شاہ المدنی دامت برکاتہم جو کہ اسی دن ہم سے ایک گھنٹہ تاخیر سے پہنچے تھے اور جن کا طالبان تحریک میں ایک نمایاں اور موثر کردار رہا ہے اور مفتی نظام الدین کی معیت میں کابل کی چھ رکنی کمیٹی اور ملا ربانی کیساتھ تفصیلی ملاقات کی اور انہیں مولانا سمیع الحق صاحب اور دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ کی طرف سے مبارکباد کا پیغام پہنچایا اور انہیں اس نئی صورتحال میں مفید تجاویز اور مشورے دیئے۔ ملا ربانی صاحب نے شکریہ ادا کیا اور دعوت دی کہ آپ جب تک چاہیں کابل میں ہمارے مہمان رہیں۔

وفد تین دن تک کابل کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم رہا اور وہاں پر لاکھوں روپے کے برہنہ ونیم برہنہ نصب شدہ بت توڑنے میں دیگر طالبان کے ساتھ شریک رہے اور یوں سلطان محمود غزنوی ہی کے دیس میں ان کی رسم بت شکنی کی یاد تازہ کردی گئی۔ اسکے ساتھ ساتھ وفد نے کابل کے مختلف علاقوں کا بھی دورہ کیا اور خصوصاً پغمان جو کہ استاد سیاف کا ہیڈکوارٹر تھا، وہ بھی دیکھا اور ان کے شاندار اور شاہانہ محلات کا مشاہدہ کیا۔ وہاں پر شاہانہ کروفر کی تمام سہولیات موجود تھیں جو کہ اب لشکر محمدی کے دست تصرف میں تھیں۔ ع انقلابات ہیں زمانے کے فاعتبروایااولی الابصار

اس کے بعد وفد نے دوسرے دن بروز اتوار مختلف علما، کمانڈرز اور پاکستان سے آئے ہوئے خصوصی وفد کے ارکان کے ساتھ ہوٹل کی لابی میں ملاقات کی۔ وفد کے سربراہ بریگیڈئر محمد

یوسف سے افغانستان کی صورتحال پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ اس کے بعد ہم لوگ پرانے شہر گئے جو کہ ویران کھنڈرات کی جیتی جاگتی تصویر تھی اور اپنے ہی باسیوں کے ہاتھوں زخم زخم تھا یعنی گل بدین حکمتیار اور احمد شاہ مسعود کے پانچ سالہ اقتدار جنگ کا نتیجہ تھا۔

میں اگر چہ سوختہ ساماں ہوں یہ روز سیاہ　　خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

ہم نے لوگوں سے اس تباہی کے اصل محرک کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا یہ روسیوں اور شورویوں کی کارستانیاں ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ سب کیا دھرا اپنوں ہی کی ریشہ دوانیوں کا ثمرہ ہے۔ اس کے بعد ہم کابل میں موجود بعض صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظام کے مزارات پر گئے وہاں پر جو منظر ہم نے دیکھا تو وہ بہت ہی افسوسناک اور دردناک تھا، اس لئے کہ ان کے مزارات مقدسہ بھی ن بدبختوں کے باہمی قتل وقتال اور جنگ و جدل کے اثرات سے محفوظ نہ تھے اور جابجا ان پر مارٹر گولوں کے نشانات اور سوراخ نظر آرہے تھے۔　ع　اب وہ مٹا رہے ہیں نشان مزار بھی

کابل شہر اور اس کے گردونواح کے دیکھنے کے بعد ہم لوگ واپس ہوٹل آئے اور شام کے وقت کراچی کے علما کا وفد واپس پاکستان روانہ ہوا اور ہم لوگ ایک دو روز کے لئے مزید کابل شہر میں مقیم رہے اور دارالعلوم کے فضلا کے ساتھ مختلف محاذوں پر ملاقاتیں کیں۔ الحمدللہ طورخم کے بارڈر سے لے کر چمن کے بارڈر تک ہر جگہ آپ کو حقانیہ کے فضلا نظر آئیں گے جو اس وقت افغانستان میں اہم ترین مناصب پر فائز ہیں۔ یہ اس لئے کہ دارالعلوم حقانیہ صرف ایک تعلیمی درس گاہ نہیں بلکہ اس میں طالب علم کی ہر قسم کی تربیتی نشوونما ہوتی ہے اور اس وجہ سے ہمیشہ ہمارے فضلا ہر میدان میں ممتاز رہے ہیں۔ عسکری محاذ ہو یا علمی جولانگاہ، پارلیمنٹ ہاؤس ہو یا عصری یونیورسٹیاں، میدان صحافت ہو یا ادبی معرکہ آرائی الغرض زندگی کے تمام میدانوں میں یہ قابل فخر سپوت مصروف تگ و تاز ہیں۔ بہرحال! ایک آزاد اسلامی ریاست کی مقدس فضاؤں میں چار دن گزارنے کے بعد ہم نے واپسی کے لئے رخت سفر باندھا اور یہ سوچتے ہوئے واپس ہوئے کہ ایک بار پھر نسوانی حکومت والی سرزمین میں داخل ہو رہے ہیں۔　ع　یارب ایں خاک پریشاں از کجا برداشتم

اس امید کے ساتھ کہ ایک دن اللہ ہمارے ملک پر بھی رحم فرماتے ہوئے اسکو اسلامی خلافت کا گہوارہ بنائے گا۔

کب نظر آجائے گی بیداغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد　(الحق: اکتوبر ۹۶ء)

مولانا راشد الحق سمیع

دارالعلوم کی جانب سے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کو اعزازی ڈگری

مجاہد اعظم امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ ایک عجیب طلسماتی شخصیت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی قلندرانہ صفات سے نوازا تھا، آپ علامہ اقبالؒ کی خودی اور حمیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے، راقم بھی کروڑوں مسلمانوں کی طرح آپ سے عقیدت واحترام کے رشتہ میں بندھا ہوا ہے، موجودہ دور میں آپ کاروان دعوت و عزیمت کے عظیم سالار اور پیشرو ہیں اور آپ نے افغانستان میں امارت اسلامی قائم کرکے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کرادی۔ اس عظیم الشان کارنامے پر حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ کو اعزازی ڈگری جاری کروائی جو دارالعلوم کی تاریخ کا ایک اہم اور روشن باب ہے۔ اس پر راقم نے ماہنامہ ''الحق'' نومبر ۹۹ء میں ادارتی کالم لکھا جو اس باب کے عنوان کی مناسبت سے نذر قارئین ہے۔ (مدیر)

عالم اسلام کی ممتاز علمی، دینی، فکری اور جہادی درسگاہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی سالانہ تقریب دستار بندی ۴ر نومبر ۱۹۹۹ء کو منعقد ہوئی۔ اس موقع پر والد محترم مولانا سمیع الحق مدظلہ نے راقم کی تجویز پر تحریک طالبان کے قائد، روح رواں اور امارت اسلامیہ افغانستان کے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کو حقانیہ کی طرف سے اعزازی سند دینے کا اعلان کیا اور آپ کو ''شمس الاسلام'' کا تاریخی لقب بھی دیا گیا۔ یہ اعزازی ڈگری آپ کی ملتِ مسلمہ کیلئے عظیم خدمات کے اعتراف میں دی گئی ہے۔ آپ نے جہاد افغانستان کے ثمرات اور لاکھوں شہداء کے خون کو ضائع ہونے سے نہ صرف بچایا بلکہ افغانستان اور عالم اسلام میں صدیوں بعد پہلی مکمل آزاد خودمختار اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی اور خلافت اسلامیہ کا احیاء کیا اور عظیم ہیرو اسامہ کو تمام عالم کفر کی مخالفت کے باوجود نہ صرف تحفظ فراہم کیا بلکہ انکی مکمل تائید وحمایت کی۔ آپ نے علماء، دینی مدارس، اسلامی قوتوں اور جہادی تنظیموں کی دستار کو اُوج ثریا تک پہنچا دیا۔ آپ نے درویشی اور قلندرانہ شانِ بے نیازی سے امریکی اور شیطانی قوتوں کا گزشتہ کئی برس انتہائی صبر اور استقامت سے مقابلہ کیا۔ ڈگری دینے کے موقع پر ہزاروں حاضرین نے خوشی سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے۔ شہادۃ العالمیہ کی یہ اعزازی ڈگری افغانستان کے وزیر مذہبی امور مولانا محمد مسلم حقانی قونصل جنرل مولانا نجیب اللہ اور جنگی محاذوں کے عظیم کمانڈر صدر ابراہیم نے وصول کی اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم کا شکریہ ادا کیا، اس عظیم علمی ڈگری پر مہتمم حقانیہ مولانا سمیع الحق صاحب کے علاوہ تمام اہم اساتذہ اور مشائخ کے دستخط ثبت ہیں، یہ دارالعلوم کی پہلی اعزازی سند ہے جو گزشتہ ۵۳ سال میں کسی شخصیت کو پیش کی گئی ہو، دارالعلوم کے اس اقدام سے پاکستان، افغانستان اور عالم اسلام میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے اور علمی حلقوں نے اسے بہت سراہا ہے۔

ادارہ

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا پہلا دورۂ افغانستان اور امیر المومنین ملا محمد عمرؒ سے ملاقات

(قندھار کے استقبالیہ تقریب میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا خطاب)

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے دورہ افغانستان میں تحریک طالبان کی پہلی حکومت (۱۹۹۶ء) کے دوران قندھار میں اپنے تلامذہ، تحریک طالبان کے قائدین اور امیر المومنین حضرت ملا محمد عمر نور اللہ مرقدہ کی موجودگی میں پر اثر خطاب فرمایا وہ نذر قارئین ہے۔(ادارہ)

تحریک طالبان کی سپریم قیادت نے قندھار پہنچنے پر ۲۱/اگست ۱۹۹۶ء صبح دس بجے حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اوران کے وفد کے لئے ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا جس میں طالبان کے امیر المومنین ملا محمد عمر مدظلہ مرکزی قائدین پانچ صوبوں کے والی اور مجلس شوریٰ کے سپیکر مولانا محمد حسن ولایت قندہار کے والی مولانا محمد حسن حقانی رحمانی خارجہ امور کے انچارج ملا محمد غوث اورتحریک کے اکثر سرگرم رہنما موجود تھے تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا سمیع الحق نے حسب ذیل جامع اور اثر انگیز خطاب کیا جس کے بعد امیر المومنین ملا محمد عمر مدظلہ کا مختصر خطاب ہوا دونوں تقاریر ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ** (النور:۵۵)

عزت مآب امیر المومنین حضرت ملا محمد عمر صاحب! ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور میرے تمام بزرگو، طلباء کرام اورمعزز بھائیو! بڑی جستجو اور تمنا کے بعد اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ میں اور میرے ساتھ علماء مشائخ اور پاکستان بھر سے کئی دانشور وکلاء اورصحافی حضرات یہاں پہنچے ایک ایسی سرزمین

پر ہمیں سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ جہاں پر اللہ تعالیٰ کا قرآن اور اسلامی نظام نافذ کرنے کا عمل جاری ہے۔ نیک اور صالح لوگوں سے ہمیں یہاں مل بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔ یہ آزاد علاقہ ہے جہاں کسی بھی غیر ملکی قوت کا تسلط نہیں ہے بلکہ طالبان ہی اس نظام کو آگے چلا رہے ہیں۔

افغان قوم کی طویل اور صبر آزما جدوجہد مگر برکات واثرات سے مایوسی ومحرومی

طویل اور صبر آزما، جدوجہد کی جو جنگ افغان قوم نے لڑی۔ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک سپر طاقت کے خلاف جہاد کیا۔ ۱۵ر لاکھ مسلمانوں نے جان کا نذرانہ پیش کیا اور شہید ہوئے۔ انہوں نے ایسی بے نظیر قربانی دی ہے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اس جدوجہد کا اس قوم کو بہترین ثمرہ ملنا چاہیے تھا۔ تمام عالم اسلام اس ثمرہ کا منتظر تھا۔ اور ثمرہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ ملک میں نفاذ شریعت اور امن قائم ہوتا۔ یہاں اسلامی نظام کا منظر سامنے آتا اور اس کے اثرات تمام ملت پر مرتب ہوتے مگر ہوا کیا؟ اب جو ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے تمام امت مسلمہ پریشان ہے کہ قربانیاں کدھر گئیں ۱۵ لاکھ شہداء کی قربانی کے بعد پوری ملت ارشاد ربانی حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ کی کیفیت میں مبتلا تھی کہ یا اللہ! اتنی قربانی کے بعد بھی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا اور اسلامی نظام نافذ نہیں ہوتا تو کیا بنے گا، دلوں میں درد وغم کی اک کیفیت تھی اور ایک اضطراب تھا، آخر کار اللہ تعالیٰ کو رحم آ ہی گیا اور طالبان کی صورت میں امید کی کرن پیدا ہوئی۔

جہاد افغانستان سے ہمارا دیرینہ تعلق

حضرات گرامی! جہاد افغانستان کے ساتھ ہمارا تعلق ابتداء سے ہے۔ تمام دینی مدارس بالعموم اور دارالعلوم حقانیہ بالخصوص جہاد کے ساتھ وابستہ رہا ہے۔ میرے والد مرحوم ومغفور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ آخر دم تک جہاد کے ساتھ وابستہ رہے۔ تمام جہادی تنظیموں کے مجاہدین بلکہ صف اول کے کمانڈروں کی ایک کثیر تعداد کا تعلق جامعہ حقانیہ سے تھا۔ مولانا جلال الدین حقانی، مولانا محمد نبی محمدی، مولانا محمد یونس خالص وغیرہ یہ سب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے شاگرد ہیں۔ اس طرح پروفیسر ربانی پروفیسر سیاف انجینئر حکمت یار حضرت مجددی، حضرت گیلانی صاحب احمد شاہ مسعود صاحب سے بھی جہاد کے دوران ایک ہی طرح کا تعلق رہا۔

حقانیہ اور جہاد افغانستان بخارا کا مدرسہ میر عرب

ہم نے دارالعلوم حقانیہ کو جہاد افغانستان کی ایک چھاؤنی بنا دیا تھا۔خود ربانی صاحب اور دوسرے لیڈر دارالعلوم آیا کرتے تھے۔ایک دفعہ پروفیسر ربانی صاحب نے دارالعلوم حقانیہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب روس میں اشترا کی انقلاب آیا تو بخارا میں ایک دینی مدرسہ تھا ''میر عرب'' کے نام سے۔اس مدرسہ نے اس انقلاب کے خلاف بنیادی کردار ادا کیا تھا تو ربانی صاحب نے دارالعلوم حقانیہ کو جہاد افغانستان کے لئے میر عرب کا مدرسہ قرار دیا تھا۔

اصل کردار علماء اور بوریہ نشین طالب علموں کا

دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے جہاد افغانستان کے لئے ایک مرکزی چھاؤنی کی حیثیت دی۔مولانا فتح اللہ شہید مولانا احمد گل شہید ایسے سینکڑوں معروف علماء ہیں جن کا تعلق دارالعلوم سے تھا۔ جہاد افغانستان میں بنیادی جہادی کردار انہی مدارس کے طلباء اور علماء نے ادا کیا تھا۔حکمت یار صاحب، ربانی صاحب، سیاف صاحب اور دیگر قائدین...... اپنی جگہ ان کی قیادت بجا قابل قدر تھی لیکن اصل کردار ان بوریہ نشین طالب علموں نے ادا کیا تھا۔آج اس وجہ سے امریکہ اور مغربی دنیا ان بوریہ نشینوں سے لرزاں و ترساں ہے۔تاریخ میں یہی لکھا جائے گا کہ ان ہی لوگوں نے دنیا کی سپر طاقت کو صفر طاقت بنا دیا آج بھی یہ بوریہ نشین طلباء پوری دنیا کے لئے ایک الٹی میٹم اور چیلنج بنے ہوئے ہیں اور ان کے خلاف ان کو ختم کرنے کیلئے پوری مشینری ذرائع ابلاغ اور قوت استعمال میں لا رہے ہیں۔

جہادی لیڈروں کے باہمی اختلافات،مصالحت کی کوششوں کی ناکامی اور طالبان کا آغاز

میں ان تمام حضرات کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ جب جہاد افغانستان بار آور ہوا اور سفید ریچھ اپنے زخم چاٹتا ہوا افغانستان کی سرزمین سے نکل گیا تو طلباء اور علماء میدان جنگ سے واپس ان مدارس میں آگئے اور اپنے درس و تدریس کے شغل میں مشغول ہو گئے۔ان کی یہ تمنا اور خواہش تھی کہ یہ قائدین اپنے درمیان مصالحت کر لیں متفق ہو جائیں۔حکومت یہی کریں۔ہم نے جو قربانیاں دی تھیں وہ اقتدار کے حصول کیلئے نہیں تھیں۔طلباء اور علماء کے تصور میں بھی نہیں آیا ہوگا کہ ہم اقتدار حاصل کریں۔سب نے مل کر یہ کوششیں شروع کر دیں کہ یہ آپس میں متفق ہو جائیں ایک فارمولے پر، یہ ملک اقتدار کی رسہ کشی کے لئے آزاد نہیں کیا گیا تھا بلکہ اسلام کے لئے آزاد ہوا تھا۔

ہر کوشش میں میری شرکت حرم مکہ کا معاہدہ بھی نظر انداز

یہ آپ کو معلوم ہو گا کہ مصالحت کی ہر کوشش میں میں بھی شریک تھا۔ حتیٰ کہ ہم ان سب لیڈروں کو مکہ معظّمہ لے گئے۔ خانہ کعبہ کے اندر رات ڈھائی بجے ان کو داخل کرایا۔ اس وقت پاکستان کے وزیر اعظم میاں نواز شریف بھی موجود تھے اور ساتوں تنظیموں کے لیڈر بھی موجود تھے۔ تین دن سعودی عرب میں اور مسجد حرام کے قصر الصفاء میں شاہی مہمان رہے غالباً ۲۷ رمضان کی شب کو گویا مسجد حرام ہی میں شاہ فہد کی موجودگی میں معاہدہ کی توثیق ہوئی۔ مسجد حرام کے متصل ان سے عہد و پیمان لئے گئے کہ جنگ آپس میں نہیں کرنی ہے۔ واپسی پر ایران آئے صدر رفسنجانی سے ملے ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی اس معاہدے میں شریک ہوں کیونکہ ایران کو بھی مسئلہ افغانستان سے الگ نہیں رکھا جا سکتا۔ وہاں بھی رات بھر عہد و پیاں ہوتے رہے۔ حکمت یار اور ربانی صاحب راستے میں جہاز میں میرے ساتھ سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ خدا اور رسول کی خاطر آپس میں یہ خانہ جنگی ختم کر لیں، خانہ کعبہ کا لحاظ کر لیں مگر افسوس وہ ساری تگ و دو ضائع چلی گئی، افغانستان کی فضاء پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔ خانہ کعبہ کے امام جناب محمد عبداللہ ابن سبیل کی قیادت میں علماء کا ایک وفد آیا لیکن ان کو بھی معاف نہیں کیا گیا، ان پر فائرنگ کی گئی بڑی مشکل سے ان بے چاروں کی جانیں بچیں۔

قائدین کے حب جاہ واقتدار نے عالم اسلام کا سر شرم سے جھکا دیا

مصالحت کی ہر کوشش ناکامی سے دو چار ہوئی۔ ان قائدین کے حب جاہ و اقتدار اور غرور نے تمام عالم اسلام کے سر شرم سے جھکا دیئے، جہاد کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔ اور عالم اسلام کے تمام درمندوں اور جہاد سے وابستہ فرزندان توحید کے دلوں کو پارہ پارہ کر دیا اس کے بعد ہم ان سے مایوس ہو گئے، بعد ازاں ہمیں کوئی بھی مصالحانہ کوشش کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی

اب باغی متعین کرنے کی ضرورت اور وقت

میں نے کہا کہ اب مصالحت کے بجائے اب باغی کا تعین کر لیں کیونکہ قرآن کا حکم ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات:۹) اب ان میں تعین کر لیں کہ باغی کون ہے؟ ظالم کون ہے؟ طالبان کی تحریک تو اس وقت شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ میری رائے تھی کہ اب مصالحت نہیں ہو

سکتی۔تعین کرلیں اور فتویٰ دے دیں کہ فلاں ظالم ہےلیکن مسلمانوں کے بڑے بڑے ممالک مصلحتوں کے شکار ہیں، وہ اس بات کے لئے تیارنہیں تھے، وہ بات کومصلحتوں کے چکر میں رکھنا چاہتے تھے کہ دونوں فریق راضی رہیں اور امن کے بہانہ جنگ جاری رہے۔ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے طالبان کو اٹھایا، یہ میرے دل کی آواز ہے۔

متحارب گروہوں کوراستہ سے ہٹانا ہوگا

دارالعلوم کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں آج سے تین سال پہلے میں نے کہا تھا کہ لوگ مصلحتوں کے شکار ہیں،افغانستان کے اندر امن اور تعمیر نو سے ان کی کوئی دلچسپی نہیں، وہ ہمیں منع کرکے کہتے ہیں ربانی کے خلاف مت کہو حکمت یار کے خلاف مت بولو۔ میں نے سینٹ کے اندر کہا تھا کہ باغی کا تعین کرلو میں نے کہا تھا کہ جب تک سارے متحارب گروہوں کے لیڈر راستے سے نہیں ہٹتے ،مسئلہ حل نہیں ہوگا، امن کے قیام کا یہی راستہ ہے کہ ان ساتوں کو درمیان سے ہٹا دیا جائے۔

اللہ نے طالبان کوذریعہ نجات بنایا

اس وقت میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ قدسی صفت لوگوں کی یہ جماعت اٹھے گی اوران ظالموں سے اپنی بدقسمت ملت کونجات دے گی میری خواہش تھی کہ کاش! کوئی تیسری طاقت اٹھے اوران لڑنے والوں سے ملک کونجات دلا دے۔

ہم سب یہ باتیں سنتے رہتے تھے کہ آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے امن قائم کردیا،خون خرابہ نہیں ہوا ہے۔ پولیس نہیں ہے فورس نہیں ہےلیکن بولان کی سرحد سے یہاں تک رات کوبھی لوگ آجا سکتے ہیں ساتھیوں نے بتایا کہ اگرسونے کا بکس گر جائے کسی سے تو اس کوبھی کوئی نہیں اٹھاتا۔ یہ باتیں سن کر ہم حیران ہوتے تھے کہ یا اللہ! خیر القرون کی یہ جھلک ہم کوبھی دکھلا دے، اس جذبہ کے پیش نظر تمام عالم اسلام کی نظریں آپ پر لگی ہوئی ہیں، ہم یہی سوچ لے کر یہاں آئے ہیں۔

نظام اسلام اورزہریلا پروپیگنڈہ بھیانک تصویر

اپنے صحافی بھائیوں کوبھی اسی جذبہ کے تحت یہاں لائے ہیں کہ آپ کے خلاف سخت خطرناک اورزہریلا پروپیگنڈا چل رہاہے،آج مغرب اورامریکہ آپ کا دشمن بن چکا ہے۔ یہ لوگ یہ

نہیں چاہتے کہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں طلبا اور بنیاد پرستوں کا اقتدار آئے۔ وہ آپ کو بدنام کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ یہ دہشت گرد ہیں، حقوق انسانی کے مخالف ہیں، وحشی اور درندے ہیں، وہ اسلام کی یہ تصویر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ یہ لوگ صبح شام لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے میں لگے ہوئے ہیں، جبراً داڑھی رکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یعنی اسلام کی ایک سیاہ اور بھیانک تصویر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

بی بی سی، سی این این اور تمام مغرب، صیہونی میڈیا پروپیگنڈے کا ایک طوفان آپ کے خلاف برپا کئے ہوئے ہیں، یہ اس لئے کہ اسلام کی عملی تصویر تو انہوں نے نہیں دیکھی ہے جسے آپ الحمد للہ قائم کر رہے ہیں۔ یہ عملی تصویر صحیح شکل میں دنیا کے سامنے آجائے تو دنیا میں انقلاب آجائے گا، ملت کفر یہ نہیں چاہتی کہ اسلام صحیح شکل میں دنیا کے سامنے آئے۔

ہے مگر اس عصر حاضر کے تقاضاؤں سے خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سوبار الحذر
حافظ ناموس زن مرد آزما مرد آفریں
اور چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب

صحافیوں کو ساتھ لانے کا مقصد

اس خیال سے میں ان صحافیوں کو بھی یہاں لے آیا ہوں تاکہ آپ کے ساتھ براہ راست گفتگو کریں، آپ کے امیر المومنین کے ساتھ بھی ملاقات کر دیں اور صحیح حالات دنیا کے سامنے پیش کر دیں، اس لئے کہ جس طرح ہمارا فریضہ ہے اس طرح یہ صحافی بھی اسلام کے سپاہی ہیں، یہ بھی پروپیگنڈوں کی زد سے نکلیں۔ میری خواہش ہے کہ ان کے ساتھ زیادہ روابط قائم کریں۔ پشاور آئیں اسلام آباد آئیں ان سے ملیں، ان کو حالات کی خبر دیں۔ ان کے انتظامات میں عاجز کرنے کو تیار ہوں کہ تمام پریس کے لوگ پشاور، اسلام آباد یا پاکستان میں کسی اور جگہ جمع ہوں۔ جس طرح کل رات مولانا احسان اللہ احسان صاحب نے بڑے واضح دلائل کے ساتھ حقائق بیان کئے، یہ ابلاغ عامہ اور میڈیا کا زمانہ ہے۔ تمام دنیا ایک گھر کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ہر آدمی اپنے گھر میں بیٹھا ہوتا

ہے، بٹن دباتا ہے اور پروپیگنڈہ سنتا اور دیکھتا ہے کہ طالبان لگے ہوئے ہیں لوگوں کو قتل کر رہے ہیں، پوڈر و ہیروئن بیچتے ہیں۔

محدود ماحول سے نکل کر آپ نے مغربی شرمناک پروپیگنڈے کا توڑ کرنا ہے

مغرب اس طرح کی شرمناک تصویر دنیا کے سامنے طالبان کی پیش کر رہا ہے۔ آپ اس محدود کامیابی پر مطمئن ہو کر نہ بیٹھیں کہ امن قائم کر دیا۔ آپ کے سامنے بہت بڑا چیلنج ہے آپ نے یہود و نصاریٰ کے پروپیگنڈوں کے سامنے بند باندھنا ہے ان کو یہ دکھانا ہے کہ یہاں عورت محفوظ ہے اس کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو اسلام اس کو دیتا ہے اس نظام میں وہ غیر محفوظ تھی جو حقوق عورت کو اسلام دیتا ہے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ ان کو یہ دکھانا ہے کہ یہاں معاشی نظام کیسا ہے؟ انصاف کیسا ہے؟ نظام عدل کیسا ہے؟ ایک ہاتھ کے کٹنے سے لاکھوں ہاتھوں کو تحفظ حاصل ہو جاتا ہے، ایک پر حد قائم ہونے سے لاکھوں کی جانیں محفوظ ہو گئیں۔ آپ کے سامنے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ پوری دنیا کے ساتھ آپ کا مقابلہ ہے آپ اپنی محدود دنیا سے باہر نکلیں اور تمام ملت اسلامیہ کو دکھا دیں کہ اسلامی نظام ایسا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا کرم ہوگا، ہمارے لئے راستہ کھل جائے گا، پاکستان میں ہمارا راستہ بند پڑا ہے۔ مصر میں، شام میں، الجزائر میں، سوڈان میں عملی راستہ نہیں امریکہ ہر جگہ مسلط ہے ظالم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ بھی امریکہ کے لوگ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اے نادانو! امریکہ تو دنیا کے کسی بھی گوشہ میں مُلّا اور طالب کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ تو دارالعلوموں اور مدارس کو ختم کرنے کے درپے ہے، وہ کیسے طالبان کی پشت پناہی کر سکتا ہے؟ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے آپ اپنی اس ذمہ داری کا احساس کریں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ ایسی پاک صاف اور نورانی قیادت دی ہے کہ غالباً اس وقت پورے عالم اسلام میں کسی بھی مملکت کو ایسی قیادت نصیب نہیں۔

متحارب جہادی لیڈروں سے دردمندانہ اپیل اپنے بچوں کے راہ میں رکاوٹ نہ بنیں

میں اس موقع پر آپ کے توسط سے ان قائدین سے اپیل کرتا ہوں جو کابل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ربانی صاحب، حکمت یار صاحب، احمد شاہ مسعود صاحب، سیاف صاحب ان سب سے میری دلی درخواست ہے کہ طالبان آپ کے دشمن نہیں یہ ایک فریق نہیں آپ کے بچے ہیں یہ اچانک آسمان

سے نہیں اترے ہیں۔ انہوں نے جہاد کیا ہے ان کے لئے راستہ ہموار کریں ان کیلئے رکاوٹ نہ بنیں لتکون کلمة اللّٰہ ھی العلیا تو یہ تمام عالم اسلام پر آپ کا احسان ہوگا اور افغانستان پر بھی۔ ان سب قائدین کے ساتھ میرے بھی اچھے تعلقات تھے لیکن انہوں نے اپنے اعتماد کو مجروح کر دیا ہے۔ طالبان نے کبھی بھی مذاکرات سے انکار نہیں کیا تھا، انہوں نے اپنے دروازے کھلے رکھے تھے مجھے ایک ایک کوشش ان کی معلوم ہے لیکن ہر بار مذاکرات کے بعد انہوں نے اعتماد کو مجروح کر دیا تھا حتیٰ کہ اب ان کا مزید اعتماد باقی نہ رہا اگر یہ اعتماد وہ بحال کرنا چاہتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ اپنی قوت طالبان کے حوالہ کر دیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہم تمہارے خادم بن جائیں گے، وہ قائدین ہمیں اپنا دشمن نہ سمجھیں۔ انہیں چاہئے کہ طالبان کو اسلام کا ایک سپاہی جانیں اور ان کی سرپرستی کریں۔

امیر المومنین کا شکریہ

میں ان ہی کلمات پر اکتفاء کرتا ہوں اور آپ کا انتہائی شکر گذار ہوں کہ ان نازک حالات میں آپ نے ہمیں اتنی توجہ دی وقت دیا اور آپ امیر المومنین مدظلہ بذات خود یہاں تشریف لائے جو بہت کم ملاقات کرتے ہیں۔ ورنہ ہم خود ان کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، یہ ہم سعادت سمجھتے ہیں۔ یہ اسلام کا ایک منصب ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کو دیتا ہے پھر تمام مسلمانوں کو اس کی اطاعت ملحوظ رکھنی ہوتی ہے، اب اگر ایک محدود خطہ میں بھی کسی کو اللہ تعالیٰ نے امارت مومنین کا منصب دے دیا تو اس کی اطاعت اور اس کی عظمت کا پورا پورا خیال رکھیں ہم ان شاء اللہ آپ کی حمایت کرتے رہیں گے، ہمیں اپنا خادم جانیں۔

مقاصد مجروح کئے بغیر طالبان جنگ کے علاوہ راستے بھی ملحوظ رکھیں

میں یہی تمنا کرتا ہوں کہ قیام امن کیلئے جنگ کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہو تو اس پر بھی نظر ملحوظ رکھیں، بایں طور کہ آپ کا موقف آپ کی سیاست اور آپ کا ہدف مجروح نہ ہو، ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے ہدف سے دستبردار ہو جائیں اگر جنگ کے علاوہ مذاکرات یعنی بات چیت، سفارتکاری کے راستہ کا کوئی حل نظر آئے تو آپ حضرات اسے بھی نظر انداز نہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو، میں تمام علمائے کرام، جمعیت علمائے اسلام کے عہدیداروں اور پاکستان سے آئے ہوئے صحافی بھائیوں کی طرف سے آپ سب کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔

وآخِرُ دعوانا ان الحمد لِلّٰہ ربّ العالمین

ادارہ

خطاب امیر المومنین حضرت ملا محمد عمر مجاہد صاحب

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے خطاب کے بعد امیر المومنین حضرت ملا محمد عمر مجاہدؒ نے جوابی خطاب فرمایا تھا جس میں پاکستان سے آئے ہوئے جمعیت علمائے اسلام (س) کے اعلیٰ سطحی وفد اور پاکستانی صحافیوں کی افغانستان میں آمد کے موقع پر ان کا شکریہ ادا کیا گیا، امیر المومنین ملا محمد عمر نور اللہ مرقدہ اقتدار کی ذمہ داریوں کے باوجود اپنی طبعی شرافت، کم مائیگی اور عزلت نشینی کو ہی ترجیح دیتے تھے اور عموماً آپ بہت کم اجتماعات میں جلوہ افروز ہوتے اور خطاب وغیرہ تو شاذ ونادر ہی فرماتے لیکن استاد المجاہدین و العلماء حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی وجاہت اور احترام میں آپ نہ صرف خصوصی وفد کے تمام ارکان سے ملے بلکہ اس موقع پر آپ نے موثر اور جامع خطاب بھی فرمایا، یہ اہم اور تاریخی خطاب نذر قارئین کیا جارہاہے۔(ادارہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد ! حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی تشریف آوری کا میں اور میرے رفقاء بہت شکر گزار ہیں۔آپ نے ابتداء سے اب تک ہمارے ساتھ جہاد میں بھرپور تعاون کیا اب تک کے مرحلہ میں جتنی کوشش اور سعی رہی اس میں آپ کی سرپرستی ہمیں حاصل رہی، اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مساعی کو قبول فرمائے، ہم اس پر بہت خوش ہیں کہ آپ ہمارے گھر افغانستان (قندھار) تشریف لائے۔

میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ دنیا کے کافر اور بے دین سیاستدان اور باطل قوتیں جو باتیں کرتے ہیں اور ہمارے خلاف جو پروپیگنڈا کرتے ہیں، اس کا ہمارے پاس یہی ایک جواب ہے وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا اب کفار کا پروپیگنڈا جو دنیا کے ہر گوشے میں ہمارے خلاف ہورہاہے۔ہم ان تک تو نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی ہر بات کا ان کو جواب دے سکتے ہیں مگر یہ بات واضح ہے کہ باطل قوتوں اور کفار کا یہ پکا ارادہ ہے کہ ہر صورت میں تحریک طالبان کا اور دینی قوتوں کا راستہ مسدود کیا جائے، کبھی پروپیگنڈے کے ذریعہ اور کبھی براہ راست قوت کے استعمال سے۔ یہ فیصلہ وہ

ہرصورت کر چکے ہیں کہ ان کو روکا جائے، اگر ہم ان کی ایک بات کا جواب دیں تو وہ دوسری شروع کرتے ہیں، دوسری کو دفع کریں تو تیسری کو اٹھاتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ امریکہ یہ کہتا ہے روس یہ کہتا ہے ہم ان تمام باتوں کا حسب طاقت جواب دیتے ہیں مگر میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ ہرگز ان کے پروپیگنڈوں سے تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔ کفار کے مقاصد تو کھلے طور معلوم ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ افغانستان میں وہ نفاذ شریعت کو روکنا چاہتے ہیں تو اگر ہم سیاسی باتوں اور بحثوں میں الجھیں تو سیاست کے بہت پہلو ہیں۔ یہ بہت تکالیف دہ راستہ ہے۔ اب ہر بات سے الجھنا بہت مشکل کام ہے۔ یریدون لیطفؤا نوراللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون۔ ہم نے ایک واضح اور مثبت راستہ اختیار کیا ہے جس کو تمام طالبان نے پسند کیا ہے۔ وہ یہ کہ اپنا کام کئے جاؤ، اپنی طاقت کے مطابق دشمن کا جواب بھی دیا کرو اور ملک میں نفاذ شریعت و غلبہ اسلام کے لئے کوشش بھی مقدور بھر جاری رکھو۔ ہمارے پاس طالبان کا عمل ہے یعنی نفاذ شریعت کا لانا، مسلمان بھی دیکھتے ہیں اور کافر بھی اور عملی جواب زبانی جواب سے بہتر ہوتا ہے۔ کفار اور دنیا بھر کے بے دین قوتوں کی کوشش ہے کہ طالبان غالب نہ ہوں دینی قوتیں غالب نہ ہوں۔ آپ جیسے دیندار اور مہربان مسلمانوں کی یہ کوشش ہے کہ ہم کامیاب ہوں۔ آپ ہماری سرپرستی کرتے ہیں ہمارے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہے اس پر نفاذ شریعت کے لئے کوشش کرنا فرض ہے ہر مسلمان اس بات کا مکلّف ہے۔

بہرحال! آپ کی آمد پر ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ آپ ہمارے درد کو اپنا درد سمجھتے ہیں اور ہماری خوشی و کامیابی کو اپنی خوشی اور کامیابی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو قدم قدم پر کامیابی عطا فرمائے۔ آمین (''الحق'' ج ۳۱، ش ۱۲ ستمبر ۱۹۹۶ء)

کہاں سے تونے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

شفیق الدین فاروقیؒ

سفر افغانستان سے واپسی سے دارالعلوم میں طلبہ سے خطاب

مولانا سمیع الحق شہیدؒ جب دورہ افغانستان (قندھار و ہرات) سے واپس تشریف لائے تو جامعہ حقانیہ میں اساتذہ وطلباء کے سامنے اپنے سفر کے مشاہدات، تحریک طالبان کے قائدین اور امیر المومنین حضرت ملا محمد عمر نوراللہ مرقدہ سے ملاقاتوں کی روداد بیان فرمائی جوکہ نذر قارئین ہے۔(ادارہ)

---

۳۰ اپریل ۹۶ء: افغان مجاہدین کی تاریخی جدوجہد اورعظیم قربانیوں نے پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے جہاد کی کامیابی اور افغان عبوری کونسل کی تشکیل اسلام کے اعجاز کی دلیل ہے۔ افغانستان کی تعمیر نو، خالص اسلامی انقلاب اور نفاذ شریعت مجاہدین کے اتحاد اور باہمی اعتماد پر منحصر ہے جو افغان قیادت کیلئے مستقبل کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ ان خیالات کا اظہار مولانا سمیع الحق نے دورۂ افغانستان اور کابل میں افغان کونسل کے رہنماؤں سے ملاقات کے بعد واپسی پر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا جسمیں اکابر علماء، مشائخ، جمعیۃ کے کارکن اور طلبہ نے شرکت کی مولانا سمیع الحق نے کہا افغان مجاہدین کے تمام گروپ ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں افغانستان میں حکومت کسی کی بھی بنے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہم نے اب وہاں بہرصورت اسلامی انقلاب اور نفاذ شریعت کیلئے تمام مجاہدین کے اتحاد کو ہدف بنایا ہے، مولانا سمیع الحق نے طلبہ کو ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے کہا تمہیں بھی مستقبل میں طاغوتی طاقتوں کی یلغار سے ٹکر لینی پڑ جائے ، اب روس کے بعد آپکو امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کرنا ہے جب علم اور کامل ایمان کے ہتھیار سے آپ لیس ہونگے تو خدا کی مدد بھی شامل رہیگی، آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ اس وقت بھی افغانستان کے اکثر صوبوں میں دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء نے ذمہ داریاں وقیادت سنبھالی ہوئی ہے اور اب وہاں آپکے بھائی فضلاء وطلباء رہبری اور سیادت کے فرائض انجام دے رہے ہیں انہوں نے کہا اب افغان طالبان کا وہاں پر اسلامی حکومت کے قیام کے بعد پاکستان میں اسلامی انقلاب، آزادی کشمیر، آزادی فلسطین اور دنیا بھر میں اسلامی انقلاب کیلئے فضا ہموار ہو رہی ہے۔ آپ ان تر ذمہ داریوں کو نبھانے کیلئے علم اور مطالعے میں خوب تیاری کریں جب آپ علمی وروحانی لحاظ سے کمال حاصل کرینگے تب ہی قیادت وذمہ داریوں کیلئے آپکو آگے آنے کے مواقع ملیں گے (مکتوبات مشاہیر ج ۷: ص ۲۹۷ تا ۳۰۵)

جناب عرفان صدیقی
معروف کالم نگار

مولانا سمیع الحق کے ساتھ سفر قندھار و ہرات اور امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد سے ملاقات و روداد سفر

فتح کابل (۱۹۹۶ء) کے بعد حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ علماء و مشائخ اور پاکستانی صحافیوں کے ایک نمائندہ وفد کے ہمراہ افغانستان تشریف لے گئے تھے اور مختلف حضرات نے اپنے اپنے انداز میں اس سفر کو محفوظ کیا، معروف صحافی جناب عرفان صدیقی صاحب بھی حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کیساتھ اس سفر میں ہمراہ تھے، آپ طالبان کے اعلیٰ اخلاق اور طرزِ حکومت سے نہایت ہی متاثر ہوئے اور واپسی پر آپ نے اپنے خاص ادبی ذوق اور صحافتی چاشنی سے مزین یہ طویل سفر نامہ تحریر کیا، جسے یہاں بہت اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے (ادارہ)

ذوق خدائی رکھنے والے غازیوں اور پُر سرار بندوں کی سرزمین افغانستان کی پوری تاریخ ایسے معجزوں سے آراستہ ہے جو صرف مردانِ کارہی کے ہاتھوں رونما ہوتے ہیں۔ یہ ان غیرت مند انسانوں کا وطن ہے جنہوں نے کبھی غلامی کی زندگی سے سمجھوتہ نہیں کیا جنہوں نے کبھی اپنی آزادی وخود مختاری کا سودا نہیں کیا۔ جو اپنے وطن کی خدمت کو اپنی ماؤں، بہنوں کی عصمت کی طرح عزیز رکھتے ہیں ماضی قریب میں ان اللہ کے سپاہیوں نے دنیا کی فرعون مزاج سپر پاور سوویت یونین پر جس طرح کاری ضرب لگائی اس نے افغان تاریخ کو نئی تابانی و درخشانی دی ہے۔

طالبان کی نئی قوت اور پس منظر

اپنی مجاہدانہ اذانوں سے پہاڑوں میں شگاف ڈالنے والے آج سنگ الزام اور تیر و دشنام کا نشانہ ہیں کہ وہ افغانستان کو وہ کچھ نہیں دے سکے جس کی توقع تھی۔ شکستِ خواب کے اس موسم میں غیروں کی بن آئی ہے اور وہ ایک بار پھر اپنے بُغض کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسی پس منظر میں نمودار ہونے والی طالبان کی نئی قوت نے نہ صرف تیز پا فتوحات کے پرچم گاڑے بلکہ اپنے آپ کو افغانستان کی توانا تحریک کے طور پر بھی منوالیا۔ طالبان کی نمو اتنی اچانک اور اتنی بھرپور تھی کہ آج تک اس پر

پُراسراریت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ انہیں جاننے، انہیں پہچاننے، انہیں غور سے دیکھنے اور انہیں سمجھنے کی خواہش ہر اس فرد کے دل میں پائی جاتی ہے جو افغانستان کی فلاح سے دلچسپی رکھتا اور جہادِ افغانستان کو حتمی طور پر کامیاب دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا جب جمیعت علمائے اسلام (س) کے سیکرٹری جنرل اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم مولانا سمیع الحق نے مجھے قندھار اور ہرات کے دورے کی دعوت دی تو میں نے اسے ایک اچھا موقع خیال کیا۔ کمر کی تکلیف افغانستان کی کھردری اور ناہموار سڑکوں پر سفر کی حوصلہ شکنی کرتی رہی لیکن میں سخت جان افغانوں کا تصور ذہن میں لاتے ہوئے آمادۂ سفر ہو گیا۔

مولانا کی ایک بڑے قبیلہ عشاق کے ساتھ روانگی

مولانا ایک بڑے قبیلہ عشاق کے ہمراہ نکلے جس میں ان کی جماعت کے چاروں صوبائی امیر اور سوادِ اعظم اہل سنت کے رہنما مولانا اسفندیار بھی شامل تھے۔ علماء کے اس کاروانِ فضیلت میں چار اخبار نویس بھی تھے۔ نوائے وقت کے سلطان سکندر، این این آئی کے طارق سمیر، روزنامہ پاکستان کے زاہد جھنگوی اور راقم الحروف۔ کوئی آٹھ گاڑیوں پر مشتمل یہ قافلہ ۲۰ راگست کی صبح دس بجے کوئٹہ سے چمن کے لئے روانہ ہوا جو پاک افغان سرحد پر ایک معروف تجارتی شہر ہے۔ پہاڑی کے بیچوں بیچ بل کھاتی ہوئی یہ سڑک عمدہ اور ہموار تھی اور تقریباً ایک سو بیس کلو میٹر کا یہ فاصلہ تین گھنٹوں میں طے ہوا۔ پاکستان کی چیک پوسٹ پر ایف آئی اے کے عملے نے معمول کی کارروائی مکمل کی۔ مولانا سمیع الحق کے پاسپورٹ پر ویزا کی مہر کو سارے قافلے کے لئے جوازِ سفر خیال کیا گیا اور ہم امام صاحب کی اقتداء میں داخلِ افغانستان ہو گئے۔

عصمت ملیشیا اور وارلاڈ کی سفاکیوں کی بولتی داستان

بولدک سے نکلتے ہی ہمیں ہر کلو میٹر، دو کلو میٹر کے فاصلے پر سڑک کے دونوں طرف شکستہ کوٹھڑیاں اور ٹوٹے پھوٹے گھروں کے کھنڈر دکھائی دیئے۔ میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے خوش مزاج ڈرائیور سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے ملی جلی فارسی، اردو اور پشتو میں بتایا کہ یہ وہ پھاٹک یا چیک پوسٹیں ہیں جو مختلف گروہوں نے بنا رکھی تھیں۔ آنے جانے والی گاڑیوں کو پھاٹک پر قابض مسلح گروہ روک کر گاڑی اور مالک کی حیثیت کے مطابق خراج وصول کرتا تھا، مسافروں کی گھڑیاں، خواتین کی زیورات اور گاڑی کی قیمتی سامان بھی چھین لیا جاتا تھا، اکثر لوگ اپنی قیمتی اشیاء پاکستان کی آخری چیک پوسٹ پر اماناً رکھ جاتے تھے۔ میں نے بولدک سے قندھار تک ایسی ۴۹ چوکیوں کے آثار

دیکھے۔ بعد ازاں قندھار میں پاکستانی قونصل جنرل جناب عزیز الرحمٰن گل اور دیگر افراد نے ان چوکیوں کے کار پردازوں کی جولرزہ خیز وارداتیں سنائیں وہ قلم کی زبان پر نہیں لائی جا سکتیں۔ عصمت ملیشیا کی چوکیاں تو خوف و دہشت کی علامت تھیں۔ ایسے بھی واقعات ہوئے کہ نوجوان لڑکیوں اور نوعمر خوبرو لڑکوں کو گاڑیوں سے اتار لیا گیا۔ طالبان نے اس علاقے پر قابض ہوتے ہی تمام چوکیاں ملیامیٹ کر دیں اور آج انسانی عزت و توقیر کے یہ مرگھٹ ویران پڑے ہیں۔ طالبان نے عصمت ملیشیا کے منصور اور دیگر سفاکوں کا دور تک تعاقب کیا انہیں موت کے گھاٹ اتارا اور ان کی لاشیں ٹینکوں کی بلند نالوں سے لٹکا کر انہیں قندھار ایئر پورٹ کے قریب سڑک پر کھڑا کر دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے چوکیوں پر ہی نہیں، قندھار شہر میں بھی دہشت و بربریت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ چمن سے قندھار تک کی بستیوں کے لوگ کئی دن قندھار ایئر پورٹ کے قریب عبرت کا نظارہ کرتے رہے۔ آج بولدک سے قندھار تک صرف دو پوسٹیں ہیں ایک بارڈر پر اور ایک شہر قندھار کی سرحد پر دونوں جگہ کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا صرف گاڑی اور مسافروں کو ایک نظر دیکھا جاتا ہے۔

آزاد سرزمین

چمن کی سرحد پار کرتے ہی جب گاڑیوں نے سڑک کے دائیں رخ چلنا شروع کر دیا تو ہمیں احساس ہوا کہ ہم ایک ایسی آزاد سرزمین میں داخل ہو گئے ہیں جس پر برطانوی سامراج کا سایہ نہیں پڑا۔ جہاں جہاں برٹش راج کے سورج کی کرنیں پڑیں وہاں ٹریفک بائیں ہاتھ چلتا ہے اور غلامی کے عہد کی یہ یادگار کسی ملک کی تاریخ کی بڑی پہچان بن گئی ہے۔

طالبان کا نظام نہ محمود نہ ایاز

ہمیں طالبان، انکے نظام حکومت ان کے اندازِ کار اور ان کی ''شانِ نزول'' کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی آرزو تھی اور ہم اپنے ڈرائیور پر مسلسل سوالوں کی چاند ماری کر رہے تھے اور وہ حسب توفیق ہمیں معلومات فراہم کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ طالبان کے زیر کنٹرول علاقے میں مراتب اور مناصب کی تمیز اور عہدوں کا کروفر نا پید ہے۔ صوبے کا والی ہے یا کسی دفتر کا معمولی اہلکار کسی میں کوئی فرق نہیں۔ نہ کوئی آن بان، نہ پروٹوکول، نہ ہٹو بچو کی صدائیں اور نہ وی آئی پی کلچر۔ ہمیں یہ بات کچھ ناقابل یقین سی لگی، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ گورنر، وزیر، مشیر اور بڑے بڑے سرکاری عمال عام لوگوں کے درمیان، عام لوگوں کی طرح رہتے ہوں؟ ہمارے ہاں تو تھانے کا ایک ایس ایچ او اور تحصیل

کا ایک اسسٹنٹ کمشنر بھی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا اور جب چاہے اپنے اختیارات کے تازیانوں سے کسی بھی شخص کی پیٹھ لہولہان کر سکتا ہے۔

گپ باز ڈرائیور یا قندہار کا ڈپٹی کمشنر

ہم نے آپس میں کہا کہ یہ شخص گپ بازی کر رہا ہے، اصل حقیقت قندھار پہنچ کر معلوم ہو جائے گی۔ میں نے ڈرائیور سے اس کا نام پوچھا وہ بولا ''ملا ہدایت اللہ'' میں نے گپ باز ڈرائیور سے پوچھا ''ہدایت اللہ تم کیا کام کرتے ہو؟'' اس نے جواب دیا ''میں قندھار کا ڈپٹی کمشنر اور میئر ہوں'' ہم چاروں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ڈپٹی کمشنر ڈرائیور ملا ہدایت اللہ اپنی دھن میں مگن گاڑی چلاتا رہا۔

زخم خوردہ قندھار نئے عہد کے نئے زخم

ہماری گاڑیاں قندھار میں داخل ہوئیں تو دن ڈھل چکا تھا اور سورج اپنے گھر جانے کے لئے پہاڑوں سے لگا کھڑا تھا، دیواروں کے سائے لمبے ہو رہے تھے لیکن دیواریں تھیں کہاں؟ جابجا زخم خوردہ، سینہ چاک اور داماں دریدہ ڈھانچے کھڑے تھے، چھتیں اڑ چکی تھیں، مضبوط ستون بھاری گولہ باری کی مسلسل ضربوں سے چور چور ہو چکے تھے، کھڑکیوں، دروازوں اور دریچوں کے پٹ گھروں کا ایندھن بن چکے تھے اور بڑے بڑے بے ڈھب سوراخ، بے خواب آنکھوں کی طرح خلاؤں میں گھور رہے تھے۔ گاڑیاں ابھی تک قندھار ہرات روڈ ہی پر تھیں جس کے دونوں طرف ایک آفت زدہ شہر کے حرماں نصیب درو دیوار ٹوٹی پھوٹی منڈیروں پر حسرتِ تعمیر کی تختیاں لٹکائے کھڑے تھے۔ افغانوں کی سخت جان زندگی کوچہ و بازار میں زندہ و بیدار تھی۔ اس میں آسودہ اور مطمئن بستیوں والی زیبائی اور رعنائی تو نہ تھی لیکن ہر حال میں زندگی گذارنے کا فن سکھانے والی توانائی ضرور تھی۔ گاڑیاں کم کم، تھوڑی سی موٹر سائیکلیں، بہت سی سائیکلیں اور ڈھیر سارے پیدل لوگ، چھوٹی بڑی دکانیں، ریڑھیاں، کھوکے اور ایسی گہما گہمی جس میں تفریح سے کہیں زیادہ مجبوریوں اور ضرورتوں کا پھیکا پن ہوتا ہے۔ ہمارے ڈپٹی کمشنر ڈرائیور نے بتایا کہ یہ قندھار ہے۔ میں سوچنے لگا کہ اس شہر ناپُرساں کی بوڑھی آنکھوں نے نہ جانے تاریخ کے کیسے کیسے مناظر دیکھے ہوں گے، کن کن فاتحین کے نیزوں نے اس کا جگر چھلنی کیا ہوگا؟ زندگی کی کیسی کیسی لطافتیں یہاں خیمہ زن رہی ہوں گی؟ قندھار آج ماضی کی داستانوں سے دور کھڑا نئے عہد کے نئے زخموں کو چاٹ رہا ہے۔ دریائے ارغنداب کے

کنارے موجودہ شہر چودھویں صدی میں آباد ہوا اور اس وقت سے ولایت کا حکومتی مرکز چلا آرہا ہے۔ گرشک اور نسبت کے قدیم شہر نئے قندھار میں تحلیل ہو چکے ہیں۔ قندھار کی ولایت یا صوبے میں دریائے ہلمند، دریائے ترنگ، دریائے ارغبان اور دریائے ارغنداب کی زیریں وادیاں شامل ہیں۔ یہ علاقہ تاریخی طور پر درانیوں کا مرکز رہا ہے۔

قندھار کا شاہی ریسٹ ہاؤس

ہمیں جس عمارت میں ٹھہرایا گیا، اسے غالباً آج کے قندھار کی سب سے اچھی اقامت گاہ کہا جا سکتا ہے لیکن عمومی معیار کے حوالے سے وہ ایک اوسط درجے کا ریسٹ ہاؤس تھا، ایک بڑا ہال، متعدد چھوٹے بڑے کمرے اور ان سب کیلئے صرف تین باتھ روم۔ سچی بات یہ ہے کہ حالت جنگ سے دوچار طالبان کے پاس اس سے زیادہ اگر کچھ تھا تو ڈھیر ساری محبتیں، بے پایاں خلوص اور بات بات سے ٹپکتی ہوئی اپنائیت۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جگہ کبھی سردار داؤد کا مسکن تھی۔ پھر گورنر ہاؤس بنی۔ کابل کے مرکزی حکمران قندھار آتے تو یہیں قیام کیا کرتے تھے۔ کمیونسٹ عہد کے آخری فرمانروا ڈاکٹر نجیب اللہ کی جہازی شیورلیٹ گاڑی اس عمارت کے خزاں رسیدہ لان میں آج بھی کھڑی ہے۔ سیاہ رنگ کی یہ شکستہ پا گاڑی صرف نجیب ہی کی نہیں سودیت یونین کی سیاہ بختی کا سمبل بھی بن گئی ہے۔

عظمت وتمکنت سے بے نیاز مولانا سمیع الحق

مولانا سمیع الحق اور صحافیوں کے مراسم اس لئے بڑے خوشگوار ہیں کہ مولانا نے کبھی علم کی عظمت اور عالمانہ تمکنت کو اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیا، ان کی بے تکلفی، بذلہ سنجی، نکتہ آفرینی اور شگفتہ گوئی نے ہمارے اس سفر کو کبھی بوجھل نہ ہونے دیا۔ طالبان ان کے لئے بچھے جا رہے تھے اور مولانا کو ہمارے آرام وآسائش کا خیال بے کل کئے رکھتا تھا۔ چائے، مشروبات اور قندھار کے شیریں پھلوں سے تواضع کے بعد بھاری بھرکم میزبان شخصیات کی آمد شروع ہوگئی۔ مولانا محمد حسن طالبان کی اعلیٰ قیادت میں بہت نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ قندھار کے گورنر رہ چکے ہیں اور حال ہی میں انہیں پانچ صوبوں کے امور کا سربراہ بنایا گیا ہے۔ غزنی، زابل، قندھار، ہلمند اور اورزگان کے گورنر ان کے ماتحت آتے ہیں شورائے عالی کے رکن اور اسپیکر ہیں۔

ملا محمد حسن کی مختصر گفتگو

مولانا سمیع الحق اور ان کے وفد سے مولانا محمد حسن کا تعارف کرایا گیا۔ سادہ و درویش سے

اس شخص کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ انہوں نے مختصر گفتگو کی ،مولانا محمد حسن کی گفتگو میں بلا کی روانی تھی اوران کے ہر لفظ سے بھرپور اعتماد ٹپکتا تھا۔ امن و امان کی بحالی اور جرائم کی بیخ کنی بلاشبہ طالبان کی تحریک کا سب سے نمایاں پہلو ہے جس کی تصدیق ہر شخص کرتا ہے۔ مولانا سمیع الحق مجمع عشاق میں گھرے بیٹھے تھے کہ شورائے عالی کے رکن اور تحریک کے مرکزی رہنما مولوی احسان اللہ احسان آ گئے۔ مولانا سمیع الحق کے ہاتھوں کو بوسہ دینے اور معانقہ کرنے کے بعد وہ ہم سے ملے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔

صحافی اور ریڈیو قندہار کی عمارت

رات گہری ہوتی جا رہی تھی، قندھار کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ میرے صحافی دوستوں کو پریشانی کھائے جا رہی تھی کہ خبریں کس طرح اپنے اداروں کو بھیجی جائیں۔ مولانا سمیع الحق کے معاون خصوصی، جواں سال مولانا یوسف ہمارے معاون اور خدام کی ایک پوری فوج میسر آ گئی تھی۔ کئی وزراء تو باقاعدہ مولانا کی ''مٹھی چاپی'' کر رہے تھے۔ ہم یوسف صاحب کے ہمراہ ریڈیو قندھار کی عمارت میں پہنچے، طالبان نے شکوک سے لبریز آنکھوں کے ساتھ ہمیں گھورا۔ یہ آٹھ منزلہ عمارت قندھار ہوٹل کا نیا بلاک تھا جسے پوری طرح مکمل ہونا بھی نصیب نہ ہوا۔ عمارت پر جا بجا گولیوں اور گولوں کے نشان ہیں، تقریباً تمام کمرے آسیب زدہ دکھائی دیتے تھے۔ دو تین کمروں میں ریڈیو قندھار کا کل اثاثہ ہے، یہ ریڈیو چوبیس گھنٹوں میں صرف تین سوا تین گھنٹے بیدار رہتا ہے۔ صبح سات بجے سے سوا آٹھ بجے تک اور شام ۶ بجے سے ۸ بجے تک۔ اس دوران خبروں کے مختصر بلیٹن ہوتے ہیں۔ تلاوت، تفسیر قرآن، فہم حدیث، سیاسی تبصرے اور بعض عمومی مسائل پر گفتگو نشر کی جاتی ہے۔ موسیقی ممنوع ہے، مولانا محمد اسحاق امیر ریڈیو کے مدیر مسئول ہیں، ریڈیو کا کل اسٹاف تقریباً پچیس افراد پر مشتمل ہے، ان میں کوئی خاتون نہیں نہ ہی ریڈیو کسی خاتون کی آواز نشر کر سکتا ہے۔ رات کے پہلے پہر بھی ریڈیو سو رہا تھا اور عجب ویرانی طاری تھی۔ مری مری سی دو تین شمعیں روشن تھیں۔ عملے نے بتایا کہ یہاں تو فون ہی خراب ہے اس لئے فیکس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا سمیع الحق ایک چھوٹی سی فیکس مشین بریف کیس میں ڈال لائے تھے لیکن فون نہ ملنے کے باعث اس کی رگِ جاں میں زندگی نہ آ سکی۔ اگرچہ ہمارے ہمراہ سرکاری محافظ بھی تھا لیکن ریڈیو کی عمارت کے دالان میں چند اجنبیوں کو دیکھ کر ریڈیو کی حفاظت پر مامور طالبان خاصے چوکنے ہو چکے تھے۔ معلوم ہوا کہ اسی عمارت میں ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی قائم ہے۔ تجسس بڑھا اور ہم نے اسٹوڈیوز دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ معلوم

ہوا کہ ٹی وی کے آلات اور اسباب تو موجود ہیں لیکن کمروں پر بھاری قفل پڑے ہیں مدت سے کوئی پروگرام نشر نہیں ہوا۔خبروں کے پلندے تھامے میرے ساتھی واپس ریسٹ ہاؤس آگئے۔

مولانا سمیع الحق اور طالبان حکمرانوں کی گرویدگی

ہمارے پروٹوکول آفیسر مولانا یوسف شاہ گاڑی لے کر آگئے۔ ریسٹ ہاؤس اسی طرح آباد اور پررونق تھا، مولانا سمیع الحق بارات کا دولہا بنے مرکزی صوفے پر تشریف فرما تھے۔ اکوڑہ خٹک کے سرچشمۂ فیضان سے کسبِ فیض کرنے والے طالبان ان پر اپنی عقیدتیں نچھاور کر رہے تھے۔ قندھار کے گورنر ملا محمد حسن رحمانی، شورائے عالی کے سینئر رکن احسان اللہ احسان، رئیس امور خارجہ ملا محمد غوث اخوند، پانچ صوبوں کے نظم کے سربراہ مولانا محمد حسن، عدالتوں کے قاضی انتظامیہ کے ارکان، اور صف اول کے قائدین صبح ہی صبح مولانا کی بارگاہ میں حاضر ہو چکے تھے۔ ہم بھی مریدانِ ارادت کیش کی طرح ایک دیوار کے ساتھ لگے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ کمرے کے وسیع فرش پر قالین بچھے تھے جس پر مولانا کے وفد کے اراکین اور طالبان جلوہ گر تھے۔ اتنے میں اطلاع ہوئی کہ امیر المومنین تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں افغانستان کے دو تہائی رقبے پر محیط پندرہ صوبوں کے حاکم مطلق کا جاہ وجلال انگڑائی لینے لگا۔

طالبان کا حکومتی اور انتظامی ڈھانچہ

افغانستان ایک مدت سے ۲۹ رصوبوں میں منقسم رہا ہے لیکن کچھ عرصہ قبل دو نئے صوبوں کی تخلیق سے یہ تعداد اکتیس ہوگئی ہے۔ روایتی انتیس صوبوں میں سے پندرہ صوبے طالبان کے قبضے میں ہیں۔ قندھار، ہلمند، ہرات، زابل، اوزرگان، پکتیکا، لوگر، غزنی، میدان شہر، خوست، پکتیا، فرح، بدغیس، نیمروز اور غور پر طالبان کا سفید پرچم لہراتا ہے جس پر کلمہ طیبہ رقم ہے۔ ہر صوبے کا ایک گورنر ہے جو صوبائی شوریٰ کے مشورے سے نظم ونسق چلاتا ہے۔ گورنر کے لئے اب بھی والی کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ پندرہ ولایتوں کو بہتر نظم کے خیال سے تین وحدتوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہر وحدت کے تحت پانچ صوبے آتے ہیں اور ان کا سربراہ رئیس اعلیٰ یا زونل چیف کہلاتا ہے۔ پندرہ صوبوں کے والی اور تین وحدتوں کے رئیسان اعلیٰ مرکزی مجلس شوریٰ ''شورائے عالی'' کے رکن ہیں۔ قندھار ان پندرہ صوبوں کا مرکزی دارالحکومت ہے جہاں مختلف محکموں کے رئیس اور تین وحدتوں کے رئیسان اعلیٰ بیٹھے ہیں۔ شورائے عالی اختیارات کا اعلیٰ ترین ماخذ ہے۔ ملا محمد عمر اخوند شورائے عالی

کے سربراہ اور امیر المومنین ہیں۔ پندرہ صوبوں میں ملا محمد عمر اخوند کی جنبشِ لب قانون، ضابطہ یا آرڈیننس ہی نہیں آئین و دستور کا درجہ رکھتی ہے۔

ملا محمد عمر اخوند کی آمد اوران کی صورت گری

تحکم اور اختیار و اقتدار کی اتنی بلند مسند پر بیٹھنے والے ملا محمد عمر اخوند کے جلال و جمال کی صورت گری کرتے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ایک جوانِ رعنا ہال میں داخل ہوا۔ ساڑھے چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، چست اور مستعد بدن، سفید چہرہ، گھنی سیاہ داڑھی، ملیشیا کے رنگ کا لمبا کرتا اور ٹخنوں کو چھوتی شلوار، سیاہ پگڑی، گہرے سبز رنگ کی واسکٹ، سیاہ رنگ کی بڑی سی چادر کندھے پر، پاؤں میں چپل، چال میں استقامت، انداز میں استغنا، اس جوانِ رعنا کے داخل ہوتے ہی طالبان سروقامت کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا امیر المومنین تشریف لے آئے۔ تمام حاضرین مجلس بھی احتراماً کھڑے ہو گئے۔ پانچ چھ چست و توانا نوجوان کلاشنکوفیں اٹھائے امیر المومنین کے ہمراہ تھے۔ ملا محمد عمر اخوند مولانا سمیع الحق سے معانقہ کرنے کے بعد اپنے قریب موجود افراد سے ملے اور مولانا سمیع الحق کے بائیں پہلو میں صوفے پر بیٹھ گئے۔

پروٹوکول سے بے نیازی

پندرہ صوبوں کے حاکم مطلق کی آمد سے قبل بھی یہ شور قیامت بپا ہوا نہ پروٹوکول کے ضابطے حرکت میں آئے، نہ سڑکوں پر پہرے بٹھائے گئے نہ ٹریفک رکی، نہ سائرن کی چیخ و پکار بلند ہوئی اور نہ معمولات حیات درہم برہم ہوئے۔ ۳۶ رسالہ امیر المومنین اپنی اقامت گاہ سے یوں ریسٹ ہاؤس پہنچ گیا جیسے گلی کوچوں میں رہنے والا کوئی عام سا آدمی اپنے مہمان سے ملنے کسی مسافر خانے پہنچ جاتا ہے۔

ملا عمر کی جدوجہد کا کچھ ذکر

ملا محمد عمر اخوند ایک عرصہ تک قندھار اور کوئٹہ کے علمی مدارس میں زیر تعلیم رہے۔ افغانستان عرصۂ جہاد میں داخل ہوا تو ملا عمر تعلیمی سلسلے کو ادھورا چھوڑ کر معرکۂ حق و باطل میں شریک ہو گئے۔ ایک عرصہ تک مولوی محمد نبی محمدی کی حرکت انقلاب اسلامی میں شامل رہتے ہوئے مختلف محاذوں پر روسیوں کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ پھر پروفیسر برہان الدین ربانی کے ساتھ رابطہ استوار ہوا اور جمعیت اسلامی کے پلیٹ فارم سے جہاد میں شریک رہے اور ایک نڈر اور حوصلہ مند مجاہد کی حیثیت سے نام پیدا کیا، ان کی دائیں آنکھ اسی جہاد کی نذر ہو گئی، مجاہدین رہنماؤں کی باہمی کشمکش سے نوجوان مجاہدوں

کے خواب بکھرنے لگے تو ملا محمد عمر نے دینی مدارس کے ان طالبان کو ایک لڑی میں پرو دیا جو جہاد کو منطقی ثمرات سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے تھے۔ عسکری اور سیاسی محاذ پر ابھرنے والی اس قوت کے بارے میں طرح طرح کے نظریات ہیں۔ کچھ لوگ اسے خود رو خیال کرتے ہیں اور کچھ کا کہنا ہے کہ اس تخم کی باقاعدہ آبیاری کی گئی ہے اور اب بھی اس کی نگہداشت اور پرداخت کا سلسلہ جاری ہے۔ طالبان کی تخلیق کا سبب کچھ بھی ہو، آج وہ افغانستان کی ایسی قوت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اس قوت کا فرمانروا ہمارے سامنے بیٹھا تھا، ملا عمر کم آمیز بھی ہیں اور کم گو بھی، میل ملاقات اور لمبی گفتگو ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ہمیں بھی مسلسل یہی تاثر ملتا رہا کہ شاید ان سے ملاقات نہ ہو سکے۔ پھر خبر اڑی کہ مولانا سمیع الحق ایک دو ساتھیوں اور اخبار نویسوں کے ہمراہ امیر المومنین سے ملاقات کو جائیں گے۔ پھر پتہ چلا کہ ملا عمر خود مولانا سمیع الحق سے ملنے آئیں گے۔ اللہ کے اس پراسرار بندے کو اتنا قریب دیکھ کر ہماری دھڑکنیں تو تیز ہونا ہی تھیں، خود طالبان کے چہرے گلنار ہوئے جا رہے تھے۔

گورنر ہاؤس دیکھنے کی بے تابی اور اس کی بے سروسامانی

یہ گورنر صاحب کا سیکرٹریٹ ہے، بے رنگ و آب و دیواریں، شکستہ دروازے، نیم جاں جھروکے، شیشوں سے بے نیاز، کھڑکیاں، معذور میزیں، شکستہ پا کرسیاں، ہم اس بے سروسامانی کو دیکھ کر اپنے میزبانوں سے کوئی سوال نہ پوچھ پائے۔ بس دیکھتے رہ گئے۔ ساری عمارت ہمارے ہاں کے کسی نیشنلائزڈ ماڈل اسکول کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ سرخ وردیوں میں ملبوس چاق و چوبند اہلکار، سیاہ گھوڑوں پر بیٹھے اونچے طروں والے نیزہ بردار اور آبنوسی دروازے کے دائیں بائیں کھڑے چوبدار، کچھ بھی نہ تھا، گاؤں کے اسکول کے ہیڈ ماسٹر جیسے ایک کمرے کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ ''گورنر صاحب کا دفتر ہے'' گورنر صاحب اب بھی اسی گھر میں رہتے ہیں، جس میں وہ بیت المال کے ایک اہلکار کی حیثیت سے رہتے تھے، ہم زیادہ دیر یہاں نہ ٹھہر سکے، دھوپ خاصی تیز ہو چلی تھی۔

درویش صفت پیدل معذور گورنر محمد حسن رحمانی

گاڑیاں گورنر صاحب کے سیکرٹریٹ سے سڑک پر آئیں تو ہم نے فٹ پاتھ پر ایک معذور شخص کو لاٹھی ٹیکتے آہستہ آہستہ چلتے دیکھا۔ اوئے یہ تو ملا محمد حسن رحمانی ہیں۔ قندھار کے گورنر، گاڑیاں رک گئیں اور وہ کسی ایک گاڑی میں بیٹھ گئے، میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ''گورنر صاحب پیدل کیوں

چل رہے تھے'' وہ بولا......''ان کے پاس یہی ایک گاڑی ہے جو آج کل آپ کے زیر استعمال ہے'' مجھے معروف ادیب شاعر اور ڈرامہ نگار اشفاق احمد کی یاد آئی جو تلقین شاہ کے روپ میں اپنے ملازم ہدایت اللہ سے ہمیشہ ایک بات کہتا ہے'' ہدایت اللہ تم ترقی نہیں کر سکتے۔ تم باورچی کے باورچی ہی رہو گے'' امانت، دیانت، شرافت اور صداقت کا پیکر ہدایت اللہ نادم سا ہو کر کہتا ہے''حضور آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' میں نے دل ہی دل میں درویش صفت، غریب وسادہ معصوم میزبانوں سے کہا۔ ''افغان بھائیو! تم کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ تم مجاہد کے مجاہد ہی رہو گے'' مجھے یقین ہے کہ اگر میں یہ بات نہاں خانہ دل سے نکال کر ہونٹوں پر لے آتا تو میرے میزبان ہرگز ہدایت اللہ کی طرح نادم نہ ہوتے وہ سینہ تان کر کہتے''ہم ایسی ترقی پر لعنت بھیجتے ہیں جو ہم سے مجاہد کا بانکپن چھین لے''۔ پھر مجھے اپنے صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ سردار عارف نکئی کا خیال آیا جو بیسیوں گاڑیوں کا بیڑا ہوتے ہوئے آج کل اپنی BMW کے لئے لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ لڑ رہے ہیں۔

ہرات ایئرپورٹ گورنر یار محمد خان کا استقبال

ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد طیارے نے ہرات ایئر پورٹ کے رن وے کو چھوا تو خزاں رسیدہ پتوں جیسے چہروں پر قندھاری اناروں کی سی سرخی و بشاشت کھل اٹھی، عقبی پھاٹک کھلتے ہی روسی ساخت کے AN-۳۲ مال بردار فوجی طیارے سے ہم لوگ اس تیزی کے ساتھ نکلے جیسے در زندان کھل گیا ہو۔ ایئر پورٹ پر ہرات کے قائدین کی ایک لمبی قطار منتظر تھی۔ گورنر ہرات ملا یار محمد خان نے آگے بڑھ کر مجاہدوں کی سی گرمجوشی سے مولانا سمیع الحق کا استقبال کیا مولانا نے سب سے پہلے قبیلہ ''صحافیان'' کا تعارف کرایا۔ طالبان کسی بھی معزز مہمان کے لئے عزت افزائی کی جتنی سوغات پیش کر سکتے تھے، پیش کر دی، گاڑیوں کا قافلہ ایئر پورٹ کی حدود سے نکل کر ہرات جانے والی شاہراہ پر پہنچا تو دونوں طرف کھڑے کھجور کے عمر رسیدہ درختوں نے شہر کی قدامت و بزرگی کی چغلی کھائی۔ یہ سڑک بھی زخم خوردہ تھی اور مہم جوئی کے اس موسم میں کسی کے پاس ان زخموں پر مرہم رکھنے کا وقت نہ تھا۔ ہرات شہر جنگ کی تباہ کاریوں سے خاصا محفوظ لگا۔ جل تھل کا وہ عالم نہ تھا جو ہم قندہار میں دیکھ آئے تھے لیکن در و دیوار کی پیشانیاں گزر جانے والی رُتوں کی کہانیاں کہہ رہی تھیں، بھرے پُرے بازاروں اور پر رونق چوراہوں سے گزرتے ہوئے ہم ایک وسیع و عریض عمارت کے اندر داخل ہوئے جس کے صدر دروازے پر''باغِ آزادی'' کی تختی لگی تھی۔ یہ واقعی ایک باغ تھا۔ درختوں کے گھرے

سبز پتوں سے جھانکتے سرخ انار عجب بہار دکھا رہے تھے' باغ کے بیچوں بیچ ایک عمدہ عمارت بنی تھی جو ہرات کا سرکاری مہمان خانہ ہے ۔ گورنر ہرات کی معیت میں ہم اس مہمان خانے میں داخل ہوئے ۔ بیشتر مہمانوں کو ادھر ادھر کے کمروں میں جگہ دی گئی ۔ ہمیں مولانا سمیع الحق کی مصاحبت میں خصوصی ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔

پررونق ہرات پر ایک نظر

ہرات، قندہار کی نسبت کہیں بھرا پُرا لگا۔ زیادہ بارونق ، زیادہ آباد، زیادہ پُر ہجوم، گورنر ہرات نے نہایت ہی پر تکلف لنچ کا اہتمام کر رکھا تھا۔ میرے ساتھیوں کے دل میں قندھار کے قدیم شہر اور یہاں کے تاریخی عمارات دیکھنے کا شوق انگڑائیاں لے رہا تھا، وہ بے تاب ہوئے جا رہے تھے کہ اب دسترخوان سمٹے اور کب ہم حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ ،حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ اور امام فخرالدین رازی کے مزارات مقدس پر حاضری دیں، دستر خوان تو جلد سمٹ گیا لیکن ہرات کے تومند دنبوں کے گرانبار ظہرانے نے ہمارے قافلہ سالار مولانا سمیع الحق اوران کے ارادتمند ان وفا کیش پر مستی سرشاری کی ایسی کیفیت طاری کی کہ چندلمحوں میں پورا مہمان خانہ خراٹوں سے گونجنے لگا اور یہ طلسم اس وقت ٹوٹا جب درختوں کے سائے بہت لمبے ہوگئے اور فضا میں اذانِ عصر کی روح پرور گونج رس گھولنے لگی۔

ہری رُود کی زرخیز و شاداب وادی اور وسیع وعریض میدانوں پر مشتمل ولایت ہرات کا شمار افغانستان کے اہم ترین صوبوں میں ہوتا ہے، کوہستان ہزارہ اور سرحد ایران کے درمیان واقع یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے زبردست اہمیت کا حامل ہے۔افغانستان کے شمالی علاقوں میں سر بفلک پہاڑوں اور سنگلاخ چٹانوں کی وجہ سے راستے انتہائی دشوار گزار ہیں، لیکن جوں جوں یہ کوہستانی سلسلے جنوب اور مغرب کی طرف بڑھتے ہیں، ان کی بلندی کم ہوتی چلی جاتی ہے اور آمدورفت کی راہیں کشادہ ہونے لگتی ہیں، ہرات قندہار ہائی وے جس طرح آج ایک مصروف تجارتی شاہراہ ہے اسی طرح ماضی میں بھی آمدورفت کا اہم وسیلہ رہی ہے۔ یہ راستہ قدیم زمانے میں عسکری مہمات کیلئے بھی استعمال ہوتا رہا۔ جب عظیم کوہ پاروپامیس (Paropamsus) ہرات کی دہلیز تک پہنچا ہے تو اس کی بلندی کم ہوتے ہوتے چھوٹے پہاڑی ٹیلوں جتنی رہ جاتی ہے اس لئے ترکمانستان کو جانے والا زمینی راستہ سال بھر استعمال کیلئے کھلا رہتا ہے، آج کل ہرات، ترکمانستان اور ایران کے ساتھ تجارت کا اہم مرکز بن چکا

ہے اور طالبان کی حکومت کیلئے محصولات کی فراہمی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ بندر عباس سے لدے پھندے تجارتی کارواں ہرات سے ہوتے ہوئے قندہار اور پھر چمن جارہے ہیں، تعلقات کی کشیدگی کے باوجود طالبان نے ایران سے تجارتی تعلقات استوار کررکھے ہیں اور ورکنگ ریلیشنز working relations پوری طرح بحال ہیں۔

مزارشہدائے گمنام عقیدتوں کا سب سے بڑا مرکز

شام گہری ہونے لگی تھی اور ہمیں کئی اور مقامات بھی دیکھنا تھے۔ مولانا سمیع الحق طالبان کے حلقہ ارادت کی گرمجوشیوں میں گھرے سراپا حرکت بنے ہوئے تھے۔ کارواں وہاں سے نکلا اور ایک وسیع میدان میں جا پہنچا جو ایک پارک کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ہم جس چبوترے کے سامنے جاکے رُکے اس کی محراب پر ''مزار شہدائے گمنام'' کی تختی لگی تھی اور چبوترے پر جہازی سائز کی قبریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ ہرات کے وہ بیٹے ہیں جو سوویت یونین کی بربریت کا نشانہ بنے اور افغانیوں کو اس فرعونی قوت کے خلاف عزم جہاد دے گئے۔ ۱۹۷۹ء میں ہرات کی فوجی چھاؤنی میں جب روسیوں کے خلاف بغاوت کا شعلہ بھڑکا تو سرخ سامراج بے قابو ہوگیا۔ شہر پر وحشیانہ بمباری کی گئی۔ پچیس ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ ہرات کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں جس نے تاریخ کی بارگاہ میں اپنے لہو سے شہادت رقم نہ کی ہو، کرفیو لگا۔ روسیوں نے گلی کوچوں میں بکھری لاشوں کو بلڈوزروں کے ذریعے اکٹھا کیا۔ کوڑا اٹھانے والی گاڑیوں میں ڈالا اور اس میدان میں لاکر بڑے بڑے گڑھوں میں ڈال دیا۔ اسماعیل خان نے اپنے دور میں ان گڑھوں کی کھدائی کرائی اور بالائی سطح پر بڑے بڑے شیشے لگادیئے۔ ان شیشوں کے نیچے شہیدوں کی میتیں، ان کے زخموں، ان کے کٹے پھٹے اعضا اور ان کے لباسوں سمیت دکھائی دیتی تھیں، ہرات کے لوگ جمعہ کے جمعہ شام کے وقت اس وسیع وعریض پارک میں جمع ہوتے، شہداء کے مزاروں پر حاضری دیتے اور یادوں کے دیے جلا کر گھروں کو پلٹ جاتے۔ طالبان کے قبضے کے بعد اسے خلافِ اسلام قرار دے کر شیشے توڑ دیئے گئے اور بڑے بڑے گڑھوں کو باقاعدہ قبروں کی شکل دے دی گئی۔ یہ پارک نما میدان اب بھی اہلِ ہرات کی عقیدتوں اور محبتوں کا سب سے بڑا مرکز ہے اور جمعہ کے دن ہزاروں گھرانے یہاں جمع ہوکر گئے دنوں کی روشنی سے آنے والے زمانوں کو اُجالنے کا عزم لیتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو سورج پہاڑوں کے پیچھے چھپ چکا تھا اور سُرمگیں چادر نے ساری شہادت گاہ کو ڈھانپ دیا تھا مولانا کی دعا کے الفاظ جگنوؤں کی طرح پُرافشاں تھے اور میرا دل بیکراں شہادتوں کے باوجود بے ثمر افغانستان کے دکھ سے

بوجھل ہوا جا رہا تھا۔ جب ہم شہر کی حدود میں داخل ہوئے تو درو بام پر تاریکی کا راج تھا، بجلی کا نظام اب تک بحال نہیں ہوسکا جو محدود مقدار میسر ہے وہ چند ضروری عمارات کو فراہم کی جارہی ہے۔

ہرات کی پرشکوہ جامع مسجد

ہرات کی جامع مسجد اسلامی فنِ تعمیر کی سطوت وشوکت کا پرشکوہ نمونہ ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد اس چبوترے پر تعمیر ہوئی ہے جہاں تیرہ سو سال قبل حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ عمارت کے در و دیوار، محرابیں، حجرے اور ڈیوڑھیاں درست انداز میں ہیں اور اس وسیع و عریض مسجد کے اندر چھوٹی مساجد بنی ہوئی ہیں، میرے ذہن میں لاہور کی بادشاہی مسجد کا نقشہ ابھرا لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہرات کی جامع مسجد کا جلال و جمال کئی گنا زیادہ ہے۔

ہرات کے بازار کی سیر

ہمارے گائیڈ نے ہمیں ہرات کے بازار بھی دکھائے جہاں قالین فروشوں کی بڑی بڑی دکانوں سے لیکر معمولی خوانچہ فروشوں تک سب نے ''کیلکو لیٹرز'' اٹھا رکھے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ قندہار اور ہرات بلکہ پورے افغانستان میں پاکستانی کرنسی کا چلن عام ہے بلکہ اسے اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے جس طرح ہمارے ہاں ڈالر کو عالی نسب کرنسی کا درجہ حاصل ہے، پاکستانی روپے اور ''افغانی'' کی شرح مبادلہ کا پہلا اندازہ مجھے اس دن ہوا تھا جب ہمارا قافلہ چمن سے گزرتا، سپن بلدک سے ہوتا قندھار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مولانا سمیع الحق نے اہلِ کارواں کی بھوک اور پیاس کو ایک ہی نسخے سے مارنے کے لئے گاڑیاں ایک ایسے مقام پر روک دیں جہاں گرما کے ڈھیر لگے تھے، مولانا نے قلندرانہ ادا سے نشست جمائی اور گرموں کی قاشیں کٹنے لگیں اور بٹنے لگیں۔ بلا مبالغہ یہ گرما شہد سے زیادہ شیریں تھا اور مجھ جیسے ''شیرینی گریز'' کے لئے اس کی دو قاشیں کھانا بھی مشکل تھا۔ تختہ پل کے مقام پر بیٹھے بزرگ گرما فروش نے جب مولانا شفیق فاروقی سے ایک لاکھ پچیس ہزار افغانی وصول کئے تو میں ششدر رہ گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ افغانستان داخلی بدامنی اور باہمی جنگ و جدل کے باعث بدترین اقتصادی بحران کا شکار ہے اور اس کی کرنسی ''افغانی'' کی قوت مبادلہ بے حد کمزور ہوچکی ہے، مولانا سمیع الحق نے قافلہ شوق کے لئے درجنوں گرموں کی جو قیمت ایک لاکھ پچیس ہزار افغانی کی شکل میں ادا کی وہ لگ بھگ دوسو پاکستانی روپے تھے۔ جی ہاں صرف دوسو پاکستانی روپے تھی۔ وہاں اعلیٰ نسل کے شیریں گرما کا بھاؤ دوسو روپے پاکستانی کلو ہے۔ ہرات میں اچھا انگور پانچ

چھ روپے (پاکستانی) کلو بک رہا تھا دکاندار چیز کا بھاؤ بتانے کے بعد کیلکو لیٹر سے نرخ بتاتے ہیں' ہم نے جب ہرات کے بنے ہوئے خوبصورت ''قالینوں اور جائے نمازوں'' کی قیمت لاکھوں میں سنی تو تائب ہوکر ''باغِ آزادی'' لوٹ آئے جہاں خوبصورت محفل سجی تھی۔

ہرات قندھار آمد اور پاکستان واپسی

طالبان کی مقامی قیادت قندہار میں ہمارے لئے چشم براہ تھی دوپہر کے کھانے کا اہتمام کررکھا تھا' گاڑیاں تیار کھڑی تھیں، جب ہم بے پناہ محبتوں کے جلو میں رخصت ہوئے تو ہجومِ افکار سے دماغ کی چولیں تو ہل ہی رہی تھیں، قندہار سے چمن تک کی ناہموار اور شوریدہ سڑک نے ہمارے جسموں کا بند بند بھی ہلا دیا۔ رات دس بجے کے بعد ہم چمن پہنچے تو سرحدی پھاٹک بند ہو چکا تھا۔ مولانا سمیع الحق طالبان کی گرمجوشی کے سامنے ہتھیار ڈال چکے تھے اور درپردہ ''بلدک'' میں ایک دن مزید قیام کا عندیہ دے چکے تھے۔ اہلِ کارواں کیلئے رات کو پھاٹک کھولنا ممکن نہ تھا لیکن ایف آئی اے نے صحافیوں کی چار رکنی ٹیم کو خصوصی رعایت دیتے ہوئے نہ صرف اپنا پھاٹک وا کردیا بلکہ ملیشیاء کا بیریئر کھلوانے میں بھی مدد دی۔ جب ہم کوئٹہ کے ایم پی اے ہاسٹل میں داخلہ ہوئے تو صبح کے دو بج رہے تھے، اسی دن دس بجے میرے تینوں رفیق جہاز پکڑ کر اسلام آباد روانہ ہوگئے تھے۔ مجھے ناسازئی طبع کے سبب ایک دن مزید کوئٹہ رکنا پڑا۔ اگلے دن جہاز پر مولانا سمیع الحق بھی میرے ہم سفر تھے، دورے کے مجموعی تاثر اور طالبان کے بارے میں ان سے مفصل گفتگو ہوئی جو کسی اور وقت کیلئے اٹھا رکھتے ہیں

طالبان ایک طاقت

طالبان کا پس منظر اور پیش منظر کچھ بھی ہو وہ عملاً ایک طاقت ہیں اور کسی بھی پائیدار حل کے لئے ان سے کنی کترا کے گزرنا ممکن نہیں۔ طالبان کو اپنی اس حیثیت کا اندازہ ہے اور شاید وہ اسی اندازے کی ہی وجہ سے مصالحت کے بجائے لشکر کشی کا راستہ اپنائے ہوئے ہیں۔ افغانستان کے کم و بیش پندرہ صوبوں پر کنٹرول حاصل کرتے وقت طالبان کو کسی سخت جان مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا لیکن سروبی اور کابل کی طرف جاتے ہوئے انہیں ایک ایک انچ زمین کیلئے اپنا خون دینا ہوگا اور مدمقابل کا خون لینا ہوگا۔ وہ خون جو کسی طالب کی رگِ جاں سے ٹپکے گا اور وہ خون جو گل بدین حکمت یار کی سپاہ کے کسی لشکری کے سینے سے پھوٹے گا، دونوں کا رنگ سرخ ہوگا اور دونوں کی مہک ایک جیسی ہوگی اور دونوں کے خلیوں میں اسلام کی کارفرمائی کا جذبہ انگاروں کی طرح دہک رہا ہوگا۔

مولانا راشد الحق سمیع

طالبان حکومت پر امریکہ اور اقوام متحدہ کی ناجائز پابندیاں اور امیر المومنین ملا محمد عمر کا مردانہ وار مقابلہ کا عزم

عالم دنیا اور خصوصاً امریکہ ومغرب ممالک نے جب طالبان (امارت اسلامیہ افغانستان) کی نظام عدل وانصاف پر مبنی حکومت دیکھی تو کفری طاقتیں اور بھی پریشان ہونے لگیں اور طرح طرح کے حیلے بہانے بنا کر تحریک طالبان کو ڈرانا دھمکانا شروع کردیا، جب تحریک طالبان پر اس کا اثر نہ ہوا تو ان پر بے جا اور ناجائز پابندیاں لگانا شروع کردیں، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ان ناروا پابندیوں کے خلاف پاکستان بھر میں اپنی بھرپور آواز اٹھائی اور نام نہاد اقوام متحدہ کے اس ظالمانہ فیصلے پر پارلیمنٹ اور اس وقت کی حکومت کے ایوانوں میں بھرپور اور موثر احتجاج کیا اور پاکستانی اہل خیر کے ذریعے مختلف امدادی سامان وغیرہ افغانستان بھجوایا۔اب کی بار بھی عالم کفر اور امریکہ ایک منظّم سازش کے ذریعے تحریک طالبان افغانستان کی نئی اسلامی قانونی حکومت کو تسلیم کرنے سے پس وپیش کر رہی ہے اور اس نے افغانستان کے نو ارب ڈالر کے ذخائر منجمد کردیئے ہیں اور پاکستان سمیت دنیا بھر کے اسلامی ممالک پر پریشر ڈالا جا رہا ہے کہ تحریک طالبان کو سیاسی، سفارتی اور اقتصادی لحاظ سے کمزور کیا جائے۔مدیر ''الحق'' کا ان پابندیوں کے خلاف یہ اہم مضمون ''الحق'' دسمبر ۹۹ میں تحریر کیا گیا تھا جو موجودہ تناظر میں ایک بار پھر زمینی حقائق کی ترجمانی کر رہا ہے۔(ادارہ)

بالآخر امریکہ اور اقوام متحدہ نے اپنے جور وستم کا آخری تیر بھی اپنے ترکش سے افغانستان پر پابندیوں کی صورت میں چلا دیا۔ جب کروز میزائل، بم دھماکے، سپر پاور روس اور ماضی میں برطانیہ جیسی سپر پاور قوتوں نے افغانیوں کے حوصلوں، اولوالعزمی، جذبہء ایمانی کو شکست نہ دے سکے تو موجودہ پابندیوں سے یہ خدائی شیر کہاں گھبرا سکتے ہیں۔ ع اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

بظاہر طالبان حکومت پر پابندیوں کا اطلاق اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے نہ کرنے پر کیا

گیا ہے لیکن اصل صورتحال اور امریکی عزائم کی پوری دنیا کو خبر ہے کہ اسامہ بن لادن فقط ایک بہانہ ہے۔ اصل مسئلہ امریکہ کیلئے ایک آزاد اسلامی خودمختار حکومت کے قیام کا ہے۔جس کے قیام اور دوام نے امریکہ اور پورے عالم کفر کی صفوں میں کھلبلی مچا دی ہے۔طرفہ تماشہ یہ ہے کہ امریکہ اور اقوام متحدہ نے افغانستان پر پابندیاں ایسی حالت میں نافذ کی ہیں جب کہ اس نے خود طالبان کی اسلامی حکومت کو تسلیم ہی نہیں کیا اور نہ ہی ان کے درمیان ملزموں کے تبادلہ کا باہمی معاہدہ موجود ہے اور پھر ایک ایسے ملک پر اقتصادی ،تجارتی اور دیگر طرح طرح کی پابندیوں کا اطلاق کسی بھی باشعور انسان کی سوچ سے باہر ہے۔ جو بیس سال سے بارود کا ڈھیر بنا ہو اور جس کے بیس بائیس لاکھ افراد دار و رسن کی آزمائشوں سے گزر چکے ہوں اور جس کی آدھی سے زیادہ آبادی دیگر ممالک میں کسمپرسی کی حالت میں مہاجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو۔ ملک کی اقتصادیات مکمل طور پر تباہ ہوں اور قحط اور مہنگائی نے بے بس اور فقر زدہ زندگی کو اور بھی اجیرن کر دیا ہو تو ایسے میں ان پر مزید پابندیوں کا نفاذ کس ''مہذب'' معاشرے اور کس ''عادلانہ'' نظام اور کس آئین و دستور کے تحت کیا گیا ہے؟ امریکہ اور اقوام متحدہ کا یہ اقدام پوری دنیا کی آزاد اور خودمختار قوموں کیلئے ایک کھلا چیلنج ہے۔جس قوم نے بھی اپنی آزادی ،خودی اور قومی غیرت کا مظاہرہ کیا امریکہ اس پر چڑھ دوڑتا ہے۔

مرد مومن ملا محمد عمر نے پابندیوں کو پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا اور انہوں نے یہ جرأت مندانہ پیغام جاری کیا ہے کہ ''ہم اپنے محسن کو کبھی بھی کفر و شیطان کے علمبرداروں کے سپرد نہیں کریں گے اور رزق دینے والا صرف اللہ ہی ہے ہم اسی سے مانگتے ہیں۔امریکہ اور اقوام متحدہ رزق دینے والے نہیں بلکہ رزق چھیننے والے ہیں ہمیں اللہ پر مکمل بھروسہ ہے۔'' یہ خودداری ،ایمانی حمیت ،ملی غیرت اور اللہ پر توکل کا ایک واضح نمونہ ہے۔ ہم یہاں پر ایرانی حکومت کا تجارت کیلئے سرحدات کھولنے کا خیر مقدم کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ حکومت ایران وسیع الظرفی، قوت برداشت اور باہمی اخوت پر مبنی تعلقات کی اس نئی پالیسی کو مزید مستحکم بنانے کی کوشش کریگی۔

ایران اور طالبان کا اتحاد امریکہ اور دنیا بھر کیلئے ایک ناقابل تسخیر اتحاد بن سکتا ہے اگر حکومت ایران اس پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرے۔ طالبانِ افغانستان پر امریکہ کی پابندیاں لاگو کرانا ایک حماقت ہے امریکہ اس انتظار میں ہے کہ طالبان پابندیوں سے گھبرا کر ہمارے مذموم مقاصد پورے کر

لیں گے یا اسامہ بن لادن کو ہمارے حوالے کر دیں گے تو یہ ایک دیوانے کا خواب ہے جو کبھی بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ ع این خیال است ومحال است وجنوں

طالبان اصحاب صفہ کے وارث ہیں، یہ اس نبی آخر نبی الزماں کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں جنہوں نے اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے پیٹ پر پتھر باندھے تھے لیکن انہوں نے ہزیمت اختیار نہیں کی بلکہ عزیمت پر عمل کیا اور طالبان اس ٹیپو سلطان کے صحیح جانشین ہیں جو گیدڑ کی سوسالہ زندگی پر غیرت کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ شاید امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے طالبان افغانستان کے بارے ہی میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ ''کھانے پینے اور سازوسامان کی تکلیفیں ان لوگوں کو پریشان نہیں کرسکتیں جو جسم کی جگہ دماغ کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں۔ آدمی اپنے آپ کو احساسات کی عام سطح سے ذرا بھی اونچا کرلے تو پھر جسم کی آسائشوں کا فقدان اسے پریشان نہیں کرسکے گا۔ ہر طرح کی جسمانی راحتوں سے محروم رہ کر بھی ایک مطمئن زندگی بسر کر دی جاسکتی ہے اور زندگی بہرحال بسر ہو ہی جاتی ہے۔'' اقتصادی پابندیاں نواز شریف اور سلیمان ڈیمرل جیسے ''مسلمان'' حکمرانوں کا دردسر ہوسکتی ہیں۔ جن کا ایمان منرل واٹر یا ایک کفِ جو میں بِک جاتا ہے، ملا محمد عمر اور طالبان کو یہ پابندیاں نہیں جھکا سکتیں۔

طالبان جن کے حوصلے اپنے وطن کے پہاڑوں سے زیادہ بلند ہیں جن کی چھاتیاں سمندروں سے زیادہ گہری اور وسیع ہیں۔ بھوک اور افلاس سے وہ قومیں ڈرتی ہیں جنہیں موت سے خوف آتا ہو اور جو قوم موت کے سائے اور تلواروں کی جھنکار میں پل کر جواں ہوئی ہو انہیں نہ خریدا جاسکتا ہے اور نہ ڈرایا جاسکتا ہے۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جو

مردقلندر اور فقیر درویش ملا محمد عمر مدظلہ پر حضرت اقبال کا یہ شعر بھی صادق آتا ہے

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

مولانا راشد الحق سمیع

امریکی و نیٹو افواج کے چیف جنرل میک کرسٹل کی برطرفی
افغانستان میں امریکی شکست کے واضح آثار

۱۱/۹ کے بعد امریکہ نے اسامہ بن لادنؒ کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں کا ذمہ دار قرار دے کر اور اس کو بنیاد بنا کر امریکہ نے نیٹو اور اپنے حلیفوں سمیت افغانستان پر حملہ کیا اور نہایت تکبر و غرور کے ساتھ افغانستان میں داخل ہو کر قبضہ جمالیا۔اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ امریکہ افغانستان سے ناکامی سے دوچار ہو کر ذلت و رسوائی سے واپس جائے گا لیکن مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے امریکی حملے کے فوراً بعد ہی یہ پیشنگوئی اور تجزیہ فرمایا تھا کہ امریکہ و نیٹو افغانستان میں مستقل نہیں رہ سکتے اور انہیں روس کی طرح کچھ ہی عرصہ میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑے گا،حضرت شہیدؒ کے اس تجزیے کی روشنی میں یہ اہم ادارتی تحریر جون ۲۰۱۰ء میں اس وقت لکھی گئی تھی، جو الحمدللہ آج حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوگئی ہے اور اب اگست ۲۰۲۱ء میں امریکی و نیٹو افواج مکمل شکست تسلیم کر کے افغانستان کو خالی کر رہے ہیں اور الحمدللہ تحریک طالبان سارے افغانستان کو بغیر لڑے دوبارہ فتح کر گئی ہے (ادارہ)

توقعات اور تجزیوں کے عین مطابق مجاہدین اور شہداء کی سرزمین افغانستان میں تیسری بڑی سپر پاور کی قبر کیلئے کتبہ لکھا جا چکا ہے اور عنقریب مجاہدین اسلام، روس، برطانیہ کے تکبر و نخوت کی بوسیدہ قبروں کے ساتھ امریکہ کیلئے نئی کھودی گئی قبر پر بھی یہ کتبہ لگانے والے ہیں (ان شاء اللہ)۔

اس وقت امریکی سامراج شکست و ریخت کے تاریخی عمل سے گزر رہا ہے اور اس کا آسمان کو چھوتا تکبر افغانستان کے پہاڑوں اور ریگزاروں میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔اسی لئے تو ۲۰۰۱ء میں روسی جرنیل گروموف نے افغانستان میں امریکہ کی آمد پر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا کہ ''امریکیوں نے افغانستان پر حملہ کرنے سے پہلے افغانستان میں ہماری جنگ کے نتائج دیکھ لئے ہوتے تو وہ یہاں پر آنے سے پہلے ہزار بار سوچتے لیکن اچھا ہوا کہ وہ بھی ہماری طرح آ گئے۔ہم نے جو مزہ چکھا ہے اب

اس سے امریکی بھی لطف اندوز ہوں گے'' مطلب یہ ہے کہ جو کام روس جیسی بڑی پاور نہ کرسکا تھا وہ پھٹے پرانے، سادہ لوح لیکن بہادر، غیور افغانیوں اور نہتے مولویوں اور طالبان کے ہاتھوں ہوتا نظر آ رہا ہے۔ امریکہ نے آج سے نو برس قبل بڑی رعونت اور طمطراق کیساتھ افغانستان پر حملہ بول دیا تھا اور اس کے ساتھ اس کی دم چھلہ نیٹو کی افواج بھی تھی کہ بس کچھ ہی دنوں میں افغانستان میں فتح کے جھنڈے گاڑھیں جائیں گے لیکن آج نو برس کی طویل جنگ کے بعد اس کی تمام تر رعونت، عظیم جنگی سازوسامان، نئے آلات حرب اور دنیا کی بہترین جدید ٹیکنالوجی فرعون کے لاؤ لشکر کی طرح افغانستان کے ندی نالوں میں کیڑے مکوڑوں کی طرح غرقاب ہو رہی ہے۔ اس تلخ حقیقت کا ادراک امریکہ کو افغانستان آمد کے فوراً بعد ہی ہو چلا تھا لیکن وہ اپنا بھرم چپ رہ کر قائم رکھنا چاہتا تھا لیکن خود اس کے امریکی اور نیٹو افواج کے چیف جنرل اسٹینلے میک کرسٹل نے ساری دنیا کے سامنے ایک انٹرویو میں افغانستان میں امریکہ کی واضح شکست کا اعلان کر دیا ہے۔ جنرل کرسٹل نے واضح الفاظ میں یہ حقیقت زبان سے آشکارا کر دی ہے کہ یہ جنگ لاحاصل ہے اس کا اختتام امریکیوں کے حق میں بالکل اچھا نہیں ہوگا، افغانستان کے زمینی حقائق ہماری سوچ اور تمام تجزیوں کے بالکل برعکس ہیں، اس اعلان سے امریکی صدر اوبامہ کے قصرِ اقتدار پر زلزلہ طاری ہوگیا ہے، یہ وہ باراک اوبامہ ہے جس نے صدارتی الیکشن تبدیلی کے نام پر جیتا تھا کیونکہ اس کو یہ حقیقت معلوم تھی کہ امریکی عوام کبھی بھی جنگ نہیں چاہتے اور خصوصاً افغانستان کی لاحاصل جنگ سے تو انہیں ابتدا ہی سے نفرت ہے، اسی لئے امریکیوں نے بُش کو مسترد کر کے ایک سیاہ فام شخص منتخب کیا کہ وہ عراق اور افغانستان سے فوجیں بلا کر امریکہ کو ایک پرامن ملک کے طور پر دنیا اور خصوصاً مسلمانوں کیلئے ایک دوست ملک کے طور پر منوائے لیکن یہ تبدیلی بھی کارگر ثابت نہ ہوئی اور باراک اوبامہ اپنے پیشرو ظالم بُش کی پرانی ڈگر پر چل رہا ہے اور مسلسل امریکی عوام کو یہ دھوکہ دے رہا ہے کہ افغانستان عنقریب ہی طالبان سے صاف کر دیا جائے گا لیکن اس کا سارا کھیل تماشے کا بھانڈا امریکی افواج کے سربراہ جنرل میک کرسٹل نے بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا اور اسکے ساتھ ساتھ پینٹاگون اور وائٹ ہاؤس کے اختلافات بھی سامنے آ رہے ہیں، اسی لئے امریکہ اپنی خفت مٹانے اور مدد کیلئے اعلانیہ اور خفیہ طور پر پاکستان اور سعودی عرب کو پکار رہا ہے کہ ہمیں افغانستان کی دلدل سے باعزت طور پر نکالا جائے کہ ہماری شکست دنیا پر کسی طور پر واضح نہ ہو کیونکہ اس وقت امریکہ میں داخلی طور پر بھی افغانستان کی جنگ کے مسئلہ پر شدید تنقید ہو رہی ہے اور دوسری جانب نیٹو اور امریکہ کے اتحادی بھی مزید لاحاصل جنگ کرنے سے کترانے کی کوشش

کرر ہے ہیں۔ یہ وہ منظر ہے جب ڈاکو اور چور ناکام ہوکر آخر میں خود ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا شروع کردیتے ہیں اور آخر میں ان کا مقدر صرف ناکامی اور شکست ورسوائی ہوتا ہے۔

۲۰۱۰ء کا سال امریکیوں کیلئے بہت بھاری ثابت ہوا ہے، اس سال ان کا جانی نقصان ماضی سے کئی گنا زیادہ ہورہا ہے۔صرف جون کے مہینے میں اسی (۸۰) کے قریب امریکی اور نیٹو کے فوجی نہتے طالبان کے ہاتھوں مارے گئے ہیں(جبکہ مصدقہ اطلاعات کے مطابق اصلی تعداد سینکڑوں میں ہے) یہ گویا نئے امریکی جرنیل پیٹریاس کو طالبان نے سلامی اور تحفے دیئے ہیں، نئے جرنیل (جوکہ افغانستان میں افواج کے سربراہ ہیں) نے اپنی آمد کے فوراً بعد یہ اعلان کردیا ہے کہ ''افغان جنگ جیتنا آسان کام نہیں، ہمیں یعنی اتحادیوں کو بھرپور ''اتحاد'' کا مظاہرہ کرنا ہوگا تب ہی ہمیں کچھ کامیابیاں مل سکتی ہیں۔'' جرنیل پیٹریاس کا بیان بھی اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ شکست وریخت کا عمل اب اپنے اختتامی انجام کو پہنچنے والا ہے اور محض افراد اور جرنیلوں کی تبدیلی امریکی شکست کا راستہ نہیں روک سکتی بلکہ اب امریکیوں کو کھل کر طالبان کیساتھ مذاکرات کرنے چاہئیں ورنہ امریکہ کا افغانستان میں انجام ویت نام کی جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور بھیانک ہوسکتا ہے۔ اس کیساتھ ساتھ اب پاکستان کو بھی ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور اپنی گردن سے طوق غلامی کو پھینک دینا چاہیے کیونکہ اب مستقبل قریب میں امریکہ افغانستان سے بھاگنے والا ہے، پاکستان اور افغانستان چونکہ پڑوسی ہیں اور پڑوسی کبھی تبدیل نہیں ہوسکتے پھر پاکستان کے داخلی استحکام اور امن وامان کا تعلق بھی افغانستان کے امن وامان کے ساتھ وابستہ ہے اور خصوصاً پاکستان کے تمام تر مفادات افغانستان اور خصوصاً پختونوں کیساتھ وابستہ ہیں۔اگر آج پاکستان امریکہ کا مزید ساتھ دینے سے انکار کردے تو افغانستان سے امریکی افواج کے بھاگنے میں مہینے اور سال نہیں بلکہ کچھ ہفتے لگ سکتے ہیں لیکن اس کیلئے ایمان اور ملی حمیت چاہیے جوکہ بدقسمتی سے ہمارے مفلس اور قلاش حکمرانوں کے پاس نہیں۔

بہرحال! امریکہ افغانستان کی ایسی کالی سرنگ میں پھنس چکا ہے جس کی دوسری جانب اس کیلئے کوئی راستہ، کوئی روشنی اور کوئی امید باقی بچی نہیں، اب مجاہدین اور مسلمان اپنے حصے کی رات بِتا چکے ہیں اب کچھ ہی عرصے میں ''صبح صادق'' طلوع ہونے والی ہے۔ان شاء اللہ

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال
فرزند علامہ محمد اقبالؒ

طالبان کی حکومت، فرزندِ اقبال اور مولانا سمیع الحق شہیدؒ

جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب ۲۰۰۰ء میں نجی دورے پر افغانستان تشریف لے گئے تھے کہ وہاں کی نئی صورت حال اور طالبان کی طرز حکومت کو بچشمہ خود ملاحظہ کریں اور وہاں افغانستان کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مولانا نور محمد ثاقب حقانی (جو حقانیہ کے فارغ التحصیل ہیں) سے بھی تبادلہ خیال فرمایا۔ واپسی میں ۴ اپریل کو اپنے رفقاء سمیت اچانک دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور دفتر ''الحق'' میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے وہاں کی صورتحال پر تفصیلی تبادلہ خیال فرمایا اور حضرت مولانا شہیدؒ کی خواہش پر آپ نے دورہ افغانستان کے تاثرات طلبہ سے اپنے خطاب کے دوران فرمائے۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے جہاں تحریک طالبان اور ان کے نظام حکومت کی کھلے دل سے تعریف کی وہاں آپ نے چند باتیں اپنی آزاد طبیعت اور مخصوص نقطۂ نگاہ سے بیان کیں جس پر مولانا شہیدؒ دوران خطاب ہی ہلکے پھلکے انداز میں اختلاف نوٹ کرتے رہے۔ ان کی تقریر ماہنامہ ''الحق'' اپریل ۲۰۰۰ء میں شائع بھی ہوئی جسے جناب فیصل حنیف صاحبؒ نے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے مرتب کیا، اس میں مولانا شہیدؒ کی خدمات کا اعتراف بھی ہے اس سے بعض اقتباسات شامل اشاعت ہیں۔ (ادارہ)

محترم حضرات! میں اور مولانا سمیع الحق ہم دونوں سینٹ میں کولیگس (ساتھی) رہے ہیں اور مجھے یقین نہیں تھا کہ مولانا یہاں موجود ہوں گے ہم تین افراد افغانستان کے دورہ پر گئے تھے، میرے دوست پروفیسر حفیظ ملک اور جنرل امتیاز ہم ابھی کابل سے واپس آ رہے ہیں اور اسلام آباد جا رہے ہیں تو راستے میں انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ دارالعلوم حقانیہ میں پہنچ کر کچھ طالبان اور دارالعلوم کے بارے میں معلومات حاصل کریں، مجھے مولانا کی موجودگی کا پتہ چلا اور انہیں میری آمد کا تو پھر یہاں رکنے کا موقع ملا، میں آپ سب سے ملکر بہت متاثر ہوا ہوں، مولانا اور میرے خیالات بعض اعتبار سے تو ایک جیسے ہیں اور بعض مقامات پر جب میں انہیں جدیدیت کی طرف کھینچتا ہوں تو یہ مجھے قدامت پرستی کی طرف کھینچتے ہیں تو یہ قدیم و جدید کا قصہ ہمارے درمیان چلتا آ رہا ہے، کئی سال ہم نے اکٹھے سینٹ میں گزارے ہیں۔

ابھی جب ہم کابل گئے تو افسوس یہ ہے کہ میں چاہتا تھا کہ غزنی بھی جاؤں اور قندھار بھی، لیکن چونکہ ہم اپنے طور پر گئے تھے اور ہم حکومت کے کارندے نہیں تھے اور نہ ہی طالبان حکومت کو یہ علم تھا کہ ہم یہاں آئے ہوئے ہیں، اس وجہ سے ہم لوگ کابل تک ہی محدود رہے۔ وہاں کی اقتصادی حالت بہت خستہ ہے اور جس دن ہم وہاں پہنچے تو مجھے یہ احساس ہوا کہ اگر پاکستانی بھی افغانیوں کی طرح لڑتے رہے تو اس طرح ہمارا ملک بھی تباہ ہوسکتا ہے، اتنی تباہی تو وہاں روسیوں نے نہیں پھیلائی جتنی آپس میں War Lords (جنگی رہنما) نے پھیلائی اور طالبان نے اس سرزمین کے لئے جو سب سے بڑی خدمت کی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو امن دیا ہے اور امن اس وقت دنیا اور افغانستان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

افغانستان میں پاکستانی سفیر عزیز خان صاحب ہیں جن کا تعلق صوبہ سرحد سے ہے ان کی وساطت سے کم از کم چیف جسٹس سے کابل میں ملاقات ہوسکی مولوی نور محمد ثاقب سے جو آپ کے ہاں حقانیہ سے پڑھے ہوئے طالب علم ہیں، جہاں تک فقہ اور قانون کا تعلق ہے تو ان کو اس پر کافی عبور حاصل ہے، بہرحال! یہ تو ایک بڑی طویل بحث ہے اور خاص طور پر میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جو دینی دارالعلوم ہیں ان میں سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک میں ایک اجتہادی کلچر پیدا کیا جائے اور آپ ہر مسئلے کے بارے میں خود صاحب اجتہاد ہوں اور آپ کو اس بارے میں کچھ Courage (ہمت) کی ضرورت ہے۔لیکن میری دلی خواہش ہے اور میں نے مولانا سے بھی کہا ہے کہ اگر میں جوانی میں یہاں دارالعلوم حقانیہ آتا تو میری یہ بڑی خواہش تھی کہ یہاں سے تعلیم حاصل کرتا مگر میرا پھر بھی یہی خیال ہے کہ اگر یہاں سے مجھے پوری Equipment ملتی اور میرے پاس سارا علمی اسلحہ آپ والا ہوتا تو میں زیادہ دلی طور پر اور حوصلے کے ساتھ نیا راستہ نکال سکتا تھا (اس موقع پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے ہنستے ہوئے ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کو لقمہ دیا کہ پھر آپ اجتہاد بھی نہ کرتے اس پر ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب اور دیگر تمام شرکاء خاصے محظوظ ہوئے)

بہرحال! مجھے آپ علماء طلباء سے بہت ساری توقعات وابستہ ہیں اور مجھے خاص طور پر مولانا صاحب کی یہ بات بڑی پسند آئی کہ وہ کہنے لگے کہ آپ ہماری بات بھی کر گئے ہو اور اپنی بھی تو میں نے انہیں کچھ لکھ کر دیا کہ میں اگر یہاں جوانی میں آتا تو یہیں بیٹھ جاتا اور یہیں سے اپنی تعلیم حاصل کرتا کوئی نیا راستہ بھی نکالتا تو فرماتے ہیں کہ آپ اپنی بات بھی کر گئے ہو کوئی نیا راستہ نکالنے کا میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اکبر بادشاہ کی طرح کوئی نیا دین ایجاد کرتا۔

مولانا سید یوسف شاہ
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

میرے قائد، میرے شیخ: جرأت وشجاعت کی تصویر

مولانا سید محمد یوسف شاہ حقانی صاحب، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مدرس، شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے پرسنل سیکرٹری، خادمِ خاص، رفیق سفر وحضر اور چہیتے شاگرد ہیں۔ کئی اہم سیاسی معرکوں میں زعماء سے ملاقات اور حکمرانوں سے مذاکرات میں وہ مولانا شہیدؒ کے ساتھ رہے۔ شیخ اسامہ بن لادنؒ سے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ایک ملاقات کی روداد بیان کرتے ہیں۔ نذرِ قارئین ہے پڑھ کر آپ بھی اپنا ایمان تازہ کریں......(ادارہ)

قائد جمعیت استاد محترم شہید ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے تقریباً دوسال سے زائد کا عرصہ ہونے والا ہے لیکن ابھی تک ان کی شہادت اور موت کو دل تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں، ادھر ادارہ ''الحق'' کے ذمہ داران بالخصوص مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا راشد الحق سمیع صاحب کا شدید دباؤ اور اصرار ہے کہ ''الحق'' نمبر کیلئے مضمون لکھ دیں، اب سمجھ نہیں آتی کہ مضمون کہاں سے اور کیسے شروع کروں؟

ابتدائی تعارف وتعلق خاطر

ان کی شخصیت ایسی طلسماتی اور ہر دلعزیز تھی کہ جس کسی نے بھی ان کو قریب سے دیکھا تو بس انہی کا ہوگیا، حضرت حقانی صاحب مدظلہ نے ان کی شخصیت وسوانح پر دو ضخیم جلدیں لکھی ہیں، اسی طرح راقم نے حضرتؒ کے ساتھ ۳۷ رسال گزارے ہیں اور الحمدللہ یہ حقیقت دنیا پر واضح ہے کہ سفر وحضر کی طویل رفاقت اور خدمت کے بہت زیادہ مجھے مواقع ملے، میں مدرسہ نجم المدارس کلاچی میں درجہ رابعہ میں پڑھ رہا تھا، یہ غالباً ۱۹۸۴ء کی بات ہے کہ میں یادگار اسلاف حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحبؒ اور قائد جمعیت کی سیاسی اور پارلیمانی جدوجہد سے متاثر ہوا، اس وقت یہ دونوں بزرگ ضیاء الحق شہید کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، ملک کے بہت سے علماء ان کے اس مؤقف کے مخالف تھے لیکن ان اکابرین کو کیا معلوم تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان دو بزرگوں کی پارلیمانی جدوجہد اور کارنامے کفری طاقتوں کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہوں گی۔

پارلیمنٹ میں نفاذِ شریعت کی مساعی

آج آئین پاکستان میں جتنے اہم اسلامی نکات ہیں یہ ان دوبزرگوں کی محنت اورکوششوں کا نتیجہ ہے، اسی بنیاد پر ان بزرگوں کا دامن پکڑنے کا عزم وارادہ کیا، دوسری طرف ان کی پشت پر ملک کے چیدہ و چنیدہ اور بزرگ علمائے کرام ہیں جن کی فہرست بہت بڑی ہے، طوالت سے بچنے کیلئے اشخاص اور بزرگوں کے نام لکھنے سے تطویل ہوگی، بہرحال! خدام میں، میں نے بھی اپنا نام درج کرا دیا، ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت میں قائد جمعیت رحمہ اللہ کو جلسہ کیلئے دعوت دی گئی اس وقت میرے ماموں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی حمیداللہ جان صاحبؒ اس قافلہ حق کے سرخیلوں میں شمار ہوتے تھے، جلسہ کے بعد قائد جمعیت نے میرے ماموں حضرت مولانا فضل اللہ مرحوم اور میرے والدمحترم سے فرمایا کہ آئندہ سال یوسف شاہ کو دارالعلوم حقانیہ بھیج دیں، تعمیل حکم کرتے ہوئے دوسرے سال موقوف علیہ کیلئے اکوڑہ خٹک آ گیا اور آج تک الحمدللہ! دارالعلوم میں خدمت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

عظیم تاریخی کارنامہ

تمہید لمبی ہوگئی بات میں تعلق کی کر رہا تھا، طالب علمی سے ہی حضرتؒ کی خدمت میں لگے رہے، جمعیت طلباء اسلام کی مختلف ذمہ داریوں کی وجہ سے تقریباً ہر پروگرام میں شامل ہوتا رہا، یہ ۱۹۸۶ء کے اوئل کی بات ہے کہ جہادِ افغانستان عروج کے مراحل میں داخل ہورہا تھا، سینٹ میں حضرت قائدمحترمؒ اورحضرت مولانا قاضی عبداللطیفؒ نے ''شریعت بل'' پیش کردیا تھا، ماہنامہ ''الحق'' اور دارالعلوم حقانیہ کی ذمہ داریاں درس وتدریس اوراپنے عظیم باپ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ (جو اس وقت ایم این اے تھے) کی پارلیمانی امور میں معاونت کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ نے شیرانوالہ گیٹ لاہور میں تین ہزار علماء کی موجودگی میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدرحمہ اللہ کو جمعیت کے اجلاس منعقدہ ۱۵رنومبر ۱۹۸۶ء کو جمعیت علمائے اسلام کا جنرل سیکرٹری نامزد کیا اوراسی سال مینار پاکستان لاہور میں منعقدہ ایک تاریخ ساز نفاذ شریعت کانفرنس میں مولانا صاحبؒ کوایک ہاتھ میں قرآن اوردوسرے ہاتھ میں کلاشنکوف دے کرعظیم جدوجہد اورعلماء کی قیادت کیلئے میدان میں اتارا تو آنے والے حالات کیلئے نامزدگی ایک مؤمن کی ایمانی بصیرت کا مظہر ثابت ہوئی چنانچہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی مجلس شوریٰ میں حضرت مولانا سمیع الحقؒ اور حضرت مولانا قاضی عبداللطیفؒ کی جدوجہد سے حدود، قصاص، دیت، زکوٰۃ، صلاۃ، امتناع

قادیانیت اور دیگر اسلامی دفعات کی راہ ہموار ہوئی ، پھر انہیں قائدین نے سینٹ آف پاکستان میں ۹۸ میں مخالف ممبران کو قائل کر کے شریعت بل کو متفقہ طور پر سینٹ آف پاکستان سے پاس کروا کر نہ صرف دینی جدوجہد کا ایک روشن باب رقم کیا بلکہ نفاذ شریعت کے مطالبے کو اس ملک کے مسلمانوں کی آواز بنا کر پاکستان کا روشن مستقبل اسلامی نظام کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

اتحادِ اُمت کی مساعی اور امریکی سامراج کے خلاف مجاہدانہ کردار

حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی یہی سوچ تھی کہ عالمی استعماری مغربی قوتوں کا انفرادی طور پر مقابلہ مشکل ہے ، ویسے بھی مولانا صاحب قومی وملی امور پر الگ پرواز کرنے کے قائل نہیں تھے ہمیشہ اجتماعیت کو ترجیح دیتے تھے اور ہوا بھی یوں کہ ہر موقع پر انہوں نے مسلکی اور اجتماعی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر ایک میز پر تمام دینی جہادی اور سیاسی قوتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ، ''متحدہ شریعت محاذ''، ''اسلامی جمہوری اتحاد'' (۱۹۸۸ء)، ''متحدہ علماء کونسل'' (۱۵/جون ۱۹۸۹ء) کے پلیٹ فارمز سے عورت کی حکمرانی کے خلاف تحریک (اگست ۱۹۸۹ء) بابری مسجد کے دلخراش واقعہ پر ''متحدہ دینی محاذ'' کی تشکیل (دسمبر ۱۹۹۲ء) ، غلام اسحاق خان اور نواز شریف کے درمیان مصالحت کیلئے کوشش ، علماء کی وفد کی تشکیل ، تحریک تحفظ مدارس دینیہ ، فرقہ واریت کے خلاف ''ملی یکجہتی کونسل'' کا قیام (مارچ ۱۹۹۵)، ''سی ٹی بی ٹی پر فتویٰ'' (۱۹۹۶ء) ''دفاع پاکستان اور دفاع افغانستان کونسل'' (جنوری ۲۰۰۱ء) کا قیام اور امریکی سامراج کے خلاف طالبان کی تائید تک غیرت ایمانی اور حمیت دینی کے گہرے نقوش قائم کئے ہیں ، آنے والی مسلمان نسلیں ہمیشہ اس پر فخر کرتی رہیں گی ، ملک کی دینی وملی جماعتوں اور مختلف مکاتب فکر نے فکری اور سیاسی اختلافات کے باوجود حضرت مولانا شہیدؒ پر اعتماد کرتے ہوئے مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا اور قیادت کی ذمہ داری ہمیشہ مولانا شہیدؒ پر ڈالتی رہی ، آخر میں اس کونسل نے امریکی سامراج کے خلاف جو کردار ادا کیا ، پورے ملک میں ایک تحریک چلائی ، یہ کونسل حقیقت میں امت مسلمہ کے خوابوں کی ایک خوبصورت تعبیر تھی اور یہ پاکستانی قوم کے بے جان جسم میں ایک نئی روح بن کر عالم کفر اور خصوصاً امریکہ کی راہ میں آہنی دیوار بن گئی ، جہاں اس کونسل سے اغیار لرزہ براندام تھے ، وہاں بعض سیاسی قوتیں بھی اسکی مقبولیت کو دیکھ کر چیں بہ جبیں ہونے لگیں اور معاصرت کا شکار ہو گئیں اور روز اول ہی سے اس عظیم اتحاد کو اندرون خانہ کمزور کرنے کی کوشش کرنے لگیں لیکن چراغ حق تادیر باد مخالف کے باوجود جلتا رہا اور امت مسلمہ اور پاکستانی قوم جو گھٹا ٹوپ اندھیروں میں سرگرداں وپریشان پھر رہی تھی ، اس چراغ حق کے باعث صراط مستقیم اور نشان منزل کی سمت بڑھنے لگی لیکن

بالآخر اغیار نے اس چراغ حق کو بجھا دیا اور وحدت اور اتفاق کی لڑی میں جڑے ہوئے مذہبی جہادی اورسیاسی جماعتوں کے موتی بیدردی سے بکھیر دیئے گئے۔

عالمی قیادت کا حسنِ اعتماد

بات لمبی ہوگئی ، میں مولانا شہیدؒ کی جلیل القدر اورعظیم الشان خدمات کو تاریخ میں محفوظ کرنے کیلئے ذکر کررہا تھا، ویسے توان مذکورہ کارناموں پر کئی کئی جلدیں لکھی جاسکتی ہیں،حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ پر جس طرح ملک کے اندر تمام مسالک کا اعتماد تھا، اسی طرح افغانستان میں روس اور پھر امریکا کے خلاف برسرِ پیکار قیادت بھی مولانا صاحب کو اپنا رہبر اور قائد سمجھتے تھے۔

ایک تاریخی مکتوب

الحمدللہ! یہ بات تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ افغانستان پر مسلط دونوں سپر پاور قوتوں روس اورامریکا کو شکست دینے میں مولانا سمیع الحق شہیدرحمہ اللہ برابر کے شریک تھے، طالبان کی اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد سیاسی اور مذہبی قائدین پیچھے ہٹ گئے اورتقاریر میں کہتے رہے کہ طالبان اور ہمارے درمیان زمین اورآسمان کا فرق ہے،ہم طالبان کونہیں جانتے وغیرہ وغیرہ لیکن مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اکیلے ڈٹ گئے اورطالبان کو برملا اپنی روحانی اولاد کہتے تھے ،اسی وجہ سے یورپ نے مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو’’ فادرآف طالبان‘‘ کے لقب سے نوازا،اب بھی آپ گوگل میں مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا نام تلاش کریں تو وہاں’’ فادرآف طالبان‘‘ لکھا ہوگا۔اس پر حضرت مولانا سمیع الحق نہ کبھی ناراض ہوئے نہ ہی اس پر کوئی شرمندگی محسوس کی بلکہ اس پر فخر محسوس کرتے تھے۔

شیخ اسامہ بن لادن شہیدؒ سے ملاقات کی دلچسپ روئیداد

قائد جمعیت کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ عالم اسلام کے عظیم مجاہد اور ہیرو اسامہ بن لادنؒ اورامیر المؤمنین ملامحمد عمر مجاہدؒ ہمیشہ اہم مسائل پر حضرت مولانا صاحب سے مشاورت کرتے رہے، ایک دفعہ ایک نوجوان آیا (جو آج کل گوانتانا موجیل میں ہے) محمد رحیم اس کا نام تھا (خوگیانی) جلال آباد کا رہائشی تھااور ایک خط لایا اورحضرت کو دیا،حضرت نے خط پڑھ کر جیب میں ڈال دیا اورتھوڑے سے پریشان ہوگئے ، اسی وقت دفتر سے اٹھ کرگھر کی طرف روانہ ہوئے، مجھے بھی ساتھ جانے کا کہا مہمان بھی ساتھ تھے، گھر میں مجھے اندر اپنے کمرہ میں بلایا اورفرمایا کہ یہ خط شیخ اسامہ بن لادنؒ کا ہے

اورانہوں نے لکھا ہے کہ اگر آپ افغانستان تشریف نہیں لا سکتے تو میں پھر تمام پابندیوں کو توڑ کر آپ کے پاس پاکستان آنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے آپ سے ضروری سیاسی مشاورت کرنی ہے۔

اسامہ بن لادنؒ سے ملاقات کا دلچسپ سفر

قاصد نوجوان کو ہم جانتے بھی نہیں تھے اور نہ خط کی تصدیق ہوسکتی تھی، مجھ سے فرمایا کہ کیا کریں، میں نے عرض کیا صورت حال تو تشویشناک ہے ،ایسا نہ ہو کہ طالبان کے مخالف احمد شاہ مسعود ،رشید دوستم یا عالمی قوتوں نے یہ خط اسے دیا ہو اور اگر حقیقت میں شیخ نے دیا ہو پھر تو جانا بھی ضروری ہے تو فرمایا کہ شام کو مشورہ کریں گے ،شام کو دوبارہ فون کر کے بلایا اور فرمایا کہ میرا تو شرح صدر ہوگیا صبح اللہ کا نام لیکر چلتے ہیں لیکن کسی کو بتانا نہیں،صبح سویرے آجاؤ! اور گھر میں بھی بتانا نہیں، شفیق الدین فاروقی مرحوم جو حضرت کے داماد اور سیکرٹری تھے ، ان کو بھی بلایا گیا اور مشورہ کیا تو انہوں نے بھی جانے کا مشورہ دیا۔صبح سویرے پشاور سے روانہ ہوئے اور اپنی گاڑی روزنامہ ''وحدت'' کے مالک پیر ہارون شاہ کے گھر کھڑی کردی اور ان کی گاڑی میں طورخم روانہ ہوگئے، میں نے اس وقت کے جلال آباد کے گورنر مولانا صدر اعظم حقانی کو بتادیا تھا کہ آپ طورخم گاڑی بھیج دیں اور مولانا صاحب کا حکم ہے کہ کسی کو بتانا نہیں اور نہ سرکاری پروٹوکول وحفاظتی سیکورٹی کی ہمیں ضرورت ہے،طورخم پر اپنی گاڑی چھوڑ کر مولانا صدر اعظم کی گاڑی میں جلال آباد سہ پہر ۳ بجے پہنچ گئے،مولانا صاحب تو اسی وقت جانے کا اصرار کرتے تھے اور بے چین تھے لیکن مولانا صدر اعظم صاحب جلال آباد میں قیام پر مصر تھے، رات جلال آباد میں حاجی عبدالقدیر (سابق گورنر) کے گھر گذار دی ، جو اس وقت طالبان کے قبضہ میں تھا، گورنر کے علاوہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ طالبان کے محبوب استاد اور قائد ہمارے دیس میں ہیں، صبح سویرے گورنر کی ایک گاڑی میں اکیلے کابل روانہ ہوگئے، میں نے حضرت کے ساتھ بہت اسفار کئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سفر کا کچھ اور مزہ تھا، قائد محترم بہت خوش وخرم نظر آرہے تھے اور میرے لئے تو خوشی کی حد نہ تھی کہ عالمِ اسلام کے عظیم ہیرو سے ملنا ہے، کابل میں پی سی ہوٹل میں جاکر ہوٹل کے منیجر حیات اللہ صاحب (جو دارالعلوم حقانیہ کے فاضل تھے) سے ملاقات ہوئی، کمرے لئے اور چیف پروٹوکول مولانا حفیظ اللہ کو ہوٹل بلاکر بتادیا کہ ہم شیخ سے ملنے آئے ہیں ، ابھی حکومت کے کسی ذمہ دار کو بتانا نہیں اور عصر کے بعد ہمیں شیخ اسامہ بن لادن کے پاس آپ نے لے جانا ہے۔

طے شدہ ٹائم کے مطابق مولانا حفیظ اللہ تشریف لائے اور ہمیں شیخ اسامہ بن لادن کے گھر

لے گئے شیخ شدت سے ہمارے منتظر تھے، ڈاکٹر ایمن الظواہری بھی ان کے ہمراہ گیٹ پر استقبال کیلئے موجود تھے، مولانا صاحب کو دیکھ کر شیخ کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا، میں اس تمام منظر کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ عجیب سا منظر تھا کہ عالم اسلام کے عظیم ہیرو میرے قائد کے سامنے دوزانوں بیٹھ کر ادب اوراحترام سے گفتگو کررہے تھے۔مغرب کے بعد کھانے کیلئے دسترخوان سجایا گیا ہاتھ دھلوانے کیلئے دونوجوان آگے بڑھے، ایک کے ہاتھ میں چلمچی (ہاتھ دھونے کا برتن) اوردوسرے کے ہاتھ میں کا پانی لوٹا تھا، قائدمحترم نے شیخ کومخاطب کرکے کہا کہ شیخ وہ وقت آپ کو یاد ہے کہ آپ اسی طرح نوجوان تھے اور پشاور میں (روس کے خلاف جہاد کے وقت اسامہ بن لادن، شیخ عبداللہ عزام کے ساتھ مل کر جدوجہد اور جہاد کررہے تھے اور یونیورسٹی ٹاؤن پشاور میں مقیم تھے،اس وقت امریکہ کے پشاور اور اسلام آباد کے سفارتکار واشنگٹن کے اہم سیاسی وعسکری ماہرین بھی اسامہ بن لادن ،عبداللہ عزام اوردیگر مجاہدین سے وقتاً فوقتاً میٹنگز منعقد کرتے تھے۔اس وقت روس کے خلاف یہ لوگ مجاہد تھے) ایک دعوت کے موقع پر ہمیں ہاتھ دھلا رہے تھے تو شیخ نے کہا کہ آج بھی میں ہی آپ کو ہاتھ دھلوا رہاہوں، یہ دونوں میرے بیٹے ابوبکر اورعمر ہیں۔

شیخ اسامہ بن لادنؒ سے مذاکرہ

کھانے کے بعد باقاعدہ نشست شروع ہوئی،جس گھر میں شیخ رحمہ اللہ کی رہائش تھی، وہاں بجلی بھی نہیں تھی لالٹین جلارہے تھے،مجلس شروع ہوئی اوراس میں افغانستان اور عالم اسلام کے اہم مسائل پر شیخ نے بڑے دردمندانہ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔لیکن خصوصیت کے ساتھ شیخ اسامہ اس وقت سعودی عرب میں امریکی افواج کی آمد اورسعودی عرب میں بڑھتی مداخلت پر پریشان تھے،تقریباً ایک گھنٹہ سعودی اور عالم اسلام کے اقتصادی حالات پر تفصیلی جائزہ پیش کرتے رہے کیونکہ شیخ اقتصادی امور میں بڑی مہارت رکھتے تھے،آپ ۲۲رسال پہلے آج کا نقشہ پیش کررہے تھے،ایک ایک کارتوس کی قیمت لگا کر فرمارہے تھے کہ امریکہ سعودی عرب کو اقتصادی لحاظ سے کمزور کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہی ہوا کہ آج سعودی عرب اقتصادی لحاظ سے کمزور ممالک میں شمار ہونے لگا ہے، رات گیارہ بج گئے نشست ختم ہوئی اور ہم ہوٹل چلے گئے۔

امریکی ناپاک عزائم کے خلاف جہاد

دوسرے دن مولانا مسلم حقانی کے ہمراہ کابل کے کچھ علاقوں کا وزٹ کیا، کمانڈر عبدالجبار شہید رحمہ اللہ کے مرکز میں گئے جہاں انہوں نے قائدمحترم کو گارڈ آف آنر پیش کیا، رات کومغرب کے

وقت دوبارہ اسی گھر میں مولانا حفیظ اللہ کے ہمراہ اسامہ بن لادن سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے، عالمی سیاست پر گفتگو شروع ہوئی، دونوں حضرات پاکستان اورسعودی عرب میں امریکی مداخلت اور تسلط بڑھانے کے بارے میں پریشان تھے، شیخ نے باربار قائدمحترم سے فرمایا کہ اس وقت میری نظر میں آپ کے علاوہ کوئی نہیں کہ امریکہ کا سامنا کرے اورعالم اسلام پر ان کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائے،آپ پاکستان اورسعودی عرب کے علماء اورعوام کو جگانے کی کوشش کریں کیونکہ امریکہ پاکستان پر بھی تسلط بڑھانے والا ہے، قائدمحترم نے شیخ کو یقین دلایا کہ وہ اپنی بساط کے مطابق کوشش جاری رکھیں گے اور الحمدللہ پھر دنیانے دیکھ لیا کہ قائدمحترم نے پورے پاکستان میں امریکہ کے خلاف طورخم سے کراچی اورچمن کے بارڈر تک ملین مارچ کئے اورعوام کے اندرامریکہ کے خلاف نفرت کی ایک فضاء پیدا کی۔

طالبان کی متوکلانہ حرکتیں اوراخلاص کی برکتیں

تیسرے دن قائدمحترم نے افغانستان کی سپریم کونسل کے سربراہ ملامحمدحسن رحمانی اور دوسرے قائدین مولانا جلال الدین حقانی وغیرہ سے ملاقاتیں کرکے ہیلی کاپٹر کے ذریعہ جلال آباد گئے ، ہیلی کاپٹر میں بیٹھنے کے بعد عجیب لطیفہ ہوا جب کھڑکی بند کررہے تھے تو وہ کھڑکی بندنہیں ہورہی تھی تو ہیلی کاپٹر میں ڈیوٹی پرموجود طالب علم نے ایک کچی رسی اٹھا کر کھڑکی کو کچی رسی سے باندھ لیا، قائدمحترم اس منظر کو دیکھ کر حیران ہوگئے اورہنس رہے تھے کہ اس قوم کا توکل اور بہادری میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

شیخ اسامہ بن لادنؒ نے ساری رات مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا پہرہ دیا

اسی طرح چندسال بعد ۲۰۰۰ء میں ایک دوسرا سفرجلال آباد کا اسی مقصد کیلئے ہوا، شیخ اسامہ اس وقت جلال آباد کے قریب جہادی کلی میں قیام پذیر تھے، مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے یہ سفر بھی طالبان سے خفیہ کیا (کیونکہ پھر استقبال، ملاقاتوں اور جلسوں کی وجہ سے یہ اہم ملاقات متاثر ہوسکتی تھی) اس سفر میں مولانا راشد الحق سمیع حقانی بھی حضرت قائدؒ کے ہمراہ تھے، وہ ماہنامہ ''الحق'' کے اکیسویں صدی کے خصوصی نمبر کیلئے شیخ سے انٹرویو کرنا چاہتے تھے، یہ وہ وقت تھا کہ طالبان مشورے کررہے تھے کہ شیخ اسامہ کو افغانستان سے نکال کر کسی دوسرے اسلامی ملک بھیجا جائے تاکہ امریکی اوراستعماری قوتوں کا دباؤ کچھ کم ہوجائے، شیخ نے قائدمحترم کو اسی لئے بلایا کہ وہ امیرالمؤمنین ملامحمد

عمر مجاہد کو سمجھائیں کہ وہ اس طرح باتیں نہ کریں کیونکہ ہم نے اپنے ممالک جہاد کیلئے چھوڑے ہیں اور ہماری یہ خواہش اور تمنا تھی کہ افغانستان مجاہدین کا دیس اور مسلمان ممالک کیلئے ایک آئیڈیل اور ایک مرکز ہو، رات کو مختلف امور پر تفصیلی گفتگو کر کے آرام کیلئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے، قائد محترم کی عظمت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ قائد محترم رات کو ۳ بجے جاگ کر دیکھتے ہیں کہ شیخ اسامہ کمرے سے باہر پہرہ دے رہے ہیں، قائد محترم حیران ہوگئے اور شیخ کو منت سماجت کی کہ آپ سو جائیں، مجھے کوئی خطرہ نہیں لیکن شیخ بضد تھے کہ میں نے پہرہ دینا ہے، مجھے اللہ تعالیٰ نے آج یہ موقع فراہم کیا ہے کہ میں آج ایک عظیم مجاہد اور قائد کیلئے پہرہ دے رہا ہوں۔

امیر المؤمنین ملا محمد عمرؒ کے رابطے

۲۰۰۰ء میں یہ قائد محترم کے ساتھ شیخ کی آخری ملاقات تھی، اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ درجن کے لگ بھگ میں نے شیخ اسامہ کو قائد محترم کے پیغامات اور شیخ صاحب کے پیغامات کو قائد محترم تک پہنچانے کا اعزاز حاصل کیا، اسی طرح امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہدؒ اور قائد محترمؒ کے درمیان پیغام رسانی بھی میرے ذمہ تھی، اس دوران تقریباً ۲۲ مرتبہ قندھار کا سفر کیا، قائد محترمؒ نے امیر المؤمنین کے ساتھ صرف ایک ملاقات کی تھی اور وہ بھی ایک ساٹھ رکنی وفد کے ہمراہ جس میں ملک کے بڑے بڑے علماء اور ملک کے نامور صحافی شامل تھے۔

نامور صحافی حامد میر کا پیغام

پاکستان کے معروف جیو نیوز ''کیپٹل ٹاک'' کے میزبان اور روزنامہ جنگ کے کالم نگار حامد میر جب شیخ اسامہ سے دوسری بار انٹرویو کیلئے گئے، مجھے واپسی پر پشاور سے فون کیا کہ آپ شوبرا چوک نوشہرہ آجائیں، کوئی پیغام لے کے آیا ہوں، میں فوراً نوشہرہ پہنچا حامد میر نے سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر بتایا کہ میں ابھی افغانستان سے آرہا ہوں، شیخ اسامہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ملاقات میں ایک اہم بات کی اور فرمایا کہ حامد میر! پاکستان میں میرا معتمد ترین دوست مولانا سمیع الحق ہے جس نے بغیر کسی لالچ کے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا، کبھی زندگی میں انہوں نے نہ ہم سے کوئی مفاد لیا ہے اور نہ خواہش ظاہر کی ہے اور یہ فرمایا کہ مولانا سمیع الحق نہ بکنے والے اور نہ جھکنے والے آدمی ہیں میرا سلام ان تک پہنچادیں۔اسی طرح قندھار میں دوران ملاقات ڈاکٹر ایمن الظواہری کی موجودگی میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ دکتور! ہمارے دوستوں میں سے واحد مولانا سمیع الحق ہے جو خالص اللہ کی رضا کیلئے ہمارے ساتھ دوستی نبھا رہے ہیں۔

جنرل پرویز مشرف کو کرارا جواب

عرض یہ کرر ہا تھا کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ بہت بڑے آدمی تھے، جرأت و بہادری کا عظیم مجسمہ تھے، بہت سے مواقع پر میں نے دیکھا کہ بڑے بڑے جرنیلوں کے سامنے جھکے نہیں جو بات حق سمجھتے تھے تو اس پر ڈٹ جاتے تھے، جنرل پرویز مشرف کا دور تھا، خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز فوت ہوگئے، جنرل پرویز مشرف جنازے کیلئے جارہے تھے، مولانا صاحب کو چودھری شجاعت حسین کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ آپ کا بھی شاہ فہد مرحوم کے ساتھ خصوصی تعلق رہا ہے، پاکستان کی عزت وقار کیلئے آپ بھی ہمارے ساتھ جنازہ میں تشریف لے جائیں، یہ سعودی سفیر کی بھی خواہش تھی کہ حضرت جنازہ میں پاکستانی علماء کی نمائندگی فرمائیں لہٰذا حضرت روانہ ہوگئے اور اسپیشل جہاز میں چار پانچ گھنٹوں کے دورانِ سفر مسلسل گفتگو اور بحث ومباحثہ میں جنرل پرویز مشرف نے مولانا صاحب کو مختلف پیشکشیں کیں لیکن انہوں نے ان تمام پیشکشوں کو مسترد کردیا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

حکومتی فتویٰ پر دستخط سے انکار

۲۶ رمئی ۲۰۱۷ء کو پہلے ایوان صدر پاکستان میں ملک کے تقریباً چیدہ چیدہ اٹھارہ سو علماء جمع ہوئے، پیغام پاکستان کے نام سے جہاد کے بارے میں، ایک فتویٰ مرتب کیا گیا کہ جہاد ریاست کا کام ہے، کسی کو ریاست کے اجازت کے بغیر جہاد کی اجازت نہیں، اٹھارہ سو علماء نے اس پر دستخط کر دیئے لیکن واحد مولانا سمیع الحق شہیدؒ تھے جنہوں نے دستخط سے انکار کرکے برملا مخالفت کی، ریاستی اداروں کے بڑے ذمہ داران کئی بار دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، اور دستخط کرنے کیلئے ان کی منت سماجت کی لیکن آپ کسی طور پر بھی نہ مانے۔

نوٹوں سے بھرا بریف کیس ٹھکرا دیا

۲۰۰۸ء کی بات ہے، جنرل پرویز مشرف کا دور تھا، جنرل الیکشن آیا، مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے الیکشن کا بائیکاٹ کیا، سابق وزیر داخلہ اور اس سے پہلے حکومت میں ایک بڑے ادارے کے سربراہ اور جنرل پرویز مشرف کے قریبی اور معتمد شخصیت نے پشاور کے اپنے محکمہ کے ایک بڑے افسر کو نوٹوں سے بھرا ہوا ایک بریف کیس دیکر بھیجا کہ یہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو الیکشن کے خرچہ کیلئے دے

دو کیونکہ انہوں نے بائیکاٹ شاید وسائل نہ ہونے کی وجہ سے کیا ہو۔ صبح ۹ بجے کا وقت تھا کہ مولانا صاحبؒ کا فون آیا کہ فوراً حجرے آجاؤ، میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ آپ کو اس لئے بلایا کہ یہ آدمی جو باہر بیٹھا ہے، وہ بڑی رقم لایا ہے اور مشرف کا پیغام لایا ہے کہ آپ الیکشن میں حصہ لیں، کیا کرنا چاہئے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ بہتر جانتے ہیں لیکن اگر آپ کا شرح صدر نہیں اور بائیکاٹ میں جماعتی مفاد سمجھتے ہیں تو پھر اس کو جواب دے دیں تو انہوں نے فرمایا کہ میرا ضمیر تو مطمئن نہیں، کبھی میں نے اداروں اور حکومتوں سے ابھی تک کسی قسم کی کوئی رقم لی نہیں، میں نے تو بائیکاٹ اس لئے کیا کہ جنرل مشرف ایک ظالم، جابر اور ڈکٹیٹر ہے اس کی نگرانی میں شفاف الیکشن ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی وقت اٹھے اور مہمان کو پیار و محبت اور شکریہ کے ساتھ بریف کیس واپس کر کے رخصت کر دیا۔

بے داغ سیاستدان

مولانا صاحب کی یہ خوبی تھی کہ شریعت اور جہاد پر کبھی کمپرومائز کیلئے تیار نہ تھے، شریعت بل کی تحریک جب زوروں پر تھی، جنرل ضیاء الحق مرحوم نے مختلف طریقوں سے پیشکشیں کیں لیکن الحمدللہ انہوں نے اپنے آپ کو پیشکشوں سے بچائے رکھا اور آج اللہ کے فضل وکرم سے ۳۰ سال پارلیمنٹ میں رہنے کے باوجود مولانا صاحب کی شخصیت پر کوئی مالی کرپشن نہیں ہے جبکہ ملک کے اکثر سیاسی قائدین کرپشن اور لوٹ کھسوٹ کے الزامات میں ڈوبے رہتے ہیں۔

اولاد کو عجز وانکسار کی تعلیم

سادگی اور عاجزی ان کی مزاج میں رچی بسی تھی اور میرے سامنے مولانا حامد الحق اور مولانا راشد الحق کو کئی بار بھری مجلسوں میں کہا کہ آپ اپنے آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ ہم ایک لیڈر رسینیٹر یا ایک مہتمم کے صاحبزادے ہیں، اپنے اندر تواضع پیدا کرو اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بھی اپنے والد حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ بچپن میں نصیحت فرماتے کہ خود میں بڑائی اور خودنمائی پیدا نہ کرو کیونکہ تم لوگ تو اصل میں ایک محلے کی امام مسجد کے بیٹے ہو تو آپ کے اندر عجب اور تکبر پیدا نہیں ہوگا، آج الحمدللہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ ان کے صاحبزادے بھی اپنے عظیم متواضع باپ کے طرح عجز وانکساری کے پیکر ہیں اور روایتی مہتمم زادوں یا لیڈروں کی بگڑی ہوئی اولاد والے ناز نخرے ان میں نہیں پائے جاتے، اس بات کے گواہ تو سیاسی مخالفین بھی ہیں کہ حضرت مولانا سمیع الحق

شہیدؒ اور ان کے تمام بیٹوں میں کسی قسم کا متکبرانہ انداز نہیں پایا جاتا۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ تو مدرسہ کے طلباء اور شاگردوں کو کبھی نام سے نہیں پکارتے بلکہ ہر طالب علم کو بیٹا (بچے) کہہ کر پکارتے تھے، اسفار وغیرہ میں جب بھی کبھی ہوٹل میں رکتے تو ایک گرم روٹی تنور سے اٹھا کر چائے کیساتھ بلا تکلف کھا لیتے یا سڑک پر بھٹہ وغیرہ لے کر کھا لیتے۔

ہر ایک سے ملاقات

مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ شفقت ومحبت کا ایک عظیم مجسمہ تھے، جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں مختلف تنظیموں کے لوگ ہوتے ہیں، آغاز میں جمعیتوں کا اختلاف عروج پر تھا لیکن مولانا سمیع الحق صاحبؒ سخت ترین مخالف طلباء کو بھی بیٹا کہہ کر پکارتے تھے، ان کے مزاج میں تکبر نام کی کوئی چیز ہی نہ تھی، علماء اور طلباء کی آمد پر بہت خوش ہوتے تھے، ہسپتال میں ڈاکٹروں نے ملاقاتوں پر سخت پابندی لگائی کہ کسی نے نہ بات کرنی ہے اور نہ کھڑا ہونا ہے لیکن وہ جب شیشے سے کسی کو باہر دیکھتے تھے تو فرماتے تھے کہ مہمان کو اندر بلاؤ اور پھر ساتھ بٹھاتے تھے، ان کی کمال شفقت کا ہر کوئی قائل تھا لیکن ہماری قوم کی بدقسمتی یہ ہے کہ زندگی میں کسی کے اوصاف کو نہیں مانتے لیکن وہ جب دنیا سے چلے جاتے ہیں تو تب اس کی قدر ومنزلت پر رونا روتے ہیں، اہل سنت والجماعت کے سربراہ مولانا احمد لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے واحد سیاستدان اور اپنے بڑے کو دیکھا کہ وہ اپنے چھوٹوں کو بھی بڑا بنانا چاہتے تھے اور اس کی بہت سے مثالیں موجود ہیں کہ قلمی میدان، سیاسی میدان اور علمی میدان میں انہوں نے بہت سے ساتھیوں کو بہترین تربیت کی وجہ سے کمال مرتبت تک پہنچا دیا۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جب بڑے مقام پر پہنچتا ہے تو تکبر اور بڑائی کا شکار ہو جاتا ہے لیکن مولانا صاحب مرحوم ۱۸ سال سینٹ آف پاکستان کے ممبر رہے، دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر اور پاکستان کے تمام چھوٹے بڑے دینی سیاسی جماعتوں کے سربراہ اور عالمگیر شہرت ہونے کے باوجود سادگی، منکسر المزاجی اور عاجزی کو ہاتھ سے کبھی نہ جانے دیتے، ہم جب سفر پر جاتے تھے تو پروٹوکول کا انتظام کر لیتے تھے، پولیس سے سیکورٹی کے پیش نظر اسکواڈ منگوا لیتے تھے لیکن آپ سخت ناراض ہوتے اور یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ کبھی اپنے ساتھ ایک سپاہی کو بھی نہیں رکھتے، میں اکثر پولیس کو سیکورٹی کے پیش نظر ان کے ساتھ رکھتا تو آپ پر یہ ناگوار گزرتا کہ یہ

کام نہ کریں، اس پروٹوکول یعنی ہٹو بچو سے لوگوں پر غلط اثر پڑتا ہے پھر پولیس کی گاڑی ریڑوں، رکشوں، پر چڑھ دوڑتی ہے کہ لیڈر کے لئے روڈ صاف کرنا ہے اور پیچھے لوگ اور گاڑیوں والے لیڈر کو برا بھلا کہتے ہیں، جتنی گمنامی اور عاجزی کے ساتھ سفر کیا جائے وہ بہتر ہے، دراصل آپ حد درجہ متوکل شخص تھے، شہادت سے پہلے کئی بار آپ کے صاحبزادوں اور میں نے گزارش کی کہ حضرت! اس وقت تمام اسلام دشمن قوتوں کے آپ نشانے پر ہیں، آپ کو احتیاط کی ضرورت ہے تو فوراً جواب میں فرماتے کہ امریکہ اور دین دشمن طاقتیں میرا کیا بگاڑ سکتی ہیں؟ زیادہ سے زیادہ مجھے شہید کر دیا جائے گا تو پھر آگے سے ہم خاموش رہ جاتے اور وہی ہوا جو خطرہ ہم محسوس کر رہے تھے، بہر حال! یہ تو ہمارا عقیدہ ہے کہ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

قائد محترم رحمہ اللہ ہم کو جمعیت کے اجلاسوں میں دیکھا کرتے تھے کہ چھوٹے سے چھوٹا کارکن بھی کبھی کبھار حضرت قائد صاحب پر تنقید وغیرہ کرتا لیکن حضرت اس پر ناراضگی کے بجائے مشفقانہ مسکراہٹ فرما کر کہتے کہ یہ ہمارا مخلص ساتھی ہے اس لئے اس کو زیادہ حساسیت اور تکلیف ہے، اسی طرح ان کی شخصیت کے ہزاروں پہلو ہیں کیونکہ ۳۷/ سال کی رفاقت اور خدمت میں بہت سے نشیب و فراز دیکھے ہیں، میرا ارادہ یہ ہے کہ آپ کی شخصیت پر ایک مستقل کتاب لکھوں لیکن اب طوالت سے بچنے کیلئے ان چند صفحات پر اکتفاء کرتا ہوں۔ الحمدللہ! یہ اعزاز قائد محترم کو حاصل ہوا کہ شہادت سے چار دن پہلے ان کی مسلسل سرگرمیاں ناموسِ رسالتؐ کے حوالے سے تھیں، ویسے تو انہوں نے اپنی زندگی نفاذ شریعت، تحفظ ناموسِ رسالتؐ و صحابہؓ، منبر و محراب اور مدارس دینیہ اور پاکستان کی اسلامی تشخص کو بچانے، جہاد اور مجاہدین کی خدمت میں گزار دی اور یہی ان کی تمنا تھی کہ شہادت نصیب ہو، شہادت سے دو دن قبل دارالعلوم کے سابق استاد مولانا رشید احمد سواتی صاحب کو دفتر اہتمام میں مخاطب کر کے کہا کہ مولانا! مجھے افسوس اس بات پر ہے کہ بروز محشر میرے شاگرد سینکڑوں کی تعداد میں شہداء کی صف میں کھڑے ہوں گے اور میں دوسری صف میں ہوں گا اور رو پڑے، بس اللہ تعالیٰ نے انکی تمنا پوری کر دی اور الحمدللہ! کئی مرتبہ خوابوں میں زیارت نصیب ہوئی کہ آپ شہداء کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے مقدس مشن اور نظریہ پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

جناب عرفان صدیقی
معروف صحافی، ادیب و کالم نگار

مولانا سمیع الحقؒ کی جہادی خدمات: اعتراف و شہادت

جناب عرفان صدیقی صاحب ملک کے معروف نڈر صحافی اور ادیب و کالم نگار ہیں، سابق وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف کے مشیر بھی رہے ہے، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے، طالبان دور میں ان کا حضرت مولانا شہیدؒ کے ہمراہ افغانستان کا سفر بھی ہوا جس کی مکمل کارگزاری آپ اپنے قلم اشہب سے لکھ چکے ہیں۔ زیرنظر مضمون ۲۹ مارچ ۲۰۰۴ء میں مولانا شہیدؒ کی کتاب ''عالم اسلام اور صلیبی دہشت گردی'' پر لکھا گیا۔ (ادارہ)

مولانا سمیع الحق جنوبی ایشیاء کی ایک انتہائی معتبر شخصیت اور دینی و علمی روایات کے پاسبان ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا فرزند ہونے کے ناتے اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے رشتہ و تعلق کے سبب وہ دینی، علمی اور سیاسی حلقوں میں منفرد ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ اپنے عظیم والد کی میراث کی پاسبانی کرتے ہوئے مولانا نے اپنی سیاست کو بھی اسلامی نظام کے نفاذ اور دینی اقدار کی سربلندی سے مربوط رکھا۔ پارلیمنٹ کا رکن ہونے کی حیثیت سے وہ شریعت بل کے محرک و وکیل رہے اور آج بھی ایوان بالا کے پلیٹ فارم سے انہی ارفع مقاصد کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

مجھے مولانا سے ایک خصوصی تعلق خاطر بھی ہے اور یک گونہ ارادت بھی، ارادت کا سرچشمہ تو اکوڑہ خٹک اور ان کے والد گرامی کی درخشندہ روایات ہیں جبکہ خصوصی تعلق خاطر کا حوالہ تقریباً ایک ہفتے پر مشتمل ایسی رفاقت ہے جس کے شب و روز ایک تاریخ کے روپ میں ڈھل گئے۔

یہ ۱۹۹۵ء کے موسم گرما کا ذکر ہے، تب روس کے خلاف طویل اور کامران جہاد کو اپنی منزل مراد پائے سات سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا تھا لیکن افغانستان کی کم نصیب سرزمین ابھی تک امن و سکون کو ترس رہی تھی، روس شکست سے دوچار ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا لیکن اسے شرمناک ہزیمت سے دوچار کرنے والے مجاہدین صف شکن اب ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے، ان کی بندوقیں اپنے ہی سینوں کو چھلنی کر رہی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فتح و کامرانی کے

جشن مناتے اور ایک دوسرے کا لہو بہا کر اپنے تحکم و فرمانروائی کا سکہ بٹھا رہے تھے۔ صورت حال سے دلبرداشتہ ہو کر، عین انہی دنوں قندہار سے ان جوانانِ جری نے علم بغاوت بلند کیا جو ایک عرصے تک جہادی کمانڈروں کے زیرسایہ روس سے پنجہ آزمائی کرتے رہے تھے، ان حوصلہ مند جوانوں نے ایک پرعزم اور جری مجاہد، ملا محمد عمر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہیں اپنا امیر چنا اور ایک نئے کھٹن سفر پر روانہ ہو گئے۔ ان نوجوانوں کا جذبہء اخلاص روش روش گل کھلاتا گیا۔ جہاں جہاں ان کے قدم پڑے، عوام نے دیدہ و دل فرش راہ کیا اور ان کی مزاحمت کرنے والے عناصر جھاگ کی طرح بیٹھتے گئے۔

طالبان کی سینئر قیادت کے بیشتر ارکان، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فارغ التحصیل تھے اور جو نہیں تھے وہ بھی اس عظیم درس گاہ اور اس کے عظیم تربانی سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ ابھی یہ قافلہ سخت جان ہرات ہی پہنچا تھا کہ امیر المومنین ملا محمد عمر کی خصوصی دعوت پر مولانا سمیع الحق نے قندھار جانے کے لئے علماء اور صحافیوں کا ایک کارواں مرتب کیا اور اپنی ہمرکابی کا اعزاز پانے والوں میں مجھے بھی شامل کرلیا اور حقیقت یہ ہے کہ اس سفر کے طفیل، افغانستان میں چند روزہ قیام، ملا محمد عمر اور طالبان کی سینئر لیڈرشپ سے ملاقاتوں اور عام افغانوں سے میل جول کے بعد میں ایک ایسی جادونگری سے آشنا ہوا جو زندگی کا جداگانہ اسلوب، حکمرانی کا منفرد انداز، تہذیب و معاشرت کے امتیازی قرینے اور عدل و انصاف کا مثالی نظام رکھتی تھی۔ مجھے صحیح معنوں میں اندازہ ہوا کہ طالبان، کون ہیں؟ کیا ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ میں نے ان دنوں ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی میں پانچ قسطوں پر مشتمل ''طالبان کا افغانستان'' کے عنوان سے پہلے ایک سلسلہ مضامین لکھا تھا، جو ایک لحاظ سے پاکستان میں طالبان کا پہلا تعارف نامہ تھا۔ اگر مجھے مولانا سمیع الحق کی معیت میں افغانستان جانے اور طالبان کو اتنے قریب سے دیکھنے کا موقع نہ ملتا تو یقیناً میری کتابِ حیات ایک انتہائی خوبصورت اور گراں قیمت باب سے محروم رہ جاتی۔

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد امریکہ نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر رہا ہے۔ وہ تاریخ انسانی کے دامن پر مدتوں ایک سیاہ دھبے کی طرح موجود رہے گا۔ اس اخلاق باختہ جنگ کا اصل نقصان یہ نہیں ہوا کہ کابل و بغداد کی حکومتیں الٹ دی گئیں یا وہاں کی بستیاں راکھ کر دی گئیں یا ان ملکوں کی زمین بے گناہوں کے لہو میں رنگ دی گئی۔ اصل زیاں یہ ہوا کہ خوب و ناخوب اور خیر و شر کے پیانے بدل دیئے گئے۔ لوگ امریکی خوف تلے، تہذیب کے مسلمہ اصولوں اور انسانیت کے مستند قرینوں سے منہ موڑ بیٹھے، بڑے بڑے صاحبان علم و دانش چوکڑی بھول گئے۔ ان کی دانش ہچکیاں لینے لگی، ان کے

قلم قلابازیاں کھانے لگے اور وہ ظالم ومظلوم، حق و باطل اور خیر وشر کے اس معرکے میں اپنا وزن، ظلم، شر اور باطل کے پلڑے میں ڈال بیٹھے۔ انہوں نے ایمان و یقین کے سرچشموں سے منہ موڑ کر خوف، بزدلی اور بے حمیتی کی وکالت شروع کردی۔ وہ خوف خدا کو نظرانداز کر کے لوگوں کو سائنس، ٹیکنالوجی اور ہتھیاروں سے ڈرانے لگے، ان حوصلہ ہار جانے اور ایمان ویقین کی جانکنی میں مبتلا ہوجانے والوں میں کچھ اہل ممبر ومحراب بھی تھے، جن کی خطابت ہکلانے لگی اور جن کی زبانیں اظہارِ حق وصداقت کرتے ہوئے لڑکھڑانے لگیں۔

مولانا سمیع الحق اس عہد پرآشوب میں پوری استقامت کے ساتھ کھڑے رہے اور کسی بھی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر، لہجے کی پوری گھن گرج کے ساتھ امریکہ کی رعونت کو للکارتے اور شہادتِ حق کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ ان کا دارالعلوم شرق وغرب کے صف اول کے میڈیا کی آماجگاہ بن گیا۔ اکوڑہ خٹک، طالبان کے مادرعلمی، ہونے کے سبب اور مولانا سمیع الحق ان کے مربی و سرپرست ہونے کے باعث عالمی توجہ کا مرکز بن گئے۔

گزشتہ اڑھائی برسوں کے دوران شاید ہی کوئی قابل ذکر ریڈیو، ٹیلیویژن اور پرنٹ میڈیا کا نیٹ ورک ایسا ہو جس نے اکوڑہ خٹک کا دورہ نہ کیا ہو۔ شاید ہی کوئی معتبر خاتون یا مرد صحافی ایسا ہو جس نے مولانا سمیع الحق سے روبرو مذاکرہ نہ کیا ہو۔ مولانا نے نائن الیون کے اثراتِ مابعد کا ذرہ برابر اثر لئے بغیر پوری جرأت، عالمانہ وقار اور بھرپور استدلال کے ساتھ اپنے موقف کا دفاع کیا۔

زیرنظر کتاب مولانا کے انہی پُرمغز، فکر انگیز اور ایمان افروز انٹرویوز کا مجموعہ ہے، یہ انٹرویوز تاریخ کے ایوان میں حق وصداقت کی توانا گونج کا درجہ رکھتے ہیں، یہ مغرب کے فتنہ انگیز عزائم کا جرأت مندانہ آپریشن بھی ہیں۔ یہ ایک عہد پُرآشوب کی معتبر وموقر تاریخ بھی ہیں، ایسی تاریخ جو آنے والے کئی زمانوں میں پاکستان کی فکری ونظریاتی اساس اور عالمِ اسلام کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتی رہے گی۔

میں تو نوائے وقت میں اپنے کالم ''نقشِ خیال'' کو بھی مولانا سمیع الحق کے فیضان ہی سے منسوب کرتا ہوں کہ اس کالم کی روحِ فکر اور مرکز ومحور وہی جادونگری ہے جس کا دروازہ مولانا سمیع الحق کے توسط سے کھلا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ مولانا کی یہ کتاب فکری ونظریاتی جہاد کا ایک ناقابل تسخیر مورچہ ثابت ہوگی۔

مولانا عبدالقیوم حقانی
مہتمم جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ

صلیبی دہشتگردی کے خلاف مولانا شہیدؒ کا مرحلہ وار جہاد

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے نصف صدی تک جو علمی، تعلیمی، تربیتی، تبلیغی، دعوتی اور اعلائے کلمۃ الحق کیلئے جہادی کارنامے سرانجام دیئے ہیں، ان میں مولانا قاسم نانوتویؒ کا اخلاص، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا جہاد، مولانا انورشاہ کشمیریؒ کی محدثانہ جلالتِ قدر، مولانا شبلیؒ کی مؤرخانہ بصیرت' شہدائے بالاکوٹ کا جذبۂ ایثار وقربانی اور تمنائے شہادت، مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کا اسلوبِ تحقیق، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا اسلوبِ تحریر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا دعوتی انداز، مولانا احمد علی لاہوریؒ کا اندازِ تفسیر، رشید احمد صدیقی کی سی شگفتہ نگاری مولانا مفتی محمودؒ کی سیاست وبصیرت، مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی سادہ بیانی، مولانا درخواستیؒ کی جامعیت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا حکیمانہ اسلوب، مولانا محمد علی جوہرؒ کی خطابت ولسانی طلاقت کی جھلکیاں، ان کی تحریروں، تقریروں اور اعمال وکردار کے مختلف زاویوں میں نمایاں دکھائی دیتی ہیں۔ ذیل کی تحریر (جو ''صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام'' کی ترتیب وتالیف کے موقع پر احقر نے بطورِ پیش لفظ لکھی تھی) میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ان اوصاف کا عکسِ جمیل دکھایا گیا ہے، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حینِ حیات میں لکھی گئی، اس لئے اس تحریر میں صیغے سارے ان کی حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دورانِ مطالعہ اس ملحوظہ کو یادرکھیں۔ (ع ق ح)

اسلام آباد پشاور روڈ سے اکوڑہ خٹک کے مقام پر کئی ایکڑ پر پھیلی ہوئی جامعہ حقانیہ کی عمارات نظر آتی ہیں۔ اس سرزمین سے جس میں یہ دارالعلوم واقع ہے، ایک وقیع اور شاندار تاریخ اور بڑی یادگار روایات وابستہ ہیں۔

شہداءِ بالاکوٹ کے قدوم میمنت لزوم

یہ وہ سرزمین ہے جس پر مسلمانوں کی نئی تاریخ لکھی جانے والی تھی مگر وہ نامکمل رہ گئی اور اس کے ساتھ احیائے دین غلبہ اسلام اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کی تاریخ کا ورق الٹ گیا۔ سید احمد

شہیدؒ نے اکوڑہ خٹک کی سرزمین سے جہاد کا آغاز کیا تھا۔ راہ خدا میں بہنے والا مقدس خون صدیوں بعد دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں رنگ لایا، جامعہ حقانیہ کے بانی اور اولین مہتمم شیخ الحدیث محدث کبیرحضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ جامعہ کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کرتے: ''مجھے اگرچہ تاریخی اعتبار سے تو متحقق نہیں مگر آثاروقرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ اسی جگہ قائم کیا گیا جہاں شہدائے بالاکوٹ کی سب سے پہلی تلوار چلی تھی۔ یہاں سید احمد شہیدؒ کے رفقاءِ کار شہید ہوئے تھے۔''

دارالعلوم حقانیہ، دیوبندِ ثانی

حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا کرتے تھے کہ جامعہ کی صورت میں علوم ومعارف کے جو چشمے آج پھوٹتے ہوئے نظر آرہے ہیں یہ مجاہدین بالاکوٹ کے برکات وثمرات ہیں۔ یہ مسجد (پرانی مسجدِ شیخ الحدیث) ہمارا اولین دارالعلوم ہے ابتدائی دس پندرہ سال دارلعلوم اس مسجد میں رہا۔ آج اللہ کے فضل وکرم سے جامعہ حقانیہ برصغیر میں اپنی نوعیت کا واحد علمی ادارہ ہے جس کے علم وفضل کی دھاک پوری دنیا پر قائم ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ نے فرمایا''دارالعلوم حقانیہ دیوبند ثانی ہے''

روسی جارحیت کے خلاف حقانیہ کا بنیادی اوراساسی کردار

اگرآج روس اورامریکہ جیسی غیرمسلم قوتیں جامعہ حقانیہ کے نام سےلرزہ براندام ہیں تو اس کے پس منظر میں ایک پوری تاریخ ہے۔ماضی قریب میں جب افغانستان کی سرزمین پر روس حملہ آور ہوا تو دارالعلوم حقانیہ میں تعلیم پانے والے اور یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء اورفضلاء نے روس کو ناکوں چنے چبوائے۔ روس کے خلاف جہادافغانستان میں بنیادی اوراساسی کردارجامعہ حقانیہ ہی کا ہے۔ عالم اسلام کو طالبان جیسے درویش منش حکمران جامعہ ہی نے عطاء کئے ،جہاد افغانستان سے متعلق بڑے بڑے کمانڈرحقانیہ ہی کےفضلاء ہیں۔

مولاناسمیع الحق کا واضح اوردوٹوک موقف

استاذی الکریم مولاناسمیع الحق مدظلہ جامعہ حقانیہ کے مہتمم بھی ہیں اور ملک کی نامور مذہبی اور سیاسی شخصیت بھی، جہاں تک حضرت مولاناسمیع الحق صاحب کی شخصیت کاتعلق ہے تو اس کامکمل طور پر احاطہ کرنا بلاشبہ بہت مشکل کام ہے۔اس کیلئے دفتر درکار ہیں ان کی شہرت درس، وتدریس، تصنیف و

تالیف، صحافت کے علاوہ خبروں، تذکروں، رپورٹوں، انٹرویوز اور مضامین کی صورت میں ملک کے اخبارات ورسائل کے صفحات پر بکھری پڑی ہے، ان میں صرف ملکی ہی نہیں غیر ملکی اخبارات ورسائل بھی شامل ہیں۔ جو لوگ مولانا سمیع الحق مدظلہ کو قریب سے جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ جب بھی اظہار حق اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت اسلام کے سلسلے میں انہیں کسی بھی فورم پر بات کرنے کا موقع ملا موصوف نے ڈنکے کی چوٹ پر اظہار خیال فرمایا اور لگی لپٹی بغیر واضح اور دوٹوک الفاظ میں اسلام اور عالم اسلام کی بھرپور ترجمانی کی، چنانچہ جہاد، تبلیغ، اسلامی نظام تعلیم، مدارس کا قیام واستحکام، تحریک طالبان، طالبان حکومت، طالبان طرز حکومت، ملا عمر، اسامہ بن لادن، امریکی جارحیت اتحادیوں کا جبر واستبداد، اتحادیوں کی بہیمیت وجنون اور کفر کی خودساختہ، الوہیت پر مولانا مدظلہ نے ہمیشہ واضح اور دوٹوک موقف اپنایا اور کفر کے سینے پر ہمیشہ مونگ دَل کرتاریخی کردار ادا کیا۔

مولانا سمیع الحقؒ، ہمہ دم، تازہ دم

مجھ گناہ گار کے لئے انتہائی سعادت کی بات ہے کہ مجھے نہ صرف ان سے شرفِ تلمذ حاصل رہا بلکہ ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔ ان کے ظلِّ عاطفت اور سایہ عافیت میں گزرے ہوئے متبرک علم ریز معارف بیز اور محبت خیز ایام کی ایک ایک بات آج تک دماغ میں تروتازہ ہے۔

مَین آف دی گیم

اس دوران جو چیز خاص طور پر محسوس کی وہ یہ تھی کہ شب وروز کے ہمہ جہتی مشاغل علمی ودینی اور تدریسی مصروفیتیں، قومی وملی اور دینی خدمات، سیاسیات، جامعہ کے انتظامات، تصنیف وتالیف، ''ماہنامہ الحق'' اور مطالعہ کتب کی صبر آزما محنت ومشقت کے باوجود وہ بڑی مستعدی اور بیداری سے ہر ایک کی طرف حسب حال پوری توجہ والتفات، اضیاف سے ملاقاتیں اور روزانہ کے سبق میں حیرت انگیز مباحث اور علمی نکات اس شان سے بیان فرماتے ہیں کہ تھکاوٹ کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔

علاوہ ازیں ''متحدہ شریعت محاذ'' کی تشکیل ہو یا جمعیت علمائے اسلام کے مسلک حقہ کے تحفظ وترویج کے مراحل، ناموس صحابہؓ کا تحفظ ہو یا ''متحدہ سنی محاذ'' کے قیام کا مرحلہ، ایوانِ بالا میں شریعت بل کا معرکہ ہو یا ملک کے گلی کوچوں میں نفاذ شریعت کی عملی تحریک، اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل اور استحکام کا اقدام ہو یا عورت کی حکمرانی کے خلاف ''متحدہ علماء کونسل'' کا قیام، ''ملی یکجہتی

کونسل'' ہو یا ''دفاع پاکستان و افغانستان کونسل'' کی تشکیل، حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اس میں اصل داعی ومحرک اور مین آف دی سیریز کی حیثیت سے بنیادی اورکلیدی کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا کی شخصیت میں بیک وقت ایک داعی حق ،مفکر اسلام ، بے مثال خطیب، سیاسی قائد اور نڈر مجاہد کی صفات موجود ہیں انکی شخصیت سیاسی و تاریخی ،علمی اور ادبی ہرلحاظ سے بے حد اہم ہے

ادیب، صاحبِ قلم اور منجھے ہوئے صحافی

اگر ہم صرف بحیثیت ایک ادیب کے حضرت الاستاد کی شخصیت کا جائزہ لیں تو ماہنامہ ''الحق'' کے صفحات ،نقوشِ آغاز، کاروانِ آخرت اور اسلام اور عہد حاضر ان کے قلم کی جولانی کی گواہی دیتے نظر آئیں گے۔الحق کے ان صفحات میں قاری کو ایک طرف حالات حاضرہ ، مسائل دینیہ اور وقائع ملیہ پر بھر پور تبصرہ ملے گا،تو دوسری طرف ادبی چاشنی سے ذوق و وجدان کے کام و ذہن کو بھی تسکین اور حلاوت ملے گی ،جب آپ کی ادارتی تحریریں اور شذرات پر مشتمل کتاب ''اسلام اور عصر حاضر'' منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تو نہ صرف علمی دنیا میں اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا بلکہ ادبی اور صحافتی طبقہ نے بھی اس کو از حد سراہا، یہ بیّن حقیقت ہے کہ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کا قلم خشک سے خشک موضوع میں بھی ادبی طراوت اور علمی تازگی پیدا کر دیتا ہے۔اس وقت حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی عمر تقریباً ۶۰؍سال سے زیادہ ہے لیکن ان کی مستعدی وتوانائی کا یہ عالم ہے کہ ان کے شب وروز یوں گزرتے ہیں کہ صبح کو وہ اسلام آباد میں ہیں دوپہر کو لاہور میں اور شام کو کہیں کسی تقریب یا مذہبی جلسے کی صدارت کررہے ہوتے ہیں،ان اسفار کے دوران وہ اپنے مدرسے سے رابطہ کرکے اہم امور کے بارے میں بات بھی کرلیتے ہیں،رات کو جب گھر واپسی ہوتی ہے تو نہ ان کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نظر آتے ہیں نہ پیشانی شکن آلود، ان کے لہجے میں وہی تازگی،تکلم میں وہی روانی اور رویے میں وہی خوش خلقی جو ہمیشہ سے ان کا امتیاز ہے۔

سیاسی بصیرت وفراست اور متحدہ کفر کے ترجمان عالمی میڈیا سے جنگ

حضرت الاستاد کی پوری شخصیت پر لکھنا میرے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، حضرت الاستاد مولانا سمیع الحق صاحب سیاستدان ،مجاہد، جید عالم دین ، مدرس، خطیب ، اعلیٰ پایہ کے ادیب، رہنماء، منتظم ہیں، سیاسی بصیرت وفراست کا یہ عالم ہے کہ آج پوری دنیا کا میڈیا ان کی طرف متوجہ

ہے اور ان کی سر براہی میں عالم اسلام کے دفاع کی مقدس جنگ لڑی جا رہی ہے۔پیش نظر کتاب بھی دراصل ملت اسلامیہ اور عالم اسلام کے خلاف تمام عالم کفر کے دائر کردہ مقدمہ کی ایک جنگ ہے جو عالمی میڈیا کیساتھ انٹرویوز اور مکالموں کی شکل میں لڑی گئی ہے۔جس میں ملت اسلامیہ کے موقف، امریکہ اور مغرب کی جارحیت، عالم اسلام کی مظلومیت،مغرب کے آئندہ کی خطرناک منصوبہ بندی اور مذموم عزائم اور ملت اسلامیہ کی بیداری کے لائحہ عمل کو اجاگر کیا گیا ہے،ان تمام انٹرویوز میں عالم اسلام بالخصوص افغانستان، عراق اور پاکستان کو درپیش مسائل اور موجودہ نازک صورتحال کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

اُصولی نصب العین پر استقامت

ان انٹرویوز میں بظاہر تکرار اور بعض دلائل کا بار بار ذکر ہوا ہے مگر انداز استدلال، پیرایہء بیان اور تعبیرات مختلف ہیں جس سے قاری کیلئے دلچسپی کا وافر مواد موجود ہے۔بعض مقامات پر تکرار ناگزیر بھی تھا، کیونکہ تمام انٹرویوز کا موضوع اور سوالات ایک ہی قسم کے تھے۔ظاہر ہے کہ ان کے جوابات کی نوعیت بھی یکساں ہوگی مگر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کو اللہ نے یہ خصوصیت، امتیاز اور طرز بیان میں یہ انفرادیت بخشی ہے کہ ان کے بیان اور انٹرویوز میں پڑھنے والے کیلئے لذت و چاشنی کا وافر سامان موجود ہوتا ہے۔درحقیقت کسی دینی زعیم کی پوری زندگی امتحانات و آزمائش کی زندگی ہوتی ہے۔حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، ایک دینی قائد کو مخالف ہواؤں کی پرواہ کئے بغیر پورے مشن کو چلانا ہوتا ہے، مخالف ہواؤں کے چلنے پر سفینہ تمدن کا رخ، اپنے اصولی نصب العین کی جانب رکھنا ایک مشکل کام ہے اور یہی مشکل کام ایک دینی قائد کی اصل ذمہ داری ہوا کرتی ہے۔مسلمانوں پر ماضی میں کئی خوفناک دور آئے آج ایک بار پھر عالم اسلام کی کشتی بھنور میں ہے۔صیہونی تحریک کے خطرناک لادینی عزائم پوری مسلم دنیا کو انتہائی ڈرامائی انداز میں اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ کے بعد مسلم دنیا ایک خطرناک صورت حال سے دوچار ہے۔حقیقت بھی یہی ہے کہ امریکہ کو اس وقت پوری دنیا پر اسلحی وتکنیکی برتری حاصل ہے۔امریکہ کے پالیسی ساز ادارے جان چکے ہیں کہ امریکہ کے لئے خطرہ صرف اسلام اور مسلمان ہیں چونکہ وہ اسلام سے بطور

نظریہ اور مسلمانوں سے بطور دنیا کے چوتھائی آبادی والی اقتصادی قوت اور ماضی بعید کی شاندار تاریخی روایات سے خائف ہے، اس لئے اس نے اپنی تمام تر توجہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مبذول کر رکھی ہے۔ دراصل امریکی پالیسی ساز اداروں نے یہ طے کرلیا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو مسلمانوں کو یا تو صفحہء ہستی سے مٹا دیا جائے یا اسلام سے اتنا دور کر دیا جائے کہ وہ صرف نام کے مسلمان رہ جائیں، خاص کر پاکستان بین الاقوامی سیاست اور امریکی مفادات کے حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل ہو چکا ہے۔ ایسی صورتحال میں امریکہ کیلئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس خطہ کی سیاست میں مداخلت نہ کرے۔ یہی وہ خطرناک مرحلہ ہے جس کیلئے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب قوم کو بار بار احساس دلا رہے ہیں کہ تم میدان جنگ میں ہو۔ ع یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے۔

اُمت کی سالمیت کا مسئلہ

مولانا فرماتے ہیں کہ: ’’اب کسی ایک قانون، کسی ایک جزئیہ، کسی ایک عنوان یا کسی ایک مشن، کسی ایک مسئلہ اور ملت کے کسی ایک عضو و اندام کی حفاظت کی بات نہیں اب تو امت کی سالمیت کا مسئلہ ہے، دشمن پوری قوت سے ملت مسلمہ کو ڈائنامیٹ کر دینا چاہتا ہے‘‘ دنیا کی تمام طاقتیں اس بات پر متحد ہوگئی ہیں کہ اسلام کو بہرحال پنپنے نہیں دینا۔ امت مسلمہ کو جدید عالمی تبدیلیوں کے بڑے بڑے ہولناک چیلنجوں کا سامنا ہے۔ امریکہ، روس، چین، جاپان، برطانیہ اور پوری دنیائے کفر عالم اسلام کی بیداری کی نئی لہر سے خائف اور لرزاں و ترساں ہیں۔ آج امریکی جارحیت کے مقابلے میں کھڑے ہونے کے لئے جس ایمان و شعور کی ضرورت ہے اسے عوام الناس میں ابھارنے کیلئے حضرت مولانا سمیع الحق نے ایک عظیم جہادی اور انقلابی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مولانا نے اپنے سامعین اور مخاطبین میں مایوسی کے بجائے حوصلہ اور ہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اسلامی دعوت، خالص اسلامی طرز سیاست اور دینی قیادت کا علم ہاتھ میں لئے شکستہ دل مسلمانوں کو غلبہ اور فتح و نصرت کی نوید سنائی ہے۔

سیرت و کردار کا روشن باب

حضرت مولانا کے نزدیک بحیثیت مسلمان کے جو مقام ایک پاکستانی کا ہے وہی مقام افغانی، ایرانی اور عراقی مسلمان کا بھی ہے وہ اسلام ہی کو رشتہ وحدت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ فلسطین کا مسئلہ ہو یا تحریکِ آزادی کشمیر کی جدوجہد، سقوط کابل کا المیہ ہو یا عراق کے مسلمانوں کی حالت زار وہ

سب کیلئے برابر تڑپتے ہیں۔ دعائیں کرتے اور اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے ہیں اے بار الہٰ! مسلمانوں کی حالت زار پر رحم فرما! امت مسلمہ کی حفاظت فرما۔ وہ اپنے خطابات، تقاریر، انٹرویوز میں مسلمانوں کو بیداری کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔

کانٹا لگے کسی کے تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

تاریخی کردار کے تاریخی حوالے

جہاد افغانستان اور طالبان کی تعلیم و تربیت، تشکیل اور نفاذِ شریعت حضرت مولانا سمیع الحق کی سیرت و کردار کا سب سے زیادہ روشن باب ہے، شیخ الحدیث محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ اور ان کے پرعزم جواں ہمت فرزند و جانشین حضرت مولانا سمیع الحق نے عظمت اسلام کا پرچم بلند کرنے کیلئے جو قربانیاں دیں ہیں، وہ تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں، جہاد افغانستان میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے تاریخی کردار کے تاریخی حوالوں سے چند اہم اقتباسات نذر قارئین ہیں۔

جہاد کی حمایت میں پیش کردہ اوّلین قرارداد

جون ۱۹۸۱ء میں جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں وفاق المدارس العربیہ کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کا ایک مثالی اجلاس منعقد ہوا، جس میں ملک بھر سے ارباب مدارس، علماء کرام اور مہتممین مدارس اور کئی ایک اہل علم وفکر نے بحیثیت ارکان و مندوبین بہت بڑی تعداد میں شرکت کی، مجلس کی پہلی نشست میں افغانستان کے حالات و واقعات پر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے ایک قرارداد پیش کی جسے تمام شرکاء نے بڑے جوش اور ولولہ سے متفقہ طور پر منظور کیا، یہ ملک بھر کے اہل حق علماء، صلحاء اور اہل مدارس کا ایک متفقہ موقف تھا۔ قرارداد میں افغانستان میں برسرپیکار علماء و مشائخ، طلبہ مدارس دینیہ اور مجاہدین کرام کی جانثاری و جاں سپاری کو شاندار خراج تحسین پیش کیا گیا اور یہ بھی کہ وفاق المدارس العربیہ کا یہ اجلاس اس جہاد کو عظیم اسلامی جہاد قرار دیتے ہوئے شہداء کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔ افغانستان کی سرزمین سے روس کی پسپائی اور واپسی طے ہونے کے بعد کی صورتحال اور مستقبل کے حالات پر غور وخوض کی ضرورت پیش آئی کہ پاکستان نے مسلسل آٹھ

سال تک ایک سپر پاور اور ظالم وجارح کے مقابلہ میں مظلوم و مجروح قوم کا بھرپور ساتھ دینے کی جو شاندار نظیر قائم کی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اب پاکستان بھی سرخرو ہو اور اس کی کاوشیں، افغان مجاہدین کی فتح مندی اور افغان مہاجرین کی باعزت وطن واپسی کا ذریعہ بن سکیں، چنانچہ وزیراعظم پاکستان نے اس اہم مسئلہ کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر متفقہ قومی موقف اختیار کرنے کی غرض سے ایم آر ڈی سمیت ۱۹ سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی آل پارٹیز گول میز کانفرنس بلائی، جس میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کو بھی وزیراعظم کا دعوت نامہ پہنچا تو جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس عاملہ نے گول میز کانفرنس میں اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر مولانا کی شرکت ضروری سمجھتے ہوئے انہیں شرکت پر آمادہ کرلیا۔

گول میز کانفرنس میں جنیوا معاہدہ کی شدید مخالفت

یہ گول میز کانفرنس ۵ اور ٦ مارچ ۱۹۸۸ء دو روز تک جاری رہی، حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ، نے وزیراعظم کی موجودگی میں اپنے خطاب میں جینوا معاہدہ پر دستخط کرنے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے اسے افغان شہداء کے خون سے استہزاء قرار دیا کہ جینوا معاہدہ کا روسی فوجوں کی واپسی سے کوئی تعلق نہیں ہے فوجوں کی واپسی کا فیصلہ روس نے افغانستان میں اپنی ناکامی، مجاہدین کی ناقابل شکست مزاحمت، مقبوضہ مسلم علاقوں میں بیداری کی لہر، بین الاقوامی سطح پر ذلت و رسوائی، بڑھتی ہوئی مذمت اور افغانستان کی بلاجواز جنگ کے داخلی نتائج اور گورباچوف کی نئی خارجہ پالیسیوں کا نتیجہ ہے لہٰذا پاکستان کو موجودہ حالات میں جنیوا معاہدہ پر دستخط کرکے بلاوجہ ایک مضبوط حلیف قوت افغان مجاہدین کی ناراضگی ہرگز مول نہیں لینی چاہیے، جہاں تک امریکہ کی پالیسی کا تعلق ہے تو امریکہ اپنی نئی پالیسی سے ایک تیر سے دو شکار کھیلنا چاہتا ہے اور دو طرح کے فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے، ایک افغانستان سے روسی فوج کا انخلاء اور دوسرا افغان مجاہدین کی آزاد اور اسلامی حکومت کے قیام میں رکاوٹ۔ امریکہ سمیت دنیا کی سوشلسٹ، کمیونسٹ اور لادین حکومتیں بظاہر افغانوں کی حمایت کے باوجود وہاں پر آزاد اسلامی ریاست کا قیام ہرگز نہیں چاہتیں۔ پاکستان کی بقاء اور سلامتی اس میں ہے کہ پڑوس میں خالص آزاد اسلامی ریاست کا قیام ہو، اگر امریکہ، روس گٹھ جوڑ کو تسلیم کرلیا گیا تو یہ ۱۳ر لاکھ شہداء کے خون سے تمسخر ہوگا، ہمارے لئے افغانستان میں مضبوط، مستحکم اسلامی حکومت ایک بہترین پڑوسی ثابت ہوسکتا ہے جو معاہدہ افغان مجاہدین کی کامیابی اور ان کی خواہشات کے مطابق

اسلامی ریاست کی تشکیل اور افغان مہاجرین کی پرامن واپسی کی ضمانت نہ دے وہ افغانستان کو خانہ جنگی میں دھکیل دے گا اور پاکستان کو بھی لے ڈوبے گا۔

جامعہ اسلامیہ راولپنڈی میں تمام دینی قوتوں کا اجتماع

گول میز کانفرنس میں صرف اس موقف کی مدلل وضاحت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس موقف کو منوانے، اس میں وزن ڈالنے اور مؤثر بنانے کے لئے حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ، کی تحریک و تجویز پر قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ نے ۱۲ مارچ ۱۹۸۸ء بروز ہفتہ تمام دینی، مذہبی جماعتوں کے قائدین، ملک کے ممتاز سکالرز، دانشور، سیاسی مدبرین، ارباب علم و فضل اور ذی رائے ارباب علم وبصیرت کا جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی میں ایک نمائندہ اجلاس طلب کیا، جس میں ملک کی تمام دینی جماعتوں کے رہنماؤں اور شرکاء اجلاس نے اس موقف کی بھرپور تائید کی اور حکومت پر واضح کیا کہ اس واضح اور ٹھوس لائحہ علم سے سرِ موانحراف بھی مستقبل کے بھیانک خطرات اور ملکی سالمیت کی ہچکولے کھاتی نیّا کو لے ڈوبنے اور اجتماعی ہلاکت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں حق کی للکار

☆ ۱۸/اپریل ۱۹۸۸ء حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے جنیوا معاہدہ کے حوالہ سے تاریخی خطاب میں اس معاہدہ کے پس منظر میں سازشی کردار، مغربی استعمار کے سازشی عناصر، معاہدہ کے مضمرات، نقصانات، افغان شہداء کے خون کے ساتھ استہزاء اور جہاد کو تاراج کردینے والے تمام محرکات کو آشکارا کیا، کابل اور اسلام آباد کے درمیان ہونے والے اس معاہدہ کو روس کے لئے افغانستان میں بیٹھے رہنے کی ضمانت اور تحفظ جبکہ پاکستان کے لئے دوسرے معاہدہ تاشقند سے تعبیر کیا اور اسے اپنی جیتی ہوئی جنگ ہارنے کے مترادف قرار دیا۔

مدیر تکبیر صلاح الدین کی گواہی

۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء ہفت روزہ تکبیر کے مدیر شہیر محمد صلاح الدین شہیدؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال پر اپنی ادارتی تحریر میں لکھا ''برصغیر کے ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کا انتقال پرملال ملت اسلامیہ کے لئے صدمہ عظیم ہے، وہ معمول کے حجرہ نشین عالم دین نہیں تھے بلکہ انہوں نے بڑی بھرپور زندگی گزاری، پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر مولانا عبدالحقؒ نے دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس کرکے جو شمع ہدایت روشن کی تھی اس کی تنویر سے

ایک عالم منور ہورہا ہے، افغانستان میں اسلامی فکر کی اشاعت و ترویج کی تحریک برپا کرکے داؤد حکومت کو چیلنج کرنے والے اور سوویت یونین کی افواج قاہرہ سے برسرپیکار مجاہدین کا شمار بھی مولانا عبدالحقؒ کے تلامذہ اور دارالعلوم حقانیہ کے فارغ التحصیل علمائے کرام میں ہوتا ہے۔

عرب علماء کے نمائندہ وفد کا خراجِ تحسین

یکم مارچ ۱۹۸۹ء میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے تعلیمی سال کے اختتام پر ختم بخاری شریف کی تقریب کے موقع پر جامعہ کے چانسلر مولانا سمیع الحق مدظلہ کی دعوت پر عرب علماء اور سکالرز کے ایک نمائندہ وفد نے بھی اس تقریب کو رونق بخشی، وفد کے قائد جناب الشیخ علامہ محمد محمود صواف اور الشیخ علامہ عبدالمجید زندانی نے اپنی تقاریر میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی خدمات اور جہاد افغانستان میں کردار پر اپنی خوشی و مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے اسے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

رابطہ عالمِ اسلامی کے جنرل سیکرٹری اور افغان صدر کی تصویب و تشجیع

۲ جون ۱۹۸۹ء رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری الشیخ دکتور عبداللہ عمر نصیف اور افغان عبوری حکومت کے صدر پروفیسر صبغت اللہ مجددی مرکز علم جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، جمعہ کے اجتماع سے خطاب میں الشیخ عبداللہ عمر نصیف نے کہا کہ اس بات پر بے حد مسرت ہوتی ہے کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ جہاد افغانستان کی حمایت میں پورے اخلاص سے حصہ لے رہا ہے اور جامعہ کے افغانی فضلاء، اساتذہ، اور طلبہ اس عظیم جہاد میں بھرپور نمائندگی اور قیادت کا مرکزی کردار ہیں اور مجھے یہ جان کر بھی بہت مسرت ہوئی ہے کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا افغان قائدین، مجاہدین اور مسلمانوں کی صفوں کے اندر اتفاق و اتحاد قائم کرنے کے سلسلہ میں بھی بڑا حصہ اور اہم کردار ہے، پوری امت مسلمہ ایسے عظیم جامعات کی طرف محتاج ہے، جو مسلمانوں میں وحدت پیدا کریں، صیہونی و یہودی سازشوں، مسلمانوں میں نفاق کی مذموم کوششوں اور اسلامی بھائی چارہ میں افتراق و انتشار کی کاروائیوں کی مدافعت اور بھرپور مقابلہ کیلئے اپنا کردار ادا کریں اور اسلامی تشخص کے بچاؤ اور حفاظت کا اہتمام کریں اور یہ کام جامعہ دارالعلوم حقانیہ جیسے مثالی جامعات اور ادارے ہی کر سکتے ہیں۔

صدر افغانستان پروفیسر صبغۃ اللہ مجددی نے روس کے خلاف افغان جہاد کی سرپرستی، بھرپور تعاون اور نصرت و حمایت پر جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ اور رئیس الجامعہ مولانا سمیع الحق مدظلہ، کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے افغان قوم کی طرف سے بھرپور ہدیہ تشکر و امتنان پیش کیا۔

لندن اور شکاگو میں مولانا سمیع الحقؒ کی کامیاب سفارتی مہم

بیسویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا المیہ غیرت وحمیت کی سرزمین افغانستان میں روس کی بربریت ، بہیمیت اور سفاکی ہے تاہم افغان مجاہدین کے مسلسل جہاد ، عزم و ہمت ، شوق شہادت ، جوشِ ایمان اور بے مثال استقامت نے روس کو ذلیل ترین پسپائی اور افغانستان سے نکل جانے پر مجبور کردیا، جب فتح و انقلاب کا حساس اور نازک ترین مرحلہ قریب آ گیا تو الکفر ملة واحدة کی صورت میں اسلام دشمن قوتیں یکجا ہوگئیں اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہاں اسلامی انقلاب نہ ابھرنے پائے اور انقلاب کی تکمیل سے پہلے پہلے دینی قوتوں کو مفلوج ، مجاہدین کو منتشر اور ان کے روشن مستقبل کو تاریک بنادیا جائے۔ اس نازک صورت حال میں قربانیوں کا ثمرہ حاصل کرنے کے لئے اور دشمنوں کے عزائم کو ناکام بنا کر اپنا مقصود حاصل کرنے کیلئے جہاں افغان قائدین اور علماء کو فہم وفراست اور تدبر و ہوش مندی سے کام لینا تھا، وہاں پاکستانی علماء کا بھی اس حوالہ سے اہم اور تاریخی کردار تھا۔سیاسی اثر ورسوخ رکھنے والی دینی قوتوں اور سیاسی رہنماؤں نے اس حوالہ سے اپنا بھرپور کردار ادا کیا، حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے اس موقع پر لندن اور شکاگو میں منعقد ہونے والی ختم نبوت کانفرنسوں کے لئے سفر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سارقین ختم نبوت کے تعاقب کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے اہم ترین مسئلہ جہاد افغانستان کے لئے بھی اپنی خاموش سفارتی مہم جاری رکھی، اسی اہم مقصد کی غرض سے انہوں نے امریکہ میں کانگریس اور سینٹ میں ری پبلکن ڈیموکریٹک پارٹی کے اہم ارکان سینٹر گارڈن ہمفرے اور کانگریس میں بیل مکالم اور مسٹر چارلس ولسن سے الگ الگ تفصیلی ملاقاتیں کیں، اس کے علاوہ وہ امریکی وزارت خارجہ کے جنوبی ایشیاء کے نائب وزیر خارجہ مسز شیفر سے بھی ملے، ان ملاقاتوں میں مولانا سمیع الحق مدظلہ نے افغانستان کے بارے میں امریکہ کی بدلتی ہوئی پالیسیوں اور مجاہدین کی راہ میں پیدا کی جانے والی دشواریوں سے انہیں اپنے خدشات اور تشویش سے آگاہ کیا ، اس صدی کے طویل اور عظیم جہاد اور جنگ آزادی کو سبوتاژ کرنے سے خود امریکہ کے حق میں بھی مستقبل کے بھیانک خطرات سے انہیں آگاہ کیا، پاکستان اور افغانستان کی حساس جغرافیائی پوزیشن کی بنا پر امریکہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ مولانا سمیع الحق مدظلہ، نے ان پر واضح کیا کہ پاکستان کا مسئلہ صرف روس کی واپسی نہیں بلکہ تیس لاکھ افغان مہاجرین کا باعزت طور پر واپس جانا ہے ، وہاں کے ان ارکان نے مولانا کا موقف نہایت غور اور دلچسپی سے سنا اور یقین دلایا کہ آپ کے خیالات اور جذبات اور بعض اہم امور کے بارے میں مفید تجاویز سے

پارلیمنٹ کو بھی آ گاہ کر دینگے، اس موقع پر وائس آف امریکہ نے پاکستان اورافغانستان کی تازہ صورتحال سے متعلق مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا ایک اہم انٹرویو بھی نشر کیا۔

واشنگٹن، نیویارک اور برطانیہ میں ممکنہ کوششیں اور مساعی جمیلہ

واشنگٹن میں ان اہم ملاقاتوں اور مذاکرات کے علاوہ بھی وہاں کے مسلمانوں کی مختلف سیاسی وسماجی اور دینی تنظیموں کی طرف سے مختلف شہروں میں کیئے جانے والے استقبالیوں میں شرکت کی،مرکزی اسلامک سنٹر آرلنگٹن میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ نیویارک میں بھی استقبالیہ تقریبات میں شرکت کی، مولانا سمیع الحق مدظلہ نے ان اجتماعات میں بھی مسلمانوں کو امریکہ اور یورپ میں عالم اسلام بالخصوص پاکستان اور جہاد افغانستان کے خلاف سرگرم عمل لابیوں پر کڑی نگاہ رکھنے کی تلقین کی اور انہیں ملک اور عالم اسلام کے خلاف امریکہ اور برطانیہ میں کی جانے والی سازشوں سے باخبر رہنے اور اپنا کردار ادا کرنے پر زور دیا۔ اس سے قبل مولانا سمیع الحق مدظلہ نے برطانیہ کے مختلف شہروں کا دورہ کیا، اکتوبر کے آغاز میں ویمبلے ہال لندن میں پانچویں سالانہ عالمی ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے علاوہ برمنگھم،شیفیلڈ ، مانچسٹر اور گلاسکو میں مختلف جلسوں سے خطاب کے دوران اس امر پر زور دیا کہ دنیا بھر میں رہنے والے پاکستانیوں کو اپنے ملک کی نظریاتی سرحدوں اور اسلامی تشخص کے تحفظ کی جدوجہد میں بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے، انہوں نے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عالمی استعماری قوتیں پاکستان کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے اور اسے ایک سیکولر ریاست بنانے پر تلی ہوئی ہیں ان کی ایجنٹ لابیاں پاکستان میں مسلسل سرگرم عمل ہیں۔ کمیونسٹ اور مغربی طاقتیں دونوں عالم اسلام میں اسلامائزیشن کی ابھرتی ہوئی تحریکات سے خوفزدہ ہیں اور نفاذ اسلام کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کیلئے سازشیں کررہی ہیں۔ افغان مجاہدین نے اپنے وطن کی آزادی اور پاکستان کی سالمیت کی جو جنگ لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں سے جیتی ہے، آج اسے سازشوں کے ساتھ شکست میں تبدیل کیا جارہا ہے اوراس گھناؤنی سازش میں واشنگٹن ، اسلام آباد اور ماسکو کے درمیان خفیہ گٹھ جوڑ ہو چکا ہے، ایسے حالات میں یہاں رہنے والے مسلمان اپنے اثر ورسوخ، تعلقات اورعمل و کردار سے موثر کام کرسکتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ جس طرح آپ حضرات علمی، دینی ، مذہبی اورتبلیغی امور میں خلوص ولگن سے مصروف عمل رہتے ہیں، اسی طرح پاکستان ، افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک کی بہتری وخیرخواہی میں بھی کسی بھی ممکنہ کوشش اور مساعی سے دریغ نہیں کریں گے۔

مولانا جلال لدین حقانی کا لاہور میں شاندار استقبالیہ

۲۷/اپریل ۱۹۹۲ء جمعیت علماء اسلام کے صوبائی کنونشن لاہور میں فاتح خوست مولانا جلال الدین حقانی مہمان خصوصی تھے اور مولانا سمیع الحق مدظلہ، کی دعوت پر خصوصیت سے شریک ہوئے تھے، اپنے خطاب میں فرمایا کہ میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اور آپ کے رفقاء جنہوں نے ہر میدان میں بالخصوص مجاہدین اور مہاجرین کے ساتھ نصرت و تعاون اور سرپرستی کی ، روس کے خلاف افغان جہاد کے حق میں آواز بلند کی ، مالی ، جانی اور سیاسی واخلاقی مدد کی ان سب حضرات کی جملہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ، افغان قوم کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جمعیت علماء اسلام، اس کے ارکان، سربراہ اور ہمارے اساتذہ بالخصوص مولانا سمیع الحق مدظلہ، پاکستان میں اور عالم اسلام میں دینی اور قومی وملی اعتبار سے جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ بے ریا اور بے لوث خدمات ہیں، انہوں نے ہمیشہ روسی جارحیت کے خلاف آواز اٹھائی، افغان جہاد کی حمایت کی، انہوں نے اس عظیم اور خالص اسلامی جہاد کو پوری دنیا میں متعارف کرایا، مجھے دارالعلوم حقانیہ اور اپنے شیخ و مربی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ سے نسبت پر فخر ہے اور یہ سب اسی نسبت کی برکتیں ہیں کہ اللہ پاک نے ہمیں توفیق دی اور ہم سکوت ، قعود اور مداہنت سے بچ کر جابر وظالم اور بڑے کافر اور ملحد کے مقابلہ میں ڈٹ گئے اور بزعم خود سپر پاور کے مقابلہ میں توپوں ، ٹینکوں اور جہازوں کی بمباری کے سامنے سینہ سپر ہوگئے اور اللہ پاک نے کمیونزم کو نہ صرف یہ کہ افغانستان اور روس میں شکست دی بلکہ اسے پورے عالم اسلام میں رسوا کردیا۔

فتحِ کابل کے بعد انتقالِ اقتدار کے نازک ترین مراحل

جہاد افغانستان کی کامیابی ، کابل کی فتح، افغان عبوری حکومت کی تشکیل، افغان قیادت کا اتفاق، انتقال اقتدار، امور حکومت کے نظم ونسق کا کنٹرول، حالات کی بہتری، امن وامان میں پیش رفت، یہ سب دین اسلام کی حقانیت کا ثبوت تھا۔ جسے مسلم دنیا سمیت عالم کفر کی بڑی طاقتیں بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوچکی تھیں فتح کابل کے آخری ، نازک وحساس مرحلہ پر انتقال اقتدار کے انتظام کا جب بحران پیدا ہوا تو مرکز علم جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مدیر مولانا سمیع الحق مدظلہ نے اپنی تمام تر مصروفیات و مشاغل ترک کرکے افغان اتحاد ، انتقال اقتدار کے انتظامی فارمولے اور مستقبل کے افغانستان کو باہمی خانہ جنگی اور تقسیم کے شیطانی منصوبہ کے ناکام کرنے میں خالص دینی اور اسلامی

نقطہ نظر سے بھرپور کردار ادا کیا، جہاد کی مرکزی قیادت سے رابطہ کیا، ان کے حالات اور نقطہ نظر کو سمجھنے کے بعد ۱۹/ اپریل کو وزیراعظم پاکستان کی پشاور میں افغان رہنماؤں کے ساتھ ۷ گھنٹے کے طویل مذاکرات میں بھرپور دلچسپی لی جس سے وزیراعظم سمیت افغان زعماء بھی متاثر ہوئے۔

رابطہ عالمِ اسلامی اور سعودی عرب وفد کے ارکان کی آمد، مولانا سمیع الحق کی مساعی

۲۰/اپریل کو رابطہ عالم اسلامی اور سعودی عرب وفد کے ارکان علامہ محمد صواف، شیخ عبداللہ الزائد، ڈاکٹر محمد زبیر پر مشتمل قافلہ کی معیت میں ایک بار پھر افغان قیادت سے رابطہ اور مخلصانہ مساعی کی، بحمداللہ ثمر آور اور قومی وملی اور افغان عوام کے مستقبل کے لحاظ سے بے حد مفید مذاکرات ہوئے، جب حالات فیصلہ کن اور بے حد نازک مرحلہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنے تمام کام و آرام چھوڑ کر محاذ جنگ کے تمام حقانی فضلاء، حلقہ اثر کے علماء، افغان مجاہدین کے مرکزی زعماء سے رابطے اور صلاح ومشورے کئے اور افغان قیادت کو کسی ایک فارمولا پر متحد کرنے کی مساعی تیز کر دی۔

افغان عبوری کونسل کی تشکیل اور تحویلِ اقتدار

۲۶/اپریل ۱۹۹۲ء کو پاکستان اور افغانستان کے اکابر علماء، اساتذہ علم اور مشائخ کا مشترکہ اجلاس جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں بلایا، جس میں بلالحاظ جماعتی وابستگی کے ایک ہزار سے زائد علماء اور مشائخ نے شرکت کی جس میں افغانستان میں فوری جنگ بندی کی اپیل کی گئی اور مسلمانوں کے باہمی قتال کو جرم قرار دیا گیا اور جید علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے دوسرے روز افغان علماء، مشائخ اور مرکزی قیادت کے اہم رہنماؤں سے مل کر مثبت کام کیا جنگ بندی ہو گئی، افغان عبوری کونسل نے اقتدار سنبھالا تو دوسرے روز وزیراعظم کی معیت میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے تمام خطرات اور اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر کابل کا دورہ کیا، آزاد کابل کی جامع مسجد میں سجدۂ شکر بجا لائے، افغان زعماء کے ساتھ مذاکرات اور مشاورت کی اور کابل اور اس کے گردونواح میں فوجی قیادت کرنے والے دارالعلوم حقانیہ کے افغانی فضلاء سے ملاقات اور تبادلہ خیال کیا۔

وزیراعظم کا قوم سے ٹی وی خطاب، مولانا عبدالحقؒ اور مولاناؒ کو خراجِ تحسین

۵ مئی ۱۹۹۲ء کو وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے ٹی وی اور ریڈیو پر قوم سے اپنے نشری خطاب میں کہا: ''افغانستان اور پاکستان کے ممتاز علماء اور رہنماؤں خصوصاً جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی وشیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے جہاد افغانستان میں کردار کو خراج تحسین پیش کرتا

ہوں، ان کی تقلید میں اب ان کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق مدظلہ کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں۔

بدلتی ہوئی عالمی صورتحال، جہاد افغانستان، امریکہ و اقوام متحدہ کے مذموم عزائم اور پاکستان کی بدلتی ہوئی افغان پالیسی کے بارے میں لائحہ عمل، خود افغان قیادت میں بُعد اور فاصلوں کو کم کرنے کی پیش رفت کا جائزہ لینے کے سلسلہ میں جنوبی ایشیا کے اہم علمی و دینی مرکز دارالعلوم حقانیہ میں جہاد افغانستان کے تمام مرکزی قائدین سمیت جمعیت علماء اسلام کے اکابرین، وزیراعلیٰ سرحد، وفاقی وزیر اعجاز الحق اور اجلاس کے داعی و محرک سینیٹر مولانا سمیع الحق مدظلہ کا ۱۴ ارفروری کو ایک میز پر اکٹھے بیٹھ کر باہمی مشاورت، جہادی امور اور بین الاقوامی صورتحال پر تبادلہ خیال اور اتحاد کے استحکام کے سلسلہ میں بنیادی امور پر گفت وشنید جس خوشگوار ماحول اور پر اعتماد فضا میں ہوئی اس کو مستقبل کے افغانستان میں گول میز کانفرنس اور جنیوا معاہدہ کی طرح تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ قرار دیا گیا۔

افغان رہنماؤں کے باہمی تبادلہ خیال کی پہلی نشست ساڑھے گیارہ بجے سے ایک بجے تک حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی قیام گاہ پر بند کمرے میں ہوئی، جس میں مرکزی زعماء جہاد اور پارٹی سربراہوں کے علاوہ مولانا سمیع الحق مدظلہ، مولانا قاضی عبداللطیف، سعودی عرب کے سفیر الشیخ محمد یوسف المطبقانی، وفاقی وزیر جناب اعجاز الحق اور فاتح خوست مولانا جلال الدین حقانی شریک ہوئے۔

دوسری نشست نماز جمعہ سے قبل کی تھی جو بغیر کسی پیشگی تشہیر، اخباری خبر، بغیر کسی اشتہار و اعلان کے ایک عظیم الشان جلسہ عام کی شکل اختیار کرگئی، تقریریں ہوتی رہیں، تبادلہ خیالات ہوئے اور دارالعلوم حقانیہ میں منعقدہ اس عظیم اجتماع میں افغان قیادت کے تمام رہنما، سعودی سفیر، حکومت پاکستان کے مرکزی و صوبائی وزراء، مختلف سیاسی جماعتوں کے زعماء اور سینکڑوں علماء ومشائخ بڑے جوش اور ولولے سے اس بات پر متفق رہے کہ روس کے زوال کے بعد افغانستان میں امریکی مداخلت کو کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کیا جائے گا، یہ ایک متفقہ عالمی استصواب رائے ہے کہ دنیا بھر کے اہل حق علماء افغان رہنماء اور ملک وملت کے زعماء نئے عالمی نظام، اس کے علمبرداروں، ہمنواؤں او رگماشتوں کے بارے میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے خدا کرے کہ پاکستان کی حکومت کے ارباب بست وکشاد اپنے مفادات اور ذاتی اغراض سے ہٹ کر خالص انسانی، اخلاقی اور دینی نقطہ نظر سے سوچ کر وہی فیصلہ کرسکیں جو قرآن وسنت، تعلیمات نبویؐ اور اسلامی ہدایات کے عین مطابق ہو۔

مضبوط اور مستحکم افغانستان

تیسری اور آخری نشست میں تقریب کے میزبان، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے افغان زعماء، قومی رہنماؤں اور تمام حاضرین و متعلقین کی والہیّت اور خلوص اور جذبہ شوق سے بھرپور شرکت و حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے جہاد افغانستان کے سلسلہ میں دارالعلوم حقانیہ کے مرکزی کردار، افغان قائدین کے دارالعلوم سے ارتباط و تعلق خاطر، کارناموں اور دارالعلوم کے فضلاء اور افغان جہاد کے شہداء کو زبردست خراج تحسین پیش کیا، انہوں نے کہا کہ دنیا کی تمام طاقتیں اس بات پر متحد ہوگئی ہیں کہ اسلام کو بہرحال پنپنے نہیں دینا۔ وہ نہ جمہوریت کی دلدادہ ہیں اور نہ کسی دوسرے نظام کی، وہ اسلام ہی کو اپنے وجود کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتی ہیں، الجزائر، کشمیر، فلسطین، وسطی ایشیا کی نوآزاد مسلم ریاستیں اور افغانستان، غرض جہاں کہیں بھی اسلام کے ابھرنے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، باطل کی تمام طاقتیں اسے روندنے اور کچلنے کے لئے متحد ہو جاتی ہیں، امت مسلمہ کو جدید عالمی تبدیلیوں کے بڑے بڑے ہولناک چیلنجوں کا سامنا ہے، امریکہ، روس، چین، جاپان، برطانیہ اور دنیائے کفر کے تمام علمبردار عالم اسلام کی بیداری کی نئی لہر سے خائف اور لرزاں و ترساں ہیں، دنیا جانتی ہے کہ روس جیسی ناقابل شکست سپر پاور سے دارالعلوم حقانیہ میں پڑھنے والے عوام کے تعاون سے علم حاصل کرنے والے فقیر منش طلباء و فضلاء یہاں کے فارغ التحصیل علماء اپنے سروں کو ہتھیلی پر رکھ کر ٹکرا گئے، اللہ نے ان کی جرات و بہادری کی لاج رکھ لی، کوئی چاہے یا نہ چاہے، اللہ نے یہی کیا کہ ان بے سروسامان، آلات حرب اور ظاہری جنگی اسباب سے بے نیاز علماء و طلباء کے ہاتھوں روس کو تاراج کر دیا۔

مولانا سمیع الحق مدظلہ نے کہا کہ جہاد افغانستان کے ثمرات ایک عظیم اسلامی انقلاب پر منتج ہو رہے ہیں، انہوں نے حکومت پاکستان کی افغان جہاد کے بارے میں تبدیل ہونے والی پالیسی پر شدید نقطہ چینی کی اور اسے اسلام، شہدائے جہاد اور ملت اسلامیہ کے ساتھ غداری قرار دیا، انہوں نے کہا کہ اگر خدانخواستہ پڑوس میں ہمیں مضبوط اور مستحکم اسلامی افغانستان نہ مل سکا تو پاکستان کی سالمیت کی بھی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ آج پوری دنیا دیکھ رہی ہے کہ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی فکر سلیم، سیاسی بصیرت اور دوررس نگاہوں نے جن خطرات سے حکمرانوں کو آگاہ کیا تھا آج وہ پیش گوئیاں من وعن صحیح ثابت ہو رہی ہیں۔

طالبان میدانِ عمل میں اور عادلانہ نظام کا نفاذ

جب افغانستان سے روس کے انخلاء کے بعد مجاہدین تنظیموں کو باہم دست وگریبان کر کے افغانوں کا ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل عام کرایا گیا، اللہ نے شہداء جہادِ افغانستان کے خون کی لاج رکھتے ہوئے طالبان کی صورت میں ایک گروہ کو قیام امن کا داعی اور باعث رحمت بنا کر بھیجا، طالبان تحریک ایک مستقل موضوع ہے۔ جب ان مجاہدین کی پوری تاریخ مرتب ہوگی تو ۸۰ فیصد کا تعلق اور رشتہ تلمذ حضرت مولانا عبدالحقؒ اور حضرت مولانا سمیع الحق سے ثابت ہوگا۔ طالبان آئے تو ظلم وستم کی چکی میں پسی ہوئی قوم نے بغیر کسی مزاحمت کے انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھ کر شہروں کے دروازے کھول دیئے اور لوگوں کے تعاون سے یہ درویش آہستہ آہستہ پورے افغانستان پر فتح مند ہوگئے اور نفاذ اسلام کا پرچم لہرادیا۔ انہوں نے ایسا مثالی امن قائم کیا جس کا تصور بھی موجودہ دور میں ناممکن تھا۔

قرون اولیٰ کے دور کی یادیں تازہ ہوئیں طالبان نے اسلام کے عادلانہ نظام کا عملی نفاذ کر کے پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ اس گئے گزرے دور میں بھی مثالی اسلامی حکومت قائم کی جاسکتی ہے، جس وقت طالبان کا نام لینا سیاسی خودکشی کے مترادف تھا۔ حضرت مولانا سمیع الحق نے طالبان کے لئے جامعہ حقانیہ کے دروازے کھول دیئے اور پورا جامعہ ان کے مشن، موقف اور کردار کی ترجمانی کیلئے وقف کردیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق نے طالبان کے موقف کی کھلے عام ترجمانی کی اور بیانگ دہل مجاہدین لیڈروں بشمول اسامہ بن لادن کے ساتھ اپنے روابط کا اظہار و اعتراف کیا۔ امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کو جامعہ حقانیہ کی طرف سے اعزازی ڈگری دی امریکہ اور اس کے گماشتوں کو برسرعام للکارا۔ فتویٰ جہاد کی ڈنکے کی چوٹ پر حمایت کی۔ ان لوگوں کے فتویٰ جہاد کو پوری قوم کی ترجمانی قرار دیا۔ اس سلسلے میں کوئی لالچ کوئی جبر و استبداد اور کوئی ہتھکنڈا انہیں اپنے موقف سے نہیں ہٹا سکا۔

تحریکِ طالبان کی حمایت ودفاع

افغانستان میں تحریک طالبان کے قائدین اور مرکزی رہنماؤں کی اول روز سے ہی یہ کوشش تھی اور بھرپور خواہش و اصرار تھا کہ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اپنے تلامذہ، جامعہ حقانیہ کے فضلاء، مخلصین طلباء اور تحریک طالبان کے زعماء کی حوصلہ افزائی کے لئے افغانستان کا دورکریں اور بچشم خود تحریک کی پیش رفت، قیام امن کے مناظر اور نظام اسلامی کی برکات وثمرات کا مشاہدہ کریں، مولانا

مدظلہ طالبان کی جہادی و انتظامی امور میں ہمہ وقتی مصروفیات اور اپنے دورہ سے ان کے کام اور نظام میں خلل اندازی کا احساس کرتے ہوئے اس دورہ کیلئے وقت نکالنے پر تیار نہیں ہورہے تھے مگر جب بین الاقوامی سطح پر مغربی طاقتوں ، دین دشمن قوتوں اور مغربی لابی کے گماشتوں نے طالبان مخالفت اور اسلام دشمنی میں اپنی خصوصی مہم شروع کی تو مولانا نے ان حالات میں اصل حقائق پوری دنیا پر واضح کرنے اور مغربی اسلام دشمن پروپیگنڈہ کا توڑ کرنے کے لئے دوراستوں کا انتخاب کیا۔

پاکستان کے ایوان بالا سینٹ میں اسلام کی عظمت وسربلندی کیلئے آواز اٹھانے کے ساتھ ساتھ اخبارات ورسائل اور میڈیا کے ذریعے طالبان کے نافذ کردہ اسلام اور امن وامان کی مثالی کارکردگی کی حمایت کرنے میں الحمدللہ مولانا نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اس میدان میں تاریخی کردارادا کیا۔

مولانا سمیع الحق کا دورۂ افغانستان ،تاریخی استقبال

مولانا سمیع الحق مدظلہ فوری طور پر دورہ افغانستان کے لئے کمربستہ ہوئے اس میں تحریک طالبان کے سرکردہ قائدین کی دیرینہ خواہش اور تمنا کی تکمیل اور عالمی سطح پر اسلام اور طالبان کے خلاف جاری غلط پروپیگنڈہ کا توڑ اور اصل حقائق آشکارا کرنے جیسے عظیم مقاصد کارفرما تھے۔

۱۸راگست کو مولانا سمیع الحق مدظلہ اپنے رفقاء کے ہمراہ اسلام آباد سے کوئٹہ پہنچے۔ ائیرپورٹ پر سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین میر عبدالجبار، علماء ومشائخ اور بہت بڑی تعداد میں عوامی نمائندوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا، جماعتی رہنماؤں سے ملاقات وی آئی پی لاؤنج میں ہوئی افغانستان کے کوئٹہ دفتر میں طالبان حکومت کے نمائندوں نے مولانا سے ملاقات کی ۔اس دورہ کا سن کر چاروں صوبوں سے علماء اور وفود کوئٹہ پہنچنے لگے اگرچہ اس دورہ کو عام معمول کا سفر قرار دینے پر زور دیا گیا تھا، تاہم خبر ملتے ہی وفود آنے لگے اور کوئٹہ میں مختلف مقامات پر انہیں ٹھہرانے کا اہتمام کیا گیا۔طالبان تحریک کے حوالے سے احقر بھی حضرت الاستاذ کی معیت میں شریک سفر رہا۔طالبان دور حکومت میں یہ احقر کا پہلا سفر تھا۔

طالبان قیادت کی مسرت ،مولانا سمیع الحق کا استقبال اور تاریخی خطاب

مولانا سمیع الحق مدظلہ کی قیادت اور افغان رہنماؤں کی معیت میں دسیوں گاڑیوں پر مشتمل یہ قافلہ کوئٹہ سے چمن کے لئے روانہ ہوا۔ چمن کے علماء و مشائخ ،طلبا ومعززین شہر، مذہبی و سیاسی

جماعتوں کے کارکنوں اور اہم شخصیات نے شاندار استقبال کیا۔ اس موقع پر مولانا سمیع الحق مدظلہ، نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ افغانستان کے سفر کی وجہ سے زیادہ دیر رُکنے سے معذرت کرتے ہوئے آئندہ تفصیلی دورہ چمن کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اس موقع پر اہل چمن، عامۃ المسلمین اور طالبان افغانستان کے لئے خصوصی دعا کی گئی اور قافلہ سوئے منزل رواں ہوا۔

افغانستان کے سرحدی علاقہ سپین بولدک میں طالبان کی قیادت، اعلیٰ حکام، حکومتی عہدیداروں اور علماء ومشائخ نے شاندار اور والہانہ استقبال کیا۔ قافلہ نماز مغرب سے قدرے قبل قندہار شہر میں داخل ہوا، سرکاری مہمان خانے میں لیجایا گیا۔ والی قندہار اور دیگر قائدین نے ملاقاتیں کیں۔

طالبان زعماء سے مولانا سمیع الحق کا خطاب

تحریک طالبان کی سپریم قیادت نے ۲۱/اگست کو مولانا سمیع الحق مدظلہ، اور انکے وفد کے لئے ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں طالبان کے امیر المومنین ملا محمد عمر مدظلہ، مرکزی قائدین و رہنماء، صوبوں کے گورنر، مجلس شوریٰ کے سپیکر اور دیگر سرگرم رہنماء موجود تھے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا سمیع الحق کو دعوتِ خطاب دیا گیا اور مولانا نے جامع اور اثر انگیز خطاب کے بعد امیر المومنین ملا عمر مجاہد نے مختصر مگر جامع خطاب فرمایا اس خطاب کے دوران مجھے پشتو سے اردو میں ترجمانی کا شرف حاصل ہوا۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی اور صیہونی شازشیں طشت ازبام ہوگئیں

طالبان حکومت کی کامیابی اور استحکام سے یہودی صیہونیت، سوشلزم، کمیونزم، ہندو ازم اور تمام اسلام دشمن اقوام کی نیندیں اڑ گئیں اور دنیا کے نقشے سے اسلامی حکومت کو مٹانے کیلئے سازشیں شروع ہوئیں ۔ اس کاروائی میں امریکہ پیش پیش رہا، بالآخر ۱۱/۹ کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کا الزام اسامہ بن لادن پر لگاتے ہوئے اسے جواز بنا کر مملکت اسلامیہ افغانستان پر ایک بار پھر آگ اور بارود برسایا جانے لگا، امریکہ کے اس ظلم اور بربریت کا کوئی جواز نہیں تھا مگر طاقتور کو کمزور پر ظلم کرنے کے لئے کسی جواز کی ضرورت نہیں ہوتی، پوری دنیا میں کسی بھی اسلامی وغیر اسلامی ملک، کسی بھی انسانی حقوق کی تنظیم اور اقوام متحدہ سمیت کسی بھی امن وانصاف کے علمبردار نے آواز اٹھانے کی جرات نہیں کی۔

صیہونی دہشت گردی کے علمبردار میڈیا کی یلغار

اللہ نے یہ اعزاز حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کو عطاء فرمایا کہ انہوں نے اس موقع پر جب مغربی میڈیا کے نمائندوں کی جامعہ حقانیہ پر گویا یلغار تھی اور جامعہ حقانیہ کے معزز اراکین کا اصرار تھا کہ اس سلسلہ میں مغربی میڈیا سے کوئی مکالمہ نہ ہو۔ کوئی انٹرویو نہ ہو اور خود کو ان کے مستقبل کے مذموم عزائم کا ہدف بنانے سے احتراز کیا جائے یا پھر مختصر اور ''ڈپلومیسی'' پر مبنی جوابات سے کام لیا جائے کہ حالات کا یہی تقاضا ہے مگر حضرت مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ حقائق حقائق ہیں اور پھر انہوں نے پوری جرأت و بہادری سے مغربی میڈیا سے بات کی۔ کئی انٹرویوز کی ریکارڈنگ بھی ہوئی لیکن باقاعدہ کوئی اہتمام نہیں تھا۔ جب مغربی میڈیا نے اس حوالے سے حقائق کو مسخ کرنا شروع کر دیا تو پھر مولانا کے انٹرویوز کی ریکارڈنگ پر توجہ دی جانے لگی لیکن انہیں نقل کر کے باقاعدہ کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کا کوئی خیال نہیں تھا لیکن مشیت ایزدی سے حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے بعض انٹرویوز کو مرتب کر لیا گیا۔

جہاد لازم ہو گیا ہے

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا سمیع الحق نے فرمایا: ''موجودہ تشویشناک صورتحال میں دنیا کے سارے مسلمان امریکہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور امریکہ نے جس انداز میں حملہ کیا ہے تو اس کی مخالفت اور اس کے خلاف احتجاج صرف اسامہ کی بات نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کے دل کی یہی آواز ہے اور عالمِ اسلام میں ہر جگہ منبر و محراب سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ مسلمانوں کو اٹھ کھڑا ہونا چاہیے، اور دنیا بھر کے مفتیوں نے فتویٰ دیا ہے کہ جہاد لازم ہو گیا ہے۔ خود صدر بش نے اس کو کفر و اسلام کی جنگ قرار دیا ہے۔ اگر کل اسامہ نے کہا ہے کہ یہ صلیبی جنگ ہے تو اس سے پہلے بُش کہہ چکا ہے، پھر وہ تردید کرتا رہا لیکن دل کی جو بات تھی وہ اس کے منہ سے نکل گئی ہے اور یہ ہے بھی ان کی پلاننگ پورے عالم اسلام کے خلاف، صرف افغانستان ٹارگٹ نہیں ہے۔''

ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا: ''پوری دنیا میں آپ مجھے کوئی ایک مسلم ملک بتا دیجئے! کہ کسی غیر مسلم ملک میں داخل ہوا ہو اور وہاں گڑ بڑ پیدا کی ہو اور مداخلت کی ہو تو ہم اسے ٹیرر ازم کہیں گے، چیچنیا والے، بوسنیا والے اور کشمیر والے، سب اپنے ہی لئے لڑ رہے ہیں، اسی طرح فلسطین اور افغانستان کو لیجئے! وہ اپنے ملک کو بچانا اور سنوارنا چاہتے ہیں لیکن نہ صرف اب بلکہ سو سال قبل کی

ہسٹری میں بھی آپ ہمیں کوئی ایک واقعہ نہیں بتا سکتے ہیں کہ کسی مسلم ملک نے ایک انچ کا تجاوز غیر مسلم ملک میں کیا ہو یا جھگڑا شروع کرر کھا ہو اور آپ نے ہم مسلمانوں کو دو سو سال تک غلام رکھا، کہیں پر برٹش آتے، تو کہیں امریکہ، کہیں پر فرانس، کہیں پر ڈچ، ہم تو دو سو سال تک آپ کے غلام رہے کیا ہم نے پچھلے ایک سو سال میں کہیں پر مداخلت کی ہے؟ اسامہ کہتا ہے کہ آج امریکہ میرا ملک چھوڑ دے اور فلسطین میں مداخلت چھوڑ دے تو میرا کوئی اختلاف امریکہ کے ساتھ نہیں ہے''۔

اسامہ بن لادن اسلام کے ہیرو ہیں

مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ ''اسامہ ہیرو اس لئے ہے کہ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ مسلمانوں پر جب ظلم ہوتا ہے تو آرام و راحت ترک کردو گے۔ ایک شخص جوانی میں محلات، بادشاہی، بیگمات، اولاد اور دنیا بھر کے تعیّشات قربان کردے ۱۸۔۱۹ سال کی عمر میں یہ آیا ہے، تمام آرام و راحت کو چھوڑ دیا اور صحراؤں و جنگلوں میں بسیرا کیا اور آج بھی اپنے موقف پر مضبوطی سے ڈٹا ہوا ہے سعوی بادشاہ اسے کہتا ہے کہ میرے ساتھ ایک فیصد بھی مصالحت کرلو تو پھر کچھ بھی تمہارے خلاف نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے اس کے اثاثے منجمد کردیئے تھے، شہریت بھی ختم ہوگئی تھی، اولاد اور خاندان وغیرہ بھی سب بکھرے ہوئے ہیں، ایک مسلسل تاریخ ہے، قومی مفاد اور اسلامی جدوجہد کے لئے اس وقت تمام کفری طاقتیں یکجا ہوئی ہیں لیکن پھر بھی اس میں لچک نہیں آتی ہے، ورنہ تمام راحتیں اسے ایک لمحہ میں دوبارہ مل سکتی ہیں، ہیرو تو وہی ہوتا ہے کہ جو ملک و ملت اور اسلام کے لئے سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہو اور اس نے یہ سب کچھ عملاً دنیا کے سامنے ۲۰۔۲۵ سال میں پیش کردیا ہے۔ اور اپنی اولاد کے لئے بھی وہ تکالیف کی زندگی پسند کرتا ہے، خود اس نے مجھے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ ''میرے بھائی آئے اور مجھے سمجھایا کہ یہ تمہاری کیسی زندگی ہے؟ غاروں میں پڑے ہوا اپنے آپ کو تباہ و برباد کردیا ہے۔ تمہارے ساتھ ہمارا کوئی سروکار نہیں لیکن ان بھتیجوں کی فکر ہے کم از کم ان کے لئے کچھ محلات وغیرہ تو بنالیں۔ سمندری جزیرے میں ان کے لئے آسائش کا انتظام کرلیں، یہ بھی کیا تمہاری طرح ساری عمر اسی طرح بھٹکتے پھریں گے تو میں (اسامہ) نے کہا کہ ان سے خود پوچھ لیجئے! میں اپنے دل میں رونے لگا کہ یا اللہ! میرا پردہ رکھئے گا، میرے بیٹوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے انکار کیا کہ ہمیں یہ آرائش و آرام و راحت نہیں چاہئے اگر ہم اسے دیکھ لیں گے تو ہم جہاد نہ کرسکیں گے۔ میں ایک دم چیخا اور اللہ اکبر کہہ کر رب کا شکر ادا کیا کہ مجھے امتحان میں کامیاب کیا کہ میرے بچے بھی ایسے ہی ہیں''۔

جاپانی صحافی کو مولانا سمیع الحقؒ کی اسلام کی دعوت

ایک جاپانی صحافی نے سوال کیا ہمیں امریکہ کی حکومت سے بہت خوف آتا ہے تو حضرت مولانا نے فرمایا: ''جناب ایمان لے آؤ، نہیں ڈرو گے۔ میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اللہ کی ذات پر ایمان لے آؤ سارا خوف دور ہوجائے گا۔ دیکھو ہم نہیں ڈرتے باطل کے سامنے ہم ڈٹ کر کھڑے ہوجاتے ہیں آپ کے سامنے طالبان کی مثال زندہ جاوید ہے۔''

صدر صاحب! اُمت مسلمہ کی بیس سالہ قربانی کو تباہ کردیا ہے

موجودہ ملکی صورتحال میں بہت سے قومی لیڈروں اور سیاست دانوں نے مشرف حکومت کی تائید کی مگر حضرت مولانا سمیع الحق نے ۱۶ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو صدر مشرف کی جانب سے بلائی گئی ایک میٹنگ میں صدر کو دوٹوک اور واضح الفاظ میں کہا: ''صدر صاحب! پاکستان اور امت مسلمہ کی بیس سالہ قربانی کو آپ نے تباہ کردیا ہے۔'' جب متحدہ مجلس عمل کے مرکزی زعماء نے صدر سے ملاقات کی اور محضر نامہ پیش کیا تو اس وقت بھی حضرت مولانا سمیع الحق نے کہا ''صدر صاحب آپ کی جارحانہ پالیسیوں سے ہمارا دل زخمی ہے اور میرا دل آپ کو دیکھنا نہیں چاہتا۔،، صدر نے جھنجلا کر کہا ''میں بھی آپ کو دیکھنا نہیں چاہتا'' اس موقع پر مولانا نورانی مرحوم، قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمان بھی موجود تھے۔ مولانا سمیع الحق نے صدر سے کہا آپ اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کریں، ایک اور موقع پر فرمایا، کسی ملک کے جرنیل کو جبراً مسلط ہوکر بیٹھنے کا حق نہیں ہوتا، قوم ایک جرنیل پر بڑا پیسہ خرچ کرتی ہے تاکہ وہ ملکی آزادی اور سالمیت کا تحفظ کرے نہ کہ ملک کو چاندی کی پلیٹ میں رکھ کر دشمن ملک کے حوالے کردے۔

مولانا سمیع الحق کا ہدف ''غلبۂ حق اور نفاذِ شریعت ہے''

حضرت مولانا سمیع الحق اگرچہ آج بھی میدان سیاست کے خارزار میں پامردی سے کھڑے ہوئے ہیں تاہم آج بھی ان کا اولین و آخرین ہدف صرف اور صرف غلبہء حق اور نفاذ شریعت ہے۔ موصوف کے تخیلّات کی دنیا، تمناؤں کا مرکز، تمام تر مساعی کا ہدف، خالص اسلامی طرزِ سیاست کا فروغ اور نفاذ شریعت کی جدوجہد کا میدان ہے۔ یہی ان کی زبان و ادب، یہی ان کا جلسہ وجلوس، یہی ان کا منشور و پیغام یہی ان کا پارلیمانی کردار اور سرمایہ حیات ہے۔ خداوند کریم سے دست بہ دعا ہوں کہ اللہ کریم استاذ مکرم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کو صحت وسلامتی کے ساتھ سرفراز اور سرخرو رکھے اور وہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرسکیں۔

مولانا ابوالمعز

امیر المؤمنین ملامحمد عمر مجاہدؒ کی وفات اور ان کی خدمات

مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور مولانا سید شیر علی شاہؒ اور دیگر مشائخ حقانیہ کا نومنتخب امیر ملا اختر منصورؒ کی حمایت کا اعلان

امیر المؤمنین ملامحمد عمر کے سانحۂ ارتحال کی خبر

تحریک طالبان کے سابق امیر ملامحمد عمر مجاہد کی رحلت کے خبروں کے ساتھ ہی ان کے نائب اور نئے امیر ملا منصور اختر کی ان کی جگہ پر تقرر کا اعلان طالبان سپریم کونسل کی طرف سے پریس اور میڈیا کی زینت بنا، تاہم اس کے ساتھ ہی یہ چہ میگوئیاں بھی شروع ہوئیں کہ نئے امیر کے بارے میں رہبری شوریٰ (سپریم کونسل) میں اختلافات ہیں۔کونسل کا ایک حصہ انہیں تاحال امیر ماننے پر آمادہ نہیں۔سابق امیر امیر المومنین ملامحمد عمرؒ کی رحلت کی خبر اس وقت سامنے آئی جب احقر مولانا سمیع الحق صاحب کے ہمراہ سفر سوات (بحرین) میں تھا۔اس خبر نے حضرت عم مکرم پر بڑا سخت اثر ڈالا وہ نڈھال ہو کر ایک کمرے میں سکتہ کی کیفیت میں پڑے تھے۔ پوری دنیا کے دردمند مسلمانوں کی طرح مولانا صاحب کی بھی ملاعمر سے بڑی توقعات وابستہ تھیں کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کی سربراہی میں امریکی جیسی خونخوار قوت سے نجات دلائے گا اور افغانستان میں حقیقی اسلامی نظام کا جھنڈا بلند ہوگا اور پھر اس کے اثرات پورے عالم پر محیط ہوں گے۔افغانستان سے نیٹو افواج کی واپسی امریکی شکست پر مہر تھی۔

مغرب کی چال

اتوار کے روز بحرین سے واپسی کے دوران نوائے وقت اور دی نیشن کے بعض صحافیوں نے مولانا صاحب سے فون پر طالبان کے نئے امیر پر اختلاف رائے سے متعلق سوالات کئے جس پر انہوں نے میرے ذریعے جواب دیتے ہوئے کوئی رائے دینے سے انکار کر دیا۔بعد میں مجھے فرمایا کہ یہ بھی مغرب کی چال ہے کہ کسی طرح ان میں پھوٹ اور رخنہ ڈال کر کمزور بنایا جائے۔رات گئے سوا

بارہ بجے ہم اکوڑہ خٹک پہنچے اگلی صبح پیر کے دن دارالعلوم کے انتظامی امور میں مولانا صاحب مصروف رہے اسی دوران طالبان کے اس دھڑے کا ایک نمائندہ جو نئے امیر پر متفق نہ تھا، آیااور اپنے ساتھیوں کے متعلق کہا کہ ایک درجن سے زیادہ لوگوں کواس فیصلے پر تردّد ہے۔اس سے اگلے روز منگل کے روز دفتر اہتمام میں نئے امیر کے حامی رہبری شوریٰ کے رکن حافظ محبّ اللہ مولانا صاحب سے ملنے تشریف لائے جنہوں نے مولانا کے سامنے ساری صورت حال رکھتے ہوئے کہا کہ ارباب حل و عقد کا جم غفیر بجز چند ایک کو نکال کر ملا اختر منصور کی امارت پر متفق ہیں۔مولانا صاحب نے گزشتہ روز کے نمائندہ کے بارے میں بتلاتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ حالات میں امریکہ اور مغرب طالبان میں پھوٹ ڈالنے کے مواقع ڈھونڈ رہا ہے۔بہتر یہی ہوگا کہ اس سلسلے میں کچھ علماء ثالث بن کر دوسرے مخالف دھڑے کو آمادہ کریں ورنہ خدا نہ کرے ہم منزل سے دور ہو کر ملا عمرؒ کی روح کو مضطرب کر دیں گے۔اس موقع پر آپ نہایت درد میں ڈوبے نظر آرہے تھے۔

مولانا شیر علی شاہؒ سے مذاکرہ

چونکہ اگلے روز دارالعلوم کے اسباق کی افتتاحی تقریب تھی لہٰذا انہوں نے مجھے کہا کہ مولانا شیر علی شاہ کی شرکت اس تقریب میں یقینی بنانے کیلئے آج مغرب کے بعد ان کے پاس جائیں گے۔ادھر طالبان رہنماؤں سے بھی رات ملنے کا طے تھا مولانا کا وہاں جانے کا انکو علم ہوا تو وہ بھی ان سے ملنے آئے۔جس پر طالبان رہنماؤں نے بھی ان سے ملاقات اور یہ ساری صورت حال شیئر کرنے کا کہا مغرب کی نماز کے بعد احقر مولانا سمیع الحق کے ہمراہ روانہ ہوا۔ ہمارے ساتھ مولانا راشد الحق اورحقانی گروپ کے مولانا عنایت اللہ بھی گاڑی میں سوار ہوئے۔راستے میں طالبان نمائندگی کے ذمہ دار مولانا عبدالقدیر اور حافظ محبّ اللہ بھی دوسری گاڑی میں ساتھ ہو چلے۔حضرت مولانا شیر علی شاہ کے ہاں پہنچے تو ان کے داماد مولوی ضیاء الرحمان نے ان کو اطلاع دینے کے بعد کہا کہ شیخ صاحب خود مسجد تشریف لا رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یہ باتیں کھلم کھلا عام مجلس میں کرنا بہتر نہیں گھر کے کسی کمرے میں بیٹھنا چاہیے۔مولانا سمیع الحق اور دیگر ساتھیوں نے اسکی تائید کی۔پھر معلوم ہوا کہ گھر میں اضیاف کی کثرت کی وجہ سے یہ ممکن نہیں۔اس پر احقر نے مسجد کے اندرونی حال میں بیٹھنے کا عرض کیا جہاں اور کسی کو اندر آنے پر پابندی لگا دی گئی۔اس مجلس میں تھوڑی دیر بعد مولانا جلال الدین حقانی کے بھائی خلیل الرحمٰن حقانی، مولانا فیض اللہ، مولانا حفیظ اللہ، مولانا احمد اللہ، مولوی فیض اللہ بھی پہنچ گئے۔

مولانا شیر علی شاہؒ کو افتتاحی تقریب میں شرکت کی دعوت وترغیب

مولانا سمیع الحق نے شیخ شیر علی شاہ صاحب کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کل کے افتتاحی تقریب میں آپ کی شرکت لازمی ہے اور فرمایا کہ جب آپ وہاں آئیں گے تو نئے طلباء کو تعلیمی سال کے آغاز میں آپ کی موجودگی سے اطمینان ہوگا اور آپ کو روحانی تقویت ملے گی۔ شیخ صاحب نے اس پر فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ پر قربان جاؤں وہ فرماتے ہیں کہ رائے مبتلیٰ بہ کو اعتبار ہے میں اس وقت بھی سخت تکلیف کے ساتھ آپ کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ ورنہ میری تمنا تو یہی ہے کہ درس حدیث دیتے ہوئے جان جانِ افریں کے سپرد کروں۔ مولانا صاحب نے پھر کہا کہ آدھ گھنٹہ کیلئے کیوں نہ ہو کل آنا ضروری ہے۔ بعد میں اسباق کے حوالے سے سوچا جائیگا۔ میں نے اس سلسلے میں مولانا صاحب کو پہلے مشورہ دیا تھا کہ سکائی پی اور یا آئی ایم او سے شیخ صاحب کے درس کا انتظام کر دیں گے جس سے انہیں آنے جانے کی زحمت سے نجات مل جائیگی۔ اس موقع پر بھی میں نے اس منصوبے کا ذکر کیا۔

شوریٰ رہبری (سپریم کونسل) کا فیصلہ

اس کے بعد طالبان امیر کے بارے میں موجودہ صورت حال مولانا سمیع الحق نے شیخ شیر علی شاہ صاحب کو سنائی، شیخ صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو جنرل حمید گل کے پوچھنے پر کہ آپ کی (مولانا شیر علی شاہ صاحب) رائے کیا ہے؟ کچھ دن پہلے ایک خبر جاری کی ہے، جسے انہوں نے منگوا کر حاضرین کے سامنے مجھے تھما کر سنانے کا حکم دیا۔ مولانا عبدالکبیر اور مولانا احمد اللہ نے اس مجلس کے دوران کہا کہ تمام شرعی قواعد کو ملحوظ رکھ کر نئے امیر کا انتخاب کیا گیا ہے۔ شوریٰ رہبری کی اکثریت اس پر متفق ہے۔ ارباب حل وعقد نے کئی دنوں تک رات کے دو دو بجے تک اس پر مباحثہ کیا۔ اسی طرح ملا عمرؒ کی رحلت کی اطلاع کے بعد جو افراد وہاں موجود تھے۔ شیخ عبدالحکیم، مولانا عبدالسلام، جناب ذاکر صاحب، مولوی ہیبت اللہ صاحب، مولانا امیر خان حقانی، عبدالمنان، مولانا نور محمد ثاقب اور ان کے قاصدین ان لوگوں نے ملا منصور کی بیعت کی۔ حکمت کی بنا پر اس وقت اسے ظاہر نہ کیا گیا، ملا اختر منصور رہبری کمیشن کے فیصلے میں اس وقت خود موجود نہ تھے جب انہوں نے ان پر مکمل طور پر اتفاق کیا۔ بعد میں امیر صاحب نے مولوی ہیبت اللہ کو اور خلیفہ سراج الدین کو اپنا معاون مقرر کیا جبکہ ملا محمد یعقوب فرزند ملا محمد عمر مجاہد کو نظامی کمیشن کا مسؤل اور ان کے بھائی عبدالمنان کو دعوت وارشاد کے شعبے

کا مسؤل ٹھہرایا۔ حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب نے پوچھا کہ کون سے حضرات نئے امیر کے بارے میں متردد ہیں؟ جس پر انہیں بتایا گیا کہ مولانا عبدالجلیل، ملا محمد حسن رحمانی، مولانا مسلم حقانی، عبدالرحمٰن زاہد وغیرہ۔ شیخ صاحب نے اس پر کہا کہ مولانا عبدالجلیل اور رحمانی کو مجھ پر چھوڑ دو وہ ان شاء اللہ میری بات مان جائیں گے۔ اس مجلس میں مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ کل کے حقانیہ کے افتتاحی تقریب میں ہم صرف امیر المومنین کے لیے ایصال ثواب کر دیں گے جبکہ نئے امیر کی تائید و توثیق کا اعلان فی الحال نہیں کریں گے تاکہ ہمیں انہیں منانے میں آسانی ہو۔ اگرچہ ان کی امارت ہمارے نزدیک مسلّم اور برحق ہے تاہم اس طرح خدا نہ کرے مخالف گروہ طالبان سے مزید دور نہ ہو جائے۔ فریق ثانی کو ملانے کیلئے ثالثی کا کردار میں اور مولانا شیر علی شاہ ہی نبھا سکتے ہیں۔

نومنتخب امیر کی حمایت کا فیصلہ

شیخ صاحب نے بھی اس کی تائید و توثیق کی تاہم پھر کچھ دلائل کے ساتھ مولوی عبدالکبیر اور مولانا احمد اللہ اور مولانا حفیظ اللہ نے کہا کہ کل حقانیہ میں اگر نئے امیر کی تائید فوری نہ ہو تو یہ مناسب نہیں ہو گا، فتنہ گر فساد پھیلا نہ دیں۔ نئے امیر کے حق میں اعلان آنا چاہیے۔ ہزاروں لوگ ایک ایک مجلس میں بیعت ہوتے جا رہے ہیں۔ جیسے مولانا عبدالغنی کے مدرسہ چمن بلوچستان میں ان کے فرزند مولانا یوسف کے ہاں تقریباً بیس ہزار افراد نے اسی طرح گزشتہ دنوں زرگری میں مولانا عبدالستار مرحوم کے جنازہ کے موقع پر اندازاً ساٹھ ہزار افراد بیعت ہوئے۔ جس پر مولانا شیر علی شاہ صاحب اور مولانا سمیع الحق صاحب کو شرح صدر ہو گیا، پہلے حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب نے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ مولانا آپ کو اپنی اور حقانیہ کی آواز کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ یہاں سے ملا منصور کی تائید ہو گی تو مخالفین جو چند ایک ہیں وہ بھی جلد ہی آمادہ ہو جائیں گے۔ اسی دوران ایک صاحب نے موبائل پر مولانا نور محمد ثاقب حقانی کو آپ سے ملایا جو اس مجلس میں بیماری اور سخت تھکان کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا ان کے ساتھ گفتگو کے دوران مولانا سمیع الحق صاحب نے کہا کہ کل نئے امیر کے بارے میں تائید ان شاء اللہ حقانیہ سے پوری زور و شور سے ہو گی اور اب میرا شرح صدر ہو گیا ہے۔ مولانا خلیل حقانی نے اس پر خوش ہو کر نعرہ تکبیر لگایا اس گفتگو کے دوران پونے دو گھنٹہ صرف ہوئے مسجد میں عمومی با جماعت نماز بیرون صحن ادا کی جا چکی تھی۔ ساڑھے دس بجے ہم سب نے جماعت ثانیہ سے نماز ادا کی۔

نومنتخب امیر کی حمایت میں مولانا سمیع الحق کا مدلل خطاب

دوسرے روز جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں جامعہ کے اکابر اساتذہ و مشائخ سمیت طالبان کے رہبری شوریٰ کے اکثر ارکان، قائدین اور زعماء کی موجودگی میں شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق نے افتتاحِ بخاری کی تقریب میں صحیح بخاری کے درس کا آغاز کرتے ہوئے امیر کے تقرر کی تائید وتصویب کی اور ان کی بھرپور حمایت کا اعلان کرتے ہوئے تفصیلی خطاب فرمایا

مولانا جلال الدین حقانی کا تذکرہ

مولانا جلال الدین حقانی اگر جہاد میں بھرپور ساتھ نہ دیتے تو آج تک وہاں روس کا تسلط قائم رہتا۔مولانا جلال الدین حقانی بھی مدرسہ حقانیہ کے فاضل اور شیخ الحدیث کے معتمد ترین شاگرد ہیں حتیٰ کہ شیخ الحدیث کی امامت بھی کرتے تھے۔اتنا قرب تھا کہ پھر یہاں مدرسہ میں مدرس تقرر کیا، محبوب ترین اور مخلص ترین شاگردوں میں سے تھے یہاں وہ معقولات کی کتابیں پڑھاتے تھے جب روس نے افغانستان پر تسلط قائم کیا تو شیخ الحدیث نے ان سے کہا اب سبق چھوڑ دو، جاؤ افغانستان میں جہاد کرو اب جہاد کا وقت ہے، کچھ وسائل بھی نہیں تھے بے سروسامانی کے عالم میں لڑے، ایک مرتبہ جلال الدین حقانی یہاں دارالعلوم میں دورانِ بیان رو رہے تھے کہ میں نے یہ جہاد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی برکت سے سیکھا اور ان کی ایماء پر ہم نے جہاد کا آغاز کیا تھا اور شیخ الحدیث رو رہے تھے کہ مجھے کیا پتہ کہ میرے شاگرد پڑھنے پڑھانے کے ساتھ ساتھ عملی جہاد میں بھی شریک ہوں گے۔میں تو بس یہی سمجھ رہا تھا کہ طلبہ صرف پڑھتے ہیں پھر پڑھائینگے لیکن اللہ کو منظور تھا کہ طالب علم کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے تو دوسری میں قلم وکتاب، سٹینگر میزائل یہ بھی طلبہ چلاتے تھے اور اللہ اکبر اور ایمان کے جذبہ سے سرشار ہو کر روس کو شکست دی۔ بوتل میں تیزاب ڈال کر روسی ٹینک کے اندر پھینک دیتے اور زبردست دھماکہ ہو جاتا اور روسی ٹینک ایک بوتل پھٹ جانے سے تباہ ہو جاتے کبھی کبھار بڑے بڑے کانوائے ناکارہ کردیئے جاتے ۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ عصر کے وقت اپنی مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے تو مجاہدین بشمول مولانا جلال الدین حقانی آکر ان سے شکایت کرتے کہ ہم تو لڑتے ہیں لیکن اسلحہ نہیں ہے، گولی نہیں، بندوق نہیں تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ ان کو فرماتے تھے کہ آپ لوگوں نے بخاری کی وہ حدیث نہیں پڑھی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلتے تو وشاھت الوجوہ کہہ کر پھینک دیتے تو سارے کفار اندھے ہو جاتے ،کچھ عرصہ بعد پھر مولانا جلال الدین حقانی تشریف لائے تو کہنے لگے کہ ایک کانوائے آرہا تھا ملاکنڈ کی پہاڑوں کی طرح ایک پہاڑ

میں تو ہم اللہ سے دعا مانگتے ہوئے روئے اور وشاهت الوجوه کہہ کر ٹینکوں پر ریت، مٹی اور کنکریاں دے ماریں تو ٹینک تباہ ہوگئے اور ساری کانوائے گر پڑی۔

روس کی طرح امریکہ بھی ذلیل ہوگا

روس ذلیل ہو کر افغانستان سے نکلا پھر امریکہ آیا اور اُس نے بھی وہ کام کر دیا جو روسی کر رہے تھے اور اپنا تسلط قائم کیا، ان شاء اللہ وہ بھی ذلیل ہوگا تو اس وقت کے حکمرانوں کو تو چھوڑ دو اپنے جہادی لیڈروں کو بھی اللہ نے ذلیل کر دیا۔ ڈاکٹروں اور انجینئروں نے اپنی جہادی قربانی پر پانی پھیر دیا تو اپنی عاقبت اور انجام کو خراب کر دیا پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس طلبہ نے امیر المومنین کی شکل میں آ کر میدان جہاد کو سنبھالا۔ ملا عمر پر اللہ رحم کرے، میرے نزدیک وہ خالد بن ولیدؓ، صلاح الدین ایوبیؒ، محمود غزنویؒ، سید احمد شہیدؒ، سلطان ٹیپوؒ کے درجوں پر فائز ہیں اور اسی مقام کے حامل ہیں۔ جلال الدین حقانی بھی میرے نزدیک اس مرتبے پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اللہ انہیں سلامت رکھے۔

امیر المؤمنین سے ملاقات

ایک مرتبہ ہم پاکستان کے بڑے مشائخ اور سرکردہ صحافیوں سمیت درجنوں افراد پر مشتمل ایک وفد کی صورت میں قندھار میں اُن سے ملاقات کرنے گئے (اللہ ان کو درجارت بلند عطا فرمائے) تو وہ صبح سویرے خود آئے۔ مولانا انوار الحق، مولانا عبدالقیوم حقانی، مولانا راشد الحق اور مولانا حامد الحق یہ سب ہمارے ساتھ موجود تھے۔ کسی منتظم نے آ کر کہا کہ صرف دو تین افراد سے ملاقات کی گنجائش ہے لیکن میں نے کہا کہ نہیں سب نے ملنا ہے تو وہ میرا لحاظ رکھتے ہوئے شفقت فرمائی تو ایک ہی مجلس میں سب سے ملاقات کو تیار ہوئے۔ ہم سب نے تقریریں کیں، مولانا عبدالقیوم حقانی ملا عمر کی اردو میں ترجمانی کرتے تھے۔ اس وقت میری زبان سے نکلا کہ ملا عمر ان حالات میں اللہ کا منتخب شدہ لیڈر ہے۔ تو میری اس بات پر ان صحافیوں نے خصوصاً عرفان صدیقی صاحب نے ازراہ مذاق مجھ سے پوچھا کہ اس کو اللہ نے کیسے منتخب کیا؟ تو میں نے جواب میں کہا کہ اللہ نے اس طرح منتخب کیا ہے کہ انہوں نے جہاد میں زندگی گزار دی لیکن اس کا نام ونشان معلوم نہ تھا اور اس کے برعکس مجددی، ربانی، حکمتیار، سیاف بڑے بڑے لیڈر موجود تھے لیکن وہ افغانستان کو امن کا گہوارہ نہ بنا سکے۔ اس کے برعکس افغانستان میں مزید انارکی اور فساد پھیلا دیا۔ یہ لیڈر سب خس وخشاک ہو گئے لیکن ملا عمر

ایک غار سے نکلا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اچانک امن قائم ہوا بغیر کسی لڑائی جھگڑے، بغیر اسلحہ اُٹھائے اس نے افغانستان کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ وہ جس گاؤں میں اور محلّہ میں گیا لوگوں نے از خود اسلحہ سونپ دیا۔ افغانستان کے مسخر کرنے میں طالبان نے نہ گولی چلائی نہ کسی کو مروایا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے بلکہ یہ امن اس کے نعرے کے تاثیر سے قائم ہوا۔ وہ جہاں بھی گیا سارے لوگ مسخر ہو گئے اور وہ سب کچھ ان پر نچھاور کر دیتے تھے یہ خدائی نعمت ہے کہ لنڈی کوتل کے اُس پار کوئی اپنی بیٹی، اپنے بہن، اپنی بیوی نہیں لے جا سکتے تھے۔ ان ظالموں نے پھاٹک لگائے ہوئے تھے۔ بس سے لڑکیوں کو اتار لیتے تھے ان کے باپ انہیں کہتے کہ ان کے ساتھ نکاح تو کر لو لیکن یہ ظالم کہتے تھے کہ نہیں ہم گناہ پر خوش ہیں۔ لوگوں کی ماں بہن کی عصمت دری سے باز نہیں آتے تھے۔ ملا محمد عمرؒ سے مزید برداشت نہ ہو سکا اور میدان میں کود پڑے۔

مردِ قلندر کا نعرۂ مستانہ

یہ جو کہتے ہیں کہ ملا عمر کے پشت پر امریکہ تھا، پیپلز پارٹی تھی اور حکومت پاکستان تھی، یہ سب جھوٹے ہیں جو جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ ان کی پشت پر کوئی بھی نہ تھا۔ نہ پاکستان، نہ عالم اسلام کی کوئی حکومت۔ یہ ایک مرد قلندر تھا بغیر فوج اور فورس کے اور بغیر تھانہ نظام کے ایک ایسا نظام قائم کیا کہ ان کی ایک ہی آواز پر لوگ لبیک کہتے تھے۔ ۳ یا ۴ حدیں قائم کر دیں اور ایسا امن قائم ہوا کہ لوگ کروڑوں ڈالر لے کر پھرتے تھے کوئی اسے بری نظر سے نہیں دیکھ سکتا تھا، ان طالبان کی حکومت کو کون برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے ایک ہی حکم سے منشیات کا خاتمہ ہو گیا۔ آج تمام یورپ منشیات کی لعنت میں گرفتار ہے۔ اس کی روک تھام کیلئے وہ کروڑوں ڈالر لگا رہے ہیں لیکن بند نہیں کر سکتے، اس کی سمگلنگ ختم نہیں کر سکتے۔ اس کا سرچشمہ اور مرکز افغانستان تھا تمام دنیا کو سپلائی افغانستان سے ہوتی تھی لیکن ملا محمد عمرؒ کی ایک ہی آواز سے وہ سب ختم ہو گیا اور ایک ہی آواز سے شراب کو بھی بند کر دیا۔ پردے کا حکم جاری کیا تو عورتیں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئیں۔ یہ نمونہ طالبان ہی نے قائم کیا۔ ملا عمر کا مقصد عظیم یہ تھا کہ اسلامی نظام اس ملک میں قائم ہو جائے۔ ۳۰ رسال سے لوگوں نے قربانیاں حصول دنیا کے لئے نہیں اللہ کے نظام کے نفاذ کیلئے دی ہیں۔

امریکہ نے طالبان کی مخالفت کیوں کی؟

امریکہ مخالف کیوں ہوا؟ اس وجہ سے نہیں کہ وہ طالبان کی دشمن تھا نہیں بلکہ اس وجہ سے

دشمنی پیدا ہوئی کہ طالبان سچے لوگ ہیں اور اسلام کا نظام نافذ کر رہے ہیں۔ایک ہی اعلان سے امن قائم کیا ہمارے ملک میں کیا حالت ہے۔ہم کروڑوں روپے لگا رہے ہیں لیکن امن قائم نہیں کر سکتے ۔ امن کی بحالی کیلئے ملک کو عذاب میں ڈالا ہوا ہے۔وہ امن کے نام پر بدامنی پھیلا رہے ہیں کیونکہ امن قائم کرنے کے طریقے غلط ہیں اور طالبان نے ایک ہی اعلان سے امن قائم کیا۔یہ اسلام اور خانہ کعبہ کے اثرات ہیں الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (قریش:٤) خانہ کعبہ سے ان کی نسبت پیدا ہوگئی تو امن آیا۔ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا(البقرة:١٢٥) اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ (العنکبوت:٦٧) یہ دہشت گردی اور یہ بم دھماکے وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ ہیں۔تمام دنیا اس میں مبتلا ہے طالبان نے ایسی حکومت قائم کی کہ اس میں امن تھا اسکی شان وشوکت تھی۔

ملا محمد عمر مجاہدؒ نے عملی نمونہ پیش کیا

ملا عمر زمین پر بیٹھتے کوئی اُسے نہ پہچانتا تھا کہ اس میں امیر کون ہے؟ صدر ایوان صدر میں بیٹھا تھا ہمارے کچھ مہمان گئے مولانا احسان اللہ احسان شہید کے میزبانی اور صدارت میں جن میں مولانا فضل الرحیم اشرفی، مولانا انوارالحق اور مولانا زاہد الراشدی اور مولانا عرفان الحق شامل تھے۔ صدر نے روٹی لانے کیلئے آدمی بازار بھیجے لیکن بازار میں روٹی ختم ہوگئی تھی تو صدر نے کہا کہ کل رات والی روٹی نہیں ہے کیا؟ وہ لاؤ اور پانی میں اس کو نرم کر دو تو مہمانوں کی خاطر مدارات اس سے کی۔امیر المومنین نے دنیا کو عملی نمونہ پیش کر کے دیا۔ملا محمد عمر اپنی طبعی موت سے انتقال کر چکے ہیں۔ وہ اللہ کی تلوار تھے۔ خالد بن ولید شہادت کیلئے تڑپتے تھے ساری عمر جہاد میں گزاری، ہر جہاد میں شرکت کر کے قربانیاں پیش کرتے تھے اور شہادت کے لئے روتے تھے۔ ہر میدان جہاد میں آگے آگے تھے سارا جسم زخم زخم اور داغ داغ تھا لیکن شہادت نصیب نہیں ہوئی۔اللہ دکھاتا تھا کہ یہ سیف من سیوف اللہ ہیں تو اللہ نے اپنی تلوار کو کفار کے ہاتھ سے قتل اور شہادت سے بچایا۔

مولانا جلال الدین حقانی کا مقام

مولانا جلال الدین حقانی بھی سیف من سیوف اللہ ہیں، بڑے مقام کے حامل ہیں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ سے عہد کیا تھا کہ میں آپ کی نمائندگی جہاد میں کرتا ہوں تو شیخ الحدیث اسے کہتے تھے کہ آپ میرے جانشین فی الجہاد ہے۔اس نے کیسے حق

ادا کیا گھر کے گیارہ افراد ایک خاتون چار نوجوان جگر گوشے اور اکلوتے بیٹے اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ ڈاکٹر نصیر الدین حقانی کو اسلام آباد میں شہید کر دیا گیا اور اس دن مولانا جلال الدین حقانی کا فیس بک پر ایک میسج چلا تھا کہ میں اللہ کا بہت شاکر و صابر ہوں جس نے میرے ساتھ آکر تعزیت کرنی ہے تو وہ میرے لیے شہادت کی دعا کرے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد ایک ایسی ہستی بھی روئے زمین پر پائی جاتی ہے۔ بہت سی قربانیاں دیئے زخم سہنے سے ٹوٹا پھوٹا بدن، ڈرون حملوں میں اپنوں کی شہادتوں کے باوجود پھر بھی جہاد میں شہادت کی تمنا کرتے ہیں، اللہ ان کی قربانیاں ضائع نہیں کریں گے۔

دشمنوں اور منافقوں کے سازشوں سے بچنے کیلئے فراستِ صحابہؓ کی ضرورت

اب ایسا بڑا چیلنج درپیش ہے نازک حالات ہیں کہ امارت اسلامی کی قوت اور مجاہدین کی صفوف میں اللہ اتفاق و اتحاد قائم و دائم رکھے۔ انتشار کی باتیں بعض لوگ کرتے ہیں اور یہ باتیں ہر دور میں ہوتی رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد بھی کچھ اس طرح کے حالات آئے تھے۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں لوگ اسلام کے حصار کو توڑنے کے درپے تھے لیکن ابو بکر صدیقؓ کی فراست نے حالات کو کنٹرول کر دیا۔ اب بھی عبداللہ ابن ابی کی اولاد مجاہدین کے صفوف میں انتشار کی باتیں پھیلا رہے ہیں۔ تفریق ڈال رہے ہیں۔ ملا صاحب نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح زندگی گزار دی۔ اپنے وفات کے بعد امارت کا مسئلہ شوریٰ پر چھوڑ دیا کسی کو نامزد نہیں کیا۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ میرا یہ بھائی ہے، بیٹا ہے بلکہ سب اختیار شوریٰ کو دیا اور خود بھی شوریٰ کے مشورے پر عمل کرتے تھے تو شوریٰ اس وقت کوشش میں ہے کہ یہ اختلاف ختم ہو جائے اگر یہ اختلاف فوری طور پر ختم نہ کیا جائے تو ہماری ساری جدوجہد اور قربانیاں ضائع ہو جائینگی اور فائدہ امریکہ کو ہوگا اور کفار کامیاب ہوں گے امریکی میڈیا اس کوشش میں ہے کہ اس بات کو ہوا دی جائے۔ اب ایسے حالات میں شوریٰ اتفاق کیلئے کوشش کرتی ہے تاکہ کوئی تفریق نہ ڈالی جائے۔ الحمد للہ سب اہلِ شوریٰ بھرپور ممکن کوشش کرتے ہیں۔

امیر کی اطاعت لازم ہے

ہمارے حقانی صاحب کے برخوردار سراج الدین حقانی (خلیفہ صاحب) اُس نے حفظ جامعہ حقانیہ کے دارالحفظ میں مکمل کیا۔ وہ یہاں سے فارغ ہیں، وہ بھی ان کوششوں میں ہے اور اس کے دوسرے معاونین نے بھی انتظام صحیح طریقے سے کر رکھا ہے اور یہ تمام صوبوں میں جاتے ہیں اور ہر

جگہ لوگ بیعت کرتے ہیں اور شوریٰ کے ساتھی پانچ دن سے رائے لے رہے ہیں۔ ہمارے لیے سب قابل احترام ہیں اور ہم سب کے سامنے جھولی پھیلاتے ہیں جو مخالفین ہیں اس کے سامنے بھی منتیں کرینگے، اس خدشے کی خاطر اس جھگڑے میں نہ پڑو اور یہ جھگڑا چھوڑ دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ آپ پر فلاں حبشی غلام جس کی شکل وشباہت بلی کے بچے کی طرح ہے جب ایسا شخص آپ پر امیر مقرر ہو جائے تب بھی آپ پر اس کی اطاعت لازم ہے۔ اطاعت سے انحراف سارے میدان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ چالیس سال کی قربانی ضائع ہو جائے گی اور طویل جہاد کو بچانا ہم سب کا فریضہ ہے ورنہ امریکہ خوش ہوگا اور یہ فتح شکست میں تبدیل ہو جائے گی پھر یہ نیٹو وغیرہ نہیں نکلیں گے۔

دارالعلوم حقانیہ سب کی مادرِ علمی ہے

ہم نے سب حالات پر غور کیا ہم سب کا احترام کریں گے ہمارے لیے سب قابل اعزاز ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے جہاد کیا ہے اور قربانی دی ہے تو ہم یہ کوشش کریں گے کہ یہ اختلاف جلد ختم ہو جائے یہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ ان سب کا مرکز ہے اور یہ مشائخ ان کے اساتذہ ہیں اس لیے ایک اٹل فیصلے کی ضرورت ہے ہم کل رات بجے تک ان عمائدین کے ساتھ مشورے کرتے رہے، ہم ہر لحاظ سے ضروری جانتے ہیں اور ہم سب اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ آپ سارے اور ہم سب ملا اختر منصور کی قیادت پر متفق ہیں، آپ سب بھی متفق ہیں۔ سب نے نعرۂ تکبیر کے گونج میں اتفاق کیا) ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ یہ اعلان کر دیا جائے اور پورے عالم میں چلائے تو فائدہ ہوگا اور جن عمائدین کو اس سے اختلاف ہے تو ہم ان کے تمام خدشات دور کرنے کے لئے حتی الوسع کوشش کریں گے کہ ان کے تمام خدشات، شکوک وشبہات ختم ہو جائیں۔ میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنا اختلاف ختم کر دیں۔ ان کے جو بھی مطالبے ہوں میں انکا ذمہ دار ہوں وہ ہم حل کریں گے۔ اب بھی ان کو عہدے اور ذمہ داریاں سونپ دی گئی ہیں۔ ملا صاحب کے صاحبزادے اور دیگر ذمہ داروں کو عہدے سونپ دیئے گئے۔ اگر یہ اختلاف باقی رہا تو رفتہ رفتہ یہ اختلافات بڑھتے جائیں گے اور مزید مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور ہم ہزار قدم پیچھے چلے جائیں گے...... ع یک لحظہ غافل مے شوم صد سالہ راہم دور شد

مولانا شیر علی شاہؒ بھی اس پر بات کریں گے اللہ آپ سب کی یہاں تشریف آوری قبول فرمائیں۔ اس کے بعد مولانا شیر علی شاہؒ نے مولانا سمیع الحق کی تائید وحمایت میں بھرپور خطاب فرمایا۔ نو منتخب امیر کو مبارکباد دی اور پوری اُمت کو ان کی امارت پر متفق رہنے کی درخواست کی اور اختتامی دُعا فرمائی۔

مولانا عبدالباقی حقانی
مدرسِ سیاسیات جامعہ دارالعلوم حقانیہ

علم، حلم، جہادواستقامت کا تابندہ ستارہ

مولانا عبدالباقی حقانی صاحب، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم اور ہونہار فاضل اور حالاً جامعہ حقانیہ میں اسلامی سیاست کے موضوع پر مدرس بھی ہیں، امارتِ اسلامی افغانستان کے پہلے دورِ حکومت میں والی خوست رہے اور اب دوبارہ نئی حکومت میں وزیرِ تعلیم کے عہدے پر فائز ہو گئے ہیں، اسلامی علوم کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں، اسلامی سیاست کے موضوع پر ''اسلام کا نظام سیاست اور حکومت'' کے نام سے ایک اہم تصنیف کے مصنف بھی ہیں، اس کے علاوہ ان کی بہت ساری علمی کاوشیں اہل علم سے دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں ...... (مدیر)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کیلئے انبیائے کرامؑ کے بعد قیامت تک کیلئے علماء کو منتخب فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق العلماء ورثۃ الانبیاء کہ علمائے کرام انبیاء علیہم السلام کے وارثین ہیں اور علمائے کرام میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے اس وراثت کی بے پناہ صلاحیتوں اور استعداد سے نوازا ہوتا ہے۔ جن سے عصر حاضر کے مسلمان ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی لیتے ہیں اور اپنی دینی ودنیاوی ضرورتوں میں ان سے رجوع کرتے ہیں۔ انہی وارثانِ نبوت میں ایک عظیم وارث جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید (نوراللہ مرقدہ) بھی تھے، مولانا شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے عصر حاضر کے مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے بے پناہ صلاحیت اور استعداد عطاء کی تھی، آپ کی چند صفات کا مختصر الفاظ میں تذکرہ کرنا چاہوں گا۔

علمی میدان

کمالِ انسانیت اور انسانوں کی رشد وہدایت کیلئے علم کے میدان میں رسوخ حاصل کرنا بنیادی عنصر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں پر علم ہی کی وجہ سے فضیلت دی گئی اور نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ آپ مجھ سے علم کی زیادتی کی دعا مانگا کریں، وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا
مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا کمال علم کسی سے مخفی نہیں اور میدان علم میں آپ کی ذکاوت اور زیرکی کے واقعات بہت ہی زیادہ مشہور ہیں۔ منجملہ واقعات میں سے ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ جب آپ اور ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی صاحبؒ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ سے قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر پڑھ رہے تھے تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ترجمہ وتفسیر شروع سے آخر تک لکھا۔ جب حضرت لاہوری صاحبؒ نے آپ کا لکھا ہوا ترجمہ وتفسیر دیکھا تو فرمایا کہ جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے پوری امانت کے ساتھ قرآن کریم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک حرفاً حرفاً پورا پہنچایا تھا بالکل اسی مثال کی طرح مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے میرے ترجمے وتفسیر کو پوری امانتداری کے ساتھ حرفاً حرفاً لکھا ہے۔

مولانا شہیدؒ کی آخری تالیف مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تفسیری افادات کو مدون ومرتب کرنا اور اشاعت کرنا تھی، آپؒ زندگی کے آخری ایام میں اس کی بہت زیادہ تمنا کیا کرتے تھے کہ کسی طرح یہ افادات کتابی شکل میں شائع ہوجائیں اور یہ فرماتے کہ اس کے سوا کوئی اور تمنا اب نہیں رہی اور ''موتمر المصنفین'' کی ٹیم وشعبہ کمپیوٹر کے ساتھیوں سے بار بار اس بات کا تذکرہ کرتے کہ اس کام کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچائیں تاکہ منظر عام پہ آئے مگر افسوس! زندگی نے وفا نہیں کی اور حضرت شہید کی یہ تمنا ادھوری رہ گئی، بقول شاعر:

ليس كل مايتمنى المرء يدركه
تجرى الرياح بما لا تشتهى السفن

صفتِ حلم

آپ بے مثال حلم، صبر اور برداشت کے مالک تھے۔ آپکی ان خصلتوں کا ایک نمونہ یہ ہے کہ آپ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ اور طلبہ سے حلم اور برداشت کا جو معاملہ رکھا وہ بے مثال ہے۔ کوئی بھی مہتمم اپنے مدرسے میں وہ طالب اور استاد برداشت نہیں کرسکتا جو سیاسی میدان میں اس کا مدد ومعاون اور ہم نظر نہ ہو۔ پچھلے بتیس سال سے میرا دارالعلوم کے ساتھ تعلق ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس مدت میں کچھ طلباء واساتذہ سیاسی میدان میں گو آپ کے رفیق سفر ومعاون نہ بنے لیکن آپ نے اساتذہ اور طلباء سے اس معاملے میں ذرہ برابر بھی شکوہ نہیں کیا اور نہ ہی ان پر کسی قسم کا

دباؤ ڈالا کہ سیاست کے میدان میں آپ سب کے سب میرے ہم فکر ونظر بن جاؤ اور نہ ہی اس معاملے میں کسی قسم کی ترغیب یا ترہیب سے کام لیا۔ اپنے ہی مدرسے میں اپنے ہی سیاسی نظریے کی مخالفت اور مخالفین کے ساتھ اتنے حلم اور برداشت کی مثال کا ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ اسلام کے نظام سیاست میں کسی بھی شخص کی قیادت کیلئے حلم اور برداشت اہم صفات گردانے جاتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جامعہ حقانیہ کا علمی دنیا میں شہرت ومقبولیت کا ایک اہم راز حضرت شیخ شہیدؒ کی یہ صفت تھی۔

ولولہ جہاد

آپ جہادی جذبے اور شوق شہادت سے سرشار تھے، گزشتہ چالیس سالوں سے جب بھی افغانستان میں جہاد کی حمایت اور نصرت کا موقع آیا تو آپ نے اس میں بھر پور حصہ لیا اور مجاہدین کے حوصلے بلند کئے۔ اس حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں گا، جسے حضرت شیخ شہیدؒ کے جہاد اور شہادت سے محبت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ عمر کے آخری سالوں میں جب حضرت شیخ شہیدؒ بغرض علاج راولپنڈی کے ایک ہسپتال میں داخل کیے گئے تو اس موقع پر عیادت کے واسطے افواج پاکستان کی ایک بڑی شخصیت آئی اور حضرت مولاناؒ و ڈاکٹروں سے ازراہِ مذاق کہا کہ علاج کرتے ہوئے حضرت شیخ شہیدؒ کے دل میں سے ''طالبان اور جہادی رگ'' نکال دیں، حضرت شیخ نے فوراً جواباً فرمایا کہ میرے دل سے باقی تمام رگیں نکل سکتی ہیں مگر ''طالبان اور جہادی رگ'' کو تو قبر میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا کیونکہ یہ میری نجات کا ذریعہ ہے، سبحان اللہ! اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شیخ شہیدؒ جہاد سے کتنی محبت رکھتے تھے اور اسی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شہادت کے اعلیٰ رتبے سے سرفراز فرمایا۔

مثالی استقامت

حق بات پر استقامت شرعاً بھی مامور بہ ہے اور بہت بڑا کمال ہے جب ۲۰۰۱ء میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان پر حملہ کیا اور تمام ممالک نے افغانستان میں اپنی ایک نمائندہ حکومت قائم کی اور مجاہدین کو گرفتار اور شہید کرکے ان سے اپنی سرزمین پر جینے کا حق چھینا اور ہر قسم کی ٹیکنالوجی کا استعمال کیا مگر افغانستان کے ضعیف مسلمانوں نے بے سروسامانی اور انتہائی محدود وسائل

کے ساتھ مقابلہ شروع کیا بظاہر وہ امریکہ کے اسلحوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے افغانیوں نے جہاد کا آغاز کیا، ہمت نہیں ہاری، دنیاوی وسائل اور پروپیگنڈوں سے متاثر نہیں ہوئے ، امریکیوں کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کے اسلحے اور ٹیکنالوجی اور جدید وسائل مجاہدین کے وسائل کے آگے ناکام ہوجائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت مجاہدین کے ساتھ تھی وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ کا مصداق سامنے آیا، امریکہ اور اس کے اتحادی جب وسائل کے میدان میں ناکام ہوئے تو انہوں نے نئی تدبیریں اپنائیں، وہ یہ کہ امت مسلمہ کے مشہور علمائے کرام کو اس جاری جہاد کے خلاف استعمال کیا جائے اور اسی طرح مسلمانوں کی مذہبی قوت جہاد کے خلاف اور کفر کی حمایت میں استعمال ہو اور یہ وہ تدبیر اور مکر ہے جس کا امریکی نمائندوں نے خود اقرار بھی کیا چونکہ تمام مسلمان حکومتیں مستقل طور پر امریکی دباؤ میں تھیں اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ نے اسلامی ممالک کی علمی شخصیات کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اور ان کے ذریعے سے عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کی گئی کہ اسلام میں جہاد کا کوئی تصور نہیں اور ہر عالم کی تقریر کا موضوع یہ تھا کہ دہشت گردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس انیس سالہ جہاد کے مرحلے میں کفار کی طرف سے دہشت گردی اور دہشت گرد کا مصداق صرف جہاد اور مجاہدین ہی ٹھہرے ۔ دوسرا نہ کوئی گرفتار ہوا اور نہ کسی کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ مذکورہ علماء نے اپنے بیانات میں نہ تو جہاد اور دہشت گردی کے درمیان فرق کو واضح کیا اور نہ ہی یہ واضح کیا کہ جہاد بھی اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ ان عمومی تقاریر کی وجہ سے عوام کی یہ ذہن سازی ہوئی کہ اسلام میں سرے سے جہاد کا تصور ہی نہیں ہے۔ امت مسلمہ کے مشہور علمائے کرام اور اسلامی ممالک میں بسنے والے نامور علمائے کرام ایک عظیم امتحان میں مبتلا ہوئے، امت مسلمہ کا تو متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ جب بھی کافر مسلمانوں کا کوئی ایک علاقہ غصب کرلیں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے۔

ساری دنیا کے کافروں نے امریکہ کی سربراہی میں ایک مستقل اسلامی ملک افغانستان پر قبضہ جمالیا اور وہاں اسلامی نظام کا خاتمہ کرکے کفری نظام کو حاکم بنادیا۔ اب افغانستان کے مسلمانوں پر امریکی حملہ آوروں کے خلاف جہاد فرض عین ہے لہٰذا کمزوری اور ضعف کی صورت میں تمام مسلمانوں پر ان کی مدد ونصرت کرنا فرض عین ہے، اسلامی ممالک کا پہلا فریضہ تو یہ تھا کہ ان بے یار ومددگار مسلمانوں کی کھلے عام یا چھپ کر مدد کرتے اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتے تو غیر جانبدار رہتے اور کم

ازکم کفر کی مدد تو نہ کرتے اور اگر یہ بھی نہ کرتے تو اپنے ملک کی مذہبی قوت کو جہاد اور مجاہدین کے خلاف استعمال کرنے سے گریز کرتے اور علمائے کرام کو استعمال کرکے افغان جہاد کو کمزور نہ کرتے لیکن ان میں سے کوئی کام بھی نہیں ہوا۔

کفریہ سازشوں کا شکار نہ ہونے والی شخصیت

اسلامی ممالک کے حکام یہاں تک امریکی دباؤ میں آگئے کہ اپنے ملک کے مشہور علمی شخصیات امریکہ کے تقاضے کی بنیاد پر جہادی تصور کو ناکام بنانے میں استعمال ہوئے، بہت کم ایسے علماء تھے جو اس امریکی پروگرام میں استعمال نہیں ہوئے، دنیا کی ان مشہور علمی شخصیات میں سرفہرست حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نمایاں تھے جنہوں نے افغانستان پر امریکی حملہ کرنے کے بعد سے لے کر شہادت کے دن تک افغانستان کے جہاد کی تائید وحمایت کی اور کفریہ سازشی طاقتوں اور کمزور مسلم حکمرانوں کا شکار نہیں ہوئے اور زندگی کے آخری لمحے تک جہادی نظریے کے حامی بنے رہے اور امت مسلمہ کو ایمان کے ساتھ ثابت قدمی اور استقامت کا عظیم درس دیا جو اہل بصیرت وعدل کیلئے قیامت تک کافی ہیں۔

صبر واستقامت کا بے مثال نمونہ

موجودزمانے میں آپ صبر واستقامت کا بے مثال نمونہ تھے، آپ اللہ تعالیٰ کے ارشاد قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک قل آمنت باللّٰہ ثم استقم کا ایک عملی نمونہ تھے، اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو امت مسلمہ کی مشہور علمی شخصیت جو امت مسلمہ میں شہرت کے حامل تھے، وہ مولانا سمیع الحق شہید تھے۔ امت مسلمہ کو عموماً اور نامور علمی شخصیات کو خصوصاً اس بات کا درس دیا کہ ہر قسم کے سخت حالات میں علمائے کرام کفریہ طاقتوں کے دباؤ میں نہ آئیں اور ہر وقت اپنی علمی ذمہ داری مکمل طور پر سرانجام دیں اور اگر فرض منصبی کی ادائیگی میں قربانی دینے کا وقت بھی آجائے تو عالم دین کو چاہیئے کہ اپنا سر قربان کرنے کیلئے آگے بڑھائیں، ہمارے اسلاف کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے، امت مسلمہ کی تاریخ میں کبھی بھی اکابر علماء دشمن کے دباؤ اور تاثیر میں اتنے نہیں آئے جتنے ان انیس سالوں میں آئے ہیں، علمائے کرام کو چاہیئے کہ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلیں اور استقامت کا دامن نہ چھوڑیں یقیناً کامیابی اہل حق کا مقدر ہے۔ جیسا کہ آج ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ امریکہ کے مقابلے میں اللہ نے بے سروسامان مجاہدین کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج
جنرل سیکرٹری انٹرنیشنل ختم نبوت موؤمنٹ

حقانی خاندان کا جہادی تسلسل

مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج صاحب دارالعلوم نعمانیہ اور مدرسہ سراج العلوم ڈیرہ اسماعیل خان کے شیخ الحدیث اور بانی حضرت مولانا سراج الدینؒ کے صاحبزادے ہیں، کویت کی ایک اہم مسجد میں کافی عرصے خطابت کرتے رہے اور ایک کویتی بینک میں اہم عہدہ پر رہے، انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے فورم سے مصروف دعوت وتبلیغ ہیں اور اس کے ورلڈ جنرل سیکرٹری ہیں، کویت میں فتنہ پرویزیت کے خلاف دارالافتاء سے فتویٰ صادر کرایا۔ خاندان حقانی اور حضرت مولانا شہیدؒ سے خصوصی تعلق رہا ہے۔ آج کل مدینہ منورہ میں مستقل قیام پذیر ہیں۔ (ادارہ)

جامعہ حقانیہ میں تدریسی خدمات کو سلام جس میں فارغ التحصیل طلباء حقانی بن کر قافلہ حق کے سپاہی بنتے ہیں، کلمہ حق کے ساتھ منبر ومحراب کی زینت بنتے ہیں، یہ سب فیضان جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اس مرد درویش کی فکر کا نتیجہ ہے، جس کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اس خاندان حق نے اس میراث حق کو مولانا عبدالحق رحمہ اللہ سے لیا اور پورے خاندان حق نے اس حق کی ادائیگی میں اپنا حق ادا کیا اور کررہے ہیں، یہ میراث حق خاندان حق کو تدریسی ، تعلیمی اور علمی ورثہ کے ساتھ دین حق کی سربلندی کیلئے ودیعت ہوئی، سیاسی میدان میں قومی اسمبلی میں ۱۹۷۲ء کی قانون ساز اسمبلی میں مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے اسلامی قوانین کو آئینی دستوری شکل میں پیش کیا وہ قابل تحسین ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ دسمبر ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا، یہ تحریک دراصل ایک عظیم قربانیوں کا تسلسل ہے، یہ ایسی عظیم تاریخ ہے جس پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر خاندان حق کے ایک نوجوان مرد حق جس کا نام مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے قومی اسمبلی کے ممبران کو شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی سرپرستی میں ان کی تشکیل کردہ کمیٹی نے کتاب مرتب کی، جسے ممبران اسمبلی سمیت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا، قادیانی مسئلہ پر مسلم امہ کا موقف ۱۹۷۴ء کی پاکستانی قومی اسمبلی کے روبرو ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں اس کے بارے میں مفصل کاروائی تاریخی

حروف کے ساتھ رقم ہے کہ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اس وقت نوجوان تھے اور اسمبلی کے ممبر نہیں تھے اوران کے والد مولانا عبدالحق رحمہ اللہ قومی اسمبلی کے ممبر تھے، باپ اسمبلی میں اور اسمبلی سے باہر بیٹا سمیع الحق قادیانی نظریات کے خلاف جنگ لڑ رہے تھے ۔ جنرل ضیاء الحق شہید رحمہ اللہ کے دور حکومت میں مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے سینٹ میں شریعت بل پیش کیا اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک چلائی اور پورے ملک کے دورے کئے ۔ جہاد افغانستان ہو یا اسلامی تحریکوں کا تسلسل، خاندان حق نے اپنا حق ادا کیا۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا ہمارے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سراج الدین صاحبؒ اور چچا محترم مولانا علاء الدین صاحبؒ سے انتہائی قریبی روحانی اورنظریاتی تعلق تھا، اور وہ اپنے ہر سیاسی اوردینی اسلامی موقف میں ہمارے والد صاحب اور چچا صاحب سے مشورہ لیا کرتے تھے اور پھر قاضی عبداللطیف صاحبؒ، قاضی عبدالکریم صاحبؒ کے علاوہ ملک بھر کے ممتاز علمائے کرام سے رابطے میں رہتے تھے، پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ کے باہر میدان عمل میں ہر طبقہ اور جماعتوں کے ساتھ ان کو قیادت کرنے کا موقع ملا، اسلامی جمہوری اتحاد ہو یا استحکام پاکستان ہو مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ کی قیادت میں قائم ہوئیں۔خاندان حق کے تمام فرزندان حق جن میں مولانا انوار الحق دامت برکاتہم ہوں یا جانشینانِ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ، مولانا حامد الحق حقانی، مولانا راشد الحق سمیع ہوں، یقیناً اس خاندان کی اولادِ عبدالحق رحمہ اللہ کو سلام جن کے ناموں میں ''الحق'' لازمی جزء ہے، سب الحق خاندان جو میراث حق کے ساتھ فرائض حق کا فریضہ ادا کررہے ہیں ان سب کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ یا رسالہ ''الحق'' اورمیدان حق میں اسلامی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور مدینہ منورہ میں خصوصی دعاؤں کے ساتھ میں ورلڈ سیکرٹری جنرل انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ اپنی پوری جماعت کی طرف سے اور خصوصاً امیر مرکزیہ مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ صاحب اور نائب امیر مولانا عبدالرؤف مکی صاحب، خاندان عبدالحفیظ مکی صاحب اوراپنے خاندانِ سراج اور تمام علماء ومشائخ اوراپنے سردار برادران کی طرف سے خاندان حق کو سلام عقیدت اورخراج تحسین پیش کرتا ہوں ۔

خاندان عبدالحق کو میراث حق مبارک فریضہ ءحق میں شہادت ِ حق مبارک
کاروانِ حق کو دینِ حق کی خدمات مبارک فرزندانِ مولانا سمیع الحق کو سلامِ عقیدت

مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور
مدرس جامعۃ الرشید کراچی

مولانا شہیدؒ: متنوع الجہات جہادی خدمات

- ...... مولانا شہیدؒ میں دوست احباب کی قدر و منزلت اور حلقۂ یاراں کی خاطرداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی
- ...... وہ اپنی تحریروں میں بہت سے علمی موضوعات پر قلم اُٹھا کر انہیں تاریخ کا حصہ بنا دیتے ہیں
- ...... سادگی میں پرکاری کے نقوش ان کی تحریر کا خاصہ ہے

مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب، علم و قلم اور تدریس و تحریر کی دنیا میں ایک قدر آور، پرکشش اور عہد ساز شخصیت ہیں۔ وہ حق، اہل حق اور مولانا سمیع الحقؒ کے دل و جان سے چاہنے والے محبّ مخلص ہیں۔ وہ حسد و بغض سے نفور اور خودستائی سے کوسوں دور ہیں، متعدد علمی، دینی اور درسی کتابیں ان کے خامہ عنبر فشاں کی شاہکار ہیں ....(ادارہ)

حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ ایک بھرپور اور قسما قسم خدمات سے معمور زندگی گزار کر شہید ہوگئے ، اس فقیر کی ان سے پرانی یاد اللہ تھی، اگرچہ عمروں میں تفاوت بہت تھا، مرتبے اور وجاہت کا فرق بھی بہت زیادہ تھا لیکن ان کے کریمانہ اخلاق ہی ایسے تھے کہ ایک مرتبہ علیک سلیک ہونے کے بعد ناممکن تھا کہ اجنبیت اور تکلفات ختم نہ ہوں اور انسان ان سے گھل مل نہ جائے، اب ماضی کی طرف دیکھنے اور یادداشت کھنگالنے سے یاد نہیں پڑتا کہ پہلی ملاقات کہاں ہوئی تھی لیکن یہ اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی ہوئی ہمیشہ ان کے حسن اخلاق،خوبی گفتار ، ملنسار طبیعت اور دل گیر وجاہت کا قائل ہونا پڑا۔

ساری عمر علماء ومجاہدین کی قیادت وسرپرستی

مولانا ایک بڑے علمی گھرانے میں پیدا ہوئے اوراعلیٰ پائے کے علمی ماحول میں پرورش پائی ملکی اور بین الاقوامی سطح کی کون سی ایسی شخصیت ہوگی جس سے ملاقات یا محبت کا شرف انہیں حاصل نہ ہو، علم و جہاد، ادب وسیاست تمام چیزیں انہیں ورثہ میں ملیں اور انہوں نے ساری عمر علماء ومجاہدین کی قیادت وسرپرستی کے ساتھ ملکی و بین الاقوامی سیاست میں مؤثر کردار ادا کیا، وہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے حامل تھے اورمتعدد شعبوں میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے سبب متعدد حلقوں میں مقبول ومحبوب تھے، ایک طویل عرصے تک ان متنوع الجہات خدمات سے بھر پور مشغولیت کے علی الرغم ان کے جذبہ عمل اور نشاط کار میں کوئی فرق نہ آیا تھا، حتیٰ کہ آخری دن بھی انہوں نے جوانوں کی طرح بھر پور مصروفیت میں گزارا اورنہایت مبارک سرگرمیوں میں مصروف رہ کر اس دنیا کو خیر باد کہا۔

مولانا شہیدؒ کی قلمی صلاحیتیں

راقم الحروف ان کے قلمی کمال کا روز اول سے نہایت معترف تھا، شنید تھی کہ انہوں نے اورحضرت شیخ الاسلام جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنے عنفوان شباب میں اکابرین کے حکم پر ان کی سرپرستی اورموجودگی میں قادیانیت کے خلاف دستاویز تیار کی تھی، ''قادیان سے اسرائیل تک'' نامی کتاب کو اگرآپ ملاحظہ فرمائیں تو مولانا کی قلمی صلاحیتوں کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا مسلسل لکھتے نہ تھے اور اس واسطے ان کی ادبی صلاحیتوں سے استفادہ نہ ہو پاتا تھا، چونکہ چند ایک ملاقاتوں کے بعد ان سے بے تکلفی ہوگئی تھی، اس لئے اس عاجز نے ایک مرتبہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر انہیں مشورہ دینے کی جسارت کی کہ آپ خدارا! ان ملاقاتوں اورمہمان نوازی میں مصروفیت کو کم کریں اور لکھنے پر توجہ دیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہن کے ساتھ قلم رواں دیا تھا، اگر وہ پابندی سے یا توجہ دے کر لکھتے تو بہت زیادہ شاہکار ذخیرہ چھوڑ جاتے، ایسا نہ کرنے کا فقیر کو نہایت قلق تھا، اسلئے ایک مرتبہ ہمت کر کے یہ جسارت کر ڈالی، مولانا صاحب ہنس کر بات ٹال گئے لیکن کاش! مجھے ان سے اصرار کرنے کا موقع ملتا یا انہیں اپنی اس صلاحیت کا اظہار کیلئے فرصت مل جاتی تو ان کے صدقہ ہائے جاریہ میں آج قلمی ذخائر کا مزید گرانقدر سرمایہ ہمارے پاس موجود ہوتا۔

دوست احباب کی قدر ومنزلت اور حلقۂ یاراں کی خاطر داری

مولانا شہید رحمہ اللہ میں دوست احباب کی قدر ومنزلت اور حلقۂ یاراں کی خاطر داری کوٹ کوٹ بھری تھی ، ایک مرتبہ ایک متنازع شخصیت کی بریت کے لئے ان کے ہاں وفد لے کر جانا ہوا، مولانا صاحب نے جس انداز میں آؤ بھگت کی ،توجہ سے بات سنی اور دلجوئی وخاطر داری کی اس کا نقش آج بھی دل پر ثبت ہے اور کبھی فراموش نہ ہوگا، اس دن اندازہ ہوا کہ سرحد پار افغانستان کے طالبان انہیں اس قدر محبوب ومکرم کیوں سمجھتے ہیں اور تمام حقانی برادری ان کا اس قدر عزت واحترام کرتی ہے،اس کا کیا سبب ہے؟

پاکستانی سیاست میں فعال اور قائدانہ کردار

دارالعلوم حقانیہ جیسے ادارے کے اہتمام، افغان جہاد جیسے تاریخی معرکے کے جرنیلوں کی سرپرستی ،متلون مزاج پاکستانی سیاست میں فعال اور قائدانہ ،ملکی اور بین الاقوامی مسائل میں اہل حق کی نمائندگی کے ساتھ ہر مشکل موقع پر اپنا مخلصانہ کردار ادا کرنا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو مولانا کی شخصیت اور خدمات کو نا قابل فراموش بنا گئے ہیں۔

پھر آخر میں ان کی پیرانہ سالی میں مظلومانہ شہادت اس کا زخم جب تک دل میں تازہ رہے گا، مولانا شہیدؒ کے رفع درجات کیلئے دل کے گہرائیوں سے دعائیں نکلتی رہیں گی، کوئی شک نہیں کہ مولانا شہیدؒ نے سعادت بھری زندگی اور فضلیت بھری شہادت پائی ، یہ ہر کسی کا نصیب نہیں ہوتا۔آج سے اکیس سال پہلے ۲ نومبر ۱۹۹۲ء کو جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ہمارے محبوب اساتذہ شیخ الحدیث ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالسمیع شہید رحمہ اللہ کے جنازے کے موقع پر جب ہم حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا بیان سن رہے تھے تو تصور بھی نہ تھا کہ آج سے دو عشروں بعد ٹھیک اسی دن ان کی شہادت کی خبر سن رہے ہوں گے ۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے، انہیں اپنے خاص الخاص مقربین میں شامل فرمائے اور ان کی شہادت کے صدقے ان کے تمام صدقات جاریہ کو ہمیشہ کیلئے جاری وساری رکھے اور ہمیں آخرت میں ہنسی خوشی اکٹھے فرمائے، جہاں نہ تو دنیا والوں کی ناقدری کا شکوہ ہوگا اور نہ نعمتوں کے زائل ہوجانے کا خطرہ۔

ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ڈاکٹر زاہد اشرف
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''المنبر''، فیصل آباد

غیرت وحمیتِ اسلامی کے پیکر

ڈاکٹر زاہد اشرف صاحب فیصل آباد کے ایک قدیمی اور تاریخی طبی دواساز ادارے ''اشرف لیبارٹریز'' کے ڈائریکٹر ہیں،اس کے علاوہ جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد کے سرپرست اور ماہنامہ ''المنبر'' کے مدیر ہیں اور کئی مستند تحقیقی کتابوں کے مصنف اور طبی دواساز اداروں کی تنظیم PTPMA کے وائس چیئرمین بھی ہیں،حکومت پاکستان نے ان کی شاندار علمی وطبی خدمات پر انہیں تمغہ امتیاز سے نواز رکھا ہے۔(ادارہ)

وہ تو شہید ہو کر امر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی سن لی اور انہیں شہادت کے قابل رشک اعزاز سے سرفراز فرمادیا۔ وہ فانی دنیا سے دارالبقاء کی طرف چل دیئے۔ بظاہر وہ موت سے ہمکنار ہو گئے لیکن انہوں نے تو ابدی حیات پالی،شہید بھلا کب مرتا ہے ۔ وہ تو زندہ ہوتا ہے اور اسے اپنے رب کے ہاں سے رزق فراہم کیا جاتا ہے لیکن شہادت کا یہ بہیمانہ انداز ، وحشت و دہشت کا یہ لرزا دینے والا طریقہ، سنگ دلی و درندگی کی یہ انتہا، درندوں کے لیے شاید یہ کوئی نیا انداز نہیں تھا، اس لئے کہ اپنے پہلو میں دل نہ رکھنے والوں نے یہ وطیرہ ہر دور میں اختیار کیا۔ تاریخ کے اوراق ایسے ہی سنگ دلانہ واقعات سے سیاہ ہوئے پڑے ہیں، ظالم بادشاہوں اور جابر حکمرانوں نے پس دیوارِ زنداں اور سرِ عام بھی ایسی ہی درندگی کا بارہا مظاہرہ کیا، انہوں نے بسا اوقات بھرے مجمعوں میں غلاموں کو باہم لڑا کر ایسے ہی درندگی سے لطف اٹھایا، قیصر وکسریٰ کے ادوار میں یہی کچھ ہوتا رہا بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر حیوانی درندوں کے بالمقابل جیتے جاگتے انسانوں کو اتار دیا گیا اور پھر وہ ان کی چیر پھاڑ کے اندوہ ناک مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اسلامی تاریخ میں خلیفہ راشد سوم حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ، ان پر ان کے ہم مقتدر ہونے کے باوجود، بلوائیوں نے اسی سنگ دلی کا وطیرہ اپنایا اور تاریخ انسانیت میں قرآن مجید کے مقدس اوراق پر ان کا بہتا ہوا لہو ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا اور آج اپنے آپ کو مہذب کہنے والی اقوام مجبور ومقہور مسلمانوں کے ساتھ دنیا کے مختلف خطوں میں اسی بہیمیت کو روا رکھے ہوئے ہیں۔

مولانا سمیع الحقؒ لافانی زندگی سے ہمکنار ہو گئے۔ وہ دارالامتحان سے گزر گئے۔ انہوں نے اس میں جو زندگی گزاری، اسے کئی حوالوں سے قابل رشک قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کی دینی، ملی، قومی، سیاسی

اور جہادی خدمات گراں قدر بھی ہیں اور لائق ستائش بھی۔ تصنیف و تالیف، تعلیم و تدریس اور صحافتی میدان میں بھی ان کی مساعی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اس کے مقصد تخلیق کے مطابق یہاں اللہ تعالیٰ کے آخری دین کو کارفرما قوت دیکھنا ان کا مطمح نظر بھی تھا اور اس کیلئے انہوں نے لازوال جدوجہد بھی کی۔ انہوں نے اسلام اور پاکستان دشمن قوتوں کا کئی جہتی مقابلہ کیا اور ان کے ناپاک عزائم کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے دینی اور محبّ وطن جماعتوں اور قوتوں کے ساتھ مل کر پلیٹ فارم تخلیق کئے اور ان سے مشترکہ کاوشیں کیں۔ کوئی ہم سفر انہیں نہ بھی ملا تو انہوں نے تن تنہا اپنا سفر جاری رکھا۔ دشوار گزار راستے ان کے حوصلے کو ماند نہ کر سکے۔ اس کی رکاوٹیں ان کے پائے استقلال کو ڈگمگا نہ سکیں۔ بڑھتی عمر کے ساتھ اعضاء و جوارح کا اضمحلال اور قویٰ کا ضعف ان کے جذبہ و ولولہ کو سرد نہ کر سکا۔ ان کی حدّت و حرارت آخر دم تک برقرار رہی۔ ان کے افکار سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، ان کی سوچ کے دھاروں اور ان کی سمت کے بارے میں دو آراء ہوسکتی ہیں، لیکن مولانا مرحوم کی دیانت و امانت اور خلوص و اخلاص پر شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔

نفاذِ اسلام کے لیے مولانا شہیدؒ کی کاوشیں ہماری تاریخ کا سنہرا باب ہیں۔ انہوں نے پارلیمان کے اندر اور باہر اس کے لیے جہدِ مسلسل کو اپنا روزمرہ بنائے رکھا، حتیٰ کہ ان کی ذات پر انہی کی اپنی ایک برسرِاقتدار اتحادی (جماعت مسلم لیگ ن) کی قیادت کی طرف سے کیچڑ اچھالا گیا لیکن مولانا شہیدؒ نے انتہائی دل گرفتہ ہونے کے باوجود حوصلہ نہ ہارا، وہ وقتی طور پر اس صورت حال سے متاثر ضرور ہوئے لیکن جلد ہی وہ پوری توانائی کے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہوگئے۔ مولانا شہیدؒ نے اپنے جلیل القدر والد مولانا عبدالحقؒ کی جانشینی کا حق ادا کیا اور ہر میدان میں ان کی کاوشوں کو آگے بڑھایا۔ ہمارے والد گرامی مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے ان دونوں شخصیات سے روابط رہے۔ ان کی تگ وتاز کا میدان اتحادِ امت، نفاذِ اسلام اور دینی مدارس ہی رہے۔ اس حوالے سے ان کی باہمی مشاورت بھی رہی اور مشترکہ جدوجہد بھی۔ مولانا عبدالحقؒ کی وفات کے بعد ابا جان مرحوم کے مولانا سمیع الحق شہید سے انہی موضوعات کے حوالے سے تعلقات استوار رہے۔ دس جلدوں پر مشتمل اپنی تاریخی کتاب ''مشاہیر کے خطوط'' میں انہوں نے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے چند خطوط بھی شامل کئے۔ راقم الحروف کو بھی مولانا شہید سے ملاقات کی سعادت حاصل رہی۔ آخری بار جناب ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی نمازِ جنازہ کے بعد۔ اللہ کی بے پایاں رحمتیں مولانا شہیدؒ کی لحد پر ہر آن برستی رہیں، ان کی قبر جنت کا ٹکڑا بنے اور جنت الفردوس میں انبیاء واتقیاء اور شہداء وصالحین کی معیت انہیں نصیب ہو (آمین)

مریم (یوآنے رڈلے)
اردو ترجمہ: محمد جان اخونزادہ

افغان طالبان اور مولانا سمیع الحق شہیدؒ

معروف صحافیہ (مریم یوآنے رڈلے) جو افغانستان میں سرحدی خلاف ورزی کی بناء پر طالبان حکومت کی قید میں رہ چکی ہیں اور بعد میں یہی قید طالبان کے حسن سلوک اور اسلام کے روشن تعلیمات کے باعث حقیقی آزادی یعنی ظلمات سے نور کے سفر کا باعث بنی اور آپ مشرف بہ اسلام ہوکر اِن دنوں مغرب وامریکہ کو اِن کا سیاہ چہرہ مسلسل دِکھا رہی ہیں اور اسلامی تعلیمات اور اس کے روشن چہرے کے نور کو مبلغہ بن کر عام کرنے میں دن رات مصروف ہیں۔ حضرت مولانا شہیدؒ کی انگریزی زبان میں کتاب War of Ideology پر آپ نے انگریزی میں بڑے مؤثر تاثرات مولانا راشد الحق سمیع کے نام ارسال کئے، جس کا اردو ترجمہ دارالعلوم کے فاضل، باصلاحیت اور مستقبل کے محقق ومترجم مولانا محمد جان نے کیا وہ ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

۹/۱۱ کے خوفناک حادثے کے چند روز بعد ہی ستمبر ۲۰۰۱ء میں، میں پہلی بار پاکستان آئی۔ ہفتے کے اختتام تک تقریبا تین ہزار دوسرے صحافی بھی افغانستان کے پڑوسی ملک میں اتر چکے تھے۔ غیظ وغضب سے بھرا بش انتظامیہ، (جو انتقام پر تلا ہوا تھا) کی طرف سے خوب زور سے جنگ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اصل میں ہوا کیا تھا اور امریکہ پر حملہ کیونکر ہوا؟ ہم میں سے بہت سوں کے لیے ایک مسلمان ملک سے یہ پہلا تعارف تھا۔ ہم میں سے بہت سے لوگ طالبان کے بارے میں سوائے بظاہر ''چند بیوقوفانہ'' جھگڑوں کے اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ یہ معلومات بھی ان لوگوں کے ذریعے سے تھیں، جنہیں خود بھی کسی چیز کا علم نہ تھا۔ چند چیزوں کی سمجھ کے سوا، باقی ایک بڑے سطح پر مغربی پروپیگنڈے نے اسلام کی صورت ہماری نظر میں مسخ کردی تھی۔

اس لیے دارالعلوم حقانیہ کو دیکھنا بظاہر ضروری معلوم ہوتا تھا کیونکہ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے طالبان کے نوے فیصد لوگوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس دارالعلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق کہلاتے ہیں لیکن افسوس کہ جس وقت میں وہاں پہنچی، وہ حکومتِ پاکستان کے افسرانِ بالا سے اپنے چند سابقہ طلبہ کے مسائل میں سفارتی حل کی غرض سے، اعلیٰ سطحی مذاکرات کے سلسلے میں دارالعلوم سے باہر

تھے۔اب جبکہ اشاعت سے پہلے مجھے اس کتاب کے پڑھنے کا قیمتی موقع ملا تو مجھے احساس ہوا کہ مجھے مزید صبر سے کام لے کر مہتمم صاحب کے آنے تک دارالعلوم میں ٹھہرنا چاہیے تھا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنے سے میں افغانستان، طالبان اور اس کے تخیلاتی روحانی لیڈر ملا عمر کے بارے میں بہتر طور پر جان جاتی، اس کے ساتھ ساتھ اسامہ بن لادن کے انوکھے پس منظر کو بھی اچھی طرح سمجھ لیتی۔صبر کی عادت مجھے نہیں، جس کے نتیجے میں مولانا سمیع الحق صاحب سے پھر کبھی ملاقات نہ کرسکی لیکن اب جب مجھے اس کتاب میں ان کی دانش سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اگر ہماری ملاقات ہو جاتی تو جارحانہ سیاسی صورت حال کا علم بہتر طریقے سے مجھے حاصل ہو جاتا، بجائے اس کے کہ مجھے ہمیشہ اس صحافی کی حیثیت سے یاد کیا جائے، جسے بغیر پاسپورٹ یا ویزہ کے افغانستان میں داخلے پر طالبان نے گرفتار کیا تھا۔

ایک عشرے سے کچھ زیادہ مدت کے بعد اور معاملے میں بصیرت حاصل کرنے کے بعد ۹/۱۱ کے بعد افغانستان میں جو سامنے آیا، اس کے متعلق ہماری سمجھ بوجھ کافی زیادہ تھی۔اس کتاب کو پڑھتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ جنگ صرف لاحاصل نہیں تھی بلکہ لاکھوں لوگوں کو بغیر کسی مقصد کے زندگی سے محروم کیا گیا۔ مجھے پہلے سے زیادہ اس بات کا یقین ہوا کہ یہ ایک ایسا معرکہ تھا، جسے کسی بھی حال میں وقوع پذیر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ ایک ایسا معرکہ تھا جس میں برطانیہ کے سب سے قریب ترین اتحادی نے پوری دنیا میں موجود اپنے بہت سے حامیوں کی اس خیر سگالی سے خود کو محروم کر دیا، جو اسے نائن الیون کے بعد بڑی وافر مقدار میں حاصل ہوئی تھی۔

افسوس ہے کہ ایسے زہریلے بیانات کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، جن میں طالبان کے غیر تعلیم یافتہ، بدتہذیب اور ظالم ہونے کا ذکر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سمیع الحق کی کتاب ان لوگوں کے لیے انتہائی اہم ہے، جو نسل پرستی اور اسلام سے خوف پر مبنی مغرب کے عمومی نقطہ نظر سے مختلف تناظر میں بات سننا چاہتے ہیں۔

مصنف کہتے ہیں کہ اس کتاب کا بیشتر حصہ ان مغربی صحافیوں کے جواب میں لکھا گیا ہے جو ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۴ تک دارالعلوم آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے بین الاقوامی میڈیا کے بارے میں اس تاثر کے نتیجے میں یہ کتاب لکھی ہے کہ وہ اسلام اور خطے کی سیاسی وجغرافیائی حقائق سے بالکل ناواقف ہے۔ مجھے شک ہے کہ مغرب کے بہت سارے صحافی یا سیاسی اور فوجی تجزیہ کار، جو اپنے ہی پروپیگنڈے کے زیر اثر اندھے ہو چکے ہیں، اس کتاب کے مندرجات سے اتفاق کریں گے لیکن یہ

کتاب طالبان، اسامہ حتیٰ کہ مولانا سمیع الحق کی نگرانی میں چلنے والے مغربی پروپیگنڈے کا شکار مدرسہ کے دفاع میں نہیں لکھی گئی ہے۔ یہ مولانا سمیع الحق کی طرف سے بطور وضاحت لکھی گئی ہے، ایک ایسی عینک سے جو مغرب پر فوکس نہیں کرتی اور صرف یہی ایک وجہ بھی اس کی اہمیت کے لیے کافی ہے۔

سب سے اہم ترین نکتہ جو یہ کتاب پیش کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ طالبان نے کبھی بھی امریکہ سے جنگ لڑنی نہیں چاہی اور انھوں نے بارہا کوشش کی کہ جنگ نہ چھیڑی جائے۔عام طور سے ان واقعات کو تاریخی حوالوں سے مسخ کیا جاتا ہے لیکن مولانا سمیع الحق ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ طالبان نے امریکہ کو یہ پیش کش کی تھی کہ اسامہ پر افغانستان میں مقدمہ چلایا جائے اور امریکیوں سے مطالبہ کیا تھا کہ ان کے خلاف شواہد فراہم کرے۔

میں کتاب میں شامل تمام مندرجات سے کلی اتفاق نہیں کرتی، تاہم کتاب ایک انوکھا پس منظر پیش کرتی ہے، جس تک مغربی لکھاریوں کی سوچ کا پہنچنا آسان نہیں، اس لیے کہ مولانا سمیع الحق کی رسائی طالبان کے اندرونی ذرائع سے ان کے انتہائی اہم تاریخی معلومات تک تھی اور وہ ذاتی طور پر اسامہ کو جانتے بھی تھے لیکن میرے لیے اس کتاب کی اہمیت اس حوالے سے ہے کہ یہ امریکہ اور مغرب کی نظر میں دنیا کے سب سے بڑے ''بدنام زمانہ'' (اسلام، جہاد، تحریک طالبان کی حمایت کی وجہ سے)مدرسہ پر فوکس کرتی ہے۔۱۹۴۷ء میں جامعہ حقانیہ کھولا گیا اور اپنی نوعیت کا یہ پہلا ادارہ تھا جو مفت اسلامی تعلیم مہیا کررہا تھا ،تقریباً تیس ہزار سے زائد طلبہ افغانستان سے یہاں آئے، یہاں سے سند فراغت حاصل کی اور اب ان کی اکثریت طالبان کی قیادت میں شامل ہے، اسامہ اور اس کے خاندان کے متعلق دلچسپ معلومات کے علاوہ، کتاب ان سوالات کے جوابات بھی فراہم کرتی ہے جو صحافیوں نے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب سے اسلام اور خواتین کے معاملات کے بارے میں پوچھے ہیں اور جو اپنی اہمیت کے انتہا پر ہیں۔ جب تھکن نہ ہو اور اس کتاب کو اٹھا کر پڑھنے کے بعد آپ اسے رکھیں گے تو اسلام، دینی مدارس اور مذہبی نصاب تعلیم ،طالبان اور افغانستان میں آغازِ جنگ کے ایک مختلف پس منظر کے بارے میں آپ خوب اچھی واقفیت حاصل کر چکے ہونگے۔کئی حوالوں سے یہ بش، بلیر اور مغربی ممالک کے سیاستدانوں ،صحافیوں اور دانشوروں کے ان انتہا پسندانہ تجزیوں اور پروپیگنڈوں وجھوٹ سے لبریز اخباری بیانات کے لیے تریاق بھی ہے، جن کو آج بھی کئی لوگ الاپتے ہیں۔

پروفیسر مولانا محمد طاہر علی الہاشمیؒ

خطیب مرکزی جامع مسجد، سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں

پیکر جرأت وعزیمت

- ...... شہید ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مولانا سمیع الحقؒ کا مجاہدانہ کردار
- ...... شہادت خود موصوف کے حق میں محبوب حقیقی کا وصال اور ایک طرح کی معراج ہے
- ...... زندگی کے ہر شعبہ میں پیکر جرات وعزیمت مولانا شہیدؒ کا حصہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحبؒ، جید عالم دین، مصنف، مؤلف، محقق، مؤرخ وادیب تھے، علم وتحقیق کی دنیا میں ایک جانا پہچانا محبوب نام اور معروف کام ہے، ان کے علمی، تحقیقی کتابیں ان کی عظمت وثقاہت، نقد و جرح وتحقیق اور علم وادب کے حوالے سے علمی اور تحقیقی اداروں سے بھرپور خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، مولانا سمیع الحق شہیدؒ پر لکھا تو بہت خوبصورت لکھا، ان کے جہادی مساعی سمیت فرق باطلہ کے تعاقب میں ان کے مجاہدانہ کردار کو نمایاں کر کے حق واعلائے کلمۃ الحق کا حق ادا کردیا، ادارہ موصوف کی اس وقیع تحریر کو اس خصوصی اشاعت میں عظیم علمی سوغات سمجھتا ہے۔(ادارہ)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض انسانوں کو کسی خاص مقصد کے لئے منتخب فرما لیتا ہے اور ان سے وہ کام لیتا ہے جو عام انسانوں کے بس میں نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کام کی وجہ سے اپنے اساتذہ اور اکابر سے بھی سبقت لے جاتے ہیں۔اسی طرح یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جو بندے اپنے مقصدِ تخلیق سے غافل ہوکر اپنے نفس کے پجاری بن جاتے ہیں، ان کی قدر و قیمت خالق کی نگاہ میں مکھی و مچھر سے کچھ بھی زیادہ نہیں رہتی اور ایسے لاکھوں انسانوں کے ختم ہوجانے سے دنیا کی قدر و قیمت اور معنویت میں کوئی کمی نہیں آتی، ایسے لوگوں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ (الدخان:۲۹) ''نہ تو ان پر زمین روئی اور نہ ہی آسمان نے کوئی آنسو گرایا'' ان کے برعکس جو بندے اپنے مقصدِ تخلیق کو یاد رکھتے ہیں تو

وہ اپنے خالق کی نگاہوں میں عزیز و محبوب بن جاتے ہیں، ایسے لوگ جب دنیا سے اٹھائے جاتے ہیں تو زمین و آسمان اور اللہ کے معصوم فرشتے رنج و غم میں ان کے متعلقین کیساتھ شریک ہوجاتے ہیں، بلاشبہ ایسے لوگوں کا اٹھ جانا انسانی دنیا، کسی قوم یا جماعت کیلئے ایک بہت بڑا سانحہ ہوتا ہے جس سے نہ صرف ان کے متعلقین کو غیر معمولی رنج اور صدمہ پہنچتا ہے بلکہ زمین اور آسمان بھی اس پر آنسو بہاتے ہیں۔

موجب تسکین پہلو

شہید ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مولانا سمیع الحق صاحب بھی اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے ایک ہیں جن کی المناک شہادت پر یگانوں کے ساتھ ساتھ سینے میں دل رکھنے والے بیگانے بھی آنسو بہا چکے ہیں البتہ اس سانحہ کا یہ پہلو موجبِ تسکین ہے کہ یہ شہادت خود موصوف کے حق میں محبوب حقیقی کا وصال اور ایک طرح کی معراج ہے۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی حفاظت کا وہ کام لیا جس کی توفیق خاص بندوں کو ہی ملتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر خاص فضل ہوتا ہے کہ اسے کسی اچھے اور بڑے کام کی صلاحیت بخشی جائے پھر اسی کام کی لگن اس کے دل میں پیدا کر کے اس میں اس کو مشغول بھی کر دیا جائے۔ حضرت شہید کی زندگی اور ان کے کام کو دیکھنے والے ہر شخص کو نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت و توفیق موصوف کی رفیق تھی۔ انسانی زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں اس پیکر جرات و عزیمت نے اپنا حصہ نہ ڈالا ہو، نیز عصرِ حاضر کا وہ کون سا فتنہ ہے جس کا قلع قمع اور تدارک اس مرد جری نے نہ کیا ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے ایک بلند مکان سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مخاطب کر کے فرمایا:

> هل ترؤن مأرى؟ قالوا لا فإني لأرىٰ الفتن تقع خلال بيوتكم كوقع القطر (البخاري: ۱۸۷۸)
>
> ''کیا تم اس چیز کو دیکھتے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں، انہوں نے عرض کیا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں میں اس طرح نازل ہو رہے ہیں جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔''

ہر صبح ایک نیا فتنہ

اس پرفتن اور پرآشوب دور میں مذکورہ نبویؐ پیشنگوئی حرف بہ حرف پوری ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد امت مسلمہ کے لئے ہر صبح ایک نیا فتنہ جگا کر نمودار ہوتی رہی ہے اور

ہر شام اپنے ساتھ غم والم کی ایک نئی تاریکی لے کر جاتی رہی ہے۔ ۶۰ء، ۷۰ء کی دہائیوں کے فتنوں (سامراجیت، مغربیت، اشتراکیت، تجدیدیت، لادینیت، قادیانیت وغیرہ) کی تفصیل اور ان کے خلاف صدائے احتجاج کی جھلکیاں شہید ناموس رسالتؐ کی ۶۴۰ صفحات پر مشتمل کتاب ''اسلام اور عصر حاضر'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اس کے بعد موصوف نے ۱۰۔۱۱ جنوری ۸۸ء کو لاہور میں جارحیت کے سدباب کیلئے جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے ایک قومی کنونشن منعقد کیا جس میں تمام مذہبی جماعتوں پر مشتمل ''متحدہ محاذ'' کا قیام عمل میں آیا تھا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ہفت روزہ ''ترجمان اسلام'' لاہور ۲۲ جنوری ۸۸ء) جسے مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی والدہ صاحبہ کا صدقہ جاری قرار دیتے ہوئے ماہنامہ ''الحق'' کے اداریہ میں لکھا کہ: ''مرحومہ کے صدقہ جاریہ میں صرف دارالعلوم میں ان کے نسبی فرزندوں حضرت مولانا سمیع الحق اور حضرت مولانا انوار الحق کی خدمات دین اور تدریس علم ہی نہیں یا صرف قائد جمعیت مولانا سمیع الحق کی برپا کردہ تحریک نفاذ شریعت، فوجی جرنیلوں اور حکمرانوں کے ایوان میں پیش کردہ شریعت بل، اعلائے کلمۃ الحق کی مساعی جمیلہ، کاروان جمعیت کی نظامت علیا، متحدہ شریعت محاذ کی تشکیل، متحدہ محاذ کی تجویز وتشکیل، جہاد افغانستان کے بارے میں ٹھوس موقف اور دینی جماعتوں کا متفقہ طور پر اس کی بھرپور حمایت کرنا، ان کے اعمال حسنہ اور باقیات صالحات میں ان کے اساتذہ کی طرح مرحومہ کا بھی بھرپور حصہ ہے (ماہنامہ ''الحق'' مارچ ۸۸، ص ۸)

سانحہ لال مسجد اور مولانا شہید کی تدارک کے لئے کوششیں

جنرل پرویز مشرف کے دور میں لال مسجد کا سانحہ رونما ہوا، مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس کے تدارک کیلئے پشاور، راولپنڈی، اسلام آباد اور لاہور میں صدائے احتجاج بلند کی مگر امریکی ولادینی قوتیں غالب آ گئیں۔ حضرت موصوف نے ۱۴؍اگست ۲۰۰۷ء کو یوم آزادی کے موقع پر سینٹ کے اجلاس میں اپنے فکر انگیز خطاب میں فرمایا کہ:

> '' یہ بڑا المیہ ہے کہ معصوم بچے اور طلبہ و طالبات جو اللہ کے دین کو سیکھنے کیلئے وہاں جمع تھے اور ہرگز کسی ظلم اور زیادتی کے مستحق نہیں تھے ہم نے ان کو دشمنوں کی طرح کرش کر دیا۔ ہندوستان نے اپنے جہاز کے مسافروں کو بچانے کے لئے ان کی رِٹ کو بار بار چیلنج کرنے والے قیدی چھوڑ دیئے۔ کیا یہ قربانی ہم نہیں

دے سکتے تھے؟ ہم نے قرآن کو جلنے دیا، جو قرآن بچوں اور بچیوں کے سینوں میں تھا، ہم نے وہ سینے چھلنی کر دیئے، اگر کسی برگر فیملی کے ایچی سن کالج، بیکن ہاؤس میں پڑھنے والے بچوں نے ایسا کیا ہوتا تو کیا ان کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا جاتا؟ کیا ہمارے کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں بغاوت نہیں ہوتی ہے؟ پرنسپل اغوا نہیں ہوتے ہیں؟ وائس چانسلروں کا محاصرہ نہیں ہوتا ہے؟ پرچے آؤٹ نہیں ہوتے ہیں؟ یہ سب کچھ ہم برداشت کرتے ہیں لیکن اس معاملے کو اس لئے برداشت نہیں کر سکے کہ بش کا حکم آ گیا تھا اور بش کا آرڈر قطعی تھا کہ ان کو کرش کر دو، لال مسجد کا واقعہ ہنگامی نہیں تھا۔ کسی نے اکسایا، پھر کسی نے طول دیا، پھر آخر میں یہ انجام ہوا جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا لیکن اب اس الم ناک حادثہ کا کوئی نہ کوئی مداوا کیا جانا چاہیے، آج کتنے دن گذر گئے؟ مولانا عبدالعزیز اور اس کا سارا خاندان چیخ چیخ کر مطالبہ کر رہا ہے کہ سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ایک سات رکنی اعلی سطحی عدالتی کمیشن قائم کیا جائے، ہم نے سینٹ کی وزارت مذہبی امور کی اسٹینڈنگ کمیٹی بلائی تھی، اس کمیٹی نے بھی مطالبہ کیا کہ فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا جائے لیکن کوئی سنتا ہی نہیں۔ انہوں نے حکومت کو تجویز دی کہ کسی نئے سانحے سے بچنے کیلئے لال مسجد کو کھولا جائے، اللہ کا گھر بند ہے، اس پر ہم سب کو قہر الٰہی کے خوف سے لرزنا چاہئے، جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو بحال کیا جائے۔ اس مظلوم شخص مولانا عبدالعزیز کو جس کا بھائی شہید ہوگیا، جس کا اکلوتا بیٹا شہید ہوگیا، جسکی والدہ شہید ہوگئی، اسکو روزانہ ہتھکڑیوں میں لایا جاتا ہے، ۶،۶ گھنٹے بند ڈبے میں بٹھایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر دل کا دورہ پڑنے لگ جاتا ہے پھر ٹی وی پر اس منظر کو دکھایا جاتا ہے، اس کیساتھ جوان بیٹی اور پاکدامن بیوی کو گھسیٹا جاتا ہے مگر کسی کو پشیمانی نہیں۔ لال مسجد کا سانحہ کربلا کی طرح دہشت ناک واقعہ ہے کہ کربلا کا میدان تو صحرا میں تھا، آبادی نہیں تھی مگر یہ سانحہ تو ہمارے ایوانوں کے نیچے ہوا، ایوان صدر نزدیک تھا۔ سینٹ اور قومی اسمبلی پہلو میں تھی، اس بڑے سانحے کے باوجود ہم سب زندہ ہیں۔ تاریخ میں ہمارا نام برے لفظوں میں یاد رکھا جائیگا، آج کے وکلاء، علماء، ممبران پارلیمنٹ

کے نام بڑے برے لفظوں میں لکھے جائینگے۔ ہم سب اپنا کردار ادا نہ کر سکے، ہمارا ضمیر ہمیں نہیں چھوڑیگا(روزنامہ ''اسلام'': ۱۹راگست ۲۰۰۷ رپورٹ اکرام بخاری)

ہر تحریک کے قائد

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ہر تحریک میں قائدانہ کردار ادا کیا، ۸۰ء کی دہائی میں ملت اسلامیہ کو روس کے افغانستان پر قبضہ کی صورت میں ایک اور شدید فتنہ کا سامنا کرنا پڑا جس سے پاکستان کی جغرافیائی ونظریاتی سرحدوں کو خطرات لاحق ہوگئے تھے۔ حضرت موصوف نے اس فتنہ اور بعدازاں عالمی اتحاد کی عالم اسلام کے خلاف یلغار اور بین الاقوامی سازشوں کے تدارک کو اپنی زندگی کا مشن اور نصب العین قرار دے دیا جس میں وہ چالیس سال (۱۹۷۹ء تا ۲۰۱۸) تک مصروف ومشغول رہے، مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے حسب ضرورت اگرچہ ہر دینی شعبہ (تعلیم وتدریس، تحریر وتقریر، تصنیف وتالیف، دعوت و تبلیغ اور صحافت و سیاست) میں قابلِ رشک خدمات سرانجام دیں جو بلاشبہ جہاد ہی کے زمرے میں محسوب ہوتی ہیں لیکن اسکے باوجود عملی جہاد (جو اسلام کا ایک مستقل شعبہ ہے) کو اپناتے ہوئے اس میں چالیس سال خدمات موصوف کی اصل پہچان بن گئیں، حتیٰ کہ دشمن نے بھی ''فادر آف طالبان'' اور ''بابائے طالبان'' کے القاب سے نواز کر باقاعدہ اس کا اعتراف کرلیا والفضل ما شهدت به الاعداء

دارالعلوم حقانیہ کو طالبان کا ''جی ایچ کیو'' بھی کہا جاتا رہا، ایسا کیوں نہ ہوتا آخر اسکی بنیاد بھی تو اکوڑہ خٹک کی اس سرزمین پر رکھی گئی جسے ۱۸۳۱ء میں عظیم مجاہدین (جو آگے چل کر شہدائے بالاکوٹ کے نام سے موسوم ہوئے) کے پڑاؤ کا اعزاز حاصل ہوا۔ ایک مجاہد کا اپنا بھی بڑا مقام ہے لیکن اس مجاہدانہ زندگی کا ایک انجام شہادت ہے جو نبوت وصدیقیت کے بعد سب سے بڑا منصب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو ۸۲ سال کی عمر میں شہادت کے انعام سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس موقع پر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار یاد آگئے جو انہوں نے اپنے قتل ہونے سے پہلے پڑھے تھے جن میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے لئے ایک واضح پیغام ہے:

فَلست ابالِی حِین اقتل مسلِما
علی أیِ شق کان لِلهِ مصرعِی
و ذلِك فِی ذاتِ الاِ لهِ و اِن یشاء
یبارِك علی او صالِ شِلو ممزع (البخاری:۳۸)

جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی فکر اور پروانہیں ہے کہ اللہ کے لئے کس پہلو پر میرا (زمین پر) بچھڑنا ہوگا اور یہ میرا قتل ہونا اللہ کی رضا کے لئے ہے اگر وہ چاہے گا تو ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے عضو کے جوڑوں پر برکت نازل کرے گا۔

بعض حضرات نے ایک یہ شعر بھی نقل کیا ہے

فلست بِمبدٍ للعدوِ تخشعا ولا جزعًا اِنِی اِلی اللهِ مرجعِی

میں دشمن کے سامنے سرنڈر یعنی عاجزی کا اظہار کرنے والا نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی جزع وفزع کرنے والا ہوں کیونکہ میرا لوٹ جانا اللہ ہی کی طرف ہے۔

اس بات سے اختلاف ممکن نہیں کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اپنا آخری سفر قانون توہین رسالتؐ کے نفاذ اور اس کے تحفظ کے لئے اختیار کیا تھا جو فی سبیل اللہ کے زمرے میں ہی آتا ہے۔ موصوف اگر اس راستے میں قتل ہونے کے بجائے طبعی موت سے بھی ہم کنار ہوجاتے تو بھی از روئے حدیث شہید کہلاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں مقتول فی سبیل اللہ کے اعزاز سے نواز دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

ما تعدون الشهيد فيكم؟ قالوا يا رسول الله: من قتل فی سبيل الله فهو شهيد قال: ان الشهداء امتی اذًا لقليل قالوا: فمن هم يا رسول الله؟ قال: من قتل فی سبيل الله فهو شهيد و من مات فی سبيل الله فهو شهيد و من مات فی الطاعون فهو شهيد و من مات فی البطن فهو شهيد و الغريق شهيد(مسلم:۵۱۵)

''تم اپنے درمیان کس کو شہید شمار کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جو شخص اللہ کے راستے میں مارا جائے وہ شہید ہے آپؐ نے فرمایا پھر تو میری امت کے شہید بہت کم ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر شہید کون لوگ ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: جو اللہ کی راہ میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اللہ کی راہ میں مرگیا وہ بھی شہید ہے اور طاعون میں اور پیٹ کی بیماری میں مرنے والا اور غرق ہونے والا بھی شہید ہے۔''

شریعت کی روشنی میں اگر مزید غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے واقعہ میں قتل ہونے کے علاوہ چند مزید شہادتیں بھی جمع ہوگئی ہیں۔

مظلوم ہونے کی حیثیت سے، مسافر ہونے کی حیثیت سے، دین کے محافظ ہونے کی حیثیت سے، ناموس رسالت کے نگہبان و پاسبان کی حیثیت سے، مجاہد فی سبیل اللہ کی حیثیت سے کہ موصوف کی زندگی کے آخری چالیس سال ۱۹۷۹ء تا ۲۰۱۸ء اس پر شاہد ہیں۔

مولانا شہیدؒ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوکر ابدی زندگی کی ان تمام پائیدار نعمتوں سے لطف اندوز ہورہے ہیں جن کا اللہ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اپنے جس مقدس مشن و موقف کو زندگی بھر بیان کرتے رہے آخر میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے جہاں انہوں نے مقدس مشن کی حفاظت کی اور اپنے مشن و موقف کی حقانیت کو ثابت کردیا وہیں اپنے معاندین و ناقدین کو یہ پیغام بھی دے دیا کہ

سأمضی و ما بالموت عار علی الفتی
اذا مانوی حقًا و جاهد مسلمًا
فان عشت لم اندم وان مت لم ألم
کفی بك ذلا ان تعیش و ترغما

''مجھے جو کرنا ہے کرگزروں گا اور جوان کے لئے موت باعث عار نہیں جبکہ اس نے خیر و بھلائی کا ارادہ کر رکھا ہو اور مسلمان کی حیثیت سے جہاد کررہا ہو۔ اگر میں زندہ رہا تو مجھے ندامت نہیں ہوگی اور اگر اس راستے میں کام آگیا تو مجھے ملامت نہیں کیا جائے گا (البتہ) تمہاری ذلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تم ایسی زندگی گذارو جو باعث عزت افتخار نہ ہو''۔

اللہ تعالیٰ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو اپنی رحمت و مغفرت و رضوان سے نوازے۔ ان کی دینی خدمات کا اپنی شان کے مطابق صلہ عطاء فرمائے اور ان کے جملہ اعزہ و اقارب اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطاء فرمائے اور ہم سب کو اس مقدس مشن کی حفاظت اور اسے جاری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

مولانا ڈاکٹر قاسم محمود
مہتمم جامعہ مخزن العلوم بنارس کراچی

عبقری شخصیت کے مالک

مولانا ڈاکٹر قاسم محمود صاحب مولانا مفتی مظفر الدین مرحوم کے قابل فاضل فرزند ارجمند، حقیقی جانشین، جامعہ مخزن العلوم بنارس کراچی کے مہتمم، مجلس علماء پاکستان کے صدر، ایک جید عالم دین، مدرس وفعال شخصیت ہیں، آپ وسیع مطالعہ رکھتے ہیں، سیاسی اور سماجی مسائل پر بہترین تجزیہ نگار اور صاحب قلم ہیں، ان کی قلمی روانی کا اندازہ ان کی تحریروں سے لگایا جاسکتا ہے، مولانا شہیدؒ اور خانوادہ حقانی سے ان کے اور ان کے والد محترم مولانا مفتی مظفر الدین مرحوم کے گہرے علمی، سیاسی وتحریکی مراسم تھے۔(ادارہ)

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ہماری ملی و دینی جدوجہد کی تاریخ کے ایک روشن باب کا مستقل عنوان ہیں اور ان کی خدمات کا دائرہ اور حجم اس قدر وسیع اور بڑا ہے کہ ایک مختصر تحریر میں اس کا پوری طرح احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک تکوینی امر ہے کہ ہر دور اور زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے کردار وعمل اور حال وقال سے اس پورے عہد کو اس انداز میں ایک شناخت اور پہچان عطاء کرتے ہیں کہ وہ عہد اسی سے منسوب ہوکر رہتا ہے۔ مولانا سمیع الحقؒ اپنے دور کے ایسے ہی گنے چنے اور ہیرے لوگوں میں سے ایک تھے، ایک شخصیت، ایک عہد اور ایک زریں تاریخ، اپنی حیات مستعار کے مختلف مراحل میں انہوں نے جس جس میدان کا رخ کیا، اپنی شخصیت اور کام و کردار کی انفرادیت سے اس میدان کے فاتح ٹھہرے اور کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے، وہ صحیح معنوں میں ان لوگوں میں شامل تھے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں تنہا انجمن ہوتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ محض ایک شخص کا نام نہیں، وہ ایک ایسے فرد تھے، جو تنہا کئی اداروں، جماعتوں اور انجمنوں پر حاوی اور بھاری تھے اور پوری زندگی انہوں نے اکیلے کئی اداروں کا کام انجام دیا۔ ان کے تحقیقی، تصنیفی وتالیفی کام کا حجم اور پھیلاو دیکھ کر ہی انسان حیرت میں پڑتا ہے کہ اس ایک شخص نے اکیلے ایک ایسے علاقے میں جہاں علم وتحقیق کے وسائل و ذرائع بھی بڑے اور متمدن شہروں کی نسبت آج کے اس جدید دور میں بھی بہ آسانی مہیا نہیں ہیں، کیسے علم وفن کا ایک ہمالیہ کھڑا کر دیا، علم وفن سے لے کر عمل و کردار کے مختلف میدانوں تک، انہوں نے جس طرف بھی اپنے اشہبِ فکر کو دوڑایا، اپنا نام و مقام وہاں نقش کر آئے، یہ

ایک عملی حقیقت ہے کہ ہر دور میں مختلف شعبوں، علم وفن کے مختلف گوشوں اور عمل و کردار کے مختلف اطراف میں ایسے باکمال لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنے شعبے، فن اور میدان میں عظمتِ شان حاصل کرتے ہیں۔ اس شعبے، فن اور میدان میں انہی کا طوطی بولتا ہے اور وہ امام کہلاتے اور لوگوں کیلئے مرجع کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ زندگی بھر ایک ہی شعبے سے وابستہ ہوتے ہیں اور ایک میدان کو منتخب کرکے ساری زندگی اس میں کھپا دیتے ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم اور نایاب ہوتے ہیں جو کوئی ایک موضوع اور شعبہ خاص کرکے اس میں مہارت پیدا کرنے کے بجائے چاروں طرف اپنی صلاحیتوں اور مہارتوں کا گھوڑا دوڑاتے ہیں اور جس طرف رخ کرتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے انہیں صرف اسی فن اور شعبے میں کمال حاصل ہے، ایسے لوگ عبقری اور جینئس کہلاتے ہیں اور ہرفن مولا ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ بھی ایسے ہی ایک عظیم انسان تھے۔ مولانا سمیع الحق نے متنوع میدانوں میں گوناگوں کام کیا، وہ سراپا جد و جہد تھے۔ کوئی میدان ایسا نہیں چھوڑا، جس میں وہ اترے ہوں اور دور دور تک ان کا نام و مقام نہ گونجا ہو۔ وہ ہمہ جہت شخصیت اور کئی دماغوں کے ایک انسان تھے، دار العلوم حقانیہ اس دیار میں بجا طور پر دار العلوم دیوبند ثانی کا درجہ رکھتا ہے، اس کے بانی مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے عظیم والد عظیم فاضل دیوبند شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کی عظمت، ولایت اور حوصلوں کے تو کیا ہی کہنے۔ اکابر دیوبند سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کے منظور نظر ٹھہرے، دار العلوم دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے شان ہی نرالی دی ہے اور پھر اس وقت جو اکابر حیات تھے، وہ جوہری تھے۔ یہ رجال سازی کا عظیم کارخانہ تھا، مال خام کی کھیپ کی کھیپ یہاں آتی اور کندن بن کر نکلتی، حضرت شیخ الحدیث بھی یہاں سے ایک گوہر تابدار بن کر نکلے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست   ہر جا کہ رفت، خیمہ زد و بارگاہ ساخت

باصلاحیت اور ہنرمند شخص کہیں بھی بیکار نہیں رہتا، وہ اپنی صلاحیتوں کے بل پر جنگل میں بھی منگل کر دیتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند سے جو کندن بن کر نکلے تو اکوڑہ خٹک کے دشت و بیاباں میں خیمہ گاڑا، فکر و آگاہی کے چراغ روشن کئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک شہر علم آباد ہوگیا۔ مولانا سمیع الحق اس عظیم جوہری کے فرزند تھے۔ جسے حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے تعلیم و تربیت سے مرصع و مزین کرکے ان کے سر پر جانشینی کا تاج سجایا۔ دار العلوم حقانیہ کو حضرت شیخ الحدیث کے اخلاص، جہد مسلسل اور عظیم نسبتوں کی برکت سے بجا طور پر خطے میں دیوبند ثانی کا مقام حاصل ہوا اور اس چراغ اور دیے سے مزید چراغ اور دیے روشن ہوتے گئے اور آج خصوصاً پشتون خطہ (افغانستان، کے پی کے، بلوچستان) اسی دیوبند ثانی کے فیض سے علوم نبوت سے منور و مالا مال

ہے۔اپنے والد گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق علیہ الرحمہ کے بعد ان کی مسند کو سنبھالنا اور دارالعلوم حقانیہ کی شان کو قائم رکھنا بہت بڑی ذمے داری تھی۔حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ اپنی زندگی کا سفر مکمل کر کے ۱۹۸۸ء میں دنیا سے کامیاب و کامران رخصت ہوئے۔آج سے ٹھیک دو سال قبل مولانا سمیع الحق شہید ہوئے تو دارالعلوم حقانیہ کی عظمت نہ صرف برقرار تھی بلکہ اس میں دو چند اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا سمیع الحق اپنے والد کے صحیح جانشین اور عظیم سپوت تھے، اگر وہ باصلاحیت اور اہل نہ ہوتے تو ہم نے اپنی آنکھوں سے بزرگوں کی علمی میراث نا اہل اولاد کے ہاتھوں اجڑتے دیکھا ہے، آج دارالعلوم حقانیہ کی تعمیر و ترقی اور مولانا سمیع الحق کی گوناگوں خدمات اس بات کے شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنے عظیم والد کے ورثے اور امانت کی کما حقہ حفاظت کی اور اسے مزید ترقی دے کر اگلی نسل کے سپرد کیا ہے، دارالعلوم حقانیہ کے علاوہ مولانا سمیع الحق کی زندگی و جد و جہد کے دیگر بھی بے شمار حوالے ہیں، وہ مرد میدان تھے، حجرہ بند مفکر ہرگز نہیں تھے۔ان کا خمیر اللہ تعالیٰ نے اس انداز میں ترتیب دیا تھا کہ ہر وقت کام اور بس کام کے بغیر انہیں سکون نہیں ملتا تھا۔

جہاد اور ملی تحریکات انہیں اپنے والد اور اکابر سے ورثے میں ملے تھے۔ان کے والد جہاد افغانستان کے سرپرستوں میں سے تھے، والد کے بعد مولانا سمیع الحق اس وادی پرخار سے عافیت کدے کی طرف نہیں پلٹے بلکہ آگے بڑھ کر والد کے علم کو سینے سے لگایا اور مرتے دم تک پوری جرات اور فخر کے ساتھ خود کو اس سے وابستہ رکھا، دنیا میں بہت سے انقلابات آئے، جن سے متاثر ہو کر بڑے بڑے جغادریوں نے اپنی راہیں بدل لیں مگر مولانا سمیع الحق مرتے دم تک اپنے اصولوں اور اپنی راہ پر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔وہ آخر تک ''فادر آف طالبان'' کہلاتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔آج جبکہ افغانستان میں جنگ بندی کیلئے متحارب گروہ طویل عرصے سے مذاکرات کی میز پر ہیں، اگر مولانا سمیع الحق شہید زندہ ہوتے تو یقیناً موجودہ نقشہ بہت پہلے ہی تبدیل ہو چکا ہوتا۔ان کی شخصیت کا افغانستان کے تمام متحارب گروہ احترام کرتے تھے، جس کے باعث یہ مرحلہ جو بڑا صبر آزما اور مشکل دکھائی دے رہا ہے، مولانا سمیع الحق کی مساعی سے بہت آسانی سے سر ہو گیا تھا مگر برا ہو عقل و حکمت سے عاری بدفطرت دشمن کا کہ اس معمر اسلامی رہنماء کو شہید کر کے پاکستان و افغانستان بلکہ عالم اسلام کو بہت بڑی علمی و روحانی شخصیت سے محروم کر دیا اور اتحاد امت کے داعی تحریک طالبان افغانستان کو بہت نازک وقت میں اپنے مشفق رہنما و سرپرست سے دور کر دیا، مولانا سمیع الحق کے ساتھ مجھے ایک نیاز مند کے طور پر بڑا عرصہ سیاسی میدان میں کام کرنے کا موقع ملا، میں وثوق سے کہتا ہوں ان جیسا حلیم، بردبار، ملنسار، شفیق، مخلص، حکمت و دانائی اور تدبر والا رہبر و رہنماء میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔اللہ تعالیٰ ان کی شہادت اور ان کی عظیم ملی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول کرے، (آمین)

مولانا منظور احمد قاسمی
فاضل جامعہ دارالعلوم حقانیہ

مغربی افکار کے تعاقب میں مولانا شہیدؒ کا کردار

روز اول سے حق اور باطل کے درمیان کشمکش شروع ہے، متلاشیان حق نے ہر محاذ پر حق کا دفاع کیا ہے، حق کے داعی اور علمبردار انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے وارث و جانشین علمائے اسلام ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد ان کے نام لیوا اور ان کے لائے ہوئے دین کے محافظ، شارح اور مبلغ یہی علمائے کرام ہیں اور یہی نکتہ ہے اس حدیث میں کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے کرام کو اپنا وارث و جانشین شمار کیا ہے اور ان کے واسطے سے تا قیامت فیض نبوی جاری ہے، حق کی حمایت، حفاظت و سربلندی کے لئے علمائے کرام کی جد و جہد اور کوششوں کا دائرہ وسیع ہے، قلمی، لسانی، مالی اور جانی ہر لحاظ سے کوششیں کی ہیں۔ تا آنکہ حق کا شمس نصف النہار نمودار ہے اور پورے عالم کو روشنی دے رہا ہے۔ اس کے مقابلہ میں باطل مٹ جاتا ہے اور روز بروز مٹنے والا ہے اگر ظاہری طور پر باطل کی رنگینی کو ہم دیکھتے ہیں تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

اہل حق کا نمائندہ

حق اور اہل حق جب تک زندہ ہیں تو باطل کی سرکوبی ہوگی اور یہ ظاہری رنگینی خاک میں مل جائے گی، اسی قافلہ اہل حق کے ایک فرد فرید عالم اسلام کی عظیم شخصیت، کئی کتابوں کے مصنف، جدید و قدیم علوم کے ماہر، ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم اور اہل حق کا نمائندہ، اردو، عربی اور فارسی زبانوں کے بہترین ادیب شیخ الحدیث، رئیس القلم حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ تھے۔ آپ کی سانحہ شہادت کے بعد آپ کی زندگی کے متعلق مختلف علماء، اہل قلم، وکلاء، دانشور، سیاسی مبصرین اور صحافی حضرات نے بہت کچھ لکھا لیکن حضرت مولانا شہیدؒ کے کارنامے اور خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔

جدیدیت اور اس کا تعاقب

حضرت شیخ شہیدؒ کی چند گنے چنے خصوصیات میں جو خصوصیت نمایاں تھی اور عام طور پر

ہمارے مدارس میں اس کا ملنا مشکل ہے، وہ آپ کی جدیدیت پر رد اور اس کا تعاقب تھا۔ آپ جدیدیت کے بڑے ناقد تھے۔ آپ کی درس حدیث میں یہی خصوصیت نمایاں ہوتی تھی۔ بڑے سنجیدہ او رمتین انداز میں فرق باطلہ، جدیدیت، ہیومن ازم اور معاشی حوالے سے اشتراکیت، سرمایہ دارانہ نظام پر خوب گرفت کرتے تھے۔ جدید علوم اور اصطلاحات پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ قادیانیت کے خلاف جب وقت کے اکابر مولانا عبدالحقؒ، مولانا بنوریؒ، مولانا ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمودؒ نے ایوان میں تحریک چلانی شروع کی تو عام مسلمانوں، حکمران اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کو اس فتنہ سے آگاہ کرنے کے لئے ایک ایسے انداز میں کتاب لکھنے کا ارادہ کیا جو مذہبی اور اصلاحی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی، عصری اور جدید انداز میں ہو، کتاب میں اس پہلو پر کام کرنے کے لئے مذکورہ اکابر نے حضرت شہید اسلام مولانا سمیع الحق صاحبؒ کا انتخاب کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ مولانا شہیدؒ کی عمر چھتیس سال تھی۔ سچ ہے کہ ''بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال'' ورنہ اس وقت بڑے بڑے اہل قلم، اور ماہرین موجود تھے لیکن ان اکابر کی نظر مولانا عبدالحقؒ کے فرزند ارجمند پر پڑی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شہیدؒ عصری علوم اور تقاضوں سے خوب باخبر تھے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کا آپ کو خراج تحسین

اسی طرح مولانا شہیدؒ جدیدیت اور ماڈرن ازم کو جانتے اور پرکھتے ہوئے اس پر رد کرتے رہتے تھے۔ اس بات کی گواہی عالم اسلام کی عظیم شخصیت علوم جدیدہ وقدیمہ کے ماہر اور خود جدیدیت کے عظیم ناقد، عرب وعجم کا سرمایہ افتخار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زبانی سنئے! مولانا شہیدؒ کی کتاب پر پیش لفظ میں لکھتے ہیں: ''مقام شکر ہے کہ مولانا سمیع الحق صاحب علماء کے اسی باشعور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو مغربی تہذیب کے نقائص وعیوب کو جانتے اور ان پر بروقت گرفت کرتے رہتے ہیں، ''اسلام اور عصر حاضر'' کے نام سے انہوں نے اپنی لکھی ہوئی تحریرات کو یکجا کردی ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً پیش آنے والے مسائل اور تحریکات کے جواب میں لکھیں'' (اسلام اور عصر حاضر: ص۲)

معروف ادیب حسن عسکری کا اعتراف عظمت

مشہور نقاد وادیب جناب پروفیسر حسن عسکری صاحب مرحوم کے وفات پر ایک تعزیتی پروگرام میں جو ٹیلیوژن کے قومی پروگرام میں پورے ملک میں نشر ہوا۔ ملک کے بہت سے اہل دانش وارباب قلم جمع ہوکر مرحوم کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے اپنے اپنے حالات کا اظہار

فرمارہے تھے۔انہی میں جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور وصدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی نے ذکر کیا کہ حسن عسکری صاحب ایسے مستعد اور چاق وچوبند لکھنے والے تھے کہ گویا ہر وقت لکھنے کے لئے آمادہ رہتے تھے،ایک دن ایک نجی مجلس میں جبکہ عبادت بریلوی صاحب کے پاس وہ بیٹھے تھے ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ آج کل ادبی موضوعات پر کچھ نہیں لکھتے حالانکہ پہلے ملک کے مختلف ماہناموں میں لکھتے رہتے تھے۔اس پر حسن عسکری صاحب نے فرمایا کہ اب نثر لکھنے یا پڑھنے کے مواقع بہت کم ہیں اور یہ کہ لوگوں میں اعلیٰ اَدبی ذوق وشوق مفقود ہو چکا ہے اس لئے کہ موجودہ دور میں ڈائجسٹوں اور سستے ادب کے پرچوں کی بھرمار ہے۔خالص فنی ادبی تحریروں کو نہ پڑھا جاتا ہے اور نہ ہی ان کی اشاعت ہوتی ہے۔پھر اسی مجلس میں تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا کہ آپ نے ''الحق'' ایک ماہنامہ اکوڑہ خٹک سے نکلتا ہے۔کبھی پڑھا ہے؟اس پر عبادت بریلوی صاحب نے کہا کہ جی نہیں! میں نے تو اس پرچے کو نہیں دیکھا ہے۔اس پر پروفیسر حسن عسکری صاحب نے کہا کہ اکوڑہ خٹک سے ایک اَدبی مذہبی پرچہ نکلتا ہے جو حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے صاحبزادے مولوی سمیع الحق صاحب نکالتے ہیں،اس میں اعلیٰ ادبی نثر پڑھنے کو مل جاتی ہے۔ان تحریروں کا وہی انداز ہوتا ہے کہ جواب سے تیس سال پہلے مختلف معیاری ادبی پرچوں میں شائع ہوتی تھیں، چنانچہ عبادت بریلوی صاحب یہاں فرماتے ہیں کہ انہوں نے حسن عسکری صاحب کے کہنے پر پرچہ پڑھنا شروع کیا اور انہوں نے اس کو پروفیسر حسن عسکری صاحب کے خیال کے عین مطابق پایا۔واضح رہے کہ اس تعزیتی مذاکرہ میں جناب فیض احمد فیض صاحب، جناب احمد ندیم قاسمی صاحب، پروفیسر کرار حسین صاحب جیسے فضلاء ادب بھی موجود ہوتے تھے (مکاتیب مشاہیر: ج ۳ ص ۶۶۹)

اسی طرح حسن عسکری صاحب مرحوم مولانا شہیدؒ کی ادبیت اور دفاع اسلام کی جدوجہد کے معترف تھے،ایک خط میں مولانا شہیدؒ کے نام لکھتے ہیں: ''چند مہینے ہوئے آپ نے کراچی میں غریب خانے پر تشریف لاکر میری عزت افزائی فرمائی تھی۔ میں نے عرض کیا تھا کہ میں ''الحق کا باقاعدہ قاری ہوں لیکن ڈاک کا معاملہ گڑبڑ رہتا ہے، اس لئے ایک اور صاحب کے پتے پر منگواتا ہوں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ وہ صاحب اپنے معاملات میں اتنے مصروف ہیں کہ دودو مہینے ملاقات نہیں ہوتی اور مجھے ''الحق'' کا شدید انتظار رہتا ہے،خصوصاً آپ کے اداریہ پڑھنے کا۔''

ایک اور خط میں لکھتے ہیں: ''الحق'' جب سے شروع ہوا ہے دیکھتا رہا ہوں، حقیقت یہ ہے کہ دین کی مدافعت کا کام جیسا ''الحق'' اور ''بینات'' نے سرانجام دیا ہے۔ اس کے برابر کوئی رسالہ نہیں پہنچ سکا، اپنے اداریوں میں آپ نے ہمیشہ حق کی بات بے خوف کہی ہے اور انصاف واعتدال کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔'' (مکتوبات مشاہیر: ج ۳ ص ۲۶۷)

پروفیسر حسن عسکری صاحب مرحوم مغرب اور مغربی افکار وتہذیب سے خوب واقف اور انکے ناقد تھے۔ آپ کی مشہور کتاب ''جدیدیت'' اس موضوع پر بنیادی کتاب ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ پروفیسر مرحوم کے بھائی محمد حسن مثنی مرحوم اڈیٹر روزنامہ پاکستان ٹائمز راولپنڈی نے اپنے ایک خط میں حضرت مولانا شہیدؒ سے اس کتاب پر تبصرہ کرنے کی خواہش کی۔ خط کا متن ملاحظہ ہو۔ ''پچھلے مہینے تبصرہ کے لئے محمد حسن عسکری کی ''جدیدیت'' کی دو جلدیں آپ کی خدمت میں روانہ کروائی تھی، ''الحق'' کے تبصرے کا انتظار رہے گا۔'' مذکورہ بالا خطوط سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شہیدؒ مغربیت سے واقف اور اسکے ناقدین حضرات کے نظر میں ایک اہم مقام رکھتے تھے اسی طرح جدیدیت کے طول وعرض سے خوب واقف تھے، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ ایک روایتی عالم نہیں تھے بلکہ آپ اپنے زمانے کے علمی، ادبی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت تھے اور دور حاضر کے زبردست متکلم اسلام تھے۔ جدید علم الکلام کے ماہر تھے۔

اسلامی عقائد، افکار ونظریات کا دفاع

مولانا شہیدؒ نے اپنی تحریرات میں اسلامی عقائد اور افکار ونظریات کا مکمل دفاع کیا۔ اگر ایک طرف آپ نے عملی میدان میں اسلام اور اسلامی نظریات کی حفاظت کے لئے جد وجہد کی تو دوسری طرف آپ نے اپنی خداداد بصیرت اور قوت استدلال کے ذریعے قلمی طور پر اسلام اور اسلامی نظریات کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے اپنی بیاسی سالہ زندگی اس کام کے لئے وقف کی اور آپ کے قلم فیض رقم نے یورپ اور ان سے مرعوب اور متاثر اذہان کی پوری صفائی کی۔

حضرت مولانا شہیدؒ کے درس میں بھی یہی جدید طرز نظر آ رہی تھی۔ آپ کا درس قرآن ہو یا درس حدیث اس کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ آپ عصر حاضر کے مسائل اور الجھے ہوئے حالات اور عالمی و بین الاقوامی مسائل اپنی خداداد بصیرت اور قوت استدلال سے قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی تشریحات کی روشنی میں حل فرماتے تھے اور جدید وقدیم کے درمیان تطبیق یا پھر جدید قسم کے مسائل کا حل قدیم اصول کی

روشنی میں فرماتے ورنہ ان کا رد بڑے سنجیدہ اور منطقی وعقلی انداز میں فرماتے تھے اور یہی آپ کی درس کی ''مابہ الامتیاز،، تھی۔ حضرت مولانا شہیدؒ کے اسی انداز کو دیکھنے والے سمجھ جاتے تھے کہ دارالعلوم اور قدیم طرز کے پڑھے ہوئے عالم دین کیسے جدید علوم پر عبور رکھتے ہیں لیکن مولانا کی اس خوبی کو جاننے کے لئے مجنون کی آنکھیں اور دل چاہیے۔

دیدہ مجنون اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

مغرب کی ایک اور چال

مغرب اور مغربی افکار نے اسلام اور مسلمانوں کے مسلمہ عقائد واعمال میں تشکیک ڈالنے کی مذموم کوشش کی ہے لیکن دوسری طرف علمائے اسلام نے بروقت عقلی اور سنجیدہ انداز میں ان کو لاجواب کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مختلف فتنے دعوی نبوت، انکار حدیث، وغیرہ کھڑے کر دیئے اور ان فتنوں کی پشت پناہی آج تک کر رہی ہے۔ آج جو شخص قادیانیت کو قبول کرے تو مغربی ممالک میں ان کو باقاعدہ شہریت ملتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہمارے ملک میں کوئی بد بخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین کا ارتکاب کرے تو ایسے بد بخت انسان کو مغربی دنیا سے حوصلہ ملتا ہے اور وہ اس کو وہاں اعزاز کے ساتھ رکھتے ہیں، جس کے کئی نظائر وشواہد موجود ہیں۔

ہمارا دین اسلام، اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب ہم کو جن واسطوں سے ملی ہیں، ان میں پہلا واسطہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے مغرب نے ہمارے اس محترم ومعظم واسطہ کو نشانہ تنقید بنایا اور پہلے مختلف کتابوں میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کئے، یورپ اور مغرب سے شائع ہونے والے اس طرح کی کتابیں تقریباً لاکھوں کی تعداد میں ہیں لیکن ان سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی پر اعتراضات کئے گئے ہیں، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ائمہ کرام وغیرہ پر بھی جو اعتراضات آج تک ہو رہے ہیں، ان سب کے پشت پر مغرب اور ان کے حواریوں کی پشت پناہی ہے۔

مغرب کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو جن ذرائع سے آسمانی دین اور وحی مل رہی ہے۔ ان پر

اعتراضات کریں اور عام مسلمانوں کو ان سے بدظن کرنے کی کوشش کریں تو اس طریق پر مسلمان ہمارے جال میں آجائیں گے، اس سلسلہ میں مغرب سے آئے ہوئے فتنوں میں قادیانیت، انکار حدیث، بغض صحابہ اور اس طرح کے دیگر فتنے ہیں۔ علمائے کرام نے بر وقت ان سب فتنوں کا تعاقب کیا اور بلاخوف لومۃ لائم کے تمام فتنوں کی سرکوبی کی۔

فتنوں کی سرکوبی میں حضرت مولانا شہیدؒ کا کردار

حضرت مولانا شہیدؒ نے بھی ان تمام فتنوں کی سرکوبی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور عملی طور پر ان کے کچلنے میں بھر پور کردار ادا کیا، قادیانیت اور اس کے ناپاک عزائم سے قوم کو آگاہ کیا اور ۱۹۷۴ء کے پاکستانی پارلیمنٹ نے قادیانیت کے خلاف جو غیر مسلم اقلیت کا فیصلہ سنایا اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پھر ۱۹۸۳ء میں تو فقط بغیر کسی دوسرے سہارے کے انفرادی طور پر جدوجہد کی، عملی جدوجہد کے علاوہ قادیانیت کے خلاف زبان وقلم سے بھر پور جہاد کیا اور اپنے مؤقر جریدہ ماہنامہ ''الحق'' میں ان کے خلاف مسلسل لکھا اور حضرت استاد شہیدؒ کی اس زمانے کے تبصروں کو پڑھنے کیلئے اسلام اور عصر حاضر از صفحہ ۲۰۰ تا ۳۰۱ مطالعہ ضروری ہے۔

فتنہ انکار حدیث کے خلاف بھی آپ نے بہت کچھ لکھا، ہمارا موجودہ نظام تعلیم اور اس کے مضر اثرات سے آپؒ بخوبی واقف تھے۔ مولاناؒ نے نظام تعلیم اور اس سلسلے میں مدارس کی نظام تعلیم اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ہم اس سلسلے میں لکھنا چاہتے ہیں لیکن خوف طوالت کی وجہ سے لکھنے سے معذور ہیں، یہ تھی حضرت مولانا شہیدؒ کی جدیدیت، مغرب اور مغربی افکار سے متعلق عملی اور علمی وقلمی خدمات کا مختصر تذکرہ، علماء اور مدارس کے طلباء، اسی طرح سکول کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلباء و اساتذہ اس موضوع کو مکمل جاننے کے لئے دیگر کتب کے علاوہ حضرت مولانا شہیدؒ کے تمام کتب اور خاص طور پر ''اسلام اور عصر حاضر'' کا مطالعہ ضرور کریں۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بیرون

مولانا راشد الحق سمیع حقانی

اے این پی کی منعقدہ آل پارٹیز کانفرنس
اور حضرت مولانا سمیع الحق کا دوٹوک مؤقف

(زیر نظر مضمون حضرت شہید رحمہ اللہ کے حین حیات میں لکھا گیا تھا)

عدم تشدد کی نام نہاد علمبردار برسر اقتدار عوامی نیشنل پارٹی نے پانچ سال تک ایوانِ اقتدار کے بلند و بالا بام و در سے پاکستانی عوام اور خصوصاً صوبہ خیبر پختونخوا کے قتل عام کا نہ صرف بھرپور تماشہ کیا بلکہ اپنے انتخابی لال نشان کے زیر اثر اپنے دونوں ہاتھ شہیدوں کے خون سے خوب رنگین کئے اوران معصوموں کے خونِ ناحق سے ہولی بھی کھیلتی رہی اور مسلسل پانچ سال تک کرپشن، مہنگائی، بدامنی کے ساتھ ساتھ دینی حلقوں خصوصاً علماء، طلباء اور ائمہ مساجد اور پُرامن شہریوں کا خون چوستی رہی پھر دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ میں امریکہ کی حواری بن کر کروڑوں اربوں ڈالروں کے عوض مسلمانوں' پاکستانیوں اور خصوصاً پشتونوں کے عزت و ناموس کا سودا کرتی رہی۔ بہرحال پانچ سال تک جنگ وقتل عام کے بعد جب اے این پی کے اقتدار کی شام ہونے والی ہے اوراس کا خون آلودہ آفتاب غروب ہونے کو ہے تو ایسے حالات میں آل پارٹیز امن کانفرنس بلانے کا مقصد ''انتخابات'' کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے اب جبکہ انتخابات کی آمد آمد ہے اور مفادات کی فصلیں اچھی طرح پک چکی ہیں اور ساتھ ساتھ فصلی بٹیروں نے منڈیریں تبدیل کردی ہیں، کوئی ''امن'' کا دانہ بکھیرتا ہے کوئی مذاکرات کا، کوئی روٹی کپڑا اور مکان کا تو کوئی آزادانہ احتساب کا اور نئے صوبوں کا قیام کا؟ الغرض ۶۰ سال سے یہ ڈرامہ جاری ہے اور ہم پوری قوم ہر روز اس ڈرامے کا کوئی نہ کوئی سین دیکھ کر اگلے کا انتظار کرتے ہیں۔

عوامی نیشنل پارٹی کی ''آل پارٹیز کانفرنس'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی لہٰذا ملک کی تمام سیاسی قیادت نے خوشدلی اور نیم خوشدلی کے ساتھ اس میں بلاتفریق شرکت کی۔ ANP کے رہنماؤں

کی پرزور دعوت پر جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ اور متحدہ دینی محاذ کے کنو ینر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے بھی طویل مشاورت اور ساتھی جماعتوں کے مشورے سے اس میں شرکت کی اور انتہائی دلیرانہ وجراتمندانہ انداز میں دوٹوک الفاظ میں اپنا موقف پیش کیا۔ ذیل میں حضرت مولانا صاحب مدظلہ کی تقریر کے کچھ اہم اقتباسات اس اہم موضوع (''دہشت گردی'' امن اور طالبان سے مذاکرات) کی مناسبت سے ان ادارتی صفحات میں شامل اشاعت کئے جارہے ہیں۔

اے این پی کی آل پارٹیز کانفرنس میں مولانا سمیع الحقؒ کا دوٹوک اور واشگاف خطاب

۱۴رفروری ۲۰۱۳ء (اسلام آباد) ''جمعیت علماء اسلام کے سربراہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے آل پارٹیز سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دہشتگردی، بدامنی اور ملک کو درپیش تمام بحرانوں کا ایک ہی حل ہے کہ ''آل پارٹیز کانفرنس'' میں شریک تمام قومی، سیاسی اور مذہبی جماعتیں یک زبان ہو کر ملک کو امریکی تسلط سے آزاد کرانے اور ملک کو امریکی و نیٹو جنگ سے نکل جانے کا مطالبہ کریں۔ یہی اول اور آخر دیرپا حل ہے ورنہ کانفرنسوں، سیمیناروں، فتوؤں اور جلسوں سے دہشتگردی ختم ہوگی نہ کراچی اور بلوچستان میں آگ بجھے گی نہ صوبہ خیبر پختونخواہ اور قبائل میں امن قائم ہوگا، میں نے پہلے بھی بارہا کہا ہے کہ کنواں میں جب تک نجاست رہے گی اور اسے پاک کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ کنوئیں سے نجاست باہر نکالی جائے، صرف پانی نکالنے سے کنواں پاک نہیں ہوگا۔ یہی حال دہشت گردی کا ہے کہ جب تک امریکہ کو اس خطے سے باہر نہیں کیا جائے گا اس وقت تک پاکستان و افغانستان میں امن کا قیام ناممکن رہے گا۔ ہم نے پارلیمنٹ اور سرکاری آل پارٹیز کانفرنسز میں تین دفعہ قراردادوں کے ذریعہ مسئلہ کا حل پیش کیا مگر اے این پی اور دیگر حکومتی اتحادیوں نے حکومت کا حصہ ہوتے ہوئے انہیں نافذ کرانے پر زور نہیں دیا اور پانچ سال تک امریکی قتل عام اور ڈرون حملوں پر خاموش رہے۔ ہم نے ان ہی مقاصد کیلئے ''دفاع پاکستان کونسل'' قائم کی اور آپ سب کو باربار دعوت بھی دی مگر آپ سب امریکی ناراضگی مول لینے کیلئے تیار نہ ہوئے اور اس پلیٹ فارم سے دور رہے ورنہ آج پوری قوم ان حالات کا سامنا نہ کرتی۔ مولانا نے افغان طالبان کے حوالے سے فرمایا کہ

پھٹے پرانے کپڑوں اور ہوائی چپل پہنے ہوئے بے وسائل افغانی طالبان نے دنیا کی بڑی سپر پاور امریکہ کو شکست کھانے پر مجبور کیا اور پوری امت کا سر فخر سے بلند کر دیا، آج ہمیں انہیں خراج تحسین پیش کرنا چاہئے، اس موقع پر حضرت مولانا نے اے این پی کے سربراہ اسفندیار ولی کو مخاطب کر کے کہا آپ کے دادا بادشاہ خان نے انگریزی سامراج کے خلاف ہمارے بزرگوں شیخ الہندؒ وغیرہ کے ساتھ ملکر اور ان سے رہنمائی حاصل کر کے آزادی کی جنگ لڑی مگر روس کے خلاف جنگ میں آپ نے ہمیں اکیلا چھوڑ دیا اور اب امریکہ کے خلاف جہاد میں بھی آپ کی جماعت نے تائید کے بجائے لعن طعن کا سلسلہ شروع کیا اور اب بھی کر رہے ہیں۔ آیئے! آج ہم سب پھر ملکر امریکی سامراج کے خلاف ایک ہو جائیں اور سب مل کر ڈرون حملوں کے خلاف شدید احتجاج کریں اور اسے بند کرانے پر زور دیں، اب جبکہ امریکہ جا رہا ہے اور بھاگتے چور کی لنگوٹی کی طرح اس سے ہزاروں بے گناہ انسانوں کے قتل پر خون بہا اور تاوانِ جنگ کا مطالبہ کیا جائے اور لاکر بی طیارے کے مسئلے کی طرح اسے بھی عالمی ادارہ انصاف کے کٹہرے میں لے جایا جائے اوران سے شہیدوں اور تمام تر تباہی و بربادی کا حساب طلب کیا جائے۔ اس موقع پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ ان تمام مسائل میں اے این پی کے ساتھ ہمارے موقف میں زمین آسمان کا فرق ہونے کے باوجود بھی ہم نے تمام تحفظات کو چھوڑ کر اجلاس میں شرکت کی کہ ہم مسئلہ کا پرامن اور دیرپا حل چاہتے ہیں اور اس کا راستہ صرف اور صرف نیک نیتی پر مبنی تمام فریقوں سے مذاکرات اور بیرونی طاقتوں سے ملک کو آزادی دلانا ہے۔ تب ہی صوبے اور ملک میں امن قائم ہوگا اور پرامن انتخابات کی راہ ہموار ہوگی۔ ورنہ اگر حکومت نیک نیتی کے بجائے صرف خانہ پری اور وہی پرانی غلامی کی ڈگر پر چلتی رہی تو حالات صوبے اور ملک میں مزید بگاڑ اور خانہ جنگی کی طرف خدانخواستہ جاسکتے ہیں۔ لہٰذا ان گزارشات پر کھلے دل سے سیاسی جماعتوں اور حکومت کو غور کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کا حامی و ناصر ہو اور اسے غلامی سے نجات دلائے''

(ماہنامہ ''الحق'' فروری ۲۰۱۳ء)

مولانا عبدالمنعم فائز
کالم نگار ضرب مومن، اسلام

اسلام کا جواں ہمت بوڑھا جرنیل

مولانا عبدالمنعم فائز صاحب جامعۃ الرشید کراچی کے جید مدرس، ہفت روزہ ''ضرب مومن'' اور روزنامہ ''اسلام'' کے کالم نگار، تحریر کے فن سے آشنا، ایک منجھے ہوئے لکھاری ہونے کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔(ادارہ)

حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ بھی شہید کر دیئے گئے، علم وآگہی، فہم ودانش اور دینی سیاست کا ایک باب بند ہوگیا، آپ کے علمی کارنامے برسوں یاد رکھے جائیں گے، سیاست ایک ایسا کارزار ہے، جس میں قدم رکھنے والے علم سے رشتہ کم ہی نبھا پاتے ہیں، پل پل بدلتی سیاست میں علم کا دامن ہاتھ سے چھوٹ ہی جاتا ہے، مگر آپ کا شمار ان چند افراد میں ہوتا ہے، جنہوں نے سیاست کے ساتھ ساتھ علم وفن، تعلیم وتدریس کا شغل بھی تاعمر جاری رکھا۔

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق
ہر ہوس ناکے نداند جام وسندان باختن

صف اول کے مدرس ونامور مصنف

آپ صف اول کے مدرس، نامور قلم کار، مقبول مصنف، سب سے بڑے مدرسے کے مہتمم، مشہور سیاستدان تھے، اسکے باوجود ادا ادا میں تواضع، مسکنت اورسادگی بھی رچی ہوئی تھی۔ ماہنامہ ''الحق'' کے سابقہ شماروں پر کبھی نظر ڈالیں تو حیرت ہوتی ہے، کون سا بڑا نام ہے، جو اس میں نہیں لکھتا تھا، پھر مدیر اعلیٰ کا علمی وادبی ذوق، علمی دلچسپیاں، متنوع اور ہزار رنگ معلومات اس جام کو دوآتشہ بنادیتا۔

مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے زرخیز قلم نے وہ گل بوٹے اگائے ہیں کہ ان کی خوشبو صدیوں تک مہکتی رہے گی، آپ بچپن سے ہی لکھنے کے عادی تھے، آپ کی نوعمری کی ڈائری دیکھیں تو

مولانا ابوالکلام آزاد کا شکوہ نظر آتا ہے، آپ کی حالیہ تصنیف نے تو پاکستان کے علمی ماحول میں تہلکہ مچا دیا، آپ نے ''مشاہیر'' کے خطوط جمع کیے، ان پر فٹ نوٹ لکھے اور پچھلی نصف صدی کی علمی اور سیاسی تاریخ یوں بیان کردی کہ پڑھنے والے عش عش کر اٹھیں۔

بےنفسی اور مقصد کی سیاست

آپ سیاست کے میدان میں اترے تو یہاں بھی روایت شکن رہے، وہ سیاست جسے مفادات کا کھیل قرار دیا جاتا ہے اور جس میں اپنی پارٹی کو حرف آخر سمجھا جاتا ہے اس میں آپ نے بےنفسی اور مقصد سے لگن کی کئی مثالیں قائم کردیں، ۱۹۹۰ء میں آپ اسلامی جمہوری اتحاد کا حصہ بنے تو کوئی دوسرا مطالبہ نہیں کیا، شریعت بل کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور اسی کی بنیاد پر علیحدگی کی دھمکی دی۔

درویش خدامست

آپ کا شمار پاکستان کے ان چند گنے چنے افراد میں ہوتا ہے، جنہیں افغان طالبان اور پاکستانی ادارے یکساں احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، آپ کی لگن، بے لوثی، اخلاص اور للّٰہیت کے معترف سرحدوں کے اس طرف بھی ہیں اور اس طرف بھی، افغانستان پر امریکی یلغار کے سامنے جن درویشان خدامست نے بند باندھا، آپ اس دستے کے ہراول کا حصہ تھے، برصغیر کی علمی تاریخ جب کبھی لکھی جائے گی، خطے کی سیاسی تاریخ پر قلمی فرسائی کی جائے، استعماری عزائم اور ان کے سد باب کا جب بھی ذکر کیا جائے، دینی تحریکات کا تذکرہ چھیڑا جائے ختم نبوت کی تحریک پر روشنی ڈالی جائے، کارزار سیاست کے ہنگاموں کا تذکرہ ہو، اس میں مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا حوالہ ضرور آئے گا، آپ کے ساتھ ہی ایک عہد تمام ہوگیا، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ کے تذکرے میں لکھا تھا، آپ کے ہاتھوں سے پھول کھلتے ہیں اور باتوں سے پھول جھڑتے ہیں یہی مثال حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے متعلق بھی صادق آتی ہے کہ اِن جیسا نفیس، نرم خو اور وضع دار شخص بھی ظالم سفاک قاتلوں کی شقاوت قلبی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت سے نوازا، یہ بوڑھا جرنیل عمر کے آخری لمحے میں بھی شہادت اور جمعہ کے دن کی مبارک موت اپنے حصے میں لکھوا گیا۔

مرے خاک و خون سے تو نے کیا یہ جہاں پیدا
صلہ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ

جناب فصیح الدین اشرف
معروف دانشور، ادیب وکالم نگار

امریکی دانشوروں کی مولانا سمیع الحق سے ناانصافی
امریکی اداروں اور محققین کی دانستہ فاش غلطیاں

محترم جناب فصیح الدین اشرف صاحب اردو ادب کے معروف محقق، دانشور، ادیب وکالم نگار اور پولیس سروس آف پاکستان سے وابستہ رہے۔ علم وادب کا ذوق رکھنے کے ساتھ ساتھ اردو اخبارات و رسائل میں ان کے علمی وتحقیقی اور تنقیدی مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں۔ آپ پاکستان جرنل آف کرائمنالوجی کے ایڈیٹر ان چیف ہیں نیز آپ ایک ریسرچ لائبریری کے مدیر بھی ہیں۔ موصوف کی کتابوں میں ''صحرا میں اذاں''، ''سفر کی دھول'' اور ''خامہ بجوش'' حال ہی میں شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ (ادارہ)

ان دنوں کئی بین الاقوامی ماہرین کی کتابیں اور رپورٹس میرے زیرمطالعہ ہیں، ان پر الگ الگ اور تجزیاتی کالم مقررہ وقت پر لکھوں گا، البتہ مشہور امریکی مفکر، دانشور، مصنف، محقق اور صحافی ڈاکٹر ڈینیل مرکی (Daniel S. Mrakey) کی تازہ ترین کتاب ''پاکستان سے نہیں جائیں گے'' (No Exit from Pakistan) سے ایک مختصر سی بات کا تجزیہ کروں گا، ڈاکٹر مرکی امریکہ کی اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں جیسے ہاپکن اور ہارورڈ سے پڑھے اور پرنسٹن میں پڑھا چکے ہیں، وہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں ۲۰۰۳ اور ۲۰۰۷ء تک جنوبی ایشیاء کے ماہر کے طور پر کام کرچکے ہیں، امریکہ کی اعلیٰ ترین تحقیقاتی رسالوں جیسے فارن افیئرز، نیشنل انٹرسٹ، فارن پالیسی، سیکورٹی سٹڈیز، نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ وغیرہ جیسے چوٹی کے اخبارات میں لکھتے رہے ہیں، وہ پاکستان اور افغانستان سمیت جنوبی ایشیاء کے امور کے نامی گرامی ماہر جانے جاتے ہیں، اپنی تحقیق وتصنیف کے لئے کئی بار پاکستان کا دورہ کرچکے ہیں اور ہر خاص و عام سے ملتے رہے ہیں، امریکہ کی پالیسی سازی پر اثرانداز ہونے اعلیٰ علمی وتحقیقی ادارے کونسل فار فارن افیئرز (CFR) جہاں سے سہ ماہی ''فارن افیئرز'' نکلتا ہے، سے وابستہ ہیں اور ۲۰۱۰ء میں امریکہ کی افغانستان پاکستان کے لئے آزادانہ سٹریٹجک ٹاس فورس کے پراجیکٹ ڈائریکٹر رہے ہیں۔ میں نے اس کتاب سے قبل کونسل فار فارن افیئرز سے ان کی شائع شدہ تحقیق (Securing Pakistan's Tribal Belt) جو پاکستانی قبائلی علاقوں کو محفوظ بنانے سے متعلق تھی پڑھی

ہے، ڈاکٹر ڈینئل مرکی کا یہ تعارف اس لئے لکھا کہ قارئین کرام اس بات کو غیر اہم نہ سمجھیں کہ یہ کوئی عام امریکی مصنف ہو گا، ان کی پہنچ اور ان کی آراء دور دور تک جاتی ہیں، ان کی مذکورہ کتاب بھی کونسل فار فارن افیئرز کی طرف سے ہے اور اسے کیمبرج یونیورسٹی پریس جیسے نامور اشاعتی ادارے نے شائع کیا ہے، اس کتاب میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ یا ایسی عبارت ہو جس کا حوالہ نہ دیا گیا ہو قطع نظر اس سے کہ وہ تحقیق یا خبر خود کس قدر وزنی یا مدلل ہے، ڈاکٹر مرکی کی علمیت یا محققانہ مقام سے انکار تو ممکن نہیں مگر پڑھتے پڑھتے میں چونک گیا کہ کیا ڈاکٹر مرکی جیسی شخصیت سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے جو اس نے مولانا سمیع الحق اور انکے مدرسے ''دارالعلوم حقانیہ'' کے بارے میں لکھی ہے:

قارئین کرام! میں اس عبارت کا من وعن اردو ترجمہ لکھ رہا ہوں جو صفحہ نمبر ۵۲ سے ماخوذ ہے۔ ڈاکٹر صاحب ممتاز قادری، جنرل حمید گل، ان کے بیٹے، لشکر طیبہ اور حافظ سعید کے بارے میں اپنی رائے دینے کے بعد لکھتے ہیں: ''(حافظ) سعید کے بعد دوسرا نام مولانا سمیع الحق کا تھا جن کے افغان طالبان سے روابط تاریخی ہیں ان کا مدرسہ دارالعلوم حقانیہ، افغان سرحد پر واقع ہے اور جس میں علاقے کے ''بدنام ترین'' طالبان رہنماؤں کی تربیت ہوئی ہے، حقانی نیٹ ورک جس نے افغانستان میں نیٹو مشن کو خطرے سے دوچار کیا ہے کا سربراہ جلال الدین حقانی کا نام اس مدرسے کی مناسبت سے ہے جو کئی عشرے قبل اسی مدرسے میں پڑھ چکا تھا، میڈیا اس مدرسے کو اکثر ''جہاد کی یونیورسٹی'' سے یاد کرتا ہے، کئی عشروں پر محیط اس مدرسے نے ہزاروں پاکستانیوں، افغانوں اور غیر قانونی قرار دینے سے قبل، نوجوان افراد کو پوری دنیا میں ایک ''پرتشدد'' اور مغرب مخالف عالمی نقطہ نظر کی تعلیم دی ہے۔''

غیر ملکی سفارتکار اور مبصرین کیا یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ڈاکٹر مرکی نے درست کہا ہے؟ یہی امریکی محققین کی سب سے بڑی کمزوری اور ناانصافی بھی ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ مولانا سمیع الحق کا ''دارالعلوم حقانیہ'' افغان سرحد پر واقع ہے یا ضلع نوشہرہ کے اکوڑہ خٹک میں (جبکہ دارالعلوم طورخم بارڈر سے ۱۲۷ رکلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ مدیر) اور وہ بھی سڑک کے کنارے۔ اس قدر غلط بیانی کی توقع کم از کم ڈاکٹر ڈینئل مرکی سے نہ تھی، ان کا ہر صفحہ حوالہ جات سے بھرپور ہے مگر اس عبارت کے لئے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے، بچپن سے لیکر آج تک کم از کم میں نے تو کسی ''میڈیا'' میں یہ بات نہ پڑھی نہ سنی نہ دیکھی کہ میڈیا ''اکثر'' اس دارالعلوم کو ''جہاد کی یونیورسٹی'' قرار دے رہا ہے۔ مغربی میڈیا کا معاندانہ رویہ تو الگ بات ہے، اس بات سے قطع نظر کہ افغان روس جنگ میں مذہب کے نام پر مجاہدین کی امداد دکس سپر پاور کی ضرورت تھی جس کا اعتراف خود ان کے اہل علم اور ہیلری کلنٹن تک نے کیا ہے، یہ

بات صریح طور پر غلط ہے کہ ''دارالعلوم حقانیہ'' تشددانہ اور مغرب مخالف نظریہ حیات کو پوری دنیا میں پھیلا رہا ہے، ایسا الزام کسی اور جماعت یا تنظیم پر لگے تو اس کی سمجھ آتی ہے مگر ''دارالعلوم حقانیہ'' سے ۵۶ برس سے نکلنے والے دینی عالمی جریدے ماہنامہ ''الحق'' نے کبھی ایسا کردار ادا نہیں کیا ہے۔ مغربی طرز حیات پر تو خود اہل مغرب بھی آج کل بے تحاشا اور بڑے بے لاگ انداز سے لکھ رہے ہیں، کیا رابرٹ گیٹس (سابق امریکی وزیر دفاع) معمولی آدمی ہے جسکی کتاب ''فرض'' (DUTY) میں درجنوں ایسی باتیں ہیں جو امریکی پالیسی اور نقطہ نظر کے خلاف ہیں اور جس پر میں نے ایک گزشتہ کالم میں بھی لکھا تھا، کیا سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے امریکی طرز زندگی اور مغربی تہذیب پر کم تنقید کی ہے جو انکی مشہور کتاب Our Endangered Values ''ہماری اقدار خطرے میں'' کی سطر سطر سے عیاں ہے۔ قارئین جمی کارٹر کے بارے میں میرا کالم پڑھ سکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ''دارالعلوم حقانیہ'' میں تشدد وغیرہ کی کوئی تعلیم دی جاتی ہے، ورنہ ہمارے چھوٹے سے گاؤں تخت بھائی میں درجنوں ''حقانی'' فاضلین تخت بھائی کے گلی کوچوں میں تشدد کا بازار گرم کر چکے ہوتے۔

قارئین کرام! یہاں پر ڈاکٹر مرکی کی واقعاتی غلطیوں کی نشاندہی کے علاوہ اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مولانا سمیع الحق صاحب حافظ سعید کے بعد دوسرے نمبر پر نہیں آتے بلکہ ان کا شمار صف اول کے مذہبی اور سیاسی قائدین میں ہوتا ہے۔ وہ ایک عالم دین، ایک صاحب قلم ایک صاحب دل ایک منکسر المزاج انسان اور ایک معاملہ فہم مدبر بھی ہیں، ان کا شمار مولانا تقی عثمانی جیسی شخصیات کی صف میں ہونا چاہیے تھا، اگرچہ اس کالم کا مقصد حضرت مولانا کی خوبیاں گنوانا نہیں کہ ہر خاص و عام کو معلوم ہیں اور میرے مہربان صاحب قلم عالم دین مولانا عبدالقیوم حقانی تو ہر وقت ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں اور جب بھی ان سے ملاقات ہو تو مولانا صاحب کا تذکرہ چھیڑتے ہیں، اس کالم کا مقصد صرف اس بات کی نشاندہی کرنا ہے کہ امریکی علمی ادارے اور صف اول کے محققین بھی ایسی فاش غلطیاں کر سکتے ہیں، میں نے امریکہ اور یورپ میں اپنے سینکڑوں دانشور دوست احباب اور بڑے بڑے مفکرین جن سے میری ذاتی اور علمی روابط ہیں، کی اس جانب توجہ دلائی ہے۔ چند ایک نے تو انتہائی حیرت اور افسوس کا اظہار کیا ہے کہ یہ تو فارن افیئرز کونسل اور کیمبرج یونیورسٹی پریس کے علاوہ خود ڈاکٹر ڈینئل مرکی کے لئے سخت علمی بے اعتمادی کا سبب ہے، یہاں یہ بھی ذکر کروں کہ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسا کوئی ادارہ نہیں ہے جو اس قسم کی غلطیوں پر گرفت کر سکے۔ مجھے ایسا ادارہ بنانے کیلئے عوام سے مدد ملی نہ حکومت سے، این جی اووز بے چارے تو اپنی روٹی روزی کمانے میں لگے ہوتے ہیں، انکا علم اور تحقیق سے کیا کام؟ اس کالم کی مناسبت سے دو واقعات اور بھی عرض کرتا ہوں، ناروے میں ایک پاکستانی خاتون محققہ فرحت تاج صاحبہ

۱۰۔۲۰۰۹ء میں ''دی نیوز'' میں اکثر کالم لکھتی ہیں، موصوفہ طالبان اور فاٹا کے موضوعات سے کم ہی باہر نکلتی تھیں، ایک بار میں نے انکو لکھا کہ آپ بار بار لکھتی ہیں کہ میران شاہ میں فرنٹیئر کانسٹیبلری (FC) کے قلعے کے پاس ہی حقانی نیٹ ورک کے اڈے ہیں جبکہ فرنٹیئر کانسٹیبلری اور فرنٹیئر کور میں زمین آسمان کا فرق ہے۔فرنٹیئر کانسٹیبلری کے پاس فاٹا میں قانونی جواز نہیں ہے۔ یہ ایک بالکل الگ فورس ہے،موصوفہ جب پاکستان آئیں تو مجھ سے ملنے پشاور آئیں،معلوم ہوا کہ کوہاٹ سے تعلق ہے مگر فاٹا یا میرانشاہ کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔کیا یہ تماشا نہیں کہ آکسفورڈ کے ایک پروفیسر نے اپنی ایک مایہ ناز کتاب میں بے نظیر بھٹو کو پاکستان کا صدر لکھا تھا؟ میری نشاندہی پر کہا کہ اگلی بار تصحیح کروں گا۔

البتہ وہ بہت بڑے پروفیسر اور محقق ہیں اور غالباً ان کو سہو ہوا تھا، البتہ ڈاکٹر ڈینئل مرکی سے سہو ہونے میں مجھے شک ہے اس کو اردو میں ڈنڈی مارنا کہتے ہیں۔ چلتے چلتے سب سے شریف النفس آدمی پروار کر گئے۔لوگ تو اپنے اپنے نمبر بنا رہے ہیں مگر امید کی ایک کرن مولانا ہی کی بدولت نمودار ہوئی ہے۔ یہ بہاریں یہ سماں ایک شخصیت کے دم سے بھی ہے جن کے آتش نوا قلم مولانا مودودی کے قلم کا نمونہ ہے جن کا اسلوب وانداز تحریر مولانا مودودیؒ کی تحریر کی طرح حریر وزمہریر اور جن کی شخصیت مولانا کی شخصیت کی طرح بحر سکوت وتحسین شناس گویا بقول اقبال بااضطراب موج سکون گہر بدہ، کی مثال۔آسٹریلیا کے پروفیسر پیٹر گیبوسکی نے ۲۰۰۹ء میں جبکہ ہم مکاؤ (چین) میں ''ایشین سوسائٹی آف کریمنالوجی'' کے تاسیسی اجلاس منعقد کرا رہے تھے، نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''ہمارے بعض محققین ایشیاء سے سخت ناواقف ہیں مثلاً فلاں مصنف نے ۹/۱۱ کے بعد امریکہ اور مغرب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ زمینی اور فضائی فوجوں کے ساتھ ساتھ بحری بیڑے بھی روانہ کریں تاکہ طالبان کہیں سمندری راستے افغانستان سے بھاگ نہ جائیں''

واضح رہے کہ مغرب میں سب کچھ برا بھی نہیں ہے،مغربی حکومتوں، اداروں اور عوام میں بھی اکثر ایسا ہی فرق نظر آتا ہے جیسے ہمارے ہاں مغرب میں ایک بہت بڑا حق گو طبقہ بھی موجود ہے۔ افسوس کہ ہمارے دانشوروں اور اداروں کا ایسے حق پرست اور حق گو افراد تک رسائی حاصل نہیں، بہرحال! امریکی دانشور کی مولانا سمیع الحق صاحب جیسی علمی وفکری شخصیت اور صلح جو انسان کے بارے میں مذکورہ رائے انتہائی غلط اور نازیبا ہے، دارالعلوم حقانیہ جیسی علمی درس گاہ کے بارے میں بھی ان کی رائے غریب اساتذہ اور نادار طلباء کی دل آزادی کا سبب ہے ،میری کوشش ہوگی کہ ڈاکٹر ڈینئل مرکی اپنے آئندہ کے ایڈیشن میں اس کی تلافی کرے، نام اللہ کا۔

نوٹ: میرے ای میل پر ڈاکٹر ڈینئل مرکی نے جواباً لکھا ہے کہ واقعی یہ غلطی ہوئی ہے اور آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کروں گا۔اس اصلاح پر ان کا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں)

مولانا محمد منصور احمد
کالم نگار ہفت روزہ ''القلم''

پاکستان کے حقیقی خیر خواہ

سچ ظاہر ہوگیا اور اسے ظاہر ہونا ہی تھا، ۸۲ سالہ معمر لیکن جواں ہمت جرنیل، ہزاروں علماء کے استاد اور لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی مظلومانہ شہادت نے بالآخر وہ سچ ساری دنیا کو کھلی آنکھوں دکھا دیا جسے ہمارے وطن کے مختلف شعبوں میں موجود دین دشمن قوتیں عرصہ دراز سے چھپا رہی تھیں۔ حضرت اقدس مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط گوناگوں دینی خدمات دیکھی جائیں تو زبان سے بلا اختیار یہ جملہ نکلتا ہے کہ آپ ایک فرد نہیں پوری ایک تاریخ تھے اور اپنی ذات میں پورا ایک ادارہ اور جماعت تھے۔ آپ کا حلقہ عقیدت پاکستان اور افغانستان ہی نہیں پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا جس کا ہلکا سا اندازہ ان کی تعزیت کیلئے جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لانے والے معزز مہمانوں کی ایک جھلک دیکھنے سے ہوا، ایسی جامع الصفات شخصیت کی سفاکانہ شہادت پر آپ کے صاحبزادگان ذی قدر تلامذہ کرام اور دیگر متعلقین و معتقدین نے جس حکمت و بصیرت، حب الوطنی اور دور اندیشی کا ثبوت دیا، وہ جہاں ایک طرف لائق صد تحسین اور قابل صد آفریں ہے تو دوسری طرف ان کا یہ طرزِ عمل پاکستان کی ان قوتوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے جو آئے روز اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کے زور پر علماء، صلحاء اور مجاہدین اسلام کو پاکستان کی سلامتی کیلئے خطرہ باور کراتے نظر آتے ہیں۔

حضرت شیخ سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت جن حالات میں ہوئی، ان کی نزاکت سے ہر شخص باخبر ہے، پورا ملک اعلیٰ عدلیہ کے ایک مشکوک فیصلے اور اس کے بعد حکومتی ایوانوں سے بلند ہونے والی دھمکی آمیز آوازوں کی وجہ سے افراتفری کا شکار تھا۔ وقتی جذباتیت پر مشتمل ایک نعرہ بھی جلتی پر تیل کا کام کرسکتا تھا اور پھر کراچی سے خیبر تک جو کچھ ہونا تھا، اس کا تصور کر کے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اہل وطن ماضی کے وہ دردناک مناظر ابھی تک نہیں بھول سکے جو مختلف لوگوں نے اپنے اپنے مفادات کیلئے پیش کیے تھے۔ جلاؤ گھیراؤ اور تباہ کن فسادات تو بہت بڑی بات ہے جب شہادت سے

اگلے روز صوبہ خیبر پختونخوا کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ بلکہ پاکستان کے عظیم ترین جنازوں میں سے ایک بڑا جنازہ اکوڑہ خٹک کی سرزمین پر ادا کیا گیا جس میں حضرت شیخ شہید کے لاکھوں متعلقین پروانوں کی طرح شریک تھے تو دنیا نے دیکھا کہ نہ کوئی تنکا گرا اور نہ ہی کوئی گملا ٹوٹا، جب لاکھوں لوگ اپنے شیخ کی تعلیمات کے مطابق پرامن طور پر منتشر ہو رہے تھے تو کتنے ہی وطن دشمن لوگوں کے خواب چکنا چور ہو رہے تھے اور ان کے ارمان خاک میں مل رہے تھے۔ یقین جانیں اس ملک کا سب سے وفادار اور خیر خواہ یہی دینی طبقہ ہے، جس کی اولادیں باہر ملک میں ہیں اور نہ ہی جائیدادیں، یہ اسی ملک میں پیدا ہوتے ہیں اور یہیں اپنے ایمان کی سلامتی کے ساتھ خاک کی چادر اوڑھ کر سو جاتے ہیں، یہ لوگ حرمین شریفین کے بعد سب سے زیادہ پاکستان سے ہی محبت کرتے ہیں اور اس کے تحفظ کیلئے اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ہاں! البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ محبِّ وطن افراد اس ملک کو انہی بنیادوں پر قائم رکھنا چاہتے ہیں، جس پر یہ وجود میں آیا تھا اور جسکی آسان تعبیر وہ نعرہ تھا جو تحریک پاکستان میں بچے بچے کی زبان پر تھا، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو اللہ کریم نے دورِ حاضر میں جن عظیم سعادتوں اور نسبتوں کا امین بنایا تھا، وہ اس زمانے میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں، جہاد سے ان کی والہانہ نسبت کا یہ بندہ خود چشم دید گواہ ہے، رسوائے زمانہ پرویز کے دور حکومت میں جب آزمائش کی آندھیاں ہر دینی ادارے کے در و دیوار ہلا رہی تھیں اور عزیمت سے رخصت کا سفر بڑی تیزی سے طے ہو رہا تھا تب یہ بلند حوصلہ شخص جہاں بھی پہنچا، جہادی ولولے ساتھ لے کر گیا۔ سالانہ تکمیل بخاری شریف کی تقاریب ہوں یا دینی مدارس کے جلسے ایوانِ بالا کا سرد ماحول ہو یا مذہبی جماعتوں کا کوئی اجلاس یہ جہاں بھی گئے، وہاں ان کے دم قدم سے جہادی زمزمے گونجتے رہے، اکثر و بیشتر آپ کی گفتگو کا موضوع یہ کڑوا لیکن تاریخی سچ ہوتا تھا کہ امارت اسلامیہ افغانستان، پاکستان کی دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ اور محافظ ہے، ظاہر ہے کہ یہ کھرا اور حقیقی سچ ان لوگوں کیلئے کیسے قابل قبول ہوسکتا تھا، جنہوں نے سب سے پہلے پاکستان کے نعرے کی آڑ میں اپنا کندھا دشمن کو فراہم کر دیا تھا اور انہی کے دیئے ہوئے فضائی اڈوں سے طیارے اڑان بھر کر برادر اسلامی ملک کی آبادیوں کو تہس نہس کرتے تھے، حضرت شہیدؒ کو یہ ایمانی جذبات اپنے عظیم والد محدث دوراں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ سے میراث میں ملے تھے جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ممتاز ترین شاگردوں میں سے تھے۔

آپ نیکی، تقدس اور پاکیزگی کا پیکر اور حمیت دینی و غیرت ایمانی کی عملی تصویر تھے، قریب

سے جاننے والے آپ کو بجا طور پر فرشتہ صفت انسان کہتے تھے، تین مرتبہ قومی اسمبلی کا رکن رہنے کے باوجود دامن اور کردار اتنا اجلا اور صاف تھا کہ سیاسی مخالفین بھی برسرِ عام آپ کی شرافت و دیانت کے گن گاتے تھے، بندہ پر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بچپن میں اپنے بزرگوں کے ساتھ حضرتؒ کے گھر میں آپ کی زیارت کی سعادت حاصل کی اور اس وقت آپ کی نورانی صورت دیکھ کر دل و دماغ میں آپ کی عظمت کا جو نقش بیٹھا آپ کے تفصیلی حالات پڑھنے کے بعد اس میں ترقی ہی ہوتی رہی، انتہائی پیرانہ سالی اور ضعیف العمری میں جب آپ کی خدمت میں ایک دینی تحریک کے سلسلے میں علمائے کرام کا ایک وفد سرپرستی کی درخواست لے کر پہنچا تو آپ نے انہیں فرمایا: بے جان لاشہ ہوں ہل جل نہیں سکتا لیکن شریعت کیلئے جہاں حکم ہو جانے کیلئے تیار ہوں آپ جہاں چاہیں چارپائی کو اٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔کمال یہ ہے کہ پھر اسی حالت میں لاہور، بنوں اور راولپنڈی کا سفر فرمایا۔

روس کے خلاف افغان مجاہدین کی بے مثال قربانیوں کو امریکہ کے کھاتے میں ڈالنے والے اس جہاد کے ابتدائی دنوں کے حالات سے ناواقف اور بے خبر ہیں، جب غیور افغان اپنے مذہب اور تہذیب کیلئے لاٹھیوں اور پرانی بندوقوں سے اپنی وقت کی سپر پاور سوویت یونین کے خلاف میدان میں کود پڑے تھے اور بجائے اس کے کہ سوویت یونین ان کا حشر، وسطی ایشیا کے دیگر ممالک از بکستان وغیرہ جیسا کر دیتا، انہوں نے اپنی لازوال جدوجہد سے سوویت یونین کو دنیا کے نقشے سے ہی مٹا ڈالا اور پھر وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں کو بھی سکون کا سانس لینا نصیب ہوا، حضرت شیخ عبدالحقؒ اسی ابتدائی دور سے جہاد و مجاہدین کی والہانہ سرپرستی فرماتے رہے اور یہی وجہ تھی کہ افغان جہاد کے کئی نامور قائدین اپنے آپ کو حضرتؒ کے قائم کردہ تعلیمی ادارے اور اپنی مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کی طرف منسوب کر کے حقانی کہلاتے تھے، جن میں سب سے زیادہ شہرت عظیم گوریلا کمانڈر عابد وزاہد اور مجاہد مولانا جلال الدین حقانی اور عظیم افغان سیاسی و جہادی رہنما مولانا یونس خالص حقانی کو نصیب ہوئی، بہر حال! یہ ایک مستقل اور مفصل موضوع ہے بندہ تو صرف حضرت استاذ المحدثین شیخ عبدالحقؒ کے ایمانی جذبات کی ایک جھلک دکھانا چاہ رہا تھا۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی دینی خدمات کا دوسرا بڑا میدان اکوڑہ خٹک میں قائم عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ تھا۔حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ جب یہاں تشریف لائے تھے تو آپ نے اسے دو مرتبہ ''دیوبند ثانی'' کا لقب دیا تھا اور تب سے یہی اس ادارے کی پہچان بن گیا، اکوڑہ خٹک جہاں یہ علمی اور روحانی مرکز قائم ہے خیبر پختونخوا کا ایک نہایت ہی مختصر سا

شہر ہے، ہماری برادری کی ایک شاخ غالباً صدیوں سے وہاں آباد چلی آتی ہے اس لیے پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ جیسے دیو بند کی سر زمین کو اللہ تعالیٰ نے اگر دارالعلوم کی نعمت سے سرفراز نہ فرمایا ہوتا تو آج دنیا میں چند گنتی کے لوگوں کے سوا کوئی یو پی کے اس قصبے کے نام سے بھی واقف نہ ہوتا ٹھیک اسی طرح اگر اللہ کریم جل شانہ اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کے نام سے ایمانی و روحانی چشمہ صافی جاری نہ فرماتے تو اس علاقے کی قومی اور بین الاقوامی شہرت کی کوئی اور وجہ نہ تھی۔ تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے اکوڑہ کا تذکرہ سب سے پہلے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' میں بڑی دلچسپی اور حیرت سے پڑھا تھا۔ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ نے مسلمانوں کو کفار کے تسلط سے نجات دلانے کیلئے ۱۷/ جنوری ۱۸۲۶ء کو اپنے آبائی علاقے رائے بریلی سے راہ جہاد میں ہجرت فرمائی تھی۔ آپ کے ہمراہ اس وقت تقریباً چھ سو پاکیزہ نفوس تھے جو راہِ خدا میں اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔

راجستھان، سندھ، افغانستان اور خیبر پختونخوا کے ریگستانوں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا یہ مبارک قافلہ پشاور پہنچا تھا، حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ عزم و وفا اور رنجیت سنگھ کی افواج کے درمیان پہلا معرکہ جس سر زمین پر لڑا گیا، وہ یہی اکوڑہ کا گاؤں تھا، سکھ افواج کی تعداد سات ہزار تھی اور ان کے مقابلے میں جن مجاہدین پر اعتماد کیا جا سکتا تھا وہ صرف پانچ سو ہندوستانی اور دو سو قندھاری تھے، اسی لیے یہ پہلی جنگ، شب خون کی ترتیب سے لڑی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اہل ایمان کو فتح عطا فرمائی۔ حضرت سید احمد شہیدؒ تو اپنے نامور اور نمایاں رفقاء کے ساتھ ۶/ مئی ۱۸۳۱ کو بالاکوٹ کی وادی میں جام شہادت نوش فرما گئے لیکن آپ کی تشریف آوری کے مبارک اثرات اور پاکیزہ نقوش ان علاقوں میں ہمیشہ کیلئے ثبت ہو کر رہ گئے۔

یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جہاں دارالعلوم حقانیہ قائم ہے ٹھیک یہی جگہ جنگِ اکوڑہ میں مجاہدین کا مسکن تھی اور حضرت سید احمد شہیدؒ نے فرمایا تھا کہ مجھے اس مٹی سے علم حدیث کی خوشبو آرہی ہے جو لوگ دینی مدارس کو صرف میڈیا کے واسطے سے جانتے ہیں اور کبھی براہ راست انہیں استفادے کا موقع نہیں مل سکا وہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ بغیر کسی ریاستی طاقت اور ملکی بجٹ کے یہ ادارے دین اسلام اور ملک و ملت کی کتنی عظیم خدمات سر انجام دے رہے ہیں، آپ صرف ایک بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ درسگاہیں پاکستان کیلئے کتنی نیک نامی اور اچھی شہرت کا ذریعہ ہیں۔

پاکستان میں جس فرد کے پاس کچھ دولت ہوتی ہے تو وہ اپنی اولاد کی عصری تعلیم کیلئے یورپین ممالک امریکہ یا آسٹریلیا اور کچھ نہ ہو سکے تو روس اور چین کا انتخاب کرتا ہے ۔ پاکستان کے اکثر شعبوں کو اس وقت غیر ملکی تعلیم یافتہ لوگ ہی چلا رہے ہیں اور اربوں روپے کے تعلیمی بجٹ ہڑپ کر نے کے باوجود وطن عزیز کے عصری تعلیمی اداروں میں دیگر ممالک سے آنے والے طلبہ کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے ۔اس کے برعکس پاکستان کے دینی اداروں میں بیرون ملک سے ایک بڑی تعداد علم دین حاصل کرنے کیلئے آتی ہے حالانکہ حکومتی سطح پر ان کیلئے ہمیشہ مشکلات پیدا کی جاتی رہی ہیں۔ یہ طلبہ جب ان درسگاہوں سے علم حاصل کر کے اپنے وطن واپس جاتے ہیں تو وہ پاکستان سے محبت کا پیغام ساتھ لے کر جاتے ہیں اور یہ بغیر کسی معاوضہ کے پاکستان کی نیک نامی کا ذریعہ بنتے ہیں ۔ اگر حکومت ایسے طلبہ کیلئے ویزے میں سہولت دیدے تو آنے والے طلبہ کی تعداد حیرت انگیز حد تک بڑھ سکتی ہے پھر یہ دینی مدارس ہی ہیں جن میں ایک چھت تلے پاکستان کے مختلف علاقوں، مختلف قوموں اور مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ باہمی محبت ،اتفاق اور یگانگت کے ساتھ تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں اور سب مثالی اتحاد کیساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا بھی کھاتے ہیں، ہمارے عصری تعلیمی اداروں میں طلبہ کے درمیان اس حوالے سے جو باہمی تعصب اور اختلاف کا ماحول ہوتا ہے ۔

دینی مدارس میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، اب آپ ایک اور فرق بھی ملاحظہ کریں، عصری تعلیمی اداروں میں آنے والا ہر طالب علم تب ہی تعلیم اور ہاسٹل کی سہولیات حاصل کرسکتا ہے جب وہ بھاری فیس ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، اس کے برخلاف دینی مدارس ہر غریب سے غریب طالب علم کیلئے بھی دیدہ و دل فراش راہ کیے رہتے ہیں اور یہاں سے کوئی با صلاحیت طالب علم اس لیے محروم نہیں جاتا کہ اس کے والد کے پاس اسے پڑھانے کیلئے پیسے نہیں ہیں ۔ اسی لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ دینی مدارس بحیثیت مجموعی دنیا کی سب سے بڑی این جی اوز ہیں ۔

دارالعلوم حقانیہ بھی اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں ہر سال داخلے لینے والے پاکستانی اور غیر ملکی طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے بلکہ پاکستان بھر میں دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کی سب سے زیادہ تعداد یہاں ہی نظر آتی ہے، دارالعلوم حقانیہ کی مرکزیت اور مرجعیت میں جہاں حضرت شیخ عبدالحقؒ کی آہ سحرگاہی اور یہاں کے ماہرین فن اساتذہ کرام کا عمل دخل ہے وہاں اس کی

پشت پر حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا عظیم کردار بھی کارفرما ہے، تعزیت کیلئے جب دارالعلوم حقانیہ حاضری ہوئی تو یوں محسوس ہورہا تھا کہ وہاں کے در و دیوار بھی افسردہ ہیں اور علوم نبوت کا یہ چمن اپنے اس مالی کے فراق کو بہت شدت سے محسوس کر رہا ہے جس نے مکمل تیس برس بحیثیت مہتمم اور اس سے پہلے بحیثیت ناظم اپنے خونِ جگر سے اس کو سینچا تھا۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا ایک مستقل کارنامہ اردو میں ایک وقیع مجلّہ کا اجرا ہے ۔ ماہنامہ ''الحق'' برسہا برس تک پاکستان کی دینی صحافت میں سرفہرست رہا ہے۔ زبان و بیان کی سلاست کے ساتھ مضامین کا انتخاب اتنا عمدہ ہوتا تھا کہ اسے بلا تکلف بڑے صنعتی شہروں کے علمی مراکز سے شائع ہونے والے مجلّات کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا تھا، یقیناً حضرت شہیدؒ کے نامہ اعمال میں دیگر بھی بہت سی دینی خدمات اور کارنامے ہوں گے، جن کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں اس شکل میں عطا فرمایا کہ تمام دنوں کا سردار جمعہ اور پھر اس کا سب سے قیمتی وقت نماز عصر کے بعد اور سفر تحفظ ناموس رسالتؐ کا اس طرح آخری اعزاز شہادت کا جس کیلئے کئی اکابر کو تڑپ تڑپ کر اللہ سے مانگتے ہوئے دیکھا گیا۔

بلاشبہ آپ کی شہادت تو آپ کیلئے سعادتِ عظمی کا پیغام لیکر آئی کہ زندگی بھر دین محمدی کی خدمت میں مصروف رہے اور بڑھاپے میں ناموسِ محمدی پر قربان ہو گئے لیکن آپ کے پسماندگان کیلئے یقیناً یہ بہت بڑا حادثہ ہے، جس کا زخم آسانی سے مندمل نہیں ہوسکتا

کڑے سفر کا تھکا مسافر ، تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کر لیں ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

اللہ کریم کی بارگاہ عالیٰ میں عاجزانہ دعا ہے کہ حضرت شہیدؒ کے درجات کو مزید بلند فرمائے، آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آپ کے صدقاتِ جاریہ کو ترقیات نصیب فرمائے اور اسلام و پاکستان کی خیر خواہ دیگر شخصیات کی حفاظت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

اپنے لہو سے سینے کی لوح پر
ایک تعلیم انقلاب پڑھا کر چلے گئے

مولانا محمد جہان یعقوب
مدیر ہفت روزہ اخبار المدارس کراچی

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے؟

- ...... جامعہ حقانیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کے فضلاء کو علم، سیاست اور جہاد تینوں شعبے ورثے میں ملے ہیں۔
- ...... مولانا سمیع الحق شہیدؒ مجاہدین کیلئے روحانی باپ کی حیثیت رکھتے تھے

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی زندگی علم، سیاست اور جہاد سے مزین تھی، وہ ایک عظیم دانشور، ہوش مند لیڈر، مدبر سیاستدان، بلند پایہ خطیب، سحر انگیز انشاء پرداز، صاحب طرز ادیب اور شیخ الحدیث ہی نہیں، اپنے سینے میں ایک درمند دل بھی رکھتے تھے جو ہر مظلوم کے لیے تڑپتا تھا، چاہے وہ دنیا کے کسی بھی دین ودھرم اور خطے سے تعلق رکھتا ہو۔ حق گوئی وبیبا کی کے اوصاف بھی خالق لم یزل نے ان کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرے تھے، جس کی وجہ سے وہ بلاخوف لومۃ لائم ہر قسم کی ردائے مصلحت کو چاک کر کے حق کا اظہار اپنی زبان وقلم سے کرتے رہتے تھے۔ ایسے لوگوں کے دوست کم اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں، یہی معاملہ مولانا شہید کے ساتھ بھی تھا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ملک کی دینی و مذہبی سیاست میں انتہائی متحرک کردار ادا کیا، آپؒ تین بار ۱۹۸۵ سے ۲۰۰۸ء تک سینیٹ کے رکن رہے۔ قادیانیوں کے خلاف قومی اسمبلی میں ہونے والی بحث، جس کے نتیجے میں قادیانیوں کے تمام گروپوں کو قانونی طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا، اس کے لیے تحریری دستاویز کی تیاری مولانا سمیع الحقؒ ہی کا کارنامہ تھا، انھوں نے مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی معاونت سے ایک ہی رات میں یہ دستاویز تیار کی تھی۔ سینیٹ میں شریعت بل پیش کرنے کا سہرا بھی مولانا سمیع الحقؒ کے سر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا سمیع الحقؒ کی ملک کی دینی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے کی جانے والی کوششیں بھی تاریخ کا اہم باب ہیں۔

مولانا سمیع الحقؒ نے مختلف مکاتب فکر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کیلئے سابق امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد مرحوم کے ساتھ مل کر ملی یکجہتی کونسل اور دینی جماعتوں کے سیاسی اتحاد ''متحدہ مجلس عمل'' کے قیام میں اہم کردار ادا کیا، تاہم وہ بعض اختلافات کے باعث بعدازاں ''ایم ایم اے'' سے علیحدہ ہو گئے تھے، آپ ''متحدہ دینی محاذ'' کے بھی بانی تھے جو پاکستان کی متعدد مذہبی جماعتوں کا انتخابی اتحاد تھا۔ افغانستان پر امریکی حملے کے بعد انہوں نے مذہبی تنظیموں کا ایک اتحاد ''دفاع پاکستان و افغانستان کونسل'' بھی بنایا تھا، جس نے امریکی حملوں کے خلاف پورے ملک میں بڑے بڑے پرامن مظاہرے کیے، اس اتحاد میں جنرل (ر) حمید گلؒ اور شیخ رشید بھی شامل تھے۔ بعد میں اس کو ''دفاع پاکستان کونسل'' کا نام دیا گیا، اس اتحاد میں پاکستان کی بڑی مذہبی و سیاسی جماعتیں: جماعت الدعوۃ، اہلسنت والجماعت، عوامی مسلم لیگ سمیت دیگر جماعتیں شامل تھیں۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ۱۹۸۸ میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم بنے۔ افغانستان میں روسی مداخلت کے خلاف جدوجہد میں مولانا سمیع الحقؒ اور ان کے ادارے نے کلیدی کردار ادا کیا۔ مولانا سمیع الحقؒ افغان طالبان پر کافی اثر ورسوخ رکھتے تھے اور امیرالمومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ، مولانا سمیع الحقؒ کے معتقد اور شاگردوں کے شاگرد تھے، ان کے علاوہ تحریک طالبان میں شامل اکثر قائدین کے آپ صرف مربی تھے۔ جامعہ حقانیہ کے درجنوں فضلائے کرام افغان طالبان کی شوریٰ کے رکن ہیں، جن میں مولانا عبدالکبیر حقانی (گورنر جلال آباد ومعاون سرپرست شوریٰ عالی افغانستان) مولانا سعید الرحمٰن حقانی (پاکستان میں افغانستان کے سابق سفیر، معاون وزیرفوائدعامہ مواصلات وتعمیرات) مولانا احمد اللہ حقانی (وزیر مواصلات وتعمیرات) مولانا سید غیاث الدین حقانی (وزیر اوقاف) مولانا مسلم حقانی (معاون وزیر حج) مولانا عبداللطیف حقانی (وزیر زراعت) مولانا عبدالرقیب حقانی (وزیر شہدا و صالحین) مولانا حفیظ اللہ حقانی (سیکرٹری خارجہ و وزیر منصوبہ بندی) مولانا حاجی احمد جان حقانی (وزیر پانی وبجلی) مولانا صدر اعظم حقانی (نائب گورنر جلال آباد) مولانا نور محمد ثاقب حقانی (چیف جسٹس سپریم کورٹ آف افغانستان) اور دیگر بے شمار تحریک طالبان اور جہاد افغانستان کے قائدین شامل ہیں۔ اس اعتبار سے مولانا سمیع الحقؒ جہادی رہنماؤں کیلئے روحانی باپ کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا سمیع الحقؒ افغانستان اور تحریک طالبان کے حوالے سے ایک ٹھوس موقف رکھتے تھے، جس میں کوئی لگی لپٹی نہیں ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ غیرملکی صحافیوں کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ جب بھی پاکستان آئیں تو مولانا سمیع الحقؒ صاحب کا انٹرویو ضرور کریں، غیرملکی صحافی جب تک مولاناؒ سے ملتے نہ

تھے اس وقت تک انہیں ایک ڈر اور خوف رہتا تھا لیکن مولاناؒ سے ملاقات کے بعد ان صحافیوں کے خیالات یکسر مختلف ہوتے تھے۔

مولاناؒ کی اس کلیدی اہمیت سے افغان حکومت سمیت عالمی قوتیں آگاہ تھیں، یہی وجہ ہے کہ: افغانستان میں دیرپا امن اور استحکام کے سلسلے میں اکثر پاکستانی اور افغان اعلیٰ حکام ان سے ملاقاتیں کرتے تھے اور افغانستان کے پاکستان میں تعینات سفیر بھی ان سے باقاعدگی سے ملتے رہتے تھے، حال ہی میں افغان حکومت کے ایک وفد نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ان سے ملاقات کرتے ہوئے افغان امن عمل کے لئے کردار ادا کرنے کی اپیل کی تھی، جس پر انھوں نے ہر قسم کے تعاون کو افغانستان سے غیرملکی جارح قوتوں کے انخلاء کے ساتھ مشروط کیا تھا۔

مولاناؒ کی اس عالمی و بین الاقوامی شخصیت کی وجہ سے ان کے قاتل تک پہنچنا کچھ آسان نہیں، ان کے قتل کے محرکات کو ذاتی دشمنی کا شاخسانہ کہنا قاتلوں کو ریلیف دینے کے مترادف ہے، ان کے قتل کی تحقیقات میں جس طرح آسیہ والے ایشو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے حکومت کے لئے نرم گوشہ رکھنے کے باوجود اس معاملے میں اپنے موقف میں کسی قسم کی لچک پیدا نہ ہونے دی، عمران خان سے انہوں نے اس حوالے سے ملاقات بھی کی تھی لیکن مولاناؒ نے اپنا دوٹوک موقف ہی سامنے نہیں رکھا بلکہ شہادت سے ایک روز قبل ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اس ملاقات اور رہائی کی متوقع سازش کا اظہار بھی کر دیا تھا، اسی طرح ان کی شہادت کی سازش میں افغانستان اور بھارت کا ہاتھ بھی خارج از امکان نہیں۔ خود مولانا شہید کے لواحقین نے بھی کہا ہے کہ انہیں بھارت اور افغانستان کی خفیہ ایجنسیوں کی طرف سے خطرات لاحق تھے اور باقاعدہ دھمکیاں بھی مل رہی تھیں۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کے بعد کابل اور دہلی میں جو خوشیاں منائی گئیں، ان سے بھی اس تاثر کو تقویت ملتی ہے، دوسری طرف مولاناؒ کے تعزیتی ریفرنس میں حکومت چین کی نمائندگی کرتے ہوئے پروفیسر لی شی گوانگ کی شرکت اور خطاب میں یہ کہنا کہ: مولاناؒ پاک چین دوستی کے حامی تھے اور مولاناؒ اور چین کی دوستی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، سے بھی اس شبہ کو تقویت ملتی ہے۔ پاکستان کی افغان پالیسی اور جہاد افغانستان میں ان کے کردار کو دیکھتے ہوئے اس پہلو پر بھی تحقیقات کی جانا ضروری ہیں، ورنہ ان کے قتل کی عالمی و بین الاقوامی سازش صیغہ راز میں رہ جائے گی، جس کا نقصان کسی سے مخفی نہیں۔

محترمہ غزالہ عزیز
کالم نگار روزنامہ ''امت''

شہادت کا تاج اور مذاکرات کی میز

- ...... پاکستان کی سیاست میں ایک متحرک رہنما
- ...... افغان طالبان کے ساتھ بات چیت کی کوششوں میں ثالث کا کردار
- ...... مولانا سمیع الحق شہیدؒ دارالعلوم حقانیہ کے کئی دہائیوں سے مہتمم
- ...... مولاناؒ کی شہادت افغانستان میں پرامن حل کی کوششوں کیلئے دھچکا

مولانا سمیع الحق شہیدؒ دارالعلوم حقانیہ کے کئی دہائیوں سے مہتمم تھے۔ اس دارالعلوم میں افغان طالبان کے بانی ملا عمر، حقانی نیٹ ورک کے سربراہ جلال الدین حقانی، سراج الدین حقانی سمیت کئی طالبان رہنما زیرِ تعلیم رہے، اسی وجہ سے افغان طالبان میں مولانا سمیع الحقؒ کو خاص قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اسی وجہ سے لوگ انہیں ''بابائے طالبان'' کے نام سے بھی پکارتے تھے۔

پاکستان کی سیاست میں وہ ایک متحرک رہنماء

پاکستان کی سیاست میں وہ ایک متحرک رہنما تھے۔ وہ ۱۹۸۵ء سے لے کر ۲۰۰۸ء تک تین مرتبہ سینیٹ کے رکن رہے۔ انہوں نے نہ صرف سوویت یونین کی افغانستان پر چڑھائی کی مخالفت کی بلکہ امریکا کے خلاف بھی جہاد کی کھل کر حمایت کی۔ افغانستان میں افغان طالبان کے تمام گروپوں کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات تھے۔ وہ ۲۰۰۱ء میں وجود میں آنے والی ''دفاع افغانستان کونسل'' کے چیئرمین رہے پھر بعد ۲۰۱۲ء میں وجود میں آنے والی ''دفاع پاکستان کونسل'' کے چیئرمین بھی بنے۔ اس کونسل کے وجود میں آنے کی وجہ سے پاکستان کے راستے افغانستان میں امریکی فوج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینرز اور پاکستان کے اندر قائم ہونے والے ہوائی اڈوں کی مخالفت تھی۔

طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے میں اہم کردار

افغانستان کے حوالے سے ان کی اہمیت بڑی واضح تھی۔ یہی وجہ تھی کہ افغانستان کے پاکستان میں تعینات سفیر ان سے باقاعدگی سے ملاقات کرتے تھے۔ ابھی چند دنوں پہلے کابل سے ایک حکومتی وفد ان سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔ جس نے ان سے افغان طالبان کے ساتھ بات چیت کی کوششوں میں ثالث کا کردار ادا کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس وقت جب کہ افغانستان میں طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے کے لیے پاکستان پر شدید دباؤ ہے۔ مولانا کی شہادت کے بعد پاکستان کی حکومت کیلئے یہ کام بہت مشکل ہوجائے گا۔ مولانا کی شہادت ایک طرف افغانستان میں پرامن حل کی کوششوں کیلئے دھچکا ہے تو دوسری طرف دینی صفوں کا بھی ایک ناقابل مداوا نقصان ہے۔

آج افغان طالبان انہی قدامت پسند سوچ کے ساتھ پہلے سے زیادہ طاقت اور اعتماد کے ساتھ موجود ہیں اور امریکا انہی قدامت پسند طالبان کے ساتھ مذاکرات کے لیے مرا جا رہا ہے اور پاکستان پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ انہیں مذاکرات کی میز پر لائے۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کے بعد افغان طالبان سے راوبط میں پاکستانی حکومت کیلئے مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں لیکن حالات کبھی کسی کے لیے رکتے نہیں وہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کیا افغانستان پر ۴۲ ملکوں کی فوج کے ساتھ حملہ آور ہوتے وقت امریکا نے سوچا ہوگا کہ کبھی یہ وقت بھی آئے گا کہ اسے افغان طالبان سے مذاکرات کے لیے یوں منتیں کرنی پڑیں گی۔ تبدیلی کی ایک تصویر یہ بھی ہے کہ افغان لیڈر ملا عبدالغنی برادر کو پاکستانی قید سے رہائی مل چکی ہے اور یہ رہائی یقیناً کسی خاص مقصد کیلئے ہے (ملا عبدالغنی برادر نائب رئیس وزراء افغانستان نے قطر کے دوحہ مذاکرات میں بہترین حکمت عملی، فراست اور دانشمندی سے عسکری محاذ کے ساتھ ساتھ سفارتی میدان بھی جیت لیا تھا)

بات جس کی حکمت اسلام میں ڈوبی ہوئی
فکر جس کا تھا چراغ ضوفشاں جاتا رہا
کشتی ملت چلی جاتی تھی جس کے ساتھ ساتھ
بحر جہد و عزم کا وہ ناخدا جاتا رہا

جناب نواز رضا
کالم نگار روزنامہ ''نوائے وقت''

مولانا سمیع الحقؒ کی استقامت اور مجاہدانہ فتویٰ

- ...... نواز شریف دور میں بھی مولانا سمیع الحقؒ نے حکومت پاکستان اور طالبان کے درمیان پل کا کردار ادا کیا۔
- ...... میں نے اپنی صحافتی زندگی میں اس قدر الیکٹرانک میڈیا کے کیمرے کسی پریس کانفرنس کی کوریج کرتے نہیں دیکھے جتنے مولانا سمیع الحقؒ کے ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں موجود تھے۔
- ...... صدر مشرف کی جانب سے ایک سرکاری افسر نے مجھے تحکمانہ لہجے میں مولانا سمیع الحقؒ کو بلانے پر سختی سے ڈانٹا مگر میں نے ان کے مشورے کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔

حضرت امام احمد حنبلؒ سے کسی کے حق پر ہونے کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ اس بات کا فیصلہ ہمارے جنازے کریں گے، سو اس بات کا فیصلہ اتوار کو اکوڑہ خٹک میں ''فادر آف طالبان'' کے جنازے نے کر دیا۔ جنازے میں انسانی سروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حق پر ہونے کی گواہی دے رہا تھا، مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے یاد اللہ عشروں پر محیط ہے مجھے اور نوائے وقت کے سینئر رپورٹر سلطان سکندر کو راولپنڈی اور اسلام آباد میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی دینی و سیاسی سرگرمیاں کور کرنے کا اعزاز حاصل ہے، اس لحاظ سے ان سے ذاتی سطح پر تعلقات قائم ہو گئے میں نے راولپنڈی اسلام آباد کے صدر کی حیثیت سے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو بارہا ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں مدعو کیا جب امریکہ نے نائن الیون کے بعد

افغانستان کے خلاف جارحیت کی تو قاضی حسین احمد مرحوم اور مولانا فضل الرحمٰن بھی امریکی جارحیت کے خلاف میدان میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ساتھ اتر آئے، میں نے افغانستان پر امریکی حملے کے تناظر میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو راولپنڈی اسلام آباد پریس کلب میں ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں مدعو کیا اس پروگرام میں انہوں نے نہ صرف جہاد افغانستان کی حمایت کرنے کا اعلان کیا بلکہ انہوں نے افغانستان میں امریکی فوجیوں کو مارنا جائز قرار دے دیا۔

میں نے اپنی صحافتی زندگی میں اس قدر الیکٹرانک میڈیا کے کیمرے کسی پریس کانفرنس کو کور کرتے نہیں دیکھے جس قدر مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں موجود تھے غیر ملکی میڈیا کی مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے میٹ دی پریس پروگرام میں غیر معمولی دلچسپی ان کے طالبان سے گہرے تعلق اور جہاد افغانستان میں کردار کی وجہ سے تھی۔ میں دفتر روزنامہ نوائے وقت اسلام آباد پہنچا ہی تھا کہ مجھے جنرل پرویز مشرف انتظامیہ کے ایک اعلیٰ افسر کا ٹیلی فون آ گیا کہ آپ نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں کیوں مدعو کیا ہے؟ انہوں نے بین السطور مجھے ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی جانب سے جاری ہونیوالے اس فتویٰ کہ افغانستان میں امریکی فوجیوں کو ہلاک کرنا جائز ہے کے نتائج کی سنگینی کے بارے میں باور کرانے کی کوشش کی اور مجھے جہاد افغانستان کے حوالے سے مزید ''میٹ دی پریس'' پروگرام نہ کرنے کا سرکاری مشورہ دیا لیکن جب میں نے اس اعلیٰ افسر کو بتایا کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے بعد قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمٰن پائپ لائن میں ہیں تو اس افسر کے طرز عمل میں تحکمانہ سختی آ گئی لیکن میں نے ان کے مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھا یہ الگ بات ہے کہ قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمٰن اپنی مصروفیات کی وجہ سے ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں نہیں آ سکے تاہم میری طرف سے ان کیلئے ''میٹ دی پریس'' پروگرام کی دعوت برقرار رہی۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے قائم عزت واحترام کا رشتہ وقت کے ساتھ مستحکم ہوتا گیا وہ ایک باوقار شخصیت تھے ان کے سرخ سفید چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ ان کے خوش اخلاق ہونے کا ثبوت تھا، مہمان نوازی ان کا طرہ امتیاز تھا، میں پشاور میں پاکستان کے فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (دستور) کی فیڈرل ایگزیکٹو کونسل کے اجلاس میں شرکت کر کے اسلام آباد واپس آ رہا تھا تو ہمارا مختصر وقت کیلئے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں قیام ہوا، مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو دارالعلوم حقانیہ میں منتظر پایا بزرگ صحافی سعود ساحر بھی میرے ہمسفر تھے مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ہمیں دارالعلوم حقانیہ کا دورہ کرایا

انہوں نے دارالعلوم میں وہ کمرہ بھی دکھایا جو زمانہ طالبعلمی میں مولانا فضل الرحمٰن کے زیر استعمال تھا، انہوں نے استفسار پر بتایا کہ اس خاص طالبعلم کیلئے انکے گھر سے کھانا آتا تھا۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ہماری اکوڑہ خٹک کے مشہور چپلی کبابوں سے تواضع کی جن کی لذت میں آج بھی محسوس کرتا ہوں۔وہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم تھے جہاں سے پچھلے دو تین عشروں کے دوران ہزاروں طالبان نے کسب فیض حاصل کیا،طالبان کے متعدد قائدین جن میں ملا عمر کا نام قابل ذکر ہے انہوں نے اسی ادارے سے دین کا علم حاصل کیا ہے پاکستان اور افغانستان میں طالبان مولانا سمیع الحق کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہیں طالبان کا باپ کہا جاتا تھا اگرچہ اس دینی مدرسہ نے کسی طالب کو بندوق اٹھانے کی تربیت نہیں دی لیکن یہاں سے کسب فیض حاصل کرنیوالے بیشتر طالبان نے جہاد افغانستان میں حصہ لیا مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو طالبان کے بارے میں اتھارٹی تصور کیا جاتا تھا۔

جب نواز شریف دور میں حکومت نے طالبان سے امن مذاکرات شروع کئے تو یہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ ہی تھے جنہوں نے حکومت پاکستان اور طالبان کے درمیان پل کا کردار ادا کیا مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ضمانت پر ہی حکومت کا وفد فاٹا گیا، پاکستان مسلم لیگ (ن) کے چیئر مین راجہ محمد ظفر الحق اور سینیٹر چودھری تنویر خان نے مرحوم کی نماز جنازہ میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کی نمائندگی کی چوہدری تنویر خان نے بتایا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا ایسا دکھائی دیتا تھا، لاکھوں لوگ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے اپنے گھروں سے نکل آئے ہیں،ممتاز سیاسی شخصیت حاجی نواز کھوکھر اوران کے بھائی امتیاز عرف تاجی کھوکھر سے قریبی تعلق تھا، اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) کا قیام حاجی نواز کھوکھر کی رہائش گاہ پرعمل میں آیا،آئی جے آئی کے پلیٹ فارم پران کی مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، حاجی نواز کھوکھر نے بتایا اسلامی جمہوری اتحاد کے پہلے سربراہ قاضی حسین احمد منتخب ہوئے اس کے بعد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی باری تھی لیکن انہوں نے قربانی دے کر میاں نواز شریف کو صدر بنوادیا، میاں نواز شریف کے دستخطوں سے آئی جے آئی کے امیدوار کو پارٹی ٹکٹ جاری ہوئے، جس کے بعد ہی میاں نواز شریف کیلئے اقتدار کا دروازہ کھل گیا مولانا سمیع الحق شہیدؒ بلند پایہ مذہبی سکالر عالم دین اور سیاست دان تھے۔

پروفیسر عبدالواحد سجاد
کالم نگار روزنامہ ''اسلام''

ہم ہو گئے شہید یہ اعزاز تو ملا

''بابائے طالبان''، ''یونیورسٹی آف جہاد'' کے چانسلر یہ وہ القاب ہیں جو بی بی سی اور وائس آف امریکا نے مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو دیئے، وائس آف امریکا نے ''فادر آف طالبان'' کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ دارالعلوم حقانیہ کے کئی دہائیوں سے مہتمم تھے، جہاں افغان طالبان کے بانی ملا محمد عمر، حقانی نیٹ ورک کے سربراہ جلال الدین حقانی سمیت کئی افغان طالبان جنگجو زیر تعلیم رہے ہیں، افغان طالبان مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور حکم بھی مانتے تھے، مولانا شہید رحمہ اللہ ہمیشہ افغان جہاد کے دوران طالبان کو متحد رکھتے اسی طرح تمام گروپس سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔

ان کی شہادت کے سانحے کے حوالے سے امارت اسلامیہ افغانستان کی جانب سے جو اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے بارے میں جو کہا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے'' امارت اسلامیہ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت تمام عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کے مسلمان عوام کیلئے عظیم اور ناقابل تلافی نقصان سمجھتی ہے، اس حوالے سے ان کے خاندان، جمعیۃ علماء اسلام پاکستان، تمام دینی حلقہ جات اور مسلم امہ کو دل کی گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتی ہے، ان کی ساری زندگی تعلیمی اور سیاسی شعبے میں دین کی خدمت کیلئے وقف تھی اور اسی راہ میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا، انہوں نے افغان مظلوم ملت کے ساتھ سوویت یونین کی جارحیت اور امریکی قبضے کے خلاف ناقابل فراموش خدمات انجام دیتے ہوئے ان کا ساتھ دیا، ہمیشہ حق بات کی اور افغان عوام کی مظلومیت کی صدا بلند رکھی، ان کی شہادت امت مسلمہ کو بیداری کا درس دینے والی شہادت ہے، اسلام دشمنوں نے انہیں نہایت بزدلی سے شہید کیا، امارت اسلامیہ اللہ تعالیٰ سے مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے لئے عظیم جزا اور قاتلوں کی رسوائی کی التجاء کرتی ہے۔''

بی بی سی کا کہنا ہے ۸۲ سالہ ''بابائے طالبان'' عمر کے اس حصے میں بھی سیاسی اور نظریاتی

طور پر کافی متحرک تھے، انہوں نے اپنی موت سے قبل خیبر پختونخوا کے ضلع چارسدہ کے علاقہ تنگی میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے موجود حاضرین سے سیاسی اور جہادی بیعت بھی لی یعنی وہ جس سوچ اور نظریات کے داعی تھے، آخری وقت تک اس پر عمل پیرا رہے، مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے آسیہ ملعونہ کے حوالے سے جو طبقات دھرنا دینے والوں کے خلاف آپریشن کی باتیں کررہے تھے اور ایک طوفان بپا کر کے کشت وخون کا بازار پاکستان میں گرم کرنا چاہ رہے تھے، ان کے بارے میں کہا تھا کہ جو نام نہاد طبقے سیکولر اور لبرل لابیاں، دفاعی، سفارتی، سیاسی تجزیہ نگار، اینکرز وکالم نگار مغرب کے اشاروں پر آپریشن اور جنگ کا طوفان برپا کئے ہوئے ہیں ان سب کا ایک بریگیڈ بنا کر طالبان سے مقابلہ کے لئے بھیجا جائے تاکہ ان کا شوق جنگ وجدال پورا ہو۔اس پر سوشل میڈیا پر ایک طوفان برپا رہا اور ایسا لگا کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ''لبرل ازم'' کی جو حقیقت بیان کی وہ اس پر سیخ پا ہیں، اس پر جو ٹویٹس کی گئیں وہ اس کا غماز تھیں، اِن ٹویٹس کے جواب میں ایک ٹویٹ کا حوالہ دینا ہی کافی ہوگا، جس میں لبرلز کو ان الفاظ میں ان کی حقیقت بتائی گئی ۔ لبرلز سوشل میڈیا پر کووں کی طرح کائیں کائیں کرتے ہیں اور عملی طور پر کچھ نہیں، ایسے کوے جو سوشل میڈیا پر ہی بیٹھے رہتے ہیں اور بس ۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے لبرلز کے بارے میں جو کہا اس کی وجہ بھی بیان کی، اس سے قوم فکری انارکی اور انتشار سے بچ جائے گی اور غیور و بہادر فوج بھی اس خون خرابے کے عمل سے بچ جائے گی۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ حق بات کہنے میں کسی پس وپیش سے کام لیتے تھے اور نہ ہی کبھی انہوں نے اپنے نظریات کو چھپایا، طالبان کے حوالے سے ان کا موقف واضح تھا، مولانا شہیدؒ نے لبرل ازم کے پرچارکوں کے بارے میں جو کچھ کہا، وہ بالکل صائب اور درست تھا، اسی طبقے نے الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے ذریعے ریاست اور اس کے اداروں کو یرغمال بنانے کی جو مساعی ایک عرصے سے جاری رکھی ہوئی ہے، اس کے باعث آئے دن کوئی نہ کوئی بحران جنم لیتا ہے، اب حالیہ عدالتی فیصلے میں اسی کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ٹرائل کورٹ اور ہائی کورٹ میں شواہد اور ثبوتوں کی موجودگی میں جس خاتون کو سزائے موت دی گئی، اسے مکمل بری کردیا گیا، جس کے باعث ملک میں ہیجان بپا ہوگیا۔عمران خان کے دھمکی آمیز خطاب نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور پورا ملک توہین رسالت کے حوالے سے حکمرانوں کے خلاف سڑکوں پر آگیا اور ریاست کی رٹ جس کا دعویٰ کیا جارہا تھا، وہ ختم ہوکر رہ گئی ، اچھا ہوا کہ اس موقع پر اپوزیشن کی طرف سے حکمران ٹولے کو تدبر کا مشورہ دیا گیا اور طاقت کے استعمال سے روکا اور بالآخر یہ سطور لکھتے وقت ایک معاہدے کے بعد دھرنا اختتام پذیر ہوا۔

اس موقع پر لبرلز طبقات نے جن کا تذکرہ سطور بالا میں مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے حوالے سے کیا گیا، الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا پر ریاست کی رِٹ کے قیام کے مطالبے کی آڑ میں ملک کو انارکی اور خانہ جنگی کا شکار کرنے کی پوری کوشش کی گئی، اس کیلئے انہوں نے اسی طرح جھوٹ کا سہارا لیا، جس طرح سوات کی ایک ویڈیو کے حوالے سے کیا تھا جس کا الزام طالبان کے سرتھوپ کر وہاں آپریشن کی راہ ہموار کی، وہ ویڈیو عدالت میں فیک (جعلی) ثابت ہوئی مگر چونکہ لبرلز کا معاملہ تھا اس پر کسی ادارے یا حکومت سے کوئی کارروائی دیکھنے کو نہیں ملی، کیونکہ اس سے مغرب اوران کے وظیفہ خواروں کی دلی تسکین کا سامان ہوا تھا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت پر ان کی سوانح یا ان کی دیگر دینی تصنیفی، تدریسی اورتحریک خدمات کا ذکر کرنے کی بجائے ان کوصرف طالبان تک محدود کیوں رکھا؟ حالانکہ وہ ایوان بالا کے رکن ''متحدہ مجلس عمل'' کے بانی، ''دفاع پاکستان کونسل'' کے روح رواں اورسربراہ بھی رہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رات جب ان کی شہادت کی خبر ملتے ہی سفاری ہسپتال پہنچا تو وہاں عوام کا ایک جم غفیر تھا، وہاں وقفے وقفے سے یہ نعرہ دوسرے نعروں میں شامل تھا، ہماری جان تمہاری جان، طالبان طالبان تو اس وقت میں اس نعرے کے پس منظر کے حوالے سے سوچ رہا تھا۔

مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت پر مغربی میڈیا نے ''بابائے طالبان'' یونیورسٹی آف جہاد کے چانسلر کی سرخیاں لگائیں تو میں نے چاہا کہ اپنے قارئین کے سامنے مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا اس حوالے سے وژن ذکر کروں، کیونکہ والفضل ما شھدت به الاعداء کے مصداق مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شخصیت کا نظریاتی رنگ جس پر وہ تادم آخریں کاربند رہے، ان کے شاگردوں، متعلقین اورخوشہ چینیوں کے سامنے رہے۔

ہم ہوگئے شہید یہ اعزاز تو ملا
اہل جنوں کو نکتہ آغاز تو ملا
ہم اولیاء نہیں تھے جو دل پھیرتے مگر
اس کو بھی گفتگو کا اک انداز تو ملا

حافظ محمد مسعود
مدیر ماہنامہ ''حق چار یار'' چکوال

فعال و متحرک شخصیت کی مثالی زندگی

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم، ملک کی سیاسی و مذہبی جدوجہد کے روح رواں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے سانحہ ارتحال نے اہلیان پاکستان کو بالعموم اور مذہبی طبقات کو بالخصوص ہلا کر رکھ دیا۔ ہمارے فہم میں حضرت مولانا سمیع الحق شہید کی مظلومانہ شہادت جہاں ایک طرف پوری امت کا مشترکہ نقصان ہے وہیں طریقہ واردات اپنے اندر بیسیوں سوالات رکھتا ہے ملک کی سالمیت اور خودمختاری کا معاملہ بھی درپیش ہے اور تفتیشی اداروں کی سست روی یا مٹی ڈالنے کی روش بھی قابل غور اور تعجب ہے، اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی قاتلوں کی گرفتاری اور نشاندہی سمیت اس افسوسناک واقعہ کے محرکات تک سامنے نہ آسکے۔

یاد رہے کہ شہادت سے ایک دن پہلے حضرت شہیدؒ آسیہ ملعونہ کی رہائی کے حوالے سے احتجاجی ریلی سے خطاب کر رہے تھے جس میں ان کا کہنا تھا......

> ''توہین رسالتؐ کی سزا سزائے موت ہے، آج پورا یورپ یہ نہیں برداشت کر رہا، سب کچھ برداشت کر رہا ہے، یہ اتفاقیہ بات نہیں ہے، ختم نبوت کا قانون اور توہین رسالت کی سزا یہ مغرب کو ہضم نہیں ہو رہی ہے، یہ سزا معاف کرنا بھی توہین رسالت ہے جو بے غیرت عدالت اپنی معمولی بات پر توہین عدالت توہین عدالت کی رَٹ لگاتی ہے کہ ہماری توہین ہوگئی، اپنی توہین کی ان کو بڑی فکر ہوتی ہے، ان لوگوں کو بلاتے ہیں اور ذلیل کرواتے ہیں کہ تم نے عدالت کی توہین کی ہے، (گویا) توہین رسالتؐ ان کے نزدیک کوئی بڑا جرم نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ ان ججوں نے آئین سے غداری کی ہے، آئین کی خلاف ورزی کی ہے اور ان ججوں نے رسالتؐ کی توہین کر کے آئین سے بغاوت کی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ توہین رسالتؐ کرنے والے ان ججوں کو نہ صرف یہ کہ معطل کیا جائے بلکہ وہ آئین کی جو دفعہ ہے توہین رسالت کی، جس کی سزا قتل ہے وہ سزا ان ججوں

پر نافذ کی جائے، جب تک ان ججوں کو توہین رسالتؐ کی سزا نہ ہو یہ نہیں سدھریں گے، یہ بدبخت انسان تھا، ثاقب نثار نے بڑا نام کمایا تھا اور بڑے سخت اقدمات کر رہا تھا، بڑے ظالموں کے خلاف، بڑے بڑے چوروں کو پکڑ رہا تھا، وزراء کو پکڑ رہا تھا تو ہم نے کہا کہ یہ تو اللہ نے کوئی فرشتہ بھیجا ہے لیکن وہ فرشتہ نہیں دشمن نکلا، اس نے اپنی ساری نیک نامی پر پانی پھیر دیا اور اپنی ساری نیک نامی کو بہا کر لے گیا۔ میں عمران خان سے پچھلے دنوں ملا، ملاقات میں پہلی بات ایجنڈے پر میں نے یہی رکھی تھی کہ آسیہ کو چھوڑنے کی بات چل رہی ہے تو اس کا مسئلہ کیا ہے؟ وہ پریشان سا تھا کہ یعنی خاص وضاحت نہیں کر رہا تھا، گومگو میں تھا، میں نے کہا کہ اگر اس طرح کرو گے تو تمہاری حکومت اللہ چھین لے گا کیونکہ نواز شریف نے بھی راتوں رات ممتاز قادری کو پھانسی پر لٹکایا، پورا ہندوستان اور پاکستان جرات نہیں کر سکتا لیکن وہ آدمی ہزار مرزائیوں سے زیادہ خطرناک تھا، ہم بدقسمت ملک کے باسی ہیں جو بھی آتا ہے ہم پچھلوں کو دعا دیتے ہیں تو اس شخص کو کوئی پرواہ نہیں تھی، ہمیں امریکہ کی غلامی میں اتنا پھنسا دیا کہ ممتاز قادری کو راتوں رات پھانسی پر لٹکا دیا، میں نے عمران خان کو یہ نواز شریف کا سارا قصہ بیان کیا کہ دیکھو اب جو بھی ہو ڈٹ جاؤ، دباؤ میں مت آؤ، اب ان ججوں کا ہمارے اوپر ایک عذاب آیا ہے تو ان کو سزا دی جائے میں کہتا ہوں کہ عمران خان ڈٹ جائے اور ان ججوں کو معزول کردے یا یہ فیصلہ واپس دلوائے اگر یہ ایسا نہیں کرتا تو میرا یقین ہے کہ اس کی ذلت کے دن آ گئے ہوں گے، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل وخوار کر کے نکالے گا، آج پارلیمنٹ میں حکومت اور اپوزیشن سب اس مسئلہ پر خاموش ہیں جو ملک رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت نہ کرے تو اس کا کیا مقام ہوگا؟ میڈیا بھی اپنا فرض نہیں ادا کر رہا، سارا ملک اٹھنا چاہیے، یہ ناموس رسول اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لڑنا ان شاء اللہ دیوبندیوں کی حمیت ہے، اس کے لئے علمائے دیوبند سب سے آگے ہوں گے اور ہم اس تحریک کو آخر تک پہنچائیں گے اور جب تک ظالموں کو اور ان ججوں کو سزا نہ دی جائے تو ہم اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے، اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی ہو''

محترم قارئین! حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے شہادت سے ایک دن قبل جن الفاظ سے اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا تھا وہ ہم نے من وعن نقل کر دیا ہے، ان کے بیان کی اہمیت اور ان کا درد دل

مسلم ہے،سوال یہ ہے کیا مولانا کی دردناک شہادت کے محرکات میں مذکورہ بالا احتجاج اور اس کے مندرجات شامل ہیں ......؟

حضرت شہیدؒ نے ایک فعال اور مثالی زندگی گزاری ، پورے وقار سے جئے اور کمال شان سے شہادت کی خلعت پہنے رخصت ہوئے، انسانیت کے بڑے اجتماع نے نماز جنازہ پڑھا اور اپنے عظیم والد محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کے پہلو میں آسودہ خاک ہو گئے ......

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یاد پڑتا ہے کہ قریباً ایک سال قبل امیر مرکزیہ حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر کی معیت میں اکوڑا خٹک حاضری ہوئی تھی، حضرت مرحوم نے جامعہ کے شعبہ جات اور ترقیاتی کاموں کا معائنہ کرواتے ہوئے دارالحدیث سے متصل ایک جگہ رکتے ہوئے فرمایا تھا:

یہ وہ جگہ ہے جہاں سکھوں سے لڑتے ہوئے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے جانبازوں کا خون گرا تھا......آہ !آج اسی مٹی میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ زخموں سے چور چور قبائے شہادت پہنے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں

قبائے نور سے سج کر لہو سے باوضو ہوکر
وہ پہنچے بارگاہ حق میں کتنے سرخرو ہو کر

تحریک خدام اہلسنت کا وفد امیر مرکزیہ مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر کی قیادت میں شہادت کے تیسرے روز تعزیت کے لئے اکوڑہ خٹک حاضر ہوا، لواحقین سے اظہار ہمدردی کی اور وہاں موجود میڈیا کے توسط سے ارباب اقتدار سے مطالبہ کیا کہ حضرت مولانا شہیدؒ کے قاتلوں اور ان کے پیچھے چھپے کرداروں کو بے نقاب کرے اور قرار واقعی سزا دے، جبکہ راولپنڈی کے پریس کلب میں قائد اہلسنت سیمینار کے موقع پر حسب ذیل قرارداد بھی پیش کی گئی:

یہ اجتماع قائد جمعیت ،مجاہد اسلام،حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی مظلومانہ شہادت پر گہرے رنج اور دکھ کا اظہار کرتے ہوئے ان کے بعد پیدا ہونے والے خلاء کو پوری امت کا مشترکہ نقصان سمجھتا ہے۔لواحقین اور جملہ متعلقین سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے ارباب حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ حضرت شہیدؒ کے قاتلوں اور ان کے پیچھے چھپے کرداروں کو جلد از جلد بے نقاب کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔

جناب رشید احمد منیب
کالم نگار روزنامہ ''اسلام''

بوڑھا درخت

وہ بوڑھا درخت اتنی خاموشی سے کٹ کر گرا کہ چڑیوں کو خبر تک نہ ہوئی، بیاسی سالہ بوڑھا عالمِ دین دل کا مریض ہونے کے باوجود پڑھنے پڑھانے سے اکتایا تھا نہ ہی تحریکوں سے تنگ دل ہوا تھا، شہادت سے ایک دن پہلے ہی اس نے ایک احتجاجی مظاہرے سے پرجوش خطاب کیا تھا لیکن بیاسی سال کی عمر آرام کا تقاضا تو کرتی ہی ہے۔ دشمن نے مولانا شہیدؒ کے بوڑھے وجود پر خنجروں کے کئی گھاؤ ڈال کر غصہ اتارا۔ یہ ردعمل کس بات کا جواب تھا؟ افغان طالبان کی سرپرستی کا؟ سوویت یونین کے خلاف جہاد میں کردار ادا کرنے کا؟ یا حالیہ کچھ فتوؤں کا؟ عمر رسیدہ بدن پر متعدد گہرے ''کٹ'' لگائے گئے گویا کہ جسم پر ایسے کٹ لگانا ان حملہ آوروں کے لیے معمول کی بات تھی۔ معلوم نہیں، اس وقت مولانا شہیدؒ کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ جب انھوں نے حملہ آوروں کو اپنے کمرے میں، اپنے سر پر دیکھا ہوگا؟ شہادت کے بعد ان کے چہرے اور آنکھوں سے خوف کا تاثر واضح نہیں ہوتا، البتہ تکلیف کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، شہادت تو مطلوب ومقصودِ مؤمن ہے۔ تمام عمر قرآن وحدیث کی تعلیم دینے والا شہادت کی موت سے بھلا کیا ڈرا ہوگا؟ شہادت تو ان کی تمنا ہی تھی لیکن ظالموں نے اسے چھریاں بڑی ہی بے دردی سے ماریں، قتل ہی کرنا تھا تو ایک گولی بھی کافی ہوتی، ایسا ذلیل دشمن خدا کسی کو بھی نہ دے جو ایک بوڑھے، بیمار، ناتواں اور نہتے دشمن سے بدلہ لینے کا سلیقہ بھی نہ رکھتا ہو۔

کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ ایک عمر رسیدہ عالمِ دین کے بدن پر چھریاں چلانے والے جلاد یا یوں کہیں کہ انسان نما بھیڑیے قانون کی آہنی گرفت میں آئیں گے یا نہیں؟ لیکن جس درندگی، نفرت، بغض اور انتقامی صفت کا مظاہرہ کیا گیا ہے، وہ دراصل ایک پیغام ہے۔ واقعات سے نتائج اخذ کرنے والا ہر شخص اس پیغام کے مندرجات کو سمجھ سکتا ہے، بس قاتلوں کے تعین کی دیر ہے۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے پیروکاروں نے اب تک صبر وتحمل کا مظاہرہ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ملک میں تشدد کے حامی نہیں ہیں۔ دلوں میں سلگتے شعلوں کو نرمی اور محبت کی رم جھم ہی بجھا سکتی ہے جو ایک بااختیار سیاسی قیادت کا عمل ہوتا ہے۔ نفرت کے شعلوں پر عسکری حکمتِ عملی کے ذریعے قابو پانا ممکن ہوگا؟ کیا ملکی تاریخ میں ہمارے پاس اس کی کوئی مثال موجود ہے؟ ایک سوال یہ بھی اٹھایا جا رہا ہے کہ کہیں

''پرویز مشرف'' کا دور واپس تو نہیں آ گیا؟ پاکستانیوں کو یاد تو ہوگا کہ پرویز مشرف کے دور میں افغانستان میں گہرا اثر رسوخ رکھنے والے عالم دین مفتی نظام الدین شامزئی کو ایک حملے میں شہید کر دیا گیا تھا، ان کی شہادت کے بعد شمالی حصے میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور کوئی قابلِ اعتماد مصالحت کار موجود نہیں رہا تھا۔

ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ مولانا سمیع الحق شہید کا قتل کسی حادثاتی جنون اور تعصب کا شاخسانہ نہیں، یہ سوچی سمجھی سازش ہے۔ عالمی ذرائع ابلاغ میں مولانا کی شہادت کو ''فادر آف طالبان'' کا قتل کہا ہے۔ بھارتی میڈیا میں اس قتل کی دبی دبی ہنسی اڑائی گئی ہے۔ عالمی میڈیا کا یہ طرزِ عمل سوچنے سمجھنے والے عوام کو اسرائیلی طیارے کی پاکستان آمد والی خبروں کی جانب ضرور متوجہ کرے گا۔ عمان نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا ہے۔ اطلاعات یہ ہیں کہ اسرائیل مسقط میں ایک اڈہ تعمیر کرنے جا رہا ہے۔ فلسطین کے بعد مسقط واحد جگہ ہوگی جہاں اسرائیل کا بڑا دفاعی نوعیت کا اڈہ تعمیر ہوگا، مسقط گوادر کے عین سامنے واقع ہے یعنی مسقط میں قائم اڈہ گوادر میں بننے والی بندرگاہ اور اس سے جڑے معاملات کو آسانی سے ''مانیٹر'' کر سکے گا، کچھ اڈے امریکا نے افغانستان میں تعمیر کر لیے ہیں۔ بھارت پہلے ہی جارحیت کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ اب بلوچستان کی ساحلی پٹی کی جانب سے اسرائیل کی پیش قدمی شروع ہونے والی ہے۔

یہ تمام سازشیں اور کاوشیں صرف ایک صورت میں یقینی طور پر خدانخواستہ کامیاب ہوسکتیں ہیں، وہ صورت یہ ہے کہ پاکستان کو شدید داخلی خلفشار، انتشار اور خانہ جنگی میں مبتلا کر دیا جائے۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کے پسِ پشت یہ تمام عوامل کارفرما ہوسکتے ہیں، ماضی قریب میں علمائے کرام کی مسلسل شہادتوں کے تانے بانے پڑوسی ملک کے علاوہ ملک میں سرگرم گروہوں سے بھی جڑے ہوئے تھے۔ علماء کے قتل نے اس معاشرے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب ملک کے ایک اور جید عالم دین کو پراسرار انداز میں قتل کر دیا گیا ہے۔ حکومت نے اس قتل کا کھوج نہ لگایا اور قاتل گرفتار نہ کیے گئے تو اس کا نہایت منفی پیغام لیا جائے گا۔ یہ درخت جو کٹ کر گرا ہے، بوڑھا ضرور تھا لیکن بہت گھنا تھا۔ اس کی ٹہنیوں پر مختلف رنگ و نسل کے پرندے بسیرا کرلیا کرتے تھے۔

اس بار جو ایندھن کے لئے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بہت پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

جناب عبید اللہ عابد
کالم نگار روزنامہ ''ایکسپریس''

خزاں پرستوں نے وار کر کے شجر وفا کا گرا دیا

- ...... نواز شریف حکومت اور طالبان سے مذاکرات، مولانا شہیدؒ کے ذمہ دارانہ کردار اور حکمرانوں کی طوطا چشمی کی دلچسپ کہانی۔
- ...... خفیہ اداروں نے متعدد بار بتا دیا تھا کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ بین الاقوامی خفیہ اداروں کے ہدف پر ہیں۔

پہاڑ جیسا مضبوط شخص، اصولوں پر کبھی لچک نہ دکھانے والا، اس معاملے میں اپنوں کو بھی خاطر میں نہ لانے والا لیکن بعض جبہ و دستار والوں سے بالکل مختلف، شہرت، اثر و رسوخ اس کی شخصیت میں ہلکی سی اکڑفوں پیدا نہ کر سکی، اس قدر سادگی پسند کہ گزشتہ جمعۃ المبارک اپنے گھر میں تن تنہا موجود تھے، نہ کوئی محافظ نہ کوئی مددگار انسان، ایسے میں قاتل گھر کی دیواریں پھلانگ کر داخل ہوئے، خنجروں کے پے در پے وار کر کے ۸۲ سالہ بزرگ کو شہید کر ڈالا اور پھر از حد آرام وسکون سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے پوتے عبدالحق ثانی نے بتایا کہ وہ راولپنڈی میں اپنے مکان میں اکیلے تھے، (ڈرائیور دس منٹ کیلئے سودا سلف لینے کے لئے قریبی مارکیٹ گیا تھا) جب نامعلوم افراد نے انھیں چھریوں سے وار کر کے شہید کر دیا۔ یقیناً مولانا ایک سادہ شخصیت تھے، انھیں سادگی پسند ہی ہونا چاہئے تھا۔

افغان طالبان کے امیر خان متقی، مولوی احمد جان اور ملا خیر اللہ خیرخواہ جیسے لوگ بھی اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔ حقانی نیٹ ورک کے بانی جلال الدین حقانی جن کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوا، بھی وہ یہیں سے متاثر ہو کر نکلے تھے۔ اسی تناظر میں ایک حلقہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو ''بابائے طالبان'' بھی قرار دیتا رہا ہے۔

ان کے مدرسے میں تعلیم و تربیت پانے والے یہی افغان طالبان گزشتہ ڈیڑھ عشرے سے

زائد عرصہ سے افغانستان پر قابض امریکی اور اتحادی افواج کے خلاف بھرپور مزاحمت کررہے ہیں۔ تھک ہار کر امریکا اور اس کی حمایت یافتہ کابل حکومت پاکستانی حکومت سے بار بار درخواستیں کررہی تھی کہ مولانا سمیع الحق افغان طالبان کو مذاکرات کی میز پر لائیں، مولانا شہیدؒ ہمیشہ افغانستان میں امن کے قیام کے لئے اپنا کردار ادا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، تاہم امریکی اور ان کے اتحادی ایسے فارمولے پر مذاکرات کرنا چاہتے تھے جس میں امریکا کی حمایت یافتہ حکومت کا کردار بھی برقرار رہے۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ ایک آزاد منش شخصیت تھے اور حریت فکر کے مالک، بھلا وہ کیسے ایک غیر ملکی قوت کے کہنے پر اپنے بیٹوں (طالبان) کو دب کر صلح کرنے پر تیار کرتے۔ لازمی امر ہے کہ وہ افغانستان میں فتح یاب طالبان کا سر بلند ہی رکھنا چاہتے تھے۔

کوئی وقت تھا، جب مولانا سمیع الحق شہیدؒ مذاکراتی عمل کیلئے سرگرم رہے لیکن وہ جلد ہی گھر بیٹھ گئے کہا جاتا ہے کہ میاں نواز شریف کی حکومت جس انداز میں مولانا سے یہ کام لینا چاہتی تھی، وہ اس پر تیار نہ تھے۔ اس کی تفصیل خود مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے یوں بتائی: طالبان انھیں باپ کا درجہ دیتے ہیں اور ان کے دارالعلوم سے فارغ التحصیل طالبان افغانستان میں جہاد کر رہے ہیں۔ نواز شریف ہمت کرتے اور بیرونی دباؤ میں نہ آتے تو مسائل حل ہوسکتے تھے۔ یوں میاں نواز شریف اور مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی اپروچ ایک نہ ہوسکی۔

یہی کہانی ایک غیر ملکی خبررساں ادارے سے وابستہ صحافی ہارون الرشید نے بتائی: مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے مثبت ردعمل نہ ملنے کی وجہ سے طالبان کے ساتھ مجوزہ مذاکراتی مشن سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ مسلسل رابطے کی کوشش کے باوجود نواز شریف کی طرف سے کوئی جوابی رابطہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس بارے میں وزیراعظم کو بھیجے گئے خط کا جواب دیا گیا، تاہم وزیراعظم کے دفتر سے جاری ہونے والے ایک مختصر تحریری بیان میں کہا گیا کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے دہشت گردی کے خاتمے کے سلسلے میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنے کے لیے عمومی بات ہوئی تھی۔ انھیں کوئی متعین مشن نہیں سونپا گیا تھا۔

گزشتہ چند ہفتوں کے دوران بھی افغانستان میں مولانا شہیدؒ کی ثالثی کے خواہاں لوگ دارالعلوم حقانیہ کے چکر لگاتے رہے اور مولانا شہیدؒ نے انھیں مثبت جواب دیا۔ انھوں نے ایک انٹرویو میں اس کی تفصیلات یوں ظاہر کی تھیں، افغان علماء اور امن کونسل کے وفد نے ملاقات کے دوران اِن سے کہا ہم چاہتے ہیں کہ افغانستان میں جنگ ختم ہو جائے اور کوئی مصالحت کا راستہ نکالا جائے۔

افغانستان میں امن اور بات چیت کے سلسلے میں افغان سفیر بھی میرے پاس آئے تھے جس پر میں نے بتایا کہ یہ اچھا مقصد اور اچھا مشن ہے، اس کیلئے زمینی حقائق درکار ہوں گے صرف زبانی جمع خرچ سے مصالحت نہیں ہوسکتی۔ یہ بہت گھمبیر مسئلہ ہے اس کی بنیادوں کو تلاش کرنا ہوگا۔ میں نے بتایا کہ اس گھمبیر مسئلہ کا علاج میرے پاس نہیں ہے اس کی بنیادی وجوہات کو دیکھنا ہوگا۔ میں نے امریکیوں، افغان سفیر اور افغان حکام سے بھی کہا ہے، بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ طالبان کہتے ہیں، غیر ملکی افواج افغانستان پر مسلط ہیں، ہماری لڑائی افغان حکمرانوں سے نہیں۔ امریکا نے بداعتمادی کی فضا پیدا کردی ہے، جیسے ہی مذاکرات ہوتے ہیں امریکہ کی جانب سے کوئی ایسی حرکت کی جاتی ہے جس سے مذاکرات کی فضا خراب ہوجاتی ہے۔ میں نے افغان علماء اور امن کونسل کے مشترکہ وفد سے کہا کہ آپ فی الحال امریکا، پاکستان اور افغان حکومت کو علیحدہ کرکے آپ اور طالبان آپس میں بیٹھ جائیں، پہلے افغانستان کو آزاد ہونا چاہیے اس کے بعد آپس میں سیاست کریں، مشترکہ حکومت بنائیں، طالبان کا ساتھ دیں یا نہ دیں یہ بعد کے مسائل ہیں، (مسئلے کا حل یہ ہے کہ) حکمت یار اور دوسرے گروپ ایک صفحے پر آجائیں۔

مولانا سمیع الحق ۸۵ء سے ۹۱ء تک اور پھر اور ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۷ء تک پاکستانی پارلیمنٹ کے ایوان بالا کے رکن رہے۔ وہ پاکستان میں شریعت کے نفاذ کے لئے ہمیشہ سرگرم جدوجہد کرتے رہے، جنرل ضیاء الحق کے دور میں قومی اسمبلی اور سینیٹ میں شریعت بل پیش کرنے والے سینیٹر قاضی عبداللطیف مرحوم مولانا سمیع الحق شہیدؒ ہی کے دست راست تھے۔ اس کے بعد وہ ملک میں ملی یکجہتی کے قیام کے لئے سرگرم ہوگئے اور مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم کی زیر قیادت ''ملی یکجہتی کونسل'' کا حصہ بھی رہے۔ ۲۰۰۲ء میں چھ مذہبی جماعتوں کا سیاسی اتحاد متحدہ مجلس عمل کے نام سے قائم ہوا، مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی جمعیت علمائے اسلام ان میں سے ایک تھی، تاہم وہ مسلسل شکوہ کرتے رہے کہ اتحاد پر دو جماعتوں جمعیت علمائے اسلام فضل الرحمٰن گروپ اور جماعت اسلامی کو غلبہ حاصل ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ عرصہ اس اتحاد کا حصہ نہ رہ سکے، ۲۱۰۸ء کے عام انتخابات سے قبل انھیں ایک بار پھر متحدہ مجلس عمل کا حصہ بنانے کی کوشش کی گئی لیکن مولانا شہیدؒ نہ مانے۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا کہنا تھا کہ اس بار ''متحدہ مجلس عمل'' میں اس لئے شامل نہیں ہوا کیونکہ پہلے بھی انہوں نے مایوس کیا، اسمبلی میں ۷۰ لوگ گئے تھے نہ دین، نہ افغانستان اور نہ اسلام کیلئے کوئی کام کیا بلکہ پرویز مشرف کے ساتھ خفیہ معاہدوں میں شامل ہوئے اور خود دستخط کئے میں نے جب منع کیا تو پھر مجھے ایم ایم اے سے نکال دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جس نے پاکستانی معاشرے میں ایک تعمیری کردار ادا کرنے والی شخصیت کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھا؟ پولیس حکام نے ابتدائی رپورٹ میں اس قتل میں دہشت گردی کے پہلو کو جان بوجھ کر مسترد کر دیا ہے حالانکہ ان کے پسماندگان اس موقع پر بار بار چیخ رہے تھے اور وہاں موجود فوجی وعسکری حکام سے کہہ رہے تھے کہ ان کے والد کو بیرونی اور اندرونی قوتیں بار بار دھمکیاں دے رہی تھیں اور انہوں نے ہی شہید کیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا واقعی مولانا کی کسی سے ذاتی دشمنی ہوسکتی تھی؟ ہرگز نہیں، ایسی بلندمرتبت شخصیت کے ذاتی معاندین نہیں ہوتے، وہ ذاتی دشمنیوں سے بہت بالاتر ہوتے ہیں، ہاں! صرف نظریاتی پرخار رکھنے والے ہی انھیں اپنی راہ کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ ملکی اداروں بشمول پاک افغان طالبان سے ان کے اچھے مراسم رہے، وہ ''دفاع پاکستان کونسل'' کے سربراہ تھے۔

واقفان حال بخوبی جانتے ہیں کہ ''دفاع پاکستان کونسل'' کے سربراہ ہونے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مولانا سمیع الحقؒ کو پاکستانی طالبان نے نشانہ بنایا ہو کیونکہ میاں نواز شریف کے دورحکومت میں انہی کو پل بناتے ہوئے پاکستانی طالبان سے مذاکراتی عمل شروع کیا گیا تھا، اس کا مطلب ہے کہ انھیں پاکستانی طالبان کے تمام حلقوں میں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے بیٹے مولانا حامدالحق حقانی (سابق رکن قومی اسمبلی) کا کہنا ہے: لگتا ہے کہ توہین رسالتؐ کیس سے توجہ ہٹانے کیلئے ان کے والد کو شہید کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ ایسی قوتیں جو ملک میں اسلام کا غلبہ نہیں چاہتیں، جو جہاد مخالف ہیں، جو مدرسوں اور خانقاہوں کی مخالفت کرتے ہیں وہی طاقتیں اس قتل میں ملوث ہیں۔ انھوں نے واضح کیا کہ افغان حکومت اور مختلف طاقتوں کی جانب سے والد کو خطرہ تھا کیوں کہ والد صاحب افغانستان کو امریکا کے تسلط سے آزاد کرانا چاہتے تھے جبکہ ہمیں ملکی خفیہ اداروں نے بھی متعدد بار بتایا تھا کہ مولانا سمیع الحقؒ بین الاقوامی خفیہ اداروں کے ہدف پر ہیں۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا حامد الحق حقانی کا کہنا تھا کہ ہم نے پولیس اور سیکورٹی اداروں کو دھمکیوں کے حوالے سے آگاہ کر دیا تھا، جبکہ دارالعلوم اکوڑہ خٹک میں بھی سیکورٹی سخت کر دی گئی تھی تاہم مولانا صاحب زیادہ سیکورٹی حصار کو پسند نہیں کرتے تھے اس لیے سفر میں ان کے ساتھ خدمت گاروں کے علاوہ کوئی حکومتی سیکورٹی گارڈ وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف پولیس حکام کا کہنا

ہے کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو پہلے بھی دھمکیاں ملتی رہی ہیں جس کے نتیجے میں ان کو اپنی سرگرمیاں محدود کرنے کا کہا گیا تھا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ امریکا کی پالیسیوں کو کسی بھی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ پاکستانی حکمرانوں کی امریکا سے قربتوں کو پاکستان کے مفاد میں نہیں دیکھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا: ہم سترہ برس سے خدشہ ظاہر کررہے تھے کہ امریکا کی دوستی آپ کو مہنگی پڑے گی، وہ آپ کو برباد کردے گی، وہ سب خدشات سو فیصد سچ ثابت ہوئے۔ وہ ان حکمرانوں کو سزا دینے کا مطالبہ کرتے رہے جنھوں نے یہ پالیسیاں اختیار کیں۔ ان کا کہنا تھا کہ امریکا خود کہتا ہے کہ آدھے سے زیادہ افغانستان پر طالبان کا قبضہ ہے، ایسے میں حقانی نیٹ ورک کو کیا ضرورت ہے کہ وہ پاکستان میں رہ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھے۔

پاک افغان امور پر گہری نظر رکھنے والے حلقوں کا خیال ہے کہ بظاہر اس قتل کے تانے بانے افغان انٹیلی جنس سے ملتے نظر آتے ہیں، پاکستان میں کسی گروہ سے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ایسی دشمنی نہ تھی کہ یوں قتل کیا جاتا، جس طرح افغان انٹیلی جنس سے جڑے پیجز ان کی شہادت پہ خوشیاں منا رہے رہیں اس سے ان کی طرف شک گہرا ہوتا ہے بعض افغان سوشل میڈیا صارف اسے جنرل رازق کا انتقام بھی قرار دے رہے ہیں بقیہ افغان میڈیا پہ اکوڑہ خٹک سے ایک خاص نفرت پہ مبنی خبریں اور دستاویزی فلمیں معمول کا حصہ ہیں۔ اس تناظر میں سیکورٹی اداروں سے ضرور پوچھ گچھ ہونی چاہئے کہ انھوں نے اس قدر اہم شخصیت کی حفاظت کے لئے اپنے فرائض سرانجام دینے میں غفلت یا سستی کیوں برتی؟

مولانا سمیع الحقؒ پاکستان کے دینی اور سیاسی حلقوں میں از حد اہمیت رکھتے تھے بالخصوص صوبہ خیبر پختون خواہ اور بلوچستان میں ان کے شاگردوں، چاہنے والوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ مولانا کے قتل سے واقعتاً ایک بڑا خلا پیدا ہو چکا ہے، کاش! اس قوم پر ایسے بڑوں کا سایہ ہمیشہ سلامت رہتا! ان کے قتل سے ایک بات از حد واضح ہوجاتی ہے کہ ابھی یہ ملک بیرونی طاقتوں، ان کی ایجنسیوں اور ان کے پالتو دہشت گردوں سے پاک نہیں ہوسکا، وہ جہاں چاہتے ہیں، جیسے چاہتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں نشانہ بناتے ہیں۔ اس تناظر میں نہایت ضروری ہے کہ ملکی سلامتی کے ادارے، انٹیلی جنس ایجنسیاں اپنی حکمت عملی اور منصوبہ بندی پر نظر ثانی کریں، اپنی غلطیوں، کمیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لیتے ہوئے نئی منصوبہ بندی کے ساتھ ملک میں امن وامان قائم کریں۔

مہر بشارت صدیقی

کالم نگار روزنامہ ''نوائے وقت''

فادر آف طالبان اور امن کے سفیر

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۸ء تک بھی سینٹ کے رکن رہے، آپ نے بطور سینٹر ملک میں شرعی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کی اور شریعت بل کے محرک بنے، مولانا سمیع الحقؒ کو قومی ایشوز پر اتحادوں کی تشکیل کا بھی ملکہ حاصل تھا اور متعدد دینی وقومی معاملات پر ان کی کوششوں سے کئی اتحاد بھی قائم ہوئے، افغانستان میں روسی جارحیت میں مولانا سمیع الحقؒ اور ان کے مدرسہ کا مزاحمتی تحریک میں نمایاں کردار رہا، وہ ملک میں خودکش حملوں کے خلاف تھے جبکہ افغانستان میں امریکہ کیخلاف جدوجہد کرنے والے افغان طالبان انہیں اپنا استاد سمجھتے تھے۔ دینی اور سیاسی رہنماؤں نے مولانا سمیع الحقؒ کی شہادت پر شدید افسوس کا اظہار کرتے ہوئے واقعہ کی مذمت کی ہے۔ جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں مولانا کے خاندان کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کرتا ہوں، ۸ سال دارالعلوم حقانیہ میں پڑھا ہوں اس رشتے کو کبھی بھلا نہیں سکتا۔ اختلاف کے باوجود ان کے ساتھ ایک محبت کا رشتہ قائم تھا اور ان کے خاندان کے ساتھ بھی یہ تعلق قائم رہے گا، اس غم میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔ شہادت بڑا سانحہ ہے اور یہ کھلی دہشتگردی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے مولانا سمیع الحق کی شہادت پر اظہار افسوس کیا ہے۔ حملہ آوروں اور ان کے سرپرستوں کو بلاتاخیر گرفتار کیا جائے، ملک نامور عالم دین اور مدبر سیاستدان سے محروم ہوگیا۔ امیر جماعت اسلامی سینیٹر سراج الحق نے مولانا سمیع الحقؒ اور سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ کی شہادت پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا سمیع الحقؒ کی شہادت نے سیکورٹی صورتحال کی قلعی کھول دی ہے۔ مولانا سمیع الحقؒ کی دینی و سیاسی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ عوام سے پرامن رہنے کی اپیل کرتے انہوں نے کہا کہ ملک میں امن و امان کی صورتحال کو برقرار رکھنا ضروری ہے تاکہ ملک دشمن عناصر کے ناپاک عزائم کو ناکام بنایا جاسکے۔ امیر جماعت الدعوہ پاکستان پروفیسر حافظ محمد سعید نے مولانا سمیع الحقؒ کو قاتلانہ حملہ میں شہید کیے جانے پر شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اسے وطن عزیز پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی بین الاقوامی سازش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ سابق وزیراعلی پنجاب میاں منظور احمد وٹو نے قتل کی مذمت کی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن حقانی
خطیب سول سیکرٹریٹ پشاور شہر

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مشن کی تکمیل

- ...... جامعہ دارالعلوم حقانیہ بنیاد بھی دارالعلوم دیوبند کے اساسی نظریہ پر رکھی گئی ہے حقانیہ پاکستان کا دارالعلوم دیوبند ہے
- ...... پاک فضائیہ کے ہیرو ایم ایم عالم نے کہا تھا کہ روسی جارحیت کے خلاف سب سے بڑی مزاحمت حقانیہ کے فارغ علماء کر رہے ہیں
- ...... حقانیہ کے مجاہدانہ کردار سے قاسم نانوتویؒ کے مشن کی تکمیل ہوئی۔

شیخ الحدیث حضرت شیخ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور ملک کی مجموعی فضا کو وحشت ناک بنا دیا، ہر مکتب فکر کے اظہارِ غم کا اپنا ہی ایک انداز تھا، مجھ سے کسی ساتھی نے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے تو میں نے جواباً کہا کہ شہادت کا رتبہ حاصل کرنا یہ عطاء خداوندی ہے البتہ بعض لوگوں پر خوف اور غم کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے یہ انسان کی فطرت ہے۔ کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہادت غیر متوقع تھی؟ اس غیر متوقع والی بات سے میں بالکل مطمئن نہیں ہوں کیونکہ حضرت شیخ شہیدؒ میدان جہاد میں دو عالمی طاقتوں کی شکست میں بنیادی کردار ہیں، عالم کفر حضرت شیخ شہیدؒ کے ساتھ بدرجہا دشمنی رکھتا ہے، تفصیل اس معمہ کی یہ ہے کہ جب مولانا قاسم نانوتویؒ نے دیوبند کی بنیاد رکھی تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہندوستان میں یہ پہلا مدرسہ ہے، بلکہ اوّلیت و اولویت اس بات پر ہے کہ اس مدرسہ کی بنیاد ایک نظریہ اور فکر کے تحت رکھی گئی اس نظریہ کا بالفاظ علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم کے، میں نے شیخ الہندؒ سے پوچھا کہ حضرت! آپ کا سیاسی مسلک کیا ہے؟ اس سوال کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ پر ایک خاص حال طاری ہو گیا اور اپنے استاذ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا نام لے کر فرمایا: حضرت الاستاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس و

تدریس ، تعلیم وتعلّم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا ، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامیوں کے بعد ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ پر دوران جواب ایک خاص حال طاری ہونا اس بات پر شاہد ہے کہ اس ماحول میں اب اس بات سے ایک خاص طبقہ منکر ہو چکا تھا اس بات کو وہ حضرات بخوبی جانتے ہیں جن کا علم بلاغت سے کوئی نا کوئی واسطہ ہو، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، پاکستان و ہندوستان کے نام سے دو ملک دنیا کے نقشہ پر معرض وجود میں آ گئے، مسلمانان پاکستان کا دارالعلوم دیوبند سے بلاواسطہ فیض حاصل کرنے کے دروازے بند ہو گئے اس کمی اور نقصان کے ازالہ کے لیے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بنیاد رکھی گئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم ایک عالمی ادارہ و یونیورسٹی کے درجہ پر جانا پہچانا نام بن گیا۔ جناب عمار یاسر صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۸۶ء میں پاک فضائیہ کے ہیرو ایم ایم عالم مرحوم نے احقر کو بتایا تھا کہ روسی جارحیت کے خلاف سب سے بڑی مزاحمت دارالعلوم حقانیہ کے فارغ التحصیل علماء کر رہے ہیں، عالم صاحب نے حقانیہ کو جہاد یورنیورسٹی قرار دیتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کو اس وقت کا مجاہد کبیر قرار دیا تھا۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء تک یہ جہاد جاری رہا اور اس کے نتیجے میں روس ایک گزری ہوئی داستان بن گیا۔ ۱۹۸۰ء میں جہاد شروع ہوا اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی ، روس ٹکرے ٹکرے ہو گیا، روس کے ایجنٹ ناکام و نامراد ہو گئے۔

حضرت قاسم نانوتویؒ کا نصب العین اللہ پاک نے دارالعلوم حقانیہ سے پورا کر دیا، آج اگر روس تباہ و برباد ہو گیا ہے تو بھی اس میں مرکزی کردار علمائے حقانیہ کا ہے، اسی طرح امریکہ بھاگنے پر مجبور ہوا ہے اور آئے دن مذاکرات کی رٹ لگائے ہوئے ہے تو بھی اس میں مرکزی کردار علمائے حقانیہ کا ہے اسی طرح اللہ نے حقانیہ کے طفیل دو عالمی کفری طاقتوں کا ستیا ناس کر دیا۔

ایک مرتبہ علامہ جلال الدین حقانیؒ نے خوست کی فتح کے موقع پر لاہور میں جمعیت علماء اسلام کے ایک کنونشن میں فرمایا کہ: آپ حضرات کو یہ تجسس ہو گا کہ میں حقانی کیوں کہلاتا ہوں؟ اس تخلص میں میرا مقصد حقانیت کے موقف پر اپنی استقامت ،حق کی علمبرداری ، یا فناء فی الحق ہونے کا دعویٰ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ میری نسبت مدرسہ حقانیہ اور شیخ مربی مولانا عبدالحقؒ کی طرف ہو، تا کہ

اس نسبت کی لاج رکھ کر اللہ ہمیں کامیابی سے نوازیں، مجھے اس ادارے اور اپنے شیخ سے نسبت پر فخر ہے اور یہ سب اسی نسبت کی برکتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی اور ہم سکوت، قعود اور مداہنت سے بچ کر جابر وظالم اور بڑے کافر اور ملحد کے مقابلہ میں ڈٹ گئے اور بزعم خود سپر پاور کے مقابلہ میں توپوں، ٹینکوں اور جہازوں کی بمباری کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے کمیونزم کو نہ صرف یہ کہ افغانستان اور روس میں شکست دی بلکہ اسے پورے عالم میں رسوا کر دیا، آج خود روسی جمہوریتیں مجاہدین کی برکت سے آزادی کیلئے کوشاں ہیں بلکہ اس جہاد کی برکت سے پورے عالم میں محکوم و مظلوم اور غلام قوموں کو بھی آزادی کا احساس ہوا یہ سب حقانیہ، حضرت مولانا عبدالحقؒ اور حق پرستی کی برکتیں ہیں۔

درس و تدریس کے مدارس تو بے شمار ہیں لیکن جس مدرسہ کا کردار تحریکی ہو اور اپنی اقدار و ترجیحات کو انٹرنیشنلزم پر حاوی کرنے کا گُر جانتے ہوں تو وہ کریڈٹ صرف دارالعلوم حقانیہ کو جاتا ہے اور یہی قیصر و کسریٰ کے خاتمے کا مقصد اعلیٰ جو کہ نانوتویؒ صاحب کا خواب تھا وہ دارالعلوم حقانیہ کی بدولت پورا ہوا اور پورا ہوگا ان شاء اللہ، جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا هلك القيصر لا قيصر بعده و هلك الكسرىٰ لا كسرىٰ بعده اور اس حدیث مبارک کو عملی جامہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دورِ مبارک میں پہنایا گیا، اسی طرح قاسم نانوتویؒ کا خواب حقانیہ کی بدولت پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔

حضرت شیخ الحدیث عبدالحقؒ نے جو میراث چھوڑی تھی، اس میراث کو کما حقہ بتدریج اعلیٰ درجہ پر فائز کر دیا اور ان سارے کاموں کا سہرا حضرت شیخ شہیدؒ کے سر پر ہے کہ اُنہوں نے اپنے والد گرامیؒ سے جو میراث پائی تھی اس میں کسی خیانت کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ اور بھی اعلیٰ مقام سے نوازا۔ یقیناً حضرت شہیدؒ کی وسعت ظرفی داد دینے کی مستحق ہے کیونکہ اپنے ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے والد محترم کی میراث کو ترجیحی بنیادوں پر رکھا۔ مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے طوالت کے ڈر سے بند کرنا پڑا، ورنہ لکھنے کو بہت کچھ ہے۔ اللہ حضرت شہیدؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نوازے اور اہل وعیال کو یہ میراث و امانت کو باحسن طریقے سے سرانجام دینے کا توفیق بخشے (آمین)

مولانا مطیع اللہ حقانی
جامعہ صدیقیہ عربیہ مثورہ

کاروانِ حق کے بیباک جرنیل

بنا کردند خوش رسمِ بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایشیاء کی عظیم علمی روحانی درس گاہ، دیوبند ثانی، مادرعلمی، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم ومدیر، لاکھوں علماء ومشائخ محدثین، مفسرین اورفقہاء کے استاد ومربی، حضرت امام الشہداء شیخ الکل فی الکل محافظ ختم نبوت، شہید ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے متعلق بہت سے اہل علم، اہل دل اوراہل قلم نے کافی کچھ اب تک لکھا ہے اورآئندہ بھی بہت کچھ لکھا جائے گا۔(ان شاء اللہ)

میں کوئی اہل قلم یا اہل علم نہیں ہوں لیکن چونکہ حضرت کا بہت منت بار احسان ہوں لہٰذا چند بے ربط جملے لکھ کر اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔

راقم الحروف نے حضرت کے متعلق جو القابات ذکر کئے ہیں، یہ کسی قسم کی بھی مبالغہ آرائی سے پاک ہیں، مضمون کی طوالت سے اجتناب کی خاطر اس کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا، ورنہ ان میں سے ہر ایک لفظ کو دلائل وبراہین کی روشنی میں ثابت کیا جاسکتا ہے بلکہ میرے دلائل کے بغیر بھی شاید ہی کوئی مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی ان صفات اورآپ کی جامعیت کا منکر ہوگا، اس لئے کہ آپ جامعہ حقانیہ اورخاندانِ حقانی کی خدمات ایک بدیہی اوراظہر من الشمس حقیقت ہے، علم وعمل اورتفقہ فی الدین، سیاست وسیادت، جہاد فی سبیل اللہ، اعلائے کلمۃ اللہ، نفاذ شریعت، ترویج وتبلیغ دین، دفاع ختم نبوت، تحفظ ناموس رسالت یا دین اسلام کا کوئی بھی شعبہ ہو اورامت محمدیہ کو رہنمائی اورقربانی کی ضرورت ہو اورجامعہ دارالعلوم حقانیہ، خانوادۂ حقانی اورشیخ الحدیث کی ذات امت کی رہنمائی کیلئے موجود نہ ہو اور بیانگ دہل اورعلی الاعلان یہ صدا نہ دے رہے ہوں۔

ہم نے تو دل جلا کے سرعام رکھ دیا   اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی

آج یقیناً میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر ہے کہ حضرتؒ کے ہزاروں شاگرد وعقیدت مند شہداء نے جنت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بڑے فخر سے حضرت شہید رحمہ اللہ کا استقبال کیا ہوگا۔ یہ ممکن نہیں کہ اسلام کے اس بوڑھے جرنیل کے ہزاروں سپاہیوں نے اسلام کے دفاع اوراعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرکے جام شہادت نوش کئے ہوں اوران کا جرنیل بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بزدلی اور بے وفائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے موت کو سینے سے لگائے۔ برصغیر پاک وہند کی پچھلی ڈیڑھ صد سالہ تاریخ میں طاغوت اورسامراج نے جب بھی اور جس وقت بھی اور ملت اسلامیہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے حملہ کیا اور ہر بار دیگر اکابر کی طرح خاندان حقانیہ نے امت کی سیادت اور قیادت کا فریضہ بحسن وخوبی سرانجام دیا، پہلی بار فرنگی سامراج آیا، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے اپنے پیر ومرشد اوراستاد ومربی شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی معیت میں فرنگی سامراج کا ڈٹ کرمقابلہ کرکے اس کا نام ونشان مٹا دیا۔

دوسری بار سامراج سویت یونین کی شکل میں حملہ آور ہوا تو حضرت شہیدؒ رحمہ اللہ نے اپنے والدگرامی شیخ مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی معیت میں اسلام کے دفاع کا فریضہ سرانجام دیا اور طاغوتی قوتوں کو پاش پاش کردیا اورعصر حاضر میں تیسری بار سامراج اپنے تمام اسباب ووسائل اورقوت کے ساتھ امریکہ کی شکل میں حملہ آور ہوا تو پھر بھی ان بوریانشینوں (تمام اکابر) اور بالخصوص خاندان حقانی کی دوسری نسل حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ سالار بن کر میدان عمل میں اترے نتیجہ دنیا کے سامنے ہے کہ ایک طرف پوری دنیا، بڑی بڑی حکومتیں اورریاستیں امریکہ سے مقابلہ تو درکنار، امریکہ سے بات تک کرنے کی جسارت نہیں کرسکتے جبکہ دوسری طرف امریکہ، اس بیاسی سالہ بوڑھے جرنیل کے سامنے ہاتھ جوڑے منت سماجت کررہا ہے اورمذاکرات کی صورت میں اپنے لئے امان اورجان بخشی کے خواست گار تھے لیکن یہ بوڑھا جرنیل ہے کہ اپنے تمام ضعف وناتوانی اورعلالت کے باوجود ڈٹا ہوا ہے اور بزبان حال کہہ رہا ہے۔

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی ۔۔۔ کٹی ہے برسر میدان مگر جھکی تو نہیں

آخر میں مادرعلمی دارالعلوم حقانیہ کے متعلق دولفظ کہنا چاہتا ہوں، علامہ اقبال رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند کے متعلق فرمایا تھا کہ دیوبند کسی مدرسے کی چاردیواری کا نام نہیں بلکہ اسلام کی عالمگیریت کی صحیح روح اوراصل تصویر ہے تو میں بجا طور پر یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ دارالعلوم حقانیہ ایک مدرسے کی چاردیواری کا نام نہیں بلکہ یہ اسلام کی عالمگیریت کی صحیح روح اوراصل تصویر ہے۔

پروفیسر عبدالواحد سجاؔد
کالم نگار ہفت روزہ ''ضرب مؤمن''

ہورہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

- ...... چیف جسٹس میاں ثاقب نثار توہین عدالت میں سب کو رسوا کرتا ہے مگر اس کو توہین رسالت ﷺ کی کوئی پرواہ نہیں۔
- ...... توہین رسالت ﷺ کے حوالے سے کسی قسم کی مداہنت سے کام نہ لیا۔
- ...... وزیر اعظم اگر ان ججوں سے فیصلہ واپس نہیں دلواتے تو انہیں ناکامی اور نامرادی دیکھنی پڑے گی۔

''جو نام نہاد طبقے، سیکولر اور لبرل لابیاں، دفاعی، سفارتی، سیاسی تجزیہ نگار، اینکرز کالم نگار مغرب کے اشاروں پر آپریشن اور جنگ کا طوفان برپا کئے ہیں، ان سب کا بریگیڈ بنا کر طالبان سے مقابلہ کرنے کیلئے بھیجا جائے تاکہ ان کا ''شوق جنگ وجدل'' کسی طور پر پورا ہو، فکری انارکی کا دروازہ بند ہو اور قوم انتشار سے بچے اور پاکستان کی افواج کو خون خرابے کے عمل سے محفوظ بھی کیا جاسکے گا۔''

یہ اقتباس حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی ایک تقریر کے ہیں، جس میں لبرل فاشسٹوں (Liberal fascist) نام نہاد دانشوروں، مغرب کے وظیفہ پر پلنے والے تجزیہ کاروں اور کالم نگاروں، طوفان بپا کرنے والے اینکرز اور ملک کو خانہ جنگی کی طرف لے جانے والی سیکولر لابیوں کی حقیقت نہ صرف واضح کی بلکہ ان کا علاج بھی بتایا کہ ان کا شوق جنگ وجدال پورا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انہیں ایک بریگیڈ کی صورت میں طالبان سے لڑائی کے لئے بھیجا جائے تاکہ ملک وقوم کو آئے دن پیدا ہونے والے بحرانوں سے نجات ملے، فکری انارکی کا دروازہ بند ہو اور انتشار سے بچے اور پاکستان کی بہادر افواج کو خون خرابے کے عمل سے محفوظ بھی کیا جاسکے گا۔

مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ حق بات کہنے میں کسی پس وپیش سے

کام نہیں لیتے تھے، اس معاملے میں وہ لا یخافون لومۃ لائم کے قائل تھے، انہوں نے ذیل کے حوالے سے کبھی تساہل اور مصلحت پسندی سے کام نہیں لیا، انہوں نے اپنے خطاب میں خود فرمایا۔

میں عمران خان سے پچھلے دنوں ملا، میں نے ان سے کہا کہ بات چل رہی ہے آسیہ کو چھوڑنے کی تو یہ آسیہ چھوڑنے کا مسئلہ کیا ہے ؟ وہ پریشان تھا، وہ خاص وضاحت نہیں کر رہا تھا لیکن گومگو میں تھا میں نے کہا کہ اگر آسیہ کو رہا کرو گے تو خدا تجھ سے یہ حکومت چھین لے گا، نواز شریف نے راتوں رات ممتاز قادری کو پھانسی لگایا، میں نے عمران سے کہا ڈٹ جاؤ اور دباؤ میں مت آؤ ججوں نے جو کچھ کیا وہ ایک عذاب سے کم نہیں، میاں ثاقب نثار توہین عدالت میں سب کو رسوا کرتا ہے مگر اس کو توہین رسالت ﷺ کی کوئی پرواہ نہیں، یہ انکے نزدیک کوئی جرم نہیں، ان ججوں نے آئین سے غداری کی ہے اور توہین رسالت ﷺ کر کے آئینی بغاوت کی ہے، ان ججوں کو نہ صرف معطل کیا جائے بلکہ توہین رسالت ﷺ کی 295-c کے تحت آئینی سزا ان پر نافذ کی جائے، عمران خان ان ججوں سے فیصلہ واپس دلوائے اگر نہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اسکے بھی ذلت کے دن آ گئے ہوں گے، اللہ پھر اسے ناکام و نامراد کرے گا، پارلیمنٹ میں مختلف تقاریر ہو رہی ہیں، مگر اس مسئلہ پر کسی نے بات کرنی گوارا نہیں کی، میڈیا بھی اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہا، توہین رسالت ﷺ یورپ کو ہضم نہیں ہو رہا، سزا معاف کرنا توہین رسالت ﷺ ہے، ختم نبوت کا قانون اور توہین رسالت ﷺ کا قانون مغرب کی بے چینی کا سبب ہے۔

اس خطاب کے مندرجات پر نظر ڈالیں تو مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی سطور بالا میں بیان کی گئی خصوصیت واضح انداز میں سامنے آتی ہے، انہوں نے توہین رسالت ﷺ کے حوالے سے کسی قسم کی مداہنت سے کام نہ لیا بلکہ امت مسلمہ اور عوامی امنگوں کی ترجمانی کی، انہوں نے اس سلسلہ میں واضح الفاظ میں عمران خان سے کہا کہ اگر وہ مغرب کے دباؤ میں آ گئے اور آسیہ ملعونہ کو رہا کیا تو خدا کی پکڑ میں آ کر اپنے اقتدار سے محروم ہو سکتے ہیں، پھر انہوں نے چیف جسٹس اور فیصلہ کرنے والے دوسرے ججوں کے متعلق توہین رسالت ﷺ کے پس منظر میں کھل کر اپنے موقف کو بیان کرتے ہوئے انہیں معطل کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں توہین رسالت ﷺ کے قانون کے مطابق سزا ملنی چاہئے کیونکہ وہ آئین سے غداری اور بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں عمران اگر ان ججوں سے فیصلہ واپس نہیں دلواتے تو انہیں ناکام و نامراد ہونے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

امت مسلمہ کی بدقسمتی ہے کہ علمائے کرام اٹھتے جارہے ہیں جو بروقت امت کی رہنمائی کیا کرتے تھے، امت کو آئے دن بحرانوں کا سامنا ہے ، دشمنان اسلام توان کے تشخص اوراسلامی اقدار کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اپنے بھی ان کی آواز بنے ہوئے ہیں''اظہار رائے'' کی آزادی کے نام پرمغرب کے''مشغلے'' کو وہ بھی سپورٹ کرر ہے ہیں، ان کے نزدیک ماں باپ کی توہین قابل گرفت ہے مگر اس ذات اقدسؐ پر جن پر ہمارے ماں باپ بھی قربان جائیں ان کی توہین نعوذ باللہ قابل گرفت نہیں، خدا جانے ہمیں ایک یہ سمجھ کب آئے گی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ہماری نہ تو کوئی حیثیت ہے نہ مقام ومرتبہ، ہم جن کی رضامندی کیلئے صبح وشام ایک کئے ہوئے ہیں وہ کبھی ہم سے راضی نہیں ہوسکتے ، قرآن تو واضح طور پر یہ کہہ چکا ہے ؛'' تم سے ہرگز ہرگز یہودی اورعیسائی راضی نہیں ہوسکتے یہاں تک تم ان کی ملت کی پیروی کرو، (البقرۃ) ہمارے حکمران جس طرح ان کیلئے اپنے دین اور دینی تشخص کوقربان کرنے پر تلے ہوئے ہیں، مگر وہ اپنی مالی گرفت کی وجہ سے ان کوصرف''ڈومور'' کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ ایسی لابیوں کے سخت مخالف تھے اسی لئے ان کی آخری تقاریر میں وہ ان کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ، یہی چیز ان کی دشمنوں کو قابل قبول نہ تھی ، ان کی سفا کانہ شہادت اسی کو واضح کررہی ہے ،، آخر ایک ۸۲ سالہ عالم دین کی کسی کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟ مگر ہمارے حکمران دو دن یا تین دن بیانات دیتے ہیں اور پھر خون شہداء پرایکشن لینے کے بجائے برداشت اور ٹالرنس کا درس دیتے ہوئے بڑے بڑے سانحات کو نامعلوم قاتلوں کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور فائل بند ہوجاتی ہے، ہمارا مکتب فکر بھی امن کا پرچار بن کرصرف''امن'' کا بھاشن دینے میں مصروف ہے ، اگر یہ کیس بھی دفتر میں داخل کرا دیا جاتا ہے اور جس کا بہت حد تک امکان ہے (توقعات اور مندرجہ بالا تجزیہ کے عین مطابق اس کیس کو بھی''نامعلوم قاتلوں'' کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے اور اتنا اہم انٹرنیشنل کیس بھی پانچ چھ ماہ بعد داخل دفتر کردیا گیا) تو پھر مزید علماء کی شہادتوں کیلئے ذہنی طور پر تیار رہیں۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

ادارہ

چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف سے
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی ملاقات

دینی مدارس، تحریک طالبان، پاکستان کے نظریاتی تشخص اسلام اور مغربی میڈیا
ملک کی سیاسی صورتحال اور دیگر اہم عالمی مسائل پر تبادلہ خیال

مورخہ ۱۷ جولائی ۲۰۰۰ء کو چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کو ملاقات کی خصوصی دعوت دی جو آپ نے علمائے مدارس اور جمعیت کے اکابرین سے مشورے کے بعد قبول کی۔ ملک اور سیاسی حلقوں میں حضرت مولانا کی ملاقات دیگر سیاسی لیڈروں سے زیادہ اہمیت کی حامل سمجھی جارہی تھی اسلئے کہ آپ صرف روایتی سیاستدان نہیں بلکہ علم وجہاد کی ایک عظیم دینی یونیورسٹی دارالعلوم حقانیہ کے سربراہ اور طالبان افغانستان کے استاد ومربی ہونے کے ناطے ان سے گہرے تعلقات اور اثر ورسوخ رکھنے والی شخصیت کے حامل ہیں۔ اس ملاقات میں حضرت مولانا نے خصوصی اہمیت کے ساتھ دینی مدارس کے بارے میں حکومتی مداخلت، طالبان افغانستان کی صورت حال، بلدیاتی انتخابات اور دیگر اہم ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر اپنا جرات مندانہ موقف پیش کیا۔ بعد میں جامع مسجد باب الاسلام، اسلام آباد میں ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ملاقات کی تفصیلات صحافیوں اور علماء کو بتائیں۔ قارئین ''الحق'' اور ارباب مدارس کی خدمت میں اسے تلخیص کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔......(ادارہ)

....

جنرل صاحب! آپ مغرب اور امریکہ سے نہ ڈریں بلکہ اللہ سے ڈریں۔ (مولانا سمیع الحق)

دینی مدارس میں حکومت اور وزیرداخلہ کی مداخلت ناقابل برداشت ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ نے چیف ایگزیکٹو پر واضح کیا کہ امریکہ اور پاکستان میں امریکی

ایجنڈے کے حامی بعض وزراء مشیر، بیوروکریٹ اور این جی اووز کے کارندے، پاک فوج کو سیکولر بنا کر کمزور کرنا چاہتے ہیں لیکن پاک فوج کے اسلامی اور مجاہدانہ تشخص کی حفاظت کرنا آپ کی ذمہ داری ہے اور اس ملک میں سیکولرازم کبھی بھی نافذ العمل نہیں کرایا جا سکتا۔ بدقسمتی سے آپ کی حکومت کے کارندوں نے آپ کو غلط سمت میں لگا دیا ہے اور اس کی بڑی مثال دینی مدارس کے خلاف آپ کی حکومت کے منفی اقدامات ہیں۔ یہ لوگ آپ کو دینی مدارس اور مذہبی حلقوں سے الجھانا چاہتے ہیں۔ میں سیاستدان ہونے کے علاوہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم اور تحفظ دینی مدارس کے کنوینز کی حیثیت سے بھی آپکو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ دینی مدارس ملک وقوم کی صحیح خدمت کر رہے ہیں، انہی کے دم سے مسلم معاشرے کا باوقار وجود باقی ہے۔

ہمارے مدارس کا نظامِ تعلیم جدید تقاضوں سے بھی مکمل ہم آہنگ ہے۔ ہم طلباء کو تعلیم کے ساتھ ساتھ مکمل اخلاقی تربیت بھی دیتے ہیں پھر مسلم معاشرہ کا سب سے شریف اور اعلیٰ اخلاق کا حامل کردار ایک عالمِ دین ہی کا ہوتا ہے۔ ہم اپنے مدارس میں طلباء کو ۸/نو سال میں وہ سب کچھ پڑھاتے ہیں جو۱۴/مختلف عصری تعلیمی ادارے الگ الگ اپنے طلباء کو پڑھاتے ہیں۔ میں نے جنرل مشرف کو دینی مدارس کا تعلیمی نصاب انگریزی میں مرتب کرکے انہیں دیا تاکہ آپ خود بھی اس نصاب کا جائزہ لے سکیں کہ اس نصاب تعلیم میں کہاں دہشت گردی اور فرقہ واریت پائی جاتی ہے؟ میں نے جنرل صاحب کو بتایا کہ آپ ایک حکومتی بورڈ ہمارے تعلیمی نصاب کا جائزہ لینے کیلئے مقرر کریں اگر آپ کو اطمینان نہیں ہوتا۔ان شاء اللہ ہمارا تعلیمی نصاب دنیا بھر کے مختلف تعلیمی نصابوں سے ہرلحاظ سے جامع اور معیاری ثابت ہوگا۔

دینی مدارس کے سروے فارم کے حوالہ سے میں نے ان سے کہا کہ بعض مدارس میں وردیوں میں ملبوس میجر بھیجے گئے ہیں جنہوں نے مدارس کے منتظمین سے ان کے ذرائع آمدن اور چندہ کی مد میں ملنے والی رقوم کی تفصیلات جاننے کیلئے پوچھ گچھ کی ہے(حالانکہ یہ ان کا کام نہیں، تمام مدارس مستند آڈٹ کمپنیوں سے اپنا آڈٹ کرواتی ہیں) ہم حکومت کی جانب سے دینی مدارس کے سروے فارم وغیرہ جیسے اقدامات کی سخت مذمت کرتے ہیں، اس سلسلہ میں لائحہ عمل مرتب کرنے کیلئے ہم نے تمام مکاتب فکر کے نمائندوں کا اجلاس طلب کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے جنرل مشرف پر واضح کیا کہ کوئی بھی دینی مدرسہ دہشت گردی میں ملوث نہیں ہے۔

دینی مدارس کے طلباء کو تو چاقو تک رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی اسکے برعکس یونیورسٹیاں

اسلحہ سے بھری پڑی ہیں وہاں خون خرابہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ کالجوں میں باقاعدہ این سی سی (فوجی تربیت) کی تربیت دی جاتی ہے لیکن ان پر دہشت گردی کا الزام کوئی نہیں لگایا جاتا نیز میں نے جنرل مشرف کو دعوت دی کہ آپ حقانیہ سمیت کسی بھی مدرسے کا اچانک دورہ کر سکتے ہیں کہ آیا وہاں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے یا قرآن وحدیث اور دنیا وآخرت کی کامیابی کا درس دیا جاتا ہے۔ میں نے جنرل مشرف کو بتایا کہ اس وقت پوری دنیا کی نظریں مدارس اسلامیہ پر لگی ہوئیں ہیں اور خصوصیت کے ساتھ انہوں نے دارالعلوم حقانیہ کو اپنا حدف تحقیق وتنقید بنایا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں روزانہ مختلف مغربی مما لک اور خصوصیت کے ساتھ امریکہ کے سفارتکار، جرنلسٹ، سکالرز اور جاسوس دارالعلوم کا دورہ کررہے ہیں لیکن الحمدللہ اب تک وہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکے۔

دینی مدارس کا دامن ہر طرح کی منفی سرگرمیوں اور دہشت گردی سے پاک ہے اگر آپ کی حکومت نے بھی نواز شریف اور بے نظیر کی طرح دینی مدارس اور تحریک طالبان کے خلاف اقدامات کرنا شروع کئے تو آپ کی حکومت کا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔اسکے علاوہ میں نے جنرل صاحب پر واضح کیا کہ ۱۹۷۳ء کا آئین قوم کا متفقہ طور پر منظور کردہ آئین ہے اگر آئین میں تبدیلی یا ترامیم کی کوشش کی گئی تو نیا پنڈورا بکس کھل جائے گا اور نت نئے مسائل سامنے آئیں گے۔ نیز میں نے انہیں بتایا کہ آپ کی حکومت افغانستان سے اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالہ کرنے یا دیگر معاملات پر طالبان حکومت پر دباؤ نہ ڈالے۔

اسی طرح میں نے جنرل مشرف پر واضح کیا کہ افغانستان میں خانہ جنگی نہیں بلکہ چند شرپسند عناصر کا ایجنٹ گروہ (شمالی اتحاد) چند پہاڑوں میں بیٹھ کر امن کو سبوتاژ کررہا ہے پھر امریکہ، روس، بھارت، اسرائیل بلکہ سارا عالم کفر انہیں اسلحہ وامداد پہنچارہے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ امریکہ طالبان کے نافذکردہ اسلام کو اسی طرح انکی حمیت' آزادی کو بھی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔اس لئے وہ خانہ جنگی اور دہشت گردی سمیت ہر خرابی کا ذمہ دار طالبان کو قرار دے رہا ہے۔حضرت مولانا نے جنرل صاحب پر واضح کیا کہ طالبان شیعہ، سنی مسئلہ میں کسی ایک گروہ کی بھی سرپرستی نہیں کررہے ہیں اگر ایسا ہوتا تو شیعہ سنی مسئلہ افغانستان میں بھی ہوتا۔ قائد جمعیت نے کہا کہ میں نے جنرل صاحب سے کہا کہ آپ ہمیں بتائیں کہ افغانستان نے فرقہ وارانہ دہشت گردی میں پاکستان کو مطلوب کن افراد کو پناہ دے رکھی ہے۔ ہم انہیں واپس لانے کیلئے طالبان سے بات چیت کریں گے۔ضلعی انتخابات کے بارے میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اپنا

موقف پیش کرتے ہوئے جنرل صاحب سے کہا کہ ان انتخابات میں پھر سے کرپٹ سیاسی جماعتیں بالواسطہ طور پر حصہ لیں گی اور دوبارہ آنے کی کوشش کریں گی ۔ فی الحال آپ اپنی تمام تر توجہ احتساب کے عمل پر مرکوز رکھیں۔

انہوں نے کہا کہ میں نے عورتوں کو بلدیاتی نظام میں ۵۰ فیصد نمائندگی دینے کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ہم ۵۰ فی صد کی حکومتی تجویز کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے، کراچی لاہور جیسے بڑے بڑے شہروں کے کچھ سیکولر لوگ شاید اپنی عورتوں کو ضلعی اسمبلیوں میں جانے کی اجازت دے دیں لیکن سرحد، بلوچستان، سندھ میں عوام اپنی عورتوں کو ضلعی اسمبلیوں میں مردوں کے برابر بیٹھنے کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ حضرت مولانا نے یہ بھی کہا کہ پاکستان الجزائر یا ترکی نہیں امریکہ ہمارے ملک اور فوج کو سیکولر بنانا چاہتا ہے لہٰذا پاکستان کی فوج کے اندر جذبہ جہاد برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔

امریکہ دراصل فوج اور آپ کو ان سازشوں کے ذریعہ ناکام بنانا چاہتا ہے اگر آپ ناکام ہوگئے تو پھر کہا جائے گا کہ فوج ناکام ہوگئی ہے، کالا باغ ڈیم کے بارے میں قائد جمعیت نے ان سے کہا کہ اس مسئلہ کو سیاست کے بجائے فنی بنیادوں پر دیکھا جائے اور آپ قومی اتفاق رائے پیدا کرنے کیلئے ان علاقوں کا دورہ کریں جو ڈیم سے متاثر ہونے والے ہیں اور ان کو سمجھائیں اور اصل حقیقت سے قوم کو آگاہ کریں۔

اسی طرح میں نے موجودہ حکومت کے اس اعلان کا بھی مذہبی حلقوں اور ملی یکجہتی کونسل کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے خیر مقدم کیا جس میں اسلامی دفعات کو عبوری آئین میں شامل کیا گیا ہے اور میں نے ان سے کہا کہ آپ اس ملک میں صحیح اسلامی نظام نافذ کرنے کیلئے عملی اقدامات کریں، یہ ذمہ داری عنداللہ آپ پر فرض ہے۔

چیف ایگزیکٹیو جنرل پرویز مشرف کے خیالات اور گفتگو

جنرل مشرف نے کہا کہ میں دینی مدارس کا خیر خواہ ہوں، دینی مدارس کی ہمارے معاشرے میں جو اہمیت ہے میں اس سے بخوبی واقف ہوں، وہ شخص یقیناً پاگل ہوگا جو دینی مدارس کو فضول قرار دیتا ہو یا ان کی اہمیت سے انکار کرتا ہو، انہوں نے کہا کہ میں دینی مدارس کی خیرخواہی کے لئے ان کے نصاب کو جدید بنانا چاہتا ہوں۔اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے

دینی مدارس اور علماء کوحکومت سے تعاون کرنا چاہیے انہوں نے کہا کہ میں مدارس کے نصاب اور طرز تدریس کوجدید بنانے کے لئے جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی، کمپیوٹر اور دیگر لوازمات اور فنی ماہرین کی خدمات مہیا کرنے کیلئے تیار ہوں تا کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد''روایتی مولوی'' بننے کے بجائے جدید ترین علوم سے لیس ہوکر عملی زندگی میں قدم رکھیں اور قوم کی بہتر خدمت کرسکیں۔

ہم یہ اقدامات علماء اور دینی مدارس کی بھلائی کے لئے کررہے ہیں، اس موقع پر مولانا سمیع الحق صاحب نے بتایا کہ پھرآپ کے وزیرداخلہ معین حیدرکیوں الٹے سیدھے بیانات ہرروز جاری کرتے ہیں اورآج ۱۷جولائی کے روزنامہ''اوصاف'' میں یہ خبر ہے کہ وزارت داخلہ دینی مدارس کوکنٹرول میں لینے کے لئے چند روز میں اقدامات شروع کرنے والی ہے۔ جنرل مشرف نے اس بات کونوٹ کیا اوراس بیان پر ناراضگی کا اظہار بھی کیا اور کہا کہ یہ حکومتی موقف نہیں۔

اسی طرح جنرل مشرف نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ چند مدارس میں ہماری اطلاعات کے مطابق طلباء کو دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے اور اسی بات کو بنیاد بنا کر مغربی ممالک پاکستان اوراسلام کا غلط امیج بنا رہے ہیں۔(مولانا سمیع الحق صاحب نے انہیں بتایا کہ اگر ایک مدرسہ بھی آپ نے ہمیں بتایا تو ہم تمام مسالک والے اس مدرسے کا خودمحاسبہ کریں گے لیکن ایسا ہرگز حقیقت میں نہیں ہے۔) ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں امن ہوفرقہ وارانہ دہشت گردی کا جڑ سے خاتمہ ہو تمام مکاتب فکر کے افراد اورعوام میں بھائی چارہ اور ہم آہنگی قائم ہو اور مساجد، امام بارگاہوں پرخوف اور دہشت کے بادل نہ منڈلائیں۔(مولانا نے انہیں آگاہ کیا کہ ملی یکجہتی کونسل اور جمعیت علمائے اسلام شروع دن ہی سے اپنے طور پرفرقہ واریت کی آگ بجھانے کی کوشش کررہی ہے۔)

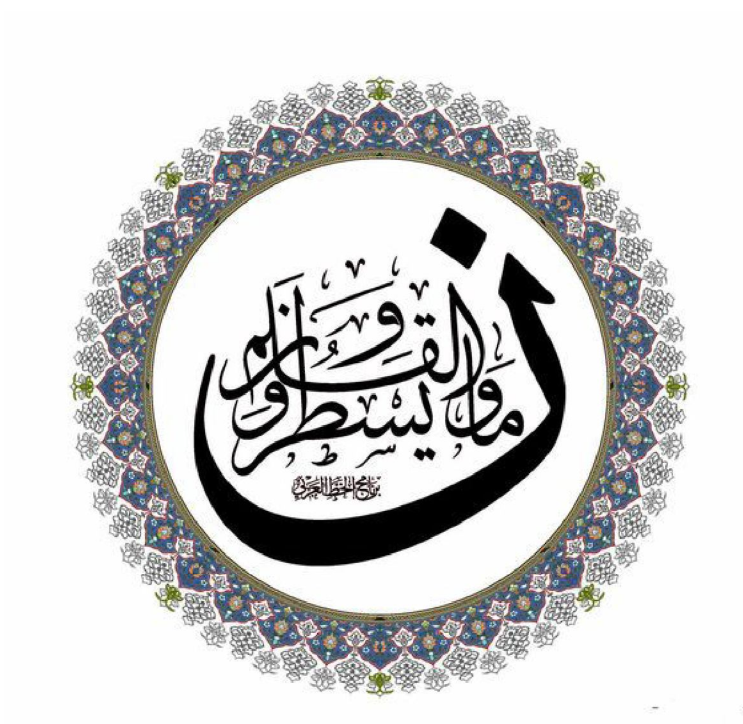
انہوں نے حضرت مولانا سے درخواست کی کہ وہ اسلام کا صحیح تصور دینا پر واضح کرنے کے لئے حکومت سے تعاون کریں۔اسلام امن وآشتی اور انسانی فلاح کا دین ہے اسلام کے حوالے سے مغربی رائے عامہ کی غلط فہمیاں دور کی جانی چاہئیں۔(حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے جنرل صاحب کوآگاہ کیا کہ میں تو گزشتہ کئی سالوں سے مغربی میڈیا کواسلام کی صحیح تصویر پیش

کررہا ہوں اور دارالعلوم حقانیہ کے دروازے بھی دن رات مغربی صحافیوں کی خدمت میں کھلے ہوئے ہیں۔) جنرل مشرف نے حضرت مولانا سے افغانستان میں مختلف عناصر کے درمیان صلح کرانے کی بھی خواہش ظاہر کی ۔ نیز یہاں پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشت گردی میں پاکستانی حکومت کو مطلوب بعض افراد کو افغانستان سے واپس لانے کیلئے اثر و رسوخ استعمال کرنے کی بھی درخواست کی۔

چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے حضرت مولانا سے ملاقات کے آغاز میں اپنا اور حکومتی موقف پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا اسمبلیوں کی بحالی اور سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت دینے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے، جن سیاستدانوں نے اسمبلیوں کی بحالی کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ وہ یہ خیال ذہن سے نکال دیں مکمل سیاسی سرگرمیاں اور اسمبلیاں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے مطابق تین سال بعد ہی بحال ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اور ان کے ساتھی سپریم کورٹ کے دیئے ہوئے وقت کے اندر ملک کو معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کے دلدل سے نکالنا چاہتے ہیں۔

جنرل پرویز مشرف صاحب نے کہا کہ ہماری پہلی ترجیح اقتصادی نظام کی اصلاح کرکے پاکستان کو خود کفالت کی راہ پر ڈالنا ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق نے بتایا کہ اسی طرح جنرل پرویز مشرف پانی کے بحران پر خاصے پریشان تھے انہوں نے مولانا سمیع الحق سے کہا کہ وہ کالا باغ ڈیم کے حوالے سے عوام کے ذہنوں میں موجود غلط فہمیاں دور کرنے کیلئے حکومت سے تعاون کریں، جنرل پرویز مشرف نے کہا کہ میں خود نوشہرہ، اکوڑہ خٹک سمیت ملک بھر میں کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرنے والوں کے پاس جا کر انہیں سمجھاؤں گا کہ کالا باغ ڈیم بننے سے کسی کو نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ پاکستان صومالیہ بننے سے بچ جائے گا۔

جنرل پرویز مشرف صاحب نے کہا کہ ماہرین پانی کے بحران کے بارے میں مسلسل تشویشناک اطلاعات دے رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر ۲۰۱۰ء تک ہم نے مناسب بندوبست نہ کیا تو پانی کے موجودہ ذخائر ختم ہوجائیں گے اور پاکستان کے ہرے بھرے میدان صحراؤں میں بدل جائیں گے۔


ن والقلم وما يسطرون

نواں باب

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تصنیفی خدمات

- ...... ادب اور میدانِ تحریر وصحافت کے بے تاج بادشاہ
- ...... تفسیر لاہوری کیلئے ''مظاہر العلوم'' کے اکابر کی تحسین وتصویب اور اِنتظار
- ...... ''مکاتیب مشاہیر'' مولانا سمیع الحقؒ کی بلند ہمتی کا عظیم شاہکار
- ...... ولی اللّٰہی منہج پر ایک نئی تفسیری کوشش
- ...... ذوقِ علم وقلم اور شوقِ کتاب و ذوقِ مطالعہ

کیا سادہ و پرکار ہے انداز نگارش
لفظوں میں سموئی ہوئی اردو کی سلاست

ہر صفحہ قرطاس ہے فردوس معانی
ایک ایک ورق ضابطہ رُشد و ہدایت

....

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ
مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن وصدر وفاق المدارس العربیہ

تفسیر لاہوریؒ مولانا سمیع الحقؒ کا علمی کارنامہ

(یہ اہم مضمون حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حین حیات میں ''الحق'' کے لئے بھیجا)

- ...... مولانا سمیع الحقؒ کی ہمت ، علمی شغف اورنوادر کی قدر دانی کا ثبوت
- ...... تفسیر لاہوری حضرت امام لاہوریؒ کی تابندہ کرامت
- ...... یہ مجموعہ تفسیر کے نظری ابحاث سے آگے عملی میدان کیلئے مصباح ہدایت

برادرِ گرامی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب حفظہ اللہ ولی کامل حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کے خلف الرشید، ملک کی ممتاز دینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم حقانیہ'' اکوڑہ خٹک کے مہتمم ، جمعیت علماء اسلام (س) کے سربراہ اور دیگر کئی پلیٹ فارموں سے ملک کی عملی سیاست کے سرگرم رہنما ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم ذوق کو از ابتدا تا حال تاباں رکھا ہوا ہے، آپ کے علمی مشاغل علمی سرگرمیوں پر اثر انداز نہیں ہوتے، مختلف علمی کاموں سے کسی نہ کسی درجے میں جڑے رہتے ہیں اور علمی دنیا میں قیمتی جواہر پاروں کا اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اکابر سے اکتسابِ فیض میں حتی المقدور کوتاہی نہیں کی ، بلکہ دنیا بھر کے مختلف اہل علم سے افادہ واستفادہ کا مفید تعلق بڑی شان سے نبھاتے رہے اور نبھانا جانتے بھی ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ اس مفید تعلق کو رہتی علمی دنیا تک محفوظ رکھنے کی مشکل کو بھی بحسن وخوبی نبھانا جانتے ہیں، جس کی ایک تابندہ مثال ''مشاہیر'' کے ساتھ آپ کے مراسلاتی تعلق اوراس کے مآثر علمیہ کا مجموعہ ہے، جو کچھ عرصہ قبل کئی ضخیم جلدوں میں طبع ہوکر علمی دنیا کیلئے قیمتی سوغات کے درجہ

پر فائز ہو چکا ہے، حال ہی میں آپ کے ایک خط کے ہمراہ نادر نایاب اور گنج گراں مایہ نمونہ کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ مولانا گرامی ولی کامل حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے تفسیری افادات کے ایسے قیمتی مجموعہ کو منظر عام پر لانے کیلئے کوشاں ہیں، جو اب تک امالی کی صورت میں آپ کے پاس محفوظ تھا، جسے آپ نے ۱۹۵۸ء سے تا حال محفوظ رکھا ہوا تھا، اس تراثِ علمی کی حفاظت، وہ بھی اتنے طویل عرصہ تک مولانا سمیع الحق صاحب کی ہمت، علمی شغف اور نوادر کی قدر دانی کا ثبوت اور تفسیر لاہوری حضرت امام لاہوری رحمہ اللہ کی تابندہ کرامت ہے۔ امید ظاہر کی جارہی ہے کہ یہ مجموعہ تقریباً دس بارہ جلدوں میں مرتب ہوگا اور علمی حلقوں میں کئی اعتبار سے منفرد و ممتاز ثابت ہوگا:

ایک تو یہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ رحمہ اللہ کی تفسیر کا منہج ولی اللّٰہی ہے جو در حقیقت اسرار و حکم اور نکتہ بیانی کا الہامی ولدنی سلسلہ ہے، یہ حق تعالیٰ کا خاص فیضان ہے جو تفسیری مأخذ کے طور پر عقل سلیم اور فطرت سلیم کی استمداد سے متعارف ہوا ہے۔

دوسرے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی تفسیر، روایتی مناہج کی مکمل پاسداری کے علاوہ احکام وافکار کی سماجی تطبیق کا مظہر بھی ہوا کرتی تھی، بایں معنی یہ مجموعہ تفسیر کے نظری ابحاث سے آگے عملی میدان کیلئے مصباح ہدایت بھی ثابت ہوگا۔

تیسرے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا درس تفسیر، قرآنی مضامین ومباحث کی تحلیل وتجزیہ کا مرقع ہوتا تھا، جو آپ کے علاوہ شاید ہی کہیں ملتا ہو، اس لئے یہ مجموعہ دور ہائے تفسیر پڑھانے والے شیوخ، ترجمہ وتفسیر کی تدریس سے وابستہ مدرسین اور طلباء وعوام کیلئے یکساں مفید ہوگا، اس ہمہ جہتی کے ساتھ اردو تفاسیر میں یہ قیمتی اضافہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو مفید عام وخاص بنائے، اس کاوش کے سارے شرکاء ومعاونین کو دونوں جہانوں کی بھلائیوں سے نوازے، اس محنت کو حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا صدقۂ جاریہ اور ہمارے مولانا ممدوح کیلئے توشۂ آخرت بنائے اور ہم سب سمیت جملہ مسلمانوں کو اس قیمتی ذخیرہ سے حصہ یاب ہونے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ علیه وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعین

مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری
امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

تفسیر لاہوریؒ تمام طبقات کے لئے نافع کاوش

بعالی خدمت محترم المقام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ

گرامی نامہ بذریعہ ای میل مورخہ ۹ر جمادی الاول ۱۴۳۸ھ بندہ کو ملا اور ساتھ ہی ایک قابل قدر بلکہ رحمتوں اور برکتوں کا مجموعہ موسومہ ''تفسیر امام احمد علی لاہوری مظاہر علوم کے ای میل سے مجھے موصول ہوا'' اس تفسیری مسودہ کے ساتھ جناب کا تفصیلی گرامی نامہ بھی اس احقر کو مل گیا تھا، جس میں جناب والا نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے دورہ تفسیر میں شرکت سے متعلق حضرات اکابر رحمہم اللہ کے تأثرات اور خیالات تحریر فرما رکھے ہیں۔اس تفسیری مسودہ اور گرامی نامہ سے جس قدر قلبی اور روحانی مسرت ہوئی، وہ بیان سے باہر ہے، یہ مبارک کام تو بہت پہلے ہوجانا چاہئے تھا لیکن اللہ جل جلالہ نے اس کی تکمیل واشاعت کیلئے جو وقت مقرر فرما رکھا تھا، الحمدللہ اس وقت متعینہ پر بہت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ کام حضرت والا کی نگرانی اور مولانا محمد فہد حقانی کے تعاون سے وجود پذیر ہو رہا ہے، اللہ جل شانہ وعم نوالہ امت کے تمام طبقات کیلئے اس کو بے حد نافع فرمائے، باعث رشد وہدایت فرما کر آپ کی نگرانی میں بخیر وخوبی اس کی تکمیل فرمائے۔

یہاں احقر نے مظاہر علوم کے بعض اساتذہ کو بھی آپ کا یہ تفسیری مسودہ دکھلایا انہوں نے بھی خوشی اور مسرتوں کے ساتھ نہ صرف اس کا استقبال کیا بلکہ اس کی خوش اسلوبی اور تسہیل کے ساتھ اس کی تکمیل کی خواہش اور دعا کی۔آپ نے احقر سے اس مجموعہ پر اپنے تاثرات لکھنے کا حکم فرمایا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تقاریظ اور تصدیقات کے بعد تو ہم جیسوں کی تصدیق یا کلمات تحسین کی قطعاً حاجت نہیں رہتی، لیکن تعمیل حکم میں یہ چند سطور تحریر کردی ہیں، اللہ جل شانہ جناب کو اسکی بہترین جزاء عطا فرمائے اور صحت وعمر میں بہت برکت عطا فرمائے (آمین) (۱۳ر جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ)

مولانا محمد حذیفہ وستانوی
مدیر ماہنامہ ''شاہراہ علم'' اکل کوا، ہندوستان

ادب اور میدانِ تحریر وصحافت کے بے تاج بادشاہ

حضرت مولانا محمد حذیفہ وستانوی صاحب مشہور عالم دین، حضرت مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہٗ کے صاحبزادے ہیں، ہندوستان کی عظیم دینی وعصری درسگاہ ''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا'' مہاراشٹر کے معتمد ہیں، اللہ نے آپ کو فکری وتخلیقی ذہن ودماغ سے نوازا ہے، آپ ایک بہترین خطیب، اعلیٰ مصنف وقلمکار اور ماہنامہ ''شاہراہ علم'' کے مدیر بھی ہیں۔کافی عرصے سے ماہنامہ ''الحق'' کیلئے وقت نکال کر اپنے گرانقدر مضامین ارسال فرماتے رہتے ہیں۔ (ادارہ)

برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد علوم اسلامیہ کے ماہرین یعنی راسخین فی العلم کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، وہ عالم اسلام کے دیگر خطوں کے مقابلہ میں اپنی مثال آپ ہے۔ ویسے تو ہندستان کا تعلق اسلام سے حضرت آدم علیہ السلام کے دور ہی سے ہے، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود تک یہ تعلق جاری وساری رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی بہت جلد اسلام کا نور اس سرزمین کو منور کر چکا تھا، بعض روایات کے مطابق دور نبوی کے مکی دور میں شق القمر کے بعد فوراً ہی چند ہندوستانی افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور بعض روایات کے مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں با قاعدہ اسلامی لشکر بحرین کے راستہ سے ہندستان آئے اور اسلام کا جھنڈا اس زمین میں گاڑ دیا اور اس کے بعد یہ نور مسلسل پھیلتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں یہاں اسلامی حکومت کا با قاعدہ قیام عمل میں آیا اور پھر الحمد للہ ۸/ صدیوں تک اسلام کا سورج یہاں پر دمکتا اور چمکتا رہا، یہاں تک کہ ۱۸/ویں صدی عیسوی میں انگریز نے عیاری ومکاری سے اپنے پنجے گاڑ دیئے مگر اللہ نے اس سرزمین کے مقدر میں اسلام لکھا ہوا تھا لہٰذا حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ اور ان کے رفقاء نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی، پس پھر کیا تھا؟ جس اسلام کو نیست ونابود کرنے کے لیے دشمنان اسلام نے پلان بنائے اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کے ذریعے اسے باقی رکھا۔ جہاں دارالعلوم دیوبند نے ہندستان میں اسلام کو سربلند رکھنے میں اہم رول ادا کیا، وہیں پاکستان کے سرحدی علاقہ میں دارالعلوم حقانیہ نے بھی اہم ترین رول ادا کیا، جس کی بنیاد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے والد بزرگوار حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے ڈالی تھی

اورآپ کے بعدآپ کے سچے جانشین حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اپنے والد کے لگائے ہوئے اس باغ کی جی جان لگاکراور اپنا خون پسینہ بہاکر اس کی خوب آبیاری کی یہاں تک کہ اس کو دارالعلوم دیو بند ثانی کے مقام تک پہنچا دیا۔

بندہ بچپن ہی سے دارالعلوم حقانیہ سے واقف تھا۔اسی لیے میرے والد بزرگوار مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ نے بھی ہندستان میں ایک عظیم ادارہ قائم کیا ہے، جو اس وقت اگر چہ عمر کے اعتبار سے ۴۰ر سال کا ہوا ہے مگر طلبہ کی تعداد کے اعتبار سے ہندوستان کا سب سے بڑا جامعہ اسلامیہ ہے، جہاں ۱۵ر ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں، جس کا نام''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا'' ہے۔اس ادارے کے نام پر برصغیر اور عالم عرب سے بہت سارے جرائد آتے ہیں، بندے کو بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا ذوق وشوق ہے، میں ان آنے والے جرائد کو پڑھتا تھا پھر بندے نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنا شروع کیا تو بندہ ماہنامہ''الحق'' سے واقف ہوا بلکہ اسے باقاعدہ جاری کروایا اور یوں مولانا سمیع الحق صاحب نوراللہ مرقدہ سے بھی واقفیت حاصل ہوئی۔مولانا شہیدؒ کی طالب علمی کے دور کی ڈائری جب ماہنامہ''الحق'' میں شائع ہونے لگی تو پتہ چلا کہ مولانا شہیدؒ خالص علمی ذوق کے حامل تھے پھر جب''خطبات مشاہیر''اور''مکتوبات مشاہیر'' شائع ہوئی تو معلوم ہوا کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ ہمارے اکابرین کی آنکھوں کے تارے بھی تھے۔ بندہ نے الغزوالفکری کے محاضرات جب شروع کئے تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی کتاب''اسلام اور عصر حاضر'' سے بھی خوب استفادہ کیا، واقعتاً مولانا سمیع الحق شہیدؒ بیدار مغز اور امت کے احوال سے خوب واقفیت رکھتے تھے،آپ نے ہر میدان میں اپنا لوہا منوایا، تعلیم وتعلّم کا میدان ہو یا تصوف وسلوک، جہاد افغانستان کا میدان ہو یا صحافت کا میدان، بلکہ سیاست کے بھی مولانا شہیدؒ بڑے شہ سوار تھے۔آپ نے دشمنان دین حق کی آنکھوں سے آنکھ ملا کر اسلام کی سر بلندی کے لیے بڑے اہم کارنامے انجام دیئے۔ دشمن اسلام کی آپ پر کڑی نظر تھی، اس کا نتیجہ ہوا کہ پیرانہ سالی کے باوجود آپ کو شہید کر دیا گیا۔اس لیے کہ آپ اگر چہ بظاہر بوڑھے ہو چکے تھے مگر اسلام کے دفاع کے خاطر آپ کسی طاقتور مجاہد اسلام سے کم نہیں تھے جو آسانی سے بازی ہارنے والا نہیں ہوتا ہے۔ بہر حال! آپ کی رحلت عالم اسلام کے لیے عظیم خسارہ ہے، ہم آپ کی مغفرت کیلئے دعا گو ہیں،آپ تو شہید اور بخشے بخشائے ہیں اور آپ کے اہل خانہ اور جامعہ حقانیہ برادری کے غم میں برابر کے شریک ہیں، اللہ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین! مولانا اسامہ صاحب کئی مہینوں سے رابطہ میں تھے مگر مشغولیت کی وجہ سے لکھنے میں تاخیر ہوئی، جس پر معذرت چاہتا ہوں اور قارئین سے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ ابھی ایک ہفتہ قبل میرے برادر کبیر''مولانا سعید صاحب'' کا انتقال ہو چکا ہے، قارئین سے ان کیلئے بھی دعا کی درخواست ہے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی
مہتمم جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کا عظیم تفسیری کارنامہ

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ایک مفصل مکتوب کے جواب میں حقانی صاحب رقمطراز ہیں: سیدی و وسیلتی الی اللّٰہ ! اللہ نے آپ کو عظیم علمی مقام عطا فرمایا ہے، خود امام لاہوریؒ کی ذات بھی تو امام ہی کی ہے، پھر جامعہ دارالعلوم حقانیہ، پاکستان کا دارالعلوم دیوبند ہے۔ ''امام لاہوریؒ کے تفسیری افادات'' اس میں کسی سے تصدیق، تقریظ اور تصویب، جامعہ حقانیہ' آپ کی ذات بابرکات اور خود امام لاہوریؒ کے علوِ شان کے شایانِ شان نہیں ہے، میں تصدیق و تقریظ اور تصویب کا خود کو اہل نہیں پاتا۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور آپ کے حوالے سے کسی کی تقریظ و تصدیق کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا، صرف تعمیل ارشاد میں اپنے جذبات اور قلبی کیفیات سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ مجھے صرف اور صرف آپ کی قلبی توجہ اور دُعاؤں کا احتیاج ہے۔

نوٹ : حضرتؒ کے حینِ حیات میں لکھی گئی اس تحریر میں صیغے سارے ان کی حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دورانِ مطالعہ اس ملحوظہ کو یاد رکھیں۔ (اِدارہ)

حامداً و مصلیاً ! برصغیر میں جو افراد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور امام احمد علی لاہوریؒ کے مشن بالخصوص ان کے قرآنی علوم ومعارف کے اسلوب کے ترجمان تھے ان میں آخری نشانی کے طور پر استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ مشن اور تفسیر امام لاہوریؒ کے پرچم کو تھامے ہوئے ہیں۔ عوارض وامراض کے ہجوم اور پیرانہ سالی کے باوجود ان کے علم، قلم، تحریر اور انفرادیت کی لَو سے بزمِ تفاسیر لاہوری، زندگی کی حرارت اور اُجالے کا احساس دلانے میں کامیاب ہے۔ امام لاہوریؒ کی تعلیم وتربیت، درس وتدریسِ قرآن، علم وعمل اور فکر وفہم کے وہ آخری چراغ ہیں۔ جن کی ذات میں امام لاہوریؒ کے تمام تفسیری علوم ومعارف سمٹ آئے ہیں، تصنیف وتالیف، ''مکاتیبِ مشاہیر'' اور ''خطباتِ مشاہیر'' کے بعد امام لاہوریؒ کے تفاسیر کی ترتیب وتالیف اور علمی کمالات نے ان کے اردگرد اپنا حصار قائم کرلیا ہے۔

امام لاہوریؒ کے تفسیری افادات کی حفاظت واشاعت کے حوالے سے جس طرف بھی دیکھئے اب وہی ہیں ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں وہ تمام تفسیری خدمات اور قرآنی علوم ومعارف کے فروغ کی

مساعی جو کبھی لاہور میں موجود مولانا احمد علی لاہوریؒ کے امتیازات تھے اب وہ مولانا سمیع الحق مدظلہ کی شخصیت کا حصہ ہیں ۔ میں نے جن بڑوں کو دیکھا اور جن اکابر کی زیارت وملاقات کی سعادت سے بہرہ ور ہوا، ان میں حضرت مولانا سمیع الحق کا انداز، رنگ اور ان کی ادائیں دوسروں سے مختلف ہیں، قومی وملی خدمات، اتحادِ امت کے مساعی، وحدتِ امت کی تگ ودَو، ملکی سالمیت کی حفاظت، عالمی دہشتگردی کا تعاقب، ملک کے ایک بڑے اور عظیم ادارے کا اہتمام، ۳۵ رسال سے پارلیمنٹ میں نفاذِ شریعت کی جنگ اور عمل وکردار کی ان تمام تر عظمتوں کے باوصف زندگی سادگیوں کی ایک ایسی مثال ہے جہاں تصنع، کروفر اور ظاہری ٹپ ٹاپ کو دم مارنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔ جب بھی ملنے جاتا ہوں اپنے تمام قلمی مسودات بالخصوص تفسیر امام لاہوریؒ کے اب تک مرتب کردہ تمام جلدوں کی کتابت شدہ تمام کاپیاں میز پر رکھ دیتے ہیں، ملتے ہیں تو اتنے والہانہ اور مشفقانہ انداز سے کہ سفر کی تھکان سے چور جسم، کثرتِ کار، ہجومِ افکار اور مسائل کے انبار سے بوجھل روح، اطمینان، سکون اور راحت کی اس لذت سے آشنا ہو جاتی ہے جو کم ہی نصیب بنتی ہے تفسیری حوالے سے ان کی گفتگو میں مٹھاس اور ذائقہ ایسا جس کی کیفیت کو الفاظ کی کوئی بھی ترتیب بیان نہیں کرسکتی ادھر بولنے اور ساتھ ساتھ لکھنے کا ایک مخصوص انداز، ہونٹوں کو کاٹنے کی ادا، زبان کو ایک دائرے میں حرکت دیتے رہنا، آنکھوں کی چمک اور لہجے کی دھنک سے فرحت واحساس کے پھول مہکنے لگتے ہیں۔ عمر کی ۸۰ رویں منزل میں قدم رکھ چکے ہیں مگر ان کا حافظہ اسی طرح قوی، ان کی یادداشت جوان، ان کا علم متحضر، ان کی معلومات مکمل اور ان کے لہجے زبان اور تحریر کی کاٹ آج بھی تلوار کی کاٹ ہے اپنے وقت کے عالمِ اسلام کی ہر بڑی شخصیت کو انہوں نے دیکھا۔ ہر علمی، ادبی اور سیاسی انسان ان کے سامنے رہا، صاحبِ علم، صاحبِ قلم، صاحبِ حکومت اور صاحبِ زبان افراد کے وہ ہم نشین رہے یا قریب سے گذرے اس لئے فرقِ مراتب اور فرقِ کمال کو بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں۔

ان دنوں جبکہ وہ امام لاہوریؒ کی تفسیر کی تکمیل میں مگن رہتے ہیں جب بھی حاضری ہوتی ہے یا چند گھڑیاں ان کی صحبت میں بیٹھنے کو میسر ہو جاتی ہیں تو خود کو محبتوں اور شفقتوں کی دنیا میں معمور پاتا ہوں اور ایسے لگتا ہے کہ اللہ پاک نے امام لاہوریؒ کے تفسیری علوم ومعارف ان کے سینۂ بے کینہ میں منتقل کردیے ہیں اب خیر سے ان کا خامہ تفسیری افادات کی ترتیب وتالیف میں چوکڑیاں بھر رہا ہے اور یہ آج کی بات نہیں تقریباً ۶۵ رسال سے ان کا قلم ادب وصحافت اور فکر وتحقیق کے میناروں کا وقار اور حسن ہے اور تفسیری حوالے سے تو ان کے قلم کی روانی کا یہ عالم ہے جب دوسرے تھک جائیں،

نڈھال اور مضمحل ہو کر بیٹھ جائیں وہاں سے ان کی ابتداء اور سفر کی شروعات ہوتی ہیں۔ یکساں انداز، زبان پر قدرت، اسلوب وادا میں انفرادیت، بیان میں رفعت وشوکت، وقار اور متانت، امام لاہوریؒ کے طرزِ گفتگو کو طرزِ تحریر کے سانچوں میں ڈھالنا، جیسے چاہیں تقریر کو تحریر میں ڈھال دیں اور وہی ادائیگی کا بہترین اسلوب قرار پائے۔

میرا یہ کہنا بجا اور درست ہے کہ امام لاہوریؒ کے تفسیرات پر ان کی نظر کا مقابلہ فی الوقت کوئی دوسری نظر نہیں کرسکتی میرے سامنے حضرت کی مرتّبہ جلدیں ہیں۔ عنوانات، بغلی سرخیاں، ترتیب وتالیف الغرض تالیف تفسیر کا حق انہوں نے خوب خوب ادا کر دیا ہے۔ تفسیر لاہوری پر ان کا کام ایک ادارے کے کام سے آگے ہے۔ امام لاہوریؒ کے حوالے سے تمام تر مسودات، فضلاء کی تحریرات اور خود امام لاہوریؒ کے افادات کو انہوں نے کھنگال کر رکھ دیا ہے۔ تفسیری میدان میں بھی متعلقہ علوم پر بھرپور گرفت ان کا مزاج ہے اس باب میں بھی وہ کسی تساہل اور رعایت کے روادار نہیں، مناسب موزوں اور مدلل طریقے سے گرفت کرتے ہیں، اطراف وجوانب سے بھی بے خبر نہیں رہتے۔

میرے سامنے اس وقت تفسیر امام لاہوریؒ کے مرتب کردہ جلدوں کے مسودات ہیں جو صاحبِ تفسیر کی طرح مرتِب کی وسعتِ علمی، ژرف نگاہی اور تحقیق وعرق ریزی کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے وہ نمونے ہیں جنہوں نے ان کو اس دور کے مفسرین امت کی پہلی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ بلاشبہ آج وہ نہ صرف حقانی فضلاء بلکہ علمائے دیوبند کے ایک باکمال فرد، ایک برگزیدہ شخصیت، علم وفضل کا عنوان اور کردار وعمل کی اعلیٰ مثال ہیں اور اس دور میں جب ایک کے بعد ایک چراغ بجھ رہا ہے ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں۔

۳ر ستمبر ۱۹۳۶ء میں گلستانِ حیات ان کے وجود کی خوشبو سے مہکا، اس خوشبو کی علمی، قلمی، ادبی اور تفسیری حکمرانی کا دور جاری ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں دعا ہے کہ پوری صحت مندی کے ساتھ ان کے تفسیری علم وفضل اور قرآنی فکر ونظر کی قندیلیں بھی روشن رہیں اور تفسیر امام لاہوریؒ کا خاص مشن بحسن وخوبی تکمیل پذیر ہو۔

مولانا راشد الحق سمیع

تفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی تکمیل
اباجی شہیدؒ کی آخری تمنا

- ...... طبیعت کی ناسازی اور آپریشن کے بعد بھی اباجی شہیدؒ، تفسیر کا کام ہسپتال میں بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔
- ...... نئی زندگی کا عملی آغاز بھی تفسیر کے مسودات قلم و کاغذ منگوا کر اس پر لکھنے سے شروع کیا۔
- ...... فرمایا: ''اب تو صرف تمنا تفسیر امام لاہوریؒ'' کی تکمیل ہی ہے
- ...... اُن کی قلمی کاوشوں کا ہدف ''من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن در بغل'' تھا
- ...... الحمدللہ! جفاکش اور محنتی فضلاء و''الحق'' کی ٹیم نے دِن رات ایک کر کے میرے ساتھ تفسیر کا عظیم کام مکمل کرلیا۔

حضرت امام لاہوریؒ کی شہرہ آفاق تفسیر کی اشاعت جو حضرت والد شہیدؒ کی زندگی کی بہت بڑی آرزو اور تمنا تھی جس کی تالیف و ترتیب میں آپ ہمہ وقت مستغرق رہتے، یہ دراصل آپ کے ۱۹۵۸ء کے زمانہ طالب علمی کے درسی وتفسیری نوٹس تھے جو آپ نے تقریباً ساٹھ برس تک محفوظ رکھے ہوئے تھے، عرصہ دراز سے ان کی اور راقم سمیت کئی علمی شخصیات کی یہ تمنا تھی کہ تفسیر امام لاہوریؒ (یعنی افادات لاہوریؒ) کی اشاعت سے دیگر علمی وعوامی حلقے بھی مستفیض اور مستفید ہوسکیں اور اب سے چھ سال قبل آپ نے اس کی تدوین وترتیب کا کام بڑے اہتمام سے شروع کررکھا تھا اور یوں اس عظیم کاوش کو باقاعدہ مرتب و مدون کرنے کا دیرینہ داعیہ روبعمل ہوگیا تھا اور آپ نے

باوجود سیاسی، سماجی اور دارالعلوم کی مصروفیات، بیماری اور پیرانہ سالی کے دن رات قرآن کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا اور تندہی سے اس پر کام کرتے اور کرواتے رہے، اس دوران آپ کو دل کا عارضہ لاحق ہوا اور آپریشن کا خطرناک مرحلہ بھی آیا لیکن آپؒ پھر بھی تفسیر کا کام ہسپتال میں بھی جاری رکھے ہوئے تھے پھر آپریشن کے بعد ہسپتال میں ہوش وحواس میں آتے ہی اور نئی زندگی کا عملی آغاز بھی تفسیر کے مسودات وقلم منگوا کر اس پر کام سے شروع کیا اور فرمایا کہ اِس کی تکمیل کی خاطر اپنے پروردگار سے زندگی کی دعائیں، لحات اور صحت مانگی ہے اور اس دیرینہ علمی ودینی کام کی تکمیل کی نذر مَیں نے آپریشن سے قبل مانی ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر آپ نے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ سے اِس تفسیر کے متعلق یوں فرمایا کہ ''اب تو صرف تمنا ''تفسیر امام لاہوریؒ'' کی تکمیل ہی ہے کہ جاتے جاتے قرآن مجید کی خدمت کا حق بھی ادا ہوجائے، شیخ الہندؒ نے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں ایک شعر لکھا ہے اب میرا بھی یہی شعر وظیفہ ہے......

روزِ قیامت ہر کسے دردست گیرد نامہ ای

من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن دربغل

عالم اسلام اور ہندوستان کی نامور علمی شخصیت حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ نے اس تفسیر کو سراہتے ہوئے بہت عمدہ تبصرہ فرمایا ہے، اس کا مختصر اقتباس بطور تبرک نذر قارئین ہے:

''اس تفسیری مسودے اور گرامی نامہ سے جس طرح قلبی وروحانی مسرت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے، یہ مبارک کام تو بہت پہلے ہوجانا چاہیے تھا لیکن اللہ جل شانہ نے اس کی تکمیل اور اشاعت کے لئے جو وقت مقرر فرمایا تھا الحمدللہ! کہ اس وقت متعینہ پر بہت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ کام حضرت والا کی نگرانی اور مولانا محمد فہد حقانی کے تعاون سے وجود پذیر ہورہا ہے۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ امت کے تمام طبقات کیلئے اس کو بے حد مفید اور نافع فرمائے، باعث رشد وہدایت فرما کر آپ کی نگرانی میں بخیر وخوبی اس کی تکمیل فرمائے۔ یہاں احقر نے مظاہر العلوم کے بعض اساتذہ کو بھی آپ کا یہ تفسیری مسودہ دکھلایا، انہوں نے بھی خوشی اور مسرتوں کے ساتھ نہ صرف اس کا استقبال کیا بلکہ اسکی خوش اسلوبی اور تسہیل وتعجیل کے ساتھ اس کی تکمیل کی خواہش اور دعا کی......''

اسی طرح استاد محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے حضرت والد صاحب شہیدؒ

کی تفسیر امام لاہوریؒ پر عالمانہ فاضلانہ تبصرہ فرمایا تھا، یہاں اس کا اقتباس بھی پیش خدمت ہے:

''میرے سامنے اس وقت تفسیر امام لاہوریؒ کے مرتب کردہ تین جلدوں کے مسودات ہیں جو صاحبِ تفسیر کی طرح مرتب کی وسعتِ علمی، ژرف نگاہی اور تحقیق وعرق ریزی کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے وہ نمونے ہیں جنہوں نے ان کو اس دور کے مفسرین امت کی پہلی صف میں کھڑا کردیا ہے۔ بلاشبہ آج وہ نہ صرف حقانی فضلاء بلکہ علمائے دیوبند کے ایک باکمال فرد، ایک برگزیدہ شخصیت، علم وفضل کا عنوان اور کردار وعمل کی اعلیٰ مثال ہیں اور اس دور میں جب ایک کے بعد ایک چراغ بجھ رہا ہے ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں۔ ۳رستمبر ۱۹۳۶ء میں گلستانِ حیات انکے وجود کی خوشبو سے مہکا، اس خوشبو کی علمی، قلمی، ادبی اور تفسیری حکمرانی کا دور جاری ہے بارگاہِ خداوندی میں دعا ہے کہ پوری صحتمندی کے ساتھ انکے تفسیری علم وفضل اور قرآنی فکر ونظر کی قندیلیں بھی روشن رہیں اور تفسیر امام لاہوریؒ کا خاص مشن بحسن وخوبی تکمیل پذیر ہو'' ('الحق' مارچ ۲۱۰۷)

ہائے افسوس! کہ حضرت والد صاحب شہیدؒ کی یہ دیرینہ تمنا ان کی زندگی میں پوری نہ ہوسکی اور مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا، دونومبر ۲۰۱۸ء کو سفاک قاتلوں نے انہیں شہید کردیا اور زیست نے مزید وفا نہ کی اور آپ نے تقریباً ستائیس پارے (اور بقیہ پاروں کی تفسیر والد صاحبؒ نے اپنے ہاتھ سے ۱۹۵۸ء میں قلمبند کرلی تھی اور ان پر حواشی کا کام بھی اپنی حیات میں مکمل کرچکے تھے، صرف کمپیوٹر کی کمپوزنگ (کتابت) اور عنوانات کا انتخاب وغیرہ رہ گیا تھا جو بعد میں الحمدللہ ہماری ٹیم نے مکمل کیا) اپنے ہاتھ سے مکمل کرکے کاتبِ تقدیر کے لکھے اور جرسِ اجل کے بلاوے کے باعث ادھورے چھوڑ کر خلد بریں پروردگار عالم کے پاس مسودات تفسیر کا ادھورا ذخیرہ کچھ جلدی اور شوق شہادت کی آرزو میں اپنے ہاتھوں میں اٹھائے پہنچ گئے حالانکہ علمی حلقے اور ہم سب اس کے مشتاق اور چشم براہ تھے......

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا　　　تم ہی سو گئے داستان کہتے کہتے

الحمدللہ! خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے مجھ جیسے کمزور، ناتواں، کم علم اور کوتاہ ہمت طالب علم کو اتنی ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا کہ حضرت والد صاحب شہید ناموس رسالت ﷺ وشہید جہاد افغانستان مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق ''تفسیر امام لاہوریؒ'' کی تکمیل وترتیب کی سورہ الناس تک پہنچانے کی خدمت وتوفیق بخشی، گوکہ حضرت والد شہیدؒ کی شہادت کے حادثہ و جدائی نے کمر وحوصلے دونوں کو توڑ دیا تھا اور قویٰ واعضاء مفلوج ہوگئے تھے اور عقل وخرد پر غم کے

پردے پڑ گئے تھے لیکن پھر بھی اُنہی دنوں میں ''موتمر المصنفین'' و ''الحق'' کی ٹیم کو اکٹھا کیا اور اُن کو یہ مشورہ دیا کہ حضرت شہیدؒ کی اس آخری خواہش کو ہر حالت میں بغیر رُکے اب پایہ تکمیل تک جلد سے جلد پہنچانا ہے، چاہے حالات جس نہج پر بھی چلے جائیں لیکن تفسیر کی تکمیل و ترتیب ہر حال میں جاری وساری رہنی چاہیے، الحمدللہ اس بہادر محنتی فضلاء کی ٹیم نے دن رات ایک کرکے میرے ساتھ تفسیر کا عظیم کام مکمل کرلیا اور سال ۲۰۱۹ رمضان المبارک میں جو قرآن کا مہینہ ہے اس کی مناسبت اور اختتام و برکت کیلئے صرف سورہ الناس کی تفسیر کا کام ۲۷ویں شب کو ان کی قبر کے احاطہ میں مکمل کیا، شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفوراللہ صاحب مدظلہ ودیگر مشائخ اس موقع پر موجود تھے، ۲۷ویں رات کی برکات اور پرسکون مقبرہ حقانی میں تفسیر کی اختتامی تقریب میں ایک عجیب طرح کی فضا بن گئی تھی جس میں برکات ورحمتوں کا ظہور بھی تھا اور ہم سب شرکا کی آنکھوں میں تکمیل مسرت اور جدائی وحزن کے آنسوؤں کے جگنو بھی جگمگا رہے تھے۔ پرسوز دعاؤں سے ایک عجیب سماں بندھ گیا تھا۔ اس رات کا انتخاب اسلئے کیا گیا تھا کہ اس میں لیلۃ القدر کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور حرمین شریفین میں ختم قرآن بھی انہی راتوں میں ہوتا ہے۔

الحمدللہ! اس کی خدمت، نگرانی اور بقیہ کام کی تکمیل، نظر ثانی، کچھ مفید اضافے اور نئے عنوانات کے انتخاب اور خصوصاً اشاعت جیسے مشکل مرحلے کی ذمہ داری راقم ناکارہ کے کمزور کاندھوں پر پڑ گئی جو ابھی تک حادثہ کی شدت اور والد صاحبؒ کی جدائی کے باعث حزن ویاس کے ہاتھوں ناتواں ہے۔ بہرحال! اپنی بھرپور کوشش رہی کہ حضرت والد صاحب شہیدؒ کی زندگی کی سب سے بڑی اور آخری تمنا اوران کے بہت بڑے علمی کام کو اکھٹا کرکے اور اشاعت کی منزل کو کامیابی سے سر کرلوں تو یہ میرے لئے زندگی کا سب سے بڑا مقصد وسرمایہء آخرت ہوگا اور روایتی ''صاحبزادگی و نااہلی کے طعنوں'' سے بھی اپنا دامن بچ جائے یا۔ اس سلسلے میں میری تمام علمی وتحقیقی حلقوں اور دیگر تمام محبین وشاگردان اور جمعیت کے رہنما و کارکنان ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے سرپرستی و معاونت کی درخواست ہے اور خصوصاً اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ اس عظیم تفسیر کو جلد سے جلد منصۂ شہود لانے کے اسباب مہیا فرمائے اور ہمیں اخلاص، صلاحیت، قبولیت اور توفیق بخشے۔ (آمین)

مولانا زاہد الراشدی
مدیر ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ

''مکاتیب مشاہیر'' بلند ہمتی کا عظیم شاہکار

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حین حیات میں لکھی گئی یہ تحریر جو ''الحق'' میں بھی شائع ہوئی، اس لئے اس تحریر میں صیغے سارے ان کی حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دوران مطالعہ اس کو ملحوظ رکھیں...... (ادارہ)

مولانا سمیع الحق صاحب باہمت اور صاحبِ عزیمت بزرگ ہیں کہ اس بڑھاپے میں مختلف امراض وعوارض کے باجود چومکھی جنگ لڑ رہے ہیں اور مختلف شعبوں میں اس انداز سے دینی وقومی خدمات میں مصروف ہیں کہ کسی شعبہ میں بھی انہیں صفِ اول میں جگہ نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ دارالعلوم حقانیہ کے اہتمام وتدریس کے ساتھ ساتھ امریکی ڈرون حملوں اور نیٹو سپلائی کی ممکنہ بحالی کے خلاف عوامی محاذ کی عملی قیادت کر رہے ہیں، جس میں انہیں ملک کے طول وعرض میں مسلسل عوامی جلسوں اور دوروں کا سامنا ہے جبکہ قلمی محاذ پر رائے عامہ کی رہنمائی اور دینی جدوجہد کی تاریخ کو نئی نسل کے لیے محفوظ کرنے میں بھی وہ اسی درجہ میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اور خود اپنے نام مشاہیر کے خطوط کو سات ضخیم جلدوں میں جمع کر کے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، اسے دیکھ کر میں خود تحیر وتعجب کے ساتھ خوشیوں کے سمندر کی گہرائی میں ڈبکیاں کھا رہا ہوں، بحمداللہ تعالیٰ میرا شمار بھی بے ہمت لوگوں میں نہیں ہوتا مگر مولانا سمیع الحق کی ہمت کی بلندی پر نظر ڈالنے کے لیے بار بار ٹوپی سنبھالنا پڑ رہی ہے۔

گزشتہ روز میں نے جب اس کتاب پر بلکہ کتابوں کے اس مجموعہ پر نظر ڈالی تو میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ سارے کام کاج چھوڑ کر اسی کے سامنے دوزانو بیٹھ جانا چاہیے۔ تاریخ میرے مطالعے کا پسندیدہ موضوع ہے اور اس میں سے اہل حق کی جدوجہد اور خدمات کی تاریخ کے دائرے میں کچھ نہ کچھ کارروائی میں بھی وقتاً فوقتاً ڈالتا رہتا ہوں، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اور ان کے فرزند دل بند مولانا سمیع الحق کے نام وقت کے ''مشاہیر کے خطوط'' جن میں سیاست دان، حکمران، علمائے کرام،

مشایخ عظام، ارباب فکر ودانش، مفکرین ومدبرین، وکلاء، صحافی اور دیگر طبقات کی سرکردہ شخصیات شامل ہیں، تاریخ کا ذوق رکھنے والے اسکالروں اور میرے جیسے طلبہ کے لیے اتنا قیمتی اثاثہ ہیں کہ اس کی قدر و قیمت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

خدا جانے اس کے تفصیلی مطالعہ کا وقت کب ملتا ہے؟ جو بظاہر شوال المکرّم کی تعطیلات سے پہلے بہت مشکل دکھائی دے رہا ہے، مگر اس کے سرسری تعارف کے لیے میں نے سردست اس کی پہلی جلد کا انتخاب کیا ہے، جو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے نام ان کے معاصر ''مشاہیر کے خطوط'' پر مشتمل ہے اور دینی جدوجہد کے ایک پورے دور کا احاطہ کرتی ہے۔ ''مشاہیر'' کے عنوان سے سات ضخیم جلدوں پر مشتمل اس کتاب کی عمومی ترتیب یہ ہے کہ پہلی جلد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے نام خطوط کیلئے مخصوص ہے، جلد دوم سے جلد پنجم تک حروف تہجی کے لحاظ سے مشاہیر کے مولانا سمیع الحق کے نام خطوط کی چار جلدیں ہیں، جلد ششم افغانستان کے جہاد کے دوران کی اہم رپورٹوں اور جہادی رہنماؤں کے خطوط اور سرگرمیوں کا احاطہ کرتی ہے، جلد ہفتم میں بیرونی ملکوں کے مشاہیر کے خطوط شامل کیے گئے ہیں جبکہ جلد ہشتم تا دہم ضمیمہ جات، اضافات اور توضیحات کو سمیٹے ہوئے ہے۔

حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے نام مشاہیر کے خطوط کے لیے مخصوص پہلی جلد پونے سات سو کے لگ بھگ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان مشاہیر کی فہرست پر میں نے اس خیال سے نظر ڈالی کہ اس کالم میں تذکرہ کے لیے ان میں سے چند زیادہ اہم بزرگوں کے ناموں کا انتخاب کرسکوں مگر مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی کہ کوئی نام بھی ایسا نہیں ہے جسے اہمیت کے خانہ نمبر دو میں رکھا جاسکے، البتہ اس حوالے سے مولانا سمیع الحق کا بے حد شکرگزار ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث کے نام راقم الحروف کے تین خطوط شامل کرکے ان کے اس نیازمند وعقیدت مند کو بھی ''خریداران یوسف'' کی اس فہرست میں شریک کرلیا ہے، جو میرے لیے اعزاز وافتخار کی بات ہے۔

حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کا شمار پاکستان ہی نہیں بلکہ جنوبی ایشیا کی ان عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے، جو نہ صرف جنوبی ایشیا بلکہ وسطی ایشیا میں علوم دینیہ کی ترویج واشاعت اور اسلامی اقدار وروایات کے تحفظ وفروغ کا ذریعہ بنیں۔ تعلیمی اور تہذیبی حوالے سے مولانا عبدالحق کی دینی، علمی، تدریسی اور فکری خدمات جنوبی ایشیا اور اس کے ساتھ ساتھ وسطی ایشیا میں دینی جدوجہد کی اساس کی حیثیت رکھتی ہیں اور افغانستان کو دیکھا جائے تو اس کی پشت پر مولانا عبدالحقؒ کی شخصیت پوری آب وتاب کے ساتھ کھڑی دکھائی دیتی ہے، جو بظاہر ایک منحنی سا وجود رکھتے تھے لیکن علم وفضل اور عزم

وہمت کے اس کوہِ گراں کے ساتھ کمیونزم کے فلسفہ ونظام نے سر پٹخ پٹخ کر اپنا حلیہ بگاڑ لیا اور آج کا مؤرخ یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جہاد افغانستان کی علمی، فکری اور دینی اساس مولانا عبدالحقؒ کی شخصیت اور ان کی نگرانی میں کام کرنے والا تعلیمی ادارہ دارالعلوم حقانیہ ہے، جس کے اثرات افغانستان اور وسطی ایشیا کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہیں۔

''جہاد افغانستان'' کی علمی وفکری آبیاری میں ہمارے بہت سے بزرگوں کا حصہ ہے مگر میں تاریخ کے ایک طالبعلم اور اس جدوجہد کے ایک شعوری کارکن کے طور پر تین شخصیات کو ان سب کا سرخیل سمجھتا ہوں، ان میں سے سب سے پہلا نام حضرت مولانا عبدالحقؒ کا ہے اور ان کے بعد جہاد افغانستان کے علمی وفکری سرپرستوں میں میرے خیال میں حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اور مولانا مفتی محمودؒ کا نام آتا ہے، جنہوں نے نہ صرف پاکستان کے علماء وطلبہ کو جہاد افغانستان کیلئے ذہنی طور پر تیار کیا، افغان مجاہدین کی سیاسی واخلاقی پشت پناہی کی، جہاد افغانستان کے خلاف مختلف اطراف سے اٹھائے جانے والے شکوک واعتراضات کا جواب دیا اور جہاد افغانستان کی ہر لحاظ سے پشتیبانی کی۔

حضرت مولانا عبدالحقؒ کی خدمات کو میں ایک اور حوالہ سے بھی تاریخ کا اہم حصہ شمار کرتا ہوں، وہ پاکستان میں نفاذ اسلام کی دستوری جدوجہد کا باب ہے۔ پاکستان کی دستورساز اسمبلیوں میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس شخصیت نے دستور سازی میں سب سے زیادہ سنجیدہ کردار ادا کیا ہے اور دستورسازی کے تمام مراحل میں پوری توجہ اور تیاری کے ساتھ محنت کی ہے، وہ حضرت مولانا عبدالحقؒ ہیں۔۱۹۷۳ء کے دستور کی تیاری کے مرحلہ میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ قائد حزب اختلاف تھے اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا صدرالشہیدؒ، مولانا نعمت اللہؒ، مولانا عبدالحکیمؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا محمد ذاکرؒ، مولانا ظفر احمد انصاریؒ اور بہت سے دیگر بزرگوں نے اس دستور کو زیادہ سے زیادہ اسلامی بنانے کیلئے محنت کی، مگر دستورساز اسمبلی کی کارروائی کا مطالعہ کیا جائے اور دستورسازی کے مختلف مراحل پر نظر ڈالی جائے تو حضرت مولانا عبدالحقؒ کے جداگانہ اور امتیازی کردار کا تذکرہ بہرحال! ضروری ہوجاتا ہے۔حضرت مولانا عبدالحقؒ ہمارے ملی اور قومی محسنین میں سے ہیں اور ان کے نام ان کے معاصر مشاہیر کے یہ خطوط ان کی جدوجہد اور خدمات کے مختلف پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ میں ان خطوط کی اشاعت پر مولانا سمیع الحق کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ دینی جدوجہد اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے حضرات اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ
(شمالی امریکہ)

امام سندھیؒ و امام لاہوریؒ کی تفسیری افادات کے امین

مولانا قاضی فضل اللہ حقانی صاحب، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل، سیاسی حوالے سے منجھے ہوئے پارلیمنٹیرین، بلند پایہ علمی کتب کے مصنف، صاحب اسلوب، قلمکار، عظیم داعی وخطیب ومبلغ اور امریکی فضاؤں میں توحید کی نغمہ سرائی کے علمبردار، شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے بے پناہ خلوص ومحبت کا اظہار۔ یہ وقیع تحریر حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی حین حیات میں لکھی گئی ہے۔(ادارہ)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے نظام کو سنوار کر انسان کو خلیفہ اور نمائندہ بنایا، اس کو عقل سے نوازا، جس کی اساس پر وہ کائنات کو اپنے فائدے کے لئے اپنی تخلیق اور زمین پر آ بسنے کے وقت سے استعمال کررہا ہے، اس عقل ہی کی اساس پر اللہ تعالیٰ نے اسے مکلّف بنایا کہ وہ اللہ کی اطاعت کا پابند ہے اور یہ پابندی کس طرح ہوگی؟ اس کے لئے اللہ کریم نے وقتاً فوقتاً انبیاء ورسل علیہم السلام مبعوث فرمائے، ان کے قلوب صافیہ پر وحی کا نزول فرمایا تاکہ وہ انسانوں کو اس وحی کی اساس پر راستہ بتلائیں اور یہ وحی وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (الشوریٰ: ۵۱) کی اساس ان تین طریقوں سے آتی رہی۔ اب القائی اور کلامی وحی تو سارے رسل کو آتی رہی البتہ ان میں سے بعض کو اللہ کریم نے کتب اور صحف بھی دیئے، یہ کتب اور صحف بھی بعض کو مکتوب کی صورت میں ملے اور بعض کو کلامی صورت میں۔ ان کتب وصحف میں سب سے آخر میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم دیا گیا جو خاتم الکتب اور اکمل الکتب ہے۔ جس میں ساری سابقہ کتابوں کی اساسی تعلیمات بھی موجود ہیں اور آنے والے زمانوں کیلئے ماخذ علوم بھی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اوتیت علم الاولین والآخرین فرمایا کہ مجھے اولین وآخرین کا علم دیا گیا، یعنی سابقین کے علوم کا نچوڑ اور آنے والوں کیلئے ماخذ استنباط واستخراج دیئے گئے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ کہ اس میں ساری کتب قیمہ موجود ہیں، یا اس قرآن کرم کی تشریحات و

تفصیلات اور استنباطات اور استخراجات ہیں اور مقصد و حاصل سب کی ایک ہی بات کہ کس طرح قرآن فہمی حاصل ہوتا کہ اوقات احوال وظروف کے حوالے سے انسانوں کو ہدایت نصیب ہو، اللہ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔عبارتنا شتیٰ و حسنك واحد

شاہ ولی اللہؒ کے علوم کے شارح

البتہ ان میں سے بعض علمائے کرام نے منقول کو معقول اور معقول کو محسوس بنا کر پیش کیا اور انسان فطری طور پر معقول اور پھر محسوس سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، برصغیر میں یہ الہامی طریقہ حضرت حکیم الہند الامام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو القا کیا گیا، یوں تو برصغیر میں بسنے والے دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث سارے حضرت حکیم الہند کو اپنا مسند اور مرجع مانتے ہیں اور علمائے دیوبند تو سارے کے سارے حضرت مسند الہند کے تلمذ میں آتے ہیں کہ ان کا اسناد حضرت الامام سے جا کر ملتا ہے، قرآن میں بھی اور حدیث میں بھی اور بہت سوں نے آپ کے فلسفہ وافکار پر کام بھی کیا لیکن ان میں سب سے قابل ذکر کام حضرت امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ہے کہ قرآن کریم اور تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا یعنی سفر وحضر میں بھی حضرت سندھی رحمہ اللہ کے ساتھ رہتے، پڑھتے بھی رہے، پڑھاتے بھی رہے، لکھتے بھی تھے اور لکھواتے بھی تھے، پھر یہ کہ آپ تو چوبیس سال تک افغانستان، روس، ترکی، جرمنی اور حرمین شریفین میں رہے اور یوں سفر وسیلہ ظفر آپ مختلف ثقافتوں، تہذیبوں اور نظاموں کا مطالعہ ومشاہدہ بھی کرتے رہے اور یوں آپ کے ذہن میں وسعت آ گئی اور ذہن میں وسعت ہو تو تحریرات وتقریرات اور تشریحات و استنباطات میں بھی وسعت ہوگی البتہ وہ جو یہ وسعت نہیں رکھتے ان کے اذہان میں یہ باتیں سموتی نہیں، لہٰذا وہ اس کو کسی نفسیاتی بیماری پر حمل کرتے ہیں۔

مولانا لاہوریؒ کا حضرت سندھیؒ سے تعلق

بہرصورت! حضرت سندھی کے حلقہ تلمذ میں تو قدیم وجدید علوم کے حاملین پھرتے لیکن جدید علوم والوں کو قدیم کے مصطلحات واطلاقات کا کما حقہ علم نہ ہوتا لہٰذا وہ بسا اوقات حضرت سندھیؒ کی بات ایسے انداز سے نقل کر جاتے جس سے ظاہر بات ہے کہ شرعی تصورات کے خلاف ہو تو علوم قدیم کے علماء اس سے اختلاف کرتے اور قدیم علوم کے حاملین کو آپ کے بعض فلسفیانہ اطلاقات کا کما حقہ علم نہ ہوتا تو وہ بھی مضطرب ہوجاتے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس لئے آپ کی ذات ہمیشہ متنازعہ رہی

لیکن شیخ التفسیر حضرت مولانا لاہوریؒ کا حضرت سندھیؒ سے ایک الگ قسم کا تعلق تھا، ایک تو حضرت لاہوریؒ کی والدہ کا حضرت سندھی سے عقد ہوا تھا اور حضرت سندھیؒ کی ایک بیٹی جو آپ کی دوسری اہلیہ سے تھیں اس سے حضرت لاہوریؒ کا عقد ہوا تھا اور حضرت لاہوریؒ آپ کے ساتھ لازم ملزوم تھے یعنی وہ حضرت سندھی کی باتوں کو مشاہدات کی اساس پر سمجھ لیتے تھے۔

مولانا سندھیؒ اور مولانا لاہوریؒ علم، عقل اور نقل کے جامع

آپ نے حضرت سندھیؒ کے دروس تفسیر اور دروس حجۃ اللہ البالغہ کے آمالی لکھے اور آپ تفسیر پڑھاتے ان آمالی کی روشنی میں، حضرت سندھیؒ کے بقول امام ولی اللہ رحمہ اللہ عقل، فضل اور کشف کے امام ہیں، آپ کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بھی اسی طرح کے امام ہیں، شاہ عبدالقادرؒ کشف النقل کے اور شاہ رفیع الدین عقل ونقل کے امام ہیں جبکہ دوسرے طبقے میں شاہ اسماعیل عقل ونقل کے اور مولانا عبدالحئی صاحب عقل ونقل کے دوسرے درجے میں ہیں۔ بہر تقدیر! حضرت سندھیؒ اور بعد ازاں حضرت لاہوریؒ دونوں یک بار علم عقل ونقل اور کشف کے جامع مانے گئے۔

مولانا سمیع الحق تفسیر لاہوری کے جامع

حضرت امام احمد علی لاہوریؒ کی تفسیر میں اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ استاد محترم حضرت مولانا سمیع الحق (جو خود صاحب علم اور صاحب قلم ہیں) نے حضرت لاہوریؒ سے تفسیر کا استفادہ کیا اور دوران درس انہوں نے جو کچھ قلمبند کیا تھا یا دوسرے احباب نے کیا اس پر آپ نے کام شروع کیا، جس کی پہلی جلد حضرت نے ازراہ کرم مجھے دی کہ اس کو دیکھ کر اپنی رائے دیں، اب اصاغر اکابر کے کام پر کیا رائے دیں گے، سوائے اس کے کہ شاہ صاحب کا فلسفہ حضرت سندھیؒ نے سمجھا اور حضرت لاہوریؒ نے سیکھا حضرت سندھیؒ سے اور مولانا سمیع الحق صاحب نے اس پر کام کرکے ایک تفسیر کی شکل میں جمع کیا۔

واقعی یہ بہت بڑا کام ہے اور مولانا سمیع الحق صاحب اس قسم کے بڑے کام کرتے رہتے ہیں۔ ''خطبات مشاہیر'' اور ''مکتوبات مشاہیر'' کئی سارے مجلدات بھی اس قسم کے بڑے کام ہیں۔

اس پیرانہ سالی اور امراض لاحقہ میں ایسے کام کرنا یقیناً آپ ہی کا خاصہ ہے، اللہ تعالیٰ صحت وعمر طویل سے نوازے اور آپ کی مساعی کو محبوبیت اور قبولیت سے نوازے (آمین ثم آمین)

مولانا مفتی محمد اسعد ثانی
استاذالحدیث جامعہ ابوہریرہ

ماہنامہ ''الحق'' اکابر علماءِ دیوبند اور مشاہیر کی نظر میں

مولانا مفتی محمد اسعد ثانی صاحب، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل اور کافی عرصہ سے جامعہ ابوہریرہ کے شفیق اتالیق، استاذِ حدیث ہیں، تحریر وقلم اور علم وادب کی عمدہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں ......(ادارہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو اپنے اکابر واسلاف سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی اوران کے مشن اور کاز پر ڈٹے رہنا انہی کا حصہ تھا، ان کی ہر تحریر وتقریر سے یہ بات عیاں تھی، اسی لئے اکابر بھی ان پر اعتماد فرماتے اور ان کے کام کی تشجیع اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے، ذیل میں ماہنامہ ''الحق'' کے بارے میں چند اکابرین، زعمائے ملت، اساطین علم وادب کی آراء پیش خدمت ہیں:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

اس ناچیز اور ناکارہ کے بارے میں مضمون (اداریہ مولانا سمیع الحق) متعلقہ میں جو وقیع الفاظ تحریر فرمائے گئے ہیں وہ حوصلہ افزائی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ انشاء وادب بھی ماشاء اللہ! زبان اور سلاستِ بیان کے بارے میں قابلِ قدر اور لائق صد تحسین ہے۔ یہ مضمون لوگوں کو اتنا پسند آیا کہ رسالہ مجھ سے چھین کر لے گئے اور میں اس دستاویزنجات سے خالی رہ گیا، اس لیے درخواست ہے کہ اگر اس رسالہ کی دو تین کاپیاں مزید ارسال فرما دی جائیں تو عین لطف وکرم ہوگا اور لوگ بھی اس کے خواہشمند نظر آتے ہیں انہیں بھی دکھلا اور دے سکوں گا۔

ریحانۃ الہند برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

دارالعلوم اور ماہنامہ ''الحق'' کے لئے بھی دُعا گو ہوں، اللہ جل شانہٗ اس کو ہر نوع کی ترقیات سے نوازے، مکارِہ سے محفوظ فرماوے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان)

آپ کے ماہنامہ ''الحق'' کی بشارت سے بے انتہا خوشی ہوئی کیونکہ وقت کی ضرورت ہے اس طرح اگر اپنی جماعت کے چند ماہنامے ہی ہوجاویں تو کچھ تو آواز ملک میں پہنچے گی اس کے لئے اپنے ناچیز مضامین کا کوئی حصہ بھیجنے کا ان شاء اللہ تعالیٰ انتظام کروں گا۔

مؤرخ شہیر مولانا محمد میاں دہلویؒ (سابق ناظم جمعیۃ علماءِ ہند)

طبیعت چاہتی ہے کہ رسالہ ''الحق'' کی کچھ خدمت کروں، رسالہ پر تبصرہ احقر نے بھی لکھا تھا مگر افسوس ہے کہ کوئی مضمون پیش کرنے سے قاصر رہا۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ درخواستی (امیر جمعیت علماء اسلام)

یہ ''الحق'' نام بھی عجیب سا ہے۔ جب آپ نے ''الحق'' نام رکھا ہے تو اب تو پھنس گئے کہ کسی حال میں حق کو نہ چھوڑیں، میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے لکھنے والوں اور اس کے پڑھنے والوں کو حق کہنے، حق پر چلنے اور حق پر رہنے کی توفیق دے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی)

گزشتہ ماہنامہ ''الحق'' میں آپ کے نگارشات پڑھ کر دل سے دُعا نکلی اور بے حد مسرت ہوئی۔ اللہ کرے حسن قلم اور زیادہ۔ بس اب ضرورت اس کی ہے کہ جو کچھ لکھا جائے، مدح وثنا کے تصور وانتظار سے بالاتر رہنا چاہیے۔ جی چاہا کہ دل کی مسرت آپ تک پہنچا دوں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (عظیم رہنما تحریک پاکستان)

ماہنامہ ''الحق'' کے ارادہ اشاعت سے بے انتہا مسرت ہوئی۔ میں آج کل کراچی آیا ہوا ہوں، الحاد وتحریف اور تجدد کے خلاف علماء کو متحدہ مساعی سے مقابلہ کرنے کے لئے یہاں ''مجلس دعوت واصلاح'' کا افتتاح ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ اس مجلس کی طرف سے جو ضروری مضامین شائع ہوں گے وہ آپ کے رسالہ کو بھیج دیئے جائیں گے۔

مولانا ابوالوفا افغانیؒ (مصنف ومحقق ''دائرۃ المعارف النعمانیہ'' حیدرآباد)

ماشاء اللہ! بہت ہی علمی ومعیاری مجلّہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ اسے دائم رکھیں اور قوم کو اس سے منفعت پہنچے۔

فیلسوف اسلام علامہ شمس الحق افغانیؒ

ان اُمور ہفت گانہ کے پیش نظر رسالہ ''الحق'' کا انداز پُر اُمید ہے اور موجودہ آغاز سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''الحق'' اُصولِ مذکورہ کے تحت معیاری اہلیت کی راہ پر گامزن ہے اور اب بھی بہ نسبت دیگر رسائل ایک بہت بڑی حد تک کامیاب ہے۔ محبتِ دین کا تقاضا ہے کہ مسلمان ایسے مضامین کی اشاعت میں دلچسپی لے کر اس رسالہ کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ حق کی یہ روشنی پھیل جائے اور مسلمانوں کے دل و دماغ اس سے منور ہوں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ (ناظم عمومی جمعیۃ علماءِ اسلام)

ادارہ کی ترقی کے لئے ہر وقت دُعا گو ہوں، اس کی علمی خدمات کے لئے پوری پشتون قوم ممنون ہے۔ اللہ اس خدمت کو قبول فرمائے۔

علامہ محمد منظور نعمانیؒ (بانی ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ)

''الحق'' کے قریباً ۸۔۱۰ پرچے یکجا آپ نے روانہ کئے تھے وہ بھی پہنچ گئے تھے، اس کے بعد سے ''الحق'' اکثر مہینوں میں پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاص اور ابتغاء وجہ اللہ کے ساتھ دین کی خدمت کی توفیق ہم آپ سب کو دے اور قبول فرما کر وسیلۂ مغفرت بنائے۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (مدیر صدق جدید لکھنؤ)

ہندوستان و پاکستان ملا کر رسالوں کی وہ بھرمار رہتی ہے کہ دل اُکتا گیا ہے۔ صرف چند ایسے ہیں جنہیں خوشی سے کھولتا، پڑھتا ہوں۔ پسند آنے پر لشٹم پشٹم ایک نظر ڈال لیتا ہوں۔ ''الحق'' محض تجربہ کے لئے کھولنا پڑا تو دل لگ گیا، ما شاء اللہ! مولانا شمس الحق کا مضمون خوب ہے، بارک اللہ اور بھی دو ایک مضمون اچھے ہیں، ''الحق'' جیسے سنجیدہ اور علمی پرچہ کے سوال پر ضرور ہی توجہ کی جائے گی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سرپرست اعلیٰ ندوۃ العلماء لکھنؤ)

یوں تو غیب کا علم اللہ کو ہے لیکن رسالہ ''الحق'' کے دیکھنے سے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات نے مرض کی صحیح تشخیص کی ہے۔ میں ''الحق'' کے لئے ایک ایسا مضمون بھیج رہا جس کی ابھی تک اشاعت نہیں ہوئی۔ ''الحق'' کا برابر انتظار رہتا ہے۔ آپ کا مؤقر ماہنامہ ''الحق'' آتا رہتا ہے،

اور ندوۃ العلماء کے طلباء، اساتذہ استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ خصوصاً اداریے بہت ہی جاندار ہوا کرتے ہیں اور ''از دل خیزد بردل ریزد'' کا صحیح مصداق ہیں۔

مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ (امیر جمعیۃ العلماء ہند)

اس پرچہ کو دیکھ آپ حضرات کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ (ناظم عمومی جمعیۃ العلماء اسلام)

''الحق'' حق کی آواز ہے، اللہ تعالیٰ اعلائے کلمۃ اللہ، احیائے سنت، خدمت دین، نصح مسلمین، اور تنظیم اُمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ پہلا پرچہ نظر سے گزرا، دیکھ کر دل خوش ہوا۔ الحمد للہ کہ ماہنامہ ''الحق'' سے دین کی خدمت کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوگئی۔

مولانا عبید اللہ انورؒ (امیر انجمن خدام الدین لاہور)

جس طرح دارالعلوم حقانیہ پاکستان میں ہمارے لئے دارالعلوم دیوبند کی طرح قبلۂ علم ہے اسی طرح بحمد للہ اب ماہنامہ ''الحق'' ہندوستان کے معارف اور برہان کی کمی کو پورا کردے گا۔

مولانا خواجہ خان محمدؒ (سرپرست مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، کندیاں)

آپ نے ہمیشہ حق و صداقت کا ساتھ دیا۔ آپ کے رسالہ نے قومی مسائل میں ہمیشہ اسلامیانِ پاکستان کی رہنمائی کی۔ مولانا اسلم قریشی کیس میں آپ کے رسالہ نے مثالی کردار ادا کیا۔ اس پر میں آپ کا شکرگزار ہوں۔

مولانا قاضی عبدالکریم صاحبؒ (مہتمم نجم المدارس کلاچی)

اداریہ پڑھا، پہلا آئیٹم مشینی ذبح احتجاجاً کچھ کم نہیں تھا۔ ادیبانہ طنز خوب دلچسپ ہے۔ ہندی بزرگ کی بھی خوب خبر لی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ لیکن اداریہ کے آخری ایٹم پرستارانِ سلاطین علماء کو بروقت جگانے سے تو دلی دُعائیں نکلیں، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

شیخ الحدیث حضرت ولی حسنؒ (رئیس دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی)

پرچہ ''الحق'' پابندی سے موصول ہو رہا ہے، مصروفیت کی بنا پر مطلع نہ کرسکا، معذرت خواہ ہوں ماشاء اللہ بہت اچھا اور اعلیٰ معیار قائم رکھا ہے، اداریہ بہت ہی اچھا اور جدید مسائل سے متعلق ہوتا ہے۔ مجھے بھی اس سلسلہ میں کوئی مضمون لکھنے کی اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ (نائب صدر دارالعلوم کراچی)

جب سے ماہنامہ ''الحق'' کو دیکھا ہے اس قابل تعریف دینی خدمت پر آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ آپ نے جس حسن ذوق اور سلیقے کے ساتھ پرچے کو ترتیب دیا ہے، وہ بلاشبہ ہم سب کے لئے قابل فخر ہے۔ عوام کی طرف سے جب یہ پوچھا جاتا تھا کہ ماہناموں میں کون سا رسالہ ہمارے لئے مناسب رہے گا؟ تو پہلے جواب دینے میں بڑا تذبذب ہوا کرتا تھا، ''الحق'' نے ہماری یہ مشکل آسان کردی، پچھلے دوسال سے اس سوال کے جواب میں ''الحق'' ہی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ ''الحق'' پر تبصرہ کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ بزمِ ''الحق'' میں شمولیت میری سعادت ہے اور اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کے لئے موقع ڈھونڈ رہا ہوں۔

پروفیسر مولانا محمد اشرفؒ (معروف اسلامی سکالر، پیرطریقت، شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی)

حق یہ ہے کہ بندہ اس کا اہل نہیں کہ آپ کے وقیع ماہنامہ ''الحق'' کے لئے کچھ تحریر کرسکے، اوّل اپنی علمی بے بضاعتی پھر ایسے ویسے کاموں میں مشغولیت، زندگی یوں ہی گزر رہی ہے۔

بہرحال! آپ کے ارشادِ سامی اور فرمانِ واجب الاذعان کا امتثال۔ ان شاء اللہ! بندہ کے لئے ''الحق'' کے لئے لکھنا مایۂ سعادت اور آخرت میں ذخیرۂ باعثِ نجات ہوگا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید (مدیر ماہنامہ ''بینات'' کراچی)

میں نے کراچی میں جاکر دیکھا مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا محمد ادریس صاحبانؒ آپ کے پرچہ کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں۔ میں نے ''الحق'' سے متعلق جن نیک خیالات کا اظہار کیا تھا، وہ حسن ظن نہیں بلکہ وجدان وضمیر کی آواز تھی۔

مولانا عبدالحمید سواتیؒ (گوجرانوالہ)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے لکھا تھا کہ ہمارے زمانہ کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ مسلمان (سید جمال الدینؒ) افغانستان میں پیدا ہوتا ہے اور بندہ حقیر عرض کرتا ہے کہ اردو مجلّات کی ادارت کیلئے سب سے زیادہ ترقی یافتہ مدیر (سمیع الحق) کو اللہ تعالیٰ نے سرحد (خیبر پختونخوا) جیسے صوبہ میں پیدا کیا ہے، جہاں کی اردو زبان سے سب لوگ باخبر ہیں (ذلك فضل الله يوتيه من يشاء)۔

نامور سکالر وادیب علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (فرانس)

یہ دیکھ کر حقیقی مسرت ہوتی ہے کہ الحمد للہ ''الحق'' کا علمی معیار روز بروز بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے اور اس میں ناظرین کے ہر طبقے کے لئے کچھ نہ کچھ دلچسپی کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ آپ ازراہِ عنایت اس ناچیز کو ''الحق'' بھیجتے رہیں اور میں اس سے مستفید ہوا کرتا ہوں۔ میرے دل میں اس رسالے کی بڑی عزت ہے۔ (بعد میں ڈاکٹر حمید اللہ مکتوب فرانس کے نام سے الحق کے لئے مراسلے بھیجتے رہے)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (مدیر ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ)

آپ کے تین شمارے ملے ہیں، افسوس کہ ان حالات کے باعث باقاعدہ تو پڑھ نہ سکا مگر ایک سرسری نظر میں مجھے جو کچھ نظر آیا وہ قابل مبارکباد ہے۔ آپ نے تو اس راہ کے تجربہ کاروں کو بھی مات کر دیا۔ اندازِ ترتیب اور گیٹ اَپ، سبحان اللہ، دینی رسالوں میں تو ایسا شاندار کوئی دوسرا دیکھا نہیں۔ اللہ کرے آپ اسے قائم رکھنے میں کامیاب رہیں۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ (مدیر ماہنامہ ''البرہان'' دہلی)

''الحق'' برابر موصول ہو رہا ہے۔ بڑا عمدہ اور فکر انگیز مجلّہ ہے، میں اسے از اوّل تا آخر بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔

ڈاکٹر علامہ سید سلمان ندوی (محقق و نامور سکالر، ساؤتھ افریقہ)

ماہنامہ ''الحق'' ملا، الحق کا غلغلہ تو سن رکھا تھا اور زیارت کا شوق تھا۔ ''الحق'' اور اس کے مضامین کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا اس سے زائد پایا۔ اس مجلّہ کا طرۂ امتیاز حق گوئی ہے اور مقالات میں تنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو کامیاب کرے۔

مولانا نور عالم خلیل امینی (نامور ادیب، ودانشور و مدیر ''الداعی'' واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند)

''الحق'' رسالہ پاکستان کا پہلا رسالہ تھا جس سے میں دارالعلوم میں اپنے زمانۂ طالبعلمی میں دارالعلوم کے کتب خانے میں مطالعہ کے دوران واقف ہوا تھا۔ حقانیہ کو ہم لوگ دارالعلوم دیوبند کا حقیقی تسلسل سمجھتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن (امیر جمعیۃ علماء اسلام،ف)

ماہنامہ ''الحق'' زمانۂ طالب علمی ہی سے میرے پسندیدہ اور محبوب مجلّات میں سے ہے۔ خصوصاً اُس زمانے کے اداریے بڑے شوق سے میں پڑھا کرتا تھا۔

قاضی حسین احمد (سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان)

آپ کا رسالہ ''الحق'' دینی حلقوں کو فکری غذا فراہم کرتے ہوئے نہایت ہی مفید کام انجام دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جناب غلام اسحاق خان مرحوم (سابق صدر پاکستان)

ماہنامہ ''الحق'' کا ''شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نمبر'' موصول ہوا، بہت بہت شکریہ، میں اِس یادگار نمبر کی اشاعت پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ فکر ونظر کی اس شمع سے علم و تحقیق کی ان گنت شمعیں روشن ہوتی چلی جائیں گی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان (محسن پاکستان وشہرۂ آفاق ایٹمی سائنسدان)

آپ کا ادارہ دین متین کی خدمت کے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور ایک خاص نام اور مقام حاصل کیا ہے۔ اپنی مطبوعات بھیجنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں نیز دینی مساعی سے مسرت ہوتی ہے۔ آپ کی صحت و درازئ عمر کے لئے دُعا گو ہوں۔

جناب حکیم محمد سعیدؒ (بانی ہمدرد فاؤنڈیشن)

میری درخواست یہ ہے کہ آپ اس ربیع الاوّل ۱۳۹۶ھ میں خاص طور پر اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع بنائیں اور اس بار سیرتِ پاک کے اخلاقی پہلوؤں کو اس طرح پیش کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ موجودہ حالات میں یہ اندازِ فکر قوم وملت کے لئے فیض رسان ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی سعادتوں سے نوازیں۔

مجاہد آزادی خان غازی کابلی احراریؒ

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کے ہاں ''الحق'' کے اگست ۱۹۷۷ء کے شمارے کے نیاز حاصل ہوئے تو بہت سے پرانے دوستوں کی یادیں تازہ ہوئیں، حاجی محمد امین مجاہد

ترنگ زئی کے مضمون کو پڑھ کر ارباب عبدالغفور سے تصور میں ملاقات ہوئی۔ خدا جانے اب وہ زندہ ہیں یا خدا گنج کو سدھار گئے۔ حکیم عبدالسلام آف ہری پور ہزارہ کے مضامین ''کابل کی مشکبار فضاؤں میں'' کا بھی مشتاق کی نگاہوں سے مطالعہ کیا۔

مولانا کوثر نیازیؒ (نامور سیاستدان شاعر و ادیب)

ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ اور اس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ عالمِ ربانی کی سرپرستی میں نکلا ہے اور حق یہ ہے کہ بڑی آن بان سے نکلا ہے۔ اہل مذہب کے بارے میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ نفاست اور ذوقِ جمال سے عاری اور جدید طباعت کے حسن کے قدردان نہیں ہوتے۔ خوشی ہے کہ ''الحق'' نے اس مفروضہ کی اپنے عمل سے تردید کردی ہے جس میں اکابر سلف کے نوادرات کی جھلکیاں اور جدید مسائل پر دورِ حاضر کے متبحر علماء کے تبرکات بھی شامل ہیں اور دوسری طرف ظاہر، جو سفید کاغذ اور طباعت کے اعلیٰ معیار سے عبارت ہے۔

حفیظ جالندھریؒ (شاعر اسلام)

ماہنامہ ''الحق'' آپ کے ارسال فرمودہ پانچ شماروں کی صورت میں بصیرت افروز ہوا۔ جن میں بہت کچھ ان مسائل کے بارے میں زیر مطالعہ ہے جو ہم سب کو کلمہ طیبہ کا ورد ہر آن بر زبان رکھتے ہوئے درپیش ہیں اور میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ اس بوڑھے ازکار رفتہ کو آپ نے نوازا۔ میری لب بستگی کے باوجود ''الحق'' سے محروم نہیں ہوا۔ آپ اور مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اکوڑہ میں اتنا بڑا کام جس طرح جاری رکھا ہے، تحسین کے الفاظ کے سوا مجھ جیسا نارسا کیا عرض کرے۔

جناب اثر بدایونی صاحبؒ (ایڈیٹر ''بہارِنو'' کراچی)

گزشتہ ماہ کا ''الحق'' پڑھنے ہی کا نہیں بلکہ آنکھوں سے لگانے کے قابل تھا (اللّٰھم زد فزد) یوں تو ''الحق'' کا ہر شمارہ اپنی انفرادیت لئے ہوئے جلوہ گر ہوتا ہے مگر پچھلے شمارہ نے تعریف کی حدود کو پار کر دیا

جناب شورش کاشمیریؒ (سیاستدان، ادیب، مدیر ''چٹان'' لاہور)

حضور! آپ کے قلم اور ادارے سے ہمارے نمبر کی بہت سی خواہشیں منسلک ہیں، کرم فرمایئے۔

جناب نعیم صدیقیؒ (مدیر ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' منصورہ، لاہور)

اکوڑہ خٹک کے علمی مرکز اور مجلّہ ''الحق'' کی طرف سے اقامتِ دین اور بہبودِ ملت کی

کوششوں کا معاملہ ہے۔ راقم الحروف مدت سے اس سارے سلسلے کا معترف اور خیرخواہ رہا ہے۔

جناب عبادت بریلوی صاحبؒ

میں نے جناب حسن عسکری صاحب کے کہنے پر ''الحق'' پڑھنا شروع کیا اور میں نے اسے پروفیسر حسن عسکری صاحب کے خیالات کے عین مطابق پایا۔ اس موقع پر جناب فیض احمد فیض صاحب، جناب احمد ندیم قاسمی صاحب، پروفیسر کرار حسین صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی (نامور محقق اور کئی مجلّات کے مدیر)

''الحق'' با قاعدہ پہنچ رہا ہے نہایت شکریہ، رسالہ ماشاء اللہ بہت اچھا ہے۔ مضامین معلوماتی اور تحقیقی ہوتے ہیں، آپ (مولانا سمیع الحق) کی زبان ماشاء اللہ بڑی نکھری ہوئی ہے، اندازِ تحریر بھی سلجھا ہوا ہے جس مسئلے پر بحث کرتے ہیں اس کا خوب تجزیہ کرتے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

علامہ شاہ بلیغ الدین (نامور خطیب و محقق)

مولانا طاسین (کراچی) نے آپ کے پرچے ''الحق'' کی تعریف کی تو میرا جی چاہا کہ آپ کے پرچے کی مطالعے کی کوئی صورت پیدا کروں۔

جناب مشفق خواجہ (معروف ادیب نقاد، مصنف انجمن ترقی اردو)

آپ کا موقر جریدہ ''الحق'' میرے نام آ رہا ہے، اس عنایت کیلئے سراپا سپاس ہوں۔ اس جریدے کے مطالعے سے مجھے جو علمی فائدے حاصل ہوئے ہیں ان کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ ''الحق'' کا دینی مزاج اور علمی سنجیدگی اپنی مثال آپ ہے۔ ایسے رسالے ہمارے ملک میں کم بلکہ بہت کم ہیں۔

جناب جمیل جالبی (نامور ادیب، سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی)

میں کوشش کروں گا کہ ''الحق'' کے خاص شمارے کے لئے کوئی مفید تحریر بھجوا سکوں ان شاء اللہ۔ اُمید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی (مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

مولانا سمیع الحق صاحب جو کچھ لکھتے ہیں بہت خوب لکھتے ہیں، ان کی تحریروں میں تحقیق کا وقار، ادب کی چاشنی اور جذبِ دل کی کشش پورے طور پر محسوس ہوتی ہے۔

خواجہ حمید الدین شاہد (ممتاز ادیب ایوانِ اردو کراچی)

پہلی دفعہ ''الحق'' کا مطالعہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، میں نے سارے مضامین کو بغور پڑھا اور میری بصیرت میں اضافہ ہوا۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد زرولی خان (کراچی)

''الحق'' کے حقائق سے لبریز برحق رسائل باقاعدگی سے ملتے ہیں اور مولانا سمیع الحق کے وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ مضامین ہمیشہ محبت و مطالعہ کے لئے ذریعہ افتخار و اشتیاق بنتے ہیں۔

جناب اختر راہی (واہ کینٹ)

''الحق'' گاہے گاہے نظروں سے گزرتا رہتا ہے، اس سنگلاخ سرزمین سے ''الحق'' جیسے معیاری رسالے کا اجراء معجزہ سے کم نہیں۔

مولانا شمس الحق افغانیؒ فرمایا کرتے۔ محدثِ کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی علمی، شخصی اہمیت وعظمت "علی الرأس والعین" (سرآنکھوں پر) لیکن ماہنامہ ''الحق'' اور مولانا سمیع الحق کے بنیادی اور اساسی کردار کو خراجِ تحسین پیش نہ کرنا زیادتی ہے، دارالعلوم حقانیہ کی شہرت کو چار چاند لگانے میں الحق اور مولانا سمیع الحق کا کردار فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آج ماہنامہ ''الحق'' کی مسلسل اشاعت کے ۵۶ رسال ہو چکے ہیں۔ ''الحق'' کے ادارتی کالموں میں مولانا سمیع الحق تہذیبِ مغرب، ردّ فرقِ باطلہ، حکومت کا جبر واستبداد، مظالم ولاقانونیت، مغربی جمہوریت کی تباہ کاریاں، مادہ پرستی، دینی مدارس کا تحفظ، علمائے حقہ کے کردار کو اجاگر کرنا، تحفظ ناموسِ صحابہؓ اور دینی اقدار کے فروغ واشاعت کا اہتمام کرتے تھے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مطلع صحافت پر مولانا سمیع الحق اور جامعہ حقانیہ کے ماہنامہ ''الحق'' کی جلوہ نمائی ایسے خورشید جہاں تاب کی مانند ہے جس کی روشنی تقریباً نصف صدی گذرنے کے باوجود آج بھی نظروں کو خیرہ کر رہی ہے۔

میدانِ صحافت اور اخبارات وجرائد کی دنیا میں جدید ترین ذرائع درآنے کے باوجود بھی الحق کے معیار کا جواب نہیں دیا جاسکا۔ ماہنامہ ''الحق'' کی ادارت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی حیات ہی میں ان کے جواں سال اور لائق فائق بیٹے مولانا راشد الحق سمیع نے سنبھال لی تھی جو جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں مدرس اور ماہنامہ ''الحق'' کے مدیر ہیں اور انہوں نے اپنے انتخاب کو اپنے کام کی روشنی میں صحیح ثابت کر دیا ہے اور الحق کو اسی نہج پر چلا رہے ہیں جو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے طے فرمایا تھا۔

مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری
رکن اسلامی نظریاتی کونسل

مؤتمر المصنّفین کا قیام: مولانا شہیدؒ کا کارنامہ

مولانا عبدالحکیم اکبری صاحب جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل، متعدد علمی ادبی اور تاریخی کتب کے مصنف، صاحبِ قلم ادیب و مؤرخ، جمعیۃ علماءِ اسلام کے مرکزی رہنما اور اب خیر سے اسلامی نظریاتی کونسل کے رُکن ہیں، علمی، دینی اور جماعتی حوالے سے بہت کام کررہے ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے تلمذ ہے، محبت ہے اور والہانہ تعلق ہے۔ مرکز علم مادرِ علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی نسبت پر افتخار کو نجات کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ ذیل کی تحریر مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حوالے سے ان کے قلبی تاثرات اور باطنی کیفیات کا اظہار، قلب حزیں کی بیتابیاں ہیں۔ قارئین کے لئے ان کا مطالعہ باعثِ ازدیادِ علم ہوگا۔ (ادارہ)

موجودہ دنیا کی علمی وفکری، سائنسی وتحقیقی اور صنعتی وتکنیکی ہنگامہ آرائیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک محقق نے کہا ہے کہ آج افکار ونظریات کے تصادم سے جدید علوم وفنون کی راہیں ہموار ہو رہی ہیں۔ ہر آن علمی وفکری میدان میں سائنس وسعت وکشادگی پیدا کر رہی ہے، تحقیق وتفتیش کے شاندار نتیجے کے طور پر نئے نئے اُفق دریافت ہو رہے ہیں، سیارگان عالم کا فلک پر کمندیں ڈالنے اور کہکشاؤں تک رسائی حاصل کرنے کا عزم ابھی تک جوان ہے، خاک و باد اور آب و آتش کا طلسم ابھی تک دور بین آنکھوں کا دلچسپ کھیل بنا ہوا ہے۔ سورج کی کرنوں اور چاند کی شعاعوں کو گرفتار کرنے اور دائرۂ تحقیقات میں لانے کا منصوبہ بن رہا ہے، پوری کائنات کو ایک لیبارٹری یا تجربہ گاہ بنانے کی جدوجہد ہو رہی ہے، جدید افکار نئے نئے سانچوں میں ڈھل رہے ہیں، انسانی زندگی کو مزید آسانیاں بہم پہنچانے اور راحت و آرام کے اسباب مہیا کرانے کیلئے صنعتی، معاشی، تجارتی وزراعتی نیز مختلف میدانوں میں ہل چل مچی ہوئی ہے۔ حقیقت میں اس دور کے اعلیٰ ترین ذہن و دماغ آج محض اسی جانب اپنی ذہنی وفکری توانائیاں صرف کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں وہ انسانی اقدار و روایات، اخوت ومحبت، قومی و بین الاقوامی اُصول وضوابط، اخلاقِ حسنہ، انسانوں پر بہ حیثیت انسان عائد ہونے والی ذمہ داریاں، اساسی حقوق وغیرہ ان تمام چیزوں سے یکسر منہ موڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں، نہ انہیں مذہبی بندشوں کی کوئی پرواہ اور نہ ہی جزا وسزا اور اُخروی باز پرس سے کوئی خوف۔

ایسے نازک حالات میں اگر انسانی اقدارا ور روایات کو زندہ کرنے اور اخلاقی بے راہ روی کو ختم کرکے پاکیزہ اخلاقی قدروں کو پروان چڑھانے نیز انسانیت کو ناانصافیوں سے نجات دلانے کے لئے اگر کہیں کچھ مؤثر کام ہو رہا ہے تو وہ دینی مدارس اور اکیڈمیاں ہیں جہاں سے اخلاق و انسانیت کی تعلیم دی جارہی ہے، سچائی، امانت داری، انصاف پسندی وراست بازی، مروت و رواداری، حب الوطنی، اوصافِ حمیدہ اور پاکیزہ اخلاق و اطوارتحریر وتقریر کے ذریعے قوم کو دے رہے ہیں، انہی اکیڈمیوں میں سے ایک ''موتمر المصنفین '' اکوڑہ خٹک بھی ہے۔''موتمر المصنفین '' وطن عزیز کی مشہور آزاد یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں واقع ہے، جس کی بنیاد حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے رکھی تھی، اس کے قیام کا مقصد جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے طلبہ اور فضلاء میں تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا تھا، جامعہ کے اساتذہ بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے افادات اور علمی فیضان سے دنیا کو روشناس کروانا تھا۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے موتمر المصنفین کو علم و ادب، افادات اکابر اور تاریخ کی اشاعت اور ترویج کے لئے قائم کیا تھا اور مولانا شہیدؒ اپنے اس اہم کام اور مقصد میں کامیاب رہے۔ ''موتمر المصنفین '' نے نہ صرف ابھی تک کئی موضوعات پر سینکڑوں کتابیں چھاپی ہیں بلکہ درجنوں رجالِ کار بھی پیدا فرمائے ہیں۔ ''موتمر المصنفین '' نے قیام سے لے کر اب تک کئی موضوعات پر کتابیں شائع کروائی ہیں جن میں سے چند موضوعات کے نام درج ذیل ہیں:

''قرآنیات، حدیث، متعلقاتِ حدیث، سیرت وشمائل، فقہ واحکام اور حِکم، سیاست ونظمِ ریاست، عقائد، تصوف، سلوک اور اخلاقیات، تذکرہ وسوانح، تاریخ اور سفر نامے، مکتوبات، مواعظ وخطبات، خصوصی اشاعتیں، ادبیات اور عربی صرف ونحو، بلاغت ومنطق وغیرہ'' دُنیائے علم وادب میں موتمر المصنفین ایک روشن نام ہے لیکن اسکے پسِ آئینہ میں ساری محنت وکاوش مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ہے۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے بڑے صاحبزادے اور دارالعلوم حقانیہ کے قابل طالب علم اور فراغت کے بعد اپنے والد گرامی کے سرپرستی میں یہی استاد رہے ہیں اور شیخ الحدیثؒ کے بعد دارالعلوم کے مہتمم بنے۔ والد گرامیؒ کی سرپرستی میں ماہنامہ ''الحق'' کے اجراء کا فیصلہ کیا اور ''موتمر المصنفین '' کی بنیاد بھی ڈالی۔ ''موتمر المصنفین ''ایک اشاعتی ادارہ تھا، جس کے روحِ رواں آپ ہی تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ، مولانا عبدالقیوم حقانی، مولانا مفتی غلام الرحمان، مولانا امین الحق گستوئی جیسے اصحاب قلم اس ادارے کے رُکنِ رکین رہے ہیں، مولانا حبیب اللہ شاہ حقانی، مولانا اسرار مدنی، مولانا محمد اسلام حقانی، مولانا مفتی منفعت احمد حقانی، مولانا محمد فہد مردانی، مفتی بہادر علی حقانی، مولانا شوکت علی حقانی، جناب بابر حنیف صاحب اور حاجی نثار محمد وغیرہم موتمر کے موجودہ اراکین ہیں جبکہ مولانا سمیع الحق

شہیدؒ کے لائق وفائق فرزند مولانا راشدالحق سمیع اس شعبہ کے سربراہ اور ماہنامہ ''الحق'' کے تین دہائیوں سے مدیر ہیں۔ الحمداللہ ! یہ پوری ٹیم علمی کاموں میں لگی ہوئی ہے اور یہ سب باصلاحیت حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

مولانا محمد اسلام حقانی راوی ہیں کہ مولانا شہیدؒ موتمر کے اراکین کا خصوصی خیال رکھتے تھے، ان کی ضروریات اور گھریلو حالات سے بھی باخبر رہتے، چھٹیوں میں جب دیگر خدام چلے جاتے تو موتمر کے اراکین کو بلاتے اور شفقت بھرے انداز میں فرماتے کہ تم لوگ چھٹی پر نہ جاؤ، جب تم لوگ ہوتے ہو تو تمہارے ساتھ میں بھی مصروف رہتا ہوں۔ قلم وقرطاس سے تعلق مولانا شہیدؒ کو ازل سے ملا تھا جسے آپؒ نے تادم آخر نبھایا۔ مولانا سمیع الحقؒ کی مساعی کی بدولت آج عالم اسلام کے علمی حلقوں میں موتمر کا ایک بڑا نام ہے۔ مولانا شہیدؒ کے سامنے ادارے کا مقصد قرآن وسنت، فقہ وتفسیر، اسلامی تاریخ اور اسلامی تعلیمات کو پوری تحقیقی اور علمی جستجو کے بعد جدید ترین اسلوبِ اظہار کو اختیار کرتے ہوئے پیش کرنا اور مغربی تہذیب کی یلغار، فکری کج روی اور ذہنی پراگندگی کے اس دور میں نوجوان نسل اور طلبہ کو علمی و دینی لٹریچر مہیا کرنا تھا۔

''موتمر المصنفین'' میں اب بھی عصر حاضر کے پیدا کردہ مسائل، فرقِ باطلہ کا تعاقب اور کئی اہم وقیع اور علمی موضوعات پر تحقیق وتصنیف اور اشاعت وطباعت کا کام جاری رہتا ہے، اس ادارہ نے اپنے یومِ تاسیس سے لے کر تاہنوز قلیل ترین مدت میں بحمدللہ اپنی اہم اور وقیع تصنیفات اور مطبوعات کے پیش نظر ملک و بیرونِ ملک کے علمی وتحقیقی اداروں اور مطالعاتی حلقوں میں اچھا خاصا اعتماد وثقاہت اور مقام پیدا کرلیا ہے۔ ''موتمر المصنفین'' نے آغازِ کار ہی میں علم وادب، قلم وکتاب اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور ترویج واشاعت کو اصل ہدف ٹھہرایا۔ اس کے بانی مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا عزم یہی تھا کہ تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ اور فکر اسلامی کی نشر واشاعت کے کام کو مزید وسعت وقوت پہنچانے کی کوشش باقاعدہ اور مضبوط بنیادوں پر آگے بڑھائی جاتی رہے۔ اب مولانا شہیدؒ کے صاحبزادے اور خدام اسی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے پرعزم ہیں۔

''موتمر المصنفین'' نے احادیث کی شروحات میں ''حقائق السنن'' شرح جامع السنن للترمذی، ''زین المحافل'' شرح شمائل ترمذی، ''اسلام کا نظامِ اکل وشرب''، ''الحاوی علیٰ مشکلات الطحاوی''، ''ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری''، ''کتابت اور تدوین حدیث''، منہاج السنن شرح جامع السنن، برکۃ المغازی، خطبات میں ''دعواتِ حق''، ''خطباتِ حق''، ''عبادات وعبدیت''، ''خطباتِ

حقانی''، ''خطباتِ مولانا انوارالحق''، ''مسئلہ خلافت وشہادت'' اور ''خطباتِ مشاہیر''، سیاسیات میں ''قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ''، ''اسلام اور عصر حاضر''، ''قادیان سے اسرائیل تک''، ''عہد حاضر کا چیلنج اور اُمت مسلمہ کے فرائض''، ''روسی الحاد''، ''اسلام اور سیاست اور ردِّ فرقِ باطلہ میں قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف''، ''دفاع امام ابوحنیفہ''، ''امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات''، فقہ وافتاء میں ''فتاویٰ حقانیہ''، نفاذِ اسلام کی جدوجہد کو تیز تر کرنے کے لئے ''شریعت بل کا معرکہ''، اصلاحِ معاشرہ کے لئے ''قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق''، ''صحبتے با اہل حق''، ''ارشاداتِ حکیم الاسلام''، ''اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں''، ''اربابِ علم وکمال اور پیشہ رزقِ حلال''، ''کشکولِ معرفت'' اور دیگر مختلف موضوعات میں محدثِ کبیر شیخ الحدیث ''مولانا عبدالحق نمبر''، ''حیاتِ صدر المدرسن''، ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی''، ''ساعتے با اہل حق''، ''روحانی سوغات''، ''دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ از ہر تک''، ''دفاع حضرت ابوہریرہؓ''، ''فضائل ومسائل جمعہ''، ''عقیقہ کی شرعی حیثیت''، ''مکتوباتِ مشاہیر'' بنام مولانا سمیع الحق (۷جلدوں میں) ''کاروانِ آخرت'' اور ''صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام'' جیسی ضخیم اور مفید کتابیں طباعت واشاعت کے مراحل سے گذر کر منصۂ شہود پر آکر اپنی آفاقیت ومحبوبیت کا لوہا منوا چکی ہیں۔ اس طرح ''موتمر المصنفین'' سے دیگر اساتذۂ دارالعلوم حقانیہ کی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں، جن کی تعداد ۱۰۰ر سے متجاوز ہے، مؤتمر کی بعض کتابیں تو اب بیروت اور لبنان سے بھی شائع ہو رہی ہیں۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے تن تنہا فروغِ علم وکتاب کے اس سفر کا آغاز کیا تھا مگر شب وروز کی محنتوں سے اہل قلم کی ایک ایسی جماعت تیار کرلی جس کا ہر فرد جامعہ حقانیہ کی انگوٹھی میں نگینے کی حیثیت رکھتا ہے۔ خود مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا قلم پختہ اور رواں دواں، علم ان کا مضبوط، راسخ اور مستحضر اور جدید وقدیم علوم پر ان کی نظر تھی مگر سیاسی میدان میں شب وروز مصروفیت کی وجہ سے تصنیف وتالیف کے لئے انہیں زیادہ وقت نہیں ملتا تھا، تاہم جتنا وقت بھی میسر ہوتا اس کو ضائع نہیں فرماتے تھے بلکہ قلم وقرطاس کو کام میں لاکر دل بہلاتے رہتے تھے، ان کے قلم زرنگار کی سحرکاری کے کئی نظارے ان کی بیسیوں تصانیف میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے بڑھاپے، عوارض، کثرتِ کار اور ہجومِ مشاغل کے باوصف شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تفسیری امالی اور افادات پر کام کیا جس کا صرف آخری تین پاروں پر کام جاری تھا کہ دست اجل نے دستک دی۔ ان شاء اللہ! یہ تفسیر بہت جلد تفسیر امام لاہوریؒ کے نام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا شہیدؒ کے جملہ مساعی کو قبولیت سے نوازے اور ان کیلئے ترقی درجات کا وسیلہ بنائے۔ (آمین)

مولانا راشد الحق سمیع

مکتوبات مشاہیر بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ ومولانا سمیع الحق صاحب کی متعدد ضخیم جلدوں میں اشاعت

الحمدللہ مقام شکر وامتنان ہے کہ دارالعلوم حقانیہ جس کی بنیاد اخلاص وتقویٰ اور للّٰہیت پر رکھی گئی تھی اپنے تمام اغراض ومقاصد کے حصول میں نہ صرف کامیاب رہا ہے بلکہ روز بروز دن دگنی اور رات چوگنی ترقی نصرت خداوندی کے طفیل حاصل کررہا ہے، اسی سلسلے کی ایک تازہ کڑی مہتمم دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا وہ تاریخی اور منفرد کارنامہ ہے جس نے اردو ادب کی روایات میں ایک شاندار اور روشن باب کا اضافہ کردیا ہے۔ مکتوبات اور خطوط کی اشاعت تو روز اول سے اردو اور دیگر زبانوں میں ہوتی چلی آرہی ہے لیکن خطوط کی (چار ہزار سے زائد) کثیر تعداد ایک دو افراد کے نام جمع ہونا اور پھر اسے سات ضخیم جلدوں میں شائع کرانا یقیناً ایک بہت بڑا علمی، تحقیقی و ادبی کارنامہ ہے۔

یہ خطوط کا مجموعہ تقریباً پون صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی کئی دہائیوں کی محنت شاقہ کا ثمر اور نتیجہ ہے، اس میں دارالعلوم حقانیہ کی مکمل تاریخ حضرت مولانا عبدالحقؒ کی سحر انگیز اور ہر دلعزیز شخصیت کے مختلف پہلوؤں مثلاً دارالعلوم دیوبند سے وابستگی، زمانہ تدریس، اساتذہ ومشائخ سے تعلق اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی ساری زندگی کی سیاسی، علمی، ادبی اور خصوصاً صحافتی زاویوں پر مکمل روشنی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں پاکستان وہندوستان اور خصوصاً جہاد افغانستان وعالم اسلام کی تمام معروف تحریکات پر بھی بڑی تفصیل کے ساتھ خطوط کے ذریعے رہنمائی ملتی ہے۔

الغرض ان سات جلدوں کے ذریعے سات سمندروں کا پانی ایک کوزے میں کشید کرکے بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں کتاب کی چند اہم خصوصیات اور نکات قارئین ''الحق'' کی دلچسپی کیلئے درج کئے جارہے ہیں۔

تقریباً پون صدی پر مشتمل اساطین علم وادب، علماء ومحدثین، مشائخ واکابرین امت، نامور اہل قلم شہسواران صحافت، دانشور ومصنفین، سیاسی زعماء حکمران وسلاطین کے مکتوبات نگارشات، تاثرات اور احساسات کا مجموعہ علمی، فقہی، مذہبی مسائل، ملکی تحریکات و بین الاقوامی سیاسی اتار چڑھاؤ اور عالم اسلام کو درپیش بحرانوں کے مدوجذر پر ارباب فکرودانش کے خیالات وافکار کا ایک بڑا ذخیرہ مولانا سمیع الحق کے قلم سے ادبی تعارفی حواشی اور توضیحات مشاہیر کے خطوط کے عکسی نمونے

☆ خطوط کی تعداد و شخصیات کے حوالے سے اردو ادب کی تاریخ میں پہلا قابل قدر گرانقدر اضافہ۔

☆ کسی ایک خاندان کی دو شخصیات کے نام پر اتنی کثیر شخصیات کے مکاتیب کا پہلا مجموعہ۔

☆ پون صدی کی علمی، تاریخی، سیاسی وصحافتی شخصیات کے ہزاروں غیر مطبوعہ خطوط کی پہلی بار اشاعت

☆ ایک ایسی ریفرنس بک (حوالہ جاتی کتاب) جس سے سینکڑوں شخصیات کے سوانح مرتب ہوسکتے ہیں اور جس سے دینی، سیاسی، قومی اور ملی تحریکات کی جامع تاریخ بھی مرتب ہوسکتی ہے۔

☆ ہزاروں تعداد پر مشتمل نایاب ترین خطوط، جسمیں اہم شخصیات کے تذکرے بھی ہیں، سوانح بھی، علمی مباحثے بھی ہیں اور ادبی شہ پارے بھی، تاریخ بھی ہے تنقید بھی۔

☆ جس میں اہم سیاسی اور تاریخی واقعات کے رازوں کو آشکارا کیا گیا ہے جس سے ایک مؤرخ بآسانی ماضی کو دیکھ کر حال اور مستقبل کی تاریخ مرتب کرسکتا ہے۔ ہر شخصیت کی تصویر اس کے اپنے الفاظ وخیالات کے آئینے میں۔

☆ ہر مکتوب نگار پر مولانا سمیع الحق صاحب کے سحر انگیز اور شعلہ بار قلم سے معتدل، جامع اور تحقیقی تبصرے وحواشی۔

☆ حقانی فضلاء وحقانی برادری سے وابستہ جملہ افراد کیلئے ایک قیمتی تحفہ اور انڈکس ہے۔

☆ جس میں مادر علمی دارالعلوم کی سلسلہ وار تاریخ، بانیین، مہتممین، منتظمین اور معاونین کے تذکرے وتعارف۔

☆ قومی، ملی، سیاسی، دینی، علمی صحافتی اور جہادی میدانوں میں دارالعلوم اور اسکے فضلاء کا کرداراورکارنامے۔

☆ عالم کفر سے برسرپیکارحقانی فضلاء اور شہداء کے ایمان افروز حالات وواقعات۔

☆ عالم اسلام کے صدور وسلاطین اوراہم حکومتی شخصیات کا بانی دارالعلوم اور مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب سے اہم موضوعات پر تبادلہ خیال۔اپنے موضوع اور مشمولات پر اپنی نوعیت کی پہلی منفرد کتاب۔

تمام آٹھ جلدوں کی مختصر تفصیل بھی یہاں پر قارئین کی سہولت کے پیش نظر درج کی جارہی ہے

نوٹ: مکتوب نگاروں کی ترتیب فرقِ مراتب کا لحاظ کئے بغیر حروف تہجی الف باءتا کے مطابق رکھی گئی ہے۔

جلداول: مکتوبات بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ (صفحات ۷۰۴)

مکتوبات بنام مولانا سمیع الحق کی تفصیل

اکابر برصغیر پاک وہند بشمول بنگلہ دیش کے خطوط (چار جلدوں پر مشتمل)

جلددوم : اب پ ...... صفحات: (۵۱۶)

جلدسوم : ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ز س......صفحات (۵۶۸)

جلدچہارم: ش ص ض ط ظ ع .... صفحات (۶۵۸)

جلدپنجم: غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ی............ صفحات (۵۱۲)

جلدششم : افغانستان (جہادی مشاہیر کے خطوط، جہادی رپورٹیں، شہداء، تحریک طالبان پر مشتمل تفصیلات گویا جہادافغانستان اور جامعہ حقانیہ مستقل ایک جلد (صفحات تقریباً ۵۰۰)

جلدہفتم: بیرونی ممالک ایران، عالم عرب، افریقہ، سنٹرل ایشیاء، فارایسٹ، امریکہ اور یورپی ممالک......(صفحات ۵۰۰ سے زائد)

جلدہشتم: ضمیمہ جات، اضافات اور توضیحات پر مشتمل مستقل جلد

کتاب کا ضخیم مقدمہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ لکھا ہے۔کتاب اور مقدمہ کے پیش نظر اسے بھی ادارتی صفحات میں شائع کیا جارہا ہے۔جس سے اس عظیم کتاب کی مکمل ترتیب وتدوین اوراشاعت کی تاریخ قارئین الحق کے سامنے آشکارا ہوجائیگی۔

ڈاکٹر محمود الحسن عارف
شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

مکاتیب مشاہیر: علم وادب کا ایک شاہکار

جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب ایک علمی ومذہبی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، آپ عصری و دینی علوم پر کامل دسترس رکھتے ہیں، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور کے انچارج رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریر وتقریر کی اعلیٰ ترین اوصاف سے مزین فرمایا ہے، نہایت شائستہ اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ شخصیت ہیں، کافی عرصہ سے بہت علیل ہیں ان کی صحتیابی کے لئے دل سے دعا گو ہوں۔ (مدیر)

شہید ناموس رسالتؐ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی ذات کو علم وادب کے کسی ایک عنوان میں قید نہیں کیا جا سکتا، مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی علمی، فکری، دعوتی، تبلیغی، تدریسی اور جہادی آفاقیت، شہرت، قبولیت اور عظمت کے کئی حوالے ہیں، ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے، ایک منجھے ہوئے پارلیمنٹیرین اور ایک لائق صد تقلید اتالیق اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے، ان کی شہرت اقصائے عالم میں ہے، روس امریکہ اور بھارتی جارحیت کے خلاف ایک جہادی مرکز کی حیثیت سے پورے عالم کی تاریخ نے انہیں تسلیم کیا، مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے عالم اسلام بالخصوص پاک وہند اور افغانستان کی عوام کے دلوں میں جذبۂ جہاد کو جس طرح مہمیز کیا اس کیلئے گذشتہ نصف صدی کی مستند تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔

علوم دینیہ کے حوالے سے ان کی اپنی ایک الگ پہچان ہے، علم حدیث، فقہ وتفسیر اور معقول منقول علوم وفنون کے میدان میں ان کا فضل وتفوق سب پر واضح ہے، ان کے رشحات قلم اور تصنیفات وتالیفات پر نگاہ ڈالی جائے، وہ شاید بہت اداروں کے فضلاء مل کر بھی انجام نہیں دے سکیں، علوم وفنون کا وہ کون سا شعبہ ہے جو مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی دسترس سے باہر رہا ہو مگر مولانا شہید رحمہ اللہ کا دائرہ کار صرف ان ہی موضوعات تک محدود نہیں تھا اور نہ ہی ان کو درس نظامی کے روایتی علوم وفنون کے دائرے میں قید کیا جا سکتا تھا، ان موضوعات کے ماوراء بھی مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے بعض موضوعات پر اپنے امتیازی نقوش رقم کئے ہیں۔

خاص طور پر اردو ادب کے میدان میں ان کی خدمات کا دائرہ متنوع اور بہت وسیع ہے اور اس باب میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہاں بھی وہ دارالعلوم حقانیہ یا ماہنامہ ''الحق'' کے ادارتی کالموں کے یک لسانی بلند اردو ادب پر مرکوز نہیں بلکہ اس میں بھی انہوں نے کثیر ادبی تجربوں سے اہم ادبی موضوعات کی ثروت میں بھرپور اضافہ کیا، انہوں نے ہمہ جہتی افکار واسالیب کے دائرے کو بھی وسعت بخشی، ان کا ایک پسندیدہ موضوع'' مکاتیب مشاہیر'' کی حفاظت، ترتیب وتالیف اور شاندار اشاعت بھی تھا، اس موضوع کے حوالے سے وہ اپنے امتیازی کردار کی وجہ سے ایک الگ شناخت کے حامل بن چکے ہیں، عالمی سطح پر اردو کی اشاعت مکاتیب کی حفاظت وفروغ اور ترویج میں مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی بڑی اہم خدمات ہیں بالخصوص فن مکاتیب میں ان کا کردار بہت نمایاں ہے، مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے اس فن میں بھی اپنے امتیازی نقوش مرتسم کئے ہیں۔

''مکاتیب مشاہیر'' میں تمام مکاتیب مؤلف کے تناظرات کا احاطہ کرتے ہیں اس سے عوام وخواص اور علماء وطلباء ادب کو مولانا شہید رحمہ اللہ کی ادبی خدمات سے نہ صرف واقفیت ہوگی بلکہ پوری یونیورسٹیوں میں ان کو یہ اندازہ بھی ہوگا، جس طرح مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اپنی علمی تدریسی اور دینی خدمات کی وجہ سے پوری دنیا میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے اسی طرح وہ قلم وکتاب، تحریر ومطالعہ، فن مکاتیب میں کامل دسترس اور ادب کے میدان میں بھی بہت ممتاز تھے۔

ان تمام تر موضوعات پر کام اور ہمہ جہتی اشتغال کے ساتھ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی حیات مستطاب کا ایک روشن ترین باب اتحاد امت اور وحدت ملت کی مساعی، روسی، امریکی استعمار کے خلاف بھرپور علمی، فکری، قلمی اور عملی جہاد اور تازہ ترین ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں ان کے افکار اور مجاہدانہ کردار کے وہ ثمرات بھی ہیں، جنہیں عالم اسلام کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ طبعی حوالے سے بے حد منکسر المزاج، متواضع اور خلیق اور سراپا نیازمندی کے باوجود اعلائے کلمۃ الحق جبر واستبداد کا تعاقب اور روسی اور بھارتی امریکی سامراج کے خلاف کس قدر آہنی عزم رکھتے تھے اور اللہ پاک نے انہیں کتنی پرنور بصیرت سے نوازا تھا۔

مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ ملت کے ایک انتہائی بیدار مغز متحرک اور ذہین فرد تھے، جنہوں نے پوری ملت کو بحران کے منجدھار اور مسائل کے گرداب سے باہر نکالا اور بیمار ہوتی ہوئی ملت میں زندگی کی روح پھونکی اپنی تصنیفات، شروحات اور بیانات سے نسخۂ شفا عطا فرمایا، مولانا کی شہادت ملت کے لئے بہت بڑا المیہ ہے جب کوئی عالم روئے زمین سے اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ علم سلب کر لیتا ہے۔

وہ تیرگی ہے کہ اکثر خیال آتا ہے
میرے فلک پہ کوئی آفتاب ہے کہ نہیں

کتابوں کی تالیف وتدوین کا سلسلہ ہزاروں سالوں سے جاری وساری ہے اور شاید زمین پر آخری انسان کی موجودگی تک جاری رہے گا تاہم کتاب کتاب اور مصنف مصنف میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کتابوں کی عمر مہینے دو مہینے، سال دو سال یا چند سال ہوتی ہے اور بعض کتابیں سدا بہار ہوتی ہیں اور زمانے اور وقت ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ''ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما''

چند سال پہلے شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ''مشاہیر بنام مولانا عبدالحق و مولانا سمیع الحق'' کے عنوان سے جو کتاب مرتب فرمائی اور جس میں انہوں نے قریباً ۱۵۱۲ر افراد کے خطوط کا ذخیرہ سات جلدوں میں مرتب کیا۔ یہ کتاب بھی ایسی ہی کتابوں میں شامل ہے۔

دنیا میں مکتوب نگاری کا سلسلہ اس وقت سے چلا آتا ہے جب سے انسان نے نوشت وخواند سیکھی ہے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملکہ بلقیس کے نام خط کا ذکر ہے۔ جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو مطیع ہو کر دربار میں حاضری کی ہدایت کی ہے

اسی طرح عظمت اور جلالت کے لحاظ سے وہ خطوط بھی بڑی عظمت اور مقبولیت رکھتے ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مختلف حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور مذہبی عمائدین کے نام تحریر فرمائے۔ ان خطوط کو تمام محدثین، سیرت نگاروں، مورخین اور فقہائے کرام نے جمع کیا ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری وساری ہے۔ ان سب خطوط کو ڈاکٹر محمد حمیداللہ مرحوم نے الوثائق السیاسیة کے عنوان سے مدون کر کے شائع کر دیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ، خلفائے راشدین، اموی اور عباسی خلفاء، وسط ایشیاء، ایران، افغانستان، ہندوستان اور دوسرے اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کے خطوط، کے بیسیوں مجموعے اس وقت مختلف لائبریریوں کی زینت ہیں اور انہیں تاریخی اور علمی دستاویز کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے۔

''مکاتیب مشاہیر'' کے مؤلف شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ ایک علمی اور مذہبی گھرانے کے معزز فرد تھے۔ آپ کی ولادت ۱۹۳۷ء میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے گھر میں ہوئی اور انہی کی آغوش تربیت میں تربیت پا کر جوان ہوئے۔ ۱۹۵۷ء سے آپ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

میں بطور مدرس تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جبکہ ۱۹۶۵ء سے ''الحق'' نام سے پاکستان کے معروف ترین اور مقبول ترین رسالے کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں اور اس وقت تک دسیوں وقیع علمی اور تحقیقی کتابیں ان کے قلم سے نکل چکی ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی وفات ۱۹۸۸ء کے بعد دارالعلوم کے تمام ادارتی اور انتظامی معاملات بھی آپ بڑی مستعدی اور جان فشانی سے انجام دیتے رہے۔ مجلس شوریٰ اور سینٹ کے رکن کے طور پر اور ''دفاع پاکستان کونسل'' کی سربراہی سے لے کر متعدد قومی اور ملی اداروں کی سربراہی کا اعزاز رکھتے تھے تمام مکاتب فکر کے علماء اور زعماء ان کی قیادت کے پرچم تلے متحد ہو کر پاکستان کی سالمیت، اس کی بقاء اور اس کی آزادی کے لئے تادم حیات مصروف عمل رہے اور آئندہ بھی یہ کارواں اسی طرح جانبِ منزل رواں دواں رہے گا۔

یہ مجموعہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی برسوں کی کاوشوں اور محنت کا نتیجہ ہے۔

اس مجموعہ مکاتیب کے منظر عام پر آنے کے بعد ملکی سطح پر اس کی خوب پذیرائی ہوئی اور زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس کو بے حد سراہا۔

اس ضمن میں عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان نے جمعیت طلبائے اسلام پاکستان کے تعاون کے ساتھ الحمراء ہال نمبر۳ میں مورخہ ۲۳/اپریل ۲۰۱۲ء کیم جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ بروز سوموار بوقت ۳/ بجے سہ پہر اس کی تقریب رونمائی انعقاد پذیر ہوئی۔ جس میں صحافت، تحقیق و تدریس، قانون وانصاف اور دین و سیاست سے تعلق رکھنے والی پاکستان کی نامور اور مقتدر شخصیات نے شرکت کی، اسی وقت اس تقریب کی میزبانی کے فرائض خاکسار نے انجام دیئے، اس روح پرور اور زندگی بخش تقریب کی ابتداء تلاوت قرآن حکیم سے ہوئی، حافظ محمد اسامہ حقانی فرزند مولانا عبدالرؤف فاروقی نے تلاوت کی اور قاری عمر فاروق (صدر مدرس آسٹریلیا مسجد لاہور) نے نعت مبارک پیش کی۔

بعدازاں کانفرنس کے نقیب احقر (محمود الحسن عارف) نے ابتدائی تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو ان کی شخصیت کو دوسروں کیلئے جاذب نظر بناتا ہے۔ ان کی شخصیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ برسوں پاکستان کے سب سے بڑے دینی تعلیمی ادارے کے وائس چانسلر ہیں اور اس عرصے میں کبھی ان کے مدرسہ میں ہڑتال ہوئی نہ کام بند ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک کامیاب سیاست دان اور سیاست کار بھی ہیں،

جمعیت علماء اسلام (س) کے کئی برس تک جنرل سیکرٹری رہے اور پھر صدر چلے آئے ہیں اور کئی سیاسی اتحادوں، جن میں آئی جے آئی اور ملّی یک جہتی کونسل اور موجودہ دفاع پاکستان کونسل شامل ہیں، کے بانی اور سربراہ رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہت اچھے ادیب، دانشور صحافی اور مصنف بھی ہیں اور آپ برسوں سے ''الحق'' کے مدیراعلیٰ اور متعدد کتابوں کے مؤلف بھی ہیں۔ مولانا کی جو کتاب حال ہی میں طبع ہوئی ہے اور جس کی آج تقریب رونمائی ہے، یہ کتاب بیسیوں کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں شامل ہر شخصیت کے مکتوبات ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں، اس طرح گویا یہ پندرہ سو کتابوں کا مجموعہ ہے۔ مشاہیر کے ان شہ پاروں (خطوط) کو جمع کرنے اور ان کو ترتیب دینے میں انہوں نے جو محنت اور کاوش کی ہے، وہ بجاطور پر لائق تحسین و آفریں ہے۔ مولانا نے جلد اول کے دیباچے میں لکھا ہے:

> ''شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور احقر ناچیز سمیع الحق کے نام مکاتیب کا یہ ذخیرہ پون صدی سے زیادہ عرصہ کی علمی ادبی سیاسی روحانی شخصیات کے خطوط پر مشتمل ہے جس کا پہلا مجموعہ (مشاہیر بنام شیخ وقت محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے نام لکھے گئے خطوط پر مشتمل ہے اس کے بعد احقر کے نام مکتوبات ہیں جو حروف تہجی کی ترتیب سے کئی جلدوں میں مرتب ہوئے ہیں۔ ابھی شعور کا آغاز ہی تھا اور پورے طور پر علم وفن کے مبادی سے بھی ناواقف تھا عمر آٹھ نو سال کے لگ بھگ تھی حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ کی روزانہ کی ذاتی ڈاک میں کتب کیساتھ ساتھ خطوط کی خاصی تعداد بھی ہوتی اور یہ خطوط میرے بچپن کے ذوق وشوق کا پہلے پہل سامان بن گئے بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ دوات کی سیاہی کی خوشبو، قلم کی روانی کا نغمہ، صریرِ خامہ کا بانکپن اور رنگ برنگ لفافوں اور خطوط کی چمک دمک گویا میری گھٹی میں شامل ہوگئی تھی۔ اسی لئے میرے بچپن کے زمانے کے کھلونے غالبًا پہلے پہل یہی قلم دوات، خطوط، رنگین کارڈ اور ٹکٹ رہے ہوں گے'' (ص ۳)

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے صرف خطوط ہی جمع نہیں کئے بلکہ ان کے لکھنے والوں پر مختصر مگر جامع سوانحی نوٹ بھی تحریر کئے ہیں۔ یہ نوٹ ان کے خصوصی ذوق وشوق اور ان کی دوستوں اور بزرگوں سے محبت کے عکاس ہیں۔ اجلاس میں بڑی تعداد میں علماء، مشائخ، سیاسی اراکین، صحافی، اساتذہ اور محققین نے شرکت کی، مقررین کے علاوہ پیر سیف اللہ خالد، علامہ حافظ محمد طاہر اشرفی، جناب راشد الحق حقانی، ظہیر الدین بابر، جناب رؤف طاہر، پروفیسر امجد علی شاکر، عرفان الحق، مخدوم آصف اور دوسرے کئی حضرات نے شرکت کی۔

جناب قیوم نظامی
معروف کالم نگار سابق وفاقی وزیر

مشاہیر کے خطوط مولانا سمیع الحق کے نام

- ...... قائداعظمؒ اور اقبالؒ کے خطوط ان کی ہزار چاہتوں کے باوصف محفوظ نہ رکھے جاسکے مگر مولانا سمیع الحق نے اپنے دور کے مشاہیر کے ۵۰۰۰ر خطوط سات جلدوں میں شائع کر کے انہیں محفوظ کر دیا ہے۔
- ...... مولانا سمیع الحق نے پاکستان کی سیاسی اور مذہبی تاریخ میں ایک فعال کردار ادا کیا ہے، مشاہیر کے خطوط اس حقیقت کا ثبوت ہیں۔
- ...... مشاہیر کے خطوط سے اندازہ ہوتا کہ مولانا سمیع الحق پاکستان کی مقبول شخصیت ہیں

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حین حیات میں لکھی گئی یہ تحریر جو''الحق'' میں بھی شائع ہوئی، اس لئے اس تحریر میں صیغے سارے ان کی حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دورانِ مطالعہ اس کو ملحوظ رکھیں...... (ادارہ)

افراد ہی تاریخ کو تخلیق کرتے ہیں تاریخ نسل درنسل منتقل ہوتی ہے ،نئی نسل ماضی کے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اپنے حال اور مستقبل کی صورت گری کرتی ہے۔ پاکستان کی تاریخ ۶۵ سالوں پر مشتمل ہے۔ افسوس ہم اپنی تاریخ کا ریکارڈ محفوظ رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں بانی پاکستان قائداعظم نے تحریک پاکستان کے مفکر اور مصور علامہ محمد اقبال کے خطوط شائع کرنے کا فیصلہ کیا جو علامہ نے قائد کے نام تحریر کئے تھے اور جو قائد کی لائبریری میں محفوظ تھے۔ اس موقع پر

قائداعظم کی خواہش تھی کہ علامہ اقبال کے خطوط کے ساتھ قائداعظم کے علامہ کے نام خطوط بھی شائع کئے جائیں مگر وہ یہ جان کر حیران رہ گئے کہ ان کے خطوط علامہ اقبال کے ریکارڈ میں موجود نہ تھے۔ اس طرح قائداعظم نے گورنر جنرل پاکستان کی حیثیت میں سینکڑوں فائلوں پر احکامات اور نوٹ لکھے ان کا ریکارڈ بھی کسی سرکاری یا نجی ادارے میں موجود نہیں ہے، شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے دور کے مشاہیر کے پانچ ہزار خطوط سات جلدوں میں شائع کر کے انہیں محفوظ کر دیا ہے، ان کی اس گراں قدر کاوش سے ایک عہد کی تاریخ کا سیاسی، مذہبی، ادبی اور سماجی ورثہ نئی نسلوں کو منتقل ہو گیا ہے۔ موجودہ زمانے کی شاید ہی کوئی ایسی معروف شخصیت ہو جس نے مولانا سمیع الحق صاحب کے نام خط نہ لکھا ہو۔ غالب نے کہا تھا:

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

مشاہیر کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سمیع الحق پاکستان کی مقبول شخصیت ہیں، انہوں نے نہ صرف مختلف فرقوں کے مذہبی رہنماؤں بلکہ سیاستدانوں، صحافیوں، دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کو متاثر کیا جن کے بامعنی اور بامقصد خطوط ''مشاہیر کے خطوط'' میں شامل ہیں۔ مولانا سمیع الحق صاحب ایک منظم اور ہمہ جہت شخصیت ہیں انہوں نے پانچ ہزار خطوط کو سنبھال کر رکھا اور کسی تعصب اور امتیاز کے بغیر ان کو مرتب کر کے شائع بھی کر دیا۔ ان خطوط کو مرتب کرنا اور انہیں سات جلدوں میں شائع کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

مولانا راشد الحق حقانی، مولانا محمد عاصم مخدوم اور مولانا محمد اسرار ابن مدنی میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور کتاب کی تقریب رونمائی کا دعوت نامہ اور سات جلدوں کا سیٹ گفٹ کے طور پر دیا۔ مشاہیر کے خطوط کا طائرانہ جائزہ لینے سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مولانا کی کتب مواد اور موضوعات کے لحاظ سے بھی منفرد ہیں جس میں جہاد افغانستان، ختم نبوت، مذہبی کانفرنسیں، سیاسی و مذہبی تحریکیں، شرعی و قانونی مسائل، ۱۹۷۳ء کے آئین میں علماء کا کردار، مولانا مودودیؒ کا فکر اور فلسفہ، عورت کی حکمرانی اور دیگر سیاسی و مذہبی مسائل کے بارے میں علمی او رفکری نوعیت کی بحثیں اور تفاصیل موجود ہیں۔

ایک جلد میں محترمہ بے نظیر بھٹو شہید سے ایک ملاقات کا احوال بھی شامل کیا گیا ہے البتہ

سات جلدوں میں عورتوں کے خطوط شامل نہیں ہیں حالانکہ پاکستان میں عورتوں کی آبادی مردوں سے زیادہ ہے۔ اگر مولانا سمیع الحق مشاہیر کے نام اپنے خطوط بھی شائع کرنے کا کارنامہ سرانجام دے سکیں تو سیاسی اور مذہبی تاریخ کی مکمل تصویر قارئین کے سامنے آسکے گی۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے مولانا کے نام اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے ''آدمی قرآن اور حدیث جیسی بنیادی چیزوں کے پڑھنے بلکہ سمجھنے سے بھی آدمی نہیں بنتا بلکہ ان پر عمل کرنے سے بنتا ہے''

مفکر اسلام علامہ اقبال نے کہا تھا......

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت سے نوری ہے نہ ناری ہے

مسلمان جب تک اسلام کی روح کو سمجھنے اور اپنی تاریخ سے سبق حاصل نہیں کریں گے تب تک عالمی اور علاقائی بحرانوں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ہمارا قومی المیہ یہ بھی ہے کہ ہم زندہ قومی شخصیتوں کی خدمات کا اعتراف ان کی زندگی میں نہیں کرتے بلکہ اکثر کے ساتھ کچھ اس قسم کا سلوک کیا جاتا ہے۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

مولانا سمیع الحق کے اعزاز میں تقریب کا انعقاد بھی اعتراف خدمت کے لئے ہی تھا، مولانا نے پاکستان کی سیاسی اور مذہبی تاریخ میں بلاشبہ ایک فعال اور متحرک کردار ادا کیا ہے۔ مشاہیر کے خطوط اس حقیقت کا ثبوت ہیں۔ اس تقریب کی صدارت جماعت اسلامی کے امیر جناب منور حسن نے کی، مشاہیر کے خطوط کے بارے میں اظہار خیال کرنے والوں میں مجاہد پاکستان حافظ محمد سعید، مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی، مولانا عبدالرؤف فاروقی، ڈاکٹر اجمل نیازی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، سینئر صحافی عطاء الرحمٰن، مولانا زاہد الراشدی اور راقم شامل تھے۔

مشاہیر کے خطوط مورخین اور محققین کے لئے بہترین رہنما اور معاون ثابت ہوں گے۔ ان خطوط کی اشاعت پر مولانا سمیع الحق صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جناب فصیح الدین اشرف (پی ایس پی)
معروف دانشور، ادیب و کالم نگار

چند اوراقِ کتب چند بزرگوں کے خطوط

محترم جناب فصیح الدین اشرف صاحب اردو ادب کے معروف محقق، دانشور، ادیب و کالم نگار اور پولیس سروس آف پاکستان سے وابستہ رہے۔ علم و ادب کا ذوق رکھنے کے ساتھ ساتھ اردو اخبارات و رسائل میں ان کے علمی و تحقیقی اور تنقیدی مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں۔ آپ ایک ریسرچ لائبریری کے مدیر بھی ہیں۔ موصوف کی کتابوں میں ''صحرا میں اذاں''، ''سفر کی دھول'' اور ''خامہ بجوش'' حال ہی میں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔

ملکۂ سبا کے زمانے میں یہ کام ہُد ہُد سے لیا جاتا تھا۔ جب کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا ہوا تو یہ ذمّہ داری ''کبوتر جا جا جا'' پر آن پڑی لیکن زبانِ غیر سے شرحِ آرزو پر جب آوازیں اُٹھنے لگیں تو قاصد کو ڈھونڈا گیا تا کہ خط کے ساتھ ساتھ محبوب یا مخاطب کے رنگِ حیائی کی خبر بھی لیتا آئے، مکتوب نگاری ایک ایسا فن اور صنف سخن بن گیا کہ غالبؔ قاصد کے آتے آتے خط ایک اور لکھ کے رکھ دیتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جواب میں کیا کچھ لکھا گیا ہوگا؟ یہ سلسلہ اس قدر مسلسل اور لامتناہی بن گیا کہ مرنے کے بعد غالبؔ کے گھر سے حسینوں کے خطوط بوریوں کے حساب سے نکلے، یہ منظر جب جناب مولانا سمیع الحق اور ان کے والد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے ہاں دیکھنے میں آیا تو پتہ چلا کہ تصویرِ بُتاں ہیں نہ حسینوں کے خطوط۔ البتہ خطوط کا ایک ایسا انبار نکل آیا کہ مولانا کو زندگی ہی میں غالبؔ کے شعر میں ترمیم کرنا پڑی......

چند اوراقِ کتب، چند بزرگوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

میری نظر میں'' مشاہیر بنام عبدالحق و سمیع الحق'' خطوط کا مجموعہ نہیں ''قاموسِ مکتوبات'' (Encyclopedia of Letters) ہے۔ خطوط لکھنا ہمارے پیارے پیغمبر حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا طریقہ بھی تھا۔ مومنانہ، فاسقانہ، صوفیانہ، عاشقانہ وغیرہ

قسم کی شاعری کی طرح خطوط بھی ہر طرح کے ہو سکتے ہیں۔ سرونسٹن چرچل اور نپولین کے خطوط جو وہ اپنی محبو باؤں کو میدانِ جنگ سے بھی لکھتے رہے، انسانی جذبات و احساسات کا نمونہ ہیں۔ کانگرس لائبریری واشنگٹن میں نیچے کتابوں کی چھوٹی سی دکان میں جہاں مختلف ممالک کی مقامی کہانیوں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں دیکھیں وہاں امریکی صدور کی اپنی بیٹیوں کے نام خطوط کی کتاب بھی نظر آئی۔

معلوم ہوا کہ امریکی صدور فارغ نہ بھی ہوں تو اپنے بچوں کو رہنمائی کیلئے خط لکھنے کیلئے وقت نکال ہی لیتے ہیں، پنڈت جواہر لال نہرو نے اندرا گاندھی کے نام جو خطوط لکھے ہیں وہ بھی اب کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں، مغربی مصنفین بھی خطوط نویسی کو بہت اہم سمجھتے ہیں مثلاً نوبل انعام یافتہ مصنف ہمنگوے کے منتخب خطوط، ہمنگوے نپولین کے خطوط کی تعریف کرتا اور اپنے خطوط کو ''بے مزہ'' اور ''احمقانہ'' کہتا تھا حالانکہ ایسا تھا نہیں۔

ہماری اسلامی تاریخ میں تصوف کا بہت بڑا حصّہ ملفوظات کے بعد خطوط کی شکل میں ہے جیسا کہ مکتوباتِ امام ربّانیؒ، مکتوباتِ خواجہ معصومؒ، مکتوباتِ شاہ ولی اللہؒ، مکتوبات صدی اور دو صدی (شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ) وغیرہ۔ ماضیِ قریب کے ہندوستانی علماء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا یعقوب نانوتویؒ، قاری محمد طیّبؒ اور اُن کا حلقۂ فکر اصلاحِ نفس کے لیے ''مکاتیب'' کا طریقہ اپنائے ہوئے تھے۔ بعض علماء (جو تصوف کے ساتھ ادب و سیاست سے بھی لگاؤ رکھتے تھے) کے خطوط میں اجماعِ ضدّین کا رنگ نمایاں ہے۔

سید سلیمان ندویؒ، مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے مشاہیر کے خطوط اس نوعیت اور رنگ کے ہیں۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام اور پھر مکاتیبِ اقبال کا پورا سلسلہ فکر و سیاست اور قدیم و جدید مباحث کا پتہ دیتا ہے۔ غالبؔ کے خطوط جسے بہت سے لوگوں نے مرتب کیا، کسی نے حواشی چڑھائے اور کسی نے فارسی سے ترجمہ کیا، اپنی مثال آپ ہیں۔

مولانا غلام رسول مہرؒ نے بھی مرتب کیے اور پھر کئی جلدوں میں خلیق انجم نے بھی۔ خود مولانا غلام رسول مہرؒ کے خطوط پر مختار عالم حق نے حواشی لکھنا شروع کیے۔ مشفق خواجہ کے خطوط اور شبلی کے خطوط میں اگر خالص علمی و ادبی رنگ ہے تو یہ سلسلہ داؤد رہبر کے ''سلام و پیام'' میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ابوالکلام آزادؒ کے خطوط تو بہر حال ایک ایسا شاہکار بن گئے کہ ''غُبارِ خاطر'' نام پایا۔ یہ تاریخ لذیذ بھی ہے اور طویل بھی۔

خطوط کو جمع کرنا، ترتیب دینا اور پھر اس پر متعلقہ مقامات پر حواشی سے وضاحت کرنا کہ وہ وقت، وہ زمانہ، وہ شخصیت اور وہ واقعہ کیا تھا، خاصی دلسوزی اور دماغ سوزی کا کام ہے۔ اس کے لیے فکرونظر کی وسعت کے ساتھ ساتھ غیر جانبداری، وسعتِ قلبی اور برداشت بھی درکار ہوتی ہے۔ تحقیق وتنقید میں اعتدال وتوازن کا دامن پکڑنے یا چھوٹنے سے مؤلف ومرتب کی شخصیت کا اعتدال خود بخود سامنے آجاتا ہے۔ کبھی کبھی خطوط کو کوئی ایک فرد یا ادارہ جمع کرنے کا بیڑہ اُٹھاتا ہے جیسے جامشورو یونیورسٹی کے مجلّہ ''تحقیق'' کا مکاتیب نمبر یا ''نقوش'' کا ''خطوط نمبر'' اور ''مکاتیب نمبر''۔ غیر مطبوعہ اور نایاب خطوط حواشی کے ساتھ شائع کرنے میں ادبی اور علمی رسائل اکثر پیش پیش رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

خطوط چونکہ زیادہ تر ذاتی ہوتے ہیں اس لیے ان کو ایک جگہ جمع کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اگر یہ خطوط کسی ایک شخص یا ادارے کے نام ہوں تب بھی ستر اسّی سال تک ان خطوط کو ایک ترتیب سے رکھنا اور پھر اُن کو کئی جلدوں میں حواشی کے ساتھ شائع کرنا اور بھی مشکل کام بن جاتا ہے۔ پہلے پہل زیرِ نظر خطوط حضرت مولانا عبدالحقؒ کے نام آتے رہے اور جب ماہنامہ ''الحق'' جاری کیا گیا تو پھر ایک ادارہ اس کی ترتیب وتدوین کا ذمہ دار ٹھہرا۔ میں نے انجمن ترقی اُردو بورڈ کراچی میں جب مشاہیر کے ان خطوط کی تفصیل ڈاکٹر جاوید منظر اور پروفیسر سحر انصاری کے سامنے بیان کی تو وہ عش عش کر اُٹھے۔ فون پر مجلسِ ترقی ادب کے ڈائریکٹر پروفیسر تحسین فراقیؔ نے بھی یہی تبصرہ کیا کہ ہماری تاریخ اور جدید دینی ادب کا ایک بیش بہا خزینہ ہاتھ آیا ہے۔

پروفیسر سحر انصاری جیسے نابغۂ روزگار مصنف نے بتایا کہ میں ہندوستان میں یہ بات کئی سال پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان میں اُردو کا مستقبل ہمارے ہندوستانی دینی مدارس سے وابستہ ہے جو اُردو کو ایک علمی اور ادبی زبان کے طور پر ہندوستان میں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جس کو ان مشاہیر کے خطوط میں فیض احمد فیضؔ اور احمد ندیمؔ قاسمی کے سامنے ممتاز نقاد حسن عسکری نے کہی تھی کہ ''اگر اُردو کا معیاری نثر پڑھنا ہے تو وہ اکوڑہ خٹک سے شائع ہونے والے ''الحق'' رسالہ میں آپ کو مل سکتا ہے''۔ (جلد دوم۔ص۔۷۵) ''الحق'' کا اشاریہ جو راقم کو مولانا عبدالقیوم حقانی کی وساطت سے ملا ہے، حسن عسکری کی اس بات کی تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

جدید دینی ادب جس کے معماران میں ابولکلام آزادؒ، ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا مودودیؒ اور

ان کے ہم فکر رفقاء کا نام جلی حروف سے لکھنے کے مترادف ہے، صرف ایک دینی جماعت یا طبقے کو محدود نہیں ہے۔ دیوبند کے اکابر یا ان سے وابستہ افراد نے اس سلسلے میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ آہستہ آہستہ تحقیقی مقالات کی صورت میں سامنے آ رہے ہیں۔ ان خطوط میں جگہ جگہ ادبیات کے اسلامی تصور پر بھی مشاہیر کی آراء ملتی ہیں۔ مولانا علی میاںؒ نے مصنوعی اور تقلیدی ادب، مصنوعی اور غیر مصنوعی ادب اور پیشہ ور ادیب یا بہروپئے کی بحث چھیڑ کر ایک نئی راہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے (جلد دوم: ص ۳۸) مشاہیر کے یہ خطوط جس کی تقریب رونمائی ۲۰۱۱ء میں ہوئی متواتر ارتقائی عمل سے گزر رہے ہیں۔ چھٹی اور ساتویں جلدیں جنوری ۲۰۱۲ء کو منظر عام پر آئیں۔

آخری جلد میں تقریبِ رونمائی کی تقاریر اور تحسین و آفرین کے مضامیں بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ساتویں جلد جو (جہادِ افغانستان کے بارے میں ہے) کے آخر میں ان تمام مضامین کا اشاریہ دیا گیا ہے جو ''الحق'' میں ۱۹۶۹ء سے لے کر ۲۰۱۱ء تک افغانستان سے متعلق شائع ہوئے ہیں۔ علمائے کرام اور تاریخِ افغانستان کے محققین کے علاوہ ان میں طالبان رہنماؤں اور جنرل اسلم بیگ کے مضامین خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ سات سو سے زائد صفحات پر مبنی یہ جلد جدید تاریخِ افغانستان کے بارے میں بہت سے واقعات و حوادث اور نظریات و افکار کے بارے میں ایک مستند وستاویز ہے۔ امریکی صدر اوبامہ کی افغانستان پاکستان (Af-Pak) پالیسی سے تقریباً دس سال پہلے ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے مؤلف کے نام اپنے خط میں کیسی عجیب بات لکھی ہے کہ ''پاکستان افغانستان دونوں ایک ہو جائیں۔ یک جان دو قالب ہی نہیں بلکہ یک جان اور یک قالب بن جائیں اور مجھے اُمید ہے کہ ایسا لازماً ہوگا'' (جلد دوم: ص ۲۳۸) کیا یہ جملہ آج کے حالات میں انسان کو حیرت میں مبتلا نہیں کرتا؟ چھٹی جلد میں عالمِ اسلام اور بیرون ممالک کے مشاہیر، سیاسی رہنماؤں اور سفارت کاروں کے خطوط کو یکجا کیا گیا ہے۔ ان خطوط میں عالمِ عرب کو خصوصی طور پر یاد رکھا گیا ہے اور ان کا حصّہ زیادہ ہے۔ سعودی عرب اور اس کے حکمرانوں سے وابستہ توقعات کا نمایاں طور پر پتہ چلتا ہے۔ شاہ فیصل شہیدؒ اور خادم الحرمین شریفین شاہ فہدؒ کی وفات حسرت آیات پر حواشی تبصرے اور خطوط ''یادرفتگاں'' میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ دلچسپی کی بات یہ نظر آئی کہ شاہ فہدؒ کے جنازے میں جانے کے لیے صدر جنرل پرویز مشرف مولانا سمیع الحق کو خصوصی طیارے میں ساتھ اس لیے گئے کہ مولانا کے نظریات کا قبلہ درست ہو اور ان کی ''برین واشنگ'' ہو سکے مگر طرفہ تماشا یہ ہوا کہ مولانا نے جنازے میں جنرل پرویز

مشرف کو غلط سمت میں کھڑے دیکھ کر ان کا قبلہ درست کیا۔ مولانا کو ڈر رہا کہ کہیں کوئی کیمرے کی آنکھ جنرل مشرف کو دیکھ نہ لے کہ ان کا تو قبلہ ہی غلط تھا (جلد ششم: ص۵۰) کمال یہ ہے کہ اسی جلد میں مسلمانانِ عالم کی ایران سے متعلقہ توقعات کا بھی بھرپور ذکر ہے۔

خطوط میں سفر ناموں کا احاطہ بھی عجیب لطف پیدا کر رہا ہے۔ مولانا سمیع الحق اور اُن کے رفقائے سفر کو تہران میں سُنّی علماء نے بتایا کہ ''دونوں فرقے ایران میں خوش اسلوبی سے وقت گزارتے ہیں'' (ص ۲۶۷) ایران میں شیعہ سُنی فساد اور باہمی جھگڑے کے نہ ہونے کا خصوصی ذکر ہے۔ البتہ مولانا اور ان کے ساتھیوں کو ایرانی کھانوں میں مرچ مصالحوں کی کمی کی شکایت ضرور رہی ہے۔ مولانا نے کانفرنسوں کے حال احوال کے ساتھ اپنی سفری یادداشتیں جس انداز سے مختصراً لکھی ہیں جیسا کہ ''امام مسلمؒ کے دیس خراسان (ایران) میں چند روز'' اگر ان کو وسعت دی جاتی تو مولانا تقی عثمانی کے علمی سفر ناموں کی طرح ایک اور علمی سفر نامہ ہمارے ہاتھ آجاتا جس میں سفر کا حال کم اور تاریخِ اسلام کے شاندار ماضی اور موجودہ زبوں حال پر رونا زیادہ ہوتا ہے۔

بعض اوقات مؤلف کے کوئی دوست یا دارالعلوم کے کسی عالم نے بھی بیرون ملک سفر کے دوران کوئی خط لکھا ہے تو وہ بھی ایک مکمل سفر نامہ کی شکل اختیار کر چکا ہے جیسا کہ مولانا شیر علی شاہ کا مکتوبِ بغداد (جلد چہارم: ص۱۲۱۲) خود مؤلف کے اپنے والد کے نام خطوط میں عمرے اور حج کی تفصیلات بھی ایک علمی سفر نامے سے کم نہیں۔ ایک کانفرنس کے اختتام پر اتحاد ملّت کا جو نقشہ مختلف مکاتبِ فکر کے ۳۱/علماء نے تیار کیا تھا وہ بائیس نکات کا ضابطۂ اخلاق (جلد ششم: ص۲۹۵) تو آج بھی اپنے عمل پذیر ہونے کو ترس رہا ہوگا۔ محسوس ہوتا ہے حکومتی پالیسیوں کی طرح اتحاد بین الملّت بھی صرف کاغذی کارروائی تک محدود رہتا ہے۔ ان ''خطوط کے قاموس'' میں البتہ مستقبل کے مؤرخ اور نقاد کے لیے اِس قسم کی کارروائیاں محفوظ کر لی گئیں ہیں کہ مخصوص حالات کے پیدا ہونے پر مختلف طبقوں اور حلقوں کا کیا ردِّ عمل تھا؟ مشاہیر کے ان خطوط کا جائزہ کسی ایک مضمون میں نہیں سمایا جا سکتا۔ ان خطوط اور ان کی مختلف جہات پر الگ الگ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھنے چاہیئے۔ اس مختصر مضمون میں میں چیدہ چیدہ نکات کا بیان کروں گا۔

سب سے پہلی تحقیق طلب بات تو یہ ہے کہ پون صدی تک ان خطوط کو کیسے جمع کر کے محفوظ کیا جا سکتا ہے؟ یہ کہانی اس مجموعے میں صرف اتنی بیان کی گئی ہے کہ ابھی مؤلف کے کھیلنے کودنے کے دن

تھے اور سن یہی آٹھ نو کا تھا کہ خطوط کی ایک زنبیل ان کے والد کے نام کتابوں سمیت آتی تھی۔ پیغام رسانی کے دوسرے جدید ذرائع ابھی انسان کی فکری ایجاد میں لوٹ پوٹ رہے ہوں گے۔ مولانا پیشِ لفظ میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں: ''یہ خطوط میرے بچپن کے ذوق وشوق کا پہلے پہل سامان بن گئے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ دوات کی روشنائی کی خوشبو، قلم کی روانی کا نغمہ، صریر خامہ کا بانکپن اور رنگ برنگ لفافوں اور خطوط کی چمک دمک گویا میری گھٹی میں شامل ہوگئی تھی''۔ لاشعوری کے زمانے میں اپنے باپ کے سرہانے سبز رنگ کے مخملی تھیلے کو للچائی نظروں سے دیکھنے والا بچہ شعور کی زندگی میں اُسے عقیدت سے دیکھنے لگا۔ نتیجہ اس ''قاموس مکاتیب'' کی صورت میں نکلا۔

پون صدی کے اس حزم واحتیاط اور نظم وضبط کے مظاہرے نے ہندوستانی علماء کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے جن کا عمومی خیال اس خطے اور پختون قوم کے بارے میں یہ ہوتا ہے کہ شاید نظم وضبط (ڈسپلن)، ترتیب اور مینجمنٹ پختونوں کو چھوکر بھی نہیں گزری۔ مولانا نے اس خیال کی ایسی تردید کی ہے کہ خود مولانا محمد تقی عثمانیؒ جیسے محتاط عالم کو اس کا اظہار کرنا پڑا ہے۔ اس کہانی اور جمع مکاتیب میں زمانے کے اُتار چڑھاؤ بھی آئے ہوں گے جن کے بیان سے یہ خطوط خالی ہیں البتہ پیش لفظ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۱۰ء میں پختونخوا میں جو خطرناک اور تباہ کن سیلاب آیا اور دارالعلوم حقانیہ کی حدود میں بھی پانی پہنچ گیا تو مولانا باقی تمام چیزیں اور مال واسباب چھوڑتے ہوئے صرف ان خطوط اور اس کے ساتھ کے کمپیوٹر کو دارالعلوم کی ایک بلند عمارت کی چھت پر لے گئے کہ کہیں یہ قیمتی اثاثہ ضائع نہ ہو۔

پشتو کہاوت ہے کہ جب گھر تک بات آپہنچے تو صرف اپنی خیر منانی چاہیے مگر مولانا صاحب نے اسلاف کی ان یادگار خطوط کو بچانا ضروری اور مقدم سمجھا۔ اُردو زبان وادب اور تاریخ اسلام و پاکستان کیلئے ان کی یہ خدمت اور یہ جذبہ اس لائق ہے کہ ان کو اس کارنامے پر بجا طور پر پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگری عطا کی جاسکتی ہے۔ عوام اس کا اندازہ نہیں کر سکتے مگر مجھ جیسے تاریخ وادب کے طالب علم یہ بات جانتے ہیں کہ یہ کام بڑے بڑے ادارے نہیں کر سکتے جو ایک شخص کے بچپن کے کھلونوں سے شروع ہوکر میدانِ جنگ کی تلواروں تک علم وفضل کی تلاش وحفاظت کے جذبے نے ممکن بنایا ہے۔ اس کہانی کے کئی اہم موڑ پون صدی کے انسانی اور تاریخی واقعات وحوادث پر مبنی ہوں گے جس پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کی ضرورت موجود رہے گی۔

دوسری اہم بات یہ کہ ان خطوط میں ہندوستان و پاکستان کے اندر بر پا ہونے والی دینی و

سیاسی تحریکات کا بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔ ''تحریکِ ختم نبوت'' سے ''دفاع پاکستان کونسل'' تک کتنی ہنگامہ خیز تحریکات برپا ہوئیں وہ ان سات جلدوں میں جگہ جگہ دل کے ٹکڑوں کی طرح بکھری ہیں۔ یہ خطوط انہی تحریکات اور ان سے وابستہ شخصیات وقوانین کی ایک ایسی دستاویز ہے جس پر'' اُٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے'' کا مصرعہ پوری طرح صادق آتا ہے۔ بعض شخصیات کے بارے میں عام قاری کو علم نہیں ہوتا کہ وہ کس درجے کا عالم یا ذاتی طور پر کس قسم کے اخلاق کا مالک تھا۔ یہ کام مؤلف نے حواشی میں سرانجام دیا ہے۔ حواشی میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف نے کسی کا دل عمداً دُکھانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگر مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی شخصیت پر تفصیلی حواشی لکھے ہیں (جلد پنجم: ص۱۷۹۰) تو حیات محمد خان شیر پاؤ کی بھی تعریف کی ہے۔ (جلد اول: ص۱۸۳)۔

مخالف حلقۂ فکر کے مشاہیر کا ذکر بھی انتہائی محتاط انداز سے کیا ہے۔ لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان کے ایک طویل اور ملکی حالات پر ایک پُر سوز خط کے آخری کلمات کچھ اس طرح ہیں: '' میں پورے خلوص، دل سوزی اور حب الوطنی کے جذبے کے ساتھ یہ گزارش کروں گا کہ یہ وقت ذاتی اناؤں کی پرورش کا نہیں کیونکہ اگر خُدانخواستہ، خُدانخواستہ یہ ملک نہ رہا تو نہ کسی کی وزارت رہے گی اور نہ ان کی جرنیلی رہے گی۔ انہیں بھی لندن کے کسی ہوٹل میں ہیڈ ویٹر کی ملازمت ڈھونڈنی ہوگی'' (جلد اول: ص۱۱۲) مولانا نے حواشی میں اس شخصیت کا ذکر نہیں کیا ہے کہ لندن کے کس ہوٹل میں ان کو ہیڈ ویٹر کی ملازمت کرنی پڑی۔ معلوم نہیں یہ مولانا کی طبعی شرافت کا نتیجہ ہے یا اس بات کا اقرار ہے کہ اس ملک میں کئی اضلاع میں ڈپٹی کمشنر رہنے والی یہ شخصیت صدرِ پاکستان بھی رہ چکے ہیں۔ پھر بھی ان کے ریٹائرمنٹ کی ذاتی زندگی میں گزر اوقات کے لیے کچھ نہ تھا۔ لوگ اس ذہین اور نابغۂ روزگار صدر پاکستان جنرل سکندر مرزا کو کچھ بھی کہیں، بعض لوگ ان کی عظمت کی گواہی دیں گے کہ اس نے ہوٹل میں ویٹر بننا گوارا کیا، قدرت کی تقسیم پر تسلیم و رضا کا مظاہرہ کیا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا اور نہ ہی ملازمت کے بعد کسی بیرون ملک کے وطن دشمن اداروں اور این جی اوز میں کنسلٹنٹ بنا۔

مولانا سے اپیل ہے کہ اگلے ایڈیشن میں ان پر بھی ایسا ہی ایک حاشیہ لکھیں جیسا کہ اپنے مایۂ ناز شاگرد اور سیاست میں میرے ممدوح مولانا فضل الرحمان صاحب پر لکھا ہے۔ (جلد پنجم: ص۱۸۳۸) افسوس کہ مولانا فضل الرحمان کے تمام تر خطوط دارالعلوم میں طلباء کے داخلوں سے متعلق ہیں۔ وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے تھے۔ مولانا نے حواشی میں اگر چہ بہت زیادہ وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا ہے البتہ مولانا

مودودیؒ کا ایک عدد خط (جو قادیانیوں کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا ہے) کے نیچے حاشیہ مولانا مودودیؒ کی شخصیت سے زیادہ جماعت اسلامی کے بارے میں ہے۔ میری نظر میں اس حاشیہ پر اگر اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کی کیا جائے تو مناسب ہوگا اس لیے کہ مولانا کی شخصیت، علمیّت اورتحریروں پر اِن خطوط میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے اور جماعت اسلامی کی سیاست خصوصاً جس دور کے بارے میں مؤلف نے لکھا ہے مولانا مودودیؒ سے بہت بعد کی باتیں ہیں۔ جماعت اسلامی والے تو اپنا دفاع خود کریں گے البتہ مولانا مودودیؒ کی عالمانہ شان اور جرأت کے بارے میں یہ حاشیہ زیادہ نہیں جچتا۔ (جلد دوم: ص۶۱)

ان خطوط میں ایک مزے کی چیز مشاہیر کے قلمی معرکے ہیں۔ مولانا مدار اللہ مدار کے خطوط (جلد پنجم: ص۲۰۱۲) اور ہندوستان کے خان غازی کابلی کے خطوط (جلد سوم: ص۴۷۷) اس کا نمونہ ہیں۔ ایک نہیں درجنوں مشاہیر کے خطوط میں کسی علمی کتاب کا محاکمہ ہے یا کسی مضمون کے مندرجات پر تنقیدی رائے کا اظہار ہے۔ ان قلمی معرکوں میں کئی علمی و تاریخی مباحث کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان پر مستقل مضامین لکھنے کی ضرورت آج بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر باچا خان مرحوم سے متعلق ابوعمار قریشی کا خط (جلد دوم: ص۸۵)، نظریۂ پاکستان اور بانیٔ پاکستان سے متعلق ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری کے خطوط (جلد دوم: ص۸۰)۔ پروفیسر محمد اسلم کا قاضی عبدالحلیم اثرؔ افغانیؒ کی لغزش پر خط کہ کیا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، ابوالکلام آزادؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ حسنی سیّد تھے یا ان کا سادات سے حسب و نسب کا کوئی واسطہ نہیں ہے؟ یا پروفیسر محمد اسلم کا یہ سوال اُٹھانا کہ کیا مولانا عبدالماجد دریابادی قادیانیوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے؟ (جلد دوم: ص۲۵۴) محمد اعظم علی خان خسروی کا اقبالؔ پر زبردست قلمی حملہ اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی خاموشی بھی خاصے معرکے کی چیز ہے (جلد دوم: ص۳۳۲) یہ پون صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں۔ ہر جلد میں اس قسم کے مناظرانہ اور معاصرانہ معرکوں اور چشمک پر مبنی درجنوں خطوط کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ ''الحق کے قلمی معرکوں'' کے نام سے ان خطوط کی روشنی میں متعلقہ مضامین سمیت کم از کم کوئی ایم فل کا مقالہ لکھا جا سکتا ہے جو خود ایک معرکے کی چیز ہوگی۔

ایک اور مزے کی چیز کتابوں پر تبصرے ہیں۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ عبدالرشید ارشد کی طرف سے ''بیس بڑے مسلمان'' پر تبصرہ میں سرقہ اور علمی بددیانتی کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں

(جلد پنجم: ص۱۸۱۲) بعض اوقات مکتوب نگار نے کسی اہم مسئلے پر کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس کی تو ''الحق'' کی وساطت سے یہ سوال اُٹھایا کہ اس اہم موضوع پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے جس سے ظاہر ہے کہ علما اور مصنفین کو ایک تحریک ملتی ہوگی جیسا کہ قاری فیاض الرحمان ہزاروی کی ۱۹۷۱ء سے تادمِ اشاعت ۳۷ عدد خطوط کا تمام تر محور علمی اور سوانحی کتابوں کا تذکرہ ہے (جلد پنجم: ص۱۸۶۷) یا پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی کے خطوط (جلد پنجم: ص۲۲۰۹) کیسی عجیب بات ہے کہ این جی اوز کے موجودہ شور شرابے سے ۳۴ سال قبل ڈاکٹر محمد یوسف نے یہ دہائی دی کہ اسلام میں بچوں کی قدر و قیمت، حقوق اور تعلیم و تربیت پر مزید لکھا جائے۔ ان کا مضمون اس بارے میں ''الحق'' میں چھپ چکا تھا۔ بعض کتابوں پر تنقیدی خطوط بھی اہم ہوتے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی کتاب پر ڈھا کہ سے ۱۹۶۸ء میں مولانا محی الدین کا خط (جلد پنجم: ص۲۰۰۵) بعض اوقات مصنفین نے اپنی کتابیں ارسال کرتے ہوئے خطوط بھی لکھے ہیں جیسا کہ مشہور عالم محقق فضل احمد عارف کے خطوط کہ آج اگر اُن کی کتابیں بازار سے دستیاب نہ ہوں پھر بھی پڑھنے والے کو ان کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے۔ (جلد پنجم: ص۱۸۳۵)

خطوط کے اس عظیم الشان مجموعے سے گویا ''کتابیات'' کا ایک دبستان کھل جاتا ہے۔ بعض اوقات خطوط میں بڑے معرکۃ الآراء مضامین پر فقیہانہ بحث ملتی ہے جیسا کہ قاضی عبدالکریم کلاچوی کے خطوط اور بالخصوص خط نمبر ۱۵ جو خودکش حملوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں ہے (جلد چہارم: ص۱۵۷۶) اور بعض میں بڑے تاریخی مباحث سمٹ آئے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط (جلد سوم: ص۷۰۹) جہاد افغانستان کا ذکر تو ایک الگ جلد میں ہے البتہ مولانا بشیر احمد شاد کا اگست ۱۹۹۹ء کا خط کتنا چشم کشا ہے جب کہ مکتوب نگار نے مسلمانوں کو بر وقت خبردار کیا تھا کہ امریکہ طالبان، افغانستان اور اسامہ بن لادن پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ (جلد دوم: ص۴۸۸)۔

خطوط میں ذاتی گپ شپ ، بیماری اور عیادت کے احوال، کتابوں اور تحفے تحائف کی رسیدیں تو ہوا کرتی ہیں۔ خطوط اُس وقت ایک اور طرح کا علمی شہ پارہ بن جاتے ہیں جب اس میں پورے کے پورے سوالنامے درج کیے جائیں۔ ان خطوط میں جگہ جگہ ایسے سوالنامے ملتے ہیں جن سے مشاہیر کے نزدیک اہم مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر قبلہ آیاز (حالیہ وائس چانسلر، اسلامیہ کالج یونیورسٹی) نے ایک خط مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق سے متعلق سوالات پر مؤلف کو بھیجا

تھا۔ ایک سوالنامہ بطور خط سینیٹر پروفیسر خورشید احمد (جماعت اسلامی والے) نے اسلامی مدارس میں اصلاحات کے بارے میں ارسال کیا تھا۔ (جلد سوم:ص۷۸۷) دینی مدارس سے متعلق اس قسم کے بعض سوالات مولانا تقی عثمانی نے بھی اُٹھائے ہیں۔ (جلد اول:ص۱۵۲) کیا یہ سوالات آج بھی تشنہ لب نہیں ہیں؟ کیا ان سوالات کا کوئی جواب ہم سے بن پڑا ہے؟ یہ سوالات کئی سال پہلے بھی اہم تھے اور آج بھی اہم ہیں۔ خود مولانا مؤلف کا سوالنامہ ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' بھی کافی چشم کشا، غور طلب اور پریشان کن سوالات پر مبنی ہے۔ ایک سوالنامہ جو میر شکیل الرحمان کی طرف سے ہے بڑا ہی دلچسپ ہے جس میں اسلام میں عورتوں کے کھیل کو دیعنی کرکٹ ہاکی، سوئمنگ یا مردوں کے سامنے کھیل کھیلنے کی شرعی حدود کے احکام دریافت کیے گئے ہیں (جلد اول:ص۲۸۷۔۲۸۶)

معلوم نہیں ان بارہ سوالات پر مبنی سوالنامے کا کیا جواب دیا گیا تھا مگر یہ شاید اُس زمانے کی بات ہو جب آتش جوان تھا اور پسینے سے گلاب کی خوشبو آتی تھی۔ موجودہ دور کے اخبارات اور ٹی وی چینلز اور ''میرا سلطان'' جیسے ڈرامے دیکھنے کے بعد اس قسم کے سوالناموں کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں رہی ہے کہ غلامی میں بدلتا ہے قوموں کا ضمیر۔

خطوط کے اس قاموس کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے حفظ مراتب کے نہ رکھنے کے الزام سے حفاظت کے طور پر کی گئی ہے۔ ہر جلد کے پیچھے معروف مشاہیر اور مشہور سیاسی رہنماؤں کے نام درج ہیں۔ یہ کوئی پانچ سو سے زیادہ مشاہیر کے نام ہیں جبکہ اس قاموس میں کل پندرہ سو سے زائد مشاہیر کے خطوط سات ضخیم جلدوں کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ حواشی کے علاوہ ایک مکتوب نگار کے مضامین اگر ''الحق'' میں شائع ہوئے ہوں تو ان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جیسا کہ مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ (جلد دوم:ص۲۸۷) اور مولانا غلام محمدؒ (جلد پنجم:ص۱۸۱۷) کے مضامین کی تفصیل۔ دونوں سید سلیمان ندویؒ کے اجل خلفاء تھے۔ یہ اس قاموسِ مکاتیب کا خاص انداز ہے۔

بعض اوقات ایسے خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں جس میں اچھا خاصا گلہ شکوہ اور تند و تیز انداز بھی ہوتا ہے مثلاً نوابزادہ محمد علی خان ہوتی کا خط جو ''الحق'' کے ایک اداریے سے متعلق ہے۔ یہ مؤلف کی غیر جانبداری کا ایک نمونہ ہے کہ اس خط کے ساتھ وہ اداریہ بھی نقل کیا ہے جس سے مکتوب نگار کو شکوہ اور رنج ہوا تھا (جلد پنجم:ص۱۹۷۶ء) قارئین کو خطوط میں درج مباحث کو دریافت کرنے کے

لیے آسانی یہ پیدا کی گئی ہے کہ خطوط کے اوپر عنوانات بھی دیئے گئے ہیں اس لیے کسی بھی ایک صاحب کا خط آسانی سے ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ حوالہ دینے کے لیے مکتوب نگار کے خطوط اگر ایک سے زیادہ ہوں تو با قاعدہ زمانی اعتبار سے اس کو نمبر دیئے گئے ہیں اور کسی بھی خط کا حوالہ انتہائی آسان بنا دیا گیا ہے۔ تحقیق کے شائقین کے لیے یہ کام جتنا آسان بنایا جا سکتا ہے، مؤلف نے اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

مشاہیر کے خطوط کے نمونے بھی یادگار کے طور پر شائع کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا نمونہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کا ہے۔ تبرک اور شہادت دونوں جمع ہوئے ہیں۔ بعض خطوط عربی اور بعض پشتو اور انگریزی میں ہیں جن کو من وعن نقل کیا گیا ہے۔ کسی کسی جگہ انگریزی اور پشتو خطوط کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے مگر یہ کیفیت ہر جگہ یکساں نہیں ہے جس سے ایک گونہ تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ پشتو زبان میں سب سے خوبصورت خطوط حاجی محمد امین ترنگزئیؒ (جلد اوّل: ص ۱۱۸) اور شیخ الحدیث مولانا امین گل کھوئیؒ برمول (جلد دوم: ص۔۴۳۱) کے ہیں۔ اول الذکر نے راقم کی والدہ ماجدہ کو قرآن پڑھایا کہ میرے نانا مولانا نذر محمدؒ کے دوست اور شیخ تھے اور مؤخر الذکر سے راقم نے کئی پارے دورۂ تفسیر میں پڑھے اور اکثر ان کے درس میں شامل رہتا تھا۔ اپنے پیرومرشد مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کے خطوط سمیت ان سب مشاہیر کے خطوط دیکھ کر دیر تک میری آنکھوں میں آنسو تیرتے رہے۔

ان خطوط سے ایک محقق کئی عالمانہ دفتر نکال سکتا ہے اور کوئی شرارت پسند طالب علم ایک شرارتی کرائم رپورٹر کی طرح کئی گھڑے مردے اُکھاڑ کر کئی زخم تازہ کر سکتا ہے۔ میں بھی چاشنی اور لطف کے لیے ایسے درجنوں نکات نکال سکتا ہوں مگر مقصد اِن خطوط کی علمی، تاریخی، تہذیبی، دینی، سیاسی اور ادبی حیثیت کو اُجاگر کرنا تھا جو کہ اس ایک مضمون میں قطعاً نہیں ہو سکتا۔ آٹھویں جلد کا انتظار رہے گا۔ خوفِ فسادِ خلق سے جو ناگفتنی رہ گئی تھی وہ اب ان خطوط میں پوری آب و تاب کے ساتھ تاریخی دستاویز کی شکل میں موجود ہے۔ مولانا مؤلف نے اپنے اشاعتی ادارے ''موتمر المصنفین'' اکوڑہ خٹک، نوشہرہ سے شائع کیا اور سات جلدوں کی قیمت دو ہزار پانچ سو روپے رکھی جو کہ انتہائی مناسب ہے۔ رہے نام اللہ کا۔

مولانا ابن الحسن عباسیؒ
مہتمم جامعہ تراث الاسلام، کراچی

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حیران کن کارنامے

مولانا ابن الحسن عباسی صاحبؒ، ملک کی معروف علمی، ادبی شخصیت، ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے سابق مدیر، ماہنامہ 'الفاروق'' کے وقائع نگار، قلم و کتاب اور تصنیف و تالیف کے حوالے سے ایک محبوب نام کراچی میں جامعہ تراث الاسلام کے مؤسس و مدیر ماہنامہ ''النخیل'' کے مدیر اعلیٰ، علمی حلقوں میں جانی پہچانی اور محبوب شخصیت، شیخ الحدیث مولانا سمیع الحقؒ سے قلبی محبت اور والہانہ تعلق خاطر تھا۔ پیش نظر مضمون ان باطنی کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ (ادارہ)

استاد المجاہدین شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو نومبر جمعہ کے دن راولپنڈی میں شہید کر دیئے گئے، وہ اکوڑہ خٹک سے تحفظ ناموس رسالتؐ کے جلسے میں شرکت کے لیے اسلام آباد آئے تھے لیکن راستے بند تھے اس لئے بحریہ ٹاؤن کے گھر میں محصور رہے، مغرب سے پہلے ڈرائیور کچھ دیر کے لئے باہر نکلا تو قاتلوں نے گھر میں گھس کر خنجر اور چھری کے وار کر کے پاکستان اور عالم اسلام کی اس بزرگ ہستی کو بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا۔

کاروان جہاد کے ہزاروں شہیدوں کے مربی

حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ پاکستان میں جہاد افغانستان کی ایمان افروز داستانوں کی شناخت رکھنے والے کرداروں کے استاذ و مربی تھے، وہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے سربراہ تھے، جہاں سے جہاد و عزیمت کیلئے اٹھنے والے قافلوں نے افغانستان کی وادیوں میں ایک لہو رنگ تاریخ مرتب کی۔

مارچ ۲۰۱۸ء کو آپ بیمار ہوئے، دل کا بڑا آپریشن تھا، آپ اسپتال میں داخل تھے،

احقر نے اس وقت ''اکوڑہ خٹک کا چراغ ٹمٹمانے لگا'' کے عنوان سے ان پر مضمون لکھا، آپریشن کی رات وہ پورا مضمون ان کے صاحبزادے، ماہنامہ الحق کے مدیر برادر مکرم مولانا راشد الحق سمیع صاحب نے انھیں سنایا اور مجھے یہ برقی پیغام بھیجا: ''السلام علیکم! برادرم، بہت شکریہ، جزاک اللہ خیرا، حضرت والد صاحب کو میں نے آپ کا مضمون تفصیل سے سنایا، انہوں نے بہت دعائیں آپ کو دیں اور خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں، دعاؤں میں بھی انہیں یاد رکھیں، آپ سے بات کروانے کی کوشش بھی کروں گا۔حضرتؒ نے صحت مند ہونے کے بعد فون کیا، تفصیلی بات ہوئی اور بہت دعائیں دیں۔

قابل رشک زندگی اور قابل رشک موت

اللہ تعالیٰ نے ہزاروں شہیدوں کے اس استاد و مربی کی قسمت میں شہادت کی سعادت لکھی تھی، وہ ۸۳سال کی عمر میں جمعے کے دن عصر کے بعد بوڑھے نحیف جسم پر بہنے والے مظلومانہ خون کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے، زہے مقدر زہے نصیب، قابل رشک زندگی اور قابل رشک موت۔

مرے خاک و خوں سے تو نے کیا یہ جہاں پیدا
صلہ شہید کیا ہے، تب و تاب جاودانہ

اب ذرا وہ مضمون پڑھیں جو ان کی حیات ہی میں لکھا گیا اور جنہیں پڑھ کر انہوں نے بیش بہا دعاؤں سے نوازا۔

اکوڑہ کا ٹمٹماتا چراغ

استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کا نام گرامی محتاج تعارف نہیں، وہ ایک ہمہ پہلو شخصیت ہیں اور ان کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے، ویسے تو وہ پاکستان میں ایک سیاسی اسلامی رہنما کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے ہیں اور عوام کی ایک بڑی تعداد میں ان کی شناخت کا یہی حوالہ معروف ہے لیکن اس ناکارہ کے نزدیک ان کی شخصیت کا علمی حوالہ اس سے کہیں بلند ہے۔

دارالعلوم حقانیہ ایک عظیم دینی ادارہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان ہی نہیں برصغیر پاک و ہند کا بڑا دینی ادارہ ہے، جہاں سے ہر سال دستار فضیلت حاصل کرنے والے فضلاء کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہوتی ہے ملک و ملت کے کئی ممتاز رہنما اسی ادارے کے فاضل اور تربیت یافتہ ہیں، جہادِ افغانستان کی صف اول کی قیادت یہیں کی خوشہ چین رہی، مولانا محمد نبی، مولانا یونس حقانی، مولانا جلال الدین حقانی اور ملا برادر اسی چشمہ فیض سے وابستہ رہے اور ''دارالعلوم حقانیہ'' ہی کی نسبت سے خود کو حقانی کہتے رہے، پاکستان میں اسلامی سیاست کے صفِ اول کے رہنماء حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ بھی اسی ''دارالعلوم حقانیہ'' کے فاضل ہیں، انہوں نے علوم دینیہ کی تقریباً ساری تعلیم یہیں حاصل کی اور نو سال تک یہاں سے طالب علمانہ فیض اٹھاتے رہے۔

دارالعلوم حقانیہ کی ترقی میں مولانا سمیع الحق کا کردار

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے جس انداز سے اپنے عظیم والد کے بعد اس ادارے کو بڑھایا، سنوارا اور اس کے فیض کو عام کرنے کے لیے ممتاز محدثین اور اساتذہ کو جمع کر کے وہاں کے منصب درس و تدریس کی رونقوں کو نہ صرف یہ کہ بحال رکھا بلکہ اسے مزید جلا بخشی، یہ ان کے تدبر، فہم و بصیرت، علمی ذوق، علمی میراث کے تحفظ اور اہل علم کی قدر دانی کا ایک نمونہ ہے، انہوں نے اس علمی ادارے کی آبیاری میں سیاسی پگڈنڈیوں کے پیچ وخم اور ذاتی پسند و ناپسند سے بالاتر ہوکر بڑی وسیع الظرفی کا مظاہرہ قائم رکھا، ان کی اسی مدبرانہ پالیسی اور مومنانہ صفات کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم حقانیہ آج بھی طالبان علوم نبوت اور اہل حق کے سیلِ رواں کا پاکستان میں سب سے بڑا مرجع ہے۔

میدان صحافت اسلامی کا ایک عظیم نام ماہنامہ ''الحق''

مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا ایک بڑا کارنامہ ماہنامہ ''الحق'' کا اجرا ہے جو گزشتہ نصف صدی سے روشنی بکھیر رہا ہے، ''الحق'' نے ایوانوں اور بیابانوں میں حق کی صدا بلند کی اور عرصے تک ویران راستوں کے اندھیروں میں قندیلِ ایمانی بنا رہا، نہ جانے بھٹکے ہوئے کتنے مسافر اس سے درست سمتوں کی رہنمائی لیتے رہے!!

مولانا سمیع الحق کے ولولہ انگیز اداریے

''الحق'' کا جب بھی ذکر آتا ہے، مجھے فکر و خیال، عمر رواں کی تلخ و شیریں حقیقتوں سے آزاد کر کے بچپن کی حسین دنیا کی دل کشیوں میں لے جاتا ہے، دریائے اباسین کے ساتھ گاؤں کی مسجد، جہاں لکڑی کی سیاہ رنگ کی الماری کے اوپر ''الحق'' کی جلدیں پڑی رہتیں، انہیں اٹھاتا، عمر ابھی گیارہ بارہ برس ہی ہوگی، ان میں مولانا سمیع الحق صاحب کے ولولہ انگیز اداریے پڑھتا، ان کے قلم کی روانی و سلاست اور مدوجزر کی حلاوت آج تک محسوس ہو رہی ہے، اس مسجد کے بورزہ پر بیٹھ کر خان بابا غازی کابلیؒ کے مضامین پڑھے۔

مولانا شمس الحق افغانیؒ کی تحریریں دیکھیں، مضطر عباسیؒ، مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کی تحقیقات نظر سے گذریں، مولانا عبدالحق صاحبؒ کے مواعظ و نصائح کا مطالعہ کیا اور مدینہ منورہ میں مقیم اپنے خاندان کے بزرگ مولانا عبدالغفور عباسیؒ کی اصلاحی مجالس اور ملفوظات سے مستفید ہوا، جنہیں مولانا سمیع الحق صاحب نے وہاں رہ کر قلم بند کیا، آزادئ ہند کے رہنماء حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ، نابغہ روزگار محدث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ اور سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ و محدث مارتونگ باباؒ سے تعارف ہوا یہی پر استاذ محترم مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی وہ نظم پڑھی جو انہوں نے چاندنی رات میں دریائے کابل کی سیر کرتے ہوئے کشتی میں مولانا سمیع الحق صاحب اور دیگر احباب کو سنائی تھی، جس کا سرنامہ ہے:

تو حسن کا پیکر ہے تو رعنائی کی تصویر
مخمور بہاروں کے حسین خواب کی تعبیر
رخشاں ہے تیرے ماتھے پہ آزادی کی تنویر
اے وادی کشمیر ...... اے وادی کشمیر

''الحق'' معروف نقاد حسن عسکری مرحوم کی نظر میں

''الحق'' نے علمائے سرحد کی سوانح و حیات اور ان کے علمی کارناموں کے تعارف میں بھی مرکزی کردار ادا کیا اور علم و ہنر کے گنج ہائے گراں مایہ ''الحق'' ہی کے ذریعے متعارف ہوئے ''الحق'' کے معیار کا

اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک زمانہ میں اردو کے نامور ادیب اس پر بحث کر رہے تھے کہ اردو رسائل و جرائد میں سب سے عمدہ نثر کس رسالے کی ہے؟ اس مجلس میں پروفیسر حسن عسکری بھی تھے، سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اکوڑہ خٹک کا ''الحق'' سب سے بہترین نثر کا حامل رسالہ ہے۔

پختون وادی سے نکلنے والے اس مجلّہ نے اہل زبان وادب میں اپنے معیار کی بنا پر جس طرح حیران کن پذیرائی حاصل کی، اسی طرح مولانا سمیع الحق صاحب کا حیران کن کارنامہ مشاہیر کے خطوط و مکاتیب کا زیرنظر مجموعہ ہے، جو سات ضخیم جلدوں میں مرتب ہو کر شائع ہوا۔ اس ناکارہ کے نزدیک یہ اردو ادب کی تاریخ مکاتیب وخطوط کا خاتمہ اور مولانا سمیع الحق صاحب کے علم اور اہل علم کی قدر دانی کی حیران کن لازوال مثال ہے کہ انہوں نے معروف اور غیر معروف تمام حضرات کے خطوط اپنے پاس محفوظ رکھے، یہاں تک کہ اگر کسی نے ان کو کسی تقریب کی دعوت دی ہے یا کسی تہوار اور خوشی پر مبارکباد دی ہے اسے بھی انہوں نے محفوظ رکھا، یہ ان تاثرات کا ایک حصہ ہے جو کچھ عرصے قبل احقر نے مولانا سمیع الحق صاحب کے مرتب کردہ خطوط کے مجموعہ کیلئے لکھے تھے، آج معلوم ہوا کہ مولانا بیمار ہیں اور شفا خانہ میں داخل ہیں، وہ دل جو نصف صدی سے زیادہ عالم اسلام اور پاکستان کیلئے دھڑکتا رہا، شاید بہت تھک چکا ہے۔

مولانا سمیع الحقؒ کی آخری آرزو

بستر علالت پر ان کی ایک آرزو یہ ہے کہ اپنے استاد مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے تفسیری افادات پر جو عظیم الشان علمی کام وہ کر رہے ہیں، اس کے زیادہ پارے کئی ہزار صفحات میں مکمل ہو چکے ہیں، بقیہ کچھ پاروں کا کام بھی مکمل ہو جائے! حقیقت یہ ہے کہ انہی کا قلم اس کا مستحق ہے کہ اپنے استاد وشیخ کے تفسیری نکات وافادات کو جمع کرے، دوسری آرزو اس عظیم الشان مسجد کی تکمیل ہے جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے احاطے میں زیر تعمیر ہے، اللہ تعالیٰ ان کی دونوں آرزؤں کو پورا فرمائے، ان کو صحت عطا فرمائے اور جلد عطا فرمائے، آمین

تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشی من عرار

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی

ولی اللّٰہی نہج پر ایک نئی تفسیری کاوش

تفسیر امام لاہوریؒ: مولانا سمیع الحق کا ایک قابل تحسین کارنامہ

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے عینِ حیات میں لکھی گئی یہ تحریر جو ''الحق'' میں بھی شائع ہوئی، اس لئے اس تحریر میں صیغے سارے ان کی حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دورانِ مطالعہ اس کو ملحوظ رکھیں۔ (اِدارہ)

قرآن کریم حق تعالیٰ شانہٗ کا معجزاتی کلام ہے، اس کے اعجاز کا ایک متواتر ثبوت یہ بھی ہے کہ قرنِ اول سے تاحال اس کلام معجز کے اسرار وحکم اور معانی ومطالب کے بحر ذخار سے علماء راسخین اپنے اپنے دامن بھرتے چلے آرہے ہیں مگر کوئی بھی اس بحر ذخار کی تہہ تک رسائی کا دعویٰ نہیں کرسکا، لاکھوں کی تعداد میں تفاسیر وجود میں آنے کے باوجود کوئی یہ نہیں کہہ سکا، نہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن کے عجائب وغرائب میں میری کوشش ہی انتہا ہے، باوجودیکہ بعض خاصانِ اللہ پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے افاضۂ خاص کا معاملہ بھی رہا۔

ہاں! یہ ضرور ہوا کہ ہر لاحق نے سابق کی تعبیر وتاویل کے لیے انداز والفاظ کی ندرت کا سہارا لینے کی کوشش بہرحال جاری رکھی۔ یہ سلسلہ جب بارہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں داخل ہوا تو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی صاحبؒ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) کے ذریعہ قرآن کریم کی تفہیم کے منفرد انداز متعارف ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن کریم کی تفہیم، تعبیر اور تاویل کے لیے سابقہ تفسیری اسالیب سے ہٹ کر قرآن میں تدبر واعتبار کا ایک ایسا انداز دیا جو نہ صرف قرآنی تعبیر کی نئی نہج تھی بلکہ قرآنی تعبیر کے لیے کسی نئی نہج کی گنجائش کا عملی ثبوت بھی تھا تاہم آپ کی اختیار کردہ نئی نہج کی جدت کے مسلّم بننے کے لیے تعبیر وبیان تک محدود ہونے کی شرط یہاں بھی نظرانداز نہیں رہی، بلکہ آپ کی آراء، تأویلات اور توجیہات کو مقام حجت پر ماننے کے لیے اہل علم نے باقاعدہ شرط رکھی

خود شاہ صاحبؒ کی وصیت بھی تھی کہ آپ کی آراء قبولِ اخبار کے مسلمہ اصولوں اور روایات کے اعتباری معیارات سے متصادم نہ ہوں۔

چنانچہ اس نہج پر حضرت شاہ صاحبؒ کی محنتِ شاقہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی خاص رہنمائی ومعاونت شامل حال رہی اور شاہ صاحبؒ کا قرآنی تدبر واعتبار کسبی علوم پر مستزاد، وہبی ولدنی علوم سے آراستہ وپیراستہ بھی رہا، جسے حضرت شاہ صاحبؒ فرطِ جذبات میں تجلیاتِ ربانیہ سے استفاضہ اور براہِ راست تلمذِ قرآنی سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

> اس طریق سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام عزیز کے ایسے عجائب وغرائب مجھ پر منکشف فرمائے ہیں جو شاید اس سے قبل بہت کم لوگوں پر منکشف ہوئے ہوں، مثلاً: تأویل، توجیہ، تنقیح علوم خمسہ، خواص القرآن اور ''فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن'' میں تقریب، تخصیص اور تعمیم وغیرہ کا التزام شاہ صاحبؒ کا منفرد امتیاز ہے۔ (الفوز الکبیر)

شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے یہ درس ملتا ہے کہ عجائب قرآنیہ تک رسائی کے لیے کسبی ووہبی علوم کا دروازہ وسیع تر ہے۔ ان عجائب قرآنیہ کو کسی بھی نئے تعبیری ظرف میں محفوظ ومنتقل کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ قرآنی اعجاز کا مظہر بھی ہے۔ ہر چند حضرت شاہؒ نے جب قرآن حکیم کو اپنے غور وفکر کا محور بنایا تو اس کی بدولت ہندوستان میں یہ سنتِ حسنہ قائم ہوئی کہ قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کو مستقل دینی مشغلہ کے طور پر اپنانا قرآن حکیم کا لازمی حق ہے، چنانچہ آپ کے اس تفسیری ذوق کو آپ کے نامور صاحبزادگانِ گرامی نے بھی خوب خوب نبھایا، آپ کے فارسی ترجمہ قرآن ''فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن'' کے تقریباً ۵۵؍ سال بعد آپ کے فرزند ارجمند شاہ عبد القادر دہلویؒ (متوفی: ۱۲۳۰ھ) نے ''موضح القرآن'' کے نام سے ۱۲۰۵ھ میں بامحاورہ اردو ترجمہ لکھا جو قرآن کریم کا سب سے اولین اردو ترجمہ تھا، ترجمہ کے ساتھ مختصر ضروری فوائد بھی رقم فرمائے تھے۔ یہ ترجمہ بامحاورہ ہونے کے باوجود مدلولِ قرآنی کے قریب تر ہے، مدلولِ قرآنی کو محاورۂ زبان پر قربان کرنے کی خرابی سے مبرّا ہے۔

دوسرا ترجمہ شاہ عبد القادرؒ کے بھائی شاہ رفیع الدین دہلویؒ (متوفی: ۱۲۳۳ھ) نے کیا جو تحت اللفظ ترجمہ تھا، یہاں ترجمہ کے لفظ کو قرآن کے لفظ کے قریب رکھنے کا اہتمام ملحوظ رہا تاکہ کم استعداد والے لوگ لفظی ترجمہ بآسانی سمجھ سکیں، اسی دور میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ

(متوفی:۱۲۳۹ھ) نے ۱۲۰۸ھ میں فارسی زبان میں قرآن کریم کی مبسوط تفسیر لکھنا شروع کی جو حقائق ومعارف میں بلاشبہ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر کے ہم پلہ تھی مگر وہ پوری نہ ہوسکی، اس کا کچھ حصہ تفسیر عزیزی کے نام سے متداول ہے۔ الغرض ہندوستان میں ترجمہ وتفسیر کا سنگ بنیاد حضرت شاہ صاحبؒ اوران کے صاحبزادگانِ گرامی نے رکھا۔ پھر یہ فکر حضرت شیخ الہندؒ کی طرف منتقل ہوئی اور اُنہوں نے مالٹا کی قید کے دورِ تنہائی کے مراقبوں اور سوچوں کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا کہ امت کو راہِ زوال سے واپس لانے کے لیے قرآن حکیم کو اپنی تدریسی محنتوں کا محور بنانے کی ضرورت ہے، اس فکر باکرامت کے نتیجہ میں آپ نے دورانِ قید ہی قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر لکھنا شروع فرمایا جو بعد میں آپ کے نامور شاگرد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تکمیل کے ساتھ متعارف ومتداول ہوا۔اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کے ایک اور نامور شاگرد حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ۱۳۲۵ھ میں ''بیان القرآن'' لکھی، جسے اردو تفاسیر میں وہی مقام حاصل ہے جو عربی تفاسیر میں تفسیر جلالین کو حاصل ہے جو اپنی افادیت، جامعیت اور مقبولیت میں ثریٰ سے ثریا تک پہنچ گئی ہے۔ (ابتدائیہ، معارف القرآن، حضرت کاندھلویؒ)

قرآن کریم کو مستقل جداگانہ امتیازی اہمیت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کا رواج جب عام ہوا اور اہل علم واصحاب دانش نے حضرت شیخ الہندؒ کی تشخیص کے مطابق امت کو راہِ زوال سے بام ترقی کی طرف لانے کے لیے قرآنی تعلیم، درسِ قرآن اور ترجمہ وتفسیر کی اہمیت کا جہاں ادراک کیا، وہاں اس اہم کام کی آڑ لے کر تجدد پسندوں کی ایک بڑی کھیپ نے قرآن کریم کو اپنے تجدد پسندانہ مغربی یا استشراقی افکار کی تخریج وتبلیغ کا ذریعہ بھی بنالیا، جس کے نتیجے میں اعتزالِ قدیم نئی تعبیر کے ساتھ فکری وبا بننا شروع ہوگیا۔ اس سلسلے میں حمید الدین فراہی کا مدرسۃ الاصلاح اور سرسید احمد خان کا مکتبِ فکر طاقت ور فکری وعلمی اور فلسفی فتنے کے طور پر رونما ہوئے جنہوں نے قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے نام پر تأویل وتحریف کا فریضہ نامرضیہ ادا کیا اور قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب وتمدن سے ہم رنگ یا تابع محض ثابت کرنے کی خدمت انجام دی۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے بقول ان آزاد مفسروں کی ہمہ تن یہ کوشش رہی کہ لفظ عربی ہوں اور معنی مغربی ہو اور یورپ کے ملحدین کے خیالات کو قرآن کے نام سے مسلمانوں میں پھیلایا جائے۔ یہ گروہ قرآن کریم کا مترجم اور مفسر نہیں بلکہ یورپ کے نفسیاتی تمدن کا مترجم ہے۔ حضرت کاندھلویؒ اپنی ''معارف القرآن'' کی تالیف کا مقصد بھی یہ بتاتے ہیں، اس فتنہ سے مسلمانوں

کو بچایا جائے، آپ کی کوشش رہی ہے کہ مغربیت وعصریت کے نفسانی تقاضوں سے مرعوب ہوکر قرآن کریم کے مدلول اور مفہوم کو نہ بدلا جائے۔

نیز فراہی صاحب، خان صاحب اور اس ڈگر کے جدت پسند مغربی افکار کے علمبرداروں سے دفاع کے لیے علمائے دیوبند میں سے مولانا عبد الحق حقانی دہلویؒ (متوفی: ۱۳۳۶ھ، ۱۹۱۷ء) نے اکابرِ دیوبند کی ہدایت پر ''فتح المنان فی تفسیر القرآن'' المعروف بہ ''تفسیر حقانی'' لکھی اور مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ نے ''تفسیری ماجدی'' میں مغرب زدہ لوگوں کے افکارِ کاسدہ اور تحریفاتِ باطلہ کی نشان دہی کو خاص ہدف بنایا، ان کے علاوہ خود دارالعلوم دیوبند میں تقریباً ۱۳۴۸ھ میں مجلس معارف القرآن (اکیڈمی قرآن عظیم) کے نام سے باقاعدہ مستقل شعبہ قائم کیا گیا تھا، جس کا مقصد قرآن حکیم کے معارف ومحاسن، اسرار وحکم اور احکام وآداب کو تعبیر کی جدت وسہولت کے ساتھ عام کرنا تھا، نیز عصری مسائل کو قرآن حکیم کی روشنی میں حل کرنا اور قرآن حکیم سے رہنمائی وروشنی حاصل کرنے کی ترغیب اور امنگ پیدا کرنا ہدف تھا۔ اس شعبہ کے لیے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی زیرنگرانی مختلف اکابر نے کام کیا، پھر اسی فکر کے تحت دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرزِ تعلیم سے وابستہ مدارس میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی طرح باقاعدہ شیخ التفسیر کا ایک عہدہ مقرر تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ التفسیر کے طور پر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا نام ملتا ہے۔ آپ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران فجر کے بعد نودرہ میں درسِ قرآن دیتے تھے۔ درمیان میں کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی کے بعد دوبارہ ۱۹۳۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت قاری محمد طیبؒ کی دعوت پر دوبارہ شیخ التفسیر کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے۔

ہمارے حضرت بنوریؒ ڈابھیل اور پھر ٹنڈو الہٰ یار میں ابتدائی طور پر شیخ التفسیر کے عہدے پر مصروفِ خدمت رہے تھے حضرت بنوریؒ نے اپنی تألیف لطیف يتيمة البيان فى مقدمة مشكلات القرآن میں تفسیر کے بنیادی اصول وآداب کے علاوہ تفسیر کے جدید وقدیم مناہج میں سے مفید ومضر تفاسیر کی نشاندہی کے لیے کئی تفاسیر اور ان کے تفسیری اسلوب کا تعارف بھی کرایاہے، بالخصوص ہندوستان کے مفسرین اور ان کی تفاسیر کا سیر حاصل تذکرہ فرمایاہے، جس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہندوستان میں قرآن حکیم کی تفسیری خدمت کی معیاری کوششوں کے علاوہ تحریفی کاوشیں بھی بہ مقدارِ وافر رہی ہیں۔ تفسیر کے نام پر تحریف قرآن کے اس سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے علمائے دیوبند نے جہاں تحریری وتقریری انداز میں قرآن حکیم کے الفاظ ومعانی کی حفاظت کا فرض نبھایا، وہاں مستقل تدریسی مشغلہ اور ''دورۂ تفسیر'' کے نام سے بھی خدمات انجام دیں۔

متحدہ ہندوستان میں ولی اللّٰہی انداز میں قرآن کریم کو اپنے تدبر و اعتبار کا محور بنانے والوں میں ایک نامور ہستی مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی گزرے ہیں، جو اپنے تحریکی مشاغل اور ان کے اثرات کے باوجود وہ اس کوشش میں سرخرو ہو کر گئے کہ قرآن کریم کو مستقل طور پر دیگر علوم و معارف سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے۔ آپ کی یہ فکر آپ کے تفسیری ذوق اور فکری شعور کے ساتھ حضرت لاہوریؒ کے اس سوز و گداز سے درج ہوگئی جو سوز انہیں حضرت شیخ الہندؒ اور اکابر دیوبند سے منتقل ہوا تھا، چنانچہ حضرت امام لاہوریؒ نے تقریباً ۱۹۲۱ء میں لاہور میں دورۂ تفسیر کا باقاعدہ آغاز فرمایا، جس میں دیوبند اور دیگر مدارس کے فضلاء شریک ہوتے تھے۔ (پرانے چراغ، ندویؒ)

آپ کے تلامذہ نے آپ کے دورۂ تفسیر کی جو خصوصیات ضبط فرمائی ہیں، ان میں روایتی تفسیری انداز کی نمایاں خصوصیات، ربطِ سور، ربطِ رکوعات، ربطِ آیات، خلاصۂ مضامین، مضامین کے عناوین، اسبابِ نزول کی نشان دہی اور تذکیر کی مختلف جہات کے علاوہ خاص امتیازی بلکہ الہامی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے قرآن کریم کو ایک نظری کتاب سے زیادہ عملی دستورِ حیات کے طور پر سمجھانے کی تحلیلی انداز میں کوشش فرمائی تھی، جس کا حاصل یوں بنتا ہے کہ قرآن کریم ایک مسلمان کی عملی زندگی کو تین جہات سے احاطہ کرتا ہے انفرادی زندگی، عائلی زندگی اور تمدنی زندگی جس کی تعبیر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم سے یوں مستعار لی گئی ہے تہذیب الاخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدنیہ، تہذیب الاخلاق کے زیرِ عنوان خالق و مخلوق کے باہمی تعلق اور اس کے لوازم سے بحث ہوتی ہے، تدبیرِ منزل کے تحت ان احکام و آداب کی نشان دہی کی جاتی ہے، جو مسلمان کے گھر اور اس کے متعلقات یعنی اقارب یا اجانب میں سے اہلِ دیوان، اہلِ محلّہ یا قریبی سوسائٹی سے متعلق ہوں، ایسے مباحث کو اجاگر کرنا تدبیرِ منزل کا معنون ٹھہرتا ہے۔

مسلمان انفرادی زندگی سنوار کر جب عائلی زندگی اور سماجی زندگی میں مثبت قدم رکھتا ہے تو اس کی اگلی منزل ریاستی ہے، جسے انسان کے سماجی عروج کی آخری منزل بھی کہتے ہیں، اس مرحلے کے لیے قرآنی تعلیمات کی نشاندہی ''سیاستِ مدنیہ'' کے زیرِ عنوان کی جاتی ہے، اس میں قوم و ملت کی ریاستی زندگی کے طور طریقے بتائے جاتے ہیں۔ اس پر مستزاد حضرت شاہؒ کے ہاں قرآنی علوم کی خماسی تقسیم یعنی علم الاحکام، علم المخاصمة، علم التذکیر بآلاء الله، علم التذکیر بایام الله اور علم التذکیر بالموت وما بعد الموت کا استعمال و استفادہ بھی حضرت لاہوریؒ کے درس اور درسی افادات میں مناسب انداز سے جھلکتا ہے۔ بہرکیف! قرآن حکیم کو جب اس تطبیقی، ترکیزی، تحلیلی

اور استنباطی انداز سے پڑھا اور پڑھایا جائے تو یقیناً یہ انداز قرآن کریم کی جامعیت اور عالمگیر افادیت کا عملی ثبوت ہوگا۔ درسِ قرآن کریم کی یہ خصوصیت دیگر شیوخِ تفسیر کے دورہائے تفسیر میں شاید نہ مل سکے، اس لیے کیا ہی غنیمت ہوگی کہ حضرت لاہوریؒ کے تفسیری افادات کو اس انداز سے منظر عام پر لایا جائے۔ یہ خدمت اُمتِ مسلمہ کیلئے بالعموم اور علماء وطلباء دین کیلئے بالخصوص تعلیمی وتدریسی میدان میں عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور قرآن کے دروس کے نام پر بعض فرسودہ عنادی طرزِ تفسیر اور عامیانہ تجدد پسندی کی لغویانہ حرکتوں سے نجات بھی مل جائے گی، ان شاء اللہ!

ہمیں یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی اور ہم اس خوشی میں دیگر علماء وطلباء کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت لاہوریؒ کے دورۂ تفسیر سے مستفید ہونے والوں میں سے آپ کے ایک نامور شاگرد، پاکستان کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم بھی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ عملی مشاغل اور سیاسی ہنگامہ آرائی کی زد میں رہنے کے باوصف، علمی دنیا کے بلند مقام سے نواز رکھا ہے، جسے محض حق تعالیٰ شانہ، کا فضل اور مولانا موصوف کے عظیم، باکرامت ولی، پدرمکرم مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ کی زندہ کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے حال ہی میں ہمارے بزرگ وشیخ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب زیدمجدہم کے نام ایک تفصیلی خط بھیجا، جس کے ہمراہ حضرت لاہوریؒ کے تفسیری افادات کے مسوّدے کا ابتدائی نمونہ بھی شرفِ نظر بنا، اس مراسلت کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم نے ۱۹۵۸ء میں حضرت لاہوریؒ سے دورۂ تفسیر پڑھا تھا، دورانِ درس آپ کے تفسیری افادات کو جمع بھی فرماتے رہے جو ایک مجموعہ کی شکل میں محفوظ ہوگئے تھے، اس مجموعہ کو مرتب ومدون کرنے کا دیرینہ داعیہ، جب روبعمل ہونے لگا تو اس مجموعہ کے سن تسوید سے دو چار سال قبل اور دو چار سال بعد کی امالی سے استفادہ بھی کیا گیا اور حسبِ ضرورت حضرت لاہوریؒ کے مطبوعہ علمی افادات سے رہنمائی بھی لی گئی۔

اس طرح یہ مجموعہ بحمد اللہ! تیار ہوچکا ہے۔ توقع ظاہر کی گئی ہے کہ محنتِ شاقہ کا یہ ثمرہ تقریباً پندرہ جلدوں میں منظر عام پر آئے گا، جسے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے الہامی ولدنی افادات سے آراستہ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے الاعتبار والتاویل سے معمور ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس معتمد ومستند طریق سے جب ہمیں حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور حضرت سندھیؒ کے افادات وافکار پڑھنے کو ملیں گے تو ان بزرگوں کے نام پر فکرولی اللّٰہی جیسے نیم جان فتنوں کی دروغ بافتگی کے تاروپود اُدھڑ جائیں گے، (ان شاء اللہ!)

مولانا محمد فہد مردانی
ناظم دفتر ماہنامہ ''الحق''

تفسیر امام احمد علی لاہوریؒ: ایک تعارف

- ...... مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا منہج واسلوب اور مفاہمانہ طریقِ کار
- ...... بنیادی اسلوب درس قرآن اور نمایاں خصوصیات
- ...... تفسیر امام لاہوری، دعوتی، فکری اور فلسفہ ولی اللٰہی اسلوب کے حامل
- ...... مولانا احمد لاہوریؒ کے بیان فرمودہ لطیف تفسیری نکات
- ...... فقیہانہ استنباط، حکیمانہ اندازِ بیان، عارفانہ اور صوفیانہ حقائق
- ...... شاہ ولی اللہ کے علمی اصطلاحات کا استعمال وتمثیلات
- ...... ایک گنج گراں مایہ
- ...... عاشقانِ کلامِ الٰہی کے لئے حسین وعظیم علمی تحفہ
- ...... ربطِ آیات کا اہتمام
- ...... ادیانِ باطلہ کا رد، اِصلاحِ احوال پر بھرپور توجہ
- ...... عائلی مسائل، اجتماعی و سیاسی معاملات میں لطافت کے ساتھ موافقت اور مطابقت کی کامیاب کوششیں۔
- ...... شاہ ولی اللہ اور امامِ لاہوریؒ کے علوم ومعارف کا انسائیکلوپیڈیا

اردو برصغیر کی ایک ایسی زبان ہے جس میں عربی فارسی اور ترکی زبانوں کی اسلامی روایت موجود ہے، یہ ایک باوقار علمی، سہل اور روان زبان ہے، اس میں ہر مضمون کو ادا کرنے کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہے، اسلامی علوم وفنون کے تراجم وتشریحات، توضیحات وتعلیقات اور اشاعت و خدمت دین کا جو شرف اس زبان کو حاصل ہوا ہے شاید ہی کسی غیرعربی زبان کو اتنا شرف وسعادت میسر آیا ہو، یہ زبان دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی پیش پیش رہی اور اس نے ہر داعی دین کو اپنے

روان لہجے، شستہ انداز اور آسان اسلوب کے باعث ایک آسانی مہیا کی، میدانِ دعوت میں بالعموم مخاطبین عوام الناس ہوتے ہیں اور انہیں اسلامی عقائد اور دینی احکام سے روشناس کرانا ہوتا ہے، اس لئے قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر پیش کرنا گویا دعوت دین کی بنیاد اور اصل ہے پھر تلاوت کیساتھ ساتھ اس کے اردو معانی سمجھنے کی طلب ایک ضرورت ہے لہٰذا اس زبان میں ترجمہ اور تفسیر قرآن کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے، اسلئے اس زبان میں تراجم وتفاسیر قران جزوی طور پر ابتدا سے شروع ہو گئے تھے۔

اردو میں قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر کا مبارک سلسلہ سولہویں صدی کی آخری دہائی یعنی دسویں صدی ہجری سے اس کا آغاز ہوا، سترہ سو تین کے بعد باقاعدہ طور پر تراجم اور تفاسیر قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا اس میدان میں مسلمانان برصغیر کیلئے فارسی زبان میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا ترجمہ (فتح الرحمٰن) مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی ترجمہ اردو تراجم کیلئے اصل اور بنیاد ٹھہرا اور اسی کو بنیاد بنا کر اردو میں تراجم کیے گیے، اسی ترجمہ قرآن نے عوام الناس میں قرآن فہمی کا ایک اعلیٰ ذوق پیدا کر دیا اور لوگ قرآن کریم کے قریب تر ہونے لگے یہ ترجمہ اگرچہ فارسی میں ہے مگر اردو کے تراجم کیلئے امام ورہنما کی حیثیت رکھتا ہے اسلئے اسے ''سید التراجم'' بھی کہا جاتا ہے شاہ ولی اللہؒ کی عبقریت اور رسوخ فی العلم ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ کا ترجمہ قرآن ہمہ پہلو کا حامل ہے، اس میں تفسیری ادب کے لطیف نکات اور شاہ صاحب کی قرآنی بصیرت کے منفرد اور شاندار نمونے نظر آتے ہیں۔

برصغیر میں قرآن فہمی کے حوالے سے فتح الرحمٰن کی حیثیت بنیادی ہے اور یہ اردو تراجم کا امام اور رہنماء ہے ''فتح الرحمٰن'' کے بعد ولی اللہی فکر کے حامل تین تراجم منظر عام پر آئے جس میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا ''فتح العزیز'' اور شاہ رفیع الدین کا ''ترجمہ قرآن'' یہ لفظی ترجمہ قرآن کی اولین اور انفرادی اہمیت کی حامل کامیاب کوشش تھی لیکن ''فتح الرحمٰن'' کا حقیقی ترجمان اور شاہ صاحب کے فارسی ترجمے کا فیضان شاہ عبدالقادر دھلوی کا اردو ترجمہ 'موضح القرآن' ہے، جس میں شاہ عبدالقادر دہلوی کی قرآن فہمی کے موتی جابجا بکھرے نظر آتے ہیں اس ترجمے کو ''احسن التراجم'' اور ''انفع التراجم'' بھی کہا جاتا ہے، بقول مولانا قاسم نانوتویؒ کہ ''اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی ہیں، اس ترجمہ کی عظمت اور افادیت کا اعتراف نقادانِ فن بھی کر چکے ہیں، جب ولی اللہی فکر کے ترجمان شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے محسوس کیا کہ زمانی اعتبار سے ''موضح القرآن'' کے کئی الفاظ اب متروک ہو گئے ہیں اور عامۃ الناس کیلئے ان کی تفہیم مشکل ہوتی جا رہی ہے تو آپ کو اس ترجمہ میں نئے الفاظ کی ضرورت

محسوس ہوئی اور آپ نے اس کی تسہیل کا عزم کیا اور اس کی تسہیل میں از حد احتیاط کی اور کسی جگہ بھی ''موضح القرآن'' کے انداز اور بنیادی فکر سے انحراف نہیں کیا، متن قرآن کو بالا تر رکھا اور اردو کے محاورے کو اس کے تابع کیا یہ ترجمہ بنیادی طور پر شاہ صاحب کے ''فتح الرحمٰن'' اور شاہ عبد القادر کے ''موضح القران'' کی فکری و معنوی توسیع اور اسی تسلسل کی ایک سنہری کڑی ہے جو ''موضح الفرقان'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس کے بعد جس ترجمے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی وہ امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری کا ترجمہ اور تفسیر ''قران عزیز'' ہے، امام لاہوری کا یہ ترجمہ با محاورہ ہے اور اس کے الفاظ و مدلولات قرآنی باہم ساتھ ساتھ چلتے ہیں البتہ بعض مقامات پر لفظی ترجمہ کو احتیاط کی بنا پر ترجیح دی گئی ہے، آپ نے اس ترجمہ میں علوم و افکار ولی اللّٰہی کو اپنا خاص مرجع بنایا ہے، اس ترجمہ کی بنیاد میں تین تراجم سے بالخصوص استفادہ کیا گیا ہے ''فتح الرحمٰن''، ''موضح القرآن'' اور ''موضح الفرقان'' (ترجمہ شیخ الہند) اس لئے امام لاہوری کا ترجمہ اور درس تفسیر میں شاہ ولی اللہ کے جا بجا حوالے اور ان کی مخصوص اصطلاحات نظر آتی ہیں بالخصوص خلاصہ سورہ و رکوع کے عنوان کے تحت فکر ولی اللّٰہی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے، شاہ صاحب سے استفادے کی وجہ علوم و معارف ولی اللّٰہی کے شناور امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے آپ کا تلمذانہ تعلق ہے، امام لاہوری امام انقلاب سے خاندانی اور علمی ہر دو نسبتوں کے سبب خاندان ولی اللّٰہی کے علوم و معارف کے اہم اور بڑے ترجمان تھے، آپ کی ساری زندگی درس قرآن اور دینی و روحانی علوم کی اشاعت میں بسر ہوئی آپ کا اہم کارنامہ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیری حاشیہ ہے آپ نے خاندان ولی اللّٰہی کی تعلیمات کے پیش نظر ترجمہ اور حاشیہ تفسیر مرتب کر کے برصغیر کے تمام جید علمائے کرام سے خراج تحسین وصول کیا۔

علمائے ہند میں شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبد القادرؒ کے قرآنی علوم کا سب سے بڑا شارح اور ترجمان اگر کوئی تھا تو وہ امام لاہوری کی ذات گرامی تھی، انہوں نے اپنے ترجمہ اور تفسیر میں شاہ صاحب کے معارف و علوم سے خصوصی استفادہ کیا ہے، ان کی اصطلاحات استعمال کیں، متعدد جگہ ان جیسا فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز اپنایا، مخالف آراء اور ظاہری اختلاف میں تطبیق کا ولی اللّٰہی اسلوب ان کی تفسیر میں جھلکتا نظر آتا ہے اور شاہ صاحب کے اسلوب اور نہج پر اجتماعیت کے سیاسی اور عمرانی افکار بیان کیے ہیں اور حالات حاضرہ پر ان اصول و افکار کا انطباق و اطلاق بھی جامع اور احسن طریقے

سے کیا ہے اسی وجہ سے امام لاہوری کی تفسیر میں ایک خاص جامعیت، حالات حاضرہ میں قرآنی رہنمائی اور ندرت فکر کی ایک خاص شان پیدا ہوگئی ہے۔

امام لاہوریؒ ایک تعارف

چونکہ ہمارا مقصد یہاں امام لاہوریؒ کی تفسیر کا تعارف پیش کرنا ہے لہٰذا مناسب یہ ہوگا کہ اس موقع پر امام لاہوریؒ کا مختصر تعارف بھی نذر قارئین کیا جائے۔ امام الاولیاء، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا شماران اولیاء اللہ اور مصلحین امت میں ہوتا ہے جن کا اسم گرامی اور نام نامی آتے ہی بڑے بڑے جبال علم اور احسان وسلوک کے شناور اور بزرگ ہستیوں کے سرعقیدت ومحبت سے جھک جاتے اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں اور یقیناً یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری آسمانِ ولایت پر آفتابِ عالمتاب بن کر چمکے، اللہ تعالیٰ نے انھیں بے شمار کمالات اور سعادات سے نوازا تھا، ان کی علمی وروحانی شہرت بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت امام لاہوری کا تعلق ان علمائے حق سے ہے جن کی پوری زندگی قال اللّٰہ و قال الرسول کی صدا بلند کرتے اور لاکھوں لوگوں کو شرک وکفر اور ضلالت وگمراہی کے گڑھوں سے نکال کر ان کے دلوں میں توحید الٰہی، عشق نبوی، حب صحابہ واہل بیت کی شمعیں روشن کرتے گزری، امام لاہوریؒ کے والد شیخ حبیب اللہ گوجرانوالہ کے قریب جلال نامی قصبہ کے رہنے والے ایک نومسلم، انتہائی متقی اور دیندار شخص تھے جبکہ آپکی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ، زاہدہ اور صالحہ خاتون تھیں انہوں نے اپنے لخت جگر کو قرآن مجید خود پڑھایا۔ آپکے والد نے اپنے لخت جگر کو گوجرانوالہ کی جامع مسجد کے خطیب مولانا عبدالحق کے سپرد کر دیا، اس بچہ کو گوجرانوالہ آئے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ مولانا عبیداللہ سندھی دارالعلوم دیوبند سے اپنی تعلیم مکمل کر کے سندھ جاتے ہوئے اپنی والدہ سے ملنے سیالکوٹ آئے، آپ کی والدہ ماجدہ نے مولانا سندھی کو شیخ حبیب اللہ کے قبول اسلام اور دیانت وتقوی کا بھی ذکر کیا، چنانچہ مولانا سندھی اپنی والدہ کے ہمراہ باہو چک آئے اور اپنے رشتہ کے بھائی سے ملے۔

اس وقت شیخ حبیب اللہ نے اپنے لختِ جگر کو حضرت سندھی کے حوالے کر دیا، نو برس کی عمر میں اس بچے کے سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا، سندھ کے ولی کامل حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری کے حکم سے مولانا سندھیؒ نے اس بچہ کی والدہ سے نکاح کرلیا، اس لحاظ سے مولانا سندھی اس بچہ کے سوتیلے والد بن گئے۔ کچھ عرصے بعد یہ بچہ اپنی والدہ کی شفقتوں سے بھی محروم ہوگیا۔

مولانا سندھیؒ نے ابتدائی صرف ونحو عربی وفارسی کتب اس بچہ کو خود پڑھائیں، مولانا سندھی نے ۱۹۰۱ء میں گوٹھ پیر جھنڈا ضلع سکھر میں مدرسہ ''دارالرشاد'' کی بنیاد رکھی تو ان کی زیرنگرانی اس بچہ نے چھ سال بعد درس نظامی مکمل کیا، اس مدرسہ ''دارالرشاد'' سے فارغ ہونے والوں میں پہلا نام آپ کا ہے، مولانا سندھی کی ہدایت پر اسی مدرسہ میں آپ نے تعلیم وتدریس شروع کی، چنانچہ تین سال تک امام لاہوری اسی مدرسہ میں درس نظامی کی تعلیم دیتے رہے۔ مولانا سندھی نے اپنی پہلی زوجہ سے بیٹی کا نکاح مولانا احمد علی سے کردیا لیکن وہ ایک سال بعد ہی انتقال کرگئیں، اس کے بعد مولانا ابو محمد احمد کی صاحبزادی سے دسمبر ۱۹۱۱ء میں آپ کا نکاح دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے پڑھایا، تحریک ریشمی رومال میں قید وبند سے مشروط رہائی پانے کے بعد آپ لاہور میں مقیم ہو گئے، جس وجہ سے آپ لاہوری کہلاتے ہیں، مسجد لائن سجان والی شیرانوالہ دروازہ سے باہر مسجد میں حضرت مولانا پنجگانہ نماز ادا کرتے تھے، فاروق گنج کی طرف جاتے ہوئے جو مسجد ہے وہاں آپ نے درس قرآن شروع کیا پھر آہستہ آہستہ تبلیغ وارشاد کا سلسلہ بڑھنا شروع ہوگیا۔ ۱۹۲۲ء میں حکیم فیروز الدین کی تحریک پر آپ نے انجمن خدام الدین کی بنیاد رکھی جس کے تحت قرآن اور سنت نبویؐ کی اشاعت کو انجمن کا نصب العین قرار دیا گیا۔

۱۹۲۴ء میں انجمن خدام الدین کی زیرنگرانی مدرسہ قاسم العلوم کی بنیاد رکھی گئی جس کی عمارت کی رسم افتتاح علامہ شبیر احمد عثانی کے ہاتھوں ۱۹۳۴ء میں ادا ہوئی۔ آپ نے عمر بھر قرآن مجید کی لفظی ومعنوی خدمت کی، آپ نے مسلمانوں کو قرآن مجید سمجھانے کے لیے روازانہ نماز فجر کے بعد ایک گھنٹہ درس قرآن رکھا ہوا تھا۔ جس میں مسلمان مردوں کے علاوہ علیحدہ باپردہ جگہ میں خواتین بھی شریک ہوتی تھیں، علوم عربیہ کے فارغ التحصیل علماء کے لیے قرآن کی تفسیر پڑھائی جاتی اور اس درس کی تکمیل کے بعد جو حضرات مزید تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند ہوتے آپ انہیں چار ماہ میں فلسفہ، شریعت اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' پڑھاتے ۱۹۴۰ء سے شروع ہونے والا یہ درس آپ کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا، حضرت امام لاہوری کا یہ درس قرآن عوام کے لیے ہوتا تھا لیکن وہ علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کیلئے ان کی ذہنی سطح پر بھی درس قرآن کریم کا اہتمام کرتے تھے اور اس کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفہ وفکر، خاص طور پر ان کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی تعلیم وتدریس بھی ان کے اس مشن کا حصہ تھا، ان سے اس دوران قدیم و جدید طبقات سے تعلق رکھنے والے ہزاروں ارباب علم نے استفادہ کیا جن میں مولانا سید ابوالحسن علی

ندویؒ، مولانا سمیع الحق شہیدؒ، مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ، مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنیؒ، مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا صوفی عبد الحمید سواتی، علامہ علاؤ الدین صدیقی، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، مولانا معین الدین لکھوی اور مولانا عبدالحلیم (دیربابا) جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔

قرآن فہمی میں ان کا طرز حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی طرح حالات زمانہ پر قرآن کریم کی آیات واحکام کی تطبیق کا تھا اور وہ دورِ حاضر کی اصطلاحات و ماحول کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کے ساتھ ساتھ عقلی و منطقی تعبیرات و تاویلات (الاعتبار والتاویل) بھی پیش کرتے تھے جس پر ابتدا میں بعض اہل علم کی طرف سے تحفظات کا اظہار کیا جاتا رہا لیکن دھیرے دھیرے دینی حلقے اس طرز سے مانوس ہوتے چلے گئے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت لاہوری کا یہ حلقہ درس جنوبی ایشیا کی سطح پر فہم قرآن کریم کے بڑے مراکز میں شمار ہونے لگا۔ حضرت امام لاہوری کی وفات کے بعد بھی قرآن فہمی کا یہ سلسلہ ان کے شاگردوں، جانشینوں نے جاری رکھا۔

ترجمہ قرآن کا آغاز

۱۹۱۵ء میں شیخ الہند نے مولانا سندھی کو کابل بھیجا تو پیچھے دہلی کا سارا نظام آپ کے سپرد رہا اور تحریک ریشمی رومال میں آپ بھی گرفتار ہوگئے، رہائی کے بعد آپ نے لاہور آتے ہی درس قرآن کی ابتدا کردی، مولانا سندھی سے وعدہ کیا تھا کہ اشاعت قرآن کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ انہوں نے ترجمہ قرآن کے تحریری کام کا باقاعدہ آغاز ۱۹۲۵ء میں کیا اور آپ تجویز کے مطابق واہ تشریف لے گئے جہاں اس ترجمہ کی تکمیل ہوئی اور ۱۹۲۷ء میں مترجم ومحشی قرآن شائع ہوگیا، ۱۹۲۴ء میں انجمن خدام الدین کی نگرانی میں مدرسہ قاسم العلوم کا قیام عمل میں لایا گیا اس میں سالانہ نصاب کے علاوہ تفسیر کا سہ ماہی نصاب بھی شامل تھا، اس سہ ماہی کورس کے لئے شیخ الاسلام مدنی طلباء کو ترغیب دیا کرتے تھے جبکہ بڑے بڑے علماء سفارشی خطوط دے کر طلبہ کو لاہور بھیجتے، مولانا علی میاں بھی لاہور میں آپکے پاس قرآنی علوم و معارف کے حصول اور تربیت وتزکیہ کی منازل طے کرنے کیلئے کچھ عرصہ شیرانوالہ گیٹ لاہور میں مقیم رہے آپ نے حضرت لاہوری کی نجی، عوامی اور علمی زندگی کا مشاہدہ کر کے ان کی درویشی، حق گوئی، فہم قرآن اور للّٰہیت اور خشیت اور اخلاص کا بچشم خود مشاہدہ کیا اور بہترین تاثرات قلمبند کر کے ''پرانے چراغ'' میں شائع کئے۔

مولانا لاہوریؒ کا طرز واسلوب درس قرآن

آپ کا علوم وافکار ولی اللہی سے گہرا تعلق ہے اسلئے آپ شاہ صاحب کے فکر وفلسفہ کی روشنی میں طلبہ کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے آپ نے اس حوالہ سے ایک مخصوص طرز اختیار کیا تھا جس میں طلبہ کو امہات تفاسیر کے مطالعے کیساتھ ساتھ فہم قرآن میں سورت کا خلاصہ، ربط آیات وسور، خلاصہ رکوع مع ماخذ اور دیگر نکات قرآنی پر مشتمل تعلیم دیتے تھے اس کے نتیجے میں طلبہ میں قرآن کریم کے مضامین سے ایک خاص مناسبت پیدا ہوجاتی تھی، عربی مدارس کے طلبہ کیلئے ترجمہ اور تفسیر کی تعلیم کا مختصر پروگرام بنا رکھا تھا جس میں طلبہ کے اندر قرآن کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کی بھر پور صلاحیت پیدا ہوجاتی تھی اور اس نصاب کی تدریس میں اسکا علمی تنوع، تعمق اور اثر پذیری خوب تھی، اس مدت میں مولانا علماء عربی کو قرآن کے علوم و معارف پر عبور حاصل کرادیا کرتے تھے اور قرآنی جواہر پر اظہار خیال کی جرأت پیدا کردیا کرتے تھے، عربی کی امہات تفاسیر سے اس طرح تعلق خاطر پیدا کرکے قرآنی ذوق کی آبیاری کی جاتی تھی اور دوران درس تلامذہ کو یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ کوئی نہ کوئی تفسیر اپنے مطالعے میں خاص طور پر رکھیں اور یہ بھی ہدایت کی جاتی تھی کہ تقریری درس قلمبند کیا جائے اور جو کچھ بتایا جاتا ہے، اس کو ذہن نشین کرلیا جائے، مولانا کا خاص طرز یہ تھا کہ پوری سورت کو ایک مجموعی مضمون قرار دیتے اور اس پر بطور خلاصہ تقریر فرماتے پھر ہر رکوع کا مستقل خلاصہ کی صورت میں ایک مضمون بناتے اور پھر ماخذ پر روشنی ڈالتے کہ فلاں آیات تک یہ مضمون مذکور ہے اور خصوصا ربط آیات کو خصوصیت سے پیش فرماتے اور قرآنیات کو دور حاضر پر منطبق کرنے کی طرف توجہ دلاتے اسی طرح دوران درس بطور تاویل اور بطور اعتبار اجتماعیات کیلئے سیاسی اور عمرانی نکات مستنبط کرتے تھے، ان کی تفسیر میں عصر حاضر سے تعلق کی بنا پر قرآن زندہ اور رہنما کتاب عملاً دکھائی دیتی ہے اللہ کی یہ کتاب زمانہ حال کے عمرانی، سیاسی، معاشی اور فکری مسائل کے حل کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔

تفسیر امام لاہوریؒ کی نمایاں خصوصیات اور بنیادی اسلوب

حضرت لاہوری کا ترجمہ اور تفسیر دعوتی، فکری اور فلسفہ ولی اللہی کے اسلوب کا حامل ہے جس میں قرآن کریم کے نظریہ تربیت وتعلیم کے ساتھ ساتھ انفرادی کردار کی تعمیر کے لوازم اور اجتماعیت کے اصول وضوابط پر روشنی ڈالی ہے اور عقائد، معاملات، عبادات، تدبیر منزل، تزکیہ واحتساب نفس، اخلاق عالیہ کی ترویج وتکمیل، رذائل سے اجتناب و دوری کی تلقین، انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کا

تعین، معیشت و اقتصاد، جہاد اسلامی کی اہمیت، سیاست و اجتماعیت کو مربوط انداز میں ایک جامع نظام فکر و عمل کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور بالخصوص علوم ولی اللّٰہی سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ سورت

امام لاہوریؒ کمال بصیرت کے ساتھ اولاً ہر سورت کا خلاصہ اور مرکزی مضمون از حد اختصار کے ساتھ بیان فرماتے ہیں ان کے بیان کردہ خلاصہ جات رکوع و سورت دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ کس قدر لطیف و عمیق ہیں؟ دیکھنے والا ہی ان لطائف کا اندازہ کر سکتا ہے، مخصوص احوال کے رکوع و سورت کے نتائج بھی بیان فرماتے ہیں اور اس کے لطیف نکات سے انسان محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور قرن اول سے متعلق آیتوں اور سورتوں کا انطباق حالات حاضرہ پر بھی بخوبی کرتے ہیں، اس طرح مخصوص عنوان کی بدولت ہی پوری سورت کا جامع خلاصہ سامنے آجا تا ہے، حالات حاضرہ پر انطباق و تطبیق سے اس کی جامعیت سمجھ میں آجاتی ہے کہ آج بھی جو فرد یا طبقہ اسی طرح کے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے، آج بھی اس کا انجام پہلے والوں کی طرح ہوگا، اس طریقہ پر سور قرآنیہ سے اصولوں کا استخراج و استنباط اور ان کا انطباق آپ کے نمایاں خصائص تفسیر میں سے ہے۔

موضوع سورت

سورتوں کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ آپ اکثر جگہ سورتوں کے مرکزی موضوع کا تعین کرتے ہیں جو بڑا معنی خیز اور جامع ہوتا ہے، کسی جگہ مختصر عنوان دے دیتے ہیں جو سورت کے جملہ مشمولات کا احاطہ کیے ہوتا ہے، آپ کی قرآن فہمی کا ایک خاصہ یہ ہے کہ بڑے جامع انداز میں سورت کا موضوع متعین کرتے ہیں جو سورت میں مذکور آیات کا مقصود و خلاصہ ہوتا ہے، آیات کا دیگر متعلقہ موضوعات کا بخوبی خلاصہ پیش کیا گیا ہے، اس میں جو صوری و معنوی ربط ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں دیگر موضوعات سور بھی اسی طرح کی تفسیری لطافتوں کے حامل ہیں۔

ربط آیات

امام لاہوری ربط آیات کا اہتمام سب سے زیادہ کرتے ہیں، خلاصہ رکوع اور ہر دو رکوع یا موضوعات کے درمیان بامعنی و حکیمانہ ربط پیدا کر دیتے ہیں اس ربط کی تفہیم کے سبب کئی اشکالات از خود رفع ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم ایک مسلسل و مربوط کلام دکھائی دیتا ہے۔

خلاصہ رکوع

امام لاہوری ہر رکوع کا خلاصہ بڑے التزام کے ساتھ محض چار پانچ لفظوں میں لکھتے ہیں امام لاہوری کے درس قرآن کی خصوصیت اور قرآنی بصیرت کا اندازہ ان کا خلاصہ رکوعات سے لگایا جا سکتا ہے، اس طریقہ تفہیم کی بدولت قرآن مجید کا ہر رکوع ماقبل و مابعد سے مربوط ہوجاتا ہے اور اس ربط کی بدولت بہت سے اشکالات از خود رفع ہوجاتے ہیں اور قرآن فہمی کا سفر آسان ہوجاتا ہے۔

تصحیح عقائد اور اصلاح رسوم

امام لاہوریؒ کے دروس قرآن کے دو انداز تھے، ایک عوام الناس کیلئے جس میں اصلاحی اور اجتماعی انداز غالب تھا، دوسرا علمائے کرام کیلئے، عمومی درس برصغیر کے گوشہ گوشہ تک پہنچ گیا تھا، مولانا چونکہ حق گوئی اور استقامت کا پرتو تھے تو وہ ہر دو دروس قرآن میں تصحیح عقائد قرآنی اسلوب میں کرتے تھے، ہر طرح کے باطل ادیان کا رد قرآن وسنت اور افکار شاہ ولی اللہ کے روشنی میں پیش فرماتے تھے اور اسی طرح موجودہ باطل نظریات کا بھی پردہ چاک کر کے اس کا اسلامی محاکمہ پیش کرتے تھے اور علاقائی غلط رسوم و بدعات کی تردید بھی مصلحانہ انداز میں پیش فرماتے تھے اور وقت کے حکمرانوں کی غلط روش پر ان کی اصلاح احوال پر بھی توجہ دیتے تھے اور پوری جرأت کے ساتھ خیر خواہانہ نصائح فرماتے چونکہ مولانا کی زندگی خدا ترسی، قرآن فہمی، حب رسول اور انسان دوستی کی تابندہ مثال تھی اور اس کے ساتھ درویشی، استغنا اور حق گوئی بھی ان کا وصف خاص تھا انگریز استعمار پر نقد ورد پاکستانی حکمرانوں کے غلط اور خلاف شرع اقدامات پر تنقید وہ بلا خوف لومۃ لائم فرماتے تھے۔

فقہی مسائل کا استنباط

امام لاہوریؒ عالم اجل تھے فقہ میں ان کی دلچسپی تھی اور بالخصوص فقہ حنفی کے فلسفہ اور اس کے اصولوں کے ماہر و متخصص تھے اس لئے جہاں قرآن مجید میں انسانی مسائل سے متعلق آیات آتی ہیں وہاں مولانا اپنے مخصوص انداز میں فقہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں مثلاً عائلی زندگی کے حوالے سے نکاحِ رضاعت طلاق اور میراث وغیرہ امور میں مولانا مسائل کی نوعیت کے اعتبار سے فقہی استنباط اور فقہ حنفی کے اصولوں سے استخراج نتائج کرتے ہیں، ان مسائل میں کبھی آپ فقہاء احناف کی رائے کی تائید کرتے ہیں اور کبھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور بعض مقامات پر فقہائے احناف کے موقف و دلائل کے راجح ہونے کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہیں اس کیساتھ ساتھ آپ بتاتے ہیں کہ فقہ حنفی کو

ان معاملات میں قرآن کی مؤیدات میسر ہیں ایسے میں مولانا کا فہم قرآن اور فقہی تفہیم کی وسعت بیک وقت ہمارے سامنے آتی ہے اور مولانا اپنے خاص کلامی انداز میں آیات قرآنیہ اور فقہ حنفی کے فلسفہ میں توافق اور تطابق پیدا کرتے ہیں ایسے میں متعلقہ آیات کی توضیح کے حوالے سے آپ کی تفسیر کا عنوان مسائل مستنبط ہوتا ہے ،مولانا خود ایک اجتماعی فکر رکھتے تھے اس لئے وہ فقہی مسائل سے اجتماعی و سیاسی استدلال بھی پیش کرتے ہیں اور عائلی مسائل اور اجتماعی و سیاسی معاملات میں کس لطافت کے ساتھ موافقت و مطابقت پیدا کرتے ہیں۔

حکیمانہ انداز

قرآن کریم کی اپنی ایک الگ شان ہے اس کے مباحث میں جو اشارے اور کنایے ہیں ان کو سمجھنا اور ان کی ایسی توجیہ کرنا جو دافع اشکال ہو اور قاری قرآن کو اطمینان قلبی کی کیفیت بھی عطا ہو اس تفسیر میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں امام لاہوری قرآنی مقامات کی ایسی حکیمانہ توضیح کرتے ہیں جو دافع اشکالات ہوتی اور مقام کو نہایت حکیمانہ بصیرت سے حل فرماتے ہیں۔

علوم و معارف ولی اللّٰہی کی ترجمانی

امام لاہوریؒ کا خصوصی وصف جو انہیں اپنے معاصرین سے ان کو ممتاز کرتا ہے وہ امام شاہ ولی اللہؒ کی قرآنی بصیرت کو اول تا آخر اپنے اندر سمو لینا ہے، چنانچہ آپ کی تفسیر میں شاہ صاحب کی فکر کا عکس غالب و نمایاں ہے، شاہ صاحب کی مخصوص قرآنی اصطلاحات جیسے تذکیر بآلاءِ اللہ، تذکیر بایام اللہ، تذکیر بالموت و بمابعد الموت اور مخاصمہ بالیہود، مخاصمہ بالنصاری، جا بجا نظر آتی ہیں، تفسیر میں مولانا کو جہاں بھی شاہ صاحب کی وسعت فکر و نظر اور اجتماعی نظم و سیاست کے حوالے سے نکات ملے مولانا ان سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ولی اللّٰہی علوم و معارف سے خصوصی استفادہ کے اثرات

شاہ صاحب کے فکر و فلسفہ میں جو وسعت، تعمق اور جامعیت کی شان ہے، اس سے استفادہ کے سبب دین کے ہر شعبے کی جامع تعبیر کی جاسکتی ہے جس کی بدولت باہمی انتشار و افتراق پر قابو پاکر معاشرے کی عملی فکری اور اصلاحی و جامع تعمیر و تطہیر کی جاسکتی ہے مولانا لاہوریؒ چونکہ مولانا سندھیؒ کے شاگرد ہیں، اس لئے امام لاہوریؒ کے ہاں علوم و معارف ولی اللّٰہی سے اخذ و استفادہ وسیع بنیادوں پر

کیا جاتا ہے کہیں معیشت و اقتصاد کی بحث ہو یا اجتماعیت و سیاست کا کوئی شعبہ ہو،ان کے درس وتفسیر میں فکر ولی اللّٰہی پس منظر میں صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔شاہ صاحب جس طرح فلسفیانہ انداز میں بات سمجھاتے ہیں اور مسلسل عقلی دلائل دیتے ہیں امام لاہوریؒ بھی ان کے تتبع میں اسی طرح کا کلامی اور عقلی انداز اختیار کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ جیسا تطبیقی انداز اور اسلوب

مختلف ومخالف آراء میں باہم مطابقت پیدا کرنا شاہ صاحب کا خاص فن ہے کبھی کبھی یہ تطبیق فقہی معاملات میں پیش آتی ہے اور کہیں فہم قرآنی میں اس میں ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جو جدت و ندرت کے ساتھ ساتھ دین و دنیا میں مطابقت پیدا کردے امام لاہوری بھی اسی انداز سے پیش فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم اسے تسلیم بھی کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کی علمی اصطلاحات کا استعمال

امام لاہوریؒ کا قرآنی بصیرت کے حوالے سے ایک خصوصی مرجع شاہ صاحب کی ذات گرامی ہے، ان کی فکر کا عکس مولانا لاہوری کے ہاں بدرجہ اتم و اکمل پایا جاتا ہے اور شاہ صاحب کی اصطلاحات کو اکثر جگہ استعمال کیا جاتا ہے مولانا لاہوریؒ اپنے درس قرآن اور ترجمہ میں اس کا خاص لحاظ رکھتے ہیں جیسے الفوز الکبیر میں علوم خمسہ کی اصطلاح اور شاہ صاحب کی دیگر جامع اصطلاحات کو اپنے درس میں جابجا استعمال کرتے ہیں جس کثرت و تواتر سے آپ نے ولی اللّٰہی اصطلاحات کا استعمال اور ان سے استفادہ کیا ہے شاید ہی کسی دیگر مفسر نے اس وسعت کیساتھ اخذ و استفادہ کیا ہو۔

مخاصمہ کا ولی اللّٰہی انداز

الفوز الکبیر میں مذکور علوم خمسہ میں ایک علم علم المخاصمہ بھی ہے جس میں شاہ صاحب نے مخاصمہ بالیہود، مخاصمہ بالنصاری اور مخاصمہ بالمنافقین کے انداز کی وضاحت اور اسکی متعدد قرآنی امثلہ پیش کی ہیں امام لاہوریؒ نے اپنے درس تفسیر میں کہیں مخاصمہ کی اصطلاح استعمال کی ہے اور کہیں اس مخاصمہ کے انداز سے استفادہ کیا ہے بادی النظر میں یوں لگتا ہے کہ جیسے علوم ولی اللّٰہی سے استنباط کیا جارہا ہے بعض مقامات میں جامع اختصار کیساتھ علوم ولی اللّٰہی سے استفادہ صاف نظر آرہا ہے، اسی طرح منافقین اور نصاری کیساتھ ولی اللّٰہی انداز کے مخاصمے کی کئی امثلہ آپکی تفسیر میں موجود ہیں۔

''تفسیر امام لاہوری'' کو مرتب کرنے کا عزم اور مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی سعادت

امام لاہوریؒ کے درس قرآن اور تفسیر اپنی گونا گوں خصوصیات خلاصہ سورہ و رکوع ،استنباط مسائل، نظم قرآن کے اہتمام اور شاہ ولی اللہ کے افکار سے استفادہ کے سبب بہت جامع مانع اور ہمہ گیر ہیں ان کی تفسیر کی ایک خصوصیت نئے قرآنی عنوانات قائم کرنا ہے جن میں ندرت فکر کے ساتھ ساتھ اتنی تازگی ہے کہ وہ آج کے حالات پر بھی منطبق ہوسکتے ہیں، اس طرح کے متعدد عنوانات استنباط فکر کی ندرت کے سبب بڑے منفرد ہیں بایں وجوہ یہ تفسیر ایک طرف اسلاف کی فکر کی نمائندہ ہے، دوسری جانب آج کے حالات میں بھی ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہے۔ضرورت اس امر کی تھی کہ امام لاہوری کے دروس کو تحریری شکل میں پیش کرکے امام لاہوریؒ کی قرآنی فکر کو عام تر کیا جائے تا کہ معاشرے کے اندر ایک فکری وسعت اور کشادگی پیدا ہو،اور امام لاہوریؒ کے علوم و معارف تک ہر عام و خاص کی رسائی ہو، مولانا اپنی تفسیر میں عالمگیر و آفاقی حقائق اور قرآنی تعلیمات کو اس طرح ساتھ ساتھ لے کر اس پر روشنی ڈالتے ہیں تا کہ قرآنی نتائج فکر کسی عقلمند اور زیرک انسان کیلئے اجنبی نہ رہیں، شاہ صاحب کی فکر اصل میں اسی عالمی آفاقی انقلاب کی علمبردار ہے اور مولانا لاہوریؒ اسی فکر کے معتمد شارح ہیں۔

درسِ قرآن کریم کی یہ خصوصیات دیگر شیوخِ تفسیر کے دورہائے تفسیر میں شاید نہ مل سکیں، اس لیے اس بات کی اشد ضرورت اور وقت کا تقاضا بھی تھا کہ لاہوری کے تفسیری افادات کو اس انداز سے منظر عام پر لایا جائے۔ جیسا کہ اس کا انداز واسلوب درس تھا تا کہ علوم ولی اللّٰہی کے اس معتمد شارح کے افادات سے تشنگان علم تفسیر سیراب ہوسکیں اور یہ خدمت امتِ مسلمہ کے لیے بالعموم اور علماء وطلباء دین کے لیے بالخصوص تعلیمی وتدریسی میدان میں عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور قرآن کریم کے دروس کے نام پر بعض ماڈریٹ طرزِ تفسیر اور عامیانہ تجدد پسندی کی لغویانہ حرکتوں سے نجات بھی مل جائے گی اور یہ اس دورفتن میں ایک نعمت سے کم نہ ہوگی اس تشنگی اور ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے امام لاہوری کے مایہ ناز شاگرد، شیخ المشائخ مولانا عبدالحق کے فرزند ارجمند، استاد گرامی مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس تفسیر کو مرتب کرنے کا عزم کیا۔

مولانا شہیدؒ نے ۱۹۵۸ء میں حضرت امام لاہوریؒ سے دورہ تفسیر پڑھا تھا، دورانِ درس آپ کے تفسیری افادات کو جمع بھی فرماتے رہے جو ایک مجموعہ کی شکل میں محفوظ ہوگئے تھے، اس مجموعہ

کو مرتب و مدون کرنے کا دیرینہ داعیہ جب روبعمل ہونے لگا تو اس مجموعہ کے سن تسوید سے دو چار سال قبل اور دو چار سال بعد کی اَمالی سے استفادہ بھی کیا گیا اور حسبِ ضرورت حضرت لاہوریؒ کے مطبوعہ علمی افادات سے رہنمائی بھی لی گئی، محنتِ شاقہ کا یہ ثمرہ تقریباً کئی جلدوں پر مشتمل ہوگا، جسے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے الہامی ولدنی افادات سے آراستہ اور مولانا عبید اللہ سندھی کے الاعتبار والتاویل سے معمور ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

تفسیر امام لاہوریؒ کی ترتیب میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا نہج واسلوب وطریق کار

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ایسا ناپید کنار ہے کہ جس میں غوطہ زن ہونے والے ہر دور اور ہر زمانے میں نت نئے موتی اصحاب ذوق کی خدمت میں پیش کرتے آرہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ مبارکہ بدستور اسی طرح جاری وساری رہے گا، سینکڑوں پہلوؤں کے متعلق قرآن کریم کی تفسیریں دنیا کی مختلف زبانوں میں سینکڑوں کی تعداد میں لکھی گئی ہے اور تاہنوز لکھی جارہی ہیں مگر تشنگی کا احساس بدستور باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

ولی کامل، زینت المحدثین، شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کے قابل فخر فرزند ارجمند استاد مکرم شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے بھی اس کار خیر کے مبارک سلسلہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کرتے ہوئے حضرت امام المفسرین مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تفسیری افادات کو ''تفسیر امام لاہوریؒ'' کے نام سے مرتب ومدوّن کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور یہ گراں قدر علمی و تفسیری خدمت تھی جس کا شرف اوراس کو مدون کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حصے میں ڈالی ورنہ امام لاہوری کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور امام لاہوری نوراللہ مرقدہ سے اس دور کے قابل قدر شاگردوں اور تلامذہ نے ان کے دورہائے تفسیر میں شرکت کرکے علم التفسیر کا فیض حاصل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جلیل القدر خدمت کیلئے فرزند حقانیہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو چنا اور مولانا موصوف سے یہ خدمت لی، مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس تفسیر کو تمام جہات سے جامع بنانے کیلئے بھرپور کوشش اور سعی کی ہے اسی بناء پر اس تفسیر کو ''جامع التفاسیر امام لاہوریؒ'' یا ''علوم لاہوری کا انسائیکلوپیڈیا'' بھی کہا جاسکتا ہے۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے امام لاہوری کے افادات تفسیریہ اور فرمودات قرآنیہ کو یکجا کرکے ایک گنج گراں مایہ کی شکل میں عاشقان کلام الٰہی اور مشتاقان قرآن کے لئے ایک حسین وعظیم تحفہ پیش

کیا، چونکہ افادات و دروس امام لاہوری ممتاز خصوصیات کی حامل ہیں جس کو بالتفصیل ذکر کردیا گیا ہے، لیکن ضروری اور مناسب یہ ہے کہ ''تفسیر امام لاہوری'' میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس کی جمع و تدوین میں جن اصول وقواعد، اسلوب ونہج اور خصوصیات ومزایا کی رعایت رکھی ہے اور جن اوصاف کی یہ حامل ہے اس پر روشنی ڈالی جائے، ذیل میں ان خصوصیات کو مختصراً ذکر کیا جائے گا۔

۱: آیات کریمہ کے ترجمہ وتفسیر میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا اسلوب یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ مکمل رکوع (متن) ذکر کرکے رکوع میں موجود تمام آیت کا ترجمہ بین السطور حسن ترتیب سے لگاتے ہیں اور اس اہتمام میں بھرپور احتیاط سے کام لیا جاتا ہے اور اہم بات یہ ہے کہ ترجمہ بھی خود امام لاہوریؒ کا ہے۔

۲: اس کے بعد امام لاہوری کی طرز کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس رکوع کا خلاصہ نمایاں کرکے پیش کرتے ہیں اور ذیل میں ماخذ کا ذکر کرتے ہیں۔

۳: ہر آیت پر معنی خیز اور جامع عنوان لگا کر ہر ایک آیت کا ایک جامع خلاصہ اس عنوان میں سمیٹنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

۴: آیات کریمہ کے ذیل میں بعض مرتبہ تفصیلی مباحث اور بعض علمی اور مبینہ نکات اور باتیں بھی مستقل اور جامع عنوان کی متقاضی ہوتی ہیں تو وہ اس پر مستقل عنوان لگاتے ہیں۔

۵: امام لاہوری کی طرز و الفاظ میں کمی وبیشی نہیں کرتے بلکہ بھرپور علمی دیانت وامانت کا حق ادا کرتے ہوئے امام لاہوری کے افادات کو من وعن پیش کرنے کا بھرپور اہتمام فرماتے ہیں۔

۶: چونکہ امام لاہوری کا ماخذ حضرت شاہ ولی اللہؒ ہیں تو جہاں جہاں امام لاہوری نے شاہ صاحب کی کتابوں خصوصاً حجۃ اللہ البالغۃ کا ذکر یا اس کی کوئی عبارت بیان فرمائی ہے تو وہی مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے نہایت خوش اسلوبی سے لگا کر حسن تالیف میں اضافہ کردیا ہے۔

۷: تفسیر امام لاہوری کی تیاری ان مسودات سے کی جارہی ہے جو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے امام لاہوریؒ سے ۴۰/۵۰ سال پہلے لکھے تھے، لہٰذا ان مسودات کے بعض صفحات

نہایت بوسیدہ ہو چکے ہیں بعض مقامات پر اگر کہیں ابہام کی صورت پیش آتی ہے تو ابہام کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

۸: چونکہ "تفسیر امام لاہوریؒ" ایک دائرۃ المعارف اور علوم امام لاہوری انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے تو ہر ایک رکوع میں جہاں جہاں بعض آیتوں میں ان مسودات کے علاوہ امام لاہوری نے اپنے خطبات یا مجالس میں ان باتوں پر کہیں کچھ روشنی ڈالی ہے تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے نہایت سلیقے سے وہ نکات شامل کئے ہیں۔

۹: مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس کی ترتیب وتدوین میں خوب غور وخوض سے کام لیا ہے وہ پیرانہ سالی اور دیگر مشاغل کے باوجود رات دن ایک کر کے اس کی تصحیح وعنوانات لگانے میں مشغول رہتے تھے اور مسودات چیک کرنے میں منہمک رہتے، ان شاء اللہ اس میں کسی ایسی بات کی گنجائش نہ ہوگی کہ جس پر کل کلاں بہت بڑے اعتراضات کئے جائیں، نہ اس میں حقائق سے ہٹ کر کوئی بات ہوگی صداقت کو صداقت کی طرح پیش کر دیا گیا ہے۔ان شاء اللہ اس تفسیر سے ہر مسلک ہر طبقہ کے متوسلین فائدہ اٹھائیں گے۔

۱۰: اس کے انداز بیان میں سادگی ،ندرت اور علمی چاشنی جگہ جگہ محسوس ہوگی، امام لاہوریؒ کے الفاظ کا بھرپور احتیاط کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے۔

۱۱: تفسیر میں موجود احادیث مبارکہ کی امہات کتب سے تخریج کی گئی ہے۔

۱۲: مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے موجودہ زمانے کے اکابر واہل علم سے ان کی توثیق و تقریظ کیلئے برصغیر کے نامور علماء ومفسرین کی طرف ایک مسودہ تیار کر کے انکی خدمت میں پیش کیا تا کہ اس پر اپنے تاثرات قلمبند کریں،لہٰذا اس میں اہل علم کے تاثرات بھی شامل ہوں گے۔

آخر میں ایک بات تحدیث بالنعمت کے طور پر کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس خدمت کو اپنے لئے

سعادت مندی سمجھتا ہوں کہ مجھے شہید مولانا سمیع الحق نوراللہ مرقدہ نے اس قابل سمجھا کہ میں ان کے ساتھ اس تفسیر میں معاونت کروں، میں نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ اس کام میں پورے اخلاص کے ساتھ لگا رہوں، یہ میرا کمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی ہے......

ایں سعادت بزور نیست
تانہ بخشد خدائے بخشند

افسوس صد افسوس کہ میرے مربی اور مہربان شہید ناموس رسالتؐ مولانا سمیع الحق نوراللہ مرقدہ کی حیات میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکی اور آخری تین پارے ان کی عالمانہ فاضلانہ نظر سے نہ گزر سکے تاہم مولانا راشدالحق سمیع صاحب نے حضرت کی شہادت کے چوتھے پانچویں روز مجھے اور ''موتمرالمصنفین'' کی ٹیم کو اکٹھا کیا اور انہیں حوصلہ اور ہدایت کی کہ حضرت کی زندگی کی سب سے بڑی اور اس آخری ادھوری تمنا کو اب ہر صورت میں ہم سب نے پورا کرنا ہے اور آپ لوگوں نے بھرپور انداز میں اس اہم علمی کام کیلئے پھر سے کمربستہ ہونا ہے۔ اس دوران مولانا راشد الحق صاحب صدمے کی شدت، مہمانوں سے تعزیت اور دیگر کثیر مصروفیات کے باوجود مسلسل اس تفسیری کام کی نگرانی وخصوصی سرپرستی فرماتے رہے اور میرے بقیہ پاروں کے کام کو خود بھی دیکھتے اور جانچتے رہے اور حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ اور دیگر اہل علم حضرات کے سامنے بھی پیش کرنے کا برابر اہتمام کرتے رہے۔ اشاعت میں تاخیر کئی وجوہات سے ہوئی۔ ایک تو پہلے دس پاروں کی نہج اور ترتیب الگ طرح کی تھی اور باقی کے بیس پاروں کی نہج ترتیب، حواشی ومجلسی افادات بھی تفصیلی نوعیت کی ہوگئی تھی تو حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ پہلے دس پاروں کو بھی اسی نہج پر ترتیب دیں۔ اس کے علاوہ تصحیح کے مسائل بھی بہت زیادہ تھے جس کی تصحیح وحساسیت پر مولانا راشد الحق صاحب کا بہت زیادہ اصرار رہا کہ اغلاط بالکل نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان تفسیری کاوش کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے تاکہ شہید مولانا سمیع الحق نوراللہ مرقدہ کی روح کو عالم برزخ میں تسکین مل سکے اور اس عظیم الشان علمی جواہر پارے سے مسلمانان عالم مستفید ہوسکیں۔ (آمین یارب العالمین)

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی
رکن موتمر المصنفین استاد جامعہ حقانیہ

مولانا شہیدؒ کے مآثر علم حدیث کا تذکرہ

کتب حدیث کی شروحات، درسی افادات وخصوصیات

علمِ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی نہایت معتبر اور مستند تاریخ ہے، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے، احادیثِ مطہرہ کی بدولت قرآن کریم کے اسرار ورموز سے پردہ اٹھتا ہے، احکامِ شریعت کی تفصیل حاصل ہوتی ہے اور دنیا وآخرت کی لازوال کامیابیوں کا راستہ بتلاتی ہے۔

برصغیر پاک وہند میں درسِ حدیث کا سلسلہ حضرت شیخ محدث عبدالحق دہلویؒ سے شروع ہوا ہے مگر اس کا تسلسل قائم نہیں رہا، پھر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دور سے دوبارہ آغاز ہوا، آپ کے خاندان نے فنِ حدیث کی خدمت کی اور یہ سلسلہ علمائے دیوبند تک پہنچا، جن کا فیض اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں پھیلایا۔ افغانستان اور صوبہ خیبر پختونخوا میں احادیث مبارکہ کی بہت خدمت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ نے کی، جنہیں سرحد کے شاہ ولی اللہ کا لقب دیا گیا ہے، ان کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (سابق استاد حدیث دارالعلوم دیوبند) نے دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد ہی دورہ حدیث سے رکھی اور ان کے بارے میں شیخ غورغشتویؒ فرماتے تھے کہ میرے بعد میری دعاؤں کی تعبیر مولانا عبدالحقؒ ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے لگائے ہوئے باغ کی جس طرح آبیاری شہید عزیمت مولانا سمیع الحق نور اللہ مرقدہٗ نے کی، اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔

شہید عزیمت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں بے شمار خصوصیات و انعامات سے نوازا تھا، ان میں خاص الخاص انعام درس وتدریس اور علومِ حدیث کی خدمت ہے، ۱۹۵۸ء میں فراغت پانے کے بعد شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ سے دورہ تفسیر پڑھا اور اس کے بعد تدریسی زندگی سے وابستہ ہوئے، تقریباً نصف صدی کسی نہ کسی طرح احادیث کی خدمت میں مصروف رہے۔ آپ نے علمِ حدیث سے متعلق جو مآثر چھوڑے ہیں ان کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

اسلام کا نظامِ اکل وشرب

یہ کتاب حضرت شہیدؒ عزیمت کے ترمذی شریف کے "ابواب الاطعمة والاشربة" کے درسی افادت کا مجموعہ ہے، جسے دارالعلوم حقانیہ کے سینئر استاد ومفتی حضرت مولانا مفتی مختار اللہ حقانی زیدمجدہ نے مرتب کیا ہے، اس کتاب کے مطالعے سے جہاں حضرت شیخ شہید کی درسِ حدیث کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے، وہاں وسعتِ مطالعہ اور جہان دانی کا بھی اندازہ ہوتا ہے، حضرت شیخ شہید چونکہ دنیا دیکھے ہوئے تھے، اس وجہ سے ہرقوم وملک میں کھائی اور پی جانے والی اشیاء کا ذکرفرماتے کہ یہ چیزیں حلال ہیں اور یہ حرام ہیں۔

زین المحافل شرح شمائل ترمذی

یہ کتاب دوضخیم جلدوں میں ہے اور یہ حضرت شہید عزیمت کے درسی افادات ہیں، جسے حضرت مولانا اصلاح الدین حقانی نے طالب علمی کے دور میں حضرت شہیدعزیمت سے شمائل ترمذی پڑھتے ہوئے قلم بند کیا تھا، ۲۰۰۸ء میں اس کی طباعت ہوئی تو جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی انتظامیہ نے تقریب رونمائی رکھی جس میں ہزاروں علما ومشائخ نے شرکت کی، ذیل میں حضرت شہیدعزیمت کے خطبہ استقبالیہ سے چندکلمات نذر قارئین ہے: ''ویسے تو اس کتاب کوبیس پچیس سال پہلے چھپ جانا چاہئے تھا۔ احباب، مخلصین مجھے گذشتہ پچیس سال سے کہتے رہے کہ شمائل ترمذی کی درسی تقاریر کو ترتیب دے کرشرح مرتب ہونی چاہئے مگر میں ایک کم علم آدمی ہوں اوراس قابل نہیں ہوں کہ میرے درسی افادات بھی طبع ہوں اور کیوں میری ''جہالت'' طشت از بام کررہے ہو'' کیاپدی اور کیاپدی کا شوربہ'' میں ایک ادنیٰ سا اور حقیر طالب علم ہوں، یہ تو اکابرین اور ہمارے مشائخ کی شان تھی، ان کی ہر بات علم وتحقیق کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی تھی اور لائقِ اشاعت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ ان دوستوں، خصوصاً حضرت مولانا اصلاح الدین حقانی، حضرت مولانا مفتی مختار اللہ حقانی کو جزائے خیر عطا فرماویں، میں ان کی بات ٹالتا رہا اور کہتا رہا کہ میری اصلاح اور میری نظرِ ثانی کے بغیر شائع نہیں ہونی چاہئے، میں خود اس کی اصلاح کروں گا اور خود دیکھوں گا اور اس طرح ٹال مٹول کرکے مسودہ اپنے پاس رکھ لیا۔ الحمد للہ گذشتہ نصف صدی سے پڑھنا اور پڑھانا کام ہے، دارالعلوم حقانیہ میں میرے پڑھانے کے پچاس سال ہوگئے۔ ۱۹۵۸ء سے میری تدریس کا آغاز ہوا تھا اور آج ۲۰۰۸ چل رہا ہے تو گویا پچاس سال ہوگئے، اللہ تعالیٰ یہ سعادت موت تک جاری وساری رکھے، سب سے بڑی رحمت اور نعمت ایک عالم کے لئے درس اور تدریس ہے، حضرت والدی المکرّم کی نظر جب

کمزور ہوگئی تو بہت روتے تھے اور آخر تک یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ! موت تک حدیث کا درس نہ چھوٹے، آنکھوں کی وجہ سے اس لئے روتے تھے کہ میں پھر حدیث نہیں پڑھا سکوں گا تو اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوسکتی ہے؟ مجھے شرم آتی تھی کہ میرے درسی افادات کو طباعت کی شکل دی جائے، بہرحال! یہ ایک بہانہ ہے وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا(یوسف:۸۸) اور ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں پورا پورا غلہ دے دیجئے اور اللہ کیلئے ہم پر اِحسان کیجئے! جیسے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی (فاضلِ حقانیہ) نے اشارہ کیا۔ میرے بھی ذہن میں یہی تھا کہ ہم تو وہ لوگ نہیں ہیں کہ صرف جلوس اور جلسے کریں۔ ان بدعات سے اللہ محفوظ رکھے لیکن ہمارا مسلک حقیقی اہلِ سنت کا مسلک ہے اور وہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی متابعت میں ساری زندگی گزارنا علمائے دیوبند کا شیوہ ہے تو مجھے دلی خوشی ہوئی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ربیع الاول کی مناسبت سے دارالعلوم کی طرف سے خراجِ عقیدت کا ایک علمی تحفہ پیش کیا جائے۔ الحمد للہ یہ اس نسبت اور تصور کی کرامت اور معجزہ ہے کہ آج یہ اتنا بڑا عظیم اجتماع ہوا اور اتنا کامیاب ہوا۔''

اسلامی معاشرے کے لازمی خدوخال

یہ کتاب امام ترمذی کی مشہور کتاب جامع السنن کے ابواب البر و الصلة سے متعلق حضرت شیخ شہید کے درسی افادات کا مجموعہ ہے، جسے دارالعلوم حقانیہ کے استاد اور معہد الافتاء والقضاء کے معاون حضرت مولانا مفتی عبدالمنعم صاحب نے کتاب و شرح کی ترتیب دی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے اپنے پیش لفظ کے ساتھ اپنے اشاعتی ادارے القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں والدین کے حقوق، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، پڑوسیوں کے حقوقِ ہمسائیگی، بڑوں کا ادب واحترام، چھوٹوں پر رحمت و شفقت، بہنوں اور بیٹیوں کی تعلیم وتربیت، بیوی اور بچوں کی پرورش اور سرپرستی، یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری، ضعیفوں اور بیکسوں کیساتھ ہمدردی، غلاموں اور خادموں سے لطف ونرمی، مریضوں کی عیادت، مصیبت زدہ کی مدد اور ان سے تعاون، عام لوگوں کیساتھ رحم دلی، آپس میں محبت اور اخوت، نیز سلام کو عام کرنا، مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کیساتھ ملنا، عفو ودرگذر سے کام لینا، عہد کی پابندی کرنا، سخاوت اور مہمان نوازی اپنانا، اعتدال ومیانہ روی اختیار کرنا، سچ بولنے کی عادت بنانا، الغرض ہر قسم کی خوش اخلاقی اور حسنِ معاشرت کی تعلیم دی گئی ہے اور ان اوصافِ حسنہ کے فضائل اور ان پر مرتب ہونے والے اجر وثواب کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

حقائق السنن شرح الجامع السنن للترمذی

امام ترمذی کی جامع کسی تعارف کا محتاج نہیں ، اللہ تعالیٰ نے حدیثِ مبارکہ کی اس کتاب کو بہت مقبولیت عطا فرمائی ہے، شیوخ الحدیث بخاری شریف کے بعد اس کتاب کو فقہی ابحاث کے لیے منتخب فرماتے ہیں، محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ نے بھی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی جب سے بنیاد رکھی اور دورہ حدیث سے ابتدا فرمائی تو شروع میں صحاح ستہ مکمل اکیلے پڑھاتے تھے، جب دارالعلوم کی ذمہ داریاں بڑھیں تو بخاری شریف اور ترمذی شریف اپنے پاس رکھیں پھر بخاری شریف کے منتخب ابواب اور سنن ترمذی خود پڑھانے لگے، ترمذی شریف کی تقریر طلبہ نے محفوظ کر لی تھی، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس عظیم الشان کام کی نگرانی خود فرماتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کو اس کام پر لگایا، حضرت حقانی صاحب مدظلہ روزانہ کا کام دونوں حضرات (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اور شہید عزیمت حضرت مولانا سمیع الحق) کو دکھاتے ، اس طرح ''حقائق السنن'' کی پہلی ضخیم جلد شائع ہوگئی۔ پھر یہ کام تعطل کا شکار رہا، پھر حضرت حقانی صاحب کے مشورہ سے تخصص کے طلبہ کو اس کام پر لگایا گیا، انہوں نے تخصص کے مقالے کے طور پر اس کام کو مکمل کیا، اس طرح شہید عزیمت کی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی، اگرچہ طباعت باقی ہے، حضرت شہید عزیمت ان مسودات کی بطور خاص اصلاح فرماتے، جہاں اضافہ مناسب سمجھتے وہاں اضافہ فرماتے اور جہاں تکرار نظر آیا اسے حذف فرماتے۔

شرح کتاب المغازی

یہ بھی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی درسی تقریر ہے جو پشتو میں لکھی گئی تھی، شہید عزیمت نے احقر کو اردو ترجمہ کرنے کیلئے سپرد کی تھی، جس پر تقریباً ۶۰ فیصد سے زیادہ کام ہو چکا تھا کہ ایم فل کے ایک اسکالر اور جامعہ حقانیہ کے فاضل مولانا صلاح الدین نے اس پر مقالہ لکھنا چاہا، احقر نے سوچا کہ یہ اچھا ہوگا ، کمپوزنگ بھی ہو جائے گی اور تحقیق و تخریج بھی، اسکالر موصوف نے اپنا مقالہ اسی تقریر پر مکمل کیا ہے لیکن مغازی کا کام اب بھی باقی ہے، شاید وہ اسی پر پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی لکھنا چاہتے ہوں، اللہ کرے یہ کام جلدی پورا ہو اور حضرت شیخ شہید کی روح خوش ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ شہید کی جملہ مساعی کو قبول فرمائے اور درجاتِ عالیہ کا سبب بنائے۔ (آمین)

جناب اسداللہ غالب
کالم نگار روزنامہ ''نوائے وقت''

''وار آف آئیڈیالوجی'': ایک مطالعہ

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حینِ حیات میں لکھا گیا یہ کالم ''نوائے وقت'' میں شائع ہوا، اس لئے اس تحریر میں صیغے سارے ان کی حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دورانِ مطالعہ اس ملحوظہ کو یاد رکھیں...... (اِدارہ)

مولانا سمیع الحق اور ان کے دارالعلوم حقانیہ سے بچپن سے متعارف اور ان کا معتقد ہوں جب میں نے ان کے والد گرامی مولانا عبدالحقؒ کے جریدے ''الحق'' کا باقاعدہ خریدار بن کر مطالعہ شرع کیا، اس جریدے کی زبان بڑی سلیس تھی اور حالات حاضرہ پر اس کے تبصرے مختصر، کاٹ دار اور جامع محسوس ہوتے تھے۔ مجھے ابھی کوریئر کے ذریعے دو پیکٹ موصول ہوئے ہیں، ایک تو افواج کا ترجمان ''ہلال'' ہے جس کے معیار کا میں بے حد معترف ہوں، اس بار یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ انگریزی اور اردو کے ہلال الگ الگ شائع کئے گئے ہیں، اس جدت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، ''ہلال'' ایک زمانے میں ہفت روزہ تھا، اب ماہنامہ ہے، یقینی طور پر مالی دشواریوں کی وجہ سے مگر اس کے مندرجات اس امر کے متقاضی ہیں کہ اُسے دوبارہ ہفت روزہ کیا جائے بلکہ اسے روزنامہ کیا جائے، اس لئے کہ حالات کی رفتار بہت تیز ہے۔ دوسرے پیکٹ سے ایک کتاب برآمد ہوئی ہے، یہ مولانا سمیع الحق کی تصنیف ہے اور حیرت والی بات یہ ہے کہ بزبان انگریزی ہے۔

دوسری حیرت یہ ہے کہ اس میں ترجمے والا عنصر نظر نہیں آتا، اس پر اوریجنل تحریر کا گمان ہوتا ہے، اس لئے کہ زبان و بیان میں سلاست اور روانی ہے، وہی تاثرات جو میرے دل پر'' الحق'' نے زمانہ طالب علمی میں نقش کئے تھے۔ کتاب کا ٹائٹل ہے، ''وار آف آئیڈیالوجی'': افغان طالبان اور ان کی جدوجہد برائے قیام امن'' اس کتاب میں ان تمام سوالات کا جواب موجود ہے جو طالبان کے قول وفعل کے بارے میں اٹھائے جاتے رہے، یہ کتاب طالبان کے دفاع میں نہیں بلکہ ان کے

موقف کی تفصیل اور تشریح ہے، اس کا لب ولہجہ معذرت خواہانہ نہیں۔ مولانا سمیع الحق کو یہ کام کیوں کرنا پڑا؟ اس کی ایک معقول وجہ ہے، جن لوگوں کو ''افغان طالبان'' کہا جاتا ہے، وہ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے طالب علم رہے ہیں، ایچی سن سے فراغت پانے والوں کو ایچی سونین، گورنمنٹ کالج کے طلبہ کو راوین، علیگڑھ والے علیگ اور گھوڑا گلی والے گیلین کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ہر درسگاہ، کالج اور یونیورسٹی والے کسی نہ کسی مخصوص نام سے پکارے جاتے ہیں، اس لئے محض طالبان ہونا ایک تعارف تو ہے مگر کوئی گالی نہیں جیسے کہ بنالی گئی ہے۔

طالبان کی حکومت اسی طرح آئینی اور قانونی اور جائز حکومت تھی جیسے یمن میں ہادی کی حکومت کے بارے میں دعوی کیا جاتا ہے اور اس کی بحالی کے لئے عرب دنیا نے لڑائی چھیڑ رکھی ہے مگر عراق میں صدام حسین، لیبیا میں کرنل قذافی، مصر میں حسنی مبارک اور اس کے بعد صدر مرسی کی حکومت بھی جائز اور قانونی تھی مگر عرب مما لک نے جس طرح ان کا دفاع نہیں کیا، اسی طرح طالبان کی جائز حکومت کو بھی حالات کے جبر کے حوالے کر دیا گیا، طالبان کا نائن الیون میں کوئی گناہ نہیں تھا مگر انہیں صرف اس جرم کی سزا دی گئی کہ انہوں نے امریکی مطالبے پر اسامہ بن لادن کی حوالگی سے انکار کیا۔ اس انکار کے باوجود طالبان نے عالمی طور پر مسلمہ اصولوں اور روایات کے تحت امریکہ کو پیشکش کی اسامہ کے خلاف ثبوت مہیا کئے جائیں، اس پر مقدمہ افغانستان میں چلے گا۔ یہ وہی موقف ہے جو حافظ محمد سعید اور مولانا ذکی الرحمٰن لکھوی کے سلسلے میں بھارت کے مقابل پاکستان نے اختیار کر رکھا ہے مگر طالبان کی حد تک اس موقف کو قبول نہ کیا گیا اور دنیا نائن الیون کے بعد سے مسلسل جہنم بنتی جا رہی ہے۔ امریکی اور اتحادی افواج نے بہت زور لگا لیا مگر وہ اقوام عالم کے حق حاکمیت کی تڑپ کو ختم نہیں کر سکیں، نہ کر سکتی ہیں، اس لئے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور کوئی اسے غلام بنانے پر قادر نہیں۔ طالبان کا تو یہ گناہ ہو گیا کہ انہوں نے اسامہ کو حوالے کرنے سے انکار کیا مگر پاکستان کا گناہ کیا تھا؟ کہ امریکہ نے اس پر ڈرون مارنے کیلئے قواعد کو نرم کر دیا، اسکا کیا جواز ہے؟۔

اس موضوع پر ہزاروں مرتبہ لکھا جا چکا ہے اور اس وقت تک لکھا جاتا رہے گا جب تک عقل و دانش کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا، عراق میں کٹھ پتلی حکومتیں بنا کر تجربہ کر لیا گیا، وہاں اسلامی خلافت اور داعش نے پھریرا لہرا دیا، اب افغانستان میں کبھی کرزئی، کبھی اشرف غنی اور جن طالبان کی قانونی اور جائز حکومت تھی وہ ڈرونز کے نشانے پر ہیں اور اتحادی افواج اپنی جگہ بھارتی سیکورٹی فورسز کے غلبے کی

کوشش میں ہیں، اشرف غنی نے بھاگم بھاگ نئ دہلی کا کل ہی ایک دورہ کیا ہے۔مولانا سمیع الحق کا کہنا ہے کہ آج ہر مسلمان کو دہشت گرد، تشدد پرست اور انتہا پسند سمجھا جاتا ہے جبکہ لفظ مسلمان اور مومن میں سلامتی اور امن ایک بنیادی عنصر ہے۔اسلام کا فلسفہ حیات بہر حال وہ نہیں جو اہل مغرب کا ہے مگر اہل مغرب کو اگر حق حاصل ہے کہ وہ اپنے فلسفہ حیات کو بزور طاقت مسلط کریں اور فروغ دیں تو اہل اسلام کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نظریات پر کاربند رہیں اور ان کی ترویج کے لئے کوشاں رہیں۔مولانا سمیع الحق نے اسی لئے کتاب کو نظریے کی جنگ کا نام دیا ہے اور اہل مغرب اسے تہذیبوں کی کشمکش سمجھتے ہیں، تاریخ میں یہ کشمکش بارہا دیکھنے میں آئی، مصر فرعونوں کی سرزمین بھی رہا، برصغیر میں بدھ کلچر کو فروغ حاصل ہوا، ٹیکسلا، موہنجوڈارو اور ہڑپہ کے کھنڈرات بتاتے ہیں کہ عمارت عجیب تھی۔ کبھی عجمی تہذیب وثقافت کو بول بالا حاصل رہا تو کبھی رومیوں کا ڈنکا بجا اور پھر ایک طویل عرصے تک مسلم کلچر نے دنیا کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا، بنیادی طور پر یہ علم کی روشنی تھی جس نے ازمنہ وسطی کے اندھیروں کو دور کیا۔

مجھے مولانا سمیع الحق کے نظریات میں شفافیت نظر آتی ہے،انہوں نے ما فی الضمیر کا اظہار بلاکم وکاست کیا ہے۔میں کتاب پڑھوں گا اور ضروری ہوا تو مزید لکھوں گا، فی الوقت ذہن حاضر نہیں کہ پچھلے تین ہفتوں سے پل صراط پر لٹکا ہوا ہوں، جی تو چاہتا تھا کہ لکھنے سے کچھ عرصے کے لئے چھٹی کروں تاکہ جب ذہن یکسو ہو جائے تو دل جمعی سے لکھ سکوں مگر قارئین نے حوصلہ افزائی کی، حالات کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ انہیں عقل کے بھیڑیوں کے چنگل میں جانے سے بچایا جائے ،سو میں نے قلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔قلم بہت بڑا سہارا ہے، خدا نے قلم کی قسم کھائی ہے۔

مولانا سمیع الحق کی کتاب انتہائی وقیع ہے، یوآن رڈلے، سید مشاہد حسین، ایازامیر اور احمد رشید کے بلیغ تبصرے اس کتاب کی سند کیلئے بیش قیمت ہیں۔میرے نزدیک مولانا مودودی کے بعد اگر کسی نے کھری بات کی ہے اور شرح صدر سے لکھا ہے تو اس صف میں مولانا سمیع الحق کا نام سرفہرست ہے، میں پہلے ہی انکے اس احسان تلے دبا ہوں کہ انہوں نے کئی ضخیم جلدوں پر محیط اپنی شہرہ آفاق تصنیف مشاہیر مجھے ہدیہ کی، یہ ایک نادر ذخیرہ ہے جو ہماری پچھلی سو سالہ تاریخ کو قریب سے سمجھنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔مسلم دنیا مولانا سمع الحق کی اس حق پرستانہ تصنیف کیلئے شکر گزار رہے گی، یہ کتاب کج بحثی کی کثیف دھند کو دور کرنے کا باعث بنے گی۔

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی
رکن موتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

”مکاتیب مشاہیر“ مکاتیب کا انسائیکلوپیڈیا

مکتوب نگاری دو انسانوں کے درمیان تعلقات کی ترجمانی کرنے والی ایک ایسی صنفِ نثر ہے جس میں غیر افسانوی انداز میں خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو اپنے جذبات واحساسات سے آگاہ کیا جاتا ہے، اسی طرح حقیقت حال کا بیان بھی ہوتا ہے، ماضی میں جو لوگ فاصلوں پر رہتے تھے، خیالات اور خیر خیریت جاننے کے لیے بے چین رہتے تھے، ان لوگوں کے آپسی تبادلہ خیال کا ذریعہ خط ہی تھا، اس وجہ سے خط کو نصف ملاقات سے تعبیر کیا جاتا تھا، ویسے تو مکتوب نگاری کی تاریخ بہت پرانی ہے مگر اردو میں اس صنف کا آغاز مرزا اسد اللہ خان غالب کے خطوط سے ہوا، غالب نے اردو کے ابتدائی خطوط ۱۸۴۶ء میں تحریر کیے، اس کے بعد اس صنف نے کافی ترقی کی اور بہت سارے اہلِ علم وادب کے خطوط شائع ہوئے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے بچپن ہی سے مکتوب نگاری شروع فرمائی تھی، اپنے والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے نام خطوط لکھتے، جب آپ دارالعلوم دیوبند میں استاد تھے، ان کے علاوہ اپنے احباب، مشاہیر اہلِ علم، زعمائے ملت اور مجاہدین کے نام بھی خطوط لکھے، ان حضرات کے جوابی خطوط آتے تو انہیں سنبھالتے، یہاں تک کہ ایک عظیم الشان ذخیرہ جمع ہوگیا، جو چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہوا، اس مجموعہ میں مکاتیب کی تمام قسمیں موجود ہیں، مثلاً: نجی اور ذاتی خطوط، سرکاری مراسلے، تجارتی مکاتیب، صحافتی مراسلے، سفارتی خطوط، علمی و فقہی خطوط اور ادیبوں ودانشوروں کے خطوط وغیرہ۔ ذیل میں مکاتیب مشاہیر کے بارے میں اہلِ علم وادب کے تاثرات پیش خدمت ہیں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

میرے علم اور میرے ناقص مطالعے کے اندر کسی زبان میں مثلاً فارسی، اردو، عربی، انگریزی اور دیگر جتنی زبانیں میں جانتا ہوں اس میں کوئی ایسی کتاب مجھے یاد نہیں آرہی جسمیں اتنی بڑی تعداد

کے علماء، دانشور، اولیاء، صوفیاء، اہل قلم اور سیاست دانوں بلکہ مختلف الجہت لوگوں کے مکاتیب کو جمع کیا گیا ہو، میری دانست میں، میرے علم کی حد تک کوئی ایسی کتاب اس سے قبل نہیں آئی'' اور لوگ کہیں گے کہ اس سے فائدہ کیا؟ مولانا سمیع الحق نے جو اس کے آغاز میں پیش لفظ لکھا ہے اس کو ذرا غور سے پڑھیں اور اس کے اندر آپ کو نظر آئے گا کہ اس پیش لفظ میں مکتوبات کی تاریخ بھی ہے، مکتوبات کا مقصود اور اس سے جو نفع پڑھنے والا حاصل کرسکتا ہے اس کا بیان بھی ہے۔''الحمد للہ! یہ اعزاز مولانا سمیع الحق کو حاصل ہوا کہ انہوں نے برصغیر کے سینکڑوں بڑے مشاہیر کی تحریروں کا ایک بڑا مجموعہ اپنے خاص ذوق کے ساتھ مرتب فرمایا جس میں، ہم جیسے طالب علموں کیلئے ایک سبق تو یہ ہے کہ اس سے تحریر کا اور مضمون نگاری کا ایک سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مکاتیب پون صدی کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ سیاسی تاریخ، علمی اور ادبی تاریخ، ثقافتی تاریخ، اور معاشرتی تاریخ مکاتیب سے جگہ جگہ جھلک رہی ہے اور جہاں جہاں کوئی پوشیدگی ہے تو مولانا نے اپنے تعلیقات وحواشی کے ذریعے بہت خوبصورت اور مختصر انداز میں اس کا مطلب واضح کردیا ہے۔

سابق سینیٹر مولانا قاری محمد عبداللہ بنوی

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور مولانا سمیع الحق کا ''مشاہیر'' کی ترتیب واشاعت تاریخ کا ایک لازوال کارنامہ ہے اور یہ اکابر علماء دیوبند کے علمی، تصنیفی، تالیفی ادبی اور اشاعتی کارناموں کا ایک تسلسل ہے، آپ نے فرمایا حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے امت کے ارباب علم کی خدمت میں صرف ایک مصنف، صرف ایک مؤرخ، صرف ایک زعیمِ قوم وملت کسی ایک شیخ وبزرگ کی تحریر اور پیغام پر اکتفا نہیں کیا میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہزار سے زائد سیاسی زعماء، علماء، مشائخ، ادیبوں، دانشوروں اور مصنّفین کے پیغامات، مشن اور ان کی تعلیمات وہدایات کا نچوڑ ہے، گویا مکاتیب مشاہیر کے مصنفین کی تعداد سینکڑوں سے بھی زائد ہے جنہیں مولانا سمیع الحق صاحب نے حسنِ سلیقہ سے ایک کتاب میں جمع کرکے علوم ومعارف کے حسین ''مرقع'' کی صورت میں امت کے حضور پیش کردیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد صاحب (ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی)

برصغیر پاک وہند میں میری تحقیق کے مطابق جو سب سے پہلے خطوط چھپے ہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات تھے، میں سمجھتا ہوں کہ ''مشاہیر'' سے ان خطوط کی تجدید ہوگئی ہے جن میں سات سمندر بند ہیں، علوم کے بھی اور تاریخ کے بھی، مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنے والد گرامی، اپنے نام

اور ادارے کے نام جو خطوط جس اہتمام سے محفوظ رکھے ہیں حقیقت یہ ہے یہ اسی علم کی برکتیں ہیں آج اتنے خطوط کو محفوظ رکھنا، ترتیب دینا، عنوانات لگانا، حواشی لکھنا اور پھر اسے شائع کرنا دل گردے کا کام ہے اور یہ ایسی ہی شخصیات اور اداروں کا کام ہے میں ایسے ہی موقع پر جب عقیدت ومحبت بہت زیادہ ہو اور وقت کم ہو دو تین شعر سنا تا ہوں......

یا رب شبِ وصال کو اتنا دراز کر　　　　تا حشر مسجدوں میں اذانِ سحر نہ ہو

اور پھر چونکہ یہ تو ممکن نہیں تھا تو ایک دوسرے شاعر نے کہا ......

شبِ وصال بہت کم ہے آسمان سے کہو　　　　کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

حضرت مولانا زاہدالراشدی (مدیر ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ)

مولانا سمیع الحق صاحب باہمت اور صاحبِ عزیمت بزرگ ہیں کہ اس بڑھاپے میں مختلف امراض وعوارض کے باجود چومکھی جنگ لڑرہے ہیں اور مختلف شعبوں میں اس انداز سے دینی وقومی خدمات میں مصروف ہیں کہ کسی شعبہ میں بھی انہیں صفِ اول میں جگہ نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ دارالعلوم حقانیہ کے اہتمام وتدریس کے ساتھ ساتھ امریکی ڈرون حملوں اور نیٹو سپلائی کی ممکنہ بحالی کے خلاف عوامی محاذ کی عملی قیادت کررہے ہیں، جس میں انہیں ملک کے طول وعرض میں مسلسل عوامی جلسوں اور دوروں کا سامنا ہے جبکہ قلمی محاذ پر رائے عامہ کی راہ نمائی اور دینی جدوجہد کی تاریخ کو نئی نسل کے لیے محفوظ کرنے میں بھی وہ اسی درجہ میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اور خود اپنے نام مشاہیر کے خطوط کو آٹھ ضخیم جلدوں میں جمع کرکے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، اسے دیکھ کر میں خود تحیر وتعجب کے ساتھ خوشیوں کے سمندر کی گہرائی میں ڈبکیاں کھا رہا ہوں، بحمداللہ تعالیٰ میرا شمار بھی بے ہمت لوگوں میں نہیں ہوتا مگر مولانا سمیع الحق کی ہمت کی بلندی پر نظر ڈالنے کے لیے بار بار ٹوپی سنبھالنا پڑ رہی ہے۔

بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن جدون (مصنف کتبِ کثیرہ)

کتاب کے آغاز میں مولانا موصوف کا ایک وقیع اور نہایت ہی جاندار مقدمہ ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو بچپن ہی سے خطوط کو جمع کرنے کا انتہائی شوق تھا اور یہی وجہ ہے کہ ہزاروں خطوط کا ذخیرہ ان جلدوں میں آ گیا ہے۔ ان میں اکابر علماء ومشائخ عظام کے خطوط بھی ہیں اور دیگر مشاہیر کے بھی۔ تحقیقی کام کرنے والوں کیلئے بھی یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ مجھے اللہ

تعالیٰ کی وسیع رحمت سے پوری امید ہے کہ تمام دینی اور عصری تعلیمی ادارے، جامعات اور ملک کی لائبریاں پہلی فرصت میں اس علمی ذخیرہ کو ہاتھوں ہاتھ لے کر خود اور دوسرے شائقین علم کو استفادہ کا موقع فراہم کریں گی اور میرا تجربہ ہے کہ ایسی علمی سوغات کے حصول میں ادنیٰ تاخیر بعض اوقات محرومی کا سبب بن جایا کرتی ہے، اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو۔

حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب (مرتب: تاریخ مدینہ وتاریخ مکہ)

مکاتیب کے عظیم وضخیم دفاتر دیکھ کر جناب والا کے ذوقِ سلیم سے بے حد مسرت ہوئی۔ آپ کی علم و ادب سے گہری وابستگی، اکابر و مشائخ مقتدر علماء وخطباء، نامور فضلاء اور دانشور، سیاسی زعماء اور جلیل القدر قومی رہنماؤں کے مکاتیب و مراسلات کا ادب و احترام تعظیم وتکریم اور تحفیظ انتہائی قابلِ رشک اور لائق تقلید ہے۔ آپ نے بڑی محنت، جاں فشانی اور عرق ریزی سے خوش رنگ وخوشنما گلہائے رنگا رنگ کا مشک بیز گلدستہ سجایا۔ جس کی روح پرور مہک نے اصحاب علم و دانش کے دل و دماغ کو معطر کر دیا ہے۔ آنجناب نے علم وحکمت کے درہائے ناسفتہ اور گوہر ہائے مکنونہ کو سلک مرواریدی میں سجانے کی لازوال خدمت انجام دی ہے۔ ان شاء اللہ اس سے طالبانِ علم وتحقیق و تدقیق تاابد مستفید ہوتے رہیں گے، یہ ایک ایسا دین و دانش کا سدا بہار گلشن معرض وجود میں آیا ہے۔ جس کی نکہتوں اور لطافتوں کی توصیف وتحسین کے ڈنکے چہار دانگ عالم میں بجیں گے۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب

''مشاہیر'' جیسے جیسے دیکھتا گیا خوشی اور دل بستگی کے بحرِ بیکراں موجزن ہوئے اور آپ کی مثالی یادداشتیں ان گنت احسانات جس کے پیش نظر امت کو یہ درد اور یواقیت مبعثرہ بحر ذخار کے ساحل ساکن سے معمولی سیر وتفریح کے آشناء روش سے نصیب ہو رہے ہیں ما ھی باول برکتکم یا آل ابی بکر

حضرت مولانا سید عدنان کاکاخیل (معروف دانشور اور جرأتمند خطیب)

اردو میں سیر وسوانح کی کتابوں کا پڑھنا مجھے بچپن سے شغف رہا ہے، اردو زبان میں چھپنے والا مواد شاید سارا میری نظر سے گزر چکا ہے، اس کتاب کی خصوصیت علماء اور طلباء پر واضح کر دوں کہ اس میں آپ کو وہ سوانحی اشارے ملیں گے جو شاید آپ کو ان حضرات کی لکھی ہوئی مطبوعہ یا خودنوشت سوانح میں نہیں ملیں گے۔

مولانا محمد شفیع چترالی (مدیر روزنامہ اسلام)

ان مکاتیب میں جہاں عالم اسلام اور بالخصوص برصغیر کی پون صدی کی سیاست، معروضی حالات، علمی مباحث، ادبی وصحافتی رجحانات، سماجی وتہذیبی اقدار کی جھلکیاں دیکھنے کوملتی ہیں وہاں بالخصوص علماء کی دینی وسیاسی جدوجہد کی تابناک تاریخ کے بہت سے دریچے بھی وا ہوتے ہیں۔ ایک جانب مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا اعزاز علیؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا عزیر گل (اسیر مالٹاؒ)، مولانا سید ابوذر بخاریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا جلال الدین حقانیؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کے مولانا عبدالحق صاحبؒ کے نام لکھے گئے مکتوبات اس مجموعے کے ماتھے کا جھومر ہیں تو دوسری جانب عالم اسلام کی دیگر کئی ممتاز شخصیات، سربراہان مملکت اور سیاسی رہنماؤں کے خطوط بھی مولانا مرحوم اور مولانا سمیع الحقؒ کی جامع شخصیات کی عکاسی کرتے ہیں۔ مولانا سمیع الحقؒ کے نام شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے خطوط بھی خاصے کی چیز ہیں جن میں ان دونوں بزرگوں کے عہد شباب کی قلمی تابانیوں اور باہمی الفت ومودت کے ادیبانہ اظہار سے حظ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مولانا سمیع الحقؒ کے نام مولانا فضل الرحمٰن کے مکاتیب بھی یقینی طور پر دونوں حضرات کے چاہنے والوں کے لیے متاع گراں مایہ کا درجہ رکھتے ہیں جن میں سیاسی مزاج اورافتادطبع کے اختلاف کے باوجود باہمی احترام کے جذبات بھی وافر مقدار میں محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق صاحبؒ نے جہاں اس مجموعے کی جمع وترتیب میں جامعیت کا لحاظ رکھا ہے وہاں مکاتیب نگاروں کے تعارف اور بعض مکاتیب کے پس منظر پر مبنی بہت ہی دلچسپ حواشی بھی لکھے ہیں۔

مولانا محمد عمر انور بدخشانی (استاذ جامعہ بنوری ٹاؤن)

''مشاہیر'' کو ہاتھ میں لینے کے بعد قاری کیلئے یہ فیصلہ کرنا کافی دشوار ہوجاتا ہے کہ کیا پڑھے کس کا خط پہلے پڑھے اور کس کا بعد میں، یہ محض ایک کتاب نہیں بلکہ ایک قیمتی تاریخی خزانہ ہے جو اب تک مدفون تھا، کوئی بھی کتاب محض اپنے نام یا مصنف کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے مندرجات کی وجہ سے دلچسپی اورشہرت اختیار کرتی ہے، اس کتاب میں برصغیر پاک وہند کی تمام معروف وغیر معروف شخصیات کی نگارشات موجود ہیں۔ ''مشاہیر'' نے صرف مشاہیر ہی کو زندہ نہیں کیا بلکہ بہت سی ایسی گم نام شخصیات کو بھی جلا بخشی جو اب تک ہم سے مخفی تھے اور شاید مخفی ہی رہتے، ''مشاہیر'' اپنی ضخامت، مختلف

میدانوں میں ماضی قریب کی تقریباً تمام بڑی شخصیات کے مکاتیب وخطوط کے حوالے سے کسی بھی زبان میں اپنی نوعیت کا پہلا مجموعہ مکاتیب ہے، ان تمام کدوکاوش پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زیدمجدہ کی جتنی بھی تحسین وتعریف کی جائے وہ کم ہے کہ وہ اس عظیم، قیمتی اور علمی خزانے کے صحیح امین بنے اور اس امانت کو ہم جیسے ناکارہ طالب علموں تک بحسن وخوبی پہنچایا، مولانا زیدمجدہ کی علمی ودینی کارناموں پر میری خامہ فرسائی سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگی، حقیقت میں مولانا زیدمجدہ کی ذات اپنی دینی وعلمی خدمات کی بدولت اس مقام پر ہے کہ ع نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے تہنیتی تأثرات

حبی ومحبی الکریم جناب مولانا سمیع الحق صاحب حفظکم اللّٰہ تعالیٰ ورعاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ! پرسوں لندن کے سفر سے واپس آیا تو اچانک عصر کے بعد مولانا مختار اللّٰہ صاحب نے کتابوں کا وہ پیکٹ حوالہ کیا جس کا مدت سے انتظار اور اشتیاق تھا۔ کھولا تو اس میں وہ تحریر دلنواز بھی نظر آئی جو سالہا سال کے بعد میرے نام تھی اور بیساختہ یہ شعر یاد آ گیا ......

مدت کے بعد تم نے جو کی لطف کی نگاہ
دل خوش تو ہو گیا مگر آنسو نکل پڑے

اگرچہ مجھے فوراً ہی دوسرے سفر کی تیاری کرنی تھی اور حالاً ومرتحلاً کی کیفیت میں تھا لیکن دوسرے کاموں کی طرف اس کتاب نے مہلت ہی نہ لینے دی اور میں نہ جانے کتنا حصہ پڑھتا ہی چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب واشاعت آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ آپ نے جس جُزرسی کے ساتھ یہ مکاتیب محفوظ کر کے انہیں مرتب فرمایا اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

ع ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

مشاہیر کے مکاتیب تو بہت سے شائع ہوئے ہیں اور یہ ایک مستقل صنف تالیف بن گئی ہے لیکن اتنے مشاہیر کے اتنے مکاتیب کا مجموعہ شاید اس سے پہلے کبھی منظر عام پر نہ آیا ہوگا۔ یہ ہمارے ماضی قریب کی ایسی دستاویز ہے جو اس دور کی دینی، علمی، سیاسی اور معاشرتی تاریخ کے لئے مستند ماخذ بن سکتی ہے اور چونکہ مکتوب نگار ہر طبقہ خیال سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان سب کے انداز فکر، ان کے اسلوب تحریر اور حضرت شیخ قدس سرہ اور آپ کی ذات کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت گلہائے

رنگ رنگ کی صورت میں قاری کے سامنے آجاتی ہے اوراللہ نے آپ اور آپ کے والد ماجد قدس سرہ سے جو خدمات لی ہیں، ان کا کم از کم ایک اجمالی تصور بھی سامنے آجاتا ہے۔غرض ہرلحاظ سے یہ عظیم مجموعہ وہ خاصے کی چیز ہے جس سے ان شاءاللہ نسلیں فائدہ اٹھائیں گی۔

آپ نے اپنی محبت کی وجہ سے میری اُن احمقانہ تحریروں کو بھی اس مجموعے میں شامل کرلیا جو درحقیقت صرف آپ کے لئے تھیں کہ آپ ہی ان حماقتوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے لیکن آپ نے اس مخملیں مجموعے میں ٹاٹ کے بہت سے پیوند لگادیئے جو شاید قارئین کے لئے تو بدمزگی کا باعث ہوں لیکن جب میں نے انہیں پڑھا تو عہدِ رفتہ کے نہ جانے کتنے مناظر نگاہوں کے سامنے آگئے اورانہوں نے کچھ دیر کے لئے ماضی میں گم کردیا۔ بہت سے خطوط کو پڑھ کراب یہ بھی یاد نہ آیا کہ وہ کس واقعے سے متعلق ہیں لیکن آپ نے اس کتاب میں جابجا جومختصر مگر معنی خیز اورلطیف حواشی لکھ دیئے ہیں ان سے کتاب کی افادیت میں خوب اضافہ ہوگیا ہے۔ماضی کے ان واقعات کا تصور کرکے خود د آپ ہی نے کسی وقت جو دو شعر سنائے تھے وہ یاد آ گئے۔

آں ہم بہ تو کلیم چہ گویم چساں گزشت　　بدنامی حیات دو روزے نہ بودبیش
روزِ دگر بہ کندن دل زین وآں گزشت　　یک روز وقف بستن دل شد بہ این واں

بہرکیف! اس عظیم پیشکش پر دلی مبارکباد۔عزیزم مولانا راشد الحق سلمہ کوخصوصی طور پر ہدیۂ تبریک جن کی محنت،عرقریزی ہی نہیں ذوق لطیف بھی اس مجموعے کی ترتیب میں جابجا جلوہ افروزنظر آتا ہے۔اللہ ان کی عمراورعلم وعمل میں برکت اورترقیات عطا فرمائیں اور وہ آپ کیلئے ہمیشہ قرۃ عین بنے رہیں اوربہترین صدقۂ جاریہ۔　　والسلام: آپ کا بھولا بسرا محمد تقی عثمانی　　(۱۸رشعبان۱۴۳۲ھ)

حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری (جامعہ مظاہرعلوم سہارنپور، یوپی، ہند)

سچی بات یہ ہے کہ تأثرات تو اہل علم اوراصحاب مقام حضرات کے ہوتے ہیں، بندہ کا تو طالب علمانہ خیال یہ ہے کہ آنجناب نے اس کتاب کو مرتب اور شائع فرما کر آنے والی نسلوں پر مختلف جہات اور متعدد حیثیتوں سے احسان فرمایا ہے اور یقیناً جب تک یہ مکاتیب پڑھے جاتے رہیں گے، اہل بصیرت کی بصیرت میں اوراہل علم کے علم میں اوردینی جدوجہد اورقربانی کرنے والوں کی جدوجہد اورقربانیوں کے جذبات میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔اللہ آپ کواس پر بہترین جزائے خیرعطا فرمائے۔

حضرت مولانا ابن الحسن عباسیؒ

استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا نام گرامی محتاج تعارف نہیں، وہ ایک ہمہ پہلو شخصیت ہیں اور ان کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے، ویسے تو وہ پاکستان میں ایک سیاسی اسلامی رہنما کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے ہیں اور عوام کی ایک بڑی تعداد میں ان کی شناخت کا یہی حوالہ معروف ہے لیکن اس ناکارہ کے نزدیک ان کی شخصیت کا علمی حوالہ اس سے کہیں بلند ہے۔

مولانا سمیع الحق کا حیران کن کارنامہ

پختون وادی سے نکلنے والے اس مجلّہ نے اہل زبان وادب میں اپنے معیار کی بناپر جس طرح حیران کن پذیرائی حاصل کی، اسی طرح مولانا سمیع الحق صاحب کا حیران کن کارنامہ مشاہیر کے خطوط و مکاتیب کا زیر نظر مجموعہ ہے، جو سات ضخیم جلدوں میں مرتب ہو کر شائع ہوا۔ اس ناکارہ کے نزدیک یہ اردو ادب کی تاریخ مکاتیب وخطوط کا خاتمہ اور مولانا سمیع الحق صاحب کے علم اور اہل علم کی قدر دانی کی حیران کن لازوال مثال ہے کہ انہوں نے معروف اور غیر معروف تمام حضرات کے خطوط اپنے پاس محفوظ رکھے، یہاں تک کہ اگر کسی نے ان کو کسی تقریب کی دعوت دی ہے یا کسی تہوار اور خوشی پر مبارک باد دی ہے اسے بھی انہوں نے محفوظ رکھا۔

مولانا تھانویؒ، قندھاری پٹھان تھے

بطور لطیفہ عرض کئے دیتا ہوں، کچھ عرصہ قبل اردو بولنے والے چند علماء میرے پاس آئے، قوموں اور علاقوں کے مزاج کا ذکر چلا تو ازراہِ تفنن کہنے لگے: پختون علماء میں نظم وضبط نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، میں نے عرض کیا: ''آپ کے پاس اکابر کے اعتبار سے بے مثال نظم وضبط کے حوالے سے ایک ہی معتبر حوالہ ہے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اور وہ قندھاری پٹھان ہیں'' یہ انکشاف ان کے لئے حیران کن رہا۔ مولانا سمیع الحق کا مرتب کردہ یہ مجموعہ بھی اسی طرح کا حیران کن کارنامہ ہے۔ مولانا نے صرف چند خطوط جمع نہیں کیے بلکہ ان پر مفید عنوانات، حواشی میں ان کا پس منظر، شخصیات کا مختصر اور جامع تعارف، سیاسی اور غیر سیاسی اہم واقعات کی تفصیلات لکھ کر اسے ایک تاریخی دستاویز بنا دیا ہے جو ہماری گذشتہ پون صدی کی علمی، تہذیبی، سیاسی، ملی اور جہادی تاریخ کا درخشاں باب اور مولانا کے کمالِ ذوق کا فن پارہ ہے۔

مولانا نوراللہ فارانی
رکن القاسم اکیڈمی نوشہرہ

مولانا شہیدؒ کا ایک لازوال علمی کارنامہ

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے جہاں مسند درس وتدریس کو زینت بخشی، مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھا کر تشنگان علوم ومعارف کو فیضیاب کیا، وہاں آپ نے ملکی ملی قومی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، سیاست کی خاردار وادی میں قدم رنجہ ہوئے تو بڑے بڑے معرکے سر کیے، ملک خداداد پاکستان میں سیاسی جدوجہد سے نظام مصطفیٰ کی ترویج واشاعت کے لیے مرتے دم تک کوشاں رہے، ان جان گسل اور بے پناہ مصروفیات کے باوصف تصنیف وتالیف اور ماہنامہ ''الحق'' کی ادارت جیسے علمی وادبی کارنامے بھی انجام دیتے رہے، ویسے تو آپ نے تصنیف وتالیف میں اپنی قابلیت اور اس صنف میں اپنی مہارت کا لوہا منوایا ہے۔ آپ کی دسیوں کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ان کے ایک لازوال علمی کارنامے کے حوالے سے کچھ لکھنے کی کوشش کریں گے جو علمی ادبی حلقوں میں ''مکاتیب مشاہیر'' کے نام سے معروف ہے۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو قسام ازل نے بچپن ہی سے علمی ادبی ذوق کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، آٹھ نو سال کی عمر سے ان کے لئے ان کے والد ماجد کی کتابوں کی الماری کے ایک کونے میں لٹکا ہوا مخملی تھیلا جاذب نظر بنا رہا، اس تھیلا میں کیا تھا اور پھر آخر میں اس تھیلے کی کوکھ سے کس عظیم تاریخی دستاویز نے جنم لیا اور اطراف واکناف عالم میں پھیل گیا؟ آئیں اس مخملی تھیلے کا راز جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں اس میں کیا تھا؟

اس تھیلے میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے والد گرامی قدر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کے نام اکابر اساتذہ، احباب اور دوستوں کے آئے ہوئے خطوط ہوتے تھے، مولانا سمیع الحق شہیدؒ اپنے والد کی غیر موجودگی میں اس تھیلے کو ٹٹولتے، اس میں ہاتھ سے لکھے ہوئے مختلف اکابر اور علمائے کرام کے خطوط کو الٹتے پلٹتے رہتے یہاں سے آپ کو خطوط کی جمع آوری کا شوق چرایا۔ خطوط کی جمع آوری کے حوالے سے وہ خود بچپن کے احوال لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ہر چند کہ حضرت والد ماجدؒ اپنے کاغذات وغیرہ میں نوعمر بچوں کی مداخلت پر ناراض ہوتے تھے لیکن مجھے جب موقع ملتا ایسے خطوط چن کر اپنی ذاتی الماری میں محفوظ کرتا رہا۔ بچپن میں ڈاک کے ٹکٹوں، پرانے سکوں اور مختلف ڈیزائن کے ماچس جمع کرنے کی بجائے اللہ نے مجھے ان خطوط کو جمع کرنے کا شوق عطا فرمایا''

مولانا سمیع الحق نے تقریباً پون صدی پر مشتمل علمائے کرام، مشائخ عظام، سیاست دانوں، ارباب فکر ودانش، حکمرانوں، اساتذہ کرام، طلباء، پروفیسروں، پی ایچ ڈی اسکالروں، مدبرین ومفکرین، وکلاء وصحافی حضرات اور دیگر طبقات کے سرکردہ پندرہ سو شخصیات کے تقریباً پانچ ہزار سے زائد متنوع قسم کے خطوط مختصر مگر جامع سوانحی نوٹس اور خاکوں سمیت چار ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل سات ضخیم جلدوں میں جمع کر کے اشاعت کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ یہ وہ خطوط ہیں جو بچپن سے آپ جمع کرتے آرہے تھے۔ خطوط کی جمع آوری اتنے شوق سے کرتے کہ خطوط کے لفافے بھی محفوظ رکھتے۔ خطوط کی پہلی جلد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نام آئے ہوئے خطوط کے لیے مختص ہے۔ جلد دوم سے لے کر جلد پنجم تک چار جلدیں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے نام برصغیر پاک وہند کے اکابر علماء، مشائخ، صحافی اور مدیران جرائد کے آئے ہوئے خطوط پر مشتمل ہیں جو شخصیات کی علمی منزلت کو نظرانداز کرتے ہوئے حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ جلد ششم افغانستان کے جہادی مشاہیر کے خطوط، جہادی رپورٹیں، شہدا اور غازیوں کی سرگرمیوں اور تحریک طالبان افغانستان پر مشتمل تفصیلات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ جلد ''جہاد افغانستان اور جامعہ حقانیہ'' کے نام سے موسوم ہے۔ جلد ہفتم بیرونی ممالک ایران، عالم عرب، افریقہ، سنٹرل ایشیا، فارایسٹ امریکہ اور یورپی ممالک سے آئے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں جبکہ جلد ہشتم ضمیمہ جات، اضافات اور توضیحات کیلئے مخصوص کی گئی ہیں، اس جلد کی اب تک اشاعت نہیں ہو پائی ہے۔

ان مکاتیب میں پڑھنے والے کو پون صدی کے سیاسی اتار چڑھاؤ عالم اسلام کے حالات، معروف ادیبوں، صحافیوں، قلمکاروں کے علمی ادبی معرکے، تاریخی روایات کی چھان بین پر گفتگو، سماجی اور تہذیبی اقدار کی جھلکیاں، مختلف کتابوں پر اصحاب علم ودانش کے تبصرے وتجزیے، علماء کی سیاسی

و پارلیمانی جدوجہد کی روداد، فرق باطلہ کا تعاقب، علمی ادبی شخصیات کے روح پرور تذکرے، اقبالیات اور ابوالکلامیات کے مختلف گوشے، ماہنامہ ''الحق'' کی خدمات کا مختلف مکتوبات میں ذکر اور اس کے مدیر کے حضور مشاہیر علم وادب کے تحسین وآفرین پر مشتمل کلمات، قیمتی نکات وانکشافات اس کے علاوہ ان خطوط کے بہت سارے پہلو دعوتِ مطالعہ دیتے ہیں۔ خطوط کے اس ضخیم مجموعہ کو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے مختلف توضیحی وتشریحی حواشی اور مکتوب نگاروں کے جامع تعارف جس کا پہلے بھی ذکر ہوا، سے مالا مال کیا ہے۔

مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کی ''نقش دوام'' کے مطالعہ کے دوران دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! کوئی شخصیات کے اس تعارفی حواشی کو جو مولانا انظر شاہ صاحبؒ نے حاشیہ میں لکھے ہیں کتاب کی شکل دیتا تو کتنا اچھا ہوتا، اتفاق سے ایک دن سوشل میڈیا پر کسی تبصرے میں اس بات کا اظہار کیا تو کسی نے یہ خوشخبری سنائی کہ نقش دوام کے وہ تعارفی حواشی تو ''لالہ وگل'' کے نام سے الگ کتابی صورت میں شائع ہوئے عرصہ ہو چکا ہے۔ پھر جب'' مشاہیر بنام سمیع الحق'' کے مطالعے کا موقع ملا تو پھر وہی خواہش دل میں پیدا ہوئی کاش! کوئی مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے اس تعارفی حواشی کو بھی کتابی صورت میں جمع کر دے، امید ہے کوئی باذوق آدمی یہ کام بھی سرانجام دے گا۔ شخصیات کے تعارفی حواشی کے ساتھ جن شخصیات کے مقالات ومضامین ماہنامہ ''الحق'' میں شائع ہوئے ہیں، ان کا جامع اشاریہ بھی زینت کتاب ہے۔ اس کتاب میں مدارس، کالج اور یونیورسٹی کے طلباء کو تحقیق وتدقیق کے متعدد موضوعات تحقیق کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں۔

یہ کتاب برصغیر پاک وہند کی کتابی دنیا میں واحد کتاب ہے جس میں مختلف شخصیات کے مختلف النوع موضوعات پر خطوط شامل کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کو اس حوالے سے خطوط کا انسائیکلوپیڈیا کہنا بجا ہوگا، مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی مصروف زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے ان کے ہاتھوں اتنا بڑا کارنامہ سرانجام پانا ناممکن سا لگتا ہے لیکن اس پاکیزہ ذوق کے سامنے سب کچھ ہیچ ہے جس نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے لیے محض آٹھ نو سال کی عمر میں والد ماجد کے خطوط کے مخملی تھیلے کو جاذب نظر بنا دیا تھا، مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا یہ کارنامہ صدیوں یاد رکھا جائے گا۔ اور اصحاب علم وادب اس چشمہء صافی سے جرعہ نوشی کرتے رہیں گے۔

مولانا محمد ظاہر شاہ حقانی
ژوب بلوچستان

شہید مظلوم کا ایک عظیم کارنامہ

مولانا محمد ظاہر شاہ صاحب، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل، مولانا امین الحق گستوئی مدظلہٗ کے فرزند ارجمند، علم وقلم اور ذوقِ مطالعۂ کتاب سے بہرہ ور، کئی ایک کتابوں کے مصنف ومترجم اور ناشر...... (ادارہ)

خطابت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ، خاص استعداد وصلاحیت کا نام ہے، جس کے ذریعے ایک مبلغ، عالم، سیاست دان اور زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا فرد اپنا مافی الضمیر اچھے، عام فہم اور آسان انداز میں دوسروں کے دل ودماغ میں اتار دیتا ہے۔ خطابت صرف فن ہی نہیں بلکہ ایک عبادت بھی ہے جب اس سے مخلوق کی نفع رسانی اور دین کی خدمت مقصود ہو۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ بذاتِ خود ایک زبردست خطیب تھے، جنہوں نے ہر پلیٹ فارم پر دینِ حق کا دفاع کیا، مجلس شوریٰ اور سینٹ میں اسلام کے نفاذ کی مساعی فرمائی اور تاریخ کے اوراق پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ حضرت شہید مظلوم رحمہ اللہ کے خطبات (خطباتِ حق) کے نام سے چھپے ہیں۔ حضرت شیخ شہیدؒ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی ابتداء سے لیکر اب تک جتنے بھی اکابر اہلِ علم اور مشائخ کے بیانات ہوئے، سب کو محفوظ فرماتے تھے، ماضی قریب (۲۰۱۵ء) ہی میں جب یہ کتاب شائع ہوکر کئی جلدوں میں منظر عام پر آئی تو ہر طرف سے داد وتحسین کی صدائیں بلند ہوئیں، ''خطبات مشاہیر'' ایک ایسا گلدستہ اور کہکشاں علم و ہدایت ہے جس میں آپ علم وہدایت رشد واصلاح تصوف وسلوک جہاد وسیاست، دعوت وتبلیغ ، درس وتدریس، کے اوج بلند پر فائز شخصیات کی صحبت واستفادہ کی بیک وقت سعادت حاصل کرسکتے ہیں مثال کے طور پر مرشدین و مصلحین امت میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ، شیخ التفسیر لاہوریؒ ، مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ ، مولانا خواجہ عبدالمالک نقشبندیؒ ، مولانا درخواستی صاحبؒ اور حکماء اور داعیان امت میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ، داعی کبیر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، محدثین و محققین میں شیخ الحدیث مولانا

عبدالحقؒ، مولانا شمس الحق افغانی صاحبؒ ،علامہ محمد یوسف بنوریؒ ،مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ،دعوت وتبلیغ میں مولانا محمد یوسفؒ دہلوی ،مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ اور مولانا طارق جمیل ،درس وتدریس میں اساتذہ ومشائخ دارالعلوم دیوبند وجامعہ حقانیہ، جہاد وعزیمت کے میدانوں کے شہسوار مولانا یونس خالص، مولانا محمد نبی محمدی، مولانا جلال الدین حقانی، امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد، ضیاء المشائخ ابراہیم جان شہیدؒ ،صبغۃ اللہ مجددی، استاذ برہان الدین ربانی، ملا محمد ربانیؒ زعمائے جہاد میں خلعت شہادت سے سرفراز شیخ اسامہ بن لادن ،چیچنیا کے شہید صدر زیلم خان ،جیسے بے شمار شہدائے جہاد شامل ہیں۔

میدانِ خطابت کے شناور شہنشاہ خطابت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ،خطیب بے بدل مولانا احتشام الحق تھانویؒ، میدان حرب وضرب کے جنرل حمید گلؒ، جنرل اسلم بیگ، آئین وقوانین کے ماہرین جناب اے کے بروہی، جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبالؒ وہ زعماء جو دین اور سیاست کے میدانوں میں قائدانہ مقام رکھتے تھے، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا عبدالستار نیازیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، اور قاضی حسین احمدؒ، حافظ محمد سعید اور دیگر بے شمار قائدین اور خالص سیاسی زعماء میں خان عبدالغفار خان، عبدالولی خان، اجمل خٹک، میاں نواز شریف، وسیم سجاد، چودھری ظہور الٰہی، ارباب غلام رحیم، غلام مصطفیٰ جتوئی، نوابزادہ نصراللہ، راجہ ظفر الحق و دیگر اور ان کے علاوہ عالم عرب کے سرکردہ علماء ومشائخ علامہ بشیر الابراہیمی الجزائری، علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، علامہ محمود صواف ،علامہ عبدالمجید زندانی، مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز ابن باز، ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی، نائب رئیس الجامعہ مدینہ کے شیخ عبداللہ الزائد، جامع ازہر کے کئی شیوخ، امام حرم، شیخ صالح بن حمید، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف جیسے درجنوں کے علوم وفیوض کی ایک جھلک ان خطبات کے ذریعہ دکھائی دے گی۔

۳۱/اگست ۲۰۱۵ء بروز پیر اسی عظیم کتاب کی تقریب رونمائی تھی تقریب جامعہ حقانیہ کے وسیع وعریض ایوان شریعت ہال (دارالحدیث) میں منعقد ہوئی، جس میں ہزاروں کی تعداد میں عوام و خواص، علماء وطلبہ نے شرکت کی۔اس مجلس علم وادب کی روداد مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی نے قلم بند کی ہے ذیل میں اسی رپوتاژ سے ''خطبات مشاہیر'' پر بعض اکابر اہلِ علم کی آراء پیش خدمت ہے:

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان قدس سرہٗ

''خطبات مشاہیر'' کا ہدیہ سامیہ نظرنواز ہوا گرامی نامے میں آنجناب کے ضعف وعلالت کے متعلق پڑھ کر جو تشویش ہوئی تھی وہ ''خطبات مشاہیر'' کی وصولی کے بعد نہ صرف رفع ہوگئی بلکہ

مسرت میں بدل گئی، تقریباً پانچ ہزار صفحات پر محیط دس جلدوں کے اس شاہکار کی جمع وتدوین کا جاں گسل اور محنت طلب کام تو نوجوانوں کو شرما دے جو آنجناب نے ضعف وعلالت کے باوصف سرانجام دیا ہے، اس عظیم خدمت کو دیکھ کر نوجوان علماء وفضلاء کو سبق لینا چاہئے کہ اگر جذبہ جوان، ہمت توانا، عزم پختہ اور حوصلہ کامل ہو تو کوئی شے مقصد کی تکمیل میں حارج نہیں ہوسکتی۔ان خطبات کی اشاعت پر جو بات احقر کو بہت ہی قابل قدر معلوم ہوئی وہ یہ کہ آج کل ہر وہ شخص جس کا لکھنے پڑھنے سے رسمی تعلق ہے، اسے بھی اپنی تحریر کردہ چند سطور کی اشاعت کی فکر اور اس کی حفاظت کا جذبہ لاحق ہوتا ہے، بزرگوں اور اسلاف کے فرمودات کی اشاعت وحفاظت سے اس دور میں بالعموم بے اعتنائی برتی جاتی ہے، آنجناب نے تقریبا ربع صدی کے ان شہ پاروں کو ایک طویل مدت تک نہ صرف سنبھال کر رکھا بلکہ اشاعت کی صورت میں ایک سلک میں منسلک کرکے اس کی حفاظت کو ممکن بنایا اور اس سے استفادے کی عملی صورت بھی مہیا فرمادی۔ان دس جلدوں کی صورت میں اکابر کے ساتھ معاصر علماء کے بیانات وخطبات کا بھی ایک معتدبہ ذخیرہ فراہم ہوگیا اس سے نہ صرف اکابر واصاغر کے اجتماع کی صورت میسر آئی بلکہ ان کے ذریعے ہم اپنی دینی ومذہبی تاریخ کے ''ارتقائی سفر'' کا بھی مطالعہ کرسکتے ہیں، آنے والا مؤرخ تنہا اس مجموعے کے ذریعے اس بات کا فیصلہ کرلے گا کہ اصاغر اپنے اکابر کی روش اور معیار پر کس حد تک قائم رہے،ان خطبات کے ذریعے بہت سے ایسے علماء اور بزرگوں کے بیانات سے مستفید ہونے کا موقع میسر آجاتا ہے جنہیں ان صفحات کے علاوہ کہیں اور تلاش کرنا ممکن نہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

تقریب ہے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی کتاب'' خطباتِ مشاہیر'' کی اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ پہلی بار اس کی زیارت بھی ہوئی اور اس کی ورق گردانی کا بھی موقع ملا جس سے پوری طرح استفادہ مشکل تھا کہ ۱۰ جلدوں کی کتاب ہے پورا استفادہ تو ممکن نہیں تھا لیکن اس کی فہرست دیکھ کر اس کی مضامین کی ورق گردانی سے اندازہ ہوا کہ مولانا نے اپنے دستور کے مطابق اس کتاب کی تالیف اور تصنیف میں اس قدر محنت اور مشقت اٹھائی میں حیران ہورہا تھا کہ کتاب کے بالکل پہلے صفحہ پر حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی ایک تحریر ہے جو سن ۱۹۳۸ء کی ہے یعنی میری پیدائش سے بھی پانچ سال پہلے وہ انہوں نے اٹھاکے رکھی اور آج تک اسکو اپنے سینے سے لگائے رکھا، آج اس کو اس کتاب کے صفحہ اول کی زینت بنایا جس پر حضرت کے دست مبارک کے دستخط بھی

موجود ہیں اور پھر حضرت کے خطبات سے ان کا آغاز کیا اور پھر اس پوری کتاب میں تقریباً پون صدی کے حضرات علمائے کرام، خطبائے عظام، زعمائے ملت پاکستان و ہندوستان اور عالم اسلام کے حضرات نے اس عظیم درسگاہ کے اندر جو جو ارشادات فرمائے ان کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ جمع کیا مولانا سمیع الحق صاحب نے، یہ انہی کا حصہ ہے اور ان شاء اللہ ان کے نامہ اعمال میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بڑا عظیم وزن پیدا کرے گا یہ کتاب لکھ کر انہوں نے ایک طرح سے اپنے سر پر جو امت کا قرض تھا وہ چکایا کیونکہ جن حضرات نے یہاں تشریف لا کر اپنے خطبات سے امت کی رہنمائی فرمائی وہ ایسی چیز تھی جو اس ادارے تک محدود تھی اس وقت کے شاگردوں کے اندر محفوظ تھی لیکن مولانا نے اپنی عرقریزی کے ذریعے اس کو پوری امت کے لئے سرمایہ بنا دیا، اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں یہاں میں دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اسی خطبات کے سلسلہ میں، اکثر خطبات ہوتے ہی ایک شخص کے لیکن یہاں مولانا نے خطبات کا ایک ضخیم گلدستہ جمع کیا ہے جو گونا گوں صفات کے حامل لوگ تھے اور ان کے خطبات یہاں موجود ہیں تو خطبات میں اکثر جو بات ایک خطبے میں ہوتی ہے وہ دوسرے میں بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات کوئی نئی بات بھی آجاتی ہے لیکن حقیقت میں خاص طور پر اہل اللہ کے جو خطبات ہوتے ہیں علمائے کرام کے اور صلحائے عظام کے جو خطبات ہوتے ہیں ان کی ایک خصوصیت یہ ہے یہ بات یاد رکھنے کی ہے اور سمجھنے کی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی طالب کی طلب کی برکت سے کسی اللہ کے بندے پر کوئی ایسی بات کھول دیتے ہیں اور ایسی بات اس کے قلب پر القاء کردیتے ہیں جو پہلے اسکے اپنے خیالات اور وہم وگمان بھی نہیں ہوتی یہ طالب علم کی طلب پر ہے طالب علم کے اندر اگر طلب ہو تو وہ طلب اللہ کے فضل وکرم سے اس کے استاد اس کے شیخ، اس کے معلم، اس کے مربی کے دل میں بھی آتی ہے جو اس کے حق میں فائدہ مند ہوتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ

''خطبات مشاہیر'' کی پوری ایک جلد انہی کے خطبات ہیں،ایک جلد وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مجلس شوریٰ کا اجلاس (جو یہاں دارالعلوم میں منعقد ہوا تھا کی تفصیلی رپورٹ ہے) اس اجلاس میں مجاہدین کے لیڈر بھی تشریف لائے تھے، اسیر مالٹا مولانا عزیر گلؒ بھی اس اجلاس میں شریک تھے، میں خود انہیں لانے کے لئے گیا تھا، بڑے بڑے علماء اور مشائخ دارلعلوم آتے تھے اور اب بھی آتے ہیں ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو دارالعلوم بنا ہے اور ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بھی بنا ہے ،دارالعلوم اور پاکستان بننے کی تاریخ ایک ہی ہے ،اسی وقت سے لیکر آج تک جن مشائخ اکابر اور

زعمائے قوم وملت مختلف اوقات میں دارالعلوم تشریف لائے ان کے یہاں خطبات وبیانات ہوئے حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اسے جمع کرتے رہے اب انتہائی عرق ریزی سے ان تمام خطبات کو دس جلدوں میں شائع کرایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ

''خطبات مشاہیر'' مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ ۱۰ جلدوں میں منظر عام پر آئی حضرت مولانا مدظلہ شب وروز لگے رہے، ضعف میں، ہمہ جہتی مشاغل میں، مشاغل بھی جان لیوا امراض وعوارض میں گھرے ہوئے سب مجھے معلوم ہے اس حالت میں بھی قلم سے کتاب سے رشتہ نہیں توڑا...... ع کتابے وجلوتے وگوشۂ چمنے

آج یہاں ''خطبات مشاہیر'' کی تقریب رونمائی ہے اور اس سے قبل ''مکاتیب مشاہیر'' کی تقریب رونمائی تھی اس کے بعد مولانا سمیع الحق مدظلہ کی حیات وخدمات کی رونمائی تھی اور پھر انگریزی کتاب The War of Idiology struggle for peace کی تقریب رونمائی تھی آج ''خطبات مشاہیر'' کی تقریب رونمائی ہے گویا آج یہ مصرع بدلا ہے...... ع کتابے وجلوتے وگوشۂ چمنے

آج انکی جلوت میں بھی کتاب ہے، نقشہ بدل گیا ہے اور کتاب کا تعارف ہزاروں لوگوں میں ہوگیا ہے کہ وہ یہاں آپ اکابر مشائخ اور زعمائے قوم وملت کی زیارت کررہے ہیں جنت یہ نہیں تو اور کیا ہوگی۔

سابق سنیٹر حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ بنوں

دارالعلوم حقانیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے فیوضات وبرکات اور ثمرات پوری دنیا میں موجود ہیں ''خطبات مشاہیر'' بھی انہی برکات میں سے ہے۔ دارالعلوم نے میدان علم کے شہسوار، میدان تدریس کے تاجدار، تصنیف وتالیف کے میدان میں نامور مصنفین، میدان سیاست کے مدبر امام تصوف وسلوک کے مرشدان باصفاہ، جہاد فی سبیل اللہ کے جرنیل غرض ہر میدان کیلئے رجال کار مہیا کئے اور یہ سب دارالعلوم حقانیہ ادامہا اللہ کی برکات ہیں۔

''خطبات مشاہیر''، علم بالقلم کے علمی وروحانی جلوے جسے حضرت شیخ مولانا سمیع الحق نے جمع کیا، سب سے پہلے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی تقریر لائے ہیں ''مکاتیب مشاہیر'' کی پہلی جلد میں بھی سب سے پہلے حضرت مدنیؒ کے خط کی عکسی تصویر لگائی گئی ہے میں سمجھتا ہوں یہ کتاب کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔

پیر طریقت حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی

مولانا سمیع الحق صاحب کو بھی اللہ نے بہت بڑی بلندی دی ہے، یہ بلندی باتوں سے نہیں ملتی ہے، یہ اخلاص، للّٰہیت سے ملتی ہے، آج مولانا سمیع الحق مدظلہ نے ۱۰ جلدوں میں ان کے خطبات کو ''خطبات مشاہیر'' کے نام سے جمع کیا ، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے ان خطبات کو دیکھیں، پڑھیں ،اپنی لائبریریوں کی زینت بنائیں، خطبات میں آپ کو بہت کچھ ملے گا، یہ گویا آپ ان حضرات کی مجلس میں شریک ہوکر ان کے خطبات سن رہے ہیں، اس سے دل کی دنیا روشن ہوگی ، تصوف وسلوک ،علم وعمل اور زندگی گزارنے کا فن سیکھ لیں گے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طیب صاحب

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے ''خطبات مشاہیر'' کے ذریعے امت کا تعلق سلف صالحین سے جوڑ دیا ہے اور ان شاء اللہ ہم سب اس تعلق کو جوڑے رکھیں گے۔

سردار عتیق احمد خان صاحب (سابق وزیراعظم آزاد کشمیر)

مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی علمی ،قومی اور ملی خدمات بہت زیادہ ہیں، اس عظیم دینی مرکز (جامعہ حقانیہ) کے سربراہ ہونے کے ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان کے بھی شہسوار ہیں، حقانیہ عظیم دینی مرکز ہے جس طرح یہاں ترویج دین، تبلیغ اور عقیدہ کی بات ہوتی ہے اسی طرح یہاں سے استحکام پاکستان کی بات بھی کی جاتی ہے، ہمارا اور آپ کا جو تعلق ہے اس کو کشمیر میں بھی اور پورے پاکستان میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، یہاں سے اٹھنے والی آواز کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

میں آخر میں ایک بار پھر حضرت مولانا کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ''خطبات مشاہیر'' کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں، یہ خطبات پون صدی کی تاریخ ہے اور اسلاف کے فرامین و ارشادات کا مجموعہ ہے جو ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دے گا۔

مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب (مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور)

مجھے فخر ہے کہ عالم اسلام کی عظیم شخصیت شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثانی صاحب اس محفل

کی رونق ہیں، ''خطبات مشاہیر'' پر میرے جذبات واحساسات وہی ہوں گے جو کہ ایک بیٹے کی اپنے باپ کے کارناموں پر ہوتے ہیں۔ ''خطبات مشاہیر'' میں آپ کو مفسرین ملیں گے، محدثین ملیں گے، مدرسین اور زعماء قوم وملت ملیں گے، یہ صرف خطبات نہیں بلکہ عظیم ذہین لوگوں کے افکار ہیں، محاسن و خوبی کو جمع کئے ہوئے ہیں ان تمام پھولوں کو ترتیب سے رکھنا مولانا مدظلہ کا عظیم کارنامہ ہے اس کی ہر سطر سے خوبی ٹپک رہی ہے، وہ خوبی وسعت ظرفی ہے کہ ہم جیسے شاگردوں کے خیالات کو جگہ دی۔ مولانا سمیع الحق مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے جتنی وسعت ظرفی عطا فرمائی وہ کم ہی کسی میں دیکھنے کو ملے گی۔ طلبہ بھائیوں سے یہی عرض کروں گا کہ حضرت مولانا کی یہ خوبی اپنے اندر سمولیں۔ ''خطباتِ مشاہیر'' اسی خوبی کا عظیم الشان شاہکار ہے۔

حضرت مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب

''منبر حقانیہ سے خطبات مشاہیر'' کی تقریب رونمائی ہے، یہ کتاب جامعہ حقانیہ اور بطور خاص قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم کا ہم سب کیلئے ایک عظیم تحفہ ہے ''منبر حقانیہ سے خطبات مشاہیر'' خود ایک عظیم علمی شاہکار ہے لیکن ان پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی تعلیقات، توضیحات اور حواشی نے اس کتاب کو چار چاند لگادیئے۔

حضرت مولانا قاضی محمد نسیم کلاچوی

یہ خطبات صرف خطبات نہیں بلکہ تاریخ، جہاد، تصوف وسلوک اور قلم و کتاب کے حوالے سے بھی ایک جامع دستاویز ہے۔ ''خطبات مشاہیر'' علمی دنیا میں اور اسلامی لائبریریوں میں مینارۂ نور ثابت ہوگی۔ مشائخ عظام کے خطبات اور ارشادات ما وشما کی طرح عام مولویوں کے نہیں بلکہ ان علمائے کرام اور مشائخ عظام کے خطبات وارشادات ہیں جو رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب تھے ان اکابر علماء کرام ومشائخ عظام کا ایک ایک جملہ خدا کی قسم لاکھوں کروڑوں قیمتی لعل وجواہرات سے زیادہ قیمتی ہے...... ع قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

لیکن اگر کسی کو ان خطبات و مواعظ میں کوئی نورانیت للّٰہیت نظر نہیں آتی تو یہ اپنی بدنصیبی ہے......

گرند | بیند | بروز | شپرۂ | چشم
چشم | آفتاب | راچہ | گناہ

جناب عبداللہ گل صاحب (فرزند جنرل حمید گل مرحوم)

''خطبات مشاہیر'' دس جلدوں میں منظر عام پر آئی ہے، جس میں اکابرین علماء، مشائخ، مجاہدین، زعمائے قوم و ملت کے خطبات ہیں پون صدی کی تاریخ اوراس پر تعلیقات حواشی پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کا ادبی شاہکار ہے، میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کو اس عظیم کتاب کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس)

''خطبات مشاہیر'' دس جلدوں میں آپ کے سامنے آ گئی ان میں ایسے اکابر ومشائخ اور علماء ربانیین کے خطبات آپ کو ملیں گے۔ جن کو آج تک آپ نے نہ دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔ یہ تمنا اور آرزو تھی کہ کاش! ہم ان کو دیکھتے اور ان کے خطبات کو سنتے لیکن تقدیر آپ کے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔ تمنا تھی کہ ہم ان کو دیکھتے لیکن مولانا نے ہماری تمنا کو پوری کردی اور ہماری اس تمنا کو مولانا نے تکمیل اور بہتر انداز میں مکمل کیا اور مشاہیر سے خطبات کو تحریری شکل پہنائی۔ تحریری انداز میں وہ ان خطابات اور بیانات کو کتاب کی شکل میں شائع کریں تب ہمارے سامنے آئی۔

جب آپ ان خطبات کو پڑھیں گے تو آپ کو علم وتقوی ،للّٰہیت و اخلاص کا نور نظر آئے گا اور آپ کو اس میں اتباع سنت نظر آئے گا اور آپ اپنے مشن پر اور اپنے جذبہ پر مرمٹنے کا عزم کر سکیں گے اس سے آپ کو صبر واستقامت علی الدین نظر آئے گا اوراس میں آپ کو عمل نظر آئے گا۔

یادرکھئے! آپ دنیا میں بے شمار کتابیں پڑھیں گے لیکن آپ اگر عالم باعمل اور عالم ربانی کی کوئی تحریر یا کتاب پڑھیں گے تو اس میں آپ کو ایک نور نظر آئے گا، اس میں آپ کو برکت نظر آئے گی یہ روایتی تقریریں نہیں ہیں یہ خطبات روایتی نہیں ہیں، یہ وہ خطبات ہیں جن میں علم وعمل کی نورانیت موجود ہے جس سے آپ کو تقویٰ وکردار نظر آئے گا جس سے آپ کو متانت واستقامت نظر آئے گی۔

مولانا عبدالقیوم حقانی
مہتمم جامعہ ابوہریرہؓ خالق آباد

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی مجالس کا خوبصورت منظر

''ساعتے با اہل حق'' کیلئے لکھی گئی ایک دلچسپ تحریر

بہت لگتا تھا جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات میں اِک انجمن تھے
زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے

''ساعتے با اہل حق'' شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی مجالس کے حوالے سے ایک علمی، ادبی اور اِصلاحی مساعی کے مناظر کی خوبصورت رپورٹ ہے۔ جلد اوّل ۵۷۲ر صفحات پر مشتمل ہے، اسے بھی القاسم اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔ دوسری جلد بھی تکمیل کے مراحل میں ہے۔ جس میں علمی، روحانی، فکری اور ادبی ارشادات، علماء، صلحاء اور اولیاء کے تذکرے، جدید وقدیم کتابوں پر تبصرے، جہاد وقتال، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، سیاست وقیادت، مطالعہ و کتاب اور قلم وقرطاس کے موضوعات پر دلچسپ مذاکرے، عالمی انقلاب، تاریخی واقعات اور اصلاحِ انقلابِ اُمت کے حوالے سے بصیرت افروز تجزیے...... الغرض یہ ایک علمی، روحانی اور ادبی تحفہ ہے۔ احقر نے اس کے لئے پیش لفظ لکھا تھا جس میں اب بھی وہی تاثیر اور تازگی موجود ہے۔ نذرِ قارئین ہے، حظّ وافر حاصل کریں...... (ع ق ح)

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الرسالۃ

تجربات کا نچوڑ، مشاہدات کا خلاصہ اور ورق گردانی کا ثمرہ بتاتا ہے کہ جسے ایک بار مکتبِ عشق کی دہلیز عبور کرنے کا موقع ملا اس کا سارا بگڑا سنور گیا، جمالِ عشق ومستی اسے دلنواز بنا دیتی ہے جلالِ عشق ومستی اسے بے نیازی سکھا دیتی ہے اور کمالِ عشق ومستی اس کو لسان صدق فی العالمین عطا

کر دیتی ہے، عشق کی اس سحر کاری کا میں کبھی قائل نہ ہوتا اگر ربِّ لم یزل خود مجھے مکتبِ عشق کا طالب علم نہ بنا دیتے۔

مکتبِ عشق کے نرالے انداز

ربّ ذوالمنن نے مجھے ایک دفعہ مکتبِ عشق میں پہنچا دیا پھر نہ چھٹی ملی نہ ملنے کی توقع رہی کیونکہ میرے محبوب، میرے معلم، میرے مرشد، میرے مربی اُن مردم ساز شخصیات میں سے ہیں جو خاص ماؤں کی کوکھ سے جنم لیتے، خاص آغوش میں پلتے، خاص ہاتھوں میں پرورش پاتے، خاص نظروں میں رہتے، خاص دُعاؤں سے پروان چڑھتے، خاص وقتوں کے لئے تربیت دیئے جاتے اور خاص نسلوں کی شخصیت سازی کی تکمیل کے لئے خاص قوم میں خاص وقت پر نمایاں کئے جاتے ہیں، زمین کو ان جیسے لوگوں کی تلاش کے لئے برسوں گردش کرنا پڑتی ہے، آسمان کو ان ہیروں کو ڈھونڈنے کے لئے سالوں خاک چھاننا پڑتی ہے، صدف کو ان موتیوں کے لئے مدتوں گہرے سمندر میں مراقبہ کرنا پڑتا ہے، نرگس کو ان دیدہ وروں کے لئے صدیوں آنسو بہانا پڑتے ہیں، یہ لاکھوں دعاؤں کا اثر، ہزاروں آہوں کا ثمر اور سینکڑوں ذہنوں کا عطر ہوتے ہیں۔

غمِ دوراں سے بے نیاز

اگر میں اپنے ''ممدوح'' کا نام نہ بھی لوں تو بھی جہان جانتا ہے کہ قیوم کا یہ بندہ کس کے دربار کا ایاز ہے؟ کس پر اس کو ناز ہے؟ اور کیوں غمِ دوراں سے بے نیاز ہے؟ وہی ایک نام ہے جو وطن عزیز کی تقریباً ستر (۷۰) سالہ تاریخ میں دین و سیاست، قلم و ادب، تعلیم و تدریس، تبلیغ و تذکیر، جہاد و نصرت، فکر و نظر، تالیف و تصنیف، تحریک و تنظیم، قیادت و امارت، جرأت و عزیمت، اہتمام و انتظام، تحقیق و تنقید، شرعی علوم اور منازلِ سلوک، رجال سازی اور راستبازی کی ہر فہرست میں سرفہرست ہے۔

اندازِ بیان کی شیرینی

مولانا سمیع الحق نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں علمی، کتابی، ادبی روحانی، سیاسی اور انقلابی مجالس کی تاثیر کے حوالے سے حق گوئی، بذلہ سنجی اور مجلس آرائی کے فن کو خوبصورتی کے ساتھ برتا اور نبھایا ہے۔ ان کے علم، ان کے قلم، ان کے جہاد، ان کی دعوت، ان کے پیغام اور ان کی ادبی تحریروں نے اپنی الگ دنیا بسائی ہے، یوں تو ان کی تقریریں، تحریریں، دروس اور گفتگو ہر موضوع پر اپنی جولانی کا احساس دلاتی ہیں مگر جب ان کی شیریں گفتگو، اندازِ بیان میں نئے نئے رنگ بھرتی ہے تو یہ سارا منظر

دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، محسوس ہوتا ہے کہ صاحب گفتگو اپنی علمی، روحانی، فکری اور ادبی صلاحیتوں کا خوب خوب استعمال کرتے ہیں، گفتگو کا ہر پیرایہ بولتا ہوا، ہر ادا جاذبِ نظر اور ہر نظر اپنی داد خود وصول کرتی ہے، کہیں جھول نہیں ہوتا، کہیں اُلجھاؤ نہیں، گفتگو میں بھی بھرپور روانی اور چابک ستی بے مثال۔

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کو مبدأ فیاض نے گوناگوں صلاحیتوں سے سرفراز ا ہے، تقریر میں بھی انفرادیت ہے اور تحریر میں بھی۔ لکھتے بھی خوب ہیں اور بولتے بھی خوب ہیں، گذشتہ نصف صدی سے ان کی علمی، تحریری، جہادی، اتحادی اور انقلابی کاوشوں نے اس احساس کو زندہ رکھا ہے۔

حقانی مشائخ اور اساتذہ

جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں میرے داخلے کا سال ۱۹۷۵ء ہے، حقانیہ سے نسبت اور جامعہ حقانیہ کی تعلیمی زندگی کے زمانہ میں جن تاریخی افراد کو بہت قریب سے دیکھنے، پڑھنے، جاننے، ملنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سعادت میرا نصیب بنی ان میں سرِفہرست محدثِ کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم زروبویؒ صدر المدرسین، فقیہ النفس مولانا محمد علی سواتیؒ، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد فرید زروبویؒ، شیخ التفسیر مولانا عبدالحلیم دیروی، شیخ الحدیث مولانا انوارالحق (نائب صدر وفاق المدارس) اور محدثِ جلیل شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کی شخصیتیں بہت ممتاز اور نمایاں ہیں، وہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ و مشائخ کی اس بلند پایہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جن کے بعد ان افراد کی کوئی مثال ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ ان سے اوپر کے افراد یعنی دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ و مشائخ کو دیکھنا ہمارا مقدر نہیں تھا مگر جامعہ حقانیہ کے جن اکابر کو دیکھا سنا اور استفادہ کیا وہ یقیناً اپنی صف کے عالی مرتبہ اور عالی صفات لوگ تھے۔

مولانا سمیع الحق سے تعلقِ خاطر اور استفادہ

۱۹۸۲ء میں جامعہ حقانیہ میں بطورِ مدرس تقرر ہوا تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی طرح محدثِ جلیل مولانا سمیع الحق سے بھی استفادہ و خدمت اور ان کی شفقت وعنایت کی نسبتیں بڑھیں، ان کے ساتھ رفاقت کار، ان کی مجالس میں مسلسل حاضر رہنے اور سفر وحضر میں شریک رہنے سے ان کی مجالس، صحبتیں اور قربتیں پہلے سے زیادہ پر کیف اور روح افزاء رہیں، اب کی بار نہ صرف تعارف، جان پہچان اور تعلق خاطر میں خاطر خواہ اضافہ ہوا بلکہ ان کے افکار، اہداف، مشن، خیالات اور

کمالات کو بھی کسی حد تک سمجھنے کی راہیں ہموار ہوئیں، پھر ملنے، حاضر رہنے اور ساتھ ساتھ چلنے کا ایک سلسلہ چل نکلا، میں نے انہیں ایک بیدار مغز عالم، ہمہ وقت بیدار انسان، دردمند شخص، اتحادِ اُمت، فروغِ علم اور نفاذِ شریعت کے غم میں ہر وقت مبتلا رہنے والا آدمی پایا۔

عمل کی روشنی

ایک بے چینی ہے جو انہیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنے پر اُکساتی ہے اور ایک درد ہے جو انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ پھر میدانِ کار بھی ان کے متنوع ہیں، دارالعلوم حقانیہ کے انصرام و اہتمام سے لے کر ایوانِ بالا میں معرکۂ حق و باطل میں مصروفِ کار رہنے تک، تصنیف و تالیف، درس و تدریس سے لے کر ناموسِ رسالت اور ناموس صحابہؓ کے تحفظ کی تحریکات تک، دینی تعلیم کے فروغ و ترویج کی مساعی سے لے کر، مدارس کی بقا اور تحفظ کی جنگ لڑنے تک مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے اور سلجھانے میں ان کے اوقاتِ عزیز کا تمام تر حصہ صرف ہوتا ہے، انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اور قوتیں اس پر لگا دیں کہ پاکستان میں دینی اقدار کا تحفظ، مدارس کا استحکام اور نفاذِ شریعت کا ہدف حاصل ہو، وہ متحرک اور فعال انسان ہیں، کاغذی سکیموں اور زبانی قلعہ بندیوں سے ہٹ کر انہوں نے عمل کی وہ روشنی پھیلائی جس کے نتائج ہمیشہ اندھیروں کی شکست کی صورت میں سامنے آتے رہتے ہیں، ان کے عظیم کارناموں کی اجمالی فہرست دیکھنی ہو تو میری تالیف ''مولانا سمیع الحق، حیات و خدمات'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

فراستِ مؤمن

مولانا سمیع الحق کو اللہ تعالیٰ نے ہمت مردانہ اور عمل مجاہدانہ کی صلاحیتوں اور گہرے دینی و سیاسی شعور سے نوازا ہے، وہ فہم و فراست سے ان مضمرات کو بہ آسانی سمجھ لیتے ہیں، جن کو سمجھنے کے لئے دوسروں کو زیادہ مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ذہین، ذکی اور دور تک نظر رکھنے کی صلاحیت دوسروں کے مقابلے میں ان میں زیادہ ہے، اس لئے جب بھی انہوں نے کوئی قدم اُٹھایا وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے بے حد مفید اور کارآمد ثابت ہوا۔

ملت کے مسیحا

ان کی گفتگو اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں سنجیدگی، متانت، درد، فکر اور للّٰہیت کی ایسی آمیزش ہوتی ہے جو اُن کی شخصیت، سوچ اور مزاج و عادات کے عین مطابق ہے اور اس بات کو بھی بہت

واضح انداز میں سامنے لاتی ہے کہ اُن میں قائدانہ صلاحیتیں بھرپور ہیں اور قیادت کیلئے جس فراست، ہوش مندی، کرب اور دور بینی درکار ہے وہ ان کی ذات اور فطرت میں رچی بسی ہے۔

کام، مشن اور نام ہمیشہ زندہ رہے گا

ملت اسلامیہ پاکستان کی سرزمین کو ان پر فخر ہونا چاہئے کہ اس نے ایک ایسے عالم، مدبر، سیاست دان اور مفکر کو پیدا کیا جس کی روشنی سے ملک بھر کے بے شمار شہر، دیہات اور قصبات روشن ہوئے اور ملت کے مسیحا کی صورت میں مسیحائی کا فریضہ خوب صورتی کے ساتھ ادا کیا، وہ اپنے نامور اور عظیم والد کے صحیح جانشین بنے اور فروغِ علم کے سلسلہ کو نکھار، استحکام اور رنگ و روغن بخشا جو ان کے والد مرحوم کا امتیاز تھا، جب تک دن گذرتے رہیں گے لاتعداد دِن، رات کا لباس پہنتے رہیں گے اَن گنت راتیں دن کے اُجالوں سے مات کھاتی رہیں گی، ان کا نام، مشن اور کام کسی نہ کسی عنوان اور کسی نہ کسی مہم کے ذیل میں سامنے آتا رہے گا۔

مے خانۂ حق کے بادۂ خوار

جاننے والے جانتے ہیں کہ میخانۂ حق کے اس بادۂ خوار کی کوئی تقریر امیر المؤمنین فی الحدیث محدثِ جلیل حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ اور دارالعلوم حقانیہ کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور اس کی تحریر کی نمو ''الحق'' سے ہے جب حضرت مولانا عبدالحقؒ دارالعلوم حقانیہ اور ''الحق'' کا ذکر آئے گا تو شفقت، محبت اور رفاقت کے اس چوکھٹے کی تکمیل کے لئے زبان اور قلم پر خود بخود حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ کا نام بھی آئے گا۔

جب استاد نے کام پر لگا دیا

استادِ محترم شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کی سرپرستی ونگرانی میں برسوں (سولہ سال) ''الحق'' میں کام کرنے کا موقع ملا، سالوں دارالعلوم حقانیہ میں درس و تدریس اور خدمت کی سعادت ملی، مدتوں اسفار میں ہمرکابی کا شرف حاصل رہا، انہوں نے مشن سمجھا دیا، ہدف بتا دیا اور کام پر لگا دیا، قدرت کو کام کی وسعت، تنوع اور پھیلاؤ منظور ہوا تو ''القاسم اکیڈمی'' اور جامعہ ابو ہریرہؓ وجود میں آئے۔

اصاغر نوازی اور اعتماد کی معراج

استادِ محترم نے جب دیکھا کہ انہی کے مشن کی تکمیل میں لگے ہیں، انہی کے دیئے ہوئے

ہدف کی طرف بڑھ رہے ہیں اور انکے سپرد کردہ کام کو سرانجام دے رہے ہیں تو ''القاسم اکیڈمی'' کو مؤتمر المصنّفین کا پرتو اور جامعہ ابو ہریرہ کو دارالعلوم حقانیہ کا کیمپس قرار دیا، یہ ان کی اصاغرنوازی کی انتہاء اور اعتماد کی معراج ہے کہ جب بھی دارالعلوم حقانیہ کے اساتذۂ کرام کا اہم اجلاس ہوتا ہے یا ابنائے دارالعلوم کی مجلس مشاورت ہوتی ہے یا خانوادۂ مولانا عبدالحقؒ کے تمام چشم و چراغ کسی اہم مسئلے پر بات چیت کیلئے جمع ہوتے ہیں یا ''مؤتمر المصنّفین'' کے رفقاء کسی نئے کام کیلئے رہنما خطوط وضع کرنا چاہتے ہیں یا کسی خصوصی شخصیت کی آمد ہوتی ہے یا پھر جماعت کے کارکنان ملی، قومی یا بین الاقوامی اُمور پر غور کرنا چاہتے ہیں، یا جامعہ حقانیہ کے فضلاء کی سالانہ دستار بندی کا اجتماع ہوتا ہے، تو استادِ محترم نہ صرف مجھے طلب کرتے ہیں بلکہ اپنے پاس بٹھاتے ہیں، مہمانِ خصوصی کی طرح خصوصی خطاب کا موقع دیتے ہیں اور اپنا ترجمان بنا دیتے ہیں اور میری بات ہی استادِ محترم کی بات سمجھی جاتی ہے۔

سیدی مولانا سمیع الحق کا وجود گرامی اپنی چند در چند علمی و عملی خوبیوں اور گوناگوں دماغی و اخلاقی کمالات کے باعث صرف پاکستان و برصغیر کا نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا ایک متاع گراں مایہ اور بلند پایہ ہے، میرے حضرت خود جلیل القدر بزرگ اور بزرگوں کی یادگار ہیں انہیں دیکھ کر اور ان کی صحبت میں دو چار لمحے گزار کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، قدرت نے ان میں دل و دماغ دونوں کی خوبیاں اور ان کے فضائل وکمالات کچھ اس طرح بیک وقت جمع کر دیئے ہیں کہ ان کی ہستی ''اے تو مجموعہ خوبی بہ چہ نامت خوانم'' کا مصداق بن گئی ہے، وہ ایک طرف بہت بڑے عالم، مفسر، محدث، مصنف اور ادیب ہیں، تو دوسری طرف علوم عربیہ کے جامع ہیں اور اس میں بہت ٹھوس استعداد رکھتے ہیں پھر معاملات میں سوجھ بوجھ اور سیاسی و دنیوی امور ومسائل میں ان کی فرزانگی و دانشمندی کا یہ عالم ہے کہ جس طرح علماء کی بزم کے وہ صدر نشین ہیں اسی طرح ارباب سیاست وتدبیر کی محفل میں بھی اپنا مقامِ خاص رکھتے ہیں، جو بات کہتے ہیں اور جو لفظ ان کے قلم سے نکلتا ہے وہ اس قدر جچا تلا اور نپا تلا ہوتا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے نکتہ چیں کیلئے بھی حرف گیری آسان نہیں ہوتی۔

میرے حضرت طبع خوش مزاج، بذلہ سنج، نہایت ٹھنڈے دماغ، متین طبیعت اور مرنجان مرنج مزاج کے بزرگ ہیں۔ ہنگامہ آفرینی، بے جا شور وشغب اور انقلاب پسندی سے ان کی طبیعت کو کوئی لگاؤ نہیں مگر بایں ہمہ پاکستان میں تحریک نظام مصطفیٰ، تحریک نفاذ شریعت، تحفظ ناموس رسالتؐ، تحفظ ناموس صحابہؓ اور دفاع دینی مدارس کے نہایت نازک ادوار میں ان کی قوت عمل اور کردار کی پوشیدہ خوبیاں بروئے کار آئیں، ان تحریکات میں حضرت الاستاد نے جس تدبر، فراست، عزم، ہمت، استقلال و پامردی سے راہ حق میں بے خوفی اور بیباکی کا ثبوت دیا ہے اسے دیکھ کر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ''ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند''

علم وادب کی مجلسیں

اگر استاذِ محترم کے اس بلاوے میں کبھی دیر ہو جاتی ہے یا مجھے کوئی علمی اشکال پیش آتا ہے، تصنیفی کام میں کوئی اُلجھن ہوتی ہے، تاریخی حوالہ درکار ہوتا ہے، نجی زندگی میں کسی مشورے کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر روحانی بیٹری چارج کرنی ہوتی ہے تو میں خود ان کے قدموں میں پہنچ جاتا ہوں، یوں ایک محفل جم جاتی ہے جسمیں تاریخ، تعلیم، تصوف، تحقیق، تربیت، تذکرے، تبصرے، تجزیے، تجربے، مشاہدے، تحریر، تصنیف، قلم وقرطاس، منبر ومحراب، شعروادب، سیاست وقیادت، فکر ونظر، قلب وروح

اگرچہ چاہنے والے تیرے ہزاروں تھے   تباہ حال بہت زیرِ بام کون سا تھا

''ساعتے بااہلِ حق'' کی تالیف

الغرض سب کچھ ہوتا ہے شرکاءِ محفل استاذِ محترم کی محدثانہ ذکاوت، مفسرانہ بلاغت، صوفیانہ حلاوت، عالمانہ نکتہ رسی، ظریفانہ بذلہ سنجی، ادیبانہ گل افشانی اور مصلحانہ محبوبیت سے بیک وقت مستفید ہوتے ہیں، ان مجالس کو جامعہ ابوہریرہ کے ناظم تعلیمات، القاسم اکیڈمی کے فعال رُکن استاذِ محترم شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کے منظورِ نظر اور مزاج شناس مخلص کارکن حضرت مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی صاحب کثر اللّٰہ امثالھم قلم وقرطاس کے ذریعے ''ساعتے بااہلِ حق'' کے عنوان سے محفوظ کرتے رہے جو وقتاً فوقتاً ماہنامہ ''القاسم'' اور ماہنامہ ''الحق'' کے صفحات کی زینت بنتے رہے۔

مجالس کا تسلسل اور ثمر تازہ

یہ اسی افادے اور استفادے کی مجلس کا تازہ ثمرہ اور تسلسل ہے جو کبھی جنت میں سجی تھی جس میں ربّ کائنات نے خود استاد بن کر حضرت آدم علیہ السلام کو چیزوں کے نام سکھائے، پھر مدتوں بعد غارِ حراء میں جم گئی، پھر اس کی خوشبو صفّہ میں پھیل گئی، پھر کوفہ و بصرہ میں اس کی گرم بازاری رہی، ایک وقت میں قرطبہ اور اشبیلہ جائے مجلس ٹھہرے تو کسی وقت بخارا، سمرقند اور ترمذ میں یہ پروانے اپنی شمع کے گرد جمع ہوگئے، کبھی ان کا رُخ اُندلس اور مصر کی طرف رہا، کبھی ٹھٹھہ میں فروکش رہے، بالآخر دیوبند سے ہوتے ہوئے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے علم خیز، تقویٰ انگیز اور شفقت اور احترام سے لبریز فضا میں پہنچے، اللہ تعالیٰ ان مجالس کو ہمارے استاذِ محترم کے رفع درجات، ہماری بخشش اور مرتب کے لئے علمی، روحانی اور ادبی کمال، ترقی اور بلندی کا ذریعہ اور اپنی بارگاہ میں سرخروئی کا سبب بنائے۔ (آمین یا رب العالمین)

مولانا محمد اسحاق حقانی، پشاور
متعلم جامعہ حقانیہ

مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات
ایک عظیم علمی و تاریخی دستاویز

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حینِ حیات میں لکھی گئی یہ تحریر، جو ''الحق'' میں بھی شائع ہوئی، اس لئے اس تحریر میں صیغے سارے ان کی حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دورانِ مطالعہ اس ملحوظہ کو یاد رکھیں...... (اِدارہ)

ڈائری (Diary) انگریزی زبان کا لفظ ہے، جسے اردو میں ''روزنامچہ'' اور عربی میں المذکرۃ الیومیۃ کہا جاتا ہے۔ ڈائری دراصل کسی شخص کے ان احوال و واقعات، احساسات و مشاہدات اور حاصلِ مطالعہ کا مجموعہ ہوتا ہے جنہیں وہ روزانہ تاریخ وار تحریر کرتا ہے۔ اس کے ذریعے وہ نہ صرف اپنی ذات اور گردوپیش کی ایک مختصر سی تاریخ مرتب کرتا ہے بلکہ وہ اس کے افکار و نظریات اور خیالات کا ترجمان بھی ہوتی ہے۔ ڈائری چونکہ لکھنے والے کی اپنی ذاتی زندگی کی خوشی غمی اور نشیب و فراز کی کہانی ہوتی ہے، اس کے احساسات وافکار، تجربات کا نچوڑ اور نظریہ ورجحان کی عکاسی بھی کرتی ہے، اس لئے عمومی طور پر یہ ایک خالص ذاتی (private) قسم کی چیز سمجھی جاتی ہے جس کا دائرہ صرف اسی کی حد تک محدود ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ چونکہ وہ اسے ایک معتمد اور ہمدرد ساتھی سمجھ کر بے دھڑک اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے اور اسے وہ کسی اور کیلئے نہیں بلکہ صرف اپنے لئے تحریر کرتا ہے اسی لئے یہ تصنّع اور تکلّف سے یکسر خالی ہوکر سادہ اور خالص بے تکلّف لب و لہجہ میں ہوتا ہے۔ بقولِ مولانا عرفان الحق حقانی زید مجدہم:

'' ڈائری یا روزنامچہ محققین کے نزدیک عرفان ہستی کا یومیہ زائچہ ہوتا ہے جو کہ ہر قسم کے تصنع، ملمع کاری، بناوٹ اور نمود و نمائش سے پاک ہوتا ہے۔ اسے خالص تاریخ بھی کہا جا سکتا ہے جس میں ایک فرد نہ صرف اپنی ذات کا حساب و کتاب رکھتا ہے بلکہ اپنے عہد، اپنے معاشرے، اپنے

زمانے کی تاریخ، معاشرت، تمدنی حوادث، آفات و واقعات اور سانحات کا دفتر بھی محفوظ کرتا ہے، عموماً روزنامچہ اشاعت کی غرض سے نہیں لکھا جاتا...... ڈائری کے بنیادی خواص میں جزئیات نگاری، نکتہ رسی، بے ساختگی، برجستگی، شگفتگی، بے تکلفی شامل ہے، جب کسی روزنامچہ نگار کو یہ معلوم ہو کہ اس کی تحریر کوئی اور پڑھے گا تو پھر یہ تمام خصوصیات رخصت ہو جاتی ہیں۔(۱)

ڈائری کی تاریخ

ڈائری کی تاریخ درحقیقت اتنی ہی پرانی ہے جتنی قلم وقرطاس اور کتابت کی کیونکہ جب سے انسان نے سیکھ کر لکھنا شروع کر دیا ہے، بدیہی طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حالات و واقعات کو بھی قلمبند کرنے کی سعی کی ہوگی۔ بالفاظِ دیگر ڈائری کی ابتداء وہاں سے ہوتی ہے جہاں سے تاریخ مرتب ہونی شروع ہوئی ہے بلکہ شاید تدوینِ تاریخ سے بھی پہلے کیونکہ عام طور پر تاریخ کی ترتیب و تدوین کیلئے بھی ڈائری، روزنامچے اور یاداشتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بائبل وقتوں میں حکومتیں اکثر اہم واقعات کا ریکارڈ رکھا کرتی تھیں۔ یونانیوں نے ایک ایسی کتاب ترتیب دی جسے ''فیمیرائڈس'' کہتے تھے اور جس میں ستاروں اور سیاروں کی روزمرہ گردش کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ یونان کو فتح کرنے والے رومیوں نے ان کتابوں کو استعمال کیا اور اس کی افادیت کو بڑھانے اور اسے زیادہ علمی بنانے کیلئے لوگوں کی دلچسپی کے حامل روزمرہ واقعات بھی ان میں درج کر دیئے۔ وہ انہیں ''دیاریئم'' کہتے تھے جو لاطینی لفظ ''ڈائس''، بمعنی ''دن'' سے مشتق ہے۔(۲)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ شق القمر پیش کیا تو مالا بار (موجودہ سری لنکا) کا راجہ جو اس زمانے میں ''زمون'' یا ''سامری'' کے نام سے مشہور تھا اور خاندان ''پلویا'' سے تعلق رکھتا تھا، اس نے یہ معجزہ دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی اور اس واقعہ کو بطورِ یاداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرایا۔(۳)

اسلامی تاریخ میں ہمیں اپنے اسلاف میں امام شافعیؒ کے روزنامچے کا ذکر ملتا ہے جس میں وہ اپنے حج اور دیگر علمی اسفار کے احوال رقم فرمایا کرتے تھے۔ ماضی قریب کے روزنامچوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''کاروان زندگی'' اور مذکرات سائح فی الشرق العربی، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا ''احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن''، مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ کی ''ڈائری''، شیخ الحدیث مولانا

زکریاؒ کی ''آپ بیتی''، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ''نقشِ حیات''، مولانا ماہرالقادری کے فن پارے ''روزنامچے'' کے نام سے علمی اور ادبی حلقوں میں معروف ہیں۔(۴)

مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات

ڈائریوں کے اس تاریخی تسلسل میں ایک نئے عظیم باب کا اضافہ ''مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات'' کی صورت میں ہوا ہے جو ابھی حال ہی میں منصۂ شہود پر آ کر جلوہ افروز ہوا ہے۔

استادگرامی قائد امت زعیم ملت استاذ العلماء والمجاہدین شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کی ذات گرامی کوئی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کی ذات کے تعارف میں پڑنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ کی شخصیت کا شہرہ اس وقت چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے، اور آپ کی علمی اور قومی وملی خدمات کی پوری ایک دنیا معترف ہے۔ آپ انتہائی جامع اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں، آپ بیک وقت عظیم محدّث، محقق، مدرّس، سیاسی زعیم اور مفکّر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جہاں دیدہ شخصیت بھی ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ علوم دینیہ آپ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرکے اپنی علمی پیاس بجھا چکے ہیں اور بجھا رہے ہیں۔ علمی میدان میں کمال عروج پر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منجھے ہوئے سیاسی زعیم اور قائد بھی ہیں۔ پوری امت مسلمہ بلکہ مغربی دنیا بھی آپ کی بصیرت افروز تجاویز و آراء کی روشنی میں اپنے لئے راہ عمل متعین کرتی ہے۔ آپ کا قلبِ سلیم امت مسلمہ کی مظلومیت اور بے بسی کیلئے ہمہ وقت فکر مند رہتا ہے۔

لیکن ان جملہ اوصاف و خصائل کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک کہنہ مشق ماہر ادیب اور کامیاب مصنف بھی ہیں۔ آپ کی سلیس، شستہ اور ٹھوس تحریر اردو ادب کی بلندیوں کو چھوتی ہے۔ اب تک علمی اور تاریخی موضوعات پر آپ کی بیسیوں کتب منظر عام پر آ کر اہل علم وقلم سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں جن میں بعض دس دس جلدوں پر مشتمل ہیں۔ معروف مفکر اور سکالر مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ نے آپ کو اپنے ان تین معاصر بزرگوں میں شمار کرکے رشک کا اظہار کیا ہے جو تحریری محاذ پر مستند معلومات اور تاریخ کا ایک بڑا ذخیرہ مرتب کرکے نئی نسل کے حوالے کر رہے ہیں۔(۵)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا کی شخصیت اور خدمات پر روشنی ڈالنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کیلئے مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کا قلم اور حوصلہ چاہئے جنہوں نے ''مولانا سمیع

الحق، حیات و خدمات'' دو ضخیم جلدوں میں مرتب کر کے واقعتاً اس کام کا حق ادا کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا کتاب ''مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات'' دراصل استاد محترم کی بچپن سے جوانی کے دور تک کی خودنوشت (Manuscript) ڈائریوں کا مجموعہ ہے، جو دو حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا حصہ

یہ حضرت مولانا مدظلہم کی ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۷ء تک اور ۱۹۸۳ کی ۲۹ سالہ تحریر کردہ ڈائریوں پر مشتمل ہے، جن میں آپ نے مختلف احوال تاریخ وار رقم فرمائے ہیں، مثلاً:

☆ خاندان کے مختلف قسم کے احوال جیسے: خوشی، غمی، تولد، نکاح، شادی، بیماری و وفیات وغیرہ۔

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ کے اسفار حج اور دیگر علمی، تبلیغی اور سیاسی اسفار کی تفصیلات اور تاریخی خطوط۔

☆ خود مولانا کے ذاتی چھوٹے بڑے اسفار کی روداد۔

☆ استاد محترم کے زیر مطالعہ رہنے والی عربی، اردو کتب اور رسائل و مجلّات کا ذکر اور ان پر جامع پرمغز تبصرے۔

☆ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مختلف احوال و کوائف جیسے: امتحانات، سالانہ بجٹ، تعمیری منصوبہ جات اور علمی و روحانی ارتقائی مراحل کا ذکر۔

☆ دارالعلوم کے اہم اجتماعات خصوصاً سالانہ جلسہ دستار بندی کی تقاریب کی تفصیلی کارگزاری۔

☆ جامعہ میں مختلف علماء و زعماء اور وفود کی آمد اور دارالعلوم کے بارے میں انکے نیک تاثرات کا ذکر جن میں اکابر علماء، اساطین علم و عرفان، سیاسی زعماء اور قومی و بین الاقوامی مشاہیر شامل ہیں۔

☆ شیخ الحدیثؒ کے خطابات، مواعظِ جمعہ اور دروس کے بعض اہم اقتباسات۔

☆ اکابر علماء اور قومی و ملی مشاہیر کی وفات بقید تاریخ اور ان کے بارے میں تعزیتی جلسے اور شیخ الحدیثؒ کے تاثرات۔

☆ ملکی اور بین الاقوامی حالات پر جاندار تبصرے اور سیاسی اتار چڑھاؤ کی تفاصیل، جن سے بعض تاریخی واقعات کی حقیقت سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔

ان احوال و واقعات کو پڑھ کر جہاں حضرت شیخ الحدیثؒ کی عظمت و بلندی اور قومی و ملی خدمات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے وہاں مولانا سمیع الحق صاحب کے مطالعاتی ذوق، علمی مصروفیات، فکری رجحانات اور اکابرین امت کے ساتھ عقیدت و محبت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ درمیان میں رہ جانے والے سالوں اور ۱۹۸۳ء کے بعد کے سالوں کی ڈائری بھی طبع ہو کر منظر عام پر آجائے۔ (آمین)

دوسرا حصہ

دوسرا حصہ ان علمی، تاریخی، ادبی اور معلوماتی مواد کا مجموعہ ہے جو حضرت نے دورانِ مطالعہ منتخب کئے تھے۔ ان میں خوبصورت مطلب خیز عربی، فارسی اور اردو اشعار اور قصائد و مرثیات، اہل علم کے مفید اقوال اور تاریخی سبق آموز واقعات شامل ہیں۔ بعض علماء و مصنفین کے مختصر احوالِ زندگی اور کتب کے مفید اقتباسات بھی درج کئے گئے ہیں۔ نیز مولانا صاحب کے اپنے قلم سے تحریر کردہ دلچسپ اور مفید مضامین بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے اور دلچسپ امر یہ کہ یہ سب کچھ باحوالہ ہے۔ بلاشبہ یہ بکھرے ہوئے موتیوں کا ایک اچھا مجموعہ اور ہزاروں صفحات کا نچوڑ اور عطر کشیدہ ہے۔ اہل علم کیلئے خاصے کی چیز ہے۔

اس مفید مجموعہ کے مطالعہ سے استاد محترم کی دقت علمی کا پہلو بھی نکھر کر سامنے آتا ہے کہ آپ کس قدر کثیر المطالعہ شخصیت ہیں، بلکہ صرف کثیر المطالعہ ہی نہیں، سریع المطالعہ بھی ہیں کہ اتنی کم عمری میں اس قدر مطالعہ اور علمی ذوق و شوق کسی کسی کے حصے میں آتا ہے۔ بقولِ حضرت الاستاذ مولانا عبدالحلیم المعروف دیر بابا جی مدظلہم: ''اگر آپ کسی دن ڈھیر ساری کتب مولانا کے سامنے رکھ کر انکا مطالعہ کرنے کو کہیں تو اگلے دن نہ صرف مولانا ان کے مطالعہ سے فارغ ہو چکے ہوں گے بلکہ ان کا خلاصہ بھی فرفر بیان کریں گے''۔

الحاصل بظاہر تو یہ استاد محترم کی روزمرہ کی خودنوشت ڈائری ہے لیکن درحقیقت یہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، استاد محترم مولانا سمیع الحق اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی ایک مکمل تاریخی دستاویز ہے۔ دراصل یہ ڈائری تمام تصانیف کے لئے ایک طرح کی بنیاد فراہم کرسکتی ہے بلکہ احقر کی

رائے میں تو پاکستان کا کوئی بھی مذہبی یا سیاسی تاریخ دان اس سے استفادہ کئے بغیر اپنی تاریخ مکمل نہیں کرسکتا کہ یہ اس کے لئے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

عام طور پر اس قسم کی ڈائریوں کو منظر عام پر لانے سے گریز کیا جاتا ہے کہ یہ ذاتی چیز ہوتی ہے۔ مولانا صاحب کے الفاظ میں: ''پیش نظر کتاب زندگی کی بکھری ہوئی کہانی اور پراگندہ افکار و احساسات کا مجموعہ ہے، جسے عموماً ماضی کی بے رحم صبح و شام میں دفن کر دیا جاتا ہے اور جسے سرعام بے نقاب ہوجانے سے گریز کیا جاتا ہے کہ اپنی خلوت میں غیروں کے جھانکنے سے کسی بھی حساس طبیعت کو جھجک محسوس ہوتی ہے۔ اپنی شب و روز اور نجی زندگی کی خلوتوں کو غیروں کی جلوت بنانا کون سی عقلمندی ہے؟''(۶)

لیکن یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ فاضل مرتب مولانا عرفان الحق صاحب اس کی اشاعت کی اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور استاد محترم نے بھی وسعت ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے افادہ عام کو پیش نظر رکھ کر اس کی اجازت مرحمت فرمائی، فجزاهم الله تعالیٰ منا احسن الجزاء

اخیر میں احقر بارگاہِ رب العزت میں اس دعا کی قبولیت کی درخواست کرتا ہے جسے استاد محترم دامت برکاتہم نے احقر کی درخواست پر کتاب کے شروع میں آٹوگراف کے طور پر تحریر فرمائی:

اللہ تعالیٰ ان مصروفیات اور ڈائری کی صورت میں اپنے علمی اور عملی مشاغل ڈالنے کی توفیق دے (آمین ثم آمین)

(مصادر ومراجع)

(۱) مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات، عنوان: عرض مرتب، ص: ۶۰

(۲) ملاحظہ ہوں: http://wol.jw.org/ur/wol/d/r109/lp-ud/102001570

(۳) فتوح الہند از مفتی محمد شفیعؒ، ص: ۹، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی

(۴) مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات، عنوان: عرض مرتب، ص: ۶۰

(۵) ملاحظہ ہوں: تین معاصر بزرگوں کے تصنیفی کارنامے، کالم نگار: مولانا زاہد الراشدی، مطبوعہ: روزنامہ اسلام، ۲۲ نومبر ۲۰۱۰ء، نیز کالم پڑنے کیلئے دیکھئے: http://zahidrashdi.org/518

(۶) مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات، عنوان: پیش لفظ، ص: ۵۷

مولانا حافظ محمد طیب حقانی
خطیب جامع مسجد وتڑخیل نوشہرہ

ماہنامہ ''الحق'' اربابِ صحافت کی نظر میں

ماہنامہ ''الحق'' نے شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ادارت میں نہایت قلیل مدت میں معاصر صحافت میں ایک اعلیٰ ادبی اور معیاری مقام بنایا، جس کا اعتراف بعض اہلِ قلم نے بھی کیا ہے، ذیل میں چند ایک کی آراء منقول ہیں۔

قومی زبان کے مدیر کا مولانا سمیع الحق پر رشک

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری لکھتے ہیں: مجھے اگر کسی پر رشک آتا ہے تو وہ اکوڑہ خٹک کے ایک نوجوان عالم سمیع الحق پر، جس کے فکر و تردّد نے اسلامی و ملی فرائض کی ادائیگی کی ایک راہ ڈھونڈ نکالی ہے جس پر چلنے اور اس کے آداب و رسوم سنبھالنے کی اس میں بہترین صلاحیتیں بھی ہیں اس میں نہ تنگ نظری ہے نہ تقشّف اور نہ ژولیدہ فکری ہے اسے نہ تو صاحبِ قلم ہونے کا زعم ہے اور نہ اس میں صالح ہونے کا گھمنڈ نظر آتا ہے، ہاں! اس کا قلبِ سلیم اور اس کی روح سعید ہے اس میں دین کی خدمت کا جذبہ اور ملت کی تعلیم و اصلاح کا داعیہ ضرور موجود ہے، وہ اس بات کے اندازہ شناس بھی ہیں کہ دعوت و اصلاح کے کام وقت کے بہترین اور معیاری انشاء واسلوب کے متقاضی ہیں، ان کی کتاب ''اسلام اور عصر حاضر'' عصر حاضر کے ہمہ قسم کے مسائل میں اسلامی رہنمائی اور دینی افکار کا مجموعہ ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں پاکستان کے مسلم معاشرے کے افکار و رُجحانات کے خدوخال بھی دیکھے جاسکتے ہیں اور جس میں تحریک پاکستان کے نصب العین اور پاکستان کی گذشتہ حکومتوں کے سمتِ سفر کا تضاد بھی نظر آجاتا ہے، یہ ایک قلبِ سلیم کی بے چینیاں اور سعید روح کی پکار ہے جس نے حرف و الفاظ کی شکل اختیار کر لی ہے اور سوادِ تحریر میں ظاہر ہوئی ہے۔ مولانا سمیع الحق کی کتاب باطن سے ظاہر تک فکر بلند، طبع سلیم، حسن تحریر و تالیف اور کمالِ تزئین و زیبائش کی آئینہ دار ہے۔ اس میں جس طرح فاضل مصنف مولانا سمیع الحق کے افکارِ دینی و اسلامی کا پیمانہ بلند و ارجمند ہے، اس طرح ان کی زبان نہایت شستہ رواں اور طرزِ نگارش نہایت سلیس و شگفتہ ہے۔ سترہ ابواب

میں وقت کے سینکڑوں تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی، سیاسی، قومی، ملی، ملکی اور عالمی مسائل، حوادث و فتن اور تحریکات و افکار پر اظہارِ خیال ہے۔ (قومی زبان: نومبر ۱۹۷۶ء)

الجمعیۃ دہلی

حضرت مولانا عبدالحق صاحب اور ان کے رفقاء مستحق مبارکباد ہیں کہ جس طرح یہ حضرات اکوڑہ خٹک پشاور میں دارالعلوم حقانیہ جیسا علمی مرکز قائم کر کے سینکڑوں تشنہ لبوں کو علم مولیٰ کے آبِ حیات سے سرشار کر رہے ہیں، جس طرح وعظ و تذکیر کے ذریعہ حفاظتِ دین اور اشاعتِ علومِ نبوت کا فرض انجام دے رہے ہیں، ایسے ہی اپنی تصنیفی اور صحافتی صلاحیتوں کے ذریعہ بھی اشاعتِ علم اور افاضہ و افادہ کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ ماہنامہ ''الحق'' ان حضرات کے اس ہمہ گیر جذبہ کی متحرک تصویر ہے...... (۴؍ستمبر ۱۹۶۶ء)

ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند

رسالہ ''الحق'' مغربی پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ کا علمی، دینی ترجمان ہے جس نے متنوع مضامین، جدتِ ترتیب، حسن کتابت و طباعت اور اپنے اعلیٰ نظریات کے لحاظ سے اپنا نیا معیار قائم کیا ہے۔ (ستمبر ۱۹۶۶)

بینات، کراچی

اس ماہنامہ کی ترتیب بڑی دلکش اور مضامین ایمان افزا ہوتے ہیں۔ اداریہ میں مسائل حاضرہ پر شگفتہ زبان، سنجیدہ اسلوب اور متین اندازِ بیان میں شرعی نقطۂ نظر سے بصیرت افروز تبصرہ، مقالات میں تنوع، عالمِ اسلام کے کوائف، عالمی مسائل اور ان کا صحیح حل اور تازہ مطبوعات پر جاندار تبصرہ اس مجلّہ کے خصوصی مشمولات ہوتے ہیں۔ (ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ)

فاران، کراچی

''الحق'' کے تمام مضامین دین و شریعت اور اخلاق و پاکیزگی کی ترجمانی اور عکاسی کرتے ہیں۔ ماہنامہ ''الحق'' کوئی شک نہیں دین و شریعت کی قابلِ قدر خدمت انجام دے رہا ہے اور متجددین اور مغرب زدوں کے افکارِ باطل کی تردید اس کی خصوصیت رہی ہے۔ (مارچ ۱۹۶۷ء)

ماہنامہ برہان، دہلی

رسالہ علمی بھی ہے اور دینی بھی، مضامین میں خاصہ تنوع ہوتا ہے، عہد جدید کے جو فکری فتنے ہیں، ان سے متعلق بھی تنقیدی مضامین ہوتے ہیں، ادبی چاشنی کی بھی کمی نہیں ہوتی، عربی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کیلئے خصوصاً اور عام مسلمانوں کیلئے عموماً اس کا مطالعہ مفید اور معلومات افزا ہوگا۔ (فروری ۱۹۶۷ء)

جنگ، راولپنڈی

دارالعلوم حقانیہ کو اکابر کی نگاہ میں مرکز علومِ دینیہ دارالعلوم دیوبند بھارت کا پاکستان میں قائم مقام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ہماری نگاہ میں اس رسالہ (ماہنامہ ''الحق'') کا باقاعدہ مطالعہ عالم باعمل بنانے میں حد درجہ ممد و معاون ثابت ہوگا۔ (۲۶/جون ۱۹۶۶ء)

صدق جدید، لکھنؤ

ایک دینی درسگاہ کا دینی وعلمی ماہنامہ جو مذہبی وعلمی ہونے کے باوجود خشک اور نرا مولویانہ نہیں، خاصہ دلچسپ، شگفتہ اور پُر از معلومات ہے۔ (۳/جون ۱۹۶۴ء)

مدیر الفرقان، لکھنؤ

''الحق'' نے تو اس راہ کے تجربہ کاروں کو بھی مات کر دیا ہے۔

شہاب، لاہور

''الحق'' میں اکابر سلف کے نوادرات کی جھلکیاں اور جدید مسائل پر دورِ حاضر کے متبحر علماء کے تبرکات بھی شامل ہیں۔ دوسری طرف ظاہری دلآویزی بھی ہے۔ ہم قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ نہایت گرمجوشی سے اس جریدہ کا خیر مقدم کریں۔ (شہاب، فروری ۱۹۶۴ء)

الرحیم، حیدرآباد

''الحق'' کے مضامین بلند پایہ علمی معیار کے علاوہ ان کی زبان ان کا اسلوب بڑا شستہ اور منجھا ہوا ہے، ہمیں اُمید ہے یہ رسالہ تمام دینی وعلمی حلقوں میں مقبول ہوگا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا (اکتوبر ۱۹۶۵ء)

الاعتصام، لاہور

''الحق'' ظاہری و باطنی خوبیوں کا مرقع ہے اور محنت وتنوع نمایاں نظر آتی ہے (جولائی ۱۹۶۹ء)

ڈاکٹر عبدالستار آزاد
سابق رفیق القاسم اکیڈمی، نوشہرہ

مولانا شہیدؒ کی خاکہ نگاری اور ادبی مقام

- ...... ''مکتوباتِ مشاہیر'' فنی لوازمات کے باعث ایک ادبی اور علمی شہ پارہ
- ...... مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے علمی ادبی خاکے نثری ادب کا سرمایہ
- ...... خاکوں میں شخصیات کا تعارف، خدوخال، ظاہری و باطنی نقوش،
- ...... کردار و افکار، عادات و اطوار مؤثر طور پر اُبھارے گئے ہیں۔
- ...... صاحبِ خاکہ کی مکمل شخصیت، ایک مجسم تصویر بن کر ہمارے سامنے آجاتی ہے
- ...... خاکوں میں قلب وجگر کی قاش فروشی کی کیسی کیسی دُکانیں سجائی گئیں
- ...... اسلوب نہایت شگفتہ، ادب کے دامن کو کبھی بھی نہیں چھوڑتے

ڈاکٹر عبدالستار آزاد صاحب ''القاسم اکیڈمی'' کے ساتھ کیا جڑے کہ علم و ادب اور قلم و کتاب کے روشن ستارے بن گئے۔ ماہنامہ ''القاسم'' میں ان کے ادبی شہ پارے علم و ادب کے نادر و نایاب نمونے قرار پائے ہیں۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے ان کی آخری ملاقات کی روئیداد بھی بڑی دلچسپ ہے، حضرت شہیدؒ کی علمی، ادبی خاکہ نگاری سے ان کا اقتباس بھی لائق صد تحسین ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اگر اپنے مرکز سے جڑے رہے تو علمی، ادبی اور قلمی حوالے سے ان کی استقامت ان کے روشن مستقبل کا وسیلہ بن سکتی ہے............ (ادارہ)

راہِ ہستی کا یہ دستور مقدر ہے جمال
نقش رہ جاتے ہیں انسان گذر جاتا ہے
جب چمکتے ہیں اندھیرے میں وہ نقش ہمہ رنگ
پھر کسی فرد کی عظمت کا خیال آتا ہے

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ایک نادر روزگار شخصیت تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں ایسے اوصاف ومحاسن جمع کردیئے تھے کہ انہوں نے زندگی کے ہر دائرہ میں بلند مقام حاصل کیا۔ وہ ایک عظیم المرتبت، جلیل القدر شخصیت کے ساتھ ساتھ مفسر، فقیہ، محدث، انشاء پرداز، ادیب، تاریخ دان، سیاستدان، قومی اور ملی رہنما تھے۔ ہر ایک نے ان کو کسی نہ کسی حیثیت سے پیش کیا، کسی کو وہ ادیب نظر آئے، کسی کو عالم ومفسر ومحدث، کسی کو مجاہد، کسی کو سیاستدان، تو کسی نے ان کو ملی اور قومی رہنما کا درجہ دیا۔ وہ دعوت و اصلاح، تصنیف و تالیف، صحافت و سیاست، علوم وفنون، فکر و فلسفہ، تاریخ، شعر و ادب، درس و تدریس کے میدانوں کے شہسوار تھے۔ وہ محبّ قوم و زبان تھے اور ان کی یہ حیثیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، وہ مثبت اور تعمیری فکر کے مالک تھے۔ قلم وقرطاس سے ان کا رشتہ بہت مضبوط تھا اور مختلف موضوعات پر انہوں نے متعدد وقیع اور علمی کتابیں تصنیف کیں۔ انشاء، تحقیق، تصنیف و تالیف کے ذریعے انہوں نے اردو ادب کی آبیاری کی ہے۔ تمام تر ذمہ داریوں کے باوجود ان کے اپنے اساتذہ، احباب، تلامذہ اور دیگر معاصر حضرات سے جن میں شاعر، ادیب، عالم، صوفی، سیاستدان، حکمران، چھوٹے، بڑے ہر طرح کے لوگ شامل ہیں، مسلسل خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ اربابِ سیاست اور ملکی اور بین الاقوامی عظیم شخصیات کے نام آپ کے خطوط کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے ان سب علمی، تاریخی اور ادبی خطوط کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ ''پبلک پراپرٹی'' سمجھ کر ان کو ''مکتوباتِ مشاہیر'' کے نام سے شائع بھی کرایا۔

ان کے ''مکتوباتِ مشاہیر'' جو سات جلدوں پر مشتمل مجموعہ ہے، کسی بھی زبان میں تاریخ کا سب سے بڑا مجموعہ ہے۔ صرف یہ مجموعہ ان کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے، اگر وہ اور کچھ نہ کرتے تب بھی یہ ان کی زندگی کی قیمت تھی۔ بقول مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ''مولانا سمیع الحق صاحب اردو زبان کے بہت بڑے ادیب تھے جس کی گواہی ان کا ماہنامہ ''الحق'' دیتا ہے''۔ ''الحق'' ۵۶ سال سے میدان صحافت میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

اِن مکتوبات میں ادبیت کی چاشنی، دلکشی اور شگفتگی کے علاوہ اُن کے جذباتِ دروں، تمنائیں وحسرتیں، ان کی پسند ناپسند اور ان کی علمیت کے اعلیٰ شہ پارے ہیں۔ ان کی ادبی اہمیت کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے اور نثری ادب کا سرمایہ ہے جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ یہ خطوط ان کی شخصیت کے ترجمان ہیں۔ یہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ دراصل اس طرح کے خطوط ادب میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتے ہیں اور مورخین اور سوانح نگاروں کی اکثریت نجی خطوط

پر سب سے زیادہ زور دیتی ہے۔ ان کے خطوط میں لطیف مزاح کی چاشنی ہے۔ان خطوط کی زبان نہایت صاف، سادہ اور رواں ہے۔ یہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔

انہوں نے تمام مکتوب نگاروں کا اپنے مخصوص انداز میں ایسا مختصر اور جامع تعارف بھی کیا ہے جس سے ان مکتوب نگاروں کی شخصیت کے خدوخال اور ان کے ظاہری و باطنی نقوش، ان کے کردار، افکار، عادات و اطوار موثر انداز میں ابھر کر قاری کے سامنے آجاتے ہیں اور پھر ان خطوط پر جگہ جگہ حاشیہ اور وضاحتی نوٹس بھی تحریر فرمائے ہیں۔انہوں نے مکتوب نگار حضرات کے حالاتِ زندگی اور ادیبانہ اور عالمانہ کاوشیں بھی بیان کی ہیں، انہی تعارفی نوٹس میں ان کی شخصیت نگاری بھی نمایاں ہے، شخصیات کے تفصیلی اذکار میں عمدہ خاکوں کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ان مکتوبات میں ان کے معاصرین کے تذکرے اور علمی اور ادبی کارناموں کی تفصیل بھی بیان ہوئی ہے، انہوں نے بعض مشاہیر کا تفصیلی اور بعض کا مختصر اور سرسری ذکر کیا ہے۔تفصیلی اذکار میں عمدہ خاکوں کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ ''مکتوباتِ مشاہیر'' کو انہوں نے ایک طرف اپنی زندگی کا منظر نامہ بنادیا تو دوسری طرف مشاہیر کی خصائل کی پیش کش خاکوں کی صورت میں کردی۔تفصیلی خاکوں میں مشاہیر کی نجی زندگی اور شخصیت نگاری کی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی کا علمی خاکہ

مثال کے طور پر وہ مولانا مفتی محمد تقی صاحب کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ تقی صاحب کی مکمل شخصیت ایک مجسم تصویر بن کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ان سے انسیت کا تذکرہ جس خلوص سے کیا گیا ہے جس سے ان دونوں کی قربت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

''محبّ قدیم، صدیق حمیم، کریم ابن کریم، محبوب و محبّ صمیم مولانا محمد تقی عثمانی کو اللہ تعالیٰ نے جن بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے اس بارہ میں قلم خامہ فرسائی سے عاجز ہے۔قلم ایں جا رسید و سر بشکست۔ان کی ذات علم و دانش اور علم و حکمت کا ایسا متنوع گلشن ہے جس کی رنگینی اور بوقلمونی کی منظر کشی سے خود کو بے بس پاتا ہوں، گویا حالت وہ ہے

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میں کشد کہ جا ایں جاست

غالباً ۱۹۵۵ء میں ان سے پہلی ملاقات ہوئی جب کہ وہ اپنے عظیم والد ماجدؒ کے ساتھ اکوڑہ

خٹک تشریف لائے تھے۔ایک دو دن ہمارے غریب خانہ جو حقیقی معنوں میں غربت کدہ تھا اور مہمانداری کی تمام سہولتوں سے محروم بھی لیکن پھر بھی یہ ملاقات فکری اور طبعی مناسبت اور ہم آہنگی کی وجہ سے خلوص اور محبت کے ان مٹ نقوش ثبت کرگئی جس کی جھلک ان مکاتیب کی ہر ہر سطر میں نظر آتی ہے۔ یہ ہماری طالب علمی کا دور تھا ،علمی فکری، مطالعاتی، ذوق عربی، اردو، فارسی ادب سے دلچسپی، سیر وسیاحت کا شوق اور اہم ملی اور علمی امور پر مباحثے،مناظرے اور مذاکرے۔ یہ سارے مشترکہ میلانات اس رشتہ صدق وصفا کو مضبوط سے مضبوط تر بناتے رہے،اس دور کی ہر ملاقات کسی مسیحا وخضر کے ملنے سے کم نہیں لگتی تھی۔ یہ خطوط اس عہد جنون و جوانی کی حسین یادیں سمیٹے ہوئے ہیں،بعد میں ان میں سے کئی خطوط پر مولانا نے خط تنسیخ بھی کھینچا اور کئی حصے حذف کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر میرا دل اس دل صد پارہ خویش کے ایک لفظ پر بھی قینچی چلانے کا روادار نہ ہوسکا اور اب مولانا کی ناراضگی کا خطرہ مول لے کر بھی اس جگر لخت لخت کا گلدستہ اہل ذوق کو پیش کر رہا ہوں۔مکاتبت کے دوران اپنے خطوط میں اپنے دل صد پارہ کے ٹکڑے کس طرح ان کے سامنے سجاتا رہا اس کا علم ان کو ہوگا یا ان لکھے گئے خطوط سے جو ان کی ناقدر شناسی کی وجہ سے اگر ضائع نہ ہوئے ہوں۔اس میں قلب وجگر کی قاش فروشی کے کیا کیا دکان سجائے گئے ہوں گے؟ واللہ اعلم

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اس میں شک نہیں کہ اب مولانا علم وفضل کی اوج کمال پر ہیں مگر یہ مقام زندگی کے لطیف احساسات اور ہجر و وصل کی بادیہ پیمائی کے منافی نہیں،یہ خطوط ان کی قلبی و روحانی ذکاوت اور اعلیٰ ادبی ذوق کے آئینہ دار ہیں۔ یہ ایسا دور تھا کہ دل و دماغ اپنے عہد کی نابغہ روزگار شخصیات کے مکاتیب کی سحر انگیزی سے مسحور ہوجاتا۔مثلاً مولانا آزاد وشیرانی کے بے تکلف خطوط۔ اندر چھپے ہوئے جذبات کے لئے کوئی فرضی یا موہوم ہمدم وغمگسار کو مخاطب بناتا ہے اور بڑے لوگوں کی تقلید میں اپنے خاکوں میں بڑے لوگوں کے رنگ بھرتا ہے۔طالب علمانہ ادبی منافست کے جذبات بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ نامہ ہائے محبت اسی کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔مولانا نے دینی علوم کے ساتھ عصر حاضر کے جدید علوم اور نت نئے حوادث اور مسائل بالخصوص معاشی اور اقتصادی میدانوں میں بھی جدید روشن خیال طبقے میں علمی فتوحات کے جھنڈے لہرا دئے ہیں۔اسلامی علوم پر دسترس،تحریر وتقریر،تصنیف وتالیف، ادب وانشاء کا

یہ شہسوار آسمان علم و فضل پر اپنی کمندیں ڈال چکا مگر ان کا یہ کم سواد، کم ہمت ہم دم دیرینہ ابھی تک کوچہ ہائے پیچ و تاب میں بھٹکتا اور سوز و ساز کی وادیوں کی خاک چھان رہا ہے، گویا نقشہ وہ ہے کہ

ما و مجنون ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم

بعض حضرات کا نسبتاً تفصیلی ذکر موجود ہے جب کہ بعض حضرات کے اجمالی تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے اور ان کی نجی زندگی اور شخصیت نگاری کی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ذات کو جامع اور مختصر انداز میں یوں منکشف کیا گیا ہے۔''اکابر دیوبند کی محفل کا ایک تابندہ ستارہ، محقق، مدرس، مصنف، مفسر قرآن، مفتی دوران، فقیہ زمان، دیوبند سے کراچی تک خدمات کا تسلسل، دارالعلوم کراچی جیسے عظیم ادارہ کے مؤسس، صدقات جاریہ میں مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد رفیع عثمانی، مولانا زَکی کیفی، مولانا رضی عثمانی اور مولانا ولی رازی جیسے اخلاف صدق جن میں ہر ایک علم کے میدان میں آفتاب و ماہتاب ہیں''۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب

ان کا اندازِ بیان بے تکلف اور دلچسپ ہے افراد کی عادات و اطوار اور شخصیت سازی میں جزئیات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔مثال کے طور پر مولانا فضل الرحمان صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں۔''حضرت مولانا مفتی مرحوم کے ہونہار فرزند رشید، تقریباً نو برس تک تحصیل علم کیلئے حقانیہ میں قیام رہا۔اللہ تعالیٰ نے فطانت و ذہانت کے ساتھ بلاغت و فصاحت سے اظہار مافی الضمیر اور اپنے موقف کی تائید و ترجمانی اور زمانہ شناسی کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔سیاسی میدان میں ان کی ''فتوحات''، پیش قدمیاں اور پسپائیاں ہمیشہ زیر بحث رہیں مگر ہمیں ہر حال میں ''حقانی'' ہونے کی وجہ سے عزیز ہیں اور حقانی برادری کے ایک فرد فرید ہونے کے ناطے ہمیشہ اپنے ہی لگتے ہیں۔مروجہ جمہوری اور شاطرانہ ستم ظریفیوں کی وجہ سے جمعیت کے راستے دو ہو گئے اور اکابر جمعیت اور مشائخ امت کے پر زور اصرار اور ان کے حکم کی تعمیل میں ناتواں کندھوں پر بوجھ اٹھانا پڑا مگر حقانی دور کے قرب و انس میں کمی محسوس نہ ہوئی''۔

قائد ملت مولانا مفتی محمودؒ

مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کی سیاسی بصیرت اور خدمات کو احاطہ تحریر میں یوں لائے ہیں ''قائد جمعیت علماء اسلام۔ المتوفی ۱۴/اکتوبر ۱۹۸۰ء، محقق، مدرس، مصنف، نباض، مفسر و مفکر، زعیم ملت، ناظم عمومی جمعیت علماء اسلام و وفاق المدارس العربیہ، مفتی و شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان، مفتی محمود صاحب کے بارے میں اس تاثراتی شذرہ سے میرے جذبات و احساسات پر روشنی پڑتی ہے۔

رفتم و از رفتنِ من یک عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برھم ساختم

واویلاہ، وا مصیبتاہ، حیف صد حیف! ۴ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ کو چودھویں صدی کا ٹمٹماتا چراغ آخر شب اپنے ساتھ علم و عمل اور جہاد و سیاست کا ایک ایسا تابندہ و درخشندہ ستارہ بھی لے کر رخصت ہوا جو ایک عرصہ تک ہر نازک بحرانی اور ظلماتی لحات میں ہدایت و رہنمائی کا پیغام اور مینار رشد و ہدایت بنا رہا، ظلم و عدوان سے برسر پیکار قوتوں کے لئے اس کا وجود مرکز ثقل اور اسلام و شریعت کی بالادستی سے سرشار طاقتوں کے لئے اس کی ذات سنگ میل رہتی جو علمی و دینی، قومی و ملی کاموں کے لئے ایک قطبُ الرحیٰ بن گئے تھے اور جو پاکستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں ملکی اتحاد و یکجہتی کی علامت اور یکتا و منفرد قدر مشترک بن چکے تھے۔ اور جس نے اپنے وجود اور دلآویز شخصیت کی شکل میں دین و سیاست کا ایک ایسا حسین امتزاج پیش کیا جس نے عملاً دین و سیاست کی دوئی کو مٹا کر رکھ دیا اور جس نے اپنی متنوع اور جامع شخصیت کی صورت میں یہ ثابت کر دکھایا کہ قدیم علوم وفنون اور اسلامی مدارس کا ایک فارغ التحصیل مولوی عصر حاضر کے نہایت عیارانہ اور شاطرانہ جمہوری ماحول مغرب کی میکیاولی سیاست کی فضا میں کس ہوشمندی، تدبر و بصیرت، وقار و متانت، دیانت و امانت کے اصولوں اور مومنانہ صفات کو سینہ سے لگائے ہوئے بھی قائدانہ اہلیت و صلاحیت کے ساتھ ماحول پر غالب آسکتے ہیں''۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

بعض شخصیات کی شخصی خصائل کو اس طرح بیان کیا ہے جو ان کی دور اندیشی کا منہ بولتا ثبوت ہے، جیسے اپنے شاگرد مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں۔'' مولانا حقانی مدظلہ

عزیز ترین تلامذہ اور متعلقین میں سے ہیں۔ان کے مکتوبات دارالعلوم، ناچیز اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے تعلق کا ایک منہ بولتا ثبوت ہیں۔اس سرگزشت سے مرحلہ بہ مرحلہ وابستگی،قرب و اتحاد، محبت اور تعلق واضح ہوتا ہے۔ اللہ نے تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں امتیازی صفات سے نوازا ہے۔حضرت داؤدعلیہ السلام کے لئے لوہے کی تسخیر کی طرح انہیں کسی کتاب کی تدوین وترتیب اور پھر فوری اشاعت کے ہفت خوان کو سر کرنے کا ملکہ دیا ہے(اللھم زد فزد) آگے چل کران شاءاللہ علم و دین اور تحقیق و تالیف کے میدان میں فتوحات کے جھنڈے گاڑتے جائیں گے''۔

مردقلندرحضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ

حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کے اخلاص وللّٰہیت،ان کی سیاسی، دینی اور ملکی وملی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ حضرت درخواستی مجسم شکل میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔''اپنے دور کے علماء ومشائخ کے امام، جمعیت علماء اسلام کے امیر، ہزاروں احادیث رسول کے حافظ،قرآن کریم کے بحر ناپید کنار کے غواص، وعظ وارشاد اور شریعت وطریقت کے ساتھ سیاست کی مسندوں کو بھی آراستہ و پیراستہ کرتے رہے۔درکف جام شریعت درکف سندان عشق۔ جمعیت کی شکل میں لاکھوں علماء ومشائخ نے انکی سیادت وقیادت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھا۔حضرت مفتی محمودؒ کے وصال کے بعد حالات کا رخ بدلنے لگا تو انہوں نے بڑی محنتوں سے جمعیت کے نظریاتی تشخص کو برقرار رکھنے کی آخر دم تک کوشش کی۔اسی ضمن میں لاہور، شیرانوالہ گیٹ کے ہزاروں علماء کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں اس سیہ کار ناچیز کے ناتواں کندھوں پر جمعیت کی نظامت کا بارگراں ڈالا اور میرے تضرع والحاح کے ساتھ معذرت کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند۔ ۲۵ سال سے زیادہ عرصہ ہوا گرتے پڑتے اس ذمہ داری کو نبھانے میں لگا ہوں۔حضرتؒ سے وابستہ ان سیاسی علمی، دینی قومی وملی داستانوں کے لئے دفتر بھی کم ہیں اور شاعر کے اس شعر پر اکتفا کرتا ہوں کہ

قلم بہ شکن سیاہی ریز و دم درکش
کہ ایں قصہ عشق است و در دفتر نمی گنجد

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کچھ یوں کیا ہے کہ ان کی عظمت

ہمارے سامنے آجاتی ہے۔''اپنے وقت کے جہاد وعزیمت کے امام،علوم قرآن وسنت کے بحر ذخار،تصوف اور سلوک وارشاد کے مشکوۃ ومصباح تھے،ہزاروں تلامذہ اور بے شمار خلفاء کے ذریعہ ان کا علمی اور روحانی فیض جاری ہے۔جن میں مکتوب الیہ شیخ الحدیث کو بھی اللہ تعالیٰ نے مدنی فیوض کا ایسا سرچشمہ بنا دیا جس کی مثال کم ملتی ہے۔آج بھی دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں ڈیڑھ ہزار طلباء شیخ الحدیث کے واسطہ سے شیخ مدنی کے فیوضات سے فیض یاب ہورہے ہیں، جس کی مثال پورے برصغیر میں نہیں(ذلك فضل الله) یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا، الحمد للہ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے بعد ہمارے شیخ اکبر دارالعلوم حقانیہ اور ہمارے لئے گھر کے لئے سیدالطائفۃ اور الامام الکبیر کا مقام رکھتے ہیں۔چند سطور سے تعبیر احساسات نہیں کی جاسکتی۔ ع سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری سے اپنی محبت کا اظہار اور ان کے تحقیقی کاموں کا تذکرہ کچھ یوں فرمایا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مختلف روپ دکھائی دیتے ہیں''ابوسلمان شاہجہان پوری مصنف، ادیب،صحافی استاد اور کیا کیا صفات کے حامل گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلّہ''علم و آگہی''اس کے بعد بابائے اردو کی قومی زبان،انجمن ترقی اردو اور آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ علیگڑھ ہاوسنگ سوسائٹی کراچی اور ۸۰ء کے آواخر میں مقتدرہ قومی زبان سے منسلک ہوئے۔مولانا آزاد اور اکابر ہند،اساطین جنگ آزادی سے بے حد ذہنی وفکری ہم آہنگی رکھتے ہیں اور ان کی دفاع میں بعض اوقات جارحیت بھی آجاتی ہے۔مولانا آزاد پر پی ایچ ڈی بھی کیا۔کتاب وقلم،علم ومطالعہ اور تحقیق و تنقید ہی ان کا سرمایہ شب وروز ہے۔ناچیز سے بے حد محبت اور برادرانہ تعلق اب تک قائم ہے''۔

غلام اسحاق خان (صدر پاکستان)

غلام اسحاق خان (صدر پاکستان) کا سراپا یوں ایمان داری اور بے باکی سے بیان کیا ہے کہ ان کے محاسن اور معائب دونوں کو نظر انداز نہیں کیا اور ان کی شخصیت کے منفی اور مثبت پہلوؤں سے ان کی شخصیت کا مجموعی تاثر تشکیل دیا ہے۔''جناب غلام اسحاق اس وقت سینیٹ کے چیئرمین تھے،کسی موضوع پر تقریر کیلئے میں نے سینیٹ اجلاس کے دوران وقت مانگا،جواباً انہوں نے سیکرٹری سینیٹ کے ذریعے چٹ پر جواب دیا۔دور افتادہ علاقہ بنوں کے مضافات میں پیدا ہوئے،

اعلیٰ تعلیمی اور انتظامی صلاحیتوں کی بدولت صدارت عظمیٰ کے منصب تک پہنچے، بڑے اصول پسند اور رکھ رکھاؤ والے انسان تھے، ان کے دور میں سینیٹ میں شریعت بل کی جنگ لڑی گئی، وفاقی مجلس شوریٰ میں بھی اسلامائزیشن کا معرکہ جاری رہا اور وہ نفاذ شریعت کے سلسلے میں حکومتی حلقوں اور بیوروکریٹس کی ترجمانی اور وکالت کرتے رہے، بارہا گرمی اور تلخی میں بھی تحمل اور بردباری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا''۔

شوکت عزیز (وزیر اعظم پاکستان)

شوکت عزیز (وزیر اعظم پاکستان) کی امریکہ نواز پالیسیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''امریکہ اور مغرب کا تیار کردہ ایک مہرہ جسے اپنے کارندے جنرل پرویز مشرف کے ذریعہ پاکستان کی وزارت عظمیٰ پر فائز کیا گیا۔ جس نے آقاؤں کے اقتصادی استحصال، مقاصد اور پروگرام پر عمل درآمد میں کوتاہی نہ کی''۔

مجاہد کبیر حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی وفات پر حضرت سمیع الحق شہیدؒ نے موزوں الفاظ، دلکش استعارات اور حسین تشبیہات کے پیرایہ میں کچھ اس طرح اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا تھا کہ گویا ایک نثری مرثیہ لکھ دیا۔ ''آہ شیر اسلام مولانا غلام غوث ہزارویؒ: یا اسفا! قلم کا جگر کیوں شق نہ ہوا اور دل و دماغ کیوں جواب نہ دے بیٹھے جب کہ کسی ایک متاع عزیز کے کھو جانے کے ماتم وشیون سے فارغ ہوئے بغیر لگا تار اپنی ساری متاع دین و دنیا سے ایک ایک کر کے محروم ہونا پڑ جائے۔ ایسا لگتا ہے کہ علم وفضل، زہد وتقوی، جہاد و ریاضت کے سارے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر ہم غمگساروں کو شب دیجور کے حوالے کر رہے ہیں، ایمان و یقین اور اخلاق وشرافت کے چمکتے ہوئے ہیروں کی جو مالہ علماء حق کی شکل میں ملت مسلمہ کے سنگھار کا باعث بنی رہی وہ جب ٹوٹی تو ایسی ٹوٹی کہ لڑی کا آخری موتی بھی گر کر پیوند خاک ہوا چاہتا ہے۔ چودھویں اور پندرہویں صدی ہجری کا سنگھم تو درحقیقت صدی کا عام الحزن ثابت ہونے لگا کہ جو ستارہ غروب ہوا کسی نعم البدل کی شکل میں دوبارہ ابھر ہی نہ سکا اور اب تو ہر طرف اندھیر ہی اندھیر ہے۔ وہ دیکھو قافلہ حق وصداقت کے آخری سپاہی بھی کتنی تیزی سے ایک ایک کر کے دار فانی کی سرحد کو عبور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ

دیکھو جسے راہ فنا کی طرف رواں
تیرے محل سرا کا یہی راستہ ہے کیا

ابھی ہم محمود الملت والدین مولانا مفتی محمود کے غم سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ یکا یک ملت کے غمخوار، عمر بھر حق وصداقت کے لئے باطل سے بر سر پیکار اور چراغ مصطفوی کی حفاظت کے لئے شرار بولہبی سے ستیزہ کار مرد مجاہد، بطل جلیل حضرت مخدومنا ومولانا غلام غوث ہزارویؒ نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔

ان مکتوبات سے مولانا سمیع الحق صاحب کی شخصیت اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کس طرح مکتوب نگار شخصیات کے کردار و خصائل اور شخصیت میں حقیقت پسندی سے رنگ بھرے۔ان مکتوبات میں کئی افراد کا مختصر تعارف، ذکر اور ملاقاتیں دیکھی جاسکتی ہیں جو خصائل نگاری کا عمدہ نمونہ ہیں،ان کا انداز بے تکلف اور دلچسپ ہے۔ان کے حلقہ احباب میں علماء، مشائخ، سیاستدان، دوست، اساتذہ، شاگرد، ادیب، شاعر، مصور اور عوام سبھی شامل ہیں۔انہوں نے مشاہیر سے ملاقاتوں کے تاثرات کو بھی حوالہ قرطاس وقلم کیا ہے، جس سے ان کی شخصیت کے اوصاف نمایاں ہوجاتے ہیں۔ان کا اسلوب بیان نہایت شگفتہ ہے اور وہ ادب کے دامن کو کبھی بھی نہیں چھوڑتے۔

اسی وجہ سے ''مکتوبات مشاہیر'' ایک طرف تاریخ بھی بن گئی اور دوسری طرف اپنے طرز اظہار اور فنی لوازمات کے باعث ایک ادبی اور علمی شہ پارہ بھی۔ بلاشرط مذہب ومسلک اپنے عہد کے مشاہیر اور اکابر سے ان کے روابط مستحکم اور دوستانہ رہے اور زندگی بھر بے خوف اور بے نیاز بھی رہے ،اصول اور نظریے پر کبھی کسی سے سمجھوتا نہیں کیا۔انہوں نے جس کو جس طرح دیکھا، پڑھا، محسوس کیا، اپنے زاویہ نظر کے ساتھ اپنے مشاہدات، احساسات، تاثرات، اور جذبات کو بیان کرنا ضروری سمجھا، ان کا قلم بڑی روانی اور تواتر کے ساتھ چلتا رہا۔ان کی ہر قسم اور نوع کی تحریر میں کوئی نہ کوئی ندرت ضرور پائی جاتی ہے۔انہوں نے مختلف اصناف میں اپنے علمی و ادبی آثار یادگار چھوڑے ہیں۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اردو ادب میں ان مکتوبات کے ذریعے گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ یقیناً مولانا سمیع الحق شہیدؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں یاد رکھنا نہیں پڑتا بلکہ یاد رہ جاتے ہیں۔

مولانا گل شیر خان حقانی
ایم فل عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

ماہنامہ ''الحق'' کے اجراء میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا کردار

دنیا کے حالات پر نظر رکھنے والا ادنیٰ شعور کا عام انسان بھی اس بات سے بے خبر نہیں کہ سائنس وٹیکنالوجی پرنٹ والیکٹرانک میڈیا نے ترقی کی جو منازل طے کیں ہیں ماضی قریب میں ان کا تصور بھی محال تھا۔ برقی مقناطیسی لہروں سے ابلاغ کے میدان میں جو مراحل طے ہوئے ہیں اس نے دنیا کو گلوبل ویلج (عالمی گاؤں) میں تبدیل کر دیا ہے، اس صورت حال میں صحافت نے جو اہمیت اختیار کی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تاہم ماضی میں علمائے کرام نے اس شعبہ کے ماہرین تیار کرنے کی طرف پوری توجہ نہ دی، مولانا سمیع الحق شہیدؒ صحافت کے حوالے سے دینی فضا میں ایک خوبصورت اضافہ بن کر سامنے آئے تھے۔ یہ وہ ایام تھے جب دارالعلوم حقانیہ جیسی معیاری دینی درسگاہ اپنے ترجمان دینی رسالے کی اشاعت سے محروم تھی، مولانا سمیع الحق شہیدؒ خود راوی ہیں کہ ۱۹۶۴ء میں حج سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے شدت سے دل میں یہ داعیہ پیدا کیا کہ ایک وقیع علمی ودینی ماہنامہ مجلّہ کا دارالعلوم حقانیہ سے اجراء ہونا چاہئے اور اس کو اعلائے کلمۃ الحق اور باطل کے قلع قمع کا علمی، نظری اور فکری محاذ بنایا جائے، ایک دور افتادہ گاؤں، پٹھانوں کا علاقہ اور گرد وپیش میں اردو زبان وادب اور اہلِ قلم کا ماحول نہیں تھا، نہ مجھے تحریر وانشاء کا کوئی سلیقہ اور نہ کبھی کسی دو ورقے کے پرچے کی ادارت کا تجربہ، حضرت والد ماجدؒ سے اس معصومانہ خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے بھی مذکورہ مشکلات اور ناسازگار حالات کا ذکر کیا۔ فرمایا: بیٹے! یہ بڑا مشکل کام ہوگا، اس کے لئے تو دہلی، لکھنؤ، دیوبند، اعظم گڑھ، علی گڑھ، لاہور اور کراچی کا علمی وادبی ماحول ہونا چاہئے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا: حضرت! اس دور افتادہ گاؤں (اکوڑہ خٹک) میں دارالعلوم حقانیہ بھی تو قدرت کا ایک معجزہ ہے، کسی علمی دینی رسالہ کی کامیابی بھی آپ کی کرامات کے طفیل ممکن ہوسکتی ہے۔ ''الحق'' کے اجراء کا ارادہ ہوا تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے حضرت والد ماجد مرحوم کی جانب سے اکابرِ علم وفضل کو حسب ذیل خط لکھا، جس کا نہایت مثبت جواب اور ردعمل سامنے آیا۔

الحق کے اجراء کے وقت اکابر کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا خط

۱۳؍ربیع الثانی ۸۵ھ: ذوالمجد و السعادۃ حضرت المحترم ابقاکم اللّٰہ ذخراً للاسلام والمسلمین السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ ! عصر حاضر کی اخلاقی وفکری بے راہ روی اور علمی ودینی فتنہ انگیزیوں کی بنا پر جس سے ملت مسلمہ کا پورا فکری وعملی نظام متزلزل ہو رہا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے بعض ناتواں خدام نے ارادہ کیا ہے کہ تصنیف وتالیف اور نشرواشاعت کے میدان میں دینی اقدار کی حفاظت اور امت کی اصلاح ودعوت کا کام بھی شروع کیا جائے توکلاً علی اللّٰہ اس کام کا آغاز ایک علمی ودینی ماہنامہ ''الحق'' سے کیا جار ہا ہے۔ وسائل کی کمی اور ہر طرح کے ضعف وناتوانی کی وجہ سے آپ جیسے بزرگوں کے تعاون اور سرپرستی کے بغیر یہ کام شرمندۂ تکمیل نہیں ہوسکتا۔ اگر حضرت محترم اپنے بلند پایہ علمی افکار اور فضل وکمال سے لبریز مقالات ومضامین سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں تو جذباتِ دینی اور علم پروری سے بعید نہ ہوگا۔ میری دلی تمنا ہے کہ آں محترم مستقل طور پر اپنے قیمتی مشاغل سے قدرے وقت نکال کر اپنے علمی ثمرات اور نادر افادات وتحقیقات سے قارئینِ الحق کی فکر ودماغ کی رہبری وآبیاری فرماتے رہیں۔ تجدد ومادیت سے ماؤف اور قساوتِ قلبی کے شکار افراد کی تشفی کے لئے آں محترم کے محققانہ ارشادات ان شاء اللہ اکسیر ثابت ہوں گے۔ پہلا شمارہ ان شاء اللہ عنقریب شائع ہونے والا ہے (جوابی لفافہ ملفوف ہے) امید ہے کہ ناچیز کی درخواست کو شرف پذیرائی بخشتے ہوئے جلد از جلد اپنے گرانمایہ فیوضات سے نوازیں گے۔ موضوع کا انتخاب آپ کی صوابدید پر ہے، انتظار شدید رہے گا۔ والسلام: بندہ عبدالحق غفرلہ (مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور)

''الحق'' کا پہلا پرچہ

مولانا سمیع الحقؒ پہلے پرچے کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: بہرحال! ماہنامہ الحق کا پہلا پرچہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا، یہ مشہور پاک بھارت جنگ کا زمانہ تھا۔ اس پہلے پرچے کا اداریہ میں نے رات کو بلیک آؤٹ کے دوران گھر کے بند کمرے میں موم بتی کی روشنی میں لکھا۔ پرچہ شائع ہوا، پہلے ہی پرچہ کو برصغیر پاک وہند کے اجلّہ علماء اور مشاہیر علم وادب نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا اور آج ۲۰۱۸ء تک ۵۳ سال سے یہ شمع حق بلاناغہ باطل کے طوفانوں سے نبرد آزما ہے۔

''الحق'' کے کاتب

مولانا شہیدؒ فرماتے ہیں: الحق کے آغاز سے ایک طویل عرصہ تک جناب اصغر حسن صاحب نہایت جانکاہی اور ذوق وشوق سے اس کی کتابت فرماتے رہے، ابتدائی سالوں کا ہر پرچہ فن سے ان

کے تعلق اور وارفتگی کا شاہد ہے اصغرحسن کا قیام نوشہرہ چھاؤنی میں تھا، مضامین دینے پھر پروف کرانے اور ہر دوسرے تیسرے روز مجھے بسوں سے اور کبھی ٹانگہ سے آنا جانا پڑتا، ''الحق'' سے والہانہ عشق کے سامنے یہ ساری مشقت مجھے ہیچ لگتی، یہی صورت حال پرچہ کو پشاور بھجوانے کیلئے تھی جب تک پریس سے پرچے کو لدوا کر دارالعلوم نہ پہنچاتا تو چین نہ آتا، دن ہو یا رات پہلا پرچہ حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں پیش کرتا، ان کی مسکراہٹ اوراشتیاق سے اسے وصول کر لینا میرے لئے نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہ ہوتی تھی۔

''الحق'' کی ترسیل

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے مخلص عزیز اور سفر وحضر کے ساتھی جناب شفیق الدین فاروقیؒ بتاتے ہیں۔ جب ''الحق'' پریس کے جاں گسل مراحل سے نکل کر اکوڑہ خٹک اپنے دفتر پہنچتا تو یہاں کوئی اتنا بڑا ڈاک خانہ نہیں تھا، جس کا سٹاف ہزاروں کی تعداد میں بھیجے جانے والے پرچہ کو ایک دن میں نمٹا سکے اس وجہ سے ''الحق'' سے بھرے ہوئے ڈاک کے بنڈل کئی کئی دن نکلتے رہتے، یا پھر ادارہ اپنے طور پر انتظامات کے تحت ڈاک خانہ کے عملے کا ہاتھ بٹاتا اس کی وجہ سے پرچہ کی ترسیل میں کبھی کبھی تاخیر بھی ہوجاتی تھی شاید اس لیے غالب نے کہا تھا ع ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

اصلاحِ خلق کے اثرات

مولانا سمیع الحق شہیدؒ فرماتے ہیں: ماہنامہ ''الحق'' کے اجراء پر آراء اور تحسین وتشجیع کے خطوط کا ایک انبار جمع ہوگیا۔ ''الحق'' کے ذریعے اصلاحِ حق کے اثرات بھی نمایاں ہوئے۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ نے کئی بار فرمایا، بہاولپور کے ہسپتال میں ایک بڑے ڈاکٹر نے مجھے کہا کہ رسالہ ''الحق'' نے مجھے مسلمان کیا ورنہ میں تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر تھا۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ نے بار بار ناچیز کو دعائیں دیں اور فرمایا: ماشاءاللہ۔ اللہ نے تمہارے قلم میں بڑا زور رکھا ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ایڈیٹر مولانا سمیع الحق جیسا نوجوان

مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ۱۳؍ اگست ۱۹۶۹ء میں مولانا محی الدین ایڈیٹر ماہنامہ ''مدینہ'' سے فرمایا علماء کیلئے ایک زور دار روزنامے کی ضرورت ہے مگر اس کا ایڈیٹر مولانا سمیع الحق جیسا نوجوان ہونا چاہئے۔ حضرت مولانا اطہر علی صاحب نے ناچیز (سمیع الحق) سے فرمایا ہم تو شب وروز آپ کیلئے دست بدعا رہتے ہیں۔ آپ کے نقشِ آغاز سے ہمیں روشنی ملتی ہے اور پورے پرچے سے ہم مستفید ہوتے ہیں۔

''الحق'' اور دستور ساز اسمبلی (ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کا تبصرہ)

ابوسلمان شاہجہانپوری صاحبِ علم وقلم انسان ہیں وہ مصنف بھی ہیں اور ادیب بھی، صحافی بھی ہیں اور استاد بھی، مولانا آزادؒ اور اکابرِ ہند اساطینِ جنگ آزادی سے بے حد ذہنی اور فکری ہم آہنگی رکھتے ہیں، مولانا آزادؒ پر پی ایچ ڈی بھی کی، کتاب وقلم، علم ومطالعہ اور تحقیق وتنقید ہی ان کا سرمایۂ شب وروز ہے، آپ ماہنامہ قومی زبان کراچی سے وابستہ رہے، اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو اور گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلّہ ''علم وآگہی'' سے بھی منسلک رہے۔ الحق کے خاص شمارہ کے بارے میں رقمطراز ہیں: گزشتہ سات آٹھ برس سے ''الحق'' نکل رہا ہے اور تقریباً ڈھائی سال سے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس مدت میں اس کے علمی مضامین، تحقیقی مقالات، فکر انگیز تبصرے، سیاسی حالات ومسائل پر ایمان افروز اداریے اور مختلف دینی موضوعات اور ملک کے سیاسی، سماجی، اخلاقی مسائل پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی تقاریر پڑھ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ دینی افکار اور اسلامی علوم ومعارف کا بیش بہا سرمایہ ہے جو ''الحق'' کے صفحات میں جمع ہوگیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کی خدمت کا میدان صرف درس وتدریس ہی نہیں علم وتحقیق، تبلیغ واشاعتِ دین اور ملک وملت کی زندگی کے مختلف گوشوں تک بھی پھیلا ہوا ہے۔

''الحق'' کا پیش نظر شمارہ اپریل کا ہے جو دستور اور دستور ساز اسمبلی کے عنوان سے ہے۔ اس میں صرف دو مضمون ہیں۔ پہلا چھپن صفحے کا مضمون ایڈیٹر ''الحق'' مولانا سمیع الحق کے قلم سے ہے، اس میں دستور ساز اسمبلی میں مسودہ آئین کو اسلامی جمہوری اور عوامی بنانے والی ترمیمات حزبِ اختلاف کے نقطۂ نظر اور حزبِ اقتدار کے ردّعمل کی نہایت جامع اور مستند روداد ہے۔ دوسرا حصہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی اسمبلی کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جو انہوں نے دستور کی مختلف دفعات پر ترامیم پیش کرتے ہوئے کی تھیں۔

''الحق'' کا شمارہ، تاریخی دستاویز

''الحق'' کا یہ شمارہ ایک تاریخی دستاویز ہے، یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف دونوں اپنے افکار وشخصیت کے حقیقی خدوخال دیکھ سکتے ہیں۔ یہ پاکستان کے ایک اہم اور نازک دور کی تاریخ ہے جو ملک کے مستقبل کو متاثر کرے گی اور آئندہ نسلیں اسی تاریخ کی روشنی میں موجودہ دور اور اس کے رہنماؤں کو اچھے یا برے الفاظ میں یاد کریں گی۔ ایڈیٹر ''الحق'' نے ملک کی تاریخ کے ان نازک لمحات اور دستور سازی کی اس روداد کو نہایت چابکدستی اور دیانتداری کے ساتھ مرتب کردیا ہے۔ (الحق محرم الحرام ۱۳۹۴ھ)

مولانا احسان الرحمٰن عثمانی
جامعہ عثمانیہ پشاور

دارالعلوم حقانیہ اور ردِقادیانیت

مولانا احسان الرحمٰن عثمانی ، جواں سال فاضل، صاحبِ علم وقلم اور جامعہ عثمانیہ پشاور کے آرگن ماہنامہ ''العصر'' کے مدیر شہیر ہیں۔ جامعہ حقانیہ کے قدیم فاضل و مدرس حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے فرزند دلبند ہیں۔قلم و کتاب اور تحریر کے میدان کے شہسوار ہیں۔ اُردو ادب اور قلم میں بلا کی شگفتگی ودلدوزی ہے۔ آپ کی تحریروں میں علم وفکر و بصیرت اور تحقیق وکاوش کے جوہروں کیساتھ ادب کی چاشنی اور اسلوب کی دلآویزی چمکتی نظر آتی ہیں۔ آپ جواں سال عالم باعمل ہیں۔ آپ کو اللہ نے غیر معمولی ادبی وتحریری صلاحیتیں، دینی فہم اور تفہیم کا ملکہ عطا فرمایا ہے اور حالات کا شعور بھی، جس کا بیّن ثبوت ان کا پیش نظر مقالہ ہے جوانہوں نے مولانا شہیدؒ کی حیات میں تحریر کیا، قارئین پڑھیں گے تو انہیں بھی لذتِ قلب نصیب ہوجائے گی۔ (ادارہ)

''دارالعلوم حقانیہ اور ردِقادیانیت'' نامی کتاب ام المدارس ،دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے تقریباً پون صدی پر مشتمل عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور ردقادیانیت کے حوالے سے کام کی نوعیت کا ایک انڈکس اور اشاریہ ہے، جسے جامعہ کے رئیس ومہتمم قائد جمعیت حضرت شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کی ذاتی ڈائری اور ماہنامہ ''الحق'' کے منتشر صفحات سے یکجا کر کے ادارہ ''مؤتمر المصنفین '' کے زیر اہتمام وانصرام رفقاء جماعت نے منصۂ شہود پر لایا۔ اس علمی کاوش اور مہتم بالشان کام پر ادارہ صد بار ہدیہ تبریک کا مستحق ہے اللھم زد فزد.

یہ مساعی آج کے حالات کے حوالے سے نہ صرف قابل رشک ہیں بلکہ قابل تقلید ہیں کیونکہ موجودہ پُرفتن دور میں جہاں دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو اُن کے مذہبی معتقدات اور تعلیمات سے بیگانہ رکھنے کی طرح طرح تدابیر اختیار کر چکے ہیں۔ وہاں ان کو عقیدہ اور نظریہ کی درستگی کا انتظام بھی اربابِ علم ودانش کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اس لحاظ سے اس قسم کی سرگرمیاں حالات کا عین تقاضا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں دیوبند ثانی کے نام سے موسوم عظیم علمی اور دینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم حقانیہ'' اپنی خدمات جلیلہ کے باعث آج نہ صرف صوبہ خیبر پختونخوا بلکہ ملکی اور عالمی سطح پر کئی مدارس ومعاہد

دینیہ اورملی تحریکات کے ساتھ ساتھ مشاہیراہل علم کے لیے ایک ماں کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح دارالعلوم دیوبند ہند نے دین اسلام کے تمام شعبوں کو آباد کررکھا تھاایسا ہی بانی جامعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے گلشن حقانیہ نے بھی ملک وملت میں تمام تر شعبوں کی نہ صرف دیکھ بھال کی بلکہ اس کی آبیاری کرکے اسے تن آور درخت میں تبدیل کیا۔ آج وہی پودا اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ کی عملی تصویر پیش کررہا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے دارالعلوم کی بنیاد ایک ایسے وقت میں رکھی کہ جہاں حالات ناموافق، فضا ناسازگار، وسائل وافراد کی کمیابی کے اعتبار سے اگر اس سرزمین کو وادی غیر ذی زرع سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا مگر حضرت شیخ رحمہ اللہ کی شبانہ روز محنتوں، خلوص وللّٰہیت اور بارگاہ الٰہی میں تضرع والتجا نے اِس ادارے کو رفتہ رفتہ أفئدة الناس تهوى اليهم کا مصداق بنا کر لوگوں کے قلب ودماغ کو اس کی طرف پھیر دیا، چنانچہ دارالعلوم کے ماحول کو روزِ اول سے ایسی شخصیات نے رونق بخشی جو اپنے علم وفضل اور للّٰہیت وتقویٰ کے لحاظ سے اساطین معرفت کہلائے جاتے تھے اور وہی بات جو دارالعلوم دیوبند کے بارے میں کہی گئی تھی کہ شیخ الحدیث سے لے کر چوکیدار تک سب صاحب نسبت ہوا کرتے تھے۔ تقریباً وہی کیفیت حضرت شیخ رحمہ اللہ کے گلشن میں اساتذہ کرام کے گلدستہ اور انتظامیہ کی رہی۔

۲۰۱۳ء میں حضرت والد مکرم مدظلہ جب دارالعلوم دیوبند کے سفر سے واپس ہوئے، تو اولین فرصت میں پہلا تاثر یہ پیش کیا کہ میں دارالعلوم کی درس گاہوں میں مختلف اساتذہ کرام کے درس میں شریک ہوااور دارالعلوم کے مختلف احاطوں میں گھوما پھرا، میں نے اس دوران وہاں کے درودیوار سے اپنائیت اورانس کا احساس کیا، عالم تفکر میں سوچتا رہا کہ میں تو پہلی بار یہاں آیا ہوں، پھر یہ کیفیت کیسی رہی؟ دل نے جواب دیا؛ ارے! تم تو دارالعلوم حقانیہ میں پڑھ کرآئے ہو۔ مجھے اُس وقت یہ احساس ہوا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے کیسی عجیب منصوبہ بندی سے اپنے ادارے کی بنیاد میں مادرعلمی کا نقشہ برابر کا رکھا ہے۔ آپ نے نہ صرف نصاب ودرجہ بندی اورنظم ونسق میں اس کا لحاظ رکھا بلکہ تعمیر اور ظاہری رنگ وروغن میں بھی دارالعلوم کی تقلید کوضروری قرار دیا۔ ابتدائی دور میں حضرت جب اس کا آغاز فرما رہے تھے تو کچھ بزرگوں کا کہنا تھا کہ مولانا ہوا میں اڈے تعمیر کررہے ہیں، کیونکہ یہ حالات کسی ادارے کی تعمیر وترقی کیلئے سازگار نہیں، مگر وقت نے ثابت کردیا کہ واقعتاً وہ ادارہ آفاقی بن کر آج دنیا کے کونے کونے میں اپنا جال بچھا چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ یہی وہ بحر بیکراں ہے جس پر ہم جیسے تشنہ عشاق فخر کرتے ہیں اور ایک لحاظ سے یہ

اس سمندر کی مانند ہے جو اپنی وسعت ظرفی اور کھلے پن کے باعث کسی قسم کی چھوٹی موٹی چیزوں سے اپنی طہارت کی صفت کو متاثر نہیں کر بیٹھتا ع پوشیدہ یہیں ہے اسرارِ خودی

بانی جامعہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی صحبت میں پھلنے بڑھنے، آپ سے فیض یافتہ اور خوشہ چین ہونے کے باعث اپنی ذات کو صرف منصب تدریس تک محدود نہیں رکھا بلکہ مدنی ذوق اپناتے ہوئے درس وتدریس، اہتمام وانصرام، عوامی محافل میں شرکت، قرب وجوار کے احباب کے دکھ سکھ میں برابر کے حصہ دار اور ساتھ ہی معاشرہ میں رواں سرگرمیوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ معاشرہ میں گھل مل رہنے کے باعث وقتی تقاضوں کے مطابق دین کا جو شعبہ یا جو خدمت ضروری اور فوری نوعیت کی ہوتی آپ اس کے لیے کمر کس کر توکل علی اللہ کے ہتھیار سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

آج افغانستان میں روس جیسی سپر پاور کے زوال کی کہانی ہو یا پھر افغان طالبان کا برسر اقتدار رہ کر ''امارت اسلامیہ'' کے قیام کا نمونہ تو یہ سب کچھ حضرت شیخ کے تلامذہ کی مرہونِ منت ہے جنھوں نے بے سروسامانی کے عالم میں کفریہ طاقت کو للکار کر اسے انجام بد تک پہنچایا۔ ملک کے اندر آئین سازی میں نہ صرف تجاویز کی حد تک اکتفا کیا بلکہ ایوان پہنچ کر عملی جدوجہد میں حصہ ڈال کر پاکستان کے آئین اور دستور کو قرارد مقاصد اور ملک کی نظریاتی شناخت کے مطابق ترتیب دینے میں تادم اخیر اپنی توانائیاں صرف کیں۔ ملک میں جاری وقتاً فوقتاً بدنظمی یا پھر ہمہ جہت تحریکات میں حصہ لے کر دین ومذہب کے حوالے سے اپنا ایمانی جذبہ پیش کیا۔ تب ہی تو آج ہم ان کے گلشن کی تروتازگی اور رعنائی کے ہر گملے، گلدستے، شاخ اور ہر درخت میں بانی جامعہ کی جھلک دیکھ رہے ہیں۔ آج اگر ایک طرف خود ان کے جانشین حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر ہمہ جہت شعبوں کی مالیاری میں مصروف عمل ہیں تو ساتھ ہی حضرت شیخ کی دعاؤں کی طفیل جامعہ سے وابستہ فضلاء کی جماعت بھی مسلسل متنوع انقلابات میں صفِ اول کے سپاہی بنے ہوئے ہیں۔

حضرت والد مکرم مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ کے کہنے کے مطابق حضرت شیخ رحمہ اللہ ہمیشہ دعاؤں کی فہرست میں یہ دعا نہایت اہتمام کے ساتھ فرماتے کہ اے اللہ! جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے تمام سابقہ، موجودہ اور آئندہ آنے والے فضلاء کو دینِ اسلام کی خدمت کے لیے قبول فرما، یہ دعا حضرت شیخ نہایت درمندانہ لہجے اور تضرع کی ایسی کیفیت میں اہتمام کے ساتھ فرماتے تھے

کہ دل اس کی قبولیت کی گواہی دیتا۔ عموماً اس قسم کے اہم مواقع میں آپ اپنی ذریت اور اولاد پر ابنائے جامعہ کو مقدم رکھتے، آج انہی دعاؤں کی برکت سے ہم بزم کمال کی سرسبز وشادابی کا نظارہ کررہے ہیں، مجھے دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء میں یہ عجیب مظہر دیکھنے کو کئی بار محسوس ہوا کہ خالق ربانی نے جس انسان میں جو صلاحیتیں اور جواہر ودیعت رکھے ہیں، حضرت شیخؒ اور ان کے جانشین حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب نے ان کو بروقت بھانپ کر اسے جلا بخشنے کا مناسب ماحول فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا اور نہ ہی اس میں بخل سے کام لیا، نہایت دریادلی، فراخی اور وسعت ظرفی کے انداز میں اس قسم کے باصلاحیت افراد کو اپنے قریب کرکے اسے بام عروج تک پہنچایا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک ادارے میں طلبہ کی صلاحیتوں کا اگر بروقت انتظام کیا جائے تو وہ مستقبل میں جا کر ادارے کے بہتر ترجمان ثابت ہوسکتے ہیں، ورنہ وہ صلاحیتیں ماند بھی پڑسکتی ہیں۔

....

۱۹۴۷ء میں جب دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت شیخ نے درس وتدریس کے مشغلہ کے ساتھ ساتھ اُس وقت کے حالات کے حوالے سے فتنوں پر کڑی نگاہ رکھی۔ انگریز سامراج نے مسلم معاشرہ میں جس نئے فتنے کی قادیانی شکل میں بنیاد رکھی تھی اور جس سے وہ گویا مسلمانوں کے دلوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد جیسی عظیم عبادت کے جذبے اور سب سے بڑھ کر جس تصور کو وہ مسلمانوں کے قلب ودماغ سے ختم کرنا چاہتے تھے، وہ اسلام کی ابدیت اور عالمگیریت کی خصوصیت ہے۔ کوئی شک نہیں کہ تعلیمات نبویؐ زمان ومکان اور تا قیامت بغیر کسی تغیر وتبدل اور ترمیم واضافہ کے مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کو کیسے یرغمال بنایا جائے؟ کیسے اس شیرازے کو بکھیر کر مسلم معاشرہ میں ایک نئے فتنے کی تخم ریزی کی جائے۔ جس کیلئے انہوں نے ضرورت کی یہ کہانی بھی گھڑلی کہ جس طرح انسانی ضروریات اور حاجات اور معاشرتی تقاضے، حالات وشخصیات اور عباد وبلاد کے اعتبار سے تغیرات کے شکار سے بچ نہیں سکتا، اسی طرح تعلیمات نبویؐ اور اسلامی احکام میں بھی ظروف کے تغیر کے اعتبار سے ہر کسے کی رائے زنی کو جگہ ملنی چاہیے اور یوں گویا وہ مسلمانوں کو اس عقیدہ میں مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے باب میں آخری اور فائنل اتھارٹی قرار دیا جائے تو معاشرتی ترقی رک جائے گی اور دنیا جہاں کے نت نئے انقلابات سے ہم نابلد اور پسماندہ رہ جائیں گے اس تصور کو لے کر انہوں نے قادیانی فتنے کی تیاری مغربی دنیا کے اس ماحول میں کی جہاں ان کو سب سے پہلے اسلامی تعلیمات سے آگاہ رکھا گیا اور قرآن وسنت کی

ضروری یاداشتیں دینے کے بعد ایک نئے فتنے کی داغ بیل ڈالنے کیلئے اسے مسلم معاشرہ میں بھیجا گیا اور خاکم بدہن اگروہ اس زہریلے جراثیم پھیلانے میں کامیابی پاجاتے تو مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ زیرآب ہوتا، تاریخ گواہ ہے کہ اس موقع پر علمائے دیوبند نے اس کی سرکوبی میں جان ومال کی قربانیاں دے کر اس عظیم فتنے کے آگے ہر اعتبار سے حصار بنادیا اور خود اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے سدذی القرنین ثابت ہوئے، آج انہی کی بدولت مسلمانوں میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے مرمٹنے کا جذبہ محفوظ ہے۔ اس مشن کے حوالے سے حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ جملہ نہایت معنی خیز اور حوصلہ بخشنے کا باعث ہے کہ احادیث نبوی کی تدریس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی خدمت ہے مگر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا مسئلہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے براہ راست وابستہ مسئلہ ہے، جس میں معمولی دورانیہ کی خدمت بھی آپکے قرب اور شفاعت کا باعث ہوگا۔

ردِ قادنیت کے پروگرام میں اساسی کام کرنے والوں کی فہرست میں برصغیر پاک وہند کے حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت پیر مہر علی شاہؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمودؒ جیسی نامی گرامی شخصیات ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں حضرت شاہ جیؒ نے دارالعلوم حقانیہ کے جلسہ دستار بندی سے خطاب کے دوران عقیدہ ختم نبوتؐ پر روشنی ڈالتے ہوئے ہرزاویہ سے اس کی وضاحتیں اور زہریلے فتنے کی تعاقب کے لیے لائحہ عمل، طریقہ کار اور اپنے مشاہدات وتجربات کو حاضرینِ مجلس کے سامنے رکھا، جس کی پوری روئیداد کتاب ہذا کا مستقل حصہ ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سفر وحضر، خلوت وجلوت اور جلسے جلوسوں کی تقاریر کا موضوع بس یہی بنایا کہ جہاں گئے تو ایمانی جرأت وحمیت کے ساتھ اس فتنے کو للکارا اور مسلمانوں میں اس کے تحفظ کے لیے مرمٹنے کے جذبہ کو بیدار کیا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں باقی تمام چیزیں آپ علماء سے سیکھوں گا لیکن انا خاتم النبین لا نبی بعدی میں لا نبی بعدی تم لوگ مجھ سے سیکھ کر جاؤ۔ پھر جس کے حوالے سے آپ اس میں نہایت دلچسپی کے نکتے مسلسل بتاتے چلتے۔ ردّ قادیانیت کے حوالے سے گوکہ ۱۹۵۳ء سے قبل ''مجلس احرار اسلام'' کے نام سے سرفرشان اسلام برابر مزاحمت میں مصروف تھے، مگر قیام پاکستان کے بعد منظم شکل میں پاکستان کی سطح پر ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' معرض وجود میں آئی۔ جس کی سربراہی میں حضرت شاہ جیؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ پیش پیش تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اُس وقت ابتدائی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اس عظیم مشن سے متعلق یوں فرمایا: ''مسئلہ ختم نبوتؐ میں مسلمانوں اور قادیانیوں کا

اختلاف شیعہ سنی کے مانند نہیں بلکہ یہ ایک ایسا اختلاف ہے جیسا کہ مسلمان اور مشرک میں ہوتا ہے۔

مزید آپ نے فرمایا: ''کہ آج تحریک ختم نبوتؐ کے علم برداروں اور فدائین پر جو بے تحاشہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، اس سے آج حجاج بن یوسف، بخت نصر، فرعون اور نمرود کی یاد تازہ کی جارہی ہے۔ انہی دنوں میں مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ کے جیل جانے پر فرمایا: '' ہمارے اسلاف اور اکابر بزرگوں نے اس سے سخت سخت تکالیف دین کی خاطر برداشت کیں، ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ حالت تھی کہ مکہ کے تیرہ برس ان پر ایسے گزرے کہ گاؤں سے نکلتے تو ان پر پتھروں کی بارش ہوتی اور وہ دین کی خاطر برداشت کرتے، اب لوگ کمزور اور ضعیف ہوگئے، اس لیے مصائب اور ابتلاء میں بھی کمی ہوئی "اشدالناس بلاء الانبیاء ثم االأمثل فالأمثل"

''مجلس احرار اسلام'' اور ''مجلس تحفظ ختم نبوتؐ'' کی جہد مسلسل اور شبانہ روز محنتوں بالخصوص ۱۹۵۳ء کے حوالے سے عظیم جانی شہادتوں کے ذریعے اس مسئلہ کی حفاظت کے لیے جان توڑ کوششیں جاری رکھیں، چلتے چلتے یہ آواز اور یہ قوت توانا بن گئی اور ۷ رستمبر ۱۹۷۴ کو ایوانوں کی سطح پر یہ تمام تر محنتیں رنگ لائیں اور پاکستان جیسی نظریاتی ریاست کو اس قسم کے بدبودار اور متعفن لوگوں سے پاک کرنے کا قانونی فیصلہ معرض وجود میں آیا۔ جس میں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مسلمانوں کی صف سے الگ کر دیا گیا۔ یوں مغربی دنیا کی طویل محنتوں کو ایک واضح لگام دی گئی اور یہی وہ موقع تھا کہ عالم اسلام کے مشہور عالم دین شیخ ابوالحسن علی الندویؒ نے عربی شعر پیش کرتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ یہی تو وہ موقع ہے، جس کا مدتوں سے انتظار کیا جا رہا تھا، آج لوگوں کو اس دن کے حوالے سے اپنے نذرانے دینے چاہئیں، آپ نے فرمایا:

هذا الذی کانت الایام منتظراً ۔۔۔ فلیوف للّٰہ اقوام بمانذروا

کچھ مدت گزرنے کے بعد قادیانی جماعت کے اتحادی اقوام متحدہ، امریکہ، ایمنسٹی انٹرنیشنل وغیرہ قوتوں نے جب دجل اور فریب سے کام لیتے ہوئے، اسلام کی بنیادی اصطلاحات اور شعائر اسلام کا استعمال شروع کیا، جن میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت، مسجد، اذان و اقامت وغیرہ وغیرہ۔ گویا وہ یوں چاہتے تھے کہ یہ اقلیتی جماعت بھی مسلمانوں میں گھل مل کر رہ سکے مگر اللہ بھلا کرے محترم صدر ضیاء الحق کا جنہوں نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تحریک پر ۱۹۸۴ میں ''امتناع قادیانیت آرڈیننس'' کے ذریعے اس سوراخ کو بھی بند کر دیا اور دستور کی سطح پر فتنہ اپنی موت مرا۔

بحمداللہ یہ تمام تر کارروائیاں ملک کے قانون ساز اور بااختیار طبقہ کی جانب سے ایسے انداز میں ہوئیں کہ جس کے ذریعے دنیائے اسلام کے سامنے مملکت پاکستان کی نظریاتی شناخت خوب نکھر

کر سامنے آئی، اس موقع پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ تاریخ ساز فیصلہ اُس وقت کے برسر اقتدار پارٹی کے باہمی تعاون سے ہی معرض وجود میں آیا۔مگر یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس کی پشت بانی اور پشت پناہی میں جان کی بازی لگانے والوں میں علمائے دیوبند کی سرخیل جماعت شامل تھی۔جس طرح قیام پاکستان میں علماء کی صف میں بعض دوسری قوتیں بھی تھیں مگر ان کو علماء کی معیت نے توانائی بخشی، یوں اس مسئلہ کی نوک پلک میں حساس پہلو، اثرات اور پیش قدمی کے اعتبار سے اگر علماء شریک کارواں نہ ہوتے تو شاید تعاقب کی یہ کیفیت سامنے نہ آتی۔

میری نگاہ میں یہ مملکت پاکستان کی خصوصیت ہے کہ جہاں سے اس عظیم فتنے کو علمائے دیوبند کے ابناء واحفاد نے لگام دی اور اس کے بعد باقی اسلامی ملکوں میں اس کے مطابق قراردادیں اور قانون سازیاں کی گئیں۔ الحمدللہ علمائے کرام نے برصغیر پاک وہند کے چپہ چپہ، گلی گلی، چوراہوں اور دیہاتوں میں اس نظریہ کا پرچار کر کے مسلمانانِ وطن کو آگاہ کیا کہ ایمان کے ان رہزنوں سے خود اور اپنے اہل وعیال کو بچا کر رکھیں۔تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے کہ جب قادیانی جماعت کی سرگرمیاں قادیان میں تھیں تو وہاں بھی علماء کے سرخیل نے اس کی تردید کے لیے دندان شکن انتظامات کیے تھے، مگر جب وہ قیام پاکستان کے بعد ربوہ کے مقام پر منتقل ہوئے تو نہ صرف ربوہ کے حوالے سے قانونی کاروائیاں کی گئیں بلکہ انکے دجل اور فریب سے سادہ لوح مسلمانوں کو آگاہ کیا اور جب صدر ضیاء کے آرڈیننس کے نتیجہ میں ان کی تمام تر سرگرمیاں اپنی اصل جائے قرار لندن کو پہنچیں اور وہاں سے انہوں نے اپنی آواز کو توانا رکھنے کی کوشش کی تو حضرات علمائے دیوبند کی جماعت نے وہاں پہنچ کر سیرت خاتم الانبیاء اور تحفظ ختم نبوتؐ کے جلسے، کانفرنسز اور عمومی آگاہی کی مہم کو جلا بخشی۔ بقول اقبال......

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اس موقع پر ممکن ہے کہ کوئی آزادیٔ اظہار خیال یا پھر مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری کا سہارا لیتے ہوئے ہم سے یہ شکوہ کناں ہو کہ آخر اس اقلیتی گروہ کے ساتھ تم اتنے سخت رویہ سے کیوں نمٹ رہے ہو؟ ان کے ساتھ باقی اقلیتوں جیسی رواداری کیوں نہیں کی جاسکتی؟ اصل میں غور کیا جائے تو باقی غیر مسلم دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں وہ کھلے عام اپنی تعلیمات کا پرچار کر رہے ہیں اور اس میں دجل وفریب یا پھر جدید دور کی اصطلاح میں سمجھانے کے طور پر کہا جائے کہ وہ لوگ دوسروں کے ٹریڈ

مارک کو استعمال نہیں کرتے بلکہ خود اپنی شناخت کی بنیاد پر اپنا فریم ورک پیش کرتے ہیں۔ ایسے میں یہی ایک ملعون طبقہ ہے کہ جو مسلمانوں کے ٹریڈ مارک کو استعمال کر کے اپنے خبث باطن کو پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے تو جس طرح ایک شہری کے ذاتی ٹریڈ مارک کو دوسرے کے لیے استعمال کا کوئی قانونی اور عرفی جواز نہیں تو پھر دین اسلام اور ان کے پیروکاروں کے ٹریڈ مارک کو دوسرے فتنہ انگیز لوگ جعل سازی کے ساتھ کیسے استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ میرے خیال میں مغربی دنیا کے مفکرین اور ہیومن رائٹس کے علم برداروں کو مسئلے کا پس منظر اس حساس نگاہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

....

پاکستان کی تاریخ میں علماء اور اہل علم بالخصوص جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے کردار اور عمل سے عمومی آگاہی کے لیے حضرت استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے نہایت بروقت اور برمحل اس حساس مسئلے کو اپنے ہونہار فضلاء مولانا محمد اسرار مدنی اور مولانا انعام الرحمٰن سلمہما الرحمٰن کے ذریعے آج کی نئی نسل کو اس فتنے سے آگاہ رکھا۔ ماہنامہ ''الحق'' میں خود حضرت کی چشم کشا تحریرات اور تاریخی دستاویزات، نیز حضرت شیخ مولانا عبدالحقؒ کی جابجا اسمبلی اور دیگر حساس مقامات پر فکر انگیز خطبوں کو یکجا کیا۔ اس موقع پر میں ایک بار پھر یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ حضرت استاذ محترم کو حالاتِ حاضرہ کے تقاضے اور موقع شناسی کا جو ادراک ہے، وہ شاید ہمارے علمی طبقہ میں بہت کم شخصیات کے حصہ میں ہو۔ آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کی اس ترقی کے دور میں جب دیکھا گیا کہ نوجوانوں کے طبعی مزاج اور احساسات کا رجحان باطل نظریات کی طرف ایک سیلاب کی مانند بڑھ رہا ہے، جس کا خود اس کو کسی بھی طور پر احساس نہیں، وہ شاید ترقی کے نام، عصری تقاضوں کی تلاش میں یا پھر عصری بین الاقوامی تعلیم گاہوں میں ڈگریوں کے حصول کی خواہش میں ایک ایسے ماحول کا سامنا کر رہا ہے کہ جہاں اس کی نظریاتی دنیا اور فکر ونظر سے کھیلا جا رہا ہے مگر اسے کچھ خبر نہیں، بھلا ایسے موقع پر حضرت نے ان کو پاکستان کی تاریخ میں اس سیاہ فتنے سے آگاہ رکھنے اور مسلسل اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا عظیم، علمی اور فکری ہدیہ پیش کیا۔

میرے خیال کے مطابق اس حساس مسئلے کو صرف جذبات کی حد تک محدود نہ سمجھا جائے بلکہ یہ مسلمانوں کی شہ رگ اور قلب ودماغ کی گردش کا مسئلہ ہے، جس سے وہ کسی طور پر غافل نہیں رہ سکتے تاہم علماء اور اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ دین کی باقی تعلیمات سے آگاہی دینے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف بھی توجہ دیں، ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ فرق ضالہ رنگ برنگ اور نت نئے ناموں کے ساتھ

اپنے باطل نظریات کو جگہ دینے کے لیے مسلم معاشرہ میں برابر کا سفر کررہے ہیں اور مزید آج کے میڈیا کی یلغار میں وہ سفر بہت حوالوں سے آسانی کا سبب بھی بن گیا ہے، عموماً وہ لوگ مزاج شناسی اور طبعی رجحانات کے مطابق اپنے مؤقف کو ترتیب دینے میں کامیابی حاصل کرتے ہیں، کہیں وہ مظلوم اور بے سہارا لوگوں کو امید کی کرن دے کر اپنے مذموم عزائم کو جگہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، کہیں وہ مسلم امہ کی ہمدردی یا دیگر پرفریب نعروں کا لبادہ اوڑھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔آج ہمارے وطن عزیز میں بعض حساس مناصب پر انہی کے ترجمان پہنچ کر خاموش انقلاب کے داعی بن چکے ہیں، مگر بقول کسے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت رامی شناسم

تحریک ختم نبوتؐ کے حوالے سے کام کی نوعیت کو صرف قانون سازی اور امتناع قادیانیت آرڈیننس یا پھر طرح طرح کے جلسے جلوسوں تک محدود نہیں کیا جاسکتا، اس کی حساسیت کا یہ عالم ہے جیسا کہ ماحولیاتی مسئلے کا ہے کہ جہاں انسانی معاشرے کو پرفضا ماحول اور صحت افزا ہواخوری کے لیے ماحول کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، بالکل اسی طرح اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے نسل نو کے ایمان اور عقیدہ کے تحفظ کے لیے ان ہتھکنڈوں کا برابر جائزہ لینا ہوگا۔ یہ جس طرح ماضی میں ذکری، بابی اور بہائی یا پھر قادیانی اور امریکی نبی ایلی جی محمد وغیرہ کے بارے میں کام کرچکے ہیں، ایسا ہی وہ اس کو تسلسل دینے پر اتر آئے ہیں، اس لیے ہمیں ان متنوع فتنوں کے حوالے سے عمومی وعظ ونصیحت کی محافل اور اسی طرح دیگر ابلاغ کے ذرائع سے معاشرے کے ساتھ برابر کا واسطہ اور تعلق رکھنا ہوگا۔ یہی وابستگی ان کو کسی بھی فتنے سے نمٹنے کے لیے تازہ دم رکھے گی۔ مزید تعلیمی اداروں میں اس موضوع کو بطور نصاب لے کر ہمیں بچوں کے شعوری دور سے یہی رجحان رکھنے کا انتظام کرنا ہوگا کہ ضروریاتِ دین سے متعلق اسے مکمل آگاہی مل سکے۔ ساتھ ہی نوجوان طبقے کو اس موضوع کی اہمیت کے ناطے قدیم وجدید تاریخی کارناموں سے وابستہ تحریرات کے مواقع فراہم کرنے ہوں گے۔

ان تمام جہات کی اہمیت کے اعتبار سے حضرت استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی یہ نئی کاوش ہمارے لیے نئی راہوں میں بہتر رہبری کا سامان مہیا کررہی ہے۔ حضرت نے اپنی کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کرکے ردقادیانیت کے باب میں دارالعلوم حقانیہ کے فورم سے جو صدا بلند کی

ہے، اس کو ترتیب وار سلیقہ مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ باب اول میں تحریکِ ختم نبوت کی ابتدائی کہانی ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۳ء کے حالات وواقعات اور اُس وقت پیش آمدہ ظروف کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ باب دوم میں تحریک ختم نبوت ۱۹۷۱ء جس میں قادیانیوں کی بنگلہ دیش کے لیے بھارتی پالیسی کی حمایت اور دیگر در پردہ حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب سوم میں تحریک ختم نبوت ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۴ء جس میں مسلمان کی تعریف اور اس پر ارکان اسمبلی کے تبصرے اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے موقف کو بطور خاص ذکر کیا ہے، ساتھ ہی ساتھ قادیانیوں کے خلاف پارلیمانی جدوجہد، حضرت شیخ کے اسمبلی میں چشم کشا خطابات، ۱۹۷۴ء میں اسمبلی میں اقلیتی قرارداد، قومی اسمبلی کا تاریخ ساز فیصلہ، تاریخی فیصلے پر مولانا سمیع الحق صاحب کا نذرانہ عقیدت اور عالمی اثرات وغیرہ وغیرہ اہم موضوعات کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

باب چہارم میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنے اچھوتے طبعی ذوق کی بنا پر قومی اسمبلی کے اس تاریخ ساز فیصلہ کے موقع پر مشاہیر عالم اسلام کی خدمت میں ایک سوال نامہ ترتیب دیا ہے جس میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ کی نظر میں اس فیصلے کے حوالے سے کیا جذبات ہیں؟ نیز آئندہ کے حوالے سے اس میں مزید کام کی نوعیت اور لائحہ عمل کا تعین کیسے ہوگا؟ مستقبل میں قومی اور عالمی حالات کی روشنی میں اس فیصلے کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ وغیرہ وغیرہ سوالات کیے گئے ہیں، مشاہیر اہلِ علم میں اس وقت کے رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، محدث العصر مولانا سید یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مفتی محمد شفیعؒ، علامہ شمس الحق افغانیؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور شیخ ابوالحسن علی ندویؒ کے تجزیے، تبصرے اور لائحہ عمل کے حوالے سے جو عالمانہ اور فاضلانہ خطوط کھینچے ہیں، وہ نہایت دلچسپی اور علمی مطالعہ کی وسعت کا باعث ہیں۔ باب پنجم میں وفاقی مجلس شوریٰ اور سینٹ میں تعاقب جس کے ذیل میں واضح کیا گیا ہے کہ اس اہم موضوع کو نصابِ تعلیم میں جگہ دی جائے، ساتھ ہی امتناع قادیانیت آرڈیننس ۱۹۸۴ء کا مکمل متن علاوہ ازیں حضرت استاذ محترم کے اس موضوع پر ۳۸ سال مسلسل ایوان بالا اور عوامی تحریکات میں بیباک تجزیے اور اس پر اہل علم وقلم کے خراج تحسین کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ باب ششم میں منبر حقانیہ سے دفاع ختم نبوتؐ پر جن اربابِ علم ودانش اور اصحابِ علم وفضل نے دارالعلوم کے منبر ومحراب کو رونق بخش کر اس حساس موضوع پر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے حضرت مدظلہ نے اس کو ضبطِ تحریر میں لا کر آج ان لوگوں کو بھی اس

محفل میں شریک کر رکھا ہے، جو شاید اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔موصوف نے یہ عظیم محنت ایک ایسے زمانے میں کی کہ جہاں ریکارڈنگ کے لیے کوئی موزوں انتظام بھی نہیں تھا مگر یہ ان کو بے چین رکھتی کہ کوئی شخصیت جامعہ تشریف لائے اور ان کے فرمودات کو جامۂ تحریر میں پیش نہ کیا جائے۔اس قسم کی تڑپ کا احساس ہمیں آپ کی کتاب ''خطبات مشاہیر'' کے سینکڑوں صفحات میں مسلسل دکھائی دے رہی ہے۔

باب ہشتم میں ردقادیانیت اور ماہنامہ ''الحق'' کے ذیل میں پون صدی پر مشتمل اس ملی اور عالمگیر تحریک کے حوالے سے چشم کشا حقائق، مشاہداتی واقعات اور چشم دید حالات سے لبریز جو نقوش ثبت کیے ہیں، ان کو مستقل باب میں ذکر کیا گیا ہے۔ماہنامہ ''الحق'' کے بیشتر صفحات میں حضرت نے اس موضوع سے متعلقہ رونما ہونے والے واقعات کی تشخیص، اسباب اور اس کے اثرات نیز اس سے نمٹنے کے لیے جو تدابیر اور لائحہ عمل طے کیا ہے وہ خاصی دلچسپی کا باعث ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کو اس حوالے سے بھی ایک اعزاز حاصل ہے کہ جہاں ایک ایسے وقت میں مجلّہ اور ''مؤتمر المصنفین'' کی بنیاد رکھی گئی کہ عموماً اس صوبے کے اہل علم اس قسم کی سرگرمیوں سے آشنا نہیں تھے، اس میں بھی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے بچپن سے رواں ڈائری کے حسین ذوق کا بڑا کردار رہا۔آپ نے اس فورم سے ہمیشہ کے لیے لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ کی تصویر بن کر فرق ضالہ کے کامیاب تعاقب کے نقوش کھینچے اور اس وقت تک آپ نے سکھ کا سانس نہیں لیا، جب تک مدمقابل کے خبث باطن کو آشکارا نہیں کیا۔آپ نے قلم اور نقوش کے عظیم جہاد سے دنیا کے کونے کونے تک اپنا پیغام پہنچایا۔ اپنے دلی جذبات سے دوسرے کو آگاہ رکھا، اور اپنی آراء کا دوسروں سے تبادلے کے عمل کو بھی جلا بخشی، مسلسل آپ اس حوالے سے تاہنوز متفکر دکھائی دے رہے ہیں۔

غور کیا جائے تو گزشتہ صدی میں جہاں رابطے کے سلسلے میں سب سے اہم ترین ذریعہ یہی خط وکتابت اور تحریری نقوش ہوا کرتے تھے، آپ نے اس کا نہایت دلیرانہ انداز میں استعمال کرکے ہر قسم کی صعوبتوں کو گلے لگایا۔آج اگر ماہنامہ ''الحق'' کو کئی اہم مجلّات کی فہرست میں پیش رو کی حیثیت سے ایک مقام حاصل ہے تو اس کے پس منظر میں حضرت مدظلہ کی شبانہ روز بے قراریاں، وسائل کی عدم دستیابی اور صبر آزما مراحل بھی خود مستقل ایک تاریخ اور ہم جیسے نو واردین

کیلئے مستقل عبرت کا درس پیش کر رہا ہے۔آج مسلسل پون صدی سے زیادہ کا عرصہ گلشن حقانیہ سے ماہنامہ ''الحق'' کے ذریعے حق بات کو حق طریقے سے ملک وملت کو پہنچانے کا عظیم جہاد جاری ہے۔ ہمیں بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ مولانا مدظلہ کے مشن کو ان کی زندگی میں ان کے صاحبزادگان نے سنبھال کر گزشتہ کافی عرصہ سے ماہنامہ ''الحق'' کے پیغام کو معاشرے تک پہنچانے کا بخوبی کردار ادا کر رہے ہیں۔میں بطور خاص ''الحق'' کے حوالے سے برادر مکرم مولانا راشد الحق سمیع صاحب کا تذکرہ ضروری سمجھوں گا کہ جو حضرت والد مکرم اور حضرت داداجانؒ کی فکر کو لے کر ہمیشہ پُرعزم رہتے ہیں۔انہوں نے ماہنامہ ''الحق'' کے رتبے، مقام اور منزلت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اسے مزید توانا رکھ کر نئی جہات سے اس میں کام کی سبیلیں تخلیق کیں۔ رب کائنات گلشن حقانیہ کی تروتازگی اور رعنائی کو تا قیامت ہر قسم کے زوال سے محفوظ فرمائے۔

ادارہ ''مؤتمر المصنفین'' کی دیگر تالیفات جن میں بالخصوص فتاویٰ حقانیہ کی کمپیوٹرائز اشاعت، دعوات حق کی جدید شکل نئے اضافوں کے ساتھ حالاً منصۂ شہود پرآنے سے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔ مزید آئندہ کی مطبوعات میں بالخصوص حضرت امام المفسرین مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ''تفسیری افادات'' کو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب جس نہج پر مرتب کرنے جارہے ہیں وہ اردو تفاسیر میں ایک معتد بہا اضافے کا باعث ہے، کیونکہ حضرت کی تفسیر پر اب تک کوئی قابل قدر کام نہیں ہوا ہے۔ساتھ ہی چونکہ آپ براہ راست حضرت لاہوریؒ کے علمی افادات کے خوشہ چین رہ چکے ہیں، اس لحاظ سے بھی یہ مساعی نہایت متبرک معلوم ہوتی ہے اور قارئین اندازہ کریں کہ ایک باکمال استاذ کو جب باکمال شاگرد میسر آجائے تو وہ ان کے علمی افادات کی ترتیب اور سلیقہ مندی کا معیار کیسا ہوگا، مجھے بزرگوں کے حوالے سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوریؒ بڑے فخر کے ساتھ درس میں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک نے ہم پر یہ احسان کیا ہے کہ اپنے صاحبزادے کو ہمارے ہاں بھیجا ہے جو مستعد ہو کر ہمارے درس کو قلمبند کر رہا ہے۔ مجھ ناکارہ کی یہی تمنا ہے اور ماہ رمضان کے حوالے سے بارگاہ الٰہی میں یہ التجا ہے، اے قادر مطلق! تو ہی اس مبارک سلسلہ کی تکمیل کی توفیق کی سعادت حضرت استاذ محترم کو صحت وعافیت اور خیر وبرکت کے ساتھ عطا فرما۔(آمین)

مولانا محمد عمر انور بدخشانی
استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نادر ونایاب مکاتیب کا عظیم ذخیرہ

برادرم مولانا محمد عمر انور بدخشانی صاحب، متعدد خوبیوں اور گہری علمی وادبی صفات سے متصف عالم دین ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے نواسے ہیں، ان کے والد حضرت مولانا محمد انور بدخشانی مدظلہ بھی مادر علمی جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں عرصہ دراز سے شیخ الحدیث ہیں، ''مکاتیب مشاہیر'' پر ان کی یہ تحریر مولانا شہیدؒ کے حینِ حیات میں لکھی گئی جو ''الحق'' میں بھی شائع ہوئی ، اس لئے اس کے صیغے حین حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دورانِ مطالعہ اس کو ذہن میں رکھیں۔ (مدیر)

کسی بھی اچھی علمی ،تاریخی ،اصلاحی اور تعمیری کتاب کا مطالعہ کے لیے میسر ہوجانا دنیا میں اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بہترین نعمت ہے اور پھر وہ کتاب اگر اکابر علماء اہل علم وفن وادب کے نادر ونایاب ذاتی اور غیر مطبوعہ خطوط پر مشتمل ہو تو پھر اس نعمت کا حق شکر زبان وقلم سے ادا کرنا ممکن نہیں، چند روز قبل عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر گھر کی طرف جارہا تھا ،راستے میں کتابوں کی دکان آئی ، دل میں سوچا کہ جاکر دیکھوں تو سہی شاید کوئی نئی کتاب آئی ہو، دکان پہنچا، ادھر ادھر مختلف الماریوں میں نظر دوڑائی تو سب سے اوپر ''مشاہیر'' کے نام سے خطوط ومکاتیب پر مشتمل سات جلدوں میں ایک نئی کتاب پر نظر پڑی،تمام جلدیں نیچے اتروا کر دیکھا تو کتاب کی پشت پر موجود شخصیات کے اسمائے گرامی میں سے ہر نام ہی کشش اور دلچسپی کا باعث تھا ، دکان میں کھڑے کھڑے اپنی پسندیدہ ترین شخصیت حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط پڑھ ڈالے، پھر یہ سوچ کر کہ جب استطاعت ہوگی خرید لوں گا ،کتابوں کی دکان سے نکل کر گھر کا رخ اختیار کیا۔

ایک قیمتی تاریخی خزانہ

تین دن بعد زمانہ طالب علمی کے ایک پرانے دوست سے کافی طویل عرصے بعد فون پر رابطہ ہوا، باتوں ہی باتوں میں اسی کتاب کا ذکر نکل پڑا ،احساس ہوا کہ اس دن وہ کتاب خرید لینی

چاہیے تھی، چنانچہ اسی دن دوبارہ اس دکان جا کر خرید لایا، تادم تحریر گذشتہ پانچ راتیں اسی کتاب کے مطالعے میں گم رہا، کسی بھی اچھی کتاب کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہوسکتی ہے کہ اس کتاب کی ہر جلد اور ہر صفحہ قاری کو اپنا آپ پڑھنے پر مجبور کر ڈالے، ''مشاہیر'' کو ہاتھ میں لینے کے بعد قاری کے لیے یہ فیصلہ کرنا کافی دشوار ہوجاتا ہے کہ کیا پڑھے، کس کا خط پہلے پڑھے اور کس کا بعد میں، یہ محض ایک کتاب نہیں بلکہ ایک قیمتی تاریخی خزانہ ہے جو اب تک مدفون تھا، کوئی بھی کتاب محض اپنے نام یا مصنف کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے مندرجات کی وجہ سے دلچسپی اور شہرت اختیار کرتی ہے۔

ایک ہی کتاب میں بلند ہستیوں کے خطوط

اس کتاب میں برصغیر پاک وہند کی تمام معروف وغیر معروف شخصیات کی نگارشات موجود ہیں، اگلے دن ایک ساتھی سے ''مشاہیر'' کا ذکر ہوا، راقم نے عرض کیا کہ ایک ہی کتاب میں ایک ہی شخصیت کے نام اتنی بلند بلند ہستیوں کے خطوط یک جا میسر ہوجانا، ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہے، چنانچہ جس جس شخصیت کا نام دل ودماغ میں آیا کہ دیکھوں تو سہی ان کے خطوط موجود ہیں یا نہیں اور پھر جیسے ہی فہرست میں دیکھا تو اس مطلوبہ شخصیت کا نام موجود پایا، ''مشاہیر'' کس طرح وجود میں آئی؟ یہ جاننے سے قبل کچھ تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔

دارالعلوم حقانیہ کی دینی، علمی، ملکی وملی خدمات وکارنامے

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا سمیع الحق صاحب اور ماہنامہ ''الحق'' یہ ایک مربع کی مانند ہیں جس کا ہر سرا دوسرے سے مربوط ہے، شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا سن پیدائش ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء ہے، آپ نے عظیم علمی ودینی ادارے دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۵۱ھ میں سند فراغت حاصل کی، ۱۳۶۶ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کرتے رہے اور پاکستان کے بننے کے ساتھ ہی اسی سال یعنی ۱۹۴۷ء میں اکوڑہ خٹک (صوبہ خیبر پختون خواہ) میں آپ نے دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی، گویا دارالعلوم حقانیہ اور وطن عزیز پاکستان تاریخی اعتبار سے ہم عمر ہیں، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اور دارالعلوم حقانیہ کی جو دینی، علمی، ملکی وملی خدمات اور کارنامے ہیں، درحقیقت ''مشاہیر'' کی یہ سات عظیم الشان جلدیں اسی کا مظہر ہیں۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق صاحب کا سن ولادت ۱۹۳۷ء ہے، بیس سال کی عمر میں ۱۹۵۷ء میں آپ نے دارالعلوم حقانیہ سے سند فراغت

حاصل کی اور ۱۹۵۸ء سے تا حال آپ دارالعلوم حقانیہ میں ہی تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، مولانا سمیع الحق صاحب نے ۱۹۶۵ء میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ماہنامہ ''الحق'' کا اجراء کیا، جس کا شمار آج بھی دنیائے اردو کے بہترین دینی، علمی، اصلاحی رسالوں میں کیا جاتا ہے، اکابر اہل علم وادب نے ہمیشہ اس کو سراہا اور اس کو اردو زبان کے تمام حلقوں میں نمایاں پذیرائی حاصل ہوئی، یہ تقریباً ایک صدی کا طویل اور پر مشقت سفر ہے جو یہاں مختصراً ذکر کیا گیا۔

نوعمری میں خطوط اور لفافے جمع کرنے کا شوق

مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ کو نوعمری سے ہی خطوط اور ان کے لفافے جمع کرنے کا بیحد شوق تھا، اپنے اسی شوق کے بارے میں خود پیش لفظ میں لکھتے ہیں: ''حضرت والد ماجدؒ کی چارپائی کے سرہانے لگی ہوئی کتابوں سے بھری ہوئی الماری کے ایک کونہ میں لٹکا ہوا سبز رنگ کا مخملی تھیلا میرے لیے جاذب نظر بنا رہتا، اس تھیلا میں حضرت قدس سرہ اپنے اکابر اساتذہ دیوبند اور اہم احباب اور دوستوں کے آئے ہوئے خطوط ڈالتے اور غالباً صرف تبرک اور تذکّر کے طور پر یہ عام خطوط کی طرح ضائع ہونے کی چیز نہیں، میرا شوق تجسس حضرت کی غیر موجودگی میں اسے ٹٹولنے پر مجبور کر دیتا، ان خطوط کے لکھنے والوں کے دستخط مثلاً حسین احمدؒ، اعزاز علیؒ، مبارک علیؒ، محمد طیبؒ وغیرہ مجھے چمکتے ہوئے ہیروں اور نگینوں کی طرح محسوس ہوتے اور دل میں اتر جاتے، پھر ساتھ ہی تشویش لاحق ہوتی کہ حضرت کے اردگرد کتابوں، رسائل ومجلّات اور بکھرے ہوئے درسی افادات اور مخطوطات کے پلندوں میں یہ خطوط کہیں گم نہ ہو جائیں۔ پھر اسی طرح حضرت والد ماجدؒ کی زندگی درس وتدریس اور سیاسی وملی خدمات میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ انہیں مستقبل میں سنبھالے رکھنا دشوار معلوم ہوتا تھا، ہر چند کہ حضرت اپنے کاغذات وغیرہ میں نوعمر بچوں وغیرہ کی مداخلت پر ناراض ہوتے تھے لیکن مجھے جب موقع ملتا ایسے خطوط کو چن چن کر اپنی ذاتی الماری میں محفوظ کرتا رہا، بچپن میں ڈاک کے ٹکٹوں، پرانے سکوں اور مختلف ڈیزائن کے ماچس جمع کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان خطوط کو جمع کرنے کا شوق عطا فرمایا اور شاید اس طرح کاتب تقدیر نے میرے ذریعے ان جواہر نما مکاتیب اور تاریخی اثاثے کو اہتمام کے ساتھ محفوظ کرایا تاکہ یہ خیر کثیر امت کے سامنے آکر ''استفادہ اور رہنمائی'' کے کام آسکے، حتیٰ کہ خطوط کے ساتھ ساتھ لفافے بھی جمع کرتا رہا پھر جوں جوں عقل وشعور کی منزلیں سر کرنے لگا تو ان کی قدر واہمیت اور بھی سامنے آتی گئی''۔

قیمتی مکاتیب ورسائل کی حفاظت

دارالعلوم دیوبند، جامعہ حقانیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ، ماہنامہ ''الحق''اوران سب پر مستزاد مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ کی ملکی سیاسی وملی خدمات ، ان تمام نسبتوں اورحوالوں سے گذشتہ پون صدی میں دنیا بھر سے معروف وغیر معروف علمی ، ادبی ، دعوتی ، صحافتی اور سیاسی شخصیات کے جو بھی مکاتیب ورسائل اور دعوت نامے مولانا سمیع الحق یا ان کے والد بزرگوار کے نام آئے مولانا سمیع الحق صاحب نے انہیں حرز جان بناکر محفوظ رکھا،ان قیمتی مکاتیب ورسائل کی حفاظت اورنگہداشت مولانا زید مجدہ نے کس طرح کی ،اس کا ذکر خود انہی کے قلم سے کتاب کے مقدمہ میں موجود ہے ۔مولانا کے ذوق وشوق کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس مجموعے میں خطوط ورسائل کے علاوہ وہ تمام دعوت نامے بھی موجود ہیں جو کسی بھی تقریب کی مناسبت سے مولانا کوارسال کیے گئے ،مولانا زید مجدہ رقم طراز ہیں :

> ''اس دوران ہمیشہ دل میں یہ کھٹکا رہتا کہ کہیں کسی حادثے اور ناگہانی آفت کے نتیجے میں یہ عظیم ذخیرضائع نہ ہوجائے ،اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی ، سال ۲۰۱۰ء میں صوبہ سرحد میں خطرناک تباہ کن سیلاب میں جب پانی دارالعلوم کی حدود کے قریب پہنچنے لگا اور اطلاع تھی کہ پشاور میں ایک ڈیم بھی ٹوٹ گیا ہے تو سب سے پہلے آدھی رات کو یہ سارا قیمتی اثاثہ اور کمپیوٹرز سمیت ایوان شریعت کی عظیم بلند بلڈنگ کی چھت پر پہنچایا گیا ،پھر دوسرے کاغذات وضروریات وغیرہ اور بعد میں اہل خانہ اور بچوں کی حفاظت کا خیال آیا''۔

''مشاہیر'' کے نام سے یہ ضخیم کتاب بڑے سائز کی سات جلدوں پر مشتمل ہے،جس میں سے فی الحال پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں ،شنید ہے کہ چھٹی اور ساتویں جلد بھی چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے ،جلد اول میں وہ مکاتیب شامل ہیں جو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے نام لکھے گئے ، چار جلدیں ان خطوط ودستاویزات پر مشتمل ہیں جوحضرت مولانا سمیع الحق صاحب زیدہ مجدہ کے نام لکھے گئے ،چھٹی جلد افغانستان ، جہادی مشاہیر کے خطوط ،رپورٹیں ،تحریک طالبان کوسمیٹے ہوئے ہیں ، ساتویں جلد بیرونی ممالک ،ایران ، عالم عرب ، افریقہ،سینٹرل ایشیا، فارایسٹ ،

امریکہ اور یورپی ممالک سے متعلق ہے اور آٹھویں جلد ضمیمہ جات، اضافات اور توضیحات پر مشتمل ہے، گویا یہ آٹھ ضخیم اور بھاری بھرکم جلدیں گذشتہ پون صدی کی ایک قیمتی دستاویز بلکہ تاریخ ہے، آنے والے مؤرخین ان کے ذریعے حسب استطاعت نایاب گوہر و یواقیت نکال سکیں گے، ''مشاہیر'' کے سرورق پر اس کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا ہے:

> ''تقریبا پون صدی پر مشتمل اساطین علم وادب، علماء ومحدثین، مشائخ واکابرین امت، نامور اہل قلم، شہسواران صحافت، دانشور ومصنفین، سیاسی زعماء، حکمران وسلاطین کے مکتوبات، نگارشات، تأثرات اور احساسات کا مجموعہ، علمی، فقہی، مذہبی مسائل، ملکی تحریکات وبین الاقوامی سیاسی اتار چڑھاؤ اور عالم اسلام کو درپیش بحرانوں کے مدوجزر پر ارباب فکر ودانش کے خیالات وافکار کا ایک عظیم الشان ذخیرہ''۔

قارئین کی سہولت کے لیے مکتوب نگاروں کی ترتیب فرق مراتب کا لحاظ کیے بغیر حروف تہجی الف باء کے مطابق رکھی گئی ہے، ہر جلد کے آغاز میں اس جلد میں آنے والے مکتوب نگاروں کے تحریری خطوط کا ایک ایک عکسی نمونہ بھی دیا گیا ہے، اول سے آخر تک ہر خط کو امتیازی عنوان دینے کا اہتمام خاص طور پر کیا گیا ہے، اس طرح ہر متلاشی علم وادب فہرستوں پر ایک نظر ڈال کر اپنے مطلوبہ مواد اور دلچسپی کے امور تک پہنچ سکتا ہے، ورنہ بیشتر مجموعہ مکاتیب بغیر عنوان کے مسلسل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان سے کما حقہ فائدہ حاصل نہیں ہو پاتا۔

مکتوب نگاران کے مختصر تعارف اور خطوط کے پس منظر اور وضاحت طلب امور کی حاشیہ میں توضیح وتشریح نے اس کتاب کے حسن میں مزید اضافہ کردیا ہے، مکتوب نگاروں کے تعارف میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ نے جس جامعیت اور لطافت کو اختیار کیا ہے وہ بے مثال ہے بلکہ مولانا سے فرمائش ہے کہ شخصیات کے تعارفی حواشی کو اگر مستقل کتابی صورت میں شائع کردیا جائے تو وہ بھی ایک خاصے کی چیز ہوگی اور تذکرہ نویسی میں یقیناً ایک نئے اسلوب کا اضافہ بھی ہوگا، اس سے ملتا جلتا اسلوب اس سے قبل ''نقش دوام'' میں حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے قلم سے ملتا ہے، جو اَب ''لالہ وگل'' کے نام سے علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

''مشاہیر'' نے صرف مشاہیر ہی کو زندہ نہیں کیا بلکہ بہت سی ایسی گم نام شخصیات کو بھی جلا بخشی جو اب تک ہم سے مخفی تھے اور شاید مخفی ہی رہتے، ''مشاہیر'' اپنی ضخامت، مختلف میدانوں میں ماضی قریب کی تقریبا تمام بڑی شخصیات کے مکاتیب وخطوط کے حوالے سے کسی بھی زبان میں اپنی نوعیت کا پہلا مجموعہ مکاتیب ہے، اس تمام کدوکاوش پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زیدمجدہ کی جتنی بھی تحسین وتعریف کی جائے وہ کم ہے کہ وہ اس عظیم، قیمتی اور علمی خزانے کے صحیح امین بنے اور اس امانت کو ہم جیسے ناکارہ طالب علموں تک بحسن وخوبی پہنچایا، مولانا زیدمجدہ کے علمی ودینی کارناموں پر میری خامہ فرسائی سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگی، حقیقت میں مولانا زیدمجدہ کی ذات اپنی دینی وعلمی خدمات کی بدولت اس مقام پر ہے کہ ع نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

مولانا زیدمجدہ نے کتاب کے پیش لفظ کے آخر میں جواپنا تلخ مشاہدہ نقل کیا ہے وہ ہم جیسے نوآموزوں کے لیے سبق آموز بھی ہے اور دیدہ عبرت بھی: ''یہاں پر ایک بڑا ہی تلخ مشاہدہ سامنے آرہا ہے کہ عہد جدید کی ٹیکنالوجی، الیکٹرانک میڈیا، ٹیلی کیمونیکیشن، موبائل (موبائل میسجز)اور انٹرنیٹ وغیرہ کی سہولیات نے مکتوب نگاری کے رواج کو بالکل محدود واپاہج کردیا ہے اور مستقبل میں تو مزید نت نئی چیزیں بڑی تیزی کے ساتھ آرہی ہیں جس سے خط وکتابت کے عظیم ورثے کو بڑا خطرہ لاحق ہوگیا ہے، اسی لیے مجھے اندیشہ ہے کہ خدانخواستہ یہ عظیم متنوع مجموعہ مکاتیب ایک شاندار عہد اور عظیم الشان تاریخی روایات کا آخری ضخیم ایڈیشن ثابت نہ ہو، کاش کہ امت کے نونہالوں کے ہاتھ قلم کی تقدیس، کاغذ کے لمس اور مضمون نویسی ومکتوب نگاری کی لذت سے تادیر آشنا رہیں اور مکتوب نگاری کا فن اور تاریخی روایات قاصد وکبوتر کی پیغام رسانی کی طرح معدوم نہ ہونے پائیں''۔

مکاتیب ودستاویز کا یہ نادرونایاب ضخیم ذخیرہ اور قیمتی خزانہ اور مولانا زیدمجدہ کا اپنے عہدطفولیت سے لے کر پیرانہ سالی تک ان کو سنبھال کر محفوظ رکھنا اور پھر یہ امانت ہم تک پہنچادینا، شاید اس شعر کا اتنا بہترین مصداق کہیں اور نظر نہ آئے کہ:

چند اوراق کتب چند بزرگوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

جناب محمد عدنان زیب
ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور ماہنامہ ''الحق'' کی صحافتی خدمات

محترم جناب محمد عدنان زیب صاحب اکوڑہ خٹک کے نوجوان مصنف اور لکھاری ہیں، علم وادب، قلم وقرطاس کا اچھا خاصا ذوق رکھتے ہیں، ''پیام حق'' کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں اور کئی کتابوں کے مؤلف بھی ہیں، جس میں اکوڑہ خٹک کی تاریخ ''داستان سرائے'' کے نام سے معروف ہے اور ماہنامہ ''الحق'' میں ان کے مضامین وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے ہیں، اسی مناسبت سے انہوں نے ناردرن یونیورسٹی نوشہرہ سے '' اُردو ادب کی ترویج میں ماہنامہ ''الحق'' کی خدمات'' پر اپنا ایم فل کا تحقیقی مقالہ بھی پیش کیا ہے۔ (ادارہ)

دنیا کے ہر خطے میں ادب کی تخلیق وترویج کی ضمانت اس کے ادبی رسائل اوران کے مدیران کے نظریات اور رویوں پر منحصر ہوتی ہے۔معیاری ادبی رسالے ملک کی تہذیبی اور معاشرتی انفرادیت کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ابتدا میں ہرادبی ماہنامے کوکم وبیش ایک ہی طرح کے مسائل اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔دوسری طرف اگر مذہبی رسائل نے دینی خدمات سرانجام دی ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ ادبی حوالے سے بھی بہت کام کیا ہے۔ان رسائل کے مدیران نے ادبی رسالوں کی آبیاری کے لیے شبانہ روز محنت کی اور ہر قسم کی صبرآزما رکاٹوں کا مقابلہ کیا ہے، دوسری طرف اردو صحافت میں کمپیوٹر کے عمل دخل نے اسے نئی جہتوں سے ہمکنار کیا ہے، کتاب کے ایک صفحے کی ترتیب سے لے کر اخبار کے پہلے صفحہ سے لے کر آخری صفحہ تک، سارا اخبار کمپیوٹر کے ذریعے تیار ہونے لگا ہے اور اب تو انٹرنیٹ، ای میل اور سوشل میڈیا نے صحافت میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔

ہماری اردو صحافت کی مختلف جہتیں ہیں۔ان میں سیاسی، معاشی، معاشرتی اور کھیل وثقافت سبھی کچھ شامل ہے لیکن ان میں سے ایک اہم اور موثر جہت دینی صحافت کی ہے۔اردو اخبارات کے

ہفتہ وار دینی ایڈیشنز کے علاوہ ملک بھر میں مختلف مکاتب فکر کے افکار و خیالات کے ترویج و اشاعت کے لئے ایک ہزار سے زیادہ ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہانہ پرچے شائع ہورہے ہیں جو ملک کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات و واقعات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اردو صحافت کی اس اہم جہت ''دینی صحافت'' کے متعلق اردو صحافت کے عام قاری کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں اور وہ اس قسم کی صحافت کو مسلکی اور فرقہ ورانہ صحافت سے موسوم کرتا ہے۔ اس ابہام کو دور کرنے کے لئے کہ دینی صحافت کیا ہے؟ اس کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ اس سلسلہ میں ملک کے مختلف صاحب الرائے افراد اور اہل علم شخصیات کی آراء معلوم کرنے کے لئے رابطہ کیا گیا۔

اگر ادبی تاریخ میں اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالنے والے اور پروانہ وار فدا ہونے والے اہل جنوں موجود نہ ہوتے تو آج ادب اس بلند مقام پر کھڑا نظر نہ آتا، نہ کوئی اس کا نام لیوا موجود ہوتا ادبی رسائل کی پہچان تک مخدوش ہوتی، مختلف بیش بہا ادبی رسائل سے ملک کی آراستہ لائبریریاں جو نئی نسل کو فکر و آگہی کا درس دے رہی ہیں ان میں رونقیں نہ ہوتیں۔

قیام پاکستان کے بعد سینکڑوں رسالے ادبی افق پر طلوع ہوئے اور ان سب رسائل نے ادب کے صحت مند رجحانات پیدا کرنے کی کوششیں کیں اور ادب پر اپنے اپنے اثرات ثبت کئے، انہی میں ایک ممتاز مقام ہمارے گاؤں اکوڑہ خٹک کی انٹرنیشنل دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ ''الحق'' کا بھی بڑا حصہ ہے، نہ صرف پاکستان بلکہ برصغیر کے ادبی رسائل میں اس کو عالمی شہرت حاصل ہے، دینی مذہبی حوالے سے یہ ایک معتبر حوالہ ہے۔

ملک بھر اور خصوصاً خیبر پختونخوا کے معاصر مذہبی، علمی اور ادبی رسائل کی ایک خاص تعداد کے مطالعے سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ماہنامہ ''الحق'' نے اپنی باقاعدہ اشاعت سے اردو ادب کے خصوصی مزاج کی ترقی و ترویج کا بھرم رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج کے سائنسی اور برق رفتار دور میں جہاں اور بہت سے فنون لطیفہ ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ اور اخبارات کے سہارے ترقی پار ہے ہیں وہاں ادب بھی انہی ذرائع ابلاغ کا شاید محتاج ہو کر رہ گیا ہے مگر اس کے باوجود جو ادبی اور مذہبی جریدے باقاعدگی سے شائع ہورہے ہیں ان میں ماہنامہ ''الحق'' اپنے منفرد معیار اور مزاج کے حوالے سے خصوصی اور نمایاں مقام کا حامل ہے۔ ماہنامہ ''الحق'' ایک علمی، مذہبی، تحقیقی اور ادبی جریدہ ہے جسے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی سرپرستی میں اکتوبر ۱۹۶۶ء میں شروع کیا گیا اور آج نصف صدی سے زائد ہونے کو ہے اور ماہنامہ ''الحق'' صحافت کے

میدان میں اپنی بے پناہ کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ چکا ہے اور اس کا سہرا شہید ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حصے میں آتا ہے جنہوں نے اپنی محنت، خلوص اور مسلسل لگن کے ساتھ اسے اس مقام تک پہنچایا ہے۔

آج کی علمی محفل میں چمنستانِ حقانیہ کی تصنیفی، تالیفی، علمی وقلمی اور اشاعتی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ ماہنامہ ''الحق'' ایک وقیع اور انفرادی مزاج کا حامل ادبی جریدہ ہے، یہ انسانی کردار وعمل اور اس کے علمی، ادبی اور فکری نظریات کا حامل پرچہ ہے، جس نے فکری ونظری مقالات ومضامین کے علاوہ اقبالیات، سفرنامہ، سوانح اور نظم ونثر کی کئی دوسری اصناف پر طبع آزمائی کی، ماہنامہ ''الحق'' نے اسلامی ادب اور اقبالیات پر لکھنے والوں کی ایک جماعت پیدا کی۔ اس نے اسلامی ادب اور اقبالیات کا دامن اپنی تحقیق کے نادر نمونوں سے بھر دیا۔ اس پرچے نے جس طرح اسلامی ادب کی شناخت کو معیار مہیا کرنے میں جس قدر کوششیں کیں وہ نظریاتی ادب کے حوالے سے اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ماہنامہ ''الحق'' کی مجموعی خدمات کا مختصر ترین احاطہ کیا جائے تو اس نے جہاں نظریہ اسلام کی عمیق محبت اجاگر کی وہاں ادب کو بھی فروغ دیا، اس نے اسلامی ادب کی مباحث کے ذریعے وطن عزیز کی نظریاتی سرحدوں کا ڈٹ کر باوجود نامساعد حالات کے مقابلہ کیا او رممکنہ حد تک تحفظ کیا۔ بہت بڑے شاعر، مورخ اور محقق گزرے ہیں، ہمارے اکابر بڑے اعلیٰ درجے کا ادبی ذوق رکھتے تھے ماہنامہ ''الحق'' نے ایمانیات کی حد تک اصناف ادب میں سے حمد ونعت کو اعلی اور ارفع درجہ دیا، ماہنامہ ''الحق'' کی تمام اشاعتوں کا مطالعہ کرنے سے خواہ ان کا تعلق ابتدائی ادوار سے ہو یا موجودہ دور سے قاری بغیر کسی تذبذب کے یہ کہہ سکتا ہے کہ جس طرح مسلمان کی تمام زندگی میں تعلیم وتربیت اسلام کے بنیادی مآخذ قرآن اور سنت رسول یعنی حدیث پاک ہے بالکل اسی کے مصداق ماہنامہ ''الحق'' نے اپنی مذہبی اور ادبی اڑان کے دو بنیادی مآخذ بھی حمد ونعت اختیار کیے ہیں جو ایک نظریاتی انسان کی تربیت کے لیے ضروری قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

پاکستان (جسے ایک مخصوص مقصد کیلئے حاصل کیا گیا ہے) کو ایسے شہریوں کی ہمہ وقت ضرورت تھی اور شاید اب بھی ہے جو اس کی آفاقی سوچ اور فکر کو نہ صرف خود سمجھ سکیں بلکہ تعلیم وتعلم کی بنیاد پر ہر شہری کو مثالی انسان بنانے میں ممد ومعاون ثابت ہوسکیں۔ اس احساس کو ماہنامہ ''الحق'' کے سرپرست اعلیٰ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے دردمند دل نے پوری شدت کے ساتھ

محسوس کیا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ''الحق'' کے اجراء کو ضروری بلکہ ناگزیر تصور کیا۔ شیخ الحدیثؒ اس مجلّے کے ذریعے وہ کام لینا چاہتے تھے کہ یہ مجلّہ ''تعلیمات اسلامی'' سے مزین اور بھرپور رہنما کردار معاشرے کو مہیا کرے۔

''الحق'' نے ابتدا ہی سے تعمیری اور نظریاتی انداز اپناتے ہوئے حمد و نعت سے مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا۔ تازہ مسائل سے عوام اور حکومت کو باخبر رکھا۔ تازہ ترین صورتحال سے اپنے قارئین کو آگاہ رکھا۔ علمی، روحانی، سیاسی اور ادبی شخصیات کے تذکرے شائع کئے، اسی طرح ملک کے شہریوں کی مذہبی، علمی، روحانی، سیاسی اور ادبی تربیت پروان چڑھانے اور مثبت رجحانات پیدا کرنے میں ایک بھرپور کردار ادا کیا۔

''الحق'' نے قومی اور بین الاقوامی شخصیات کی تصنیفات کا تذکرہ بھی شائع کیا۔ اس کے علاوہ ''الحق'' نے زندگی کے ہر قول و فعل کو مقصدیت کے تابع رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور عملاً اس کے لیے قلمی جہاد بھی کیا۔ ماہنامہ ''الحق'' کا ایک اور کارنامہ اقبالیات سے عوام کو روشناس کرانا ہے۔ فروغ فکر اقبال کے سلسلے میں بھی ماہنامہ ''الحق'' کی خدمات قابل تحسین ہیں اور ''الحق'' نے اپنے فکری سفر میں اس کو فکر اقبال ہی سے سجایا ہے۔

تنقید کا لفظ عربی کا ہے اور اردو ادب میں بھی عرصہ سے مستعمل ہے اس کے معنی اپنے اندر بہت وسعت رکھتے ہیں، نقاد وہ فرد ہے جس سے عمل تنقید انجام پاتا ہے۔ نقاد کے فرائض و ذمہ داری میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ کسی بھی ادب پارے کے محاسن و معائب کا تجزیہ کر کے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ رائے قائم کرے اور رائے کا معقول، موزوں اور مناسب طور پر اظہار بھی کرے، ماہنامہ ''الحق'' نے اپنی اشاعتوں میں تنقید کے ہلکے پھلکے انداز کو رواج دیا ہے۔ تنقیدی مقالات بھی لکھے جا چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ''بحث و نظر اور مطالعہ و تبصرہ'' کے عنوانات کے تحت فن تنقید کا فروغ وارتقاء رسائل و جرائد کی بساط تک جاری و ساری ہے۔ شخصیات کے حوالہ سے بہت سی تحریروں پر تجزیات کیے جاتے ہیں جو ایک حد تک مقاصد تنقید کو پورا کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ماہنامہ ''الحق'' کی تحریروں میں بہت روانی ہے، زبان و بیان سادہ اور سلیس ہے، تنقید کو اس خوب صورت اور عام فہم انداز میں استعمال کیا جو بالکل فطری محسوس ہوتی ہے۔ ماہنامہ ''الحق'' نے ایک طرف ہمہ جہت موضوعات کو قاری کی دسترس تک پہنچایا ہے تو دوسری طرف تنقید جیسے بنیادی نوعیت کے اعتباری و فکری موضوع پر بھی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

''الحق'' کی اشاعتوں میں مقالات تنقید کے علاوہ ایک اورعنوان'' تبصرہ'' کے تحت کتابوں پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔''الحق'' نے اس کی اہمیت وافادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی اشاعتوں میں ایک گوشہ مخصوص کر رکھا ہے جو ہر شمارہ کو پرکشش بنانے میں ممدو معاون ثابت ہوتا ہے۔''الحق'' کی اشاعتوں میں تبصرہ کا گوشہ کافی اہمیت کا حامل ہے اس باب میں شعری کاوشوں' نثر پاروں اور تنقیدی کتب سب پر مقتدر اہل علم وفن کے تبصرے اور تعارف موجود ہیں۔ماہنامہ''الحق'' نے سیرت پاک پر لکھی گئی کتب کی ہر حالت میں نہ صرف پذیرائی کی بلکہ محبت اور عقیدت واحترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے موزوں ومناسب توقیر دینے کا بھی اہتمام کیا ہے۔

خاکہ نگاری کے حوالے سے بھی ماہنامہ''الحق'' کی خدمات قابل تحسین ہیں۔''الحق'' کی تحریروں سے فن خاکہ نگاری کی رموز سے بخوبی اور مکمل آشنائی کا سامان میسر آتا ہے۔

شاعری کے حوالے سے ماہنامہ''الحق'' کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔حمد ،نعت، مرثیہ، قصیدہ، آزادنظم اور غزل گوئی جیسی اصناف پر اپنا پورا زورقلم صرف کیا گیا ہے۔مختصر یہ کہ ماہنامہ''الحق'' نے اردو ادب کی ترویج میں ایک بے مثال کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ماہنامہ''الحق'' کی شاعری میں اگرچہ موضوعات کے تنوع،سنہرے مستقبل کی نوید، زندگی کے حقائق کی تلخیاں اور صداقتیں اور فطرت کا حسن نظرآتا ہےلیکن ساتھ ساتھ انسانیت کا دُکھ، بہتر دنوں کی نوید، جدوجہد اور محبت کی وارفتگی بھی اس کے ہاں موجود ہے۔

اس کی شاعری کو نیچرل شاعری کہا جاسکتا ہے جو اپنی زبان و بیان اور جذبات وخیالات کے اعتبار سے اپنے اندر ایک مانوسیت رکھتی ہے،'' الحق'' کی شاعری میں جن الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے وہ عام بول چال کے قریب ہیں اور جن خیالات و جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اس کی تصدیق بھی عام بول چال میں ممکن ہے۔

ماہنامہ''الحق'' میں اُردو شاعری کی ایک آوازابراہیم فانی کی صورت میں اُبھری اور اپنے لہجے کی سچائی سے اس نے پڑھنے والوں کو متاثر کیا، یوں اردو ادب کی ترویج میں ماہنامہ ''الحق'' کی خدمات کے حوالے سے مولانا کی شخصیت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا اور بلا شبہ یہ اردو ادب کی ترقی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت مولاناؒ کا سفر آخرت

۲۰۱۸ء سال اپنی تلخیوں ،حوادث اور المناک واقعات سے اسلامی تاریخ میں ہمیشہ عام الحزن (یعنی غم کا سال) کے طور پر یاد رکھا جائے گا ،اس سال امت مسلمہ کو کیسے کیسے عظیم صدمات اٹھانے پڑے اور کن کن قیامتوں سے اسے دوچار ہونا پڑا اور کئی نامور علمی و ادبی شخصیات سے بھی ہمیں محروم ہونا پڑا۔انہی شخصیات میں سے ایک لاجواب شخصیت حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تھی جن کا نقصان صدیوں تک محسوس ہوتا رہے گا۔ مولانا مرحومؒ نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور شاندار خدمات سے دنیا پر یہ ثابت کردیا تھا کہ علم وزہد، شریعت وطریقت اور مدرسہ وخانقاہ کے علمبردار اپنے شاگردوں سے مدرسوں کے علاوہ حکومتیں بھی چلا سکتے ہیں اور درس و افتاء کیساتھ ساتھ صحافت ، امامت اور فلاحی ادارے بھی دنیا والوں سے زیادہ کامیابی اور ہنرمندی سے چلا سکتے ہیں۔حضرت مرحومؒ ایک ہمہ جہت اور فضائل وکمالات سے پُرشخصیت کے مالک تھے، آپ نے صرف علم وتحقیق ہی کے میدان میں کامیابی کے جھنڈے نہیں گاڑے بلکہ زندگی کے دیگر تمام اہم شعبوں میں ایسے اَن مٹ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک ثابت ودائم رہیں گے، آپکی پوری زندگی زہد وتقویٰ دین وشریعت کی اتباع و بالا دستی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی میں گزری اوراس کے علاوہ ایک عالَم کی آپ نے شرعی،فکری، دعوتی اور اصلاحی رہنمائی بھی فرمائی۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی معاشرتی اور بیرونی زندگی کے علاوہ آپؒ کی گھریلو زندگی کا مشاہدہ کریں تو ایسا محسوس ہوگا کہ گھر میں آپؒ اطاعت وشفقت ، مہروو فا اور محبت ومودت کا نمونہ ہیں۔آپ کو بحیثیت باپ دیکھا جائے تو آپؒ اولاد کے ساتھ انتہائی شفیق اور مہربان اور اگر شوہر کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپؒ اپنی رفیقہ حیات کے لئے وفا ومحبت کا نمونہ دوست کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپؒ اپنے دوستوں کے لئے انس ومودّت کا پیکر نظر آئیں گے۔

الغرض ان کی خدمات کی فہرست بہت طویل ہے ، وہ ایک عظیم انسان اور ایک عظیم محقق تھے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں عمدہ ترین جگہ عطا فرمائے اوران کی کوششوں کو قبول فرمائے (آمین)

مولانا محمد شفیع چترالی
مدیر ادارتی صفحہ روزنامہ ''اسلام''

مولانا سمیع الحق کا کارنامہ

برادرم مولانا محمد شفیع چترالی صاحب نوجوان عالم دین اور بلند پایہ صحافی ہیں، روزنامہ ''اسلام'' کے عرصہ دراز سے ادارتی کالم کے مدیر شہیر ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے، قابلیت کی بناء پر حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے خصوصی منظور نظر رہے، جب بھی پشاور کی طرف آنا ہوتا تو اکوڑہ خٹک بھی ضرور تشریف لاتے اور حضرت شہیدؒ سے ملاقات ضرور کرتے، زیر نظر مضمون مولانا شہیدؒ کے حینِ حیات میں لکھی گئی یہ تحریر ''الحق'' میں بھی شائع ہوئی، اس لئے اس تحریر میں صیغے سارے ان کی حیات کے استعمال ہوئے ہیں۔ قارئین دورانِ مطالعہ اس کو ملحوظ رکھیں، (مدیر)

مخدوم محترم حضرت مولانا سمیع الحق کی شخصیت کا کوئی ایک حوالہ نہیں ہے، وہ ایک جید عالم دین، ایک مثالی مدرس، ہر دل عزیز مہتمم اور ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی و مذہبی رہنما، پارلیمنٹیرین اور بزرگ سیاستدان ہیں۔ ان میں سے ہر جہت پر ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے بلکہ پی ایچ ڈی کا تفصیلی مقالہ لکھا جاسکتا ہے مگر راقم کی نظر میں مولانا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اتنی ساری حیثیتوں اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود مولانا نے قلم وقرطاس کے ساتھ اپنا رشتہ کمزور نہیں ہونے دیا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن حضرات کی سیاسی وتحریکی مصروفیات زیادہ ہوتی ہیں، یا جن کے پاس اداروں کی انتظامی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، وہ لکھنا پڑھنا تو درکنار بہت دفعہ تدریس کا سلسلہ جاری رکھنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے اور عمر بھر انتظامی بکھیڑوں کو اپنی علمی مصروفیات میں خلل کا باعث گردان کر کوستے رہتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق اس سلسلے میں ایک استثنائی مثال ہیں۔ بھرپور سیاسی وتحریکی زندگی گزارنے اور اس پر مستزاد جامعہ حقانیہ جیسے عظیم دینی ادارے کے اہتمام کی مشکل ذمہ داریاں نبھانے کے باوجود مولانا اب تک کئی شاہکار تصنیفات کے ذریعے علمی دنیا میں دھوم مچانے میں بھی کامیاب رہے ہیں۔ ان کی علمی وتصنیفی خدمات کا دائرہ بیسیوں کتابوں اور ہزاروں مضامین پر محیط ہے۔ ہوش سنبھالنے کے ساتھ اپنے یومیہ مشاہدات کی ڈائری لکھنے سے لے کر بستر علالت پر تفسیری افادات پر نظر ثانی کرنے تک ان کی زندگی کا بیشتر حصہ کسی نہ کسی علمی وتصنیفی مہم جوئی میں صرف ہوا

ہے۔ پچھلے دنوں مولانا کی خدمت میں حاضری ہوئی تو وہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تفسیری افادات کو مرتب کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے اور اس کام کا بیشتر حصہ مکمل فرما چکے تھے۔ امید ہے کہ حضرت کا یہ وقیع کام بھی جلد سامنے آئے گا اور حضرت کے لیے ایک اور صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔

آج کی نشست میں مولانا سمیع الحق کے جس کارنامے کو بیان کرنا تھا وہ ان کی شہرۂ آفاق علمی کاوش ''مشاہیر بنام مولانا سمیع الحق'' ہے جو مولانا کی قومی وملی خدمات میں ایک شاندار اضافہ ہے۔ مولانا نے از راہ عنایت وشفقت ۷ جلدوں پر شائع شدہ کتاب کا سیٹ راقم کے نام ارسال فرمایا اور بندہ کئی روز تک اس کے اوراق میں گم رہا۔ مولانا نے اپنے والد گرامی ولیٔ کامل حضرت شیخ عبدالحق صاحب رحمہ اللہ اور خود اپنے نام لکھے گئے تمام اہم مکتوبات اور خطوط کو جمع کرکے عمدہ ترتیب اور سلیقے کے ساتھ شائع کرکے عالم اسلام اور برصغیر کی پون صدی کی تاریخ کو ایک نئے انداز سے محفوظ کرلیا ہے جس پر وہ بجا طور پر علمی حلقوں کے شکریے اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ہمارے چودہ سو سال کے علمی ورثے میں بزرگوں اور اہل علم کے مکتوبات اور مخطوطات کے مجموعوں کا بھی ایک بڑا حصہ ہے اور ہر دور میں علمی مکاتیب کو جمع اور شائع کرنے کا ذوق اور رواج رہا ہے لیکن موجودہ ڈیجیٹل دور میں فاصلوں کے سمٹ جانے اور اظہار وابلاغ کے قرینے بدلنے سے یہ ذوق اور رجحان ناپید ہوتا جارہا ہے جس کو زندہ کرکے مولانا سمیع الحق نے ایک اہم علمی روایت کا احیاء کیا ہے۔ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے بقول عربی، اردو اور انگریزی کے دستیاب لٹریچر میں مکاتیب کا اتنا بڑا اور جامع مجموعہ ان کی نظر سے نہیں گزرا۔

ان مکاتیب میں جہاں عالم اسلام اور بالخصوص برصغیر کی پون صدی کی سیاست، معروضی حالات، علمی مباحث، ادبی وصحافتی رجحانات، سماجی وتہذیبی اقدار کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں وہاں بالخصوص علماء کی دینی وسیاسی جدوجہد کی تابناک تاریخ کے بہت سے دریچے بھی وا ہوتے ہیں۔ ایک جانب مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا اعزاز علیؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا عزیر گل اسیر مالٹاؒ، مولانا سید ابوذر بخاریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا جلال الدین حقانیؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کے مولانا عبدالحق صاحبؒ کے نام لکھے گئے مکتوبات اس مجموعے کے ماتھے کا جھومر ہیں تو دوسری جانب عالم اسلام کی دیگر کئی ممتاز شخصیات، سربراہان مملکت اور سیاسی رہنماؤں کے خطوط بھی مولانا مرحوم اور مولانا سمیع الحق کی جامع شخصیات کی عکاسی کرتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق کے نام شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے خطوط بھی خاصے کی چیز ہیں جن میں ان دونوں بزرگوں کے عہد شباب کی قلمی تابانیوں اور باہمی الفت ومودت کے ادیبانہ اظہاریوں

سے حظ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مولانا سمیع الحق کے نام مولانا فضل الرحمٰن کے مکاتیب بھی یقینی طور پر دونوں حضرات کے چاہنے والوں کے لیے متاع گراں مایہ کا درجہ رکھتے ہیں جن میں سیاسی مزاج اور افتادِ طبع کے اختلاف کے باوجود باہمی احترام کے جذبات بھی وافر مقدار میں محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے اس مجموعے کی جمع وترتیب میں جامعیت کا لحاظ رکھا ہے وہاں مکاتیب نگاروں کے تعارف اور بعض مکاتیب کے پس منظر پر مبنی بہت ہی دلچسپ حواشی بھی لکھے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں مولانا سمیع الحق کا یہ تعارف نامہ شاید قارئین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا: ''حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم کے ہونہار فرزند تقریباً نو برس تک تحصیل علم کے لیے حقانیہ میں قیام رہا اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت کے ساتھ بلاغت وفصاحت سے اظہار مافی الضمیر اور اپنے موقف کی تائید وترجمانی اور زمانہ شناسی کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نواز اہے۔ سیاسی میدانوں میں ان کی ''فتوحات'' پیش قدمیاں اور پس پائیاں ہمیشہ زیر بحث رہیں مگر ہمیں ہر حال میں ''حقانی'' ہونے کی وجہ سے عزیز ہیں اور حقانی برادری کے ایک فرد فرید ہونے کے ناطے ہمیشہ اپنے ہی لگتے ہیں۔ مروجہ جمہوری اور سیاسی شاطرانہ ستم ظریفیوں کی وجہ سے جمعیۃ کے راستے دو ہوگئے اور اکابر جمعیۃ اور مشائخ امت کے پرزور اصرار اور ان کے حکم کی تعمیل میں ناتواں کندھوں پر بوجھ اٹھانا پڑا مگر حقانی دور کے قرب وانس میں کمی محسوس نہ ہوئی''

مولانا سمیع الحق کا تعارف عوامی حلقوں میں تو محض ایک دینی سیاسی رہنما کی حیثیت سے زیادہ معروف ومشتہر ہے اور یقیناً مولانا نے ایک بھرپور سیاسی زندگی گزاری ہے جس کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا گوشوارہ بنانا یہاں مقصود نہیں ہے تاہم مولانا کی علمی وصحافتی زندگی ہم جیسے طالب علموں کے لئے زیادہ دلچسپی اور معنویت رکھتی ہے۔ جس دور میں پاکستان کی دینی صحافت ماہنامہ اور ہفت روزہ جرائد کے مرہون منت تھی، اس دور میں بینات، البلاغ، الحق اور ترجمان اسلام جیسے جرائد ہی اسلامی صحافت کے نقیب تھے، اس دور میں مولانا سمیع الحق کے قلم کی جولانیاں آج بھی بہت سے لوگوں کو یاد ہیں، میں دو سال قبل مولانا کی خدمت میں جامعہ حقانیہ حاضر ہوا تھا تو مولانا سے درخواست کی تھی کہ آج بھی اگر کبھی کبھار اشہب قلم کو مہمیز دیں اور عہد شباب کو آواز دیں تو بہت سے چاہنے والوں کی تسکین ذوق کا اجر مل سکتا ہے مگر شاید مولانا کی مصروفیات اس کی اجازت نہیں دیتیں۔ ہمارے لیے یہ امر بھی باعث مسرت ہے کہ مولانا روزنامہ اسلام کیساتھ بے پناہ محبت رکھتے ہیں اور ہم جیسے نوآموز لوگوں کی شکستہ تحریروں کو پسندیدگی کا شرف بخش کر ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں۔

مرتب: مولانا زین العابدین، کراچی

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تصانیف

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور مولانا سعید احمد جلالپوری شہیدؒ کی نظریں

مولانا سمیع الحق شہیدؒ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ہمارے نہایت عزیز فاضل دوست جنہیں اللہ نے عجیب صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ امت کو علمی فکری اور تہذیبی میدانوں میں درپیش چیلنجوں کا ادراک اور دل دردمند کی بے چینی پنجاب کے دور افتادہ گاؤں میں الگ سارے فتنوں سے دور رہتے۔ ''الحق'' سے متعارف ہوئے تو اس کے مضامین اور میرے ادارتی احساسات کو دل کی آواز سمجھا اور پھر ان کے سیال قلم نے فتنہ استشراق تجدّد اور ڈاکٹر فضل الرحمان کے تحریفی نظریات کا سنجیدہ زبان میں تعاقب کیا اور منکرین حدیث وغیرہ کے تحریفی نظریات کے بخیئے ادھیڑے۔ ''الحق'' میں ان کے مضامین سے علمی دنیا چونک اٹھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ خاص طور سے اس گوہر مستور ونایاب کو پہچان گئے اور ''بینات'' کیلئے مجبور کیا اور وہ کراچی ہی کے ہو کر رہ گئے اور وہیں جام شہادت نوش کر بیٹھے جو اِن کی تمنا تھی۔ میرے اور ان کے جذبات اور احساسات میں ہم آہنگی نے ہمیں ایک دوسرے سے تحریری اور علمی کاموں میں بہت قریب کر دیا۔'' مولانا زین العابدین صاحب جو خود ایک باذوق اور باصلاحیت نوجوان عالم دین ہیں، نے مولانا شہیدؒ کی تصنیفات وتالیفات پر حضرت لدھیانویؒ کے موقر تبصرے ''بینات'' کے شماروں سے اکٹھا کر کے اس خصوصی اشاعت کیلئے ارسال فرمائے۔ واجرہ علی اللّٰہ (ادارہ)

حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی (جلد اوّل)

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے بانی وصدر مہتمم حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی اس دور میں اکابر سلف کا نمونہ ہیں۔ قریباً چالیس سال سے دارالعلوم حقانیہ میں صحیح بخاری وترمذی کا درس انہی کے یہاں ہوتا ہے اور ان کے درسی افادات کو ان کے لائق اور ہونہار شاگرد ہر سال قلم بند کرتے ہیں، ان کے صاحب زادۂ گرامی قدر جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے دو سال دورۂ حدیث میں شرکت کی اور دونوں سال جامع ترمذی کی درسی تقریر قلم بند کی اور پھر مزید اہتمام یہ کیا کہ

دو سال (۱۳۹۵ھ-۱۳۹۶ھ) کی تقریریں ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کرلیں۔ان تقریروں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے ان کی تحقیق وتعلیق اور ترتیب وتہذیب کا فریضہ مولانا عبدالقیوم حقانی (فاضل ومدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ) کے سپرد کیا گیا، چنانچہ موصوف نے جناب مولانا سمیع الحق صاحب کی نگرانی ورہنمائی میں یہ کام شروع کیا، ٹیپ ریکارڈ سے تقریر نقل کی گئی اور مولانا سمیع الحق صاحب اور صاحبزادہ مولانا انوارالحق کی ضبط کردہ تقریروں سے اس میں اِضافے کیے گئے، عبارت کی نوک پلک دُرست کی گئی، ترتیب کی دروبست کی گئی، حوالوں کی مراجعت کر کے حواشی میں ان کا اضافہ کیا گیا، بعض دیگر فوائدِ ضروریہ بھی بڑھائے گئے، ان تمام مراحل کے بعد یہ مسودہ صاحبِ امالی حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی سماعت سے گزرا اور آپ نے ضروری اصلاحات فرمائیں پھر مولانا سمیع الحق صاحب کی نظر سے گزرنے کے بعد مسودہ کاتب کے حوالے کیا گیا۔اس طرح یہ مفید شرح وجود میں آئی چونکہ ترمذی شریف کا پورا متن بھی کتاب میں شامل ہے، اِس لیے اسکی حیثیت اِملائی تقریر کے بجائے ایک مبسوط مفصل شرح کی ہے، جس میں کتاب کے ہمہ جہتی فنی مباحث پر بحث، فقہی حیثیت اور ان کے دلائل، مذہبِ حنفی کی وجوہِ ترجیح، متعارض دلائل میں تطبیق وتوفیق کے علاوہ بہت سے ضمنی فوائد، اخلاقی نکات اور اصلاحی وتربیتی اشارات بھی آتے گئے ہیں۔(ماہنامہ ''بینات'' کراچی، محرم ۱۴۰۵ھ)

مقامِ صحابہؓ اور مسئلہ خلافت وشہادت

اس کتاب میں شہادتِ حسینؓ، مسئلۂ خلافتِ شیخینؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے باہمی تعلق اور دیگر اہم مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، رمضان وشوال ۱۴۰۱ھ)

عبادات وعبدیت

حضرت مولانا عبدالحق مدفیضہم کے خطباتِ جمعۃ المبارک (صاحبزادہ مولانا سمیع الحق کی ترتیب کیساتھ) ماہنامہ ''الحق'' میں شائع ہوتے رہے ہیں، زیرِ نظر مجموعہ اس سلسلہ کے گیارہ خطبات پر مشتمل ہے، جسمیں اخلاق وعبادات کے اہم شعبوں پر گفتگو کی گئی ہے۔(ماہنامہ ''بینات'' رمضان وشوال ۱۳۹۴ھ)

دعواتِ حق (جلد اوّل)

حضرت مولانا عبدالحق مدظلہٗ کے مواعظ کا ایک مجموعہ کچھ عرصہ قبل ''دعواتِ عبدیت حق'' کے نام سے شائع ہوا تھا، زیرِ نظر کتاب اس کی جامع ترین شکل ہے، جس میں حضرت کے کوئی ساٹھ مواعظ وخطابات بارہ ابواب کے ذیل میں مرتب کیے گئے ہیں۔عبادات، اخلاق، معاشرت، معیشت

اور سیاست وغیرہ زندگی کے قریباً سبھی گوشے زیرِ بحث آئے ہیں اور ان پر عالمانہ، عارفانہ اور محققانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، حق تعالیٰ نے حضرت مولانا کا حلقۂ اِفاضہ واِفادہ بڑا وسیع بنایا ہے، ہزاروں بندگانِ خدا ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔ مقامِ شکر ہے کہ ان اِفادات کی اِشاعت سے حاضرین کے ساتھ غائبین بھی مستفید ہوں گے۔ (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، رمضان وشوال ۱۳۹۶ھ)

دعواتِ حق (جلد دوم)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدفیضہم ان علمائے ربانیین میں سے ہیں جن کا ایک ایک لمحہ دِین کی خدمت ودعوت الی اللہ میں صَرف ہو رہا ہے اور جن کا وجودِ سامی اُمت کے لیے موجبِ برکت ہے۔ آپ کے مواعظ کا ایک مجموعہ ''دعواتِ عبدیت حق'' کے نام سے ۱۳۹۶ھ میں شائع ہوا تھا۔ یہ آپ کے اِرشادات کا دُوسرا مجموعہ ہے جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، سیاسیات، تعلیم وغیرہ مختلف موضوعات پر حضرت کے ۵۶ خطبات ومواعظ ہیں۔ اندازِ بیان بہت سادہ وسلیس، عام فہم اور مصلحانہ ومربیانہ ہے۔ عام مسلمانوں کے علاوہ حضرات خطباء و واعظین اس سے بہت کچھ اِستفادہ کر سکتے ہیں۔ (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ)

کاروانِ آخرت

برادرم جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ (مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک) حلقۂ اہلِ علم میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دُوسری گوناگوں صفات سے نوازا ہے، وہاں وہ تحریر وانشاء کا ایک ستھرا اور لطیف ذوق بھی رکھتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب بھی انہی کے رَشحاتِ قلم اور تحریری تأثرات کا مجموعہ ہے، جس کا تعارف کراتے ہوئے مؤلف ''پیش لفظ'' میں لکھتے ہیں ''کاروانِ آخرت، احقر کے ان مضامین اور تحریری تأثرات کا مجموعہ ہے جو مشاہیر علماء، سیاسی زعماء، ادباء، شعراء، اساتذہ و مشائخ، معاصر قومی رہنماؤں، عالمی سیاستدانوں، نام ور سیاسی، قومی اور ملّی شخصیات کی وفات پر ماہنامہ ''الحق'' کے اِدارتی صفحات کے لیے قلم بند کیے گئے۔''

اس کا تو مؤلف کو بھی اعتراف ہے کہ یہ مضامین دُنیا سے جانے والی شخصیات کے سوانح یا اُن کے مفصل تذکرہ کے طور پر نہیں لکھے گئے بلکہ عجلت وروارَوی میں کسی حادثہ پر ذاتی یادداشتوں، مشاہدات، قلبی احساسات اور تأثرات سے جو مضمون اُبھرتا، اسے بھی سمیٹ سمیٹ کر حسبِ گنجائش

صفحہ ڈیڑھ صفحہ میں اس دُنیا سے جانے والوں کے حق میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس سب کے باوجود کتاب کی اہمیت و اِفادیت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا، یقیناً یہ اپنے موضوع پر ایک اہم علمی اِضافہ ہے۔

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب نے ان مضامین کو جو ''الحق'' کی بیس سالہ فائلوں میں متفرق اوراق میں بکھرے ہوئے تھے، یکجا کر کے ایک قابلِ قدر خدمت سرانجام دی ہے۔ جس سے جہاں سوانح و شخصیات کے موضوع پر کام کرنے والے حضرات کو سہولت و آسانی ہوگی، وہاں ایک عمومی فائدہ یہ ہوگا کہ گزشتہ بیس سال میں اس دُنیا سے کوچ کرنے والے مسافرانِ آخرت کے سنینِ وفات کی تفتیش وتلاش میں بہت ہی مدد ملے گی۔ کتاب اس اعتبار سے ہر طبقہ کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، رمضان ۱۴۰۹ھ)

اِسلام اور عصر حاضر

ملک کے مؤقر دِینی مجلّہ ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک کے مدیر مولانا سمیع الحق کا نامِ نامی علمی، صحافتی اور دِینی حلقوں کے لیے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ موصوف نے گزشتہ دس سال میں جن مذہبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، اور علمی مسائل اور نکات پر ''الحق'' کے اِداریوں میں اظہارِ خیال کیا ہے، زیرِ نظر کتاب میں اُن تمام نگارشات کو سترہ ابوب پر مرتب کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب جو قریباً ساڑھے چھ سو عنوانات پر مشتمل ہے، نہ صرف عصرِ جدید کے جدید مسائل کے بارہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالتی ہے، بلکہ ملکِ عزیز کے دہ سالہ سیاسی و معاشی اور مذہبی و ملّی مدو جزر کا مرقع بھی پیش کرتی ہے۔ اِن دس سالوں میں کن کن فتنوں نے کس کس رُخ سے سر اُٹھایا؟ یہاں کے ''شاہانِ کجلاہ'' اپنے جاہ وتمکنت کے کیسے کیسے مظاہرے دِکھاتے رہے؟ پھر اِن کی بساط اِقتدار کس کس طرح اُلٹی؟ اہلِ حق کو آزمائش و ابتلا کی کن کن بھٹیوں میں ڈالا گیا؟ یہ اور اِس قسم کے اور بہت سے سوالات کا جواب آپ ''اِسلام اور عصرِ حاضر'' کے بین السطور سے دریافت کر سکتے ہیں۔ اِس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت اِسلامی حمیت و غیرت کا درس ہے جو کتاب کی اصل رُوح ہے۔ (ماہنامہ ''بینات'' ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ)

اِقتدار کے ایوانوں میں شریعت بل کا معرکہ

ہندوستان کی تاریخ ہی قربانیوں سے عبارت ہے اور قافلۂ علمائے حق نے اِسلام کی سربلندی اور ترویج و نفاذِ اِسلام کیلئے ہمیشہ سے کوششیں کی ہیں، اور اس کیلئے اکابر علمائے دیوبند نے ہر طرح کی

اذیتوں، قید و بند کی صعوبتوں اور تکالیف و مشکلات کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔اسی طرح پاکستان میں بھی یوں تو روزِ اوّل سے نفاذِ اِسلام کیلئے کوششیں ہوتی رہی ہیں لیکن جب سے علمائے حق پاکستان کے ایوانِ بالا سینیٹ اور قومی اسمبلی میں تشریف لے گئے تو یہ عمل تیز تر ہوگیا۔زیرِ نظر کتاب میں اِسی سلسلہ میں مولانا سمیع الحق صاحب کی جدوجہد کی رُوئیداد کی تفصیل ہے، جسے مولانا عبدالقیوم حقانی نے بڑے سلیقے سے مرتب کیا ہے، جس میں مولانا موصوف کی ایوانِ بالا میں تقریریں، بیانات اور پریس کانفرنسوں کا ریکارڈ یکجا کردیا گیا ہے۔ چنانچہ کتاب کا تعارف ٹائٹل پر یوں درج ہے: ''ملک کی تاریخ میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد کا روشن باب، ایوانِ بالا سینیٹ اور قومی سیاست میں نظامِ اِسلام کی جنگ؛ آغاز، رفتارِ کار، صبر آزما مراحل کی لحہ بہ لحہ رُوئیداد اور مستقبل کے لائحۂ عمل کے علاوہ خارجہ پالیسی، عورت کی حکمرانی، جہادِ افغانستان اور اہم قومی وملّی اور بین الاقوامی مسائل پر فکر انگیز گفتگو اور سیر حاصل تبصرے!'' کتاب ہر اِعتبار سے لائقِ تعریف ہے (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ)

قرآنِ حکیم اور تعمیرِ اَخلاق

محبّ محترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب کا مقالہ؛ جو تعلیم القرآن سوسائٹی ڈھاکہ کی کانفرنس (منعقدہ فروری ۱۹۶۸ء) کے لیے لکھا گیا تھا اور جس میں بڑی خوبی کے ساتھ اِسلام کے نظریۂ اخلاق اور اس کے اُصول ومبادی کی تشریح کی گئی ہے۔(ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ)

ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک

حق تعالیٰ شانہٗ کی حکمتِ بالغہ ہر دور میں اس کے مناسب حفاظت دِین کے اَسباب بروئے کار لاتی رہی ہے۔موجودہ دور نے وسائلِ رسل و رسائل اور ذرائع نشر و اِشاعت کی فراوانی کے زیرِ اَثر مخصوص پروپیگنڈائی مزاج حاصل کرلیا ہے۔آج کا اِنسان کسی چیز کے حسن و قبح کو عقل و دیانت اور اخلاق و آداب کے معیاروں پر پرکھنے کی زحمت مول لینا نہیں چاہتا، وہ صرف تشہیر، اِشاعت، چرچا اور پروپیگنڈے کے فیتے سے ہر چیز کے طول وعرض کو ناپنے کا عادی ہو چکا ہے۔اس کی یہی تکنیک اَفکار ونظریات سے گزرتی ہوئی دِین و مذہب کے بارہ میں فیصلے دیتی ہے، اِس لیے حکمتِ اِلٰہیہ کا تقاضا ہے کہ علمائے اُمت تحریر کے میدان میں اُتریں اور خدا داد بصیرت و جرأت سے کام لے کر دورِ حاضر کے فاسد مزاج کا نفسیاتی تجزیہ کریں، حق وباطل کے درمیان نشانِ اِمتیاز قائم کریں، غلط نظریات کی اِصلاح کریں اور یوں اس دور والوں پر بھی اِتمامِ حجت کرڈالیں۔الحمدللہ! کہ اَب یہ

ضرورت عام طور سے محسوس کی جانے لگی ہے اور مدارسِ عربیہ دُوسری عظیم الشان خدمات کے ساتھ اِس طرف بھی خاص توجہ دینے لگے ہیں۔

زیرِ نظر ماہنامہ ''الحق'' بھی اِسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس ماہنامہ کی ترتیب بڑی دِل کش اور مضامین اِیمان افزا ہوتے ہیں۔ اِداریہ میں مسائلِ حاضرہ پر شگفتہ زبان، سنجیدہ اُسلوب اور متین اَندازِ بیان میں شرعی نقطۂ نظر سے بصیرت اَفروز تبصرے، مقالات میں تنوّع، عالمِ اِسلام کے کوائف، عالمی مسائل اور اُن کا صحیح حل اور تازہ مطبوعات پر جان دار تبصرے، اِس مجلّہ کے خصوصی مشمولات ہوتے ہیں، کبھی کبھی ''دعواتِ عبدیت حق'' کے عنوان سے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے مواعظ بھی آتے ہیں۔ یہ عنوان غالباً حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ایک سلسلۂ مواعظ ''دعواتِ عبدیت'' سے لیا گیا ہے اور ''عبدالحق''، ''سمیع الحق''، ''الحق'' اور ''حقانیہ'' کا تناسب باقی رکھنے کے لیے اِس پر ''حق'' کا اِضافہ کرکے ''دعواتِ عبدیت حق'' کا عنوان تجویز کرلیا گیا ہے۔

یہ دور صرف زبان کا نہیں رہا بلکہ اَصل مقام قلم حاصل کرچکا ہے، اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ جلد اَز جلد اِس خلا کو پُر کریں! اِس خدا بیزاری کے دور میں اُمید کی جاتی ہے کہ مؤقر ماہنامہ ''الحق'' دِینی نقوش کو اُجاگر کرنے میں بلند مقام حاصل کریگا واللّٰہ ولی الأمور! (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ)

قادیانیت اور ملتِ اِسلامیہ کا موقف (پہلا ایڈیشن)

دو سو صفحے کی یہ کتاب ''مجلس عمل تحفظ ختمِ نبوّت'' کے نمائندگانِ اسمبلی کی جانب سے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے سامنے مسلمانوں کا موقف پیش کرنے کی غرض سے جدید اَنداز میں مرتب کی گئی ہے۔ جس میں قادیانیت کی مذہبی، سماجی اور سیاسی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا کہ قادیانی کیوں دائرۂ اِسلام سے خارِج ہیں؟ یہ پہلی کتاب تھی جو محدثُ العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے دورِ اِمارت میں شائع ہوئی، اس کی تالیف وطباعت بھی حضرتؒ کی کرامت تھی، دو صد صفحے کی کتاب مگر سننے والوں کو یقین نہیں آئے گا کہ مواد کی فراہمی سے لے کر اس کی تجلید تک تالیف، کتابت اور طباعت وغیرہ کے تمام مراحل چھ دن میں طے ہوئے، راولپنڈی میں حضرتؒ نے علماء کا ایک بورڈ مقرر کردیا تھا، مولانا محمد حیات اور مولانا عبدالرحیم اشعر مواد فراہم کررہے تھے، مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا سمیع الحق اس کی تالیف میں مصروف تھے اور حضرت المخدوم جناب سیّد اَنور حسین نفیس رقم الحسینی اپنے رُفقاء سمیت اس کی کتابت میں مصروف تھے، روزانہ جتنا حصہ لکھا جاتا، وہ علماء کی

مجلس میں سنایا جاتا اور کتابت ہو جاتا، کتاب کی تالیف وکتابت مکمل ہوئی تو طباعت کا مرحلہ درپیش تھا، مشکل یہ تھی کہ پریس پر پابندی عائد تھی اور قادیانیوں کے خلاف کسی چیز کا چھپنا ممنوع تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو بھی آسان فرمادیا، اس طرح یہ کتاب مواد کی فراہمی سے لے کر طباعت وتجلید تک چھ دن میں تیار ہوگئی۔ تمام اراکینِ اسمبلی میں تقسیم کی گئی اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے اسمبلی میں حرفاً حرفاً پڑھ کر سنائی پھر بعد میں حضرت بنوریؒ نے اس کی دوبارہ طباعت کا حکم فرمایا (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، محرم، صفر، ربیع الاوّل ۱۳۹۸ھ)

قادیانیت اور ملتِ اِسلامیہ کا موقف (دوسرا ایڈیشن)

زیرِ نظر کتاب وہ مفصل ومدلل قرارداد ہے جو ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوّتؐ کے دوران قومی اسمبلی میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور اُن کے رُفقاء کی جانب سے ''ملتِ اِسلامیہ کا موقف'' کے نام سے مطبوعہ شکل میں پیش کی گئی تھی اور جس کی روشنی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا۔ اِس کتاب میں قادیانی مسئلہ کو بڑے سلیقہ سے پیش کیا گیا ہے، اور قادیانیت کا مذہبی حدودِ اَربعہ اور اس کے سیاسی عزائم کا بڑی متانت وسنجیدگی اور دقیقہ رسی سے تجزیہ کیا گیا ہے، اس کی اِفادیت کے پیشِ نظر اس کا عربی وانگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ)

مندرج ذیل پانچ کتب کا تعارف مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کے قلم سے ہے۔

زین المحافل شرح الشمائل الترمذی (جلد اوّل)

حضورِ اَکرم صلی اللہ علیہ وَسلم کی بعثت اِنسانیت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم اِحسان اور بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم ہی اِنسانیت کے لیے نمونہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے شمائل وخصائل، اَفعال واَخلاق، معاملات ومعاشرت، عبادَت ورِیاضت، جہاد وقتال سب کچھ دِین ہے اور اُمت کے لیے رَاہِ عمل کی تعیین کا ذَریعہ۔ یہی وَجہ ہے کہ ذَخیرۂ اَحادِیث میں سے اُس حصہ کو جسے آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے شمائل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اِمام ترمذیؒ نے علیحدہ اور اِہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کی صورت وسیرت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اِسی بنا پر اَربابِ علم نے ہر دور میں اسکی مختلف زبانوں میں شروحات لکھی ہیں۔ ہمارے قریب کے اَکابر میں سے حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنیؒ، مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتیؒ اور مولانا عبد القیوم

حقانی صاحب نے اَپنے اَپنے طرز اور اَنداز سے اسکی شرح لکھی ہے۔ پیش نظر کتاب بھی شمائل ترمذی کی اسی سلسلہ کی جدید شرح ہے۔ جس میں مرتب نے مندرجہ ذیل اُمور کا اِلتزام و اِہتمام کیا ہے:

(۱) شرح میں عوامی اَنداز اِختیار کرنے کے بجائے تعلیمی اور تدرِیسی زبان و اِصطلاحات کو ترجیح دِی گئی ہے۔

(۲) لغوی اور فنی تشریحات میں مبتدئین کے بجائے منتہی طلباء کی رِعایت کی گئی ہے۔

(۳) شرح میں بیان کی گئی بعض آیات اور اَحادِیث کی تخرِیج کر دِی گئی ہے۔

(۴) متداول شروح اور اَکابر کی تحقیقات سے مراجعت کے بعد بعض مفید اِضافے کیے گئے ہیں۔

(۵) تقریباً ہر باب کے خاتمہ پر خلاصۂ باب کے عنوان سے خلاصہ تحریر کیا گیا ہے۔

(۶) راوی کے حالات بقدرِ ضرورت تحریر کیے گئے ہیں۔

(۷) اِبتداء میں علم حدیث اور کتاب کے تعارُف پر ایک مفید مقدمہ بھی ہے۔

کتاب اِس قابل ہے کہ ہر طالب علم اور عالم دِین اس کو خریدے اور پڑھے اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی پیدا کرے۔ (بینات، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ/جون ۲۰۰۸ء)

فتاویٰ حقانیہ (۶ جلد)

فتویٰ کے منصب جلیل کی قدر و منزلت کیلئے یہی کافی ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے منصب اِفتاء کو اپنی ذاتِ عالی سے منسوب فرمایا ہے، چنانچہ اِرشادِ ربانی ہے: قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلَالَۃِ (النساء : ۱۷۶) کلالہ کے متعلق اِستفتاء کے جواب میں خود اللہ تعالیٰ فتویٰ صادِر فرماتے ہیں، اِس عظیم تر نسبت سے اِس منصب کی جلالت کے ساتھ ساتھ اِس کی نزاکت بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ کوئی بھی مفتی جب کوئی فتویٰ دیتا ہے تو وہ مستفتی کو دَرپیش مسئلہ میں حکم اِلٰہی بتا رہا ہوتا ہے۔ اَگر خدانخواستہ حقیقت میں معاملہ کے دِیئے ہوئے فتویٰ کے برعکس ہو جائے تو گویا حق تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی طرف نسبت کر دِی گئی جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھی تو مفتی اور مستفتی دونوں کے لیے وَبال کا ذَریعہ ہے (ضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا) اِس کا معنی یہ ہوا کہ فتویٰ کے بارے میں نہایت اِحتیاط کی ضرورَت ہوتی ہے۔ ہر کس و ناکس کو اِس میدان میں اُترنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ اِسی طرح فتویٰ دینے میں شرعی تقاضوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے فتویٰ کی رُوح کو مجروح کرنا بھی سنگین جرم ہے، جو مداہنت

فی الدین کے زُمرے میں آتا ہے۔ اِس منصب کی اِس سنگینی سے خائف ہوکر اَسلاف اہلِ علم کی اَکثریت کسی اَمر میں فتویٰ صادِر کرنے سے کترایا کرتی تھی بلکہ بعض تو فتویٰ دینے سے کلی اِجتناب کیا کرتے تھے اور سلف صالحین میں منصب اِفتاء کی ذِمہ دَارِی اُن اہلِ علم کوسونپی جاتی تھی جن کے علم وعمل اور دِیانت و اَمانت میں سب کا پورِی طرح اِتفاق ہوتا کیونکہ اَسلاف کے ہاں کسی کے منصب اِفتاء پر فائز ہونے کے لیے محض صاحب علم ہونے کو کافی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ماضی قریب میں ہر دور میں اَربابِ علم سے منصب اِفتاء کے لیے چند ہستیاں منتخب ہوا کرتی تھیں اور اُنہی کی علمی رَائے گرامی فتویٰ کا دَرجہ رَکھتی تھی (جس کی ایک طویل فہرست مرتب ہوسکتی ہے)۔

جس کا وَاضح مطلب یہ ہے کہ فتویٰ کے لیے صرف علم، معلومات کے ذَخیرہ یا کتب کے مطالعہ اور مراجعت کو ہی قطعاً معیار نہیں بنایا جاسکتا، وَرنہ دَرجہ بدرجہ علم کا حامل تو تقریباً ہر کوئی ہوتا ہے لہٰذا اسے منصب اِفتاء پر فائز ہونا چاہیے تھا، لیکن تارِیخ میں آج تک ایسا نہیں ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہرفن کے لیے خصوصی مہارَت ومشق دَرکار ہوتی ہے۔ جس کے لیے اہلِ فن کی رہنمائی اور اُن کے عملی نمونہ کا موجود ہونا بھی ضرورِی ہوتا ہے۔

الحمد للہ! کہ فتاویٰ کے اِس میدان میں جامعہ دَارُالعلوم حقانیہ اَکوڑہ خٹک نے ایک بہترین باب کا اِضافہ کیا ہے۔ جسے ''فتاویٰ حقانیہ'' کا نام دِیا گیا ہے۔ ''فتاویٰ حقانیہ'' دار الافتاء جامعہ دارُالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک سے جارِی ہونے وَالے اُن گراں قدر فتاویٰ پر مشتمل ہے جس میں کچھ تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ کے خودنوشت ہیں جبکہ بعض دُوسرے مفتیانِ کرام اور اَساتذۂ عظام کے تحریر کردَہ ہیں۔ اِس مجموعہ میں ایک اِضافی چیز یہ دیکھنے میں آئی کہ بعض ایسے فقہی مضامین و مقالات جو ماہنامہ ''الحق'' میں شائع ہوچکے ہیں اُن کو بھی شامل کر کے اِس فتاویٰ کا حصہ بنادِیا گیا ہے۔ ''فتاویٰ حقانیہ'' کے شروع میں فقہی مباحث پر مشتمل ایک ایسا مقدمہ لکھا گیا ہے جو بجائے خود ایک ضخیم مقالہ کی حیثیت رَکھتا ہے۔ مقدمہ میں فقہی مباحث کے مقدمات کو حتی الوسع اِحاطہ تحریر میں لانے کے ساتھ ساتھ اُن تمام مفتیانِ کرام کا تعارُف بھی پیش فرمایا گیا ہے، جن کے تحریر کردَہ فتاویٰ اس مجموعہ میں دَرج ہوئے ہیں۔ ''فتاویٰ حقانیہ'' اَپنے بہترین سرِوَرق، مناسب کاغذ اور عمدہ کتابت کے باعث، حسنِ باطنی کے ساتھ ساتھ ظاہری دِل کشی کا بھی مظہر ہے۔ ''فتاویٰ حقانیہ'' اَپنی تحقیق وتخریج اور سلاست و رَوَانگی تحریر کے پیش نظر علماء، طلباء، وکلاء اور دِینی شغف رَکھنے وَالے عوام الناس سب کیلئے یکساں مفید ہے۔ (بینات، ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ/ جون ۲۰۰۲ء)

اِسلام کا نظامِ اَکل وشرب اور شریعت کا فلسفہ حلال وحرام

دَرسِ نظامی میں دورۂ حدیث کی تمام کتب اَپنی اَپنی جگہ اَہم سے اَہم تر ہیں۔ چنانچہ صحیح بخارِی کا اَپنا ایک اَنداز ہے تو صحیح مسلم اَپنے اَندر ایک نرالی شان رَکھتی ہے۔ اِسی طرح جامع ترمذی کی تدرِیس وتعلیم پر ہمارے مدارِس میں جو توجہ دِی جاتی ہے، وہ ان سب سے مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہی مباحث کے اِعتبار سے وہ دورۂ حدیث کی تمام کتب کیلئے مدار کا دَرجہ رَکھتی ہیں۔ اِس کتاب کی اِسی اَہمیت کے پیش نظر اس پر اَساتذہ خوب خوب توجہ دیتے ہیں۔ پیش نظر کتاب بھی اسی ترمذی جلد ثانی کی کتاب الاطعمة والاشربة کے دَرسی اِفادَات پر مشتمل ہے، جو مولانا سمیع الحق صاحب (مہتمم دَارالعلوم حقانیہ) نے دَرسگاہ میں بیان فرمائے اور طلباء نے اُنہیں قلم بند کرلیا، پھر مفتی مختارُ اللہ حقانی نے اُنہیں ترتیب وتخریج کے بعد کتابی صورَت میں مرتب فرما کر شائع فرمایا۔ اُمید ہے قارئین بینات اور طلباءِ حدیث اِس خوانِ یغما سے لطف اندوز ہوں گے۔ (بینات، شعبان ۱۴۲۴ھ/نومبر ۲۰۰۳ء)

صلیبی دہشت گردی اور عالمِ اِسلام

اس وقت مسلمان ہر جگہ ظلم، تشدد، جارحیت اور بین الاقوامی جبر کا شکار ہے۔ بلاشبہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہے، مظلومیت کا شکار ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اِس وَقت پورَا عالمِ اِسلام مہیب خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ ہر جگہ ظلم وتشدد اور قتل و غارَت گری کا رَاج ہے، ہر جگہ مسلمانوں کے خونِ ناحق سے زمین لالہ زار ہے۔ اَفغانستان ہو یا عراق، کشمیر ہو یا فلسطین، چیچنیا ہو یا بوسنیا ہر جگہ کفر کی ننگی تلوار مسلمان کشی کے لیے لہرا رہی ہے اور مسلمانوں کو دہشت گردِی کے نام سے صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کبھی فلسطین کے مسلمانوں کے لاشے بے گور وکفن تھے تو کبھی بوسنیا اور چیچنیا کے بے قصور مسلمان بے یار و مددگار چلا رہے تھے، کبھی اَفغانستان کے مسلمانوں کی جان و مال پر سنگ بارِی کی جارہی تھی تو کبھی اَحمد آباد اور کشمیر کی عصمت مآب بیٹیاں اَپنے جگر گوشوں کی لاشوں پر نوحہ خواں تھیں اور آج عراق و اَفغانستان کے مسلمانوں کو جرمِ ضعیفی کی سزا دِی جارہی ہے، مگر اے کاش! کہ اُن کے حق میں کہیں سے کوئی آوَاز نہیں اُٹھتی۔ اِس طرح امریکہ بہادُر کے اِیماء پر وَانا کے مسلمانوں پر خود اُن کی اَپنی سرزمین تنگ کر دِی گئی ہے، دُوسری طرف اَخبارَات، جرائد ورَسائل اور میڈیا میں اُلٹا اُن کو ہی موردِ اِلزام ٹھہرا کر اُنہیں مزید بدنام کیا جارہا ہے۔

پیش نظر کتاب میں مولانا سمیع الحق صاحب سے بین الاقوامی حالات اور مسلمانوں پر لگائے گئے اِلزامات سے متعلق دُنیا بھر کی ایجنسیوں، اَخبارِی نمائندگان نے جو جو اِنٹرویوز کیے، اُنہیں محفوظ کر کے شائع کر دِیا گیا یوں مسلمانوں کا ایک نقطہ نظر منظر نامہ پر آ گیا۔ اِس کی یوں بھی ضرورَت تھی کہ ہر ایجنسی اَپنے مزاج و مَوقف سے ہم آہنگ نقاط کو شائع کرتی ہے اور بعض اوقات بلکہ اَکثر اوقات مسلمانوں کے مَوقف کو یا تو گول کر جاتی ہیں یا پھر اِس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے کہ حقائق مسخ ہو جاتے ہیں۔ اِس دستاویز سے مولانا کے اِنٹرویوز کے نقاط اور مسلمانوں کا نقطہ نظر مکمل طور پر رِیکارڈ کا حصہ بن گیا ہے۔ جس سے مستقبل کے مؤرّخ کو فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی۔

بہرحال! یہ دستاویز جہاں قابلِ قدر ہے، وہاں یہ مسلم سیاست دَانوں اور علمائے کرام کے لیے بھی بنیادِی رہنمائی فراہم کرتی ہے کہ وہ اَپنے بیان وقلم سے نکلنے وَالی ہر بات کا ریکارڈ رکھا کریں تا کہ ان کی طرف منسوب بیانات و افکار کی حقیقت اور ان پر لگائے گئے الزامات کا سد باب کیا جا سکے۔ ماشاء اللہ کتاب ہر اعتبار سے قابل قدر ہے۔ (بینات، ذِی الحجہ ۱۴۲۵ھ/فروَرِی ۲۰۰۵ء)

خطباتِ حق

حدیث میں ہے کہ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا بعض بیان سحر آفرین ہوتے ہیں، بلاشبہ زبان و بیان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے پھر خصوصاً جب حال وقال دونوں جمع ہو جائیں تو سونے پر سہاگہ۔ اِسی لیے ہمیشہ سے یہ اُصول چلا آیا ہے کہ وَعظ و بیان جس کی عمر کچھ زیادَہ نہیں ہوتی اَگر اُسے قلم وقرطاس کی مدد سے محفوظ کر لیا جائے تو اُس سے مجلس وَعظ و بیان میں شریک اَفراد جس طرح مستفید ہوتے ہیں اسی طرح اس دور کے دوسرے عام مسلمانوں کے علاوَہ آئندہ آنے وَالی نسلیں بھی اُس سے اِستفادَہ کریں گی، اسی غرض سے مفتی مختار اللہ حقانی نے مولانا سمیع الحق صاحب کے غیر سیاسی بیانات جمع کر کے ''خطباتِ حق'' کے نام سے شائع کر کے نسل نو کے لیے رہنمائی کا سامان کیا ہے۔ مولانا سمیع الحق جس طرح درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور انشاء پردازی میں ماشاء اللہ ماہر ہیں، ٹھیک اسی طرح وہ وَعظ و بیان اور منبر ومحراب کے بھی بادشاہ ہیں۔

پیش نظر کتاب میں آپ کے خطبات و بیانات کو سلیقہ سے جمع کیا گیا ہے جو عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں مفید ہیں۔ (بینات، شعبان ۱۴۲۴ھ/نومبر ۲۰۰۳ء)

نذر حیات خان، خوشاب

مولانا سمیع الحق شہیدؒ
علمی، قلمی، روحانی اور ادبی خدمات کا خاکہ

جناب نذر حیات خان صاحب، پاکیزہ فکر اور صاف ذہن کے مالک ہیں، گروہی مسلکی تعصّب سے پاک ہیں، اکابر علماءِ دیوبند بالخصوص حقانیہ اور حقانیین سے خصوصی تعلقِ خاطر رکھتے ہیں۔ ان کے علمی، ادبی اور قلمی خاکے علمائے دیوبند کی علمی و عملی اور روحانی تصویر کشی کا منظر ہوتے ہیں۔ ان کے قلم کی جنبش میں پھولوں کی مہک اور گلاب کی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے۔ نذر حیات خان، نرم گفتار بھی ہیں اور تیز کام بھی، جب بھی اکابر علماءِ دیوبند پر لکھتے ہیں تو لہجہ بدل جاتا ہے اور نرمی وملائمت کے پیکر شیرین بن جاتے ہیں۔ وہ صاحب کتاب بھی ہیں اور صاحبِ کتب خانہ بھی، ان کا ذہن علم کا گنجینہ اور بوقلموں معلومات کا سفینہ ہے۔ یوں بہت اعلیٰ پائے کے نثر نگار ہیں اور عبارت میں تسلسل کے ساتھ ادبی رنگ بھی موجود ہوتا ہے، ان کے اپنے منہج اور منفرد طرزِ تحریر کی خاکہ نگاری میں کوئی ثانی نہیں۔ ایسا شاندار اسلوب اختیار کرتے اور ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ شخصیت کے تمام نقوش اُبھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ انہیں فارسی کی طرح اُردو زبان کے علوم پر بھی گرفت حاصل ہے۔ ذیل کا خاکہ ان کی ادبی صلاحیتوں اور علمی خوبیوں کا عکاس ہے جبکہ اس سے قبل وہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ پر بھی لکھ چکے ہیں۔ اکابر علماءِ دیوبند کے علمی خاکوں پر ان کی کتاب ایک عظیم تاریخی، ادبی سوغات ہوگی ان شاءاللہ!...... (ادارہ)

خاک کی آغوش میں صرف مناجات کے بجائے افلاک میں تکبیرِ مسلسل کا احسن عمل سرانجام دینے والا امت مسلمہ کا مرد حر و کامل و بطلِ جلیل، نام نہاد روشن خیال ملحدانہ افکار کی حامل تہذیب مغرب کا تیشہ زن، صلیبی اور صیہونی سازشوں اور تخریبی سرگرمیوں کے بالمقابل اسلام کی پر امن اور سکون سے لبریز تعلیمات کا مستند اور باوقار وکیل، روشن خیالی کی آڑ میں ملحدانہ، مرتدانہ اور ظالمانہ ظلمت پھیلانے والوں کے خلاف سینہ سپر، فکری، قلمی، لسانی جہاد کرنے والوں اور میدان عمل میں برسرپیکار مجاہدوں کا مایہ ناز اعلانیہ روحانی کفیل، اسلام کے مردانِ پیکر و الفت ومحبت، اولیائے عظام علمائے کرام کی مقدس سیرتوں کا مکمل عکسِ جمیل، درمیانہ قد، گورا سرخ رنگ، محراب کا نشان لیے ہوئے کشادہ روشن جبین، نوزائیدہ بچے کی سی معصومیت اور نزاکت لیے متبسم و باوقار چہرہ، صاف ستھرا

بہترین پاکیزہ لباس، عادات میں خوش خصائل، صورت میں خوش جمال غرض ہر لحاظ سے پیکر حسین و شکیل۔ ظلمت کدۂ جہان کو ایمان کی شمع نور سے منور کرنے والی ایسی شخصیت کہ جن کی حیات کا ہر ورق ہدایت کے متلاشیوں کے لیے رہنمائی اور پرسکون زندگی کی دلیل۔ خانقاہِ حقانیہ میں تصوف کی اصل روح احسان وسلوک کا نمونہ دکھا کر اور رسم شبیری اپنا کر میدان عمل میں سرگرم اور خزاں میں ایمانی بہار کی سبیل۔ عبدِ حق کی اشکِ سحر گاہی کے ساتھ مانگی ہوئی دعاؤں کا ثمر، اسلام کی خاطر قربانیاں دینے والے ہر فرد کے لیے رحمتوں بھرا شجر، عصر حاضر میں امت مسلمہ کا عظیم رہبر، اسلام کی خاطر جہادِ زندگانی میں درپیش مشکلات میں صابر، ہر حالت میں اپنے رب کریم کے حضور شاکر، ان کے والد گرامی مربی مرشد اور استاد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور کیا عرض کروں کیا تھے مولانا سمیع الحقؒ!

رب ذوالمنن کا تاجدار ختم نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عنایت کردہ اور نازل کردہ دین کامل الاسلام ہے: قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تخلیقِ کائنات اور نزول کتاب دونوں کو ''بالحق'' فرمایا گیا ہے۔ اسی لیے ہمیشہ اپنے رب کریم سے ''الحق'' کی تلاش کے لیے جستجو اور پھر اسے پا کر اس پرعمل کی توفیق مانگی ہے۔

۱۹۸۲ء میں موسمِ گرما کی تعطیلات سے چند دن قبل مبدأ فیض کی کرم نوازی سے اس کی رحمت کا بادل یوں برسا کہ ڈاکیے نے ماہنامہ ''الحق'' کا شمارہ یہ کہہ کر مجھے عنایت فرمایا کہ جس کے نام ہے باوجود کافی تلاش کے وہ آدمی مل نہیں رہا اور چونکہ آپ کے نام اور بھی دینی رسائل آتے ہیں آپ کی نذر کرتے ہیں اس امید پر کہ آپ اس کی انتظامیہ کو اطلاع دے دیں گے۔ یوں میں نے ''الحق'' کو پا لیا اور اس کے مدیر کو منی آرڈر کے ساتھ صورتِ حال لکھ کر عرض کیا کہ مجھے ''الحق'' کا ہمسفر بنا لیا جائے، جوابی خط میں بتایا گیا کہ جس کے نام تھا اس کو دوسرا پرچہ درست پتے پر ارسال کر دیا ہے اور آپ کو شریک سفر ہونے کا شرف بخش دیا ہے، یوں ''الحق'' کے ساتھ سفر جستجو اور معرکہ شوق تلاشِ حقیقت کا آغاز ہوا۔ کیا اور کیسے عرض کروں کہ اس خوان کرم نے کس طرح علمی تشنگی بجھائی اور روح کو سکون بخشا، کیسی الٰہی روحانی غذا سے لذت آشنا کیا، کبھی کبھی ''الحق'' کے ادارتی شذرات، حضرتؒ کی فکری، سیاسی، جہادی سرگرمیوں کے احوال اور پھر خودنوشت ڈائری کے اندراجات کا لاجواب انتخاب اور بہت کچھ پڑھنے اور جاننے کو ملا، آسمانِ صحافت کا یہ ایک درخشندہ ستارہ ہے، اس کی کرنوں سے دوسرے بھی فیض یاب ہوئے اور ''القاسم'' نے اس دستر خواں کی وسعتوں کو اور پھیلا دیا ہے۔ ظلمت کے اندھیروں کو دین کی روشنی ہی ختم کرتی ہے۔ حق کے متلاشیوں میں ''الحق'' سے فیض پائے ہوئے

''القاسم''، مسلسل علمی سوغاتیں تقسیم کر رہا ہے۔ مولانا سمیع الحقؒ کی ڈائری کے انتخاب سے ان کے علمی سفر کی ارتقائی منازل اور زندگی کی ہر منزل پر ان کی ذوق کی بلندی کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی صحبتوں کے احوال سے فیض پانے والے کہہ رہے ہیں کہ ذرا ان کی محفل میں بیٹھ کر دیکھو مومن کی زندگی کتنی حسین اور دلکش اور خوبصورت ہوتی ہے۔ ''ساعتے با اہل حق'' کا ہر ورق اور ہر لفظ شاہد ہے کہ ان کی محفلیں کتنی پاکیزہ بامقصد اور زندگی کی تاریک راہوں کو منور کرنے والی روشنی پھیلانے والی ہیں۔ ان محفلوں سے سبق ملتا ہے کہ انسانیت کی سربلندی کیلئے عزائم بلند اور نگاہیں عقابی بنانے کی ضرورت ہے۔

میرا طویل عرصے تک معمول رہا کہ ہر عید پر حضرت کو عید کارڈ ارسال کرتا تھا، بظاہر تو عید کی مبارکباد ہوتی حقیقت میں ہلالِ عید مسلمانوں کی بے بسی پر جو مذاق اڑاتا ہے اس کا مرثیہ ہوتا۔ مسلمانوں کی حالتِ زار پر وہ ایک قسم کی سسکیاں ہوتی تھیں اور ماں کی گود میں سر رکھ کر رونے سے جس طرح بچے کو قرار آجاتا ہے مجھے بھی ان کو لکھتے ہوئے درد سے آرام حاصل ہوتا تھا۔ میری ایک مختصر تحریر کے چند فقروں کو ''الحق'' میں افکار قارئین کے ذیل میں شائع فرمایا۔ ان کی زندگی میں ان کی حیات خدمات پر لکھنے اور ان سے ملنے کی گل پوش تمنا اور شاداب آرزو تھی جواب اس دنیا میں ان کے جنت میں تشریف لے جانے سے حسرت بن گئی ہے۔ حضرت کی پرعزم اور مجاہدانہ زندگی کی تفصیلات ان کے شاگرد عزیز حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے ''حضرت سمیع الحقؒ حیات و خدمات'' میں جمع فرما دی ہیں، ان دو جلدوں کا مطالعہ ان کی داستان حیات کا احاطہ کرتا اور مومنانہ زندگی گزارنے کے لیے رہنمائی بخشتا ہے، اسلام کا طرۂ امتیاز اور اس کی بے پناہ لازوال اثر انگیزی کا سبب مسلمانوں میں سرور دو عالم محبوبِ رب اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور الفت کا بے پایاں بے حد و کنار جذبہ صادقہ ہے۔ اس مرکز ایمان و ایقان پر جان نثار کرنا ہر مسلمان کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ اسے دنیا کی بڑی سعادت سمجھتا ہے، مسلمانوں پر علم جیسی بے بہا نعمت کا حصول فرض ہے اور خاص طور پر عاشقان رسول، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو حاصل کرنے کے لیے اور آگے پھیلانے کے لیے زندگی کی توانائیاں مرکوز کر دیتے تھے، حضرت شیخ سمیع الحق مرحوم کو اس سے خاص لگاؤ تھا۔ حکمت و بصیرت میں کشادگی، دلی روحانی سکون اور شادابی قلب و نظر کے لیے صورت و سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ مشعل راہ بنایا۔ آپ کی اس محبوبانہ، مجذوبانہ محبت کا ثبوت زین المحافل شرح الشمائل للترمذی، اسلام کا نظامِ اکل و شرب، اسلامی معاشرے کے لازمی خدو خال، جیسی لاجواب تصانیف ہیں۔ اسلام کا مقصد اولین ہی انفرادی اصلاح کر کے فلاحی معاشرہ بنانا

اور اجتماعیت و مرکزیت قائم کر کے دنیا پر اللہ کی کبریائی کا اظہار اور اس کی رضا کا حصول ہے۔ اس کے لیے ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کر ہی یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے، اس لیے یہ تصانیف ایک مربوط سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تبلیغی مکتوبات سے لے کر حضرت شیخ مدنیؒ کے مکتوبات تک مشاہیر اور علماء اور اولیا کے خطوط کے مجموعوں، غبارِ خاطر اور غالب کے خطوط، سب کا اپنی اپنی جگہ علمی ادبی اور تاریخی مقام ہے لیکن حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس سلسلہ میں ادب کو ایک نئی صنف سے مالا مال کیا ہے کہ ایک شخصیت کے نام آنے والے تنقیدی، تائیدی مذہبی سب خطوط کو یکجا کر دیا ہے۔ اس لیے ''مکتوبات مشاہیر'' آپ کی اردو ادب کو چار چاند لگانے والی ایک لاجواب تصنیف ہے۔ ان مکتوبات سے آپ کی اعلیٰ ظرفی وسعتِ قلبی، رواداری کے ساتھ ساتھ ہر طبقہ فکر کے مشاہیر کی آپ کے لیے محبوبیت کا اظہار ہوتا ہے۔ مکتوب نگاروں پر تعارفی شذرات ادبی چاشنی بخشتے ہیں۔

''منبر حقانیہ سے خطبات مشاہیر'' ایسے گلستان کی مانند ہے جس میں مختلف رنگوں ذائقوں اور خاصیتوں کے سدا بہار پھول باعث شادابی قلب ونظر اور وجہ فروغِ دیدہ بنتے ہیں۔ روحانی گلستان کے باغ بان نے اس کو اس طرح سنوارا ہے کہ چار دانگ عالم میں اس کی خوشبو پھیل رہی ہے۔ اخلاقی سبق بھی ان سے ملتا ہے اور حالات و واقعات سے آگاہی کے ساتھ سیاسی بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت سمیع الحقؒ کی ارضی حیات ایمان پرمحکم یقین، جہد مسلسل، سعی پیہم اور جہاد فی سبیل اللہ میں بسر ہوئی انسان کی عمر کے وہ خاص لمحے جن کو انسان عبادتِ الٰہی اور خدمتِ خلق کے لیے بسر کرے انہیں حیاتِ حقیقی مانا جاتا ہے اس لحاظ سے حضرتؒ نے عمر نہیں زندگی گزاری ہے۔ ان کا ہر لمحہ ملک میں نفاذ شریعت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے گزرا۔ انہوں نے مسجد کے منبر ومحراب سے حکومتی ایوانوں تک اذانِ حق دی ''اسلام اور عصر حاضر''، ''شریعت بل کا معرکہ''، ''قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ'' جیسی تالیفات ان کی اس طرز حیات کو اور دینی کارناموں کو اجاگر کرتی ہیں۔

اسلام کو زمانے کی عدالت میں مادیت سے لیس استبدادی قوتوں سے معرکہ عظیم درپیش ہے، اس کے لیے عام مسلمان بیدار نہ سہی مگر مخلص اور خیر خواہ اس معرکے میں باطل کی سرکوبی کے لیے مورچوں میں ایمانی، لسانی، علمی اور جسمانی جہادی اسلحوں سے لیس چوکس بیٹھے ہیں۔ اس کی کمان حضرت سمیع الحق شہیدؒ جیسے نادرہ روزگار مجاہدوں کے پاس رہی، جن کا زمانے کی نبض پر ہاتھ رہا۔ استعمار اور استعماری گماشتوں کے خلاف ان کی تصانیف ''قادیانیت ملت اسلامیہ کا موقف''، ''صلیبی

دہشت گردی اور عالم اسلام‘‘ ، ایک لاجواب کارنامہ ہے۔ باطل کے ایوانوں میں ان کی سازشوں کو آشکارا کر کے اور بیداری کا ثبوت دیتے ہوئے دشمنوں کے عزائم خاک میں ملانے کی ان کی جدوجہد کی لازوال داستان سناتی ہیں۔ ان کی اسی اثر انگیزی اور اہمیت کے پیشِ نظران کے سیاسی اور مذہبی مخالفوں نے ان پر الزامات بھی لگائے لیکن انہوں نے سنتِ حضرت یوسفؑ کی پیروی میں ہر سازش کو قال معاذ اللّٰہ کی ضرب کاری لگا کر اپنے کردار کو بے داغ ثابت کیا اور الزامات فی النار ہوئے، ان کے جنازے میں لاکھوں کا مجمع دراصل تائیدالٰہی تھا اور یہ اجتماع عظیم انہیں ہر الزام سے پاک ثابت کرتا تھا چونکہ اتنی محبوبیت تو پاکیزہ فطرت رکھنے والے اللہ کے محبوبوں کو ہی نصیب ہوتی ہے

قرآن کریم میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دلکش سیرت کے حوالے سے ایک درخشندہ اصول بیان ہوا ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ لین القلب، رقیق اور نرم دل نہ ہوتے تو آپ کے گرد یہ جان نثار جمع نہ ہوتے ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور ان سے دلی محبت رکھنے والوں کا یہی شیوہ رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اللعالمینی کے صدقے لوگوں کو علی وجہ البصیرت اور نرمی وشفقت سے راہ حق کی طرف بلاتے ہیں۔ حضرت سمیع الحق شہیدؒ میں بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں یہی جذبہ تھا۔ نرم دل، بردبار، بااخلاق ،مردم شناس اور پیکر والفت ومحبت تھے۔ اپنے نظریات پر قرآن وسنت کی روشنی میں اپنائی ہوئی دینی سوچ پر پختہ یقین رکھنے کے ساتھ دوسروں کو نہ صرف سنتے بلکہ مخالف رائے رکھنے والوں مخلص لوگوں کو برداشت بھی کرتے کہ اس شجر سایہ دار کی گھنی چھاؤں سے ان کے مخالف رائے رکھنے والے بھی سکون واطمینان محسوس کرتے تھے۔ وہ فتنہ معاصرت سے نہ صرف پاک تھے بلکہ ہمیشہ ہم عصر علماء ومشاہیر کا احترام ملحوظ رکھتے اور ان کا ہر درجہ اکرام فرماتے ’’کاروان آخرت‘‘ میں ان بزرگوں کی جو اس عارضی حیات دنیاوی سے ابدی حیات کے سفر پر اپنے رب کے حضور عاجزی سے پیش ہو کر سرخرو ہونے کے لیے روانہ ہونے والوں کا تعارف اور ان کے مشعل راہ بنانے والے کارناموں کا تذکرہ دل نشیں انداز میں کیا ہے اور یہ ثبوت دیا ہے کہ وہ خود پیکر الفت ومحبت ،شفیق مہربان اور منکسر المزاج تھے۔

حضرت شیخ سمیع الحق شہیدؒ نے مخلص مسلمان کی حیثیت سے نفاذ شریعت کے لیے بااصول سیاست دان کے طور پر نام کمایا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں عورت کی حکمرانی ، حدود آرڈیننس ،تعبیر شریعت کے حوالے سے پارلیمنٹ کا کردار اور بحالی جمہوریت کے حوالے سے جو موقف حق سمجھا اس پر عملاً کاربند تھے اور سیاسی مصلحتوں اور نظریہ ہائے ضرورت کا شکار ہونے کی بجائے اللہ کریم کے حکم کی

پیروی کو اولیّت دی۔ اس حوالے سے بعض دینی قوتوں سے اختلاف گوارہ کرلیا لیکن اسلامی شریعت میں پیوند کاری اور قول وفعل میں تضاد کو اپنانے سے مکمل گریز کیا، ایمان کا یہی تقاضہ تھا۔

ملی یکجہتی کونسل، دفاعِ پاکستان کونسل، دفاع پاکستان وافغانستان کونسل کی سرپرستی کرکے ملت کی حقیقی خیرخواہی کا حق ادا کیا۔ جہادِ افغانستان کے آغاز کار سے لے کر تاہنوز مؤسس، مؤید، داعی رہے، بالآخر لیلائے مقصود شہادت سے ہم کنار ہوگئے۔ جاہ واقتدار اور مال وزر کی ہوس کو دل میں کوئی جگہ نہ دی اور خرید وفروخت سے پاک اصولی سیاست کر کے ثابت کیا کہ مرد مسلمان کا طرز حیات کیسا ہوتا ہے؟ انہی جیسوں کی نگاہوں سے افلاک لرزتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہوتے ہیں۔جن کی کوششوں سے ستاروں کے جگر چاک ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا سمیع الحق ۱۲ رجب ۱۳۵۵ ہجری ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء کو اکوڑہ خٹک میں اس عالی شان خاندان میں پیدا ہوئے جو صدیوں سے دینی پیشواؤں، مفتیوں اور علماء کا خاندان رہا ہے۔ اخوندزادہ شیخ سمیع الحق شہیدؒ نے گھر کے پاکیزہ رشک ملائکہ ماحول میں پرورش پائی۔ ۱۷ کے قریب اساتذہ سے علمی فیض پایا خصوصاً اپنے والد گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے خصوصی نسبت رہی، دورہ تفسیر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی بارگاہ عالیہ میں مکمل کیا، بھرپور تدریسی، سیاسی اور جہادی زندگی گزاری۔آخری لمحات میں دورہ تفسیر کے دوران لیے ہوئے نوٹس کی مدد سے تفسیر قرآن پر کام کر رہے تھے غالبًا حضرت مولانا احمد علی لاہوری کےؒ افادات کی حامل یہ پہلی تفسیر ہوگی۔ بحر تفاسیر میں یہ ایک زوردار موج کی مانند ثابت ہوگی۔ حضرت نے آخر وقت تک اسلام کی سربلندی کے لیے خود کو وقف رکھا آخری دن قادیانیت کے خلاف ریلی میں ایوانوں میں بیٹھے ان کے ہمدردوں کو للکارا۔

۲ نومبر ۲۰۱۸ کو دشمن نے آخری وار چھپ کر کیا اور خنجروں وچھریوں کی مسلسل ضربوں سے امت کو ایک مخلص خیرخواہ سے محروم کر دیا۔ دست قاتل نے مسیحائے وقت اور معصوم چہرے والے کو وحشیانہ انداز میں نشانہ بنایا۔ ہر سمت روشنی پھیلانے والے چراغ کو بجھانے کے ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیا علم وتقویٰ کے قصر عالی شان کو گرا کر اپنی پست ذہنت اور بربریت کا مظاہرہ کیا لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ شہید تو زندہ جاوید ہوتے ہیں۔انہیں مردہ تصور کرنا بھی گناہ عظیم ہے۔ وہ ایسی شمع جلا کر گئے ہیں جن کی تابانی سے عالم مستفید ہوتا رہے گا۔ اللہ ان کی جانی و مالی قربانی کو قبول فرمائے ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں ان کی زندگی سے سبق حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔(آمین)

انتخاب وترتیب: مولانا محمد دانیال کلاچوی
رکن القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ

مولانا سمیع الحقؒ کا ذوق علم اور شوق مطالعہ

مولانا دانیال کلاچوی جامعہ ابوہریرہ کے جواں سال فاضل، قلم و کتاب سے جڑے ہوئے، ادب ان کا پسندیدہ موضوع ہے اور شہید ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحقؒ سے قلبی تعلق ومحبت کے رشحات ان کی رواں قلم سے ٹپک پڑے، جونذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

قلمی اشتغال کی بے پناہ لگن

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ''مکاتیب مشاہیر'' کی فائلیں اُٹھا کر لائے ایک فائل اُٹھا کر حضرت حقانی صاحب مدظلہٗ کے سامنے رکھ کر فرمایا: ''میری محنت دیکھو، رات ایک بجے اور کبھی دو بجے تک بیٹھا مطالعہ کرتا رہتا ہوں، سرخیاں اور عنوانات باندھتا ہوں۔ تعارفی شذرات بھی لکھتا ہوں''۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے مکاتیب

مولانا سمیع الحق مدظلہٗ نے فرمایا: ''مکاتیب مشاہیر میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے سفرِ حج کے خطوط جو میرے نام ہیں بھی شامل ہیں، آپ حیران ہوجائیں گے کہ ایک والد اپنے بیٹے کو کیسے بے تکلف خطوط لکھتا ہے''۔ حقانی صاحب نے عرض کیا: ''محدثِ کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے نام جو مکاتیب ہیں وہ بھی ان کے ساتھ شائع ہوں گے یا الگ؟'' مولانا سمیع الحق نے جواب میں فرمایا: ''وہ الگ جلد میں شائع ہوں گے (ان شاء اللہ)۔

مکاتیب کی فہرست میں حضرت مولانا قاضی عبدالسلامؒ خلیفۂ مجاز حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا نام آیا تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا: ''قاضی عبدالسلامؒ بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ یہاں نوشہرہ میں فرقِ ضالہ کے خلاف سب سے پہلے انہوں نے کام شروع کیا تھا''۔

شوقِ جمع وتدوینِ مکاتیب کا انداز

حقانی صاحب نے عرض کیا ''اُستاد جی! یہ صرف مکاتیب نہیں بلکہ تاریخ، علم وادب، سفرنامے

سیاسیات ، پارلیمانی معرکے، فرقِ باطلہ کا تعاقب، نفاذِ شریعت کیلئے جدوجہد اور علماء کا اعلائے کلمۃ الحق کیلئے تاریخی کردار وغیرہ سب کچھ ہیں''۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا:''اب تو سب کچھ ختم ہوگیا،لوگ فون یا موبائل سے پیغام بھیجتے ہیں،خطوط ومکاتیب کی جو عظمت تھی وہ بھی ختم ہوتی جارہی ہے''۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے خطوط کی فائل

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کے مکاتیب کی فائل اُٹھائی، اس سے کئی مکاتیب جو طنز ومزاح اور علم و ادب کے شہ پارے تھے سنائے اور ان کے اشعار بھی سنائے۔حقانی صاحب نے عرض کیا: ''استاد جی ! کب سے خطوط جمع کرنا شروع کئے ہیں؟'' ارشاد فرمایا: ''والدمکرم حضرت شیخ الحدیثؒ کے سرہانے کپڑے کا ایک تھیلہ بندھا ہوتا تھا جب بھی آپ کے پاس کوئی خط آتا تو پڑھ کر اور جواب تحریر فرما کر اسے تھیلے میں ڈال دیتے۔اس سے مجھ کو جمع کرنے کا شوق ہوگیا اور ہر کسی کا خط محفوظ کرنا شروع کیا۔''فرمایا: ''بعض خطوط جو نہایت اہم تھے''الحق'' میں شائع ہونے کے بعد کاتب کی غفلت کی نذر ہوگئے''فرمایا: ''یہ دیکھو! یہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی قدس سرہٗ کے مکاتیب ہیں، آپ دیکھیں کہ وہ مجھ سے کتنی شفقت ،محبت فرماتے''۔مولانا صاحب نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے دو صاحبِ ذوق طالبعلموں مولانا حافظ محمد اسرار مدنی اور مولانا عبداللطیف حقانی کو بلایا تھا۔مولانا اسرار صاحب نے عرض کیا:''اگر اس مجموعے کے آخر میں اسماء واعلام، کتب و اماکن وغیرہ کا انڈکس بنایا جائے تو بہتر رہے گا''۔حقانی صاحب نے اس تجویز کی بھرپور تائید کی اور اس کے متعلق مدنی صاحب کو اور مولانا عبداللطیف کو تجاویز اور ہدایات دیں۔

خلوتے و کتابے و گوشۂ چمنے

مولانا سمیع الحق نے فرمایا:''یہ کام اتنا پھیل گیا کہ اب میں گھبراجاتا ہوں کہ سمٹ بھی جائے گا یانہیں؟'' حقانی صاحب نے عرض کیا : ''اب تو الحمد للہ سمٹ گیا ہے''۔''پوری کتاب کا خلاصہ عنوانات کی شکل میں آ گیا ہے''۔مولانا عرفان الحق نے بھی حقانی صاحب کی رائے کی توثیق کی۔ حقانی صاحب نے عرض کیا: ''استاد جی ! اس کام کی تکمیل کیلئے کہیں دور جانا چاہئے جہاں موبائل بھی کام نہ کرتا ہو اور یکسو ہوکر بیٹھیں اور دس دن میں مکمل کردیں'' ع خلوتے و کتابے و گوشۂ چمنے
مولانا سمیع الحق نے مسکرا کر فرمایا:''ہاں ! اس کے بغیر مشکل ہے، کتاب چھاپنا بھی ذوق کی بات ہے، ہر کوئی لے گا بھی نہیں، ذوق والے لیں گے۔ بہرحال !ایک تاریخی دستاویز ہے جلد چھپ جانی

چاہئے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ چیز محفوظ ہو، بہت نادر مجموعہ ہے''۔حقانی صاحب نے عرض کیا: ''استاد جی! ''الحق کا محدثِ کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر'' بھی اسی طرح شائع ہوا تھا''۔

مکاتیب مشاہیر کا ذکر

''مکاتیب مشاہیر'' کی بات چھڑ گئی تو حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ ''شیخ الحدیثؒ کے نام خطوط تو مکمل ہیں، تقریباً چھ سو (۶۰۰) صفحات اور دو ہزار سے زائد خطوط ہیں''۔حقانی صاحب نے عرض کیا: استاد جی! آپ کے نام تو خطوط بہت ہونگے؟ حضرت مولانا شہیدؒ نے فرمایا: ہاں! ''الحق'' کی وجہ سے میرے نام خطوط زیادہ ہیں''۔

نجات کی راہ

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا: ''مکاتیب میں بہت کام کی چیزیں ہیں، حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کے مکاتیب ہیں، انہوں نے مودودی صاحب کے بارے میں ایک خط لکھا تھا، وہ میں نے نوائے پاکستان اخبار کو بھیج دیا جو اس نے ۱۹۵۵ء میں شائع کیا۔ والدمکرم حضرت شیخ الحدیثؒ نے جب دیکھا تو آپ سمجھے کہ حضرت خواجہؒ صاحب ناراض ہوئے ہوں گے تو حضرت خواجہ صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ سمیع الحق نے میرے لئے نجات کی راہ پیدا کی اور بہت دُعائیں دیں۔ اب بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ نوائے پاکستان (ص:۳) کالم والے صفحے میں چھپا تھا۔ یوں حضرت خواجہ صدیقی صاحبؒ کو سبقت حاصل ہوئی۔

میدانِ جنگ میں جاتے ہو اور اسلحہ ساتھ نہیں

حضرت مولانا شہیدؒ نے فرمایا: اب تو ایسا وقت ہے کہ عملے والے جب میرے پاس آتے ہیں اور میں کسی بات کے لکھنے کے لئے کہتا ہوں تو وہ ایک دوسرے کا منہ تکتے ہیں کیونکہ اکثر قلم کسی کے پاس نہیں ہوتا، چہ جائے کہ کاغذ اپنے پاس رکھیں، میں کہتا ہوں میدانِ جنگ میں جاتے ہو اور اسلحہ ساتھ نہیں رکھتے تو تمہارا کیا حشر ہوگا؟

مکاتیبِ مشاہیر

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو شدید علالت اور بیماری میں بھی ''مکاتیب مشاہیر'' کی ترتیب و تالیف اور اشاعت کی فکر دامن گیر رہی، جہادِ افغانستان سے متعلق مستقل جلد کی ترتیب و تدوین،

اُسامہ بن لادن کے بعض مکاتیب پر تحشیہ وتفصیل، افغان جہاد کے زعماء کے بعض خطوط زیر بحث رہے۔ آخر میں حقانی صاحب سے فرمایا کہ ہم لوگ ایک دو روز تک ہسپتال سے فارغ ہوجائیں گے ان شاء اللہ پھرتم روزانہ ایک دو گھنٹہ نکال کر آجایا کرو میں خود ساتھ بیٹھوں گا تاکہ اسے آخری شکل دے کر پریس بھیجا جاسکے، شفیق الدین فاروقی ،مولانا راشدالحق اورمولانا عرفان الحق بھی ''مکاتیب مشاہیر'' کی اشاعت وطباعت کے سلسلہ میں شریک مشاورت رہے۔

قلم اور اہلِ قلم

قلم اور اہل قلم کے بارے میں بات چلی تو حضرت مولانا سمیع الحق فرمانے لگے: یہاں ساتھی میرے پاس تصحیح کیلئے مضامین اور اپنی تحریریں لاتے ہیں، جب کہتا ہوں قلم دو تو قلم کسی کے پاس نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کو تکتے رہتے ہیں، طلبہ، ڈائری نویس اور مضمون نگار کو قلم ساتھ رکھنا چاہئے۔اس موقع پر حضرت ابراہیم فانی صاحب نے فرمایا: میں جب بھی سوتا ہوں تو قلم کاغذ سرہانے رکھتا ہوں، گھر والی کہتی ہیں کہ لوگ سوتے وقت قلم کاغذ دور رکھتے ہیں اور تم ساتھ رکھتے ہو؟ میں نے کہا: ہم تو شاعر لوگ ہیں۔ رات کو کسی بھی وقت اشعار کا ورود ہوسکتا ہے۔حضرت حقانی صاحب نے فرمایا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے متعلق پڑھا تھا کہ آپ کاپی (نوٹ بک) اور قلم سرہانے رکھتے۔

قلم، علماء وطلباء کا اسلحہ

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا: علماء، طلباء اور اہلِ قلم کے لئے قلم کی مثال ایسی ہے جیسے مجاہد کے لئے کلاشنکوف اور تلوار، اگر مجاہد کے ساتھ تلوار اور اسلحہ نہ ہو تو وہ کیسے لڑے گا؟ بغیر اسلحہ میدانِ جنگ میں جانا حماقت ہے۔اسی طرح طالب علم کو قلم کاغذ ساتھ رکھنا چاہئے۔ پہلے طلباء لکھا کرتے تھے، مگر اب سینکڑوں میں دس کے پاس بھی قلم نہیں ہوتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی میں قلم کا ذکر فرمایا ہے اور قلم کی قسم بھی کھائی ہے نٓ ۞ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (القلم: ۱) دیر تک قلم کے موضوع پر گفتگو فرماتے رہے۔علامہ سید سلیمان ندوی کا شعر بھی سنایا فرمایا ......

یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں یوں
قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے

حقانی صاحب نے کہا قلم چوبِ خشک ہے مگر کاتب اس سے دنیا کا نقشہ بدل دیتا ہے......

قلم گوید کہ من شاہ جہانم
قلم کش را بہ دولت مے رسانم

مقصدِ علم، تبلیغ واشاعت

''خطباتِ مشاہیر'' کے بارے میں حقانی صاحب نے استفسار کیا: اس پر کام کہاں تک ہوگیا ہے اور کتنا باقی ہے؟ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا: بس آخری مراحل میں ہے۔فرمایا: ماہنامہ ''الحق'' جب سے جاری ہے، تب سے اب تک یا جب سے دارالعلوم قائم ہوا ہے اور اکابر علماء اور مشائخ نے یہاں بیانات کئے ہیں، بعض ہفت روزوں ''البلاغ'' پشاور اور دیگر جرائد میں بھی شائع ہوئے اور بعد میں ''الحق'' میں بھی شائع ہوتے رہے۔ حقانی صاحب سے فرمایا: ان کی جمع وترتیب اور اشاعت کا کام میں خود کرنا چاہتا تھا، اب تمہارے حوالے ہے، انہیں جمع کردو اور شائع کردو، حقانی صاحب نے عرض کیا: میں نے کام شروع کیا ہوا ہے، تقاریر کی فوٹوسٹیٹ بھی لے لئے ہیں۔ ''الحق'' میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی بہت اہم تقاریر شائع ہوئی ہیں۔ آپ نے حکم فرمایا: توکّل کیجئے! حقانی صاحب نے کہا: ان شاء اللہ کمپوزنگ بھی شروع ہوجائے گی۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا: ہاں! یہ کام تم ہی کرسکتے ہو۔ (بعد میں وہ کام خود مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے سنبھال لیا اور اب وہ ''خطباتِ مشاہیر'' کے نام سے دس جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آگئی ہے)

ماہنامہ ''الحق'' کا آغازِ کار

پریس، ''الحق'' اور ''مؤتمر المصنّفین'' کے حوالے سے بات چلی تو ارشاد فرمایا: اوائل میں ماہنامہ ''الحق'' کی ترتیب وتالیف سے لے کر پریس وطباعت اور اشاعت وتقسیم تک کے مراحل سے میں خود گزرا کرتا تھا، نوشہرہ میں اصغر حسن کاتب کے پاس خود جاتا، جوں ہی پرچہ چھپ کر آتا تو سب سے پہلے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کرتا، ان کی خوشی اور دُعا سے مجھے میری محنت کا ثمرہ مل جایا کرتا تھا۔ جب ماہنامہ ''الحق'' کی اشاعت کا ارادہ کیا تو والد صاحب نے فرمایا: اکوڑہ خٹک دیہات ہے، پٹھانوں کا ماحول ہے، کوئی پڑھنے والا بھی نہیں، کوئی علم، قلم اور تحریر کا مقام بھی نہیں ہے۔ میں عرض کرتا حضرت! جس طرح حق تعالیٰ نے حقانیہ کو مقام وقیام بخشا، الحق بھی اسی کے فضل وعنایت کا محتاج ہے اور اس کو بھی وہی مقام ملے گا جو جامعہ دارالعلوم حقانیہ کو ملا ہے۔

کتابوں کی طباعت

کتابوں کی طباعت کی بات چلی تو ارشاد فرمایا: میں خود لاہور ٹرین سے جایا کرتا تھا، پھر وہاں شفیق الدین فاروقی مجھے موٹر سائیکل پر بٹھا کر لاہور کی گلیوں میں واقع پریسوں کے مراحل طے کرتا۔ حضرت مولانا سعید الرحمٰن کی تجلیاتِ رحمانی بھی ہم نے پشاور میں چھاپی تھی، پریس کے تمام تر مراحل میں نے خود طے کئے تھے۔

کتب خانوں کی سیر

مولانا سید محمد حقانی نے دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پریس صدر و دیگر عہدیداران کو خان بائنڈر کے ذریعے اطلاع کردی کہ آج مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا عبدالقیوم حقانی اور دیگر علماء کی ایک جماعت کے ساتھ محلّہ جنگی کا پریس نظام دیکھنے آرہے ہیں۔ بس پھر کیا ہوا جب میر کاررواں مولانا سمیع الحق اور ان کا قافلہ پہنچا تو آل صوبہ سرحد کے پریس صدر ظفر رحمٰن خٹک، جنرل سیکرٹری محمد سعید راجہ، فنانس سیکرٹری امیر حمزہ شنواری اور تمام عہدیداران حضرت مولانا کے استقبال کے لئے محلّہ جنگی کے گیٹ پر موجود تھے۔ انہوں نے مولانا کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور چار منزلہ بالاخانہ کے ایک کشادہ کمرے میں لے گئے۔ وہاں پریس مالکان وعہدیداران نے مولانا سمیع الحق سے حالاتِ حاضرہ اور اُسامہ بن لادن کی شہادت کے حوالے سے بات چیت کی۔

مولانا سمیع الحق کی سوانح حیات

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے سوانح حیات پر مولانا حقانی نے ۱۰،۱۲، ابواب پر مشتمل کتاب لکھی ہے، اس کے متعلق مولانا راشد الحق سمیع ایڈیٹر ''الحق'' نے مولانا حقانی سے کہا کہ ''استاد جی! اب اس کو شائع کردیں''۔ مولانا حقانی نے فرمایا: ''استاد جی (مولانا سمیع الحق شہیدؒ)! فارغ نہیں ہیں ورنہ ہم تو تیار بیٹھے ہیں، استاد جی (مولانا سمیع الحق شہیدؒ) کی نظر ثانی کے بعد ہی شائع کی جائے گی''۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا: ''میری اس میں دلچسپی نہیں'' آپ جو کررہے ہیں یہ آپ کا اپنا ذوقِ تحریر اور شوقِ تصنیف وتالیف اور مجھ سے محبت کا اظہار ہے۔

ملی، قومی تاریخ

اس پر حقانی صاحب نے فرمایا: نہیں جی! یہ بہت ضروری ہے، آپ کی زندگی کا ہر پہلو بہت

وسیع ہے، اس سے ملکی، قومی، ملی تحریکوں کی تاریخ بھی محفوظ ہو جائے گی، سب سے بڑھ کر ختم نبوت کا تحفظ اور قادیانیت کا مقابلہ، شریعت محاذ اور نفاذِ شریعت وغیرہ تحریکیں، ان کی تاریخ بھی مرتب ہونی چاہیئے۔ اس پر حضرت مولانا شہیدؒ نے فرمایا: ''اچھا تو پھر مشاہیر کے مکاتیب کے شائع ہونے تک انتظار کرو، اس میں آپ کو بہت سارا مواد ملے گا''۔

منتخب علمی ڈائری

مولانا شہیدؒ نے فرمایا: ''الحق'' میں ''منتخب علمی ڈائری'' کے عنوان سے کچھ مواد چھپتا تھا جسے لوگ بہت پسند کرتے تھے، وہ بھی کتابی صورت میں شائع ہونا چاہیئے''۔

مکاتیب پر تاریخ کا اندراج

مولانا حقانی نے عرض کیا استاد جی! ''مکاتیبِ مشاہیر'' کی اشاعت بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آپ نے ایک صدی کی تاریخ کو محفوظ فرمایا۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا: ہاں! مکاتیب کا بہت بڑا حصہ تاریخ سے متعلق ہے۔ جہادِ افغانستان، طالبان کی رپورٹیں بہت کچھ ہے اس میں مگر افسوس کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ خط پر تاریخ نہیں لکھتے، پھر پتہ نہیں چلتا کہ کب لکھا ہے، تقریباً میں نے مضامین سے اندازہ لگا کر اکثر مکاتیب پر تاریخ لکھ دی ہے۔ اپنی عادت تو یہ ہے کہ بعض دفعہ تو جواب لکھنے کے بعد خط پر تاریخ بھی لکھتا ہوں کہ جواب لکھ دیا اور تاریخ بھی درج کر دی۔

مکاتیب مشاہیر پر حواشی

''مکاتیب مشاہیر'' پر حواشی کی بات آئی تو مولانا سمیع الحق نے فرمایا:

بعض بزرگ ایسے تھے جن پر فوری طور پر لکھنے کے لئے طبیعت آمادہ نہیں ہو رہی تھی۔ ان کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام حائل تھا۔

مقصد مشاہیر

''مشاہیر'' ایک ایسی علمی چیز ہے جس کے ذریعے ہم آپ کو آپ کے اکابر سے متعارف کرانا چاہتے ہیں آج ہمارے مدارس میں ہمارے طلبہ، ہمارے علماء کی اپنے عظیم، جلیل القدر علماء کے حالات، ان کے علوم ومعارف سے وابستگی کم ہوگئی ہے حالانکہ یہ ہمارے درس اور نصاب کا ایک بڑا حصہ ہونا چاہیئے تھا۔ ہماری تاریخ کیا ہے؟ ہمارے اکابر کون تھے؟ تو ''مشاہیر'' کے ذریعے پورے

برصغیر پاک وہند کے اور اکابر وزعماء، مشائخ وعلماء اور اکابرینِ تصوف اور مجاہدین کی تحریریں سامنے آ گئی ہیں۔ جس سے آپ کے لئے ان کی پہچان کا ایک دروازہ کھلتا ہے۔ میں نے تحریروں میں کوئی ردوبدل نہیں کیا۔ ہمارے پشتو کے بڑے بڑے حضرات علماء وہ خط پشتو میں لکھتے تھے اگر اردو میں لکھتے تو وہ بھی گلابی اردو ہوتی تھی تو ہم نے اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اسلئے کہ اصل خط میں اخلاص وللّٰہیت کے آثار جھلکتے ہیں۔ ''ہر چہ از دل می خیزد بر دل می ریزد'' اس کو ہم نے اپنے اضافوں اور ردّ و بدل سے داغدار نہیں بنایا، ان میں ہر ایک خط کا نمونہ آپ کو ملے گا۔ مجاہدین کا بھی، مبلغین کا بھی، مدرسین کا بھی، مقصد میرا یہی ہے کہ آپ کسی نہ کسی بہانے ان اکابر سے وابستہ ہو جائیں، ان سے تعلق اور علمی رشتے قائم کریں، ہمارا نظامِ تعلیم ان ہی رشتوں اور تعلق پر چل رہا ہے، جسے سند کہا جاتا ہے اور سند کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے اکابر کے تسلسلِ سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہیں، کتنے اکابر ہیں؟ جن کے نام سے بھی ہم ناواقف ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کون تھے؟ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنیؒ کون تھے؟ کتنے لوگوں کو پتہ ہے کہ علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، علامہ قاری محمد طیب قاسمیؒ، علامہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ کون تھے؟ یہ تو معروف لوگ تھے ایسے سینکڑوں لوگ ہیں جن سے آپ واقف نہیں ہیں؟ تو میرا کام صرف جمع کرنے کا تھا چونکہ میں مکتوب الیہ ہوں، اصل کمال تو کاتب کا ہے۔

امام لاہوریؒ کا درسِ قرآن

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اپنے تحریر کردہ امامِ لاہوریؒ کے درسِ قرآن یعنی دورۂ تفسیر کے امالی منگوائے۔ غالباً ۱۹۵۸ء کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو رمضان میں دورۂ تفسیر کیلئے امام لاہوریؒ کے ہاں بھیجا تھا۔ دورانِ درس جو کچھ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے درسی افادات لکھے تھے۔ حقانی صاحب کو بار بار اپنے امالی دکھاتے اور خوش ہوتے رہے ......

اس کی اُمیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

قدرِ وقت کا اہتمام

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نے نماز

پڑھائی اور اپنے خلوت خانہ میں چلے گئے جہاں وہ ذکر و مراقبہ اور مطالعہ اور لکھنے کا کام کرتے تھے۔ ان کو اپنے خلوت خانہ سے نکالنا یا ان کے دروازے پر دستک دینا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس دوران ایک جرنیل آئے، وہ حضرت لاہوریؒ سے ملنا چاہتے تھے اور میری منت سماجت کی تو میں سادہ آدمی تھا میں نے جرأت کی اور حضرتؒ کے دروازے پر دستک دے دی انہوں نے دروازہ کھولا مگر ان کی جو کیفیت تھی وہ مجھے دیکھ کر تبدیل ہوگئی۔ میں نے کہا: حضرت! یہ مہمان جرنیل صاحب آئے ہوئے ہیں اور مجھے بہت منت سماجت کی کہ آپ سے ملاقات کرادوں تو حضرت لاہوریؒ نے فرمایا: گھڑی ہاتھ میں پکڑو اور میں صرف ایک منٹ دوں گا۔ وقت کی اتنی قدر کرتے تھے۔ منٹ پورا ہوا مہمان سے ملاقات ختم کردی اور ہم نے دروازہ بند کردیا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے کتاب ''الامام الکبیرؒ'' کا جگہ جگہ سے مطالعہ شروع کیا پھر فرمایا: اللہ آپ کی یہ سعی قبول فرمائے، علماء طلباء کو چاہئے کہ اپنے اکابر کی سوانحات دیکھنے کے لئے وقت نکالیں، وفاق المدارس والوں کو چاہئے کہ اس طرح کے اکابر کی سوانحات کو نصاب میں جگہ دیں، آج کل کے طلبہ اکابر کی قدر و منزلت سے ناواقف ہیں۔ وہ آبِ حیات، قبلہ نما اور تحفہ لحمیہ نہیں جانتے۔

جناب شفیق الدین فاروقی صاحب نے ''حقائق السنن'' کے حوالے سے بات کی تو مولانا عرفان الحق نے حقانی صاحب سے کہا: استاذ جی! اس کی تکمیل آپ پر قرض اور فرض ہے، حقانی صاحب نے فرمایا: آپ ہماری مدد کریں، آپ سب میدانِ قلم و قرطاس میں اُتریں اللہ پاک تکمیل کی توفیق ارزانی فرماویں گے۔

خط لکھنے کا اہتمام

خطوط، مکاتبت اور ادب کے حوالے سے بات چلی تو شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا کہ ڈربن جنوبی افریقہ سے سید سلیمان ندویؒ کے صاحبزادے مولانا سلمان ندوی کا ای میل کے ذریعہ خط آیا، سب نے کہا: فون کردو اور انہیں جواب سے مطمئن کردو۔ میں نے کہا: نہیں خط کا اپنا لطف ہے جو لطف و مزا خط میں ہے وہ فون میں نہیں لہٰذا فوراً میں نے انہیں مفصل جواب لکھ کر ای میل کے ذریعہ بھیج دیا۔

صحبتے با اہل حق

ارشاد فرمایا: شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مجالس میں اُن کے ارشادات، فرمودات لکھا کرتا تھا۔ حضرت مجھے دیکھ کر سمجھتے کہ باتیں ضائع نہیں جاتیں تو مزید شرحِ صدر سے بات کرتے میں لکھتا رہتا جو ماہنامہ ''الحق'' میں ''صحبتے با اہلِ حق'' کے عنوان سے چھپا کرتے تھے۔ بعض بزرگ، دوست احباب اور حاضرین مجھے لکھتے ہوئے دیکھتے، تو آنکھوں آنکھوں میں آپس میں باتیں بھی کر لیتے، میرے لکھنے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے، حضرت کو کھانسی آتی تو وہ مجھے کہتے اسے بھی لکھ لو، چھینک آتی وہ کہتے اسے بھی لکھ لو۔ الحمد للہ ان کے وہ بے جا اشارات، مذاق، استہزاء سب ھباءً منثورًا ہو گئے اور میری ''صحبتے با اہل حق'' کے ایڈیشن پر ایڈیشن آ رہے ہیں اور ایک دُنیا فائدہ حاصل کر رہی ہے۔ (القاسم، فروری ۲۰۱۳ء)

خطبات مشاہیر کی تقریب رونمائی

۳۰/۳۱ اگست ۲۰۱۵ء احقر کی زندگی میں بے حد مسرت آمیز دن آیا، شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کی نئی مرتب کردہ کتاب ''خطباتِ مشاہیر منبر حقانیہ سے'' طبع ہو کر دس (۱۰) جلدوں میں منظر عام پر آئی، ۳۱/ اگست کو تقریب رونمائی کا انعقاد تھا، مہمان خصوصی شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ تھے اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض سیدی واستادی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی سرانجام دے رہے تھے۔

سوانح کا تذکرہ

''مولانا سمیع الحق، حیات وخدمات'' کے سلسلہ میں کسی صاحب نے کوئی تبصرہ کیا تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے فرمایا کہ مستقلاً کوئی ذاتی اور شخصی سوانح نہیں ہے اور نہ مدح اور نہ مناقب بلکہ یہ تو قوم وملت اور اُمت سے تعلق رکھنے کی ایک تاریخی دستاویز ہے اس میں علم وادب، درس وتدریس، اخلاقیات، سیاسیات اور حالاتِ حاضرہ کے مسائل شامل ہیں۔ میری خواہش ہے اور اکابر سے مطالبہ بھی کہ تمام مدارس دینیہ نظام تعلیم' نصاب تعلیم میں اخلاقیات مستقل شامل کریں۔

(ساعتے با اہل حق ص: ۱۰۳ تا ۴۹۸ سے انتخاب)

جناب اسد اللہ خان غالب
معروف کالم نگار، دانشور روزنامہ ''نوائے وقت''

خطبات مشاہیر

جناب اسد اللہ خان صاحب پاکستان کے مایہ ناز کالم نگار اور روزنامہ ''نوائے وقت'' کے معروف کالم نگار ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم میں بڑی روانی اور شائستگی رکھی ہے۔ طبعاً سلیم الفطرت صحافی ہیں، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے عرصہ دراز سے سلسلہ عقیدت ومحبت میں جڑے رہے۔ آپ نے ''خطبات مشاہیر'' پر مولانا شہیدؒ کی زندگی میں موقر کالم لکھا وہ نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

میرا خیال تھا کہ زندگی بھر ''خطبات بہاولپور'' کے سحر سے نہیں نکل سکوں گا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ خطبات فی البدیہہ ارشاد فرمائے۔ کس قدر مشکل موضوع اور بیان میں کس قدر روانی اور سلاست۔ بچپن میں خطبات مدراس نظروں سے گزرے، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر انتہائی دلکش اور پُر تاثیر اندازِ بیان سید سلیمان ندوی کی زبان سے۔ (ماشاء اللہ) انسان جھوم جھوم اٹھتا ہے مگر اب جو ''خطبات مشاہیر'' دیکھنے کا موقع ملا، اللہ تفصیل سے پڑھنے کی توفیق بھی عنایت فرمائے تو ذہن کسی اور طرف نکل گیا۔ اس کے مولف مولانا سمیع الحق ہیں۔ یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ وہ ایک درسگاہ کے منتظم ہیں یا علم وتحقیق کے ایک بحر بیکراں کے شناور یا جہاد اسلامی کے ایک عظیم سپاہ سالار مگر میں اس وقت ان کی علمی کاوشوں کو مدنظر رکھوں گا۔ اس سے پہلے سات جلدوں پر مشتمل ان کی کتاب ''مکتوبات مشاہیر'' علمی وتحقیقی حلقوں میں اپنا لوہا منوا چکی ہے، اب ''خطبات مشاہیر'' کی دس جلدیں منصۂ شہود پر آ گئی ہیں۔ اس میں ایسے نوادرات جمع کر دیئے گئے ہیں جن کی تلاش کارے دارد والا مسئلہ ہے لیکن مولانا سمیع الحق نے یہ کارنامہ بھی انجام دے ڈالا۔

اکوڑہ خٹک کا دارالعلوم ابھی ایک اسکول کی شکل میں تھا کہ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ یہاں تشریف لائے، یہ پون صدی قبل کا قصہ ہے مگر شیخ الاسلامؒ کے فرمودات اس کتاب کا حرف آغاز ٹھہرے۔ یہ محض تبرک نہیں بلکہ ایمان کی پختگی کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

رکئے صاحب! میں نے تیزی سے کتابوں کے صفحات پلٹنے شروع کر دیئے، ویسے یہ کام بھی کٹھن اور ایک نشست میں ناممکن ہے۔ پہلے مجھے اس تصنیفی کارنامے پر خراج تحسین پیش کرنا ہے، برصغیر میں تصنیف و تالیف کے حوالے سے ''ندوۃ العلماء'' کی ایک خاص پہچان ہے، اس ادارے سے منسلک اسکالرز نے تحقیقی کتابوں کا اتنا بڑا ڈھیر لگا دیا جتنا شاید ہلاکو اور چنگیز خاں، انسانی سروں کا نہیں لگا سکے۔ اسلام کی پہچان تعلیم و تعلم سے ہے، پہلی وحی میں حکم ربانی تھا اقرا، یہ سلسلہ مدینہ کے اصحاب صفہ کے پلیٹ فارم سے منظّم ہوا، یہاں سے بغداد، قاہرہ، دمشق، غرناطہ، قرطبہ، قم، سمرقند اور بخارا تک پھیلتا چلا گیا۔ جامعہ دارالعلوم اکوڑہ خٹک اس شاہراہِ علم کا اہم سنگ میل ہے۔ مولانا سمیع الحق ایک ہفت رنگ شخصیت ہیں، مگر میں ان کی تحقیقی کاوشوں تک محدود رہنا چاہتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا احاطہ بھی اس مختصر کالم میں کرنے سے قاصر ہوں۔ ''خطبات مشاہیر'' اصل میں تو ان خطبات پر مشتمل ہے جو اس درسگاہ میں دیئے گئے مگر مولانا سمیع الحق نے اس کی تدوین کے دوران اس کا دائرہ بے حد وسیع کر دیا ہے اور اگر کوئی تقریر ان کے زیر انتظام کسی بھی مقام پر منعقد کئے گئے جلسے میں بھی کی گئی ہے تو اسے بھی اس سلسلہ کتب میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اس ذیل میں متحدہ شریعت محاذ، ملی یک جہتی کونسل، دفاع افغانستان و پاکستان کونسل، جمعیت علمائے اسلام کو شمار کیا جا سکتا ہے۔

مولانا کا کہنا ہے کہ ''خطبات مشاہیر'' ایک ایسا گلدستہ اور علم وہدایت کی کہکشاں ہے جس میں آپ رشد و اصلاح، تصوف وسلوک، جہاد وسیاست، دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، کے اوج بلند پر فائز شخصیات کی صحبت کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔ مرشدین و مصلحین امت میں مولانا مدنیؒ، شیخ التفسیر لاہوریؒ، مولانا درخواستیؒ نمایاں ہیں۔ جبکہ حکمائے امت میں قاری محمد طیبؒ، ابوالحسن علی ندویؒ، محدثین میں مولانا عبدالحقؒ، علامہ یوسف بنوریؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ اور جہاد وعزیمت کے شہسوار مولوی یونس خالصؒ، مولانا نبی محمدیؒ، مولانا جلال الدین حقانیؒ، ملا عمرؒ، برہان الدین ربانیؒ کے خطبات کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔ میدان خطابت کے شناور سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے رشحات فکر بھی اس سلسلہ کتب کا حصہ بنائے گئے ہیں۔ آئین وقانون کے ماہرین میں اے کے بروہی، اور ڈاکٹر جاوید اقبالؒ کا نام نمایاں ہے، سیاستدانوں کی ایک طویل فہرست ہے، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبدالستار نیازیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور قاضی حسین احمدؒ کے خطبات بھی اس گلدستے میں سجائے گئے ہیں، عالم اسلام کے جید علماء کے افکار کو بھی نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ سوچنے کی بات یہ

ہے کہ اس سارے ذخیرے کو جمع کیسے کیا گیا، میری عقل تو کام نہیں کرتی مگر مولانا خود فرماتے ہیں کہ کاغذوں کا انبار ہے جو کھنگالا گیا، بعض نوٹس اس قدر مٹ گئے تھے کہ محدب عدسے کی مدد لی گئی، برصغیر میں ہر صاحب علم سے رابطہ کیا گیا کہ آیا کسی کے پاس کوئی کیسٹ وغیرہ ہے، مختلف جرائد اور اخبارات کی فائلوں کی گرد جھاڑی گئی۔ یہ پہاڑ سر کرنے والی بات تھی مگر مولانا نے ہمت نہیں ہاری اور ایسے ایسے جواہر اکٹھے کر لئے کہ آنے والی نسلوں کی راہیں روشن ہو گئی ہیں۔

امت مسلمہ کے دور زوال کی صورت حال ایک عرصے سے درپیش ہے، انگریز نے دعوی کیا کہ اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا، کسی طور ہم نے کھینچ تان کر کے اس سورج کو غروب کر دیا مگر استعمار نے شکل تبدیل کر لی اور اب ریموٹ کنٹرول کا دور ہے۔ میں یہ باتیں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خطبات سے اخذ کر رہا ہوں جنہیں اقبالؒ کی ایک رباعی نے (ایک حلقے میں) متنازعہ بنا دیا مگر مولانا کا ارشاد ہے کہ مسلمان کی سرشت میں مزاحمت لکھ دی گئی ہے۔ میدان جنگ میں دشمن ہماری تلوار کی تاب نہیں لا سکتا، اسی لئے اس نے ایسا اسلحہ ایجاد کر لیا ہے کہ دور بیٹھے تباہی نازل کر دے اور خود اسے نقصان نہ پہنچے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دور میں یہی کیفیت تھی مگر دشمن کو زچ کرنے کے لئے فلسطینی نوجوانوں نے پہلے تو غلیل استعمال کی، پھر پتھر اٹھائے اور آخر میں خود کش حملوں کا سلسلہ چل نکلا، اس کا توڑ دشمن کے پاس نہیں ہے، کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ خود کش بمبار ہمارے دائیں بائیں سے سامنے آ جاتا ہے اور لاشوں کا ڈھیر لگا دیتا ہے۔ خود کش بمبار بھی کسی کو نظر نہیں آتا جیسے کروز میزائل اور ڈرون کسی کو نظر نہیں آتا۔ جدید ٹیکنالوجی نے ہر ریڈار کو اندھا کر کے رکھ دیا ہے تو خود کش بمبار بھی ہر ریڈار کو چکمہ دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ ایک نئی صورت حال ہے، مولانا مدنیؒ حیات ہوتے تو اس پر کچھ تبصرہ فرماتے مگر آج تو شرق سے غرب تک ہر ایک کی عقل دنگ ہے، حواس مختل ہیں، ہوش کے طوطے اڑے ہوئے ہیں، مستقبل کا کوئی سمیع الحق نئے خطبات مرتب کرے گا تو شاید انسانیت کو درپیش موجودہ قیامت کا تجزیہ سامنے آ سکے۔

میں مولانا کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے بھی ''خطبات مشاہیر'' کا حصہ بنایا اور پھر دس جلدوں کا یہ سیٹ مجھے ہدیہ کیا، میں اس کے ایک نکتے سے آگے نہیں بڑھ سکا، اپنی بے بضاعتی اور کج فہمی پر شرمندہ ہوں۔ مگر خطبات کی اشاعت پر مولانا سمیع الحق کو ہدیہ تبریک ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں، خدا کرے کہ وہ اس طرح کے علمی کام جاری و ساری رکھیں۔

مولانا امین الحق گستوئی
خانقاہ نقشبندیہ ژوب بلوچستان

زین المحافل شرح شمائل ترمذی

حضرت مولانا امین الحق گستوئی صاحب، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل، اُردو، پشتو کے ادیب، مصنف، شارح، مترجم و ناشر، تصوف وسلوک میں اپنے عظیم والد حضرت مولانا خواجہ عبدالحق کے واسطہ سے خواجہ سراج الدین صاحب سلسلۂ طریقت کے مجاز، قلم وکتاب، ادب، مطالعہ وتحقیق اور درس وتدریس میں منفرد مقام رکھتے ہیں ...... (ادارہ)

رحمۃ للعالمین، زینت الکونین، سیدالاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ امام المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن وجمال اور فضل وکمال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل، مبارک صورت اور معطر سیرت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہروباطن، عادات واطوار، نشست و برخاست اور تمام اقوال وافعال، ہر ادا وسکون بے مثال اور بے شبیہ ہے، اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مخلوق کے لیے اعلیٰ نمونہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو ذریعہ نجات قرار دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنی محبت کے لیے شرط مقرر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نہایت بلند ہے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر ورفعنا لك ذِكرك کا تاج رکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو عظیم صفت سے متصف فرمایا وانك لعلی خلق عظِیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت قرآن مجید کی مجسم تفسیر ہے، کتاب اللہ رجال اللہ سے معلوم ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تفسیر مجسم ہیں۔

شمائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمانِ کامل کیلئے شرط ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل اور عادات واطوار کو عملی طور پر اپنانا بہت بڑی سعادت ہے، جو کوئی شمائل مبارک پڑھتا ہے اور مطالعہ کرتا ہے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی عظیم ہستی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وشمائل پر غیر مسلموں نے بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔

ہر مسلمان کو چاہئے کہ اگر سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھ نہیں سکتا تو مطالعہ تو کرلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بارے میں معلومات حاصل کرلے اور وہ کتابیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل اور سیرت پر لکھی گئیں ہیں محتاط اندازے کے مطابق اُن کی تعداد اٹھائیس ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ان کتابوں میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی الشمائل الحمیدیه والخصائل النبویه نہایت جامع اور سب سے مقبول ومستند ترین کتاب ہے، علمائے کرام نے قدیماً وحدیثاً اس کتاب کی بہت سے شروحات لکھی ہیں،ان میں سے ہمارے مخدوم استادی واستاد العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ''زین المحافل'' بھی ہے۔حضرت مولانا شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے ہر فنِ مولا بنایا تھا، آپؒ بیک وقت ایک قابل مدرس اور شفیق اتالیق تھے تو کامیاب سیاستدان بھی تھے،میدان کارزار کے مجاہد تھے تو خطابت کے شہ سوار بھی۔الحمد للہ! مجھے حضرت شیخ شہیدؒ سے تلمذ حاصل رہا اور میں نے ان سے درس نظامی کی متعدد کتابیں پڑھیں،حضرتؒ کا دلنشیں اندازِ تدریس طلبہ کے درمیان یکساں مقبول اور محبوب تھا،اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مباحث کو نہایت سلیس انداز میں سلجھا دیتے تھے۔حضرت مولانا شہیدؒ اپنے علمی مقام،قائدانہ صلاحیتوں کو ہمیشہ اپنی تواضع،سادہ اور بے تکلف زندگی کے پردے میں چھپائے رکھتے تھے،جس کا مشاہدہ ہر طالب علم کرسکتا تھا۔حضرت مولانا شہیدؒ قلم کے بے تاج بادشاہ تھے،ان کی نثر حق گوئی و بیبا کی تیغ بے نیام کی طرح تھی،حق گوئی انہیں وراثت میں ملی تھی،ان کے نگارشات کے کئی مجموعے شائع بھی ہوچکے ہیں۔

''زین المحافل'' حضرت مولانا شہیدؒ کے تقریر شمائل ترمذی کا مجموعہ ہے، جسے برادر مکرم حضرت مولانا اصلاح الدین حقانی حفظہ اللہ نے مرتب کیا تھا اور کئی سال طاقِ نسیان ہی میں رہا پھر حضرت مولانا شہیدؒ نے مولانا مفتی مختار اللہ حقانی سے اس تقریر کی تخریج وتحقیق کروائی اور یوں ۲۰۰۷ء میں یہ شرح منظر عام پر آئی۔میں نے جب یہ شرح دیکھی تو اس سے اپنے دور طالب علمی کی بہت ساری یادیں تازہ ہوگئیں،حضرت مولانا شہیدؒ کا نرالا انداز تحقیق وبیان اور ان کے مشاہدات جو آپؒ اکثر دوران درس بیان فرماتے تھے،حال ہی میں بندہ نے جب شمائل کی شرح پشتو زبان میں لکھنا چاہی تو حضرت مولانا شہیدؒ کی اس شرح سے بطورِ خاص استفادہ کیا، کیونکہ اس شرح میں بعض وہ نکات بھی ہیں جو کسی دوسری شرح میں نہیں، بالخصوص عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر کسی نے مشاہدہ کرنا ہو تو وہ اس شرح کو ضرور پڑھے کیونکہ حضرت مولانا شہیدؒ ایک عاشقِ رسول تھے اور اسی عشق کی بدولت شہادت کے مرتبہ سے سرفراز ہوئے۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شمائل ترمذی کی اس شرح کی بدولت حضرت شیخ شہیدؒ کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔آمین

مولانا مفتی بہادر خان حقانی
سابق رکن موتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

مولانا شہیدؒ کی تالیفی خدمات: اکابر ومشاہیر کی نظر میں

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں، وہ ہمہ جہت اور ہشت پہلو شخصیت کے مالک تھے، ان کی خدمات اور علمی و سیاسی کارناموں کا دائرہ نہایت وسیع ہے، آپ کو ایک سیاسی اسلامی رہنما کی حیثیت سے شہرت رکھنے کے ساتھ ساتھ علمی حوالہ سے بھی بہت بلند مقام حاصل تھا، آپ برصغیر پاک و ہند کے معروف علمی وروحانی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، آپ جہادِ افغانستان کے صف اول کے قائدین اور رہنماؤں کے استاد رہے۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے درس و تدریس، وعظ وتبلیغ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی عظیم خدمات سرانجام دیں، آپ کی تالیفات سے ان کے تدبر، فہم و بصیرت، علمی ذوق، علمی میراث کے تحفظ اور اہل علم کی قدر دانی کا اندازہ ہوسکتا ہے، آپ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں ''موتمر المصنفین'' کے نام سے شعبہ تصنیف وتالیف قائم کیا جس سے درجنوں کتابیں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں، جس میں حضرت شہیدؒ کی درجن بھر سے زائد کتب بھی شائع ہوکر اہل علم واکابر سے دادِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ ذیل میں مولانا شہیدؒ کی کتابوں پر برصغیر پاک و ہند کے چند اکابر و مشاہیر کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔

''حقائق السنن'' پر اکابر ومشاہیر کے تاثرات

مفکر اسلام سید مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (عظیم مفکر ومصنف)

بڑی مسرت وطمانیت کی بات ہے کہ استاد العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ (بانی و مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان) کی درس ترمذی کی تقریریں اور امالی وافادات کی جلد اول ''حقائق السنن'' منظر عام پر آگئی ہے، حضرت شیخ الحدیث کے فرزند گرامی مولانا سمیع الحق (مدیر ''الحق'' واستاد حدیث دارالعلوم حقانیہ) اور مولانا عبدالقیوم حقانی نہ صرف طلبائے علم حدیث بلکہ

حدیث کے کہنہ مشق، وسیع النظر و فاضل اساتذہ کے بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے تعاون ونگرانی سے یہ علمی صحیفہ (جو ایک ماہر فن اور دقیق النظر استاد حدیث کی خدمت کے وسیع مطالعہ، طویل تجربہ، دیدہ دینی اور جگر کاوی کا نتیجہ ہے) اہل علم کے سامنے آیا، حضرت شیخ الحدیثؒ نصف صدی سے تدریس حدیث کی خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ممتاز شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، ان میں دقیق مباحث کو شائستہ انداز اور سلجھے ہوئے پیرایہ میں بیان کرنے کی خداداد صلاحیت ہے، انہوں نے چالیس سال تک دارالعلوم حقانیہ میں ترمذی کا درس دیا، یہ تقریریں ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ کی گئیں۔

مولانا صاحب نے پورے مسودے پر نظر ڈالی اور ضروری ترمیم واصلاح فرمائی، تشنہ مقامات پر مزید بحث کی اور مرتب شدہ امالی (درس کے وہ تقریری افادات جو قلم بند کر لئے گئے تھے) سے بھی کام لیا، مولانا صاحب چونکہ حدیث کے عالم واستاد ہونے کے ساتھ اپنے شیخ واستاذ کی تبعیت میں تزکیہ واسلوب کے بھی رمز آشنا ہیں، اس لئے کتاب میں جا بجا لطائف تصوف اور علمی وجدانی نکات بکھرے ہوئے نظر آئیں گے، جا بجا دلچسپ سبق آموز واقعات وحکایات درس پڑھنے والوں کیلئے دل آویزی کا ذریعہ اور موعظت اور تربیت کا سامان ہے، فضلائے قدیم کی طرح اپنے اساتذہ سے عقیدت وشغف خاص طور سے حضرت مدنیؒ سے غیر معمولی عقیدت کتاب میں جھلکتی ہے، فنی وتحقیقی حیثیت سے بھی کئی بحثیں مختصر ہونے کے باوجود بصیرت افروز اور اصولی قدر و قیمت کی حامل ہیں۔

مولانا چونکہ بیدار مغز، حساس ودردمند دل بھی رکھتے ہیں، عہد حاضر کے بدلتے ہوئے حالات اور جدید تعلیم یافتہ نسل کے ذہن سے بھی واقفیت رکھتے ہیں اور آپ کا مطالعہ صرف درسی اور فنی کتابوں میں محدود نہیں ہے، آپ نئے سے نئے شبہات وسوالات سے واقفیت اور شرح حدیث وتقریر درس میں بقدر ضرورت تعرض کا اندازہ ہوتا ہے۔

کتاب اگر چہ حدیث وفقہ کی موضوع سے تعلق رکھتی ہے لیکن مولانا صاحب کی تاریخ سے واقفیت کا بھی روشن ثبوت ملتا ہے، جس کے متعلق سمجھ لیا گیا ہے کہ وہ علماء اور اساتذہ دینیات کے دائرہ سے واقف ہیں، ان سب کے ساتھ کتاب سے مسلک اہل سنت کے اس اعتدال وتوازن کا بھی اظہار ہوتا ہے جو ان کے اساتذہ اور اسلاف کا شیوہ رہا ہے اور مکتب وخاندان ولی اللّٰہی کا شعار، خالص درسی وفنی حیثیت سے بھی کئی ایسی مباحث ملتی ہیں جو فنِ حدیث میں رسوخ وعمق کا نمونہ ہیں، یہ پہلی

کتاب ہے جس میں اردو میں جامع ترمذی کی شرح وبیان کی کوشش کی گئی ہے اوران دشوار ومشکل مضامین کو (جو ابھی تک عربی کی شروح حدیث اور ماہرفن اساتذہ کے حلقہ درس سے مخصوص تھے) سلیس اور شائستہ اردو زبان میں پیش کیا گیا ہے، اس بلند پایہ کتاب پر مقدمہ لکھنے کے لئے ایک ایسی شخصیت موزوں تھی جس کی علم حدیث اورمتون وشروح حدیث پر وسیع عمیق نظر ہواورجس کا فن حدیث سے طویل ومسلسل اشتغال رہا ہو، خدا کے فضل سے ابھی برصغیر ہندو پاکستان میں متعدد ایسی شخصیات موجود ہیں جو اس کام کی تکمیل کیلئے ہرطرح سے موزوں ومناسب ہیں لیکن محبّ گرامی قدر مولانا سمیع الحق صاحب کی نظر انتخاب اس اہم کام کیلئے اس بے بضاعت پر پڑی (جیسے ان کا حدیث سے اشتغال اوراس کے درس کی مشغولیت کوعرصہ ہوگیا) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری بے بضاعتی وکم مائیگی کے باوجود مقدمہ نگار کوبھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے صحیح بخاری وجامع ترمذی میں تلمذ واستفادہ کی سعادت وشرح حاصل ہوئی ہے۔

ع بلبل ہی کہ قافیہ گل شود بس است

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی عمر، صحت وقوت میں برکت عطافرمائے اوران کے علمی ودینی فیوض سے زیادہ سے زیادہ طالبین کومستفید ہونے کا موقع دے، نیز مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو ترقی وقبولیت عطافرمائے ،جس کے ذریعہ حدیث کی یہ قیمتی سوغات اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچی۔

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی قدس سرہ (خلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو جو ترمذی شریف کی تدریس اور تشریح میں منفرد مقام حاصل تھا اس پر آج تک کوئی شاگرد شاید اسلئے کام نہ کرسکا کہ یہ کام مشکل ترین تھا، ادھر حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ہزار ہا شاگردوں کے ذمہ یہ قرض تھا جس کا اتارنا ضروری تھا۔

چوں خدا خواہد کہ کارے راکند
خودبخود اسباب راجنبش دہد

اس عظیم قرض کو اتارنے کیلئے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید محدث کبیر استاد العلماء حضرت مولانا عبدالحق صاحب زیدمجدہم وفضلہم کواللہ تعالیٰ نے توفیق عطافرمائی اورانہوں نے باوجود مسلسل علالت، عدیم الفرصتی اورکئی موانع کے اس اہم کام کی طرف توجہ فرما کر جامع السنن الترمذی کی

شرح بنام حقائق السنن مرتب کرنے کی سرپرستی قبول فرمائی، چنانچہ ان کی پیرانہ سالی کی جواں ہمتی سے حقائق السنن جلد اول صوری اور معنوی زینت سے مرصع شائع ہوگئی، معارف قلمبند کئے گئے ہیں۔

عالی مرتبت اور مؤلف مولانا عبدالقیوم حقانی کا امت پر یہ بھی احسان عظیم ہے کہ انہوں نے محدث العصر شیخ الحدیث صاحب کے افادات درس کی اس کتاب کو اردو زبان میں مرتب فرمایا ہے جس سے کم از کم برصغیر کے علماء اور طلباء کے علاوہ خلوص نیت کے ساتھ ارشادات سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے والے سعادت مند فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی (مفتی اعظم پاکستان)

حضرت الاستاد مولانا عبدالحق رحمہ اللہ انفع (شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) کی امالی جامع ترمذی کے ایک حصہ کو تبرک کے طور پر دیکھا جامع ترمذی جو امام بخاری اور امام ابوداؤد کے طریقوں کی جامع ہے اسلئے وہ جامع بھی ہے اور سنن بھی، مادر علمی دیوبند میں اس کی تدریس نہایت اہم اور شان سے ہوتی رہی، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ راقم آثم کو اس کتاب مستطاب کے پڑھنے کی معمولی سی نسبت حاصل ہے، زندگی کا یہ حصہ جو حضرت سے تلمذ اور جوتیاں اٹھانے میں گزرا سب سے زیادہ قیمتی حصہ ہے، شاید اس کی وجہ اللہ کی رحمت بے پایاں متوجہ ہوجائے اور عفوودرگزر کا ادنی سے ادنی معاملہ فرمائے (وماذلك على الله بعزيز)

حضرت الاستاد حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی تقریر ترمذی میں اپنے استاد محترم کا رنگ ہے، اس کی اشاعت سے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خصوصیات درس علماء وطلباء کے سامنے آجائیں گے، اور حضرت مدنی کے ماثر علمیہ میں ایک وقیع اضافہ ہوگا، یہ چند سطور اس بزم میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کیلئے تحریر کردیں ورنہ میں اس قابل کہاں؟

مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب (مدرس نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

ترمذی کی بے شمار شروح اور حواشی ہیں جن کا اجمالی اور سرسری تذکرہ بھی خاصہ وقت خور ہے، اکثر مدارس میں مسالک اور مذاہب کی بیشتر تحقیق ترمذی کی تدریس میں ہوتی ہے، طلبہ کرام کی سہولت کیلئے اردو زبان میں بھی اس کی شرح وقت کی اہم ضرورت تھی اور ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر فرمائے ان حضرات کو خصوصاً حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دام مجدہم اور حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دام مجدہم کو جنہوں نے کہنہ مشق استاد اور اپنے دور کے بہترین معلم اور نمونہ سلف شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کی تقریر ترمذی شریف کو مرتب کر کے مزید حواشی سے مزین کر کے زیور عبارت سے آراستہ کیا ہے، راقم اثیم نے اس کا تھوڑا سا حصہ دیکھا ہے مگر دیگ کا ایک دانہ بھی بقیہ دانوں کی حالت پر دال ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ اس کتاب کو ممدوح کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے اور جملہ معاونین اور مرتبین کو نیک صلہ عطا فرمائے اور طلبہ علم کیلئے اسے روشنی کا مینار بنائے اس سے استفادہ کرنے کا موقع بخشے، (آمین ثم آمین)

مولانا محمد حسن جان مدنی شہیدؒ (شیخ الحدیث جامعہ امدادالعلوم پشاور)

اب ہمارے اس نئے دور میں استاد العلماء والفضلاء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ (بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور) کی شرح ترمذی دنیائے اسلام میں عربی کے بعد سب سے زیادہ فصیح اور مفید اور دوسرے نمبر پر استعمال ہونے والی زبان اردو میں منظر عام پر جلوہ نما ہوگئی ہے۔

اس شرح کی افادیت اور اہمیت موضوع کتاب ''حدیث'' اور مصنف کی تبحر علمی سے آشکارا ہے، یہ شرح حقیقت میں حضرت موصوف کا ترمذی شریف میں خطابات اور دروس کا مجموعہ ہے جسے آپ کے جانشین حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اور شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے بڑی محنت وکاوش سے جمع کیا ہوا ہے، حضرت شیخ الحدیث صاحب ہندو پاک کے علاوہ عالم اسلام کے ان ممتاز علمی شان والوں میں ہیں جو اپنی علمی خدمات اور فیوضات اور اہم اسلامی اقدار وتعلیمات کے احیاء اور انجام دینے میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں، اتنی بڑی شان و حیثیت کے ساتھ تواضع وانکساری اور عجز وبندگی جناب کا طرۂ امتیاز ہے، اللہ اپنے فضل وکرم سے حضرت شیخ الحدیث کی یہ مبارک شرح تمام مسلمانوں کیلئے عموماً اور علمائے کرام وطلبائے کرام کیلئے خصوصاً ذریعہ رشد وہدایت اور باعث استفادہ بنادے اور حضرت کیلئے باقیات الصالحات اور وسیلہ رفع درجات بنادے (آمین)

مولانا عبدالکریم کلاچویؒ (فاضل دیوبند، نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ قدس سرہ (سابق استاد دارالعلوم دیوبند، بانی وشیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ) عصر حاضر کے عظیم محدث اور اس دور کے بہت بڑے متقی اور اس زمانہ کے نہایت قابل محقق اور شفیق استاد ہیں، آپ کی علمی تحقیقات اور محدثانہ شذرات کو نئی نسل کیلئے محفوظ کر دینا وقت کی اہم ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں، ان کے صاحب زادہ مولانا

سمیع الحق صاحب (استاد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) اورعزیزم محترم جناب مولانا عبدالقیوم حقانی ڈیروی کو جنہوں نے ان انمول موتیوں کو اردوزبان کے ذریعہ سر بازارلٹوانے کا اہتمام فرمایا، جس سے اب متوسط استعداد کے طلباء کو بھی اعلیٰ تحقیقات تک پہنچنا آسان ہوگیا ہے۔

اکابر کے بعض امالی اس سے قبل بھی چھپ چکے ہیں، لیکن عموماً ان پر خود شیوخ کونظر ثانی کا غالباً موقع نہیں ملا مگرحقائق السنن سے متعلق یہ بات قابل مزید اطمینان ہے کہ حضرت شیخ سے خود اس پرنظر ثانی کرائی جارہی ہے، خدا کرے شیخ کی زندگی میں یہ اہم علمی ضرورت پایہ تکمیل تک پہنچ سکے

ع این دعا از من خلق جہاں آمین باد

ماہنامہ ''معارف'' (اعظم گڑھ،انڈیا)

مولانا عبدالحق رحمہ اللہ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ ومسترشدین میں سے ہیں، تقسیم سے قبل دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کی خدمت پر مامور تھے، اس کے بعد انہوں ے اپنے وطن میں دارالعلوم حقانیہ کوفروغ دیا جو پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کا ترجمان ہے، اب مولانا کے افادات دروس و امالی کو جوتقریباً نصف صدی سے سینہ بہ سینہ منتقل ہورہے تھے، سفینہ میں منتقل کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اورابواب الطہارت کی حدیثوں کی شرح وتوضیح پرمشتمل ہے اس میں بعض مستعد طلبہ کی کاپیوں اور ٹیپ رکارڈ کی مدد سے صحاح ستہ کی مشہور ومقبول کتاب جامع ترمذی کے متعلق مولانا کے امالی مرتب کر کے شائع کئے گئے ہیں، اس سے پہلے بھی بعض ممتاز علماء دیوبند کے جامع ترمذی کے افادات درس وامالی شائع ہوچکے ہیں جوعموماً عربی میں ہیں لیکن زیرنظر مجموعہ اردو میں ہے۔

یہ کتاب مفید حدیثی، فقہی اورکلامی مباحث پرمشتمل اورعلماء دیوبند کی تشریح وتوضیح کے انداز ومعیار کی حامل ہے، شروع میں ایک عالمانہ مقدمہ میں حدیث کے مبادی ومباحث پرگفتگو کی گئی ہے اورحدیث کی فضیلت وحجیت، تحریر وکتابت، مصنفات حدیث کی قسموں، امام ترمذی رحمہ اللہ کے حالات، ان کے جامع کی خصوصیات وشرائط اورشارح کے استاد کے حالات اورخود ان کے سوانح درج ہیں، دارالعلوم حقانیہ کے استاد مولانا عبدالقیوم حقانی نے شارح کے خلف الرشید مولانا سمیع الحق ایڈیٹر ماہنامہ ''الحق'' کی نگرانی میں اس شرح کی ترتیب وتسوید کی ہے اور جابجا مفید

حواشی بھی لکھے ہیں جو ہر لحاظ سے نفع بخش اور دینی و علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جائینگے۔

مولانا ریاست علی بجنوریؒ (مدیر ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند انڈیا)

ابھی چند ماہ پہلے ''حقائق السنن'' کے نام سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ (سابق مدرس دارالعلوم دیوبند بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان) کے درس ترمذی کے امالی جلد اول بڑی آب و تاب اور بڑی عمدہ کتابت اور طباعت کے ساتھ اہل علم کے ہاتھوں میں آئی ہے، حضرت مولانا عبدالحق دام مجدہم، حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کے تلامذہ میں اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بنیاد پر امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، دارالعلوم دیوبند میں بھی مدرس رہ چکے ہیں، اس زمانہ میں حضرت مولانا پر معقولات کا رنگ غالب تھا اور وہ دارالعلوم کے حلقہ درس میں ایک نامور معقولی تسلیم کئے جاتے تھے، تقسیم ہند کے بعد جب راستے مخدوش ہوگئے تو حضرت موصوف نے اپنی مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا، جو مستقبل میں دارالعلوم حقانیہ کے نام سے پاکستان کی ایک مرکزی درسگاہ میں تبدیل ہوگیا، موصوف نے معقولات کی بجائے فقہ و حدیث اور منقولات کو اپنی خدمات کا محور قرار دیا اور دارالعلوم دیوبند کے درس حدیث کے طرز و انداز پر اپنی خدمات کا آغاز کیا، دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث کا ایک خاص اسلوب ہے اور کہا جاتا ہے کہ جس طرح کوفہ کے محدثین بالخصوص امام اعظم رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تفقہ کی روشنی میں سمجھایا بالکل اسی طرح علمائے دیوبند نے اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متقدمین بالخصوص احنافؒ کے اصول استنباط کی روشنی میں سمجھایا ہے چنانچہ ان حضرات کو کسی روایت کے متروک قرار دینے کی ضرورت شاذ و نادر ہی پیش آتی ہے بلکہ غالب احوال میں اس کے ایک ایسا قابل قبول محمل تلاش کر لیتے ہیں کہ بے ساختہ ان کے فقہی اور علمی کمال کا اعتراف ناگزیر ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا درس حدیث کبھی حضرت شیخ الہند کی غواصی اور گہرائی کا نمونہ ہوتا اور اکثر تفصیل و اطناب میں ابر گہر بار و دریا بدست کی تصویر نگاہوں میں گھوم جاتی، یادش بخیر! حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ کے عہد مبارک تک درس حدیث کا جاہ و جلال قابل صد رشک رہا اور آج بھی الحمدللہ ان ہی پیشرو بزرگوں کے خوشہ چینوں کے ذریعہ درس حدیث کی آبرو محفوظ ہے، انہی خوشہ چینوں میں حضرت مولانا عبدالحق دامت برکاتہم کا اسم گرامی بھی ہے جن کے امالی درس حقائق السنن کے نام سے اشاعت

پذیر ہوئے ہیں، حضرت موصوف کے امالی اور پیش رو بزرگوں کی علمی ژرف نگاہی کا شاہکار جمیل ہے، جنہیں مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب (مدرس دارالعلوم حقانیہ) مرتب فرمارہے ہیں اور جو مولانا سمیع الحق صاحب کی نگرانی میں مرتب اور طبع کئے جارہے ہیں۔

حضرت موصوف کا درس حدیث ایک ہی فن کے مباحث تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، بیان مذاہب، وجوہ ترجیح، اسرار وحکم، حقائق ومعارف سے لبریز نکات، تاریخ اور متن وسند کے ہر ہر جز کی دلنشین تشریحات پر مشتمل ہے، ان تمام چیزوں میں سب سے زیادہ زور فقہ اور اصول فقہ پر صرف کیا گیا ہے، پہلے ائمہ مذاہب بلکہ بعض مقامات پر تابعین وتبع تابعین کے عہد کے اکثر مجتہدین کے مذاہب کا بیان ہے، نہایت وسعت وکشادہ دلی کے ساتھ ان کے دلائل بیان کئے گئے ہیں پھر حنفیہ کے مذہب کیلئے وجوہ ترجیح کی تفصیل کی گئی ہے اور دیگر ائمہ کی متدل احادیث کے بارے میں ایسی لطیف توجیہات پیش کی گئی ہے، جن سے قلب ودماغ منور ہوجاتے ہیں، کہیں کہیں احناف کے اصول استنباط سے عصری مسائل کا واقعی حکم اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کا ابدی اور آفاقی ہونا ایک امر محسوس معلوم ہونے لگتا ہے، جستہ جستہ قرن اول سے لے کر آج تک کے باطل فرقوں کی تردید کا بھی اہتمام کیا گیا ہے ان امالی کے آئینہ میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب اپنی اکابر کی طرح کسی خاص اقلیم کے فرمانروا نہیں بلکہ مملکت علم وفن کے تاجدار معلوم ہوتے ہیں۔

دعا ہے کہ خداوند قدوس علمائے دیوبند کی جامعیت اور عبقریت کے اس امین کو تادیر قائم ودائم رکھے آمین، دعا ہے کہ خداوند قدوس حضرت موصوف کے افادات کو طالبان علوم نبوت کیلئے نفع بخش فرمائے اور مرتب کو اس علمی شاہکار کی تکمیل کی توفیق ارزانی کرے۔ (آمین)

''فتاویٰ حقانیہ'' پر اکابر ومشاہیر کے تاثرات

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ (صدر وفاق المدارس پاکستان)

دارالعلوم حقانیہ نے جہاں دین اسلام کے دوسرے شعبوں میں قابل قدر امور انجام دیئے ہیں وہاں شعبہ نشر واشاعت اور تصنیف وتالیف میں بھی وسائلِ طباعت سے دوری کے باوجود بڑا مفید کام انجام دیا ہے ''الحق'' کے نام سے ایک موقر اور علمی ماہنامہ تقریباً ۳۷ سال سے نکل رہا ہے اس کے علاوہ دارالعلوم حقانیہ کے اشاعتی ادارے مؤتمر المصنفین سے بیسیوں علمی تحقیقی کتابیں شائع ہوچکی ہیں

اوراب سالہاسال کی محنت کے بعد دارالعلوم کے فتاویٰ کا زیرنظر مجموعہ چھ جلدوں میں چھپ کر منظرعام پرآ گیاہے۔

دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ افتاء کی طرف ملک و بیرون ملک سے لوگ بکثرت شرعی مسائل کے متعلق سوالات بھیجتے ہیں، صوبہ سرحد (کے پی کے) کے مسائل خاص طور پر یہاں آتے رہتے ہیں اوردارالعلوم کےمفتی حضرات باقاعدگی کے ساتھ ان کا جواب لکھتے رہتے ہیں۔ان فتاویٰ کی نقول کو محفوظ رکھنے اوران کوالگ رجسٹروں میں نقل کرنے کا بھی اہتمام کیاجاتارہاہے۔دارالعلوم کےمنتظمین نے ان فتاویٰ کی اشاعت کا ارادہ کیا اورشعبہ تخصص کے سرپرست مفتی حضرات کی نگرانی میں درجہ تخصص کے طلبہ کومختلف سالوں میں جاری شدہ فتاویٰ کی ترتیب وتحقیق کے لیےمختلف حصے حوالے کئے جاتے رہے چنانچہ ترتیب وتحقیق کے مراحل سے گزرنے کے بعد یہ علمی خزینہ مرتب ہوکراب سامنے آ گیاہے۔

ابتداء میں مولانا سمیع الحق صاحب کا مرتب کردہ فقہ، تدوین فقہ،اورآداب افتاء واستفتاء سے متعلق ایک پُرمغز مقدمہ شامل ہے۔عصر حاضر کے پیدا کردہ جدید فقہی مسائل کا بھی ایک معتدبہ حصہ اس میں آ گیاہے اس ضمن میں جامعہ حقانیہ کے دارالافتاء سے لکھے گئے جدید مسائل جو ماہنامہ ''الحق'' میں شائع ہوچکے ہیں مناسبت کومحفوظ رکھ کر متعلقہ ابواب میں درج کئے گئے ہیں۔مثلاً کتاب الجہاد کے تحت''سی ٹی بی ٹی کی شرعی حیثیت''کتاب البیوع میں''ٹیلیفون کے ذریعے عقد بیع کاحکم ''ٹریڈمارک کی خریدوفروخت کاحکم''''انعامی بانڈز کی خریدوفروخت کاحکم''''الکحل کی تجارت کاحکم'' کتاب الصوم میں''ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کی فیصلے کاحکم''کتاب الصلوۃ کےتحت''کرفیو کی وجہ سے نماز میں قصرواتمام کاحکم''غرض یہ کہ عصرحاضر کے اس طرح کے بہت سے استفسارات کا حل اس میں آ گیاہے۔فتاویٰ حقانیہ اردوفتاویٰ میں ایک قابلِ قدراضافہ ہے،امید ہے کہ فتاویٰ حقانیہ کے اس ذخیرے سے عوام وخواص سب فائدہ اٹھائیں گے اوردارالافتاء سے متعلق مفتیانِ کرام اورتخصص کے طلباء اس سے استفادہ کرسکیں گے۔ (ماہنامہ الفاروق، ربیع الاول ۱۴۲۳ھ)

مولانامفتی محمدتقی عثمانی مدظلہ (نائب مہتمم دارالعلوم کراچی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ (بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

ہمارے عہد کی ان شخصیات میں سے تھے جن پر پوری ملت جتنا فخر کرے کم ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس دور میں انہیں سلف صالحین کا نمونہ بنایا تھا،اکوڑہ خٹک میں ان کے قائم کردہ دارالعلوم حقانیہ نے ہزارہا علماء پیدا کئے اورعلوم اسلامیہ کی نا قابل فراموش خدمات انجام دیں،انہی خدمات جلیلہ کا ایک شعبہ یہ تھا کہ وہاں کا دارالافتاء سالہاسال سے اطراف عالم کے دینی سوالات کا جواب دے رہاہے۔یہ فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ کے رجسٹروں میں نقل چلے آرہے تھے اورضرورت اس بات کی تھی کہ انہیں مدون کرکے افادہ عام کے لیے شائع کیا جائے۔اللہ تعالیٰ حضرت قدس سرہ کے فاضل صاحبزادے برادر گرامی قدر جناب مولانا سمیع الحق صاحب (مہتمم دارالعلوم حقانیہ) کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اپنے مدرسہ کی ایک ٹیم کے ذریعے بڑی عرقریزی کے بعدان فتاویٰ کو ابواب پر مرتب کرکے چھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔یہ فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ کے مختلف مفتی حضرات کے لکھے ہوئے ہیں لیکن چونکہ یہ تمام فتاویٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کی نگرانی میں لکھے گئے ہیں،اس لیے ان کو انہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے،اورمجموعے کا نام''فتاویٰ حقانیہ''رکھا گیا ہے،فتویٰ نویسی میں ہر مفتی کا اندازواسلوب جدا ہوتا ہے اوربعض جگہ مسائل میں بھی اہل علم وافتاء کے لیے اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے لیکن جہاں تک ان فتاویٰ کے مستند ہونے کا تعلق ہے اس کے لیے اتناہی کافی ہے کہ یہ دارالعلوم حقانیہ جیسے مستند ادارے سے جاری ہوئے ہیں اورحضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ جیسے جبل علم کی نگرانی میں جاری ہوئے ہیں۔بلاشبہ یہ علم وفقہ کے ذخیرے میں ایک عظیم اضافہ ہے اوران شاء اللہ عوام اوراہل علم دونوں کی رہنمائی کرے گا۔دارالعلوم حقانیہ اورحضرت مولانا سمیع الحق صاحب اس علمی خزانے کو منظر عام پر لانے کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مولانا سعید احمد جلالپوریؒ (مدیر ماہنامہ''بینات'')

''فتاویٰ حقانیہ''دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ سے جاری ہونے والے ان گرانقدر فتاویٰ پر مشتمل ہے جن میں کچھ تو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کے خودنوشت ہیں،جبکہ بعض دوسرے مفتیان کرام اوراساتذہ کے تحریرکردہ ہیں،اس مجموعہ میں ایک اضافی چیز یہ دیکھنے میں آئی کہ بعض ایسے مضامین ومقالات جو ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکے ہیں وہ بھی شامل کرکے اس فتاویٰ کا حصہ بنادیئے گئے ہیں۔فتاویٰ حقانیہ کے شروع میں فقہی مباحث پر مشتمل ایک ایسا مقدمہ لکھا گیا ہے جو

بجائے خود ایک ضخیم مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے، مقدمہ میں فقہی مباحث کے مقدمات کو حتی الوسع احاطہ تحریر میں لانے کے ساتھ ساتھ ان تمام مفتیان کرام کا تعارف بھی پیش فرمایا گیا ہے جن کے تحریر کردہ فتاویٰ اس مجموعہ میں درج ہوئے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ اپنے بہترین سرورق، مناسب کاغذ اور عمدہ کتابت کے باعث حسن باطنی کے ساتھ ساتھ ظاہری دلکشی کا مظہر بھی ہے ''فتاویٰ حقانیہ'' اپنی تحقیق وتخریج اور سلاست وروانگی تحریر کے پیش نظر علماء وطلباء، وکلاء اور دینی شغف رکھنے والے عوام الناس سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ دعا ہے کہ اسے عوام وخواص کے لیے مفید اور محررین ومرتبین اور جملہ معاونین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ (ماہنامہ ''بینات'' کراچی، جون ۲۰۰۲ء)

مولانا محمد اکرم کاشمیری (مدیر ماہنامہ ''الحسن'' لاہور)

''فتاویٰ حقانیہ'' ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو حضرت اقدس مولانا عبدالحق اکوڑوی قدس سرہٗ اور اکابرین مفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ کی علمی، فقہی اور خداداد بصیرت کے بے مثال شاہکار ہے یہ فتاویٰ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جن کی مجموعی ضخامت ساڑھے تین ہزار صفحات سے زائد ہے۔ فتاویٰ حقانیہ کی تقدیم میں فقہی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے ان جلدوں کو جن مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔ گویا عقائد سے لے کر فرائض تک ہر فتاویٰ اس میں شامل ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کی تقدیم وترتیب کا یہ کام شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کے بڑے صاحبزادے اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی زیرنگرانی انجام دیا گیا ہے۔ اس فتاویٰ کی ایک خوبی تو یہ ہے کہ اس میں دور جدید کے مسائل کو اس خوبی سے حل کیا گیا ہے کہ دیکھنے، سننے اور پڑھنے والے کو کسی قسم کا خلجان یا تشنگی باقی نہیں رہتی۔

''فتاویٰ حقانیہ'' کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے جو کسی اور فتاویٰ میں بہت کم پائی جاتی ہے وہ ہے اس کا ایک مربوط ومضبوط مقدمہ، یہ مقدمہ حضرت مولانا سمیع الحق (مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) کے قلم سے مرقوم ہے، اس مقدمے میں فقہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کے ساتھ فقہی ماخذ قرآن کریم، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، عرف وعادت، استصحاب، مصالح مرسلہ، لطائف افتاء، فتاویٰ دور نبوی ا میں، فتاوی دور صحابہؓ میں فتاویٰ دور تابعین میں، مفتیان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کی اقسام وطبقات، تابعین فقہائے کرام اور

ان کے طبقات، مفتی کے شرائط و آدابِ مستفتی سمیت کئی ایک اہم مسائل اور موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔فن افتاء سے تعلق رکھنے والے حضرات کیلئے عموماً اور اس فن کے متخصصین کیلئے خصوصاً اس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

مولانا محمد ازہر (مدیر ماہنامہ ''الخیر'' ملتان)

پاکستان کے بڑے دینی مدارس اور جامعات میں مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے لیے قائم ''دارالافتاء'' شب و روز متلاشیانِ حق کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ان مراکز فتاویٰ سے جاری ہونیوالے فتاویٰ باضابطہ محفوظ رکھے جاتے ہیں۔بعض جامعات نے ان تحقیقی جواہر پاروں کو افادہ عام کے لئے شائع فرما کر ایک اہم دینی خدمت انجام دی ہے۔حال ہی میں ملک کی معروف دینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ'' کی طرف سے ۶ جلدوں پر مشتمل ''فتاوی حقانیہ'' کے نام سے ایک عظیم فقہی خزینہ منظر عام پر آیا ہے۔جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۱۹۴۷ء سے ہمہ نوع کی دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔جامعہ کے بانی مہتمم اول شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کی ذات گرامی کو علماء و مشائخ میں ایک مرجع کی حیثیت حاصل تھی۔یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان بھی اپنے علمی دینی اور دنیوی مسائل کے لیے حضرت مرحومؒ کے قائم کردہ جامعہ کے دارالافتاء کی طرف رجوع کرتے تھے۔اب تک دارالعلوم کے دارالافتاء سے ہزارہا فتاوی جاری ہو چکے ہیں۔جن کا ریکارڈ رجسٹروں میں محفوظ تھا۔حق تعالیٰ شانہ نے اہل علم کی طرف سے بیش از بیش جزائے خیر عطائے فرمائیں خلف الرشید حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم کو جنہوں نے اس انمول خزانہ کو رجسٹروں سے نکال کر افادہ و استفادہ امت کے لیے عام کر دیا ہے۔فتاویٰ کے وسیع و عظیم مگر غیر مرتب ذخیرہ سے انتخاب اور پھر ترتیب و تدوین اور تحقیق و تخریج دشوار گزار گھاٹی ہے جو مولانا موصوف کی شبانہ روز محنت،ذاتی توجہ وانہاک اور خدمت علم کے جذبے کی بدولت بالآخر طے ہوگئی۔اس مجموعہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کے علاوہ دیگر درجنوں علماء راسخین اور مفتیاں کرام کے فتاوی شامل ہیں جو دارالعلوم کے دارالافتاء کے منصب پر فائز رہے۔جس کا احساس حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنے تحریر کردہ ''نقش آغاز'' میں فرمایا ہے۔(ماہنامہ ''الخیر'' ملتان، جولائی ۲۰۰۲ء)

مولانا عبدالقیوم حقانی (بانی "القاسم" اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ)

استاذی واستاذ العلماء، محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ اس کے بانی و مہتمم تھے اور آج کل ان کے جانشین مخدوم العلماء، استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم اس کے مہتمم ہیں۔ جب سے جامعہ حقانیہ قائم ہوا تب سے فقہ وفتوی اور قضاء کا شعبہ بھی قائم ہوا اور مفتیاں کرام کے فقہی اور تحقیقی، علمی جواہر سے گزشتہ دس سال سے دارالعلوم حقانیہ کے نصف صدی پر مشتمل فتاوی کی ترتیب وتدوین کا کام شروع ہوا۔ علماء، فقہاء، مفتیان کرام اور درجہ تخصص کے طلباء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی سرپرستی میں اس عظیم علمی، تاریخی اور فقہی دستاویز کی ترتیب اور تدوین میں لگے رہے۔ بالآخر وہ عظیم فقہی انسائیکلو پیڈیا فتاوی حقانیہ کی صورت میں ٦ جلدوں میں منظر عام پر آ گیا ہے۔ دینی مدارس ہو یا دارالافتاء اصل مقصد دین کا تحفظ ودفاع اور اسلامی تمدن و تہذیب وثقافت کی حفاظت کی دعوت واشاعت نیز اس پر فکری یلغار کا نفسیاتی عقلی جواب دینا ہے جو مخاطب کی زبان ہو۔ اس پہلو سے تعلیم تشنہ ہے۔ سماجی مسائل سے عدم واقفیت کا رجحان بھی اس کا ایک جزو ہے اس روح کا فقدان مسلم معاشرے کی پہچان بن گئی ہے۔ فتاویٰ حقانیہ نے الحمدللہ اس ضرورت کی تکمیل کر دی اور علمی ودینی اور فقہی قیادت وسیادت کو برقرار رکھے ہوئے ماحول اور گردوپیش میں اٹھتے ہوئے بخارات، اضطراب کی لہروں، وغیرہ کی تیاریوں اور ریشہ دوانیوں کو مدنظر رکھا اور ایک بہترین فقہی انسائیکلو پیڈیا کی صورت میں ایک عظیم علمی پیشکش کے طور پر سامنے آئی۔ فتاوی حقانیہ کی ترتیب وتدوین میں استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی مساعی، علماء امت، مفتیاں کرام بالخصوص حقانی برادری کیلئے قابل قدر اور ہر لحاظ سے لائق تحسین ہیں۔ (ماہنامہ "القاسم" نوشہرہ، جون، جولائی ۲۰۰۲ء)

"اسلام اور عصر حاضر" پر اکابر ومشاہیر کے تاثرات

داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اسلام اور عصر حاضر کے سلسلہ میں جتنی مشکلات ومسائل ہیں وہ بیشتر مغربی تہذیب کی پیدا کردہ اور اس کی پروردہ ہیں، اس تہذیب سے شاید مغرب کو اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا مشرق اور خصوصاً عالم اسلام کو کیونکہ یہ تہذیب مغربی ممالک کے سیاسی وسماجی حالات وحوادث کے ساتھ تدریجاً ارتقاء پذیر ہوئی تھی لیکن مشرق اور عالم اسلام کی سرزمین کے لئے یہ پودا بالکل اجنبی تھا، اس لیے اس کے غیر فطری نتائج سامنے آنا ضروری تھے، مشرقی اور اسلامی تہذیب وثقافت سے مغربی تمدن وثقافت کے

تصادم کے نتیجے میں عجیب وغریب اور حددرجہ پیچیدہ صورت حال پیدا ہوگئی اور اس نے طوفان بلاخیزاورایک سیل بے پناہ کی طرح مشرق کی آب وہوا، تمدن وتہذیب، علوم وفنون، سیاست وثقافت، معیشت ومعاشرت ایک ایک چیز کواپنی لپیٹ میں لے لیااوراپنے رنگ میں رنگ دیا۔

اس صورت حال نے مشرقی اوراسلامی ممالک میں دوقسم کے ذہن پیدا کیے، ایک وہ جس نے زمانہ سازی سے کام لیتے ہوئے کہنا شروع کیا ''چلوتم ادھرکو ہوا ہو جدھر کی'' اور دوسرا وہ جس نے اس خطرے کی دہشت ناکی اور دوررس اثرات ونتائج کا اندازہ کرکے اسے ایک چیلنج سمجھااوراس کے خلاف جدوجہد شروع کی، یہ دوسرا ذہن دینی احساس وشعوراورملی غیرت وحمیت رکھنے والے افراد کا تھا، جنہیں تیارکرنے اورجن کی ذہن سازی میں اہل درد اورفکر مند علماء کا بہت کچھ ہاتھ تھا لیکن ایسے علماء کی تعداد بہت کم تھی اور ہے جومغربی تہذیب وثقافت کے کمزور پہلوؤں اوراس کی دکھتی رگوں کواچھی طرح پہچانتے ہوں اوراسلام کی طرف سے اس کے جواب ودفاع کا فرض بھی خوش اسلوبی اورجدیدطرز پرانجام دے سکتے ہوں، مقام شکر ہے کہ مولانا سمیع الحق صاحب علماء کے اسی باشعور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جومغربی تہذیب کے نقائص وعیوب کو جانتے اوراس پر بروقت گرفت کرتے رہتے ہیں۔اسلام اورعصر حاضر کے نام سے انہوں نے اپنی لکھی ہوئی تحریرات یکجا کردی ہیں جوانہوں نے وقتاً فوقتاً پیش آنے والے مسائل اورتحریکات کے جواب میں لکھیں۔اسلئے اس کے موضوعات میں خاصا تنوع ہے، انہوں نے تہذیب جدید کے براہ راست یابالواسطہ پیداکردہ تقریباً تمام ہی تحریکات واثرات کا تنقیدی جائزہ لیاہے۔

میں اپنی نظر کی کمزوری سے کتاب کو جستہ جستہ ہی دیکھ سکا لیکن ایک سرسری جائزے سے بھی مصنف کے دینی مزاج وسلامتِ ذہن اوراصابت رائے اورشگفتہ طرزتحریر کا اندازہ ہوجاتا ہے ،اورمصنف کے جذبۂ اسلامی اوردینی جوش وہوش کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ہمیں امید ہے کہ مصنف ان متفرق مضامین کے علاوہ اس موضوع پرمستقل تصنیف کی داغ بیل بھی ڈالیں گے، بہرحال! یہ کتاب بھی ہراصلاح پسند اوردردمند مسلمان کے ہاتھ میں جانے کے لائق ہے اللہ تعالیٰ مصنف کی محنت قبول کرے اوران خیالات کومقبول عام بنائے۔

مولانا سعید الحق جدون
لیکچرر ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

مولانا شہیدؒ کی خدمات پر تحقیقی مقالات اور مجوزہ عنوانات

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ہمہ جہت خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ملک بھر کی مختلف یونیورسٹیوں میں تحقیقی مقالات لکھے جا رہے ہیں۔ اس تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے شعبہ علوم اسلامیہ ومذہبی مطالعات ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ میں میری زیر نگرانی بی ایس لیول پر مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی حیات وخدمات کے حوالے سے دو موضوعات منظور ہوئے ہیں دونوں موضوعات انتہائی اہم اور مفید ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے مکاتیب بنامِ مولانا سمیع الحقؒ: تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

پہلا موضوع بی ایس سکالر نعیم اللہ کے لئے منظور ہوا ہے جس کا عنوان ہے: ''ڈاکٹر حمید اللہ کے مکاتیب بنامِ مولانا سمیع الحق: تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ''۔ مکاتیب مشاہیر مولانا سمیع الحقؒ کا ایک کارنامہ تھا۔ جس میں انھوں نے ایک بحر بے کنار کو جمع کیا ہے اب اس کی ضرورت ہے کہ اس علمی تراث کا تجزیہ کیا جائے اور علمی موتیوں کو ایک کڑی میں پرویا جائے۔ اس مقصد کے لئے ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ نے مکاتیب مشاہیر کے ایک جز یعنی ڈاکٹر حمید اللہ کے خطوط پر تحقیقی وتجزیاتی کام کرنے کے لئے اس موضوع کو منظور کرایا۔ چوں کہ ڈاکٹر حمید اللہ کے خطوط بہت زیادہ علمی مواد پر مشتمل ہے اس لئے ان علمی مواد کو اجاگر کرنے اور اس پر حواشی چڑھانے سے قارئین کو استفادے میں آسانی ہو جائے گا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ بحیثیت سیرت نگار

دوسرا موضوع جس کی منظوری ہزارہ یونیورسٹی نے دی ہے وہ ہے: ''مولانا سمیع الحق شہید بحیثیت سیرت نگار''۔ مولانا سمیع الحق نے متنوع میدانوں میں گوناگوں کام کیا۔ کوئی میدان ایسا نہیں چھوڑا، جس میں وہ نہ اترے ہوں اور دور دور تک ان کے نام و مقام نہ گونجا ہو۔ وہ ہمہ جہت شخصیت اور کئی دماغوں کے ایک انسان تھے۔ ان ہمہ جہت خدمات میں ان کی ایک خدمت سیرت نگاری ہے۔ انھوں نے زین المحافل شرح شمائل ترمذی کے نام سے دو جلدوں میں شمائل ترمذی کی شرح لکھی جو شروحات شمائل ترمذی کی فہرست میں میں ایک بلند مقام رکھتی ہے اور علما وطلبا کا اس میدان میں ایک

مرجع ہے، اس طرح ''گنبد خضری کے سایہ میں'' کے نام سے ایک سفر نامہ لکھا ہے جس میں مقامات سیرت کے مشاہدات کوتحریر کیا ہے۔ اسکے علاوہ سیرت کے میدان میں ان کی بے پناہ خدمات ہیں ان خدمات کے تناظر میں ہزارہ یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ ومذہبی مطالعات نے بی ایس کی طالبہ سمرہ شریف کو''مولانا سمیع الحق شہید بحیثیت سیرت نگار'' کے موضوعِ تحقیق مقالہ لکھنے کی منظوری دے دی۔

مجوزہ موضوعات

حقیقت یہ ہے کہ مولانا سمیع الحقؒ ایک ہمہ گیر شخصیت تھی۔ ان کی ذات گرامی کے مختلف جہات پر تحقیقی مقالات لکھے جاسکتے ہیں۔ ان کی دینی وعلمی خدمات علوم اسلامیہ کے سکالرز کے لئے ایک وسیع میدان ہے۔ اس طرح ان کی سیاسی خدمات پولیٹکل سائنس کے سکالرز کے لئے صرف نہ صرف ایک موضوع ہے بلکہ کئی موضوعات کا سامان تحقیق بن سکتا ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی میڈیا کو موصوف مرحوم کے انٹرویوز جرنلزم کے طلبہ کی تحقیق کے لئے بطور خام مال موجود ہے۔ پاکستان میں اسلامائزیشن کے لئے ایوان بالا میں مولانا سمیع الحقؒ کی خدمات قانون کے طلبہ کے لئے بہترین موضوع تحقیق ہے۔ مکاتیب مشاہیر تاریخ کے طلبہ کے لئے اور الحق کے ادبی شذرات ادب کے طلبہ کے لئے علمی سوغات سے کم نہیں ہے۔ اس لئے مختلف میادین کے سکالرز کی آسانی کے لئے چند مجوزہ موضوعاتِ تحقیق لکھنے کا ارادہ ہو۔ استادِ محترم کی علمی وتحقیقی خدمات کا قریب سے مشاہدہ کرنے کے تناظر میں چند مجوزہ موضوعات تحقیق حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا سمیع الحق شہیدؒ بحیثیت مفسر یا مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تفسیری خدمات کا مطالعہ

(۲) مولانا سمیع الحق شہیدؒ بحیثیت محدث یا مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی حدیثی خدمات کا مطالعہ

(۳) مولانا سمیع الحق شہیدؒ بحیثیت سیاستدان یا مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی سیاسی خدمات کا مطالعہ

(۴) مولانا سمیع الحق شہیدؒ بحیثیت صحافی یا مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی خدماتِ اسلامی صحافت: ایک مطالعہ

(۵) مولانا سمیع الحق شہیدؒ بحیثیت مجاہد یا مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی جہادی خدمات کا مطالعہ

(۶) پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی خدمات کا مطالعہ

(۷) اردو ادب کی ترویج میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی خدمات کا مطالعہ

(۸) مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا مرتب کردہ ''تفاسیر امام لاہوری'' کا منہج: تحقیقی مطالعہ

(۹) افغان تحریک امارت اسلامی کا مطالعہ: مکاتیب مشاہیر کے تناظر میں

(۱۰) مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی کتاب زین المحافل شرح شمائل ترمذی کے منہج واسلوب کا مطالعہ

دسواں باب

ملاقاتیں، مشاہدات اور تأثرات

علماء، مشائخ، زعماء، قائدین، اساتذہ، صحافی، کارکنوں، تلامذہ اور عامۃ المسلمین جنہیں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا اور ان کے دل ودماغ نے ان کی سحر انگیز، ہر دلعزیز اور ہشت پہلو شخصیت سے جو تأثر لیا وہی مشاہدات، حکایات اور دلچسپ یادیں نذرِ قارئین ہیں۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

....

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے ، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی داستاں میری

....

ورق ورق پہ یہ ابھرے ہوئے نقوش حیات
قدم قدم پہ پتہ زندگی کا دیتے ہیں

مولانا عبدالقیوم حقانی
مہتمم جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ

سراپا حسن و جمال اور بلندیٔ اخلاق و کمال

زیر نظر مضمون کسی دور بیٹھے ادیب و انشاء پرداز کی تخیلاتی اور تصوراتی تحریر نہیں بلکہ حضرت شہید ناموسِ رسالتؐ کے ایک تلمیذ و عقیدت مند، ایک خادم اور مخلص شاگرد کے مشاہدات ہیں۔ اس تحریر میں اندھیرے میں تیر نہیں چلائے گئے بلکہ حقائق ہیں، واقعات ہیں اور آپ بیتی کی سچے حکایات ہیں۔ سنجیدگی، متانت، عقیدت و محبت اور سادگی و صداقت کی فراوانی نظر آئے گی۔ صاحبانِ بصیرت اور قدردانوں کو جگہ جگہ ''لعل و گوہر'' دستیاب ہوں گے اور بعض ایسے چشم کشا حقائق سے پردہ اُٹھتا نظر آئے گا جس سے حضرت شہیدؒ کی متواضع شخصیت میں مزید نکھار اور ظہور آئے گا اور قارئین حظِ وافر حاصل کریں گے......(ادارہ)

طلبِ عفو، معذرت و اعتذار پر اصرار

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ایک خوبی اور امتیازی خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب کسی کو ملاقات کا وقت دے دیتے یا کسی کا وقت لے لیتے یا اپنے خدام اور قریبی مخلصین سے کہہ دیتے کہ کل یا پرسوں فلاں وقت تشریف لے آیئے! مگر عین وقت پر سفر، عذر، یا کوئی اور مصروفیت پیش آجاتی تو وقت سے پہلے پہلے جن کو وقت دیا ہوتا یا جن کا وقت لیا ہوتا ان کو بذریعہ فون اطلاع کر دیتے اور اطلاع کا انداز بڑا عاجزانہ اور معذرت خواہانہ ہوتا۔ جس طرح بڑوں کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ ہوا کرتا تھا اسی طرح جامعہ کے ملازمین، خدام، اساتذہ اور عام متعلقین کے ساتھ بھی ایسا ہی اپنا اخلاقی فریضہ نبھا لیا کرتے تھے۔ خود میرے ساتھ بارہا یہ معاملہ پیش آیا، عندالملاقات یا فون پر کہہ دیتے کہ فلاں وقت آجایئے! احقر بوقت ملاقات متعلقہ امور کے نوٹس لکھ لیتا، مسودات ہوتے تو وہ تیار کر لیتا کہ پانچ چھ گھنٹے قبل اچانک حضرت کا فون آجاتا، فرماتے: مجھے تو اچانک یہ یہ کام پیش آئے ہیں ان شاء اللہ مناسب وقت میں پھر تمہیں بلا لوں گا۔ معذرت و اعتذار اور طلب عفو حضرت شہیدؒ کی طبعی افتاد بن گئی تھی۔

ہر وقت خنداں خنداں رہتے تھے

حضرت الاستاذ مولانا سمیع الحق شہیدؒ میں تکبر، غرور، اور اکڑفوں کا شائبہ تک نہیں تھا اپنے ماضی کی قصیدہ گوئی اور موجودہ حیثیت اور عظمتِ شان کے بیان سے انہیں فرار تھا۔ اپنے مہمانوں، ملاقاتیوں بلکہ ادنیٰ درجات کے طلبہ اور ادارے کے چھوٹے ملازمین کیلئے بھی ہر وقت خنداں خنداں رہتے تھے، ان کی باتوں کو غور سے سنتے اور سناتے تھے انہیں اپنی باتیں تھوپنے کا کوئی شوق نہیں تھا ملاقاتیوں میں زیادہ تر علماء، اساتذہ، محدثین، مشائخ، سیاسی زعماء، قائدین، عمائدین، ممبران اسمبلی، وزراء، حکمران، عام طلبہ اور دم درود اور دعا کے خواہش مند ہوتے تھے، ان سے ان کے اپنے اپنے دائرۂ کار کے احوال دریافت فرماتے اور ایسے لگتا کہ گویا ان کے فنون اور مشاغل سے حضرت برسوں سے آگاہ اور اسی کارگاہ کے واقف کار عامل ہیں۔

گلشنِ حقانیہ کو سینچنے کا حوصلہ کر رکھا ہے

مولانا سمیع الحق شہیدؒ فرماتے کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے بہی خواہی کا مطلب اگر ذاتی اور خاندانی مفادات کا حصول ہے تو مجھے اس تحت الثریٰ میں اُترنا نہیں آتا۔ ارشاد فرمایا: اپنے عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی تعلیم وتربیت کی برکت سے ہم لوگوں نے اس علمی ادارہ کو ہمیشہ سینچنے کا حوصلہ رکھا ہے اس کے پھلوں کو ملت میں تقسیم کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور یہ کبھی سوچا ہی نہیں کہ یہ ہمارے لذت کام دہن کا وسیلہ بنے الحمد للہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ ومشائخ، معلمین، خدام اور جمیع متعلقین کا اندازِ فکر اور اندازِ تعلیم وتربیت وہی للّٰہیت ہے جس کی بنیاد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے رکھی تھی الحمد للہ کہ آج جامعہ دارالعلوم حقانیہ ایک معیاری علمی درسگاہ کے طور پر پورے عالم میں فروغ علم کی خدمات انجام دے رہا ہے۔

تکرار کیوں؟

''حقائق السنن'' کی تالیف کے زمانے میں شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ میرے کام اور مسودات کی بھرپور نگرانی فرماتے تھے، اُدھر سینیٹ کے ممبر تھے ملک بھر میں ''شریعت'' بل کی تحریک زوروں پر تھی ''الحق''، مکمل طور پر میرے حوالے ہو چکا تھا مگر ''حقائق السنن'' کا کام چونکہ علمی اور مباحث کے حوالے سے نازک کام تھا اس لئے حضرت نے اس کی نگرانی اپنے ذمہ لے رکھی تھی جب سفر سے تشریف لاتے تو میں تازہ کام ان کو پکڑوا دیتا تھا حضرت لوگوں کے ہجوم، اضیاف اور کثرتِ

کار کے باوجود طبعی افتاد کے پیش نظر فوراً کام شروع کردیتے تھے کام بھی کئے جارہے ہیں باتیں بھی جاری ہیں سن بھی رہے ہیں اور سنا بھی رہے ہیں قلم وہاں رُک جاتا ہے جہاں غلطی ہوتی ہے تعبیر کی غلطی، ادبی غلطی اور بیانِ مسئلہ میں غلطی، غلطی قلم زد کردی، تعبیر درست کردی، اردو کا جملہ ٹھیک کردیا اگلا ورق الٹا تو فرمایا: ''یہ تکرار کیوں ہے؟'' عرض کیا: حضرت! کیونکر تکرار؟ میں حیران ہوجاتا بلکہ اپنے حافظہ کی حد تک مجھے یہ یاد نہ رہتا کہ واقعتاً بھی ماقبل ابواب میں اسے میں لکھ چکا ہوں، حضرت فرماتے: گذشتہ ابواب میں دیکھو اور فلاں باب دیکھ لو غالباً اسی باب میں تم نے یہ مسئلہ پہلے سے لکھ دیا ہے میں باب تلاش کرلیتا حضرت فوراً لے لیتے اور ورق اُلٹتے جاتے ورق گردانی جاری رہتی، ورق پلٹتے ہی اچانک وہی مسئلہ سامنے ہوتا فرماتے: یہ دیکھو! تم نے خود اپنے قلم سے پہلے یہ مسئلہ لکھ دیا ہے۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہتی یا اللہ! کیا غضب کا حافظہ ہے کس قدر کرشماتی یادداشت ہے کہ لکھنے والے کو تو کچھ یاد نہیں اور نگرانی کرنے والے کو دس پندرہ روز قبل دیکھے ہوئے کسی باب میں مذکور مسئلہ یوں متحضر ہے گویا اس نے چند لمحات قبل مطالعہ کیا ہو۔

علمی اور عملی زندگی کا کامیاب لائحہ عمل

مولانا سمیع الحق شہیدؒ گیارہ بجے ''مؤتمر المصنّفین'' کے دفتر میں تشریف لائے، میرا دفتر ساتھ تھا جس میں، میں ''الحق'' اور ''حقائق السنن'' کا کام کیا کرتا تھا، حضرت گھر سے سیدھے میرے دفتر میں تشریف لے آئے میں احتراماً کھڑا ہوا، حضرت نے بغل سے کتاب نکالی، فرمایا: بڑی عمدہ کتاب ہے کامیابی وکامرانی کا سنگ میل ہے مجھے کل ڈاک میں پہنچی، میں نے رات اس کا مطالعہ مکمل کرلیا، بے حد نفع ہوا مگر اب وہ عمر نہیں رہی اور مشاغل نے علمی، قلمی کام کانہیں چھوڑا، تمہارا آغازِ کار ہے، درس وتدریس اور تصنیف کا اشتغال ہے تمہارے لئے بے حد نافع اور کارآمد کتاب ہے۔ لیجئے! اوّلین فرصت میں اس کا مطالعہ کیجئے، اسے اپنا آئیڈیل بنایئے، یہ مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کے علمی اور عملی کاموں کا نچوڑ ہے علم بھی ہے اور ادب بھی ہے، تاریخ بھی ہے اور تحریک بھی، اوقات کی قدر، لکھنے کا ڈھنگ، مطالعہ کی وقعت اور علمی وعملی زندگی کا کامیاب لائحہ عمل۔ فرمایا: اسے توجہ سے پڑھو اور آج ہی اسے اپنی عملی زندگی کا لائحہ عمل بنالو، یہ کتاب مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی ''کاروانِ زندگی'' کی جلد اوّل تھی جو پہلی بار لکھنؤ سے چھپ کر آئی تھی اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے

اپنے دستخط کے ساتھ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو بذریعہ ڈاک بھیجی تھی، میرے تو وارے نیارے ہوگئے ''کاروانِ زندگی'' جلد اوّل پڑھی، دوسری جلدیں آئیں تو وہ بھی مطالعہ میں رہیں اس طرح شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی خصوصی توجہ وتربیت کی بدولت مجھے ایک تصنیفی، تدریسی، علمی، عملی، مطالعاتی اور قلمی کام کا کامیاب لائحہ عمل مل گیا۔

فتنۂ معاصرت سے مامون

شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم نے تکملۂ فتح الملہم علمی کاوش بھیج دی، مولانا شہیدؒ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے، سر آنکھوں پر رکھی، بوسہ دیا اور بڑے اشتیاق محبت اور کمالِ رغبت سے کتاب کی ورق گردانی کرتے رہے، چہرے پر بشاشت، بے انتہا مسرّت اور کتاب سے والہیّت کے اثرات نمایاں تھے، دوسرے روز وہ کتاب مجھے عطا فرمائی، ارشاد فرمایا ''تکملہ'' ایک عظیم اور ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ منہج دیکھئے! علمی کام دیکھئے! آئیڈیل بنایئے! تم حدیث کا کام کررہے ہو، تمہارے سامنے کام کا ایک نمونہ ہونا چاہئے، ہاں! جب طبیعت بن جائے تو ماہنامہ ''الحق'' کیلئے اس پر تبصرہ وتعارف بھی لکھ دیجئے، اگرچہ تکملہ کو اپنے علمی مقام اور عظمتِ شان کے پیش نظر کسی تعارفی تبصرے کی احتیاج نہیں ہے لیکن یہ اکابر کے عمل کی تکمیل اور تسلسل ہے۔ اس کا بھرپور تعارف بھی لکھ دیں اور تبصرہ بھی کردیں۔

احقر نے کتاب سے بھرپور استفادہ کیا اور تبصرہ وتعارف کے بجائے ایک مستقل مقالہ لکھ ڈالا، حضرت الاستاذ شہیدؒ کی خدمت میں پیش کیا، فرمایا: آپ نے تبصرہ نہیں بلکہ مقالہ لکھ دیا ہے، اس کے بعد بہت کھلے دل سے ارشاد فرمایا: تکملہ کے تعارف، جامعیت اور کامل شرح ہونے کے پیش نظر اس پر مستقل کتاب آنی چاہئے، آپ نے جو لکھا ہے، اچھا لکھا۔ اگرچہ اس سے مصنف کی تحقیق وتدقیق اور علمی شاہکار پر جگر کاوی کا تشکر امتنان اور امت پر احسان کا بدلہ نہیں دیا جاسکتا، ارشاد فرمایا: ''الحق'' میں لگادو، اہل علم متعارف ہوں گے، علمی حلقوں میں پذیرائی ہوگی، مصنف کو شہ ملے گی، آگے بڑھیں گے بالآخر تکملہ کی تکمیل کردیں گے، میں حیران رہا، میرے حضرت کس قدر وسیع الظرف ہیں، کتنے کشادہ دل ہیں، معاصرت کی تو انہیں ہوا ہی نہیں لگی، اپنے معاصر کے کام کی تعریف کرتے ہیں، تصدیق اور توثیق کرتے ہیں، ان کی علمی تحقیق اور عالمانہ کام کا بے حد اعتراف کرتے ہیں، میرا یہ مقالہ حضرت الاستاذ شہیدؒ گھر ساتھ لے گئے، صبح خود میرے دفتر میں پہنچانے کے لیے آئے، حضرت

نے میرا مقالہ مکمل پڑھا، مگر کہیں بھی قلم نہیں لگایا، فرمایا: جو کچھ میں چاہتا تھا، اللہ پاک نے وہی لکھوا دیا، رسالہ چھپ جائے تو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو ایک پرچہ اضافی بھیج دیں اور مجھے فرمایا: محنت کروگے، عرق ریزی، تحقیق اور تفحص سے کام کروگے تو قلمی اور علمی حوالے سے پختگی آئے گی، ثقاہت پیدا ہوگی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہارا علمی کام علمی، تحقیقی، ادبی اور قلمی دنیا کے لیے آئیڈیل بن جائے گا۔

مجھے حیرت بھی تھی اور استعجاب بھی کہ میرے استاد اپنے معاصر عالم دین کو کس قدر کشادہ ظرفی، خوش دلی اور محبت کے ساتھ اپنے مجلّہ میں جگہ دے رہے ہیں، ان کی کتاب پر مفصل مقالے کو ''الحق'' کے صفحات کی زینت بنا رہے ہیں اور مجھے بطور آئیڈیل کے اپنانے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

وہ کوہ کن کی بات

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ایک روز اپنے دفتر میں تشریف لائے تو چہرے پر اچھی خاصی بشاشت تھی، احقر حاضر خدمت ہوا تو اِرشاد فرمایا: علم وادب' قلم وکتاب اور دینی مدارس میں تعلیم وتربیت، درس وتدریس اور خدمت کے حوالے سے ایک عمدہ اور مؤثر کتاب کل ہندوستان سے بذریعہ ڈاک موصول ہوئی، گذشتہ رات مطالعہ کرلیا ہے اور اب تمہارے حوالے اس لیے کررہا ہوں کہ تم نے اس کا مطالعہ بھی کرنا ہے اور اسے اپنا لائحہ عمل بھی بنانا ہے، فرمایا: کتاب کا نام بھی ایک پیغام ہے یعنی ''وہ کوہ کن کی بات'' یہ نام ایک مصرعہ سے مقتبس ہے ''وہ کوہ کن کی بات گئی کوہ کن کے ساتھ'' فرمایا: اس مصرعہ کا بھی ایک دلچسپ اور سبق آموز پس منظر ہے، ارشاد فرمایا: میں نے بچپن میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں اس کا پس منظر بھی پڑھا تھا، جو غیرت وحمیت، عشق ومحبت، اخلاق و صداقت اور دوام و استقامت کے جذبات و اثرات سے معمور ہے اور یہ اشعار بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں پڑھے تھے کہ......

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہِ کن   بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو دے سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز   اے روح سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

شفیق ومہربان واتالیق

مولانا سمیع الحق شہیدؒ اگرچہ عمومی طور پر ہمہ وقتی تربیتی اور تدریسی اشتغال کا وقت نہ پاسکے

مگر جو ان کے قریب پہنچا، جس نے قریب سے حضرت سے علیک سلیک رکھا، وہ حضرت کی توجہ و عنایت اور قرب و اختصاص سے محروم نہ رہا۔ میں زمانہ طالب علمی میں بھی حضرت سے قرب و محبت اور خدمت ووالہیت کا تعلق خاطر رکھتا تھا اور فراغت کے بعد بھی یہ تعلق برقرار رکھا۔

اپنے چار سالہ چکوالی زمانۂ تدریس میں بھی حضرت کے ساتھ حاضری اور مکاتبت سے ارتباط قائم رکھا، حضرت شہیدؒ میرے خطوط کا جواب بھی دیتے اور میری ٹوٹی پھوٹی تحریریں بھی ''الحق'' میں شائع فرماتے، ان دنوں میں اپنے نام کے ساتھ ''اخوندزادہ عبدالقیوم'' لکھا کرتا، حضرت شہیدؒ اس کے ساتھ '' حقانی'' کا اضافہ کردیتے پھر بعد میں لفظ '' حقانی'' میرے نام کا '' لاحقہ'' بن گیا، قدیم فضلاء کہتے ہیں کہ تمہارے نام کے ساتھ '' حقانی'' اتنا مشہور و معروف ہوا کہ ہم نے بھی اس کی نقل کرتے ہوئے اپنے ناموں کے ساتھ '' حقانی'' لکھنا شروع کردیا۔

حضرتؒ نے کمال شفقت ومحبت اور اعتماد کرکے مجھے اپنے ہاں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں بلا لیا، اب کسی کو کس طرح بتایا اور سمجھایا جائے کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ باذوق طلباء، باصلاحیت نوجوانوں اور کچھ کر ڈالنے والے طالبانِ علومِ نبوت کے لیے کیا تھے اور کیا نہ تھے......

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ، کہ ہم بتلائیں کیا

وہ شائقین علم کی خوابیدہ صلاحیتوں کے لیے مرغِ سحر تھے، پریشان حال، پراگندہ بال، افسردہ قلوب کے لیے مرغِ چمن تھے، مایوس و نامراد اور مردہ ضمیر نوجوانوں کے لیے حرارتِ نفس ہائے مسیح بن کر زندگی کی رگوں میں غیرت وحمیت کا خون بڑھا دیتے تھے، غافل و مدہوش اور سست وکسل مند نوجوانوں کے لیے بانگِ درا تھے، شرمندگانِ ساحل کے لیے بحر بیکراں، ظن وگمان، تردد وارتیاب زدہ گان کے لیے یقین محکم اور اسیرانِ آرزو کے لیے عمل پیہم اور مجسمہ شفقت و ہدایت تھے۔

جب کبھی جی اداس ہوجاتا یا علمی کاموں کے تسلسل سے دل اُچاٹ ہوجاتا، یا کسل مندی اور غفلت کا غلبہ ہوجاتا، یا ویسے طبیعت میں بے چینی اور بے قراری آجاتی تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، کبھی تنہا، کبھی اولاد محمد قاسم، محمد طیب اور محمد طاہر ہمراہ ہوتے، کبھی مولانا حبیب اللہ حقانی، کبھی مولانا عبدالغنی حقانی، کبھی مولانا لعل محمد اور کبھی اضیاف ساتھ ہوتے، حضرت جس بشاشت، جس شفقت ومحبت اور تشجیعات وتحسینات سے نوازتے، خدا گواہ ہے، تخم عملِ صالح اور نخلِ

فکرونظر کی آب یاری کے لیے آب حیات کا حظ وافر اور سازگار آب و ہوا کی ایک بڑی قسط لے کرواپس آتا، ناامیدی، مایوسی، پست حوصلگی عزائم میں افسردگی غالب ہو جاتی توان کے ساتھ ''ساعتے با اہل حق'' کے چندلحات دل کے لالۂ افسردہ کوگل بداماں سجائے واپس آتا۔کوئی پریشانی ہو، دکھ درد، رنج والم اورغم ہو یا مسرت وخوشی اوروفورِفرحت وسرور،ان سے ضرور ملاقات کرتا،حاضری ہوتی تو وہ خوشیوں اور مسرتوں کو دوبالا کردیتے اورازالہ حزن وملال اورغم ودرد والم کے لیے زوداثر روحانی مرہم لگا کرمستحکم معالجے سے صحت مند کردیتے۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ ایک ایسے کامیاب و کامران انسان، جری و بیباک مجاہد،شفیق ومہربان اتالیق اور''بدل دے مقدر پلٹ دے زمانہ'' کا مصداق اتم تھے۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی اُن کی یاد دلوں سے ہزارکوشش کے باوجودمحونہیں ہوئی۔

ہم جس پہ مررہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالَم میں تجھ سا لاکھ سہی ، تو مگر کہاں

ہشت پہلوشخصیت

مولانا سمیع الحق شہیدؒتفسیرات امام لاہوریؒ کے عظیم مقصد کی تکمیل وترتیب میں اس طرح جُتے ہوئے تھے جیسے ایام شباب واپس آگئے ہوں، ان کے یہاں مشاغل، اضیاف،اسفار،سیاسیات، درس وتدریس،اہتمام وانتظامی امور بلکہ ضعف و پیرانہ سالی کا بھی کوئی تصورنہیں تھا،ضعف ان لوگوں کی راہ کا روڑہ ہے جوموت سے خائف یا زندگی کی خوشنمائیوں اور کائنات کی کرشمہ سازیوں سے آنکھیں موندلیتے ہیں، بازوسمیٹتے ہی صیاد کی چیرہ دستیاں شروع ہوجاتی ہیں،وہ اپنی منتخب کردہ ٹیم کیساتھ حضرت لاہوریؒ کی تفسیرات کے سطرسطرمرتب کرنے میں منہمک رہتے تھے، وہ بازوسمیٹ کر فکری سوتوں اورتحقیقی چشموں کوخشک کرنانہیں چاہتے تھے کیونکہ عارضۂ قلب اورآپریشن کے بعدان کی آنکھوں میں ایک نئی چمک اوربہترین مستقبل کی نئی کرن چمک اٹھی تھی بلکہ دم واپسیں تک علم وتحقیق کی شمع کوروشن رکھنا چاہتے تھے۔اللہ کرے،قلمی حوالے سے بھی ان کی علمی کاوشوں کا شجرسایہ دارقائم و دائم رہےاور جویانِ علم کوقرار جان فراہم کرتا رہے۔آپ کی خدمات کی بوقلمونی،تحقیقات کی تنویع اور شخصیت کے پہلودیکھ کر یہ شعر یاد آرہاہے۔

کبھی چاند ہے،کبھی پھول ہے،کبھی رنگ ہے،کبھی نور ہے
یہ پتہ ہے ایک ہی شخص کا، کسی نام سے بھی بلائیں ہم

مولانا محمد اسرار مدنی

ڈائریکٹر مجلس تحقیقات اسلامی اسلام آباد

ایک یادگار باوقار شخصیت کے ساتھ وابستہ چند یادیں

مولانا محمد اسرار مدنی صاحب جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل اور انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور کے ڈائریکٹر اور مجلس تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے سربراہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے بہت ساری خصوصیات سے نوازا ہے، کئی کتابوں کے مصنف ومؤلف بھی ہیں، حضرت شہیدؒ کے معتمد اور معاون بھی رہے۔ (ادارہ)

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شخصیت کے بارے میں بچپن سے ہی بہت کچھ سن رکھا تھا، سیاسی مخالفین کے پروپیگنڈے سن سن کر ان کی طرف میلان نہیں تھا، ایک بار مجلس میں کسی بزرگ نے ان کے بارے میں کلمہ خیر کہا تو میرے کان کھڑے ہوگئے اور چپکے چپکے سے آپ کی شخصیت کے بارے میں کھوجنے لگا تو ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے آشنائی حاصل ہوتی گئی اور پھر ان سے مستقل استفادے کا فیصلہ کرلیا، سوچا کہ اِن سے کیسے ملاقات کروں؟ بات کہاں سے شروع کروں؟ طالب علمانہ حیاو ندامت کی وجہ سے آپ سے آنکھیں ملانے سے بھی قاصر تھا، گو کہ برادر مشفق مولانا راشدالحق سمیع صاحب سے علیک سلیک اور چند ملاقاتیں ہوئیں تھیں اور علم وادب کے انہماک وشوق کی وجہ سے وہ اکثر مجھے ملا کرتے تھے اور حوصلہ افزائی فرماتے لیکن حضرت مہتمم صاحب سے تفصیلی ملاقات وغیرہ نہیں ہوئی تھی لہٰذا پرانے دفتر اہتمام میں مولانا راشد الحق صاحب نے اس ناکارہ کی ملاقات کرائی اور دوران ملاقات میری تصنیفات اور علمی ذوق واستعداد کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ کو تفصیلات بتائیں جسے سن کر حضرت بہت زیادہ خوش ہوئے اور دوران طالب علمی میری تصنیفات وتالیفات پر بہت زیادہ تعجب اور انبساط کا اظہار کیا اور فرمایا کہ بارہ بجے کے بعد میرے پاس وقتاً فوقتاً آیا کرو اور راشد سے رابطے میں رہو۔ پھر مدرسہ میں علمی اور ادبی سرگرمیوں کے فروغ کیلئے ایک

ہفت روزہ اخبار کے اجرا کی اجازت ومشاورت مجھے کرنی تھی تو اس سلسلے میں ان کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جوکہ دو صفحے پر مشتمل مکتوب تھا،اس کا ایک ایک جملہ اب بھی یاد ہے،شورش کاشمیری نے مولانا ابوالکلام آزادؒ کے بارے میں کہا تھا؛ مولانا قدرت کا عطیہ تھے مگر مصحفے رامیان زندیقاں...... خط لکھتے وقت میرے بھی یہی تاثرات تھے کہ آپ بھی ہم جیسے بے قدروں، نالائقوں اور ناکام لوگوں کے بیچ میں ہیں جس کی اہمیت کا ہم کو ادراک نہیں،ایک طالب علم کے خام و ناقص تحریری جذبات کو آپ نے غور سے پڑھا اور سمجھا اور فوری طور پر مجھے اس کی اجازت دے دی اور تعریف اور تشجیع کے کلمات سے حوصلے بھی بلند فرمائے اور یوں ہمارے تعلق کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا، ان کے ساتھ بطور طالب علم کام کرنے کے کئی مواقع ملے پھر بعد میں بطور معاون اور''الحق''،''مؤتمر المصنفین'' کا رفیق خاص بھی رہا، جو حضرت شہیدؒ کا اس احقر پر اعتماد واخلاص کی انتہا ہے مگر ان کی شخصیت کی چند خصوصیات اتنی امتیازی تھیں جس میں وہ ہمیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز رہے۔

مشفقانہ رویہ

ایک معاون اور خادم کے ساتھ شفقت کا یہ عالم تھا کہ کسی بھی اہم علمی ، سیاسی ،تحریکی، ادبی اور صحافتی شخصیت کے ساتھ ظہرانے پر راقم کو یاد کرتے ،کبھی ہفتے میں متعدد بار بھی یاد فرماتے ،ایسی شفقت پھر مجھے کہیں نہیں ملی اور اس غیر رسمی نشستوں سے ان کے دانش سے بھرپور استفادے کا موقع ملا، کئی واقعات ومشاہدات ابھی تک دل و دماغ پر نقش ہیں،''الجزیرہ'' پاکستان کے بیورو چیف احمد زیدان مولانا مرحوم کے انٹرویو کے لئے تشریف لائے ،مولانا مرحوم نے گھر پر دعوت کی ،ظہرانے پر مجھے بھی حاضری کا حکم دیا،احمد زیدان مولانا کی تشریف آوری سے پہلے ان کے ڈرائنگ روم میں نصب پینٹنگ کے بارے میں پوچھنے لگا، راقم نے تفصیلاً بتایا کہ یہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مرحوم کی تصویر ہے،اس نے حلال وحرام کی بحث چھیڑ دی،اب میرے پاس دلائل نہیں تھے۔

اسی دوران مولانا سمیع الحق صاحبؒ تشریف لائے اور بات رفع دفع ہوگئی ،اب میں نے پکا ارادہ کیا تھا کہ مولانا صاحب سے اس پینٹنگ کے بارے میں کھل کر بات کرنی پڑے گی،گفتگو کے دوران میں نے پینٹنگ کی طرف اشارہ کیا تو میری دل کی آواز سمجھ کر فوراً کہنے لگے ،کتنا پیارا بنایا ہے، داجی کی زبردست عکاسی کی ہے اور پھر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے بعد کسی اور موضوع پر بحث چھیڑ

دی،کوئی اور ہوتا تو کہتے تم کون ہوتے ہو؟ تمہاری کیا اوقات ہے؟ وغیرہ وغیرہ مگر ان کی تربیت کا انداز بالکل نرالا تھا۔

تاریخی ورثے کی حفاظت

ایک بار میں اور میرے ایک امریکہ کے جاننے والے دانشور دارلعلوم حقانیہ تشریف لائے، راقم نے ان کو تفصیلی بریفنگ دی اس نے آخر میں کہا کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حوالے سے جو''فادر آف طالبان'' کا عنوان لگا ہے اس نے بہت کنفیوژن پیدا کی ہے مگر آج دیکھا کہ وہ اپنے اسلاف کے تاریخی اور تہذیبی ورثے کو جس جانفشانی کے ساتھ محفوظ کررہے ہیں ،مسجد کے میناروں تک preserve کررہے ہیں، پون صدی کے خطوط کو ایک ایک کرکے محفوظ کررہے ہیں اگر یہ کسی مغربی ملک میں ہوتے تو ان کو کئی ایوارڈز سے نوازا جاتا،انہوں نے خود اعتراف کیا کہ ایسا شخص''دہشتگرد'' یا ''انتہا پسند'' نہیں ہوسکتا جس کو فنون لطیفہ اور تاریخی ورثے سے اس قدر لگاؤ ہو۔

فنون لطیفہ سے دوری اور انتہا پسندی

ایک بار مجلس میں ایک دوست نے بتایا کہ فلاں مولوی صاحب غزل سنانا چاہتے ہیں مگر آپ کے سامنے جراءت نہیں کرسکتے،مولانا صاحب نے مولوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آؤ اور جلدی سے سناؤ، آج معاشرے میں عدم برداشت اور انتہا پسندی کی بڑی وجہ علم وادب اور شعر وشاعری سے دوری ہے اور پھر بہت ہی سلیقے اور توجہ سے بھری مجلس میں غزل کو سنا اور داد بھی دی، شعروادب سے والہانہ لگاؤ، فارسی کا دیوان حافظ ہو یا عربی کی متنبّی اور امراء القیس، بیشتر اشعار ان کو زبانی یاد تھے،کوئی ایک شعر سناتا تو شعر کا دوسرا مصرعہ فی البدیہ کہتے لیکن اشعار سے زیادہ ان کے برجستہ استعمال میں ان کے درجے کے لوگ بہت کم دیکھے ہیں،ایک بار ان کے معروف سیاسی حریف نے ان کے خلاف بیانات دئے ، جو اخبارات کی ہیڈ لائنز میں لگ گئے ،مولانا صاحب دفتر تشریف لائے اور اخبارات منگوانے کیلئے لڑکے کو بھیجتے ہوئے کہا:

لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

دھیما انسان اور باوقار شخصیت

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو بہت سارے لوگ اِن کی سیاسی اور جہادی خدمات کے تناظر میں دیکھتے ہیں، مگر بحیثیت انسان وہ کیسے تھے؟ کئی بار ایسا ہوا کہ راقم جو کہ ان کا شاگرد بھی ہے اور ان کے شعبہ تحقیق سے وابستہ کارکن بھی مگر ایک بار رمضان المبارک میں کسی بات پر اختلاف کرتے کرتے میری آواز تیز ہونے لگی اور مجھے پتہ بھی نہیں لگا لیکن میرا لہجہ بھری مجلس میں نامعلوم وجہ سے انتہائی جارحانہ ہوگیا تھا جب میری بات ختم ہوگئی تو معمولی سکتے کے بعد مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ آج تو بندہ بہت غصے میں ہے اور روزہ (نفلی) بھی رکھا ہے، کیا تم بھی فلاں ......کی طرح ''نسواری'' قبیلے سے ہو؟ (مطلب یہ بھی نسوار کھانے والا ہے کیا؟ کیونکہ نشہ کرنے والے بیشتر رمضان میں بے قابو ہوتے ہیں) مولانا مرحوم کے کمنٹس پر پوری مجلس کشت وزعفران بن گئی اور مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی نے شکایت لگائی اور مولانا صاحب طیش میں آ گئے، فرمانے لگے کہ بلاؤ اسرار کو، اب کئی ہم مجلس دوست میسج کرتے تھے کہ مولانا صاحب بہت طیش میں ہیں اور تم پر بہت غصہ ہیں، جب راقم سامنے آتا تو ہلکی سی مسکراہٹ کے بعد فرماتے، کیا حال ہے حضرت! کوئی لفٹ نہیں کراتے؟ اور عموماً یہ لہجہ جامعہ کے تمام سٹاف کے ساتھ رکھتے۔

مشاورت اور جمہوری اقدار کی پاسداری

دینی مدارس کی روایت سے باخبر لوگ جانتے ہیں کہ مدارس میں مشاورت کی عمومی فضا بہت کم ہے اور مہتممین حضرات اپنی رائے کو مسلط کرتے رہتے ہیں لیکن مولانا صاحب مرحوم کا کمال یہ تھا کہ وہ ایک معاملے پر کئی لوگوں سے مشورہ لیتے تھے اور مشورہ اتنے انہماک سے سنتے تھے کہ مشورہ دینا والا یہ سمجھ بیٹھتا کہ یہ بالکل ناواقف ہے مگر آخر میں جب ایک دو مختصر باتیں کہتے تو پتہ چلتا کہ وہ اس مسئلے کی گہرائی سے کس قدر واقف ہیں، یہی مزاج ان کا علمی اور تاریخی ادب کے ساتھ بھی ہوتا تھا، جب بھی ہم طالب علمی میں کوئی اچھی کتاب پڑھتے تو مولانا صاحب پر رعب جمانے کیلئے ان کے سامنے تبصرے کرتے رہتے، مولانا صاحب یہ تبصرے انتہائی انہماک اور دلچسپی سے سنتے تھے اور آخر میں اس کتاب یا مصنف کے متعلق ایسی حیران کن بات فرماتے کہ ہم سب دنگ رہ جاتے، یہ ان کی شخصیت کی گہرائی کا عجیب پہلو تھا۔

مولانا محمد اسلام حقانی
رکن موتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

استاد محترم مولانا شہیدؒ: چند یادیں چند باتیں

برادرم مولانا محمد اسلام حقانی، معاون مدیر ''الحق'' ورفیق موتمر المصنفین ہر لحاظ سے خوش نصیب فاضل حقانیہ ہیں، جنہیں فراغت کے بعد ہی اپنی بے پناہ خدادادصلاحیتوں، قابلیت اور طبعی شرافت کی بناء پر حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اپنے علمی، تصنیفی، تالیفی کاموں کیلئے منتخب کرلیا اور خصوصاً مشاہیراور تفسیر لاہوریؒ کی ترتیب و تدوین میں آپ نے بے پناہ خدمات سرانجام دیں، پھر ''الحق'' کے تبصروں اور دیگر کتابوں پر تقاریظ وغیرہ بھی آپ حضرت رحمہ اللہ کی حین حیات میں لکھتے رہے جنہیں حضرت شہیدؒ ہمیشہ پسند فرمایا کرتے تھے اور ان سے ازراہ تفنن فرمایا کرتے تھے کہ اسلام تو دیکھتے ہی دیکھتے بہت بڑا ادیب ومبصر اور قلمکار بن گیا ہے، یقیناً برادرم محمد اسلام حقانی کیلئے کم عمری میں حضرت مولانا شہیدؒ کے ہمراہ اتنے بڑے علمی معرکے سرکرنا بہت بڑے اعزاز و اعتماد کی بات ہے۔ان کی اور برادرم مولانا سید حبیب اللہ حقانی کی آمد سے ماہنامہ ''الحق'' اور ''موتمر المصنفین'' کی ٹیم الحمدللہ بہت زیادہ موثر بن گئی ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں مزید جامعہ حقانیہ والحق کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مولانا شہیدؒ کے باقی ماندہ علمی کاموں کے تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین (مدیر)

اس وسیع وعریض کائنات کی بقا و دوام کیلئے روئے زمین پر علمائے ربانی کا وجود ضروری ہے، وہ روئے زمین پر جب تک موجود رہیں گے تب تک یہ نظام کائنات برقرار رہے گا، جونہی ان کا کا وجود اس روئے زمین سے ختم ہوجائے اسی دن کائنات کا نظام بھی درہم برہم ہوجائے گا اور یہ قیامت کی علامت بھی ہے کہ علمائے ربانین کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا، اسی وجہ سے کائنات میں موجود تمام مخلوقات ان کیلئے دعائیں کرتی ہیں کیونکہ انہیں اندازہ ہے کہ ہم سب کا وجود ان کے وجود سے وابستہ ہے، ایک عالم ربانی کی وفات سے امت مسلمہ کا اتنا بڑا نقصان ہوتا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں اور جو خلا پیدا ہو جاتا ہے تا صبح قیامت اس کو پُر نہیں کیا جاسکتا، ڈھائی سال پہلے استادمکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ شہادت کے عظیم مقام سے نوازے گئے، دنیائے فراق، وادی

غم اور دکھ سے نکل کر دنیائے وصال، بقائے دوام اور جنت الابرار مقام کی طرف کوچ کر گئے، شہادت کی موت انہیں اعزاز کے ساتھ محبوب حقیقی کے پاس چھوڑ آئی، وہ خوشی خوشی چلے گئے لیکن لاکھوں روحانی فرزندوں کو روتے اور آنسو بہاتے چھوڑ گئے، یہی ماضی میں بھی ہوتا رہا، حال میں بھی ہو رہا ہے اور مستقبل میں بھی ہوتا رہے گا۔

ہر انسان اپنی زندگی میں بہت ساری شخصیات سے ملتا ہے، علم اور تربیت حاصل کرتا ہے اور ان سے زندگی کے دیگر معاملات طے کرتا ہے، خصوصاً ایک طالب علم کا واسطہ اپنی زندگی کی عملی تربیت میں مفکرین، محققین، مصنفین اور دانشوروں سے پڑتا ہے، یقیناً ان میں سے بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے وہ متاثر ہوتا ہے اور ان علمی شخصیات کے بہت سارے ان منٹ نقوش اپنے دل و دماغ پر ثبت کرلیتا ہے جن سے وہ تا حیات رہنمائی لیتا رہتا ہے، راقم کو زندگی میں جن عظیم علمی شخصیات کو دیکھنے، ملنے، مستفید ہونے اور ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ان میں سے حضرت مولانا شہیدؒ کی یادگار اور ان مٹ نقوش چھوڑنے والی شخصیت نمایاں ہے، آپ علمی دنیا کا نہایت معتبر اور قابل احترام نام ہیں، ان سے میرا ایک تو تلمذ کا رشتہ ہے، کچھ علمی و تحقیقی کام بھی میں نے ان کی زیرنگرانی آپ کی ہدایات کے مطابق کئے، ایسی نابغہ روزگار اور عبقری شخصیات کے تذکرے سے ذہن کے ساتھ دل بھی بدل جاتا ہے اور اپنی سطح وجود میں بلندی کی امنگ بھی پیدا ہوجاتی ہے۔

استاد مکرم ایک جامع الصفات شخصیت کے مالک، گوناگوں خصائل حمیدہ سے متصف اور مختلف الجہات اوصاف کی حامل ہستی تھی، ان کے بارے میں چند تاثرات سپرد قلم کرنے جا رہا ہوں، ایسی شخصیات کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کرنا بہ ظاہر تو آسان لگتا ہے مگر درحقیقت اپنے احساسات کو زیب قرطاس کرنا ایک مشکل ترین کام ہے، جب وہ شخصیت ایسی ہو جو ہمہ جہت پہلو کی حامل ہو تو پھر ان کے متعلق اپنے احساسات کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا اور ان سے علمی مراسم، روحانی تعلقات اور عقیدت مندی کی نزاکتوں کو برسر عام بیان کرنا ہر کس و ناکس، مجھ جیسے نالائق اور لکھنے کے سلیقے سے عاری کے بس کی بات نہیں تاہم گزرنے والوں کو یاد رکھنا اور بھول جانے والوں کو ان گزرے ہوؤں کی یاد دلاتے رہنا ہی ایسے تذکراتی مضامین لکھنے کا مقصد ہوتا ہے، مولانا شہیدؒ کی خدمات اور کارناموں کا دائرہ وسیع بھی تھا اور متنوع بھی، ہم اس کا احاطہ تو کیا سرسری تذکرہ بھی نہیں کر سکتے، یہ مختصر سا مضمون تو صرف ایک یادداشت نامہ ہے جس میں ان کی صفات کو سمیٹنا مشکل امر ہے، یہ چند سطور ان کے شایان شان تو نہیں مگر ان کے ساتھ عقیدت اور تعلق کا چھوٹا سا مظہر ضرور

ہے۔ان کی شہادت میرے لئے ایک ذاتی صدمہ ہے، ڈھائی سال گزرجانے کے باوجود ابھی تک خودکواس صدمے سے بحال نہ کرسکا، استاد محترم مولانا راشدالحق سمیع صاحب خصوصی نمبر کی تیاری اور اس کی پروف ریڈنگ کے دوران مجھے بار بار یاددہانی کراتے رہے کہ تم بھی اپنی یاداشتوں کوضرور جمع کرکے مضمون لکھو لیکن ڈھائی سال تک مجھ میں ہمت پیدا نہ ہوئی کہ اپنے ہردلعزیز استاد اور محسن پر دل کھول کر کچھ لکھوں، آخر میں مجھے حضرت نے حکماً کہا کہ اب نمبر تیار ہے اگر تم نہیں لکھو گے تو ہم نمبر پریس کونہیں بھیجیں گے،اس لئے بحکم مجبوری جلدی میں اپنی کچھ منتشر یادوں کو لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن میرا ذہن خیالات کو مربوط نہیں ہونے دے رہا پھر بھی جو ذہن کے نہاں خانوں میں موجود ہے وہ پیش خدمت ہیں۔

زمانہ طالب علمی سے مجھے مولانا شہید سے غائبانہ محبت تھی، اس وقت یہ میری لاشعور کا دور تھا، اندازہ نہیں تھا کہ کتنی عظیم ہستی اور باکمال شخصیت سے میری محبت ہے، بس نام ہی سن رکھا تھا کہ ایک عظیم باپ کا عظیم حقیقی جانشین اور عظیم جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے چانسلر ہیں، پہلی مرتبہ جب ان سے ملاقات ہوئی تو اس وقت میں درجہ ثانیہ کا طالب علم تھا اور میری خوش قسمتی یہ تھی کہ اس سال مجھے جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ بھی ملا تھا اور گھر سے باہر سفر کا پہلا ہی سال بہت کم کسی کو جانتا تھا تاہم اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہاں مولانا سمیع الحق شہیدؒ بھی ہوتے ہیں جو ایک غیر معمولی انسان ہیں۔ دوسری بڑی سعادت یہ کہ اس سال درجہ ثانیہ کے نصاب میں شامل علم نحو کی متداول کتاب ''ہدایۃ النحو'' استاد مکرم مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدنی نوراللہ مرقدہ پڑھاتے تھے، میں جب بھی موقع پاتا تو دفتر اہتمام سے متصل دارالمطالعہ میں رسائل وجرائد کا مطالعہ کرنے پہنچ جاتا، مجھے زمانہ طالب علمی سے رسائل وجرائد کے مطالعے سے دلچسپی تھی، ایک مرتبہ دارالمطالعہ میں کسی رسالے کا مطالعہ کررہا تھا کہ اچانک استاد محترم مولانا سمیع الحق شہیدؒ تشریف لائے، میں اٹھا سلام کیا پوچھا بیٹا! آپ یہاں اکیلے ہیں؟ مطلب یہ تھا کہ دوسرے طلبہ یہاں مطالعے کیلئے نہیں آتے کیا؟ میں نے کہا جی! اکیلا ہی ہوں، شیخ شہیدؒ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی اور شاباش دیتے ہوئے فرمایا بیٹا! اِن رسائل وجرائد ہی سے ایک انسان علمی ترقی کی منازل طے کرتا ہے، طلباء کواس کی اہمیت کا اندازہ نہیں اور ان مجلّات و رسائل میں لکھے گئے مضامین پتہ نہیں کتنی کتابوں کا نچوڑ ہوا کرتے ہیں، میں بھی انہیں رسائل کا مرہونِ منت ہوں، میری پہچان میں انہیں رسائل کا بڑا کردار ہے، مجھے کافی تسلی دی اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے رسائل و جرائد کے مطالعے کی تلقین فرمائی، میرا حوصلہ بلند ہوا اور مطالعے کا مزید شوق

اجاگر ہوا، پھر روز دار المطالعہ کا چکر لگاتا، اس پہلی ملاقات نے ان کی تواضع، حوصلہ افزائی اور علم دوستی نے ذہن پر اتنے گہرے نقوش ثبت کئے کہ اب بھی اس کے اثرات محسوس کرتا ہوں، وقت گزرتا گیا طالب علمی کا زمانہ تھا حتیٰ کہ دورہ حدیث کی تکمیل بھی جامعہ حقانیہ سے کی، یوں مجھے مولانا شہید سے شرف تلمذ بھی حاصل ہوا، فراغت کے بعد تین چار سال قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشنوں کی یورشوں میں ادھر ادھر ویسے ہی گذر گئے، ۲۰۱۳ء سے جامعہ حقانیہ ہی میں شعبہ تصنیف (موتمر المصنفین) میں تقرر ہوا اور مولانا شہیدؒ کے زیر نگرانی ٹوٹی پھوٹی خدمت اور بہت قریب سے دیکھنے اور ان کی شخصیت کو پہچاننے کے بہت سارے مواقع حاصل ہوئے، پہلے تو غائبانہ محبت تھی اب یہی شخصیت میری عقیدت کا مرکز بن گئی، یوں مجھے ان کی شخصیت، خیالات، افکار اور نظریات سے مستفید ہونے کا بہترین موقع میسر ہوا، رفتہ رفتہ ان سے واقفیت ایک خوشگوار علمی و روحانی تعلق میں بدل گیا۔

راقم کو مولانا شہید سے فیض اٹھانے کی سعادت حاصل رہی اور قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملا، میں نے ہر جگہ حضرت مولانا شہیدؒ کو والد کی طرح شفیق اور بہترین مربی پایا، جب مولانا شہیدؒ نے ''خطبات مشاہیر'' کی ترتیب و تدوین، تصحیح وتخریج کا کام مجھے سونپ دیا (یہ کام جامعہ حقانیہ کے قیام سے لیکر تا این وقت یہاں تشریف آوردہ علمی و روحانی شخصیات کی تقاریر کو مرتب کرنے کا تھا) اوائل میں تو بہت سی مشکلات تھیں، ذاتی طور پر بھی پریشان حال تھا، کچھ گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے یہاں دل بھی نہیں لگتا تھا، عدم یکسوئی کی بنا پر دلچسپی سے کام بھی نہیں ہو پاتا اور دوسری طرف تجربہ بھی نہ تھا لیکن مولانا شہید نے رفتہ رفتہ اپنے ساتھ لے کر ترتیب و تدوین کا سلیقہ سکھایا پھر دل لگ گیا اور دلجمعی سے کام شروع کیا، روز وہ میرے کام کو جانچتے اور پرکھتے تھے، تب ایک دن مولانا شہید نے فرمایا اب آپ پر میرا مکمل اعتماد ہے، اب عنوانات لگانا اور دیگر حک و اضافے کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، اس کے بعد یکے بعد دیگرے مجھے تصنیفی کام سونپتے رہے، میں نے جب مولانا شہیدؒ کی نگرانی میں اپنا پہلا کام ''خطبات مشاہیر'' کی ترتیب و تدوین کا مکمل کیا اور مولانا شہیدؒ کی کوششوں سے یہ طباعت کے زیور سے آراستہ ہوا تو جب میں اس کا آخری مسودہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا شہیدؒ کی خوشی اور مسرت دیدنی تھی، بارہا خوشی اور مسرت کی وجہ سے مجھے داد اور شاباش دیتے رہے، راقم نے مولانا کی نگرانی میں ہی یہ کام کیا تھا مگر مولانا شہیدؒ جس انداز سے اس کا تذکرہ فرماتے اور مجھے شاباش دیتے تھے اسے مولانا شہیدؒ کی محبت ہی کہہ سکتے ہیں بلکہ مولانا شہیدؒ کا مجھ پر عظیم احسان تھا کہ مجھے تصنیفی کاموں سے منسلک کیا اور قدم بہ قدم میری رہنمائی کی، ان کے اس عظیم احسان کو میں

کبھی نہیں بھول سکوں گا اور نہ ہی میں زندگی میں یہ احسان اتار سکوں گا، اس عظیم شخصیت کے ساتھ میرا یہ علمی تعلق میری زندگی کے اہم اثاثوں میں سے ایک ہے، ان کی زیرنگرانی اور رہنمائی میں تصنیفی کام کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہر روز ان کی صحبت میں بیٹھنے کی سعادت ملتی وہ ہمت افزائی فرماتے اور تصنیف وتالیف کے اسلوب سکھاتے تھے، ان ہی کی بدولت میں تصنیفی اور تالیفی کاموں سے وابستہ رہا اور مجھ جیسے نالائق کو تصنیف کی شد بد سے واقف کرایا، یہی ان کی شخصیت کا سب سے جاندار پہلو تھا کہ وہ خود بھی بلند پایہ مصنف تھے لیکن ساتھ مصنف گر بھی تھے، دوسروں کو تصنیف کا گر سکھاتے تھے، تدوین وتالیف کے دوران اگر مجھ جیسے نوآموز کی کمی کوتاہی کی نشاندہی کرنی ہوتی تو ساتھ ساتھ برابر حوصلہ افزائی بھی کرتے یہی ان کی شفقت تھی اور انگلی پکڑ کر چلنا سکھانے کا انداز تھا، آج میرا جو قلم و قرطاس سے تھوڑا بہت رشتہ استوار ہے اس میں بڑا کردار استادمکرم مولانا شہیدؒ کا ہی ہے، انہوں نے کمال شفقت سے نوازا اور تصنیفی امور میں بھرپور رہنمائی فرمائی۔

مولانا شہیدؒ دنیائے علم وادب کی ایک تابندہ شخصیت تھے، علم وکتاب، مطالعے اور کتب خانے سے وابستہ ہستی تھی، بچپن سے لیکر تا شہادت کتاب سے وابستہ رہے، مطالعے ہی کی بدولت ان کی شخصیت نمایاں ہونے لگی تھی اور خود بارہا اس کا اعتراف بھی کر چکے تھے، انہوں نے علمی وادبی حوالے سے اپنے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں، ان کا اٹھنا بیٹھنا، اوڑھنا بچھونا علم ومطالعہ سے عبارت تھی، علم وکتاب، قلم وقرطاس سے ایسی محبت بہت کم لوگوں کو ہے، علم دوست، کتاب شناس اور ایک عبقری شخصیت تھے، ان کی ہر مجلس علمی باتوں سے معمور ہوا کرتی تھی، کتابوں پر تبصرے، مصنفین کے تذکرے، مخطوطات کے احوال اور برجستہ شعراء کے اشعار سے اہل مجلس محظوظ ہوا کرتے تھے، مخطوطات، کتابوں، قلمی نسخوں اور کتب خانوں سے ان کی محبت اور دلچسپی دیدنی تھی، ان کی مجلس علمی موضوعات اور کتابوں سے متعلق گفتگو سے معمور ہوا کرتی تھی، نئی کتابوں کی خبر لینا، مخطوطات اور قدیم مطبوعات کی ازسرنو اشاعت پر توجہ دلانا، ہم سے پاکستانی اور غیرملکی نئی مطبوعات اور کتابوں کے بارے میں دریافت کرنا، کتاب دوستی ان کی ذات کا بنیادی حوالہ تھا، کتاب ومکتبہ سے قلبی شغف تھا، قلم وقرطاس سے عمیق تعلق تھا، اس حوالے سے وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

استادمحترم مولانا سمیع الحق شہیدؒ علمی اعتبار سے تو اپنے معاصر اہل علم میں بلند قامت اور راسخ العقیدہ فکر کے حامل ہی تھے لیکن ساتھ وہ اپنے اعلیٰ ذاتی اخلاق اور شخصی اوصاف کی بنا پر بھی ایک عظیم انسان تھے، ایک دلکش انسان، سراپا محبت انسان، نہایت خلیق انسان، ملنسار اور منکسر المزاج

انسان، ایسے انسان کم ہی پیدا ہوتے ہیں، ان کے لہجے میں نرمی و شائستگی تھی، گفتگو اس قدر سنجیدہ اور باوقار انداز میں کرتے کہ آدمی ہمہ تن گوش ان کی گفتگو سنتا رہتا، انہی خصائل و اوصاف نے ان کے اندر دلربائی کا ایک ایسا جوہر پیدا کر دیا تھا کہ ان سے ملاقات کرنے والا ہر کوئی ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا، اگر میں یہ کہوں کہ یہ تمام اوصاف ان کو اپنے عظیم والد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ سے ورثے میں ملے تھے تو بے جا نہ ہوگا، ان کی محفل میں بارہا شریک ہونے کا موقع ملا، ان کی مجلس میں کوئی نہ کوئی علمی نکتہ سمجھنے یا کسی سوال پر غور کرنے کا موقع ضرور ملتا، کسی بھی علمی موضوع پر بات ہوتی تو وہ مجھے کبھی یہ احساس نہ دلاتے کہ ہم ان سے عمر، تجربے اور علم میں بہت نچلے درجے پر ہیں بلکہ ہمیشہ مجھے گفتگو میں شریک کرتے اور بعض مرتبہ اگر میری توجہ نہ ہوتی تو وہ سوال پوچھ کر مجھے متوجہ فرمایا کرتے، اپنی تصنیفی ٹیم کے ساتھ مجلس آرائی ان کو بہت پسند تھی۔

ایک مرتبہ ''موتمر المصنفین'' کے اراکین (راقم، مولانا محمد فہد، مولانا بہادر خان حقانی، مولانا منفعت احمد، مولانا شوکت علی حقانی، مولانا راحت نیاز حقانی، مفتی یاسر نعمانی، مولانا نعمان حقانی، جناب بابر حنیف) کو اپنے حجرے بلا کر عشاء کی نماز کے بعد پرتکلف چائے سے ہم سب کا اکرام کیا، بعد میں ''موتمر المصنفین'' کی زیر طبع کتابوں کی تفصیلات طلب کیں، اس پر تفصیلی بات ہوئی، اس کے بعد پھر نشست جمی، عمومی گفتگو شروع ہوئی جس میں دیگر اہل علم و قلم کے حوالے سے معلوماتی مباحثہ جاری رہا، میں نے موقع پا کر مولانا شہید سے پوچھا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کو علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کا فرہاد کیوں کہا جاتا ہے؟ مولانا شہیدؒ نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: جب شعر یا نثر میں کوئی ایسا لفظ یا جملہ جنہیں سن کر کسی خاص واقعے یا قصے کا منظر آنکھوں میں پھرنے لگے اسے تلمیح کہتے ہیں، حقیقی اور فرضی کہانیوں یا ان کے کرداروں سے متعلق کئی باتیں مشہور ہوتی ہیں، ان قصوں اور کرداروں کے بارے میں الفاظ، ترکیبیں، محاورے اور کہاوتیں بھی بن جاتی ہیں اور زباں زدِ خاص و عام ہو جاتی ہیں، تلمیح ایک ادبی اصطلاح ہے اور اس کا شمار صنائع شعری میں ہوتا ہے، اردو میں مختلف اقسام کی تلمیحات رائج ہیں، یہ سب ہماری تاریخ، تہذیب اور ثقافت کے خزینے ہیں، جوئے شیر کا فرہاد بھی اسی طرح کی ایک تلمیح ہے جس کے پس منظر میں شیریں و فرہاد کا ایک واقعہ ہے، دنیا میں عشق و محبت کی ہزاروں داستانیں ہیں جن میں شیریں فرہاد کی داستان سب سے الگ ہے، شیریں فرہاد کی قبریں بلوچستان کے ایک علاقے میں موجود ہیں، بلوچستان میں شیر دودھ کو کہا جاتا ہے لیکن وہاں کی مقامی زبان میں ٹھنڈے پانی کو بھی شیر کہتے ہیں اور جو کا معنی نہر ہے، اس بستی میں ایک پہاڑ تھا جس کے اوپر ایک چشمہ تھا، اس چشمے کا پانی پہاڑ کی دوسری طرف گرتا تھا اور بستی میں نہیں پہنچتا تھا،

اس پانی کو بستی تک پہنچانے کیلئے ضروری تھا کہ پہاڑ کو چوٹی سے ایسے کاٹا جائے کہ پانی بستی کی طرف بہنا شروع ہوجائے، شیرین لسبیلہ ریاست کے والی کی بیٹی تھی اور فرہاد ایک سنگ تراش تھا، فرہاد شیریں کی محبت میں اتنا گرفتار تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر شیریں کو حاصل کرنے کی اپنی انا پر قائم تھا، فرہاد نے جب شیریں کے باپ سے اس کا ہاتھ مانگا تو شیریں کے باپ نے انکار کرنے کے بجائے چالاکی سے یہ شرط رکھ دی کہ اگر فرہاد پہاڑ کی چوٹی کاٹ دے تو وہ اپنی بیٹی کی شادی فرہاد سے کر دے گا، چنانچہ فرہاد نے کڑی محنت سے پہاڑ کو کاٹنا شروع کر دیا، جب شرط کے مطابق فرہاد نے نہر کو تکمیل کے مراحل تک پہنچا دیا تو سردار پریشان ہوگیا تو اس نے اپنی کنیز کو فرہاد کے پاس بھیجا اس نے جاکر فرہاد سے کہا کہ تم جس کیلئے یہ تکلیف اٹھا رہے ہو وہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہی، فرہاد نے جب یہ سنا تو جس تیشہ سے پہاڑ کاٹ رہا تھا اسی کو اپنے سر میں دے مارا اور وہیں مرگیا پھر اُسی کنیز نے شیریں کے پاس جاکر فرہاد کی موت کی خبر سنائی تو شیریں نے بھی اپنے آپ کو ختم کردیا اور یوں وہ دونوں مرکر اپنے عشق کو امر کرکے چلے گئے، جن کے جسد خاکی اکھٹے ہی دفنا دیئے گئے جو آج بھی ایک ہی قبر کی شکل میں وہاں موجود ہیں لہٰذا علامہ سید سلیمان ندویؒ اسلامی علوم کا بحر بیکراں اور عبقری شخصیت تھے، انہوں نے وہ علمی کام کیے جو کسی اور کے حصے میں نہیں آئے، علامہ اقبال مرحوم نے جب علامہ سلیمان ندویؒ کے کارہائے علمی وتحقیقی کو دیکھا اور ان کی علمی دنیا کے مثالی اور گران قدر کارناموں کو جانچا تو انہوں نے علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کو علومِ اسلامی کے جوئے شیر کا فرہاد کہا، علامہ اقبال کا یہ معنی خیز جملہ اپنے اندر فکر ونظر کے مختلف زاویوں کو سموئے ہوئے ہے، یعنی علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے وہ علمی وتحقیقی کارنامے سرانجام دیئے جو جوئے شیر لانے سے کم مشکل نہیں تھے، اہل علم علامہ سید سلیمان ندویؒ کو استاد الکل کہا کرتے تھے، مجھے بھی علامہ سید سلیمان ندوی کی کتابوں اور مجلّہ ''معارف'' سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے، بہت سارا استفادہ انہیں سے کیا ہے تو مولانا شہیدؒ کی اس مجلس سے ساتھی بہت محظوظ ہوئے اور مجھے اس جملے کا فہم بھی حاصل ہوا۔

مولانا شہیدؒ جہاں ایک عظیم علمی شخصیت کے مالک تھے وہیں آپ کی زندگی میں متعدد ایسے اوصاف وخصوصیات ملتے ہیں جن کی وجہ سے آپ اپنے ہم عصروں کے درمیان ممتاز اور نمایاں تھے، آپ کی شخصیت کا سب سے امتیازی پہلو راسخ العقیدگی اور تصلب دینی اور حمیت اسلامی تھا، جہاد ان کی شخصیت کا مرکز ومحور تھا اور یہی جہاد آپ کی فکر وعمل میں پوری طرح رچا بسا نظر آتا تھا، ایسے وقت میں کہ پوری دینا جہاد کے خاتمے کیلئے منصوبہ بندیاں کر رہی تھی، اپنے پرائے سب اکھٹے تصور جہاد کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے میں سرگرم عمل تھے، ایسے میں جہاد کے دامن کو مضبوطی سے تھامنا بڑا

نازک اور جاں گسل کام تھا، آپ جہاد اور اہل جہاد کے حق میں ہر فورم پر بات کرتے تھے، بین الاقوامی کانفرنسیں جو اکثر ارہاب کی آڑ میں جہاد کے خلاف منعقد ہوا کرتی تھی، اس میں مولانا شہیدؒ بھی مدعو ہوکر شرکت کرتے تو اہل کانفرنس کو کھری کھری سناتے اور دوٹوک موقف اپناتے، معذرت خواہانہ رویہ کبھی نہیں اپنایا کہ نہیں جی! اسلام میں تو ''ارہاب'' نہیں ہم تو پرامن لوگ ہیں، بلکہ اسی اسٹیج سے بانگ دہل فرماتے کہ ''ارہاب'' تو عین مطلوب اسلام ہے اور قرآن میں مذکورہ آیت تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ سے استدلال کرتے کہ جب اللہ نے ''ارہاب'' کا ذکر کیا ہے تو ہم کیوں مغرب سے خوفزدہ ہوں؟ جہاد اور مجاہدین سے ان کی محبت تھی اور اس معاملہ میں کبھی سودا بازی نہیں کی اور آخرکار اس محبت کی بدولت اللہ نے شہادت جیسے عظیم مقام پر فائز کردیا اور شہادت پاکر سرخرو ہوگئے۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے افراد کی تربیت اور فضلائے مدارس میں علمی ذوق وشوق اجاگر کرنے کی خاص صلاحیت آپ میں رکھی تھی، آپ کی اس خصوصی صلاحیت کا اعتراف اکابر علما اور مشاہیر علم وادب نے کیا ہے، مولانا اپنے چھوٹوں سے بڑی محبت کرتے تھے، ان کی زیرنگرانی کام کرنے والوں پر ایسی شفقت فرماتے کہ ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ مولانا شہیدؒ مجھے زیادہ چاہتے ہیں، مولانا انہیں اپنے فرزندوں کی طرح اور بسا اوقات اس سے بڑھ کر چاہتے تھے، چھوٹے کام پر بھی اس قدر خوشی کا اظہار فرماتے اور ایسی حوصلہ افزائی کرتے کہ بڑے سے بڑے کام کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہوجاتا، کسی سے تھوڑا بھی علمی تعاون لیتے تو کتاب کے مقدمہ میں ان کا ذکر ضرور کرتے، ان کی زیرنگرانی کام کرنے والوں کے کام کی نظرثانی کے وقت سطر سطر پڑھ کر اس کی ہر اعتبار سے اصلاح کرتے تھے، علمی اور تصنیفی کاموں سے مولانا بے حد خوش ہوتے تھے اور کھل کر اس کی پذیرائی کرتے تھے، کام اس درجہ کا ہو یا نہ ہو مگر مولانا اس طرح تاثر کا اظہار فرماتے گویا کوئی بڑا کام کیا ہے، خاص کر حقانی فضلا جب کوئی تصنیف یا تحقیقی کام کرتے تو نہایت مسرت کا اظہار فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے حقانیوں میں تصنیف کا جذبہ بھی وافر انداز میں پیدا کیا ہوا ہے، اب حقانی فضلاء کا رجحان تصنیف کی طرف الحمدللہ زیادہ ہوگیا ہے، جب راقم اور مولانا مفتی منفعت احمد صاحب نے مولانا عبدالروف بادشاہ صاحب کی زیرنگرانی معہد الصدیق بام خیل صوابی سے سہ ماہی ''الصدیق'' کا اجرا کیا اور اس کا پہلا شمارہ جب مولانا شہیدؒ کی خدمت میں پیش کیا تو انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور جذبات میں کہا کہ آپ لوگ تو ماہنامہ ''الحق'' سے بھی آگے نکل گئے، ظاہر بات ہے کہ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں بلکہ رسالے کے مضمون نگار جو علم وتحقیق کے شناور شمار ہوتے ہیں، انہی کے مضامین نے اس مجلّہ کے حسن کو دوبالا کردیا تھا لیکن مولانا شہیدؒ اس وجہ سے خوش تھے کہ حقانیہ کے فضلاء نے اس کو مرتب کیا ہے۔

اللہ نے مولانا شہیدؒ کو ایسی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا جو دوسروں میں کم دیکھنے کو ملتی ہیں، ان صفات کی بنا پر جو بھی ان سے قربت اختیار کرتا وہ اپنی آخری سانس تک ان سے جڑا رہتا، میں اپنا شمار بھی ایسے افراد میں کرتا ہوں جو اس عظیم المرتبت ہستی سے پہلی ملاقات کے بعد ہی سے ان کے فہم و فراست، شفقت و محبت کا ایسا اسیر ہوا کہ آج بھی ان کی یادیں آنکھیں پرنم کر دیتی ہیں، وہ اپنے اخلاق اور منکسر المزاجی کی بنا پر اپنے حلقہ احباب اور تلامذہ کے درمیاں ہر دلعزیز شخصیت تھی، ان میں ایک ایسی ملائمت تھی جو ہر لمحے ان کی ہر دلعزیزی میں اضافہ کرتی تھی، آپ نے جس طرح مجھے اپنی شفقت وعنایات سے نوازا اس کی کوئی مثال نہیں، وہ مجھ سے میرے کام کے بارے میں روز پوچھتے تھے، اپنے پاس بلاتے اگر سفر پر ہوتے تو فون پر بات کرتے، میں جو کام کرتا اسے دیکھتے، پرکھتے اور روز روز تدوین اور ترتیب کے حوالے سے کچھ نیا نکتہ، طریقہ ہم سیکھتے، مزید کام پر اکساتے، ابھارتے جو کام میں کرتا اور اُن کو وہ پسند آتا تو تفصیل سے اہل مجلس میں اس کا برملا اظہار کرتے، اگر ترتیب و تدوین میں کچھ خامیاں اور غلطیاں دیکھتے تو خاموش ہوجاتے اور چشم پوشی کا مظاہرہ کرتے پھر تنہائی میں بتاتے کہ فلاں فلاں مقام پر غلطی ہے، اسے ٹھیک کردیں، مروت کے باب میں مولانا شہید اپنی مثل آپ تھے، جب وہ اپنے ماتحت معاون کی بڑی سے بڑی غلطی بھی پکڑ لیتے تب بھی وہ کبھی غصہ نہیں کرتے بلکہ سامنے بٹھا کر ان کی رہنمائی کرتے تھے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں غصہ نہ آتا تھا یا وہ سختی کر ہی نہیں سکتے تھے بلکہ یہ ان کی مروت تھی، غصے کے بجائے تسلی دیتے تھے کہ بیٹا! کتابیں لکھنا، تحقیق وتصنیف اور ترتیب و تدوین بڑا صبر آزما اور مشکل ترین کام ہے، کئی دشوار مراحل سے گزر کر ایک کتاب مرتب ہوتی ہے اور پھر منظر عام پر آتی ہے، اس طرح وہ ہمیشہ ہماری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے ہم نے ایسا طرز عمل والا کوئی اور شخص بہ مشکل ہی دیکھا ہوگا۔

کوئی اہل علم وذوق یا علمی شخصیت ان سے ملاقات کیلئے آتی تو مجھے اپنے ہاں بلاتے اور میرا ان سے تعارف کراتے، جب بھی ملتے مجھ سے میرے گھر والوں کی خیریت دریافت کرتے، خوب تسلی دیتے، ان کے ساتھ کام کرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے دوران ان کی علمی عظمت کے ساتھ ساتھ انسانی ہمدردی کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا، ان کی شخصیت اخلاق کریمانہ، تواضع اور روایتی رکھ رکھاؤ کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتی، بات چیت میں وہ اس قدر شفقت اور بے تکلفی برتتے کہ کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیتے کہ کسی مبتدی طالب علم یا محض امی سے مخاطب ہیں، ان سے بات کرتے ہوئے کبھی ہمیں جھجک محسوس نہ ہوئی کیونکہ ان کا رویہ ہمیشہ نہایت بے تکلفی کا ہوا کرتا تھا، وہ نہایت عمدہ نفیس مزاج اور مرنجان مرنج شخصیت کے مالک تھے، اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہلکا پھلکا مزاح بھی کیا

کرتے تھے، ہر ایک سے ان کی صلاحیت کے مطابق کام لیتے تھے، ان کی شخصیت میں بے شمار خوبیاں تھیں، عظیم علمیت کے حامل اور بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود کبھی ہم پر رعب نہیں جھاڑا، افسری کا مزاج کبھی نہیں اپنایا، جب کوئی کام ہوتا تو انتہائی احترام سے ہمارے دفتر کسی کو بھیجتے کہ ''موتمر'' کے سارے اراکین دفتر آجائیں یعنی وہ ہم چھوٹوں کے ساتھ شفقت کرتے، ان کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ وہ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور ان کے تھوڑے کام کو زیادہ بتاتے رہے اور جب دوسروں سے کوئی علمی کام لینے کا مرحلہ آتا تو خوب بڑھا چڑھا کر تعریف اور تعارف کراتے۔

ان کی زندگی کا میرے لئے بہت ہی پیارا پہلو اِن کی محبت، خیر خواہی اور اپنائیت ہے، یہ ان کی شخصیت کا بڑا ہی دلآویز پہلو تھا، آپ ہر کسی سے بے لوث تعلق رکھتے تھے، دوسروں کی بات بڑے سکون سے سنتے تھے، آپ کے الفاظ میں جو شیرینی، انداز تکلم میں جو اپنائیت، لہجے میں جو خلوص اور ان کے احساسات میں جو خیر خواہی اور دردمندی بلکہ قدر افزائی ہوتی تھی وہ دل و جان کو مسحور کر دیتی تھی، ان کا رویہ بڑوں کے ساتھ، ہم عمروں کے ساتھ، اپنے سے کم عمروں کے ساتھ، بچوں کے ساتھ بڑا خوش گوار اور اپنائیت سے بھرپور ہوتا تھا اور ان کے مزاج میں خوش گوار مزاح کا ایک رنگ بھی تھا جسے ان کی مسکراہٹ کچھ اور بھی دلآویز بنا دیتی تھی، شگفتگی ان کی طبیعت کا حصہ تھی جس سے ملتے مسکرا کر ملتے دیکھتے ہی کھل جاتے اور کھل کر باتیں کرتے خود بھی مسکراتے دوسروں کو بھی کسی نہ کسی حوالے سے مسکرانے پر مجبور کرتے، آپ ایسی باکمال شخصیت تھے کہ آپ کی ہر ادا اور ہر فعل میں فکر و نصیحت کے کئی دفتر پنہاں ہیں اور آپ کے لازوال کارناموں سے ہم جیسے طالب علموں کو بہت کچھ حاصل کرنا چاہیے، آپ کی متعدد یادیں جو چھ سات سال کے عرصے پر محیط ہیں اور میرے منتشر ذہن میں بکھری ہوئی ہیں، حیات مستعار کے جو لمحات ان کی صحبت میں گزرے، علم وعمل، تہذیب وادب، معارف وعلوم، دانستہ و نادانستہ، نہیں معلوم کیا کچھ ان سے سیکھا، ایک احساس ندامت اب مسلسل دامن گیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت میسر تھی لیکن کما حقہ قدر دانی نہ کی اور اب ہم اس نعمت سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ گئے اور علم کے اس بحر ذخار سے ہم چند قطرے ہی جذب کر سکے، حقیقت یہ ہے جن شخصیات کی وفات کو دل قبول نہیں کرتا تو ان کے بچھڑنے (مرنے) کا یقین بھی نہیں ہوتا، اکثر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا شہیدؒ دفتر تشریف لا رہے ہیں اور مجھ سے گفتگو فرما رہے ہیں، مسکرا رہے ہیں، آج جب ان کی شخصیت پر قلم تھام کے بیٹھا تو ان کا باوقار، سراپا علمی قد کاٹھ اور منور چہرہ نظروں کے سامنے جلوہ گر ہو گیا ہے، مگر ہائے افسوس!

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے ۔۔۔ طاقت کہاں جو دید کا احساں اٹھائیے

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی
رفیق مؤتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

داستانِ عہد گل

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی صاحب جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے لائق فاضل ، جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ، جامعہ عثمانیہ وبلال دارالعلوم ملاوی افریقہ کے سابق مدرس وناظم تعلیمات، صاحب علم وقلم، ادیب، کئی کتابوں کے مصنف، اس وقت جامعہ حقانیہ کے شعبہ ''مؤتمر المصنفین'' کے رفیق کار وماہنامہ ''الحق'' کے ڈپٹی مدیر ہیں،انہوں نے شیخ شہید سے پہلی ملاقات تا شہادت کی تفصیلی روئیداد لکھی جو بے حد دلچسپ بھی ہے اور نافع بھی قارئین پڑھیں گے تو حظ وافر حاصل کریں گے (ادارہ)

شیخ الحدیث والتفسیر امام المجاہدین والشہدا، سفیر امن حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ سے احقر کی پہلی ملاقات ۲۰۰۱ء میں ہوئی، درجہ اولیٰ احقر پہلے پڑھ چکا تھا مگر اپنی تعلیم کچھ عوارض کی بناء پر جاری نہ رکھ سکا۔ چار ماہ تبلیغ میں لگانے کے بعد دوبارہ پڑھنے کا شوق پیدا ہوا تو گاؤں کے ایک طالب علم قاری محمد فیاض صاحب کے ہمراہ جامعہ حقانیہ آیا آپ کنڈ گاؤں کی جامع مسجد میں امام وخطیب تھے اور دارالعلوم حقانیہ میں درجہ سادسہ میں پڑھنے کیلئے آتے جاتے تھے، ان کے ساتھ حافظ نور سید بھی تھے جو احقر کے اسکول کے کلاس فیلو اور دوست تھے، وہ بھی قریب کی کسٹم مسجد میں امام تھے مگر رہتے جامع مسجد ہی میں تھے۔

پہلی ملاقات

قاری محمد فیاض صاحب نے ساتھیوں سے پوچھا، دفتر سے بھی داخلے کا پتہ کیا مگر جواب حسبِ توقع نفی ہی میں تھا کیونکہ داخلے کے دن تھے ہی نہیں، البتہ قاری صاحب کے ذہن میں امید کی جو ایک کرن تھی، وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق تھے،طلبہ کے ساتھ ان کی شفقت اور محبت مشہور تھی، چنانچہ قاری صاحب چھٹی کے وقت دارالحدیث کے سامنے کھڑے ہوگئے کہ ابھی سبق سے واپس تشریف لائیں گے تو درخواست پیش کردیں گے، اگر داخلہ نہ بھی دیں تو صرف مطبخ سے کھانا

جاری کروادیں، میرے کمرے میں ہی ٹھہر جانا، بات مناسب تھی مگر احقر کو جو فکر لاحق تھی وہ یہ تھی کہ اس طرح راستے میں اتنے بڑے آدمی کو روکنا مناسب بھی ہے یا نہیں، کہیں اس طرح کرنے پر ڈانٹ نہ پڑے، حضرت شیخ شہیدؒ جب دارالحدیث سے نکلے تو طلبہ کے جمِ غفیر میں گھرے ہوئے تھے، ایسے میں ملنا اور درخواست پیش کرنا کارے دارد! بہرحال! قاری فیاض صاحب نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر سلام کیا تو حضرت شیخ شہیدؒ رکے اور پوچھنے لگے: بیٹا! کیا مسئلہ ہے؟ قاری فیاض صاحب نے درخواست پیش کی تو دیکھ کر فرمایا: بیٹا! داخلے تو کب کے بند ہو چکے ہیں، آپ لوگ دفتر جائیں، پھر احقر کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ داخلہ لینا چاہتا ہے؟ قاری صاحب نے عرض کیا: جی ہاں! جماعت میں ابھی چار ماہ لگا کر واپس ہوا ہے۔ یہ حضرت مولانا شہیدؒ سے پہلی ملاقات تھی اور اسی ایک نظر محبت نے اپنا اسیر بنالیا، آج بھی وہ منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

حقانیہ حاضری اور مولانا شہیدؒ سے راہ ورسم کا آغاز

دارالعلوم میں داخلہ تو نہ مل سکا، البتہ قاری صاحب کے ساتھ ان کی مسجد آتا جاتا اور درجہ ثانیہ کے اسباق میں شریک ہوتا، اسی سال ہدایۃ النحو شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنیؒ پڑھاتے تھے، جس میں بڑے درجات کے طلبہ کے علاوہ بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے تھے لیکن حضرت شیخ مدنی کا درس ابتدائی طالب علموں کے لیے ہی ہوتا، جو نہایت آسان ہوتا، ڈیڑھ ماہ تک تقریباً مسجد آنے جانے کا یہ سلسلہ جاری رہا کہ مسجد کے متولی یا محلے والوں نے قاری فیاض صاحب سے کہا: امام صاحب! ہم دو آدمیوں کا کھانا دیں گے، تین کا نہیں دے سکتے، قاری صاحب نے کہا کہ آپ دو کا دیں ہم گذارا کرلیں گے مگر وہ اس بات پر بضد تھے کہ ان دو (احقر اور حافظ نور رسید) میں سے کسی کو نکال دو، حافظ بھی تو قریب میں امام تھے لہٰذا بامرِ مجبوری مجھے ہی چھوڑنا پڑا، قاری صاحب نے کہا کہ دارالعلوم میں میرے کمرے میں رہ لینا، وہاں رہنے لگا، مگر چند ہی دن میں محسوس کیا کہ میں کمرے کے ساتھیوں پر بوجھ بنا ہوا ہوں، ایک مولانا کفایت اللہ صاحب (دوبیاں صوابی) تھے جو تسلی دیتے، پھر انہی کے توسط سے معلوم ہوا کہ وزیر گڑھی پبّی میں دارالعلوم کے فاضل حضرت مولانا حافظ احسان الحق صاحب کا مدرسہ جامعہ احسانیہ ہے، یہاں (دارالعلوم حقانیہ) سے بعض طالب علم بھی وہاں گئے ہیں، ابتدائی درجات ہیں، وہاں چلے جاؤ، تمہارے لیے اسی میں فائدہ ہوگا، چنانچہ وہاں گیا اور داخلہ مل گیا، اساتذہ حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب اور حضرت مولانا گل شیر صاحب تھے جو بہت ہی قابل اور شفیق تھے، احقر کا بہت ہی خیال رکھتے تھے۔ (فاجرهم على الله)

جامعہ احسانیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق مدظلہ کی آمد ہوتی تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، خدمت کرتا۔ وہاں دو سال پڑھنے کے بعد وہاں بڑے درجات نہیں تھے اور اساتذہ بھی وہاں سے چلے گئے، حضرت مولانا گل شیر صاحب کا تقرر جامعہ ابوہریرہ میں ہوا اور مفتی عبداللطیف صاحب جو طلبہ میں حافظ صاحب کے لقب سے مشہور تھے، ان کا تقرر مدرسہ ربانیہ شیدو میں ہوا اور یہاں بھی ابتدائی درجات تھے، جامعہ ابوہریرہ میں درجہ رابعہ شروع ہی ہونے والا تھا لہٰذا یہاں آیا اور داخلہ لیا، پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کی شفقتوں، محبتوں اور احسانات نے اپنے سحر میں جکڑ لیا اور اس پر مستزاد یہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور یہاں کے اساتذہ ومشائخ کی خدمت میں حاضری بھی ہونے لگی، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید اکثر جامعہ ابوہریرہ تشریف لاتے، طلبہ سے ان کا خطاب بھی ہوتا اور یوں دیدار و مصافحہ کی سعادت حاصل ہوتی رہتی۔

مسلسل رابطے اور تعلق خاطر میں اضافہ

موقوف علیہ کے سال دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ کا امتحان دیا تھا، نام بھی نکل آیا تھا مگر احقر کو معلوم نہ ہوسکا، اس وجہ سے احقر دارالعلوم ہدایت الاسلام تخت آباد پشاور میں شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید شیخ الحدیث حضرت مولانا مطلع الانوار رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت الاستاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے سفارشی خط دیا اور یوں وہاں داخلہ ہوگیا، برادر محترم مولانا محمد اسلام حقانی بھی ساتھ تھے مگر وہ چند دن گذار کر واپس دارالعلوم حقانیہ چلے گئے، انہوں نے ہی بتایا تھا کہ حاضری میں تمہارا نام لیا جاتا ہے، مگر احقر کو شیخ الحدیث حضرت مولانا مطلع الانوار رحمہ اللہ سے کچھ ایسی محبت پیدا ہوگئی تھی کہ وہاں سے جانا مناسب نہ سمجھا، حضرت شیخ الحدیث احقر سے دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ اور مشائخ بالخصوص حضرات شیخین رفیقین (شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ اور امام الشہداء والمجاہدین حضرت مولانا سمیع الحق شہید مدظلہ) کے بارے میں ضرور استفسار فرماتے کہ کیسے ان میں سے کسی سے ملاقات ہوئی تھی یا نہیں؟ احقر حضرت شیخ کا سلام بھی پہنچاتا۔

حقانی بنوگے تو عالمگیر ہوجاؤگے

دورہ حدیث میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ آیا اور داخلہ لیا تو حضرت شیخ شہید عزیمت کی روزانہ زیارت ہوتی، استفادہ کرتا، اسباق میں بلاناغہ شرکت کرتا، طالب علمی کی زندگی بھی عجیب

ہوتی ہے، احقر اپنے نام کے ساتھ ''مردانی'' اور ''مختار'' کے لاحقے لگاتا، جامعہ ابو ہریرہ میں دورانِ طالب علمی ہی اپنے استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کی صحبت کی برکت سے لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا تھا اور دورانِ طالبِ علمی ہی چند تالیفات اور تراجم بھی شائع ہو چکے تھے، جن میں ''اکابر کی زاہدانہ زندگی'' اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ المدنیؒ کی کتاب مکانة اللحیة فی الاسلام کا اردو ترجمہ ''اسلام میں داڑھی کا مقام'' شامل ہیں، احقر نے دورہ حدیث کے دوران ہی ایک دن حضرت شہیدِ عزیمت کی خدمت میں ''اکابر کی زاہدانہ زندگی'' پیش کی تو حضرت شیخ شہید نے پوچھا حبیب اللہ مردانی کون ہے؟ احقر نے عرض کیا یہ خادم ہے۔ پوچھا دورہ کہاں کیا ہے؟ احقر نے عرض کیا جی! یہاں دارالعلوم میں دورہ حدیث کا طالب علم ہوں تو فرمایا بیٹا! ''مردانی'' نہ لکھو حقانی لکھا کرو، ''مردانی'' محدود ہے اور ''حقانی'' لامحدود اور اس میں عموم ہے، لکھو گے تو عالمگیر ہو جاؤ گے، اسی دن سے احقر نے اپنے نام کے ساتھ ''حقانی'' لکھنا شروع کر دیا، اسی مجلس میں حضرت شیخ شہید نے احقر سے پوچھا کہ باقی اسباق کہاں پڑھے ہیں؟ احقر نے بتایا تو بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں اور حکم فرمایا کہ کبھی کبھی دفتر یا گھر آیا کرو، یہ حضرت شہیدِ عزیمت کے ساتھ پہلا تعارف تھا۔

حقائق السنن پر کام کرنے کا داعیہ اور مولانا شہیدؒ کی حوصلہ افزائی

ایک دن حضرت شہیدِ عزیمت نے دارالحدیث میں دورانِ درس فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی ترمذی شریف کے اَمالی کی پہلی جلد ''حقائق السنن'' کے نام سے مولانا عبدالقیوم حقانی نے مرتب کی تھی، میری خواہش ہے کہ کوئی صاحبِ ذوق ملے اور یہ کام مکمل کر دے، احقر نے برادر محترم مولانا محمد اسلام حقانی سے مشورہ کیا کہ دونوں یہ کام کر لیں گے، انہوں نے حامی بھری تو حضرت شہید عزیمت کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ یہ کام کرنے کے لیے ہم دونوں تیار ہیں، حضرت شیخ شہید نے خط پڑھا اور فرمایا: بیٹا! عشاء کے بعد گھر آ جانا، چنانچہ ہم دونوں وہاں پہنچے مگر کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے بات نہ ہو سکی اور بعد میں ہم ہمت نہ کر سکے کہ دوبارہ حاضرِ خدمت ہوں، بہر حال! یہی کام پھر حضرت الاستاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کے مشورہ سے تخصص فی الفقہ کے طلبہ کے ذمے لگایا گیا اور انہیں منتخب ابواب دیئے گئے، جن کی وہ تخریج و تحقیق بھی کریں گے، اس کام کی نگرانی حضرت مولانا مفتی مختار اللہ حقانی اور حضرت مولانا مفتی غلام قادر نعمانی کر رہے تھے۔

ساعتے با اہل حق کا سلسلہ

دورہ حدیث کے بعد حضرت الاستاد شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے اپنی آغوشِ شفقت میں جگہ دی اور احقر کا تقرر جامعہ ابوہریرہ میں ہوگیا، حضرت الاستاد مولانا حقانی مدظلہ کو حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ سے عشق تھا، حضرت حقانی صاحب مدظلہ نے اپنے شیخ حضرت شہیدؒ کی حیات وخدمات پر دو جلدوں میں کتاب لکھی، امید ہے کہ اب تیسری جلد بھی تیار ہوگی، آپ شہیدؒ کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ حاضر ہونے کی کوشش کرتے، اس وجہ سے احقر کو بھی اکثر و بیشتر ساتھ لے جاتے، احقر موقع کو غنیمت جان کر مجلس میں ہونے والی علمی ادبی گفتگو کو اشارات میں محفوظ کر لیتا اور گھر آکر اسے صاف کر دیتا، پھر حضرت الاستاد مولانا حقانی مدظلہ کی خدمت میں پیش کرتا جو اس مضمون کی نوک پلک سنوارتے اور پھر اسے اپنے وقیع مجلّہ ''القاسم'' میں ''ساعتے با اہلِ حق'' کے عنوان سے شائع فرماتے، یہ سلسلہ تقریباً آٹھ سال تک جاری رہا، احقر کے ملاوی (افریقہ) آنے سے کچھ عرصہ قبل ان مجالس کی پہلی جلد جو ۵۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، شائع ہوئی، احقر کا ملاوی میں دو سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے، اس عرصہ میں استاد محترم مولانا حقانی صاحب مدظلہ اپنے ساتھ جامعہ کے دیگر اساتذہ اور القاسم اکیڈمی کے اراکین لے جاتے، جو ان مجالس کو محفوظ فرماتے۔

ان مجالس میں کیا ہوتا؟ ان میں ایک وفا شعار شاگرد کے اِستفسارات اور وفا شناس استاد کے جوابات ہوتے، ایک طالبِ صادق کی علمی تشنگی اور استادِ کامل کی آبیاری ہوتی، ایک مسترشد کی کیفیات اور مرشد کی ہدایات ہوتیں، ایک عاشقِ زار خادم کی نیازمندیاں اور فرد شناس مخدوم کی کرم نوازیاں ہوتیں، ایک تاریخ خوان کی الجھنیں اور تاریخ ساز کی سلجھنیں ہوتیں، محدثِ جلیل، سفیر امن، امام الشہداء حضرت مولانا سمیع الحق قدس سرہ اور ان کے مایہ ناز اور قابل فخر شاگرد شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کی علمی، روحانی، فکری، ادبی مجالس، علماء، صلحاء اور اولیاء کے تذکرے ہوتے، جدید وقدیم کتابوں پر تبصرے، جہاد وقتال، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، سیاست وقیادت، مطالعہ وکتاب اور قلم وقرطاس کے موضوعات پر دلچسپ مذاکرے ہوتے، عالمی انقلاب، تاریخی واقعات اور اصلاحِ انقلابِ امت کے حوالے سے بصیرت افروز تجزیے ہوتے، حرمین شریفین کے اسفار اور زیارتوں کا تذکرہ ہوتا، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ناموسِ رسالت کی باتیں ہوتیں،

سب سے بڑھ کر ان مجالس میں قلبی سکون ہوتا اور احقر کو یقین ہے کہ ان مجالس کو پڑھ کر بھی قلبی سکون نصیب ہوگا ان شاء اللہ!

کراماً کاتبین

حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ جب کبھی کسی پر ہلکی پھلکی تنقید فرماتے یا مزاح کی کوئی بات ہوتی تو احقر جو قلم کاغذ ہاتھ میں لیے ہوتا اور لکھ رہا ہوتا تو شفقت بھری مسکراہٹ کے ساتھ فرماتے: بیٹا! یہ نہ لکھو، جب کوئی اہم تاریخی بات فرماتے تو احقر کو تاکید فرماتے کہ بیٹا! یہ لکھ لو، تاریخی بات ہے احقر کو چونکہ سب کچھ سمیٹنے کی عادت تھی اس وجہ سے احقر کو ''کراماً کاتبین'' کے نام سے پکارتے۔ جب کبھی احقر مصروف ہوتا اور حضرت الاستاد حقانی صاحب مدظلہ تشریف لے جاتے تو استفسار فرماتے: حبیب اللہ نہیں آیا، حضرت الاستاد احقر کی طرف سے عذر معذرت فرماتے۔ احقر کے پاس چند مسودات اب بھی موجود ہیں، جنہیں صاف کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، یہ غیر مطبوعہ ہیں، ان کو صاف کر کے ''القاسم'' میں بھیجوں گا، ان شاء اللہ

فضلائے حقانیہ کی تصنیفی خدمات

احقر نے اپنے استاد و مربی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کے حکم پر ''فضلائے حقانیہ کی تصنیفی و تالیفی خدمات'' کے عنوان سے کام شروع کیا تھا، جب ایک دو فضلاء کے مختصر احوال اور ان کی تصانیف کا تعارف لکھ کر حضرت شہید عزیمت رحمہ اللہ کو اصلاح کی غرض سے دکھایا تو انہوں نے کمالِ شفقت اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ماہنامہ ''الحق'' میں شائع کروایا، پھر یہ ''الحق'' کا مستقل ایک سلسلہ بن گیا جو قسط وار شائع ہوتا، جب کبھی رسالہ چھپتا اور احقر کا مضمون نہ ہوتا تو پوچھتے کیوں نہیں لکھا؟ احقر مواد نہ ہونے کا عذر کرتا، تو فرماتے: بیٹا! چار، پانچ صفحات ''الحق'' کے تمہارے لیے مختص ہیں، ضرور لکھو۔ اس طرح حضرت شہیدؒ اپنے تلامذہ کی حوصلہ افزائی فرماتے اور آگے بڑھنے کے مواقع دیتے یقیناً آپ کی شخصیت مردم ساز تھی۔

کتاب المغازی کے اَمالی پر کام

محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے جملہ درسی امالی اور تقاریر کے لیے بہت ہی بے چین ہوتے، ''حقائق السنن''، تخصص والوں کے ذمے لگائی تھی، احقر کو بخاری شریف کی ''کتاب المغازی'' کی پشتو تقریر حوالہ فرمائی کہ اس کا اردو ترجمہ کرو، احقر نے کام شروع کیا اور تقریباً

۶۰۔۷۰ فیصد سے زیادہ کام کر چکا تھا کہ احقر کے ایک عزیز مولانا صلاح الدین دیروی آئے اور کہا استاد جی! میں نے ایم فل اسلامیات میں داخلہ لیا ہے اور مجھے موضوع چاہیے کہ اس پر مقالہ لکھوں، احقر نے چند موضوعات بتائے، جن میں سے ایک ''تقریر مغازی'' کا ترجمہ، تخریج وتحقیق بھی تھا، اس کیلئے احقر نے یہ شرط لگائی کہ حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ سے اجازت لو، اجازت ملی تو احقر کو حکم ہوا کہ مسودہ دے دیں، عزیز محترم نے اپنا مقالہ پورا کیا مگر شاید ''مغازی'' کا کام اب بھی نامکمل ہے، اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مکاتیب اور رابطے

احقر جب سے ملاوی افریقہ آیا ہے، اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت شہیدِ عزیمت رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق مدظلہم اور حضرت الاستاد شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہم سے ضرور رابطہ رکھتا ہے، ان کو اپنے حالات سے باخبر رکھتا ہے، مقدم الذکر دونوں حضرات سے اکثر فون پر بات کرتا جبکہ مؤخر الذکر حضرت الاستاد مدظلہ سے اکثر خط وکتابت رہتی ہے، یہ خطوط بھی تقریباً سو کے قریب ہوں گے، بہرحال! حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ سے جب بھی فون پر بات ہوتی تو ضرور استفسار فرماتے کہ بیٹا! کیا کام چل رہا ہے؟ کس موضوع پر لکھ رہے ہو؟ کون سی کتابیں زیر درس ہیں؟ احقر جواب دیتا تو خوش ہوتے اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے۔

تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل رابطہ کیا تو یہی سوالات پوچھے، احقر نے عرض کیا: جی! ''شمائل ترمذی'' کی شرح ہے پشتو زبان میں تحفة اللبیب نام ہے، دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل حضرت مولانا امین الحق گستوئی نے لکھی ہے، اس کا اردو ترجمہ کر رہا ہوں، فرمایا بہت خوب، بیٹا! کام کرتے رہا کرو، چھوٹے کام پر بھی بے انتہاء تشجیع اور حوصلہ افزائی فرماتے جس کی وجہ سے مزید کام کرنے کا حوصلہ ملتا۔

احقر جب دارالعلوم اور اساتذہ سے دوری کی شکایت کرتا تو فرماتے: بیٹا! لوگ دنیا کمانے بیرون ممالک جاتے ہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کے لیے لے گیا ہے، دل چھوٹا مت کرنا، یہاں آپ کا ایک طالب علم کو پڑھانا پاکستان میں سینکڑوں کو پڑھانے سے بہتر ہے۔ دو ڈھائی سال پہلے احقر جب ملاوی افریقہ وارد ہوا تو حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کو ایک خط لکھا تھا، اور فوٹو لے کر حضرت مولانا راشد الحق سمیع (مدیر الحق) کے نمبر پر بھیجا تھا، جس کے بعد اکثر فون پر بات ہوتی تو دوبارہ خط نہ لکھ سکا وہی خط پیش خدمت ہے۔

مولانا شہیدؒ کے نام خط

۲۴رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ: استادی الکریم و محسنی العظیم،سیدی وسندی ومولائی زیدمجدکم!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ کرے مزاجِ گرامی بخیر وعافیت ہوں احقر الحمدللہ آپ کی دعاؤں سے بخیر وعافیت افریقہ پہنچ گیا، گھر کی سیٹنگ بھی ہوگئی، مدرسہ میں اسباق پڑھانا بھی شروع کردیئے، مدرسہ میں ابتدائی درجات ہیں، مقامی لوگ کم، جبکہ ایشیا (پاکستان، ہندوستان وغیرہ) کے طلبہ زیادہ ہیں، مقامی لوگوں کیلئے یہاں الگ مدارس ہیں جن میں انہیں اسکول اور مدرسہ دونوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ملاوی میں جمہوریت ہے،عیسائیوں کی اکثریت ہے اس وجہ سے حکومت بھی انہی کی ہے البتہ تجارت پر تقریباً ۸۰ فیصد مسلمانوں کا ہولڈ ہے اور وہ بھی زیادہ تر پاکستانی اور ہندوستانی ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ اور آنحضرت کے بارے میں سوشل میڈیا پر لبرل وسیکولر لوگوں کے بکواسات دیکھ کر دل بہت دکھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور دارالعلوم حقانیہ کو جو عالمگیر شہرت دی ہے، ان پروپیگنڈوں سے اس میں مزید اضافہ ہورہا ہے۔وللّٰہ الحمد

مشائخ حقانیہ کی اسانید پر کام شروع کرنے کا ارادہ ہے،دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے اور آسان فرمائے،مؤتمر اور الحق کے جملہ اراکین،صاحبزادگان حضرت مولانا حامدالحق،حضرت مولانا راشدالحق،مولانا اسامہ،مولانا خزیمہ،حضرت مولانا عرفان الحق،حضرت مولانا سید یوسف شاہ اور مولانا احمد شاہ صاحبان کی خدمت میں سلام اور دعاؤں کی درخواست۔ والسلام

حضرت الاستاد مولانا حقانی صاحب مدظلہ اکثر اپنے مکاتیب میں حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کا ذکر فرماتے کہ حاضری ہوئی،تمہارا ذکر خیر ہوا، پوچھ رہے تھے اور احقر دل ہی دل میں کہتا کہ

ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

قومی وملی اور علمی مصروفیات

پیرانہ سالی کی وجہ سے جلسوں اور تقریبات میں بہت کم شرکت فرماتے، ایک دفعہ احقر کے پاس آبائی گاؤں کے نوجوان وفعّال عالمِ دین، فاضلِ حقانیہ مولانا جاوید علی صاحب آئے اور کہا کہ مسجد میں بچوں کے حفظ وناظرہ کے ختم کی تقریب منعقد کرنا ہے، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب سے وقت لینا ہے، احقر نے عرض کیا: استادجی! تو ان دنوں بہت مصروف ہیں اور پنجاب میں پروگرام ہیں البتہ حضرت شیخ مولانا سمیع الحق صاحب سے ملتے ہیں، چنانچہ دفتر اہتمام میں حضرت شیخ شہیدؒ سے

ملاقات ہوئی ، مدعا بیان کیا تو فرمایا: بہت کم تقریبات میں جاتا ہوں لیکن حبیب اللہ ساتھ آیا ہے تو آ جاؤں گا پھر وقت مقرر پر احقر کو ساتھ لے کر پہنچے ، راستے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے طالب علمی کے واقعات بھی سنائے اور فرمایا کہ گڑھی کپورہ میں بھی حضرت شیخ الحدیثؒ نے پڑھا تھا، تقریب میں معوذتین پر ایک جامع بیان بھی فرمایا تھا، حضرت شیخ شہیدؒ کی اصاغر نوازی اور ایفائے عہد کی یہ بڑی مثال ہے، اس سفر اور تقریب کی روئیداد احقر نے لکھی تھی جو اخبار میں شائع ہوئی۔

یہ تو حضرت شیخ شہیدؒ کے ساتھ احقر کی اپنی سرگزشت تھی جو مختصراً بیان کردی، باقی حضرت شیخ شہید کی علمیت، محدثانہ جلالتِ قدر، پارلیمنٹ میں نفاذ شریعت کیلئے خدمات، مجاہدین کی سرپرستی، ختم نبوت کے لیے جدوجہد، ناموسِ رسالتؐ اور ناموسِ صحابہؓ کے لیے کوششیں، تواضع، للّٰہیت، طلبہ پر شفقت ومہربانی، اکابر کا ادب و احترام، اصاغر نوازی اور ان کی تشجیع اور حوصلہ افزائی جیسے اہم موضوعات پر شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اور شارح صحیح مسلم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ جیسے اصحابِ قلم اور ادب کا قلم چاہئے۔

حضرت کی شہادت کے دوسال بعد احقر ملاوی سے واپس آیا اور دارالعلوم حاضر ہوا تو استاد مکرم مولانا راشد الحق سمیع صاحب نے بھی حسب سابق شفقتوں سے نوازا اور اپنے عظیم والد کی روایات وعادات کے مطابق خصوصی محبت سے پیش آئے اور احقر کو ''الحق'' اور دارالعلوم کے لئے اپنی خدمات وقف کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بھی آپ نے دوبارہ یاددہانی کی کہ دارالعلوم تمہاری مادرعلمی ہے اور حضرت والد شہیدؒ کو آپ بہت زیادہ عزیز تھے اگر حضرت الاستاد حقانی صاحب مدظلہ محسوس نہ کریں اور بطیّب خاطر آپ کو اجازت دیں تو آپ دارالعلوم ''الحق'' اور ''موتمرالمصنفین'' میں چلے آؤ۔ اس طرح احقر اپنی مادرعلمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی آغوش میں آ گیا لیکن افسوس! کہ حضرت شیخ شہیدؒ کی مجلس کی رونقوں اور ان کی شفقتوں سے بندہ اب محروم ہو چکا ہے۔

بہرحال! حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت کا سانحہ امت کے لیے بالعموم اور حقانی خاندان، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اس کے فضلاء، طلبہ اور متعلقین کیلئے بالخصوص بہت بڑا حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے، اور سوگواران کو صبر اور صبر پر اجر نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

مولانا سید احمد شاہ حقانی
معاون ورفیق سفروحضر حضرت شہیدؒ

ایک ہمہ گیر عالمی وعلمی شخصیت

مولانا سید احمد شاہ حقانی صاحب، دارالعلوم کے فارغ التحصیل، سابق ناظم کتب خانہ، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے محافظ، ڈرائیور، سیکرٹری اور سفر وحضر میں تیس سال ان کی خدمت میں رہے ہیں۔ حضرت کی شہادت کے بعد تقریباً پانچ ماہ تک قید وبند کی جبری صعوبتیں بھی برداشت کیں کیونکہ جان بوجھ کر تفتیش کا رُخ ان کی جانب موڑ دیا گیا تھا۔ بڑی مشکلات اور صبر آزما صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد عدالت نے انہیں باعزت طور پر بری کردیا اور حضرت کی شہادت کو ''اندھا قتل'' قرار دے کر کیس داخل دفتر کردیا گیا......(ادارہ)

قائد جمعیت شہید ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحقؒ کی زندگی ایک ہمہ گیر عالمی رہنما کے طور پر پہچانی جاتی ہے، استاد محترم رحمہ اللہ کے بارے میں مجھ جیسے ناچیز طالب علم کے لئے کچھ لکھنا ناممکن ہورہا ہے لیکن برادرم حضرت مولانا راشد الحق سمیع حفظہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ، کچھ یاداشتیں اور حضرت شہیدؒ کی خدمات پر لکھنے کی ناقص کوشش کی ہے، راقم الحروف کو حضرت شہیدؒ کے ساتھ ۳۰ رسال خدمت کرتے ہوئے گزر چکے ہیں، اس دوران سفر اور حضر میں حضرت شہیدؒ کے ساتھ رہا، ان کی خدمت کی سعادت ملی، اگر حضرت قائد محترمؒ کی زندگی کا تفصیل سے احاطہ کرنا چاہوں تو اس کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہوں گے لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کیونکہ حضرتؒ کا غم ایک عجیب طرح کا رنج وغم ہے جو کہ ہر دن گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ پر بھاری ہوتا جارہا ہے اور حضرتؒ کے ذکر سے آنکھیں پرنم، ہاتھ کانپتے اور دل خون کے آنسو رورہا ہے، اس کے باوجود ماہنامہ ''الحق'' کے خصوصی نمبر میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے حضرت شہیدؒ کی زندگی پر چند کلمات لکھنا میرا فرض بنتا ہے کہ تعمیل حکم میں اپنے شیخ ومربی اور قائد ومحسن پر چند خونِ دل سے لبریز قاشیں پیش کروں۔

آپ سب کو بخوبی معلوم ہے کہ حضرت شہیدؒ کی زندگی بھرتا روز شہادت دین اسلام، شریعت محمدیؐ، تحفظ ناموس رسالتؐ، تحفظ ناموس صحابہؓ، دفاع اسلام، دفاع پاکستان، دفاع عالم اسلام، اتحاد امت اور جہاد فی سبیل اللہ میں گزری ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کسی ایک شخص کا نام نہیں تھا حضرت کی ذات خود بخود ایک مشن، ایک نظریہ اور ایک اسلامی جہادی تحریک کا نام تھی۔

حضرت شہیدؒ کی خدمات دین اسلام کے کسی ایک شعبے میں نہیں تھیں جس کا باآسانی احاطہ ہو سکے، حضرت بیک وقت ایک بہترین مدرس، محدث، مفسر، مجاہد، مصنف اور اسلامی سیاست کے رہبر تھے، آپؒ ملکی اور عالمی سیاست پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، اسی وجہ سے تمام امت مسلمہ کے اتحاد امت کی مثبت جدوجہد جاری رکھتے تھے، بالخصوص حضرت شہیدؒ وہ واحد شخصیت تھے جنہوں نے حب الوطنی کی انوکھی مثالیں قائم کیں، ملک خداداد پاکستان کے تحفظ کیلئے مختلف پلیٹ فارمز پر ملکی تمام سیاسی، دینی، مذہبی سربراہاں کو اکٹھا کر کے عالمی سازشوں بالخصوص ہندوستان کے مذموم مقاصد کو خاک میں ملایا، غلبہ اسلام اورنفاذ شریعت کیلئے ہر پلیٹ فارم پر ڈٹ کر مقابلہ کیا، چاہے وہ ملک کے ایوانوں میں ہو یا ایوانوں سے باہرعوامی کانفرنس اورملین مارچ ہو، ان پلیٹ فارموں میں تحریک نفاذ شریعت، شریعت بل کا معرکہ، ملی یکجہتی کونسل، دفاع پاکستان کونسل، متحدہ دینی محاذ، متحدہ مجلس عمل، ان تمام تحریکات میں سے ہر ایک تحریک میں مولانا شہید نے اہم کردار ادا کیا بطور نمونہ چند تحریکات کا مختصر مختصر تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

ملی یکجہتی کونسل

یہ وہ زمانہ تھا کہ عالمی دشمن پاکستان کو فرقہ واریت کی آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا تو حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ ہی نے پاکستان کے تمام مکاتب فکر کو اکٹھا کر کے شیعہ اور سنی رہنماؤں کو آمنے سامنے بٹھا کر ایک پلیٹ فارم بنام ''ملی یکجہتی کونسل'' تشکیل دے کر ملک میں اس آگ وخون کی ہولی کو بند کر کے ملک میں امن وسلامتی کی فضا قائم کی۔

دفاعِ افغانستان کونسل

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ نائن الیون کے بعد امریکہ نے ہمسایہ برادر اسلامی ملک افغانستان میں امارت اسلامی طالبان حکومت کو گرانا چاہا تو حضرت شہیدؒ نے پاکستان کی تمام سیاسی، مذہبی، جہادی تنظیموں کو اکھٹا کر کے ''دفاع افغانستان کونسل'' تشکیل دی اور اس پلیٹ فارم سے ملک میں ملین مارچ کیا اور امریکی اور نیٹو حملوں کے خلاف آواز بلند کی۔

دفاع پاکستان کونسل

یہ وہ وقت تھا جب کہ امریکہ نے حملہ کرکے افغانستان میں طالبان کی حکومت کو گرا کر ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور پاکستان کے راستے امریکیوں اور نیٹو کو نیٹو سپلائی ہو رہی تھی جس کے نتیجے میں پاکستان کے غیور عوام نے ''دفاعِ پاکستان کونسل'' سے تشکیل یافتہ اتحاد ''متحدہ مجلس عمل'' کو صوبہ سرحد، بلوچستان میں ووٹوں کے ذریعے حکومت دی اور وفاق میں بھاری اکثریت سے نمائندگی ملی اور وہ تمام خدشات اور خطرات جس کی پیشگوئی حضرت شہیدؒ نے کی تھی تمام کے تمام صحیح ثابت ہوئے لیکن الحمد للہ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی مساعی رنگ لائی اور امریکا اور نیٹو و افواج افغانستان سے شرمندہ وشکست خوردہ جانے پر مجبور ہوئے، اے کاش! کہ حضرتؒ آج حیات ہوتے تو اپنے شاگردوں کی عظیم فتح پر کس قدر مسرور اور شاداں ہوتے۔ آج بھی افغانستان کے غیور مسلمان اور امارت اسلامی کے مجاہدین و طالبان حضرت مولانا شہیدؒ کی کاوشوں، قربانیوں اور قیادت پر فخر کرتے ہیں اور حضرت شہیدؒ کا نام فاتحین افغانستان میں سرفہرست ہے، اسی لئے افغان علماء اور تحریک طالبان نے حضرت قائد محترمؒ کو ''امام الشہداء'' کا لقب دیا ہے۔

شعبہ تدریس

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ مذکورہ اوصاف کے ایک اعلیٰ درجہ کے مدرس بھی تھے اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تقریباً ۶۵ برس تدریس میں مصروف رہے اور ہزاروں فرزندان علم حضرتؒ سے علوم وفنون میں فیضیاب ہو چکے ہیں، آپ ایک بہترین محدث بھی تھے اور سالہا سال تک جامعہ حقانیہ میں استاد حدیث رہے، راقم الحروف کو بھی دورہ حدیث میں ان سے شرف تلمذ کی سعادت حاصل ہوئی وہ بخاری شریف میں ابواب التفسیر اور ترمذی شریف میں شمائل ترمذی، کتاب المغازی میں استاد رہے ہیں، یاد رہے کہ حضرت شہید واحد استاد حدیث تھے جو کہ گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے جب دارالحدیث میں تشریف لاکر حدیث پڑھاتے تو طلبا عش عش کراٹھتے۔

تصنیفی خدمات

حضرت شیخ شہیدؒ بہترین مصنف بھی تھے، آپ کی کئی کتب جس میں مکاتیب مشاہیر (جو سات جلدوں پر مشتمل ہے) اسی طرح خطبات مشاہیر (جو دس جلدوں پر مشتمل ہیں) قابل ذکر ہیں اور زندگی کے آخری ایام میں تفسیر امام احمد علی لاہوریؒ کی ترتیب وتدوین پر کام شروع کیا، سفر اور حضر

میں دن رات اس تفسیر کے لکھنے پر مصروف تھے چونکہ میں سفر اور حضر میں ساتھ رہتا تھا تو جب کبھی ہم ملک سے باہر بالخصوص حرمین شریفین کی زیارت کرنے جاتے، تب بھی مجھے حکم فرماتے تھے کہ تفسیر کے مسودات ضرور میرے بریف کیس میں رکھ دیں تاکہ مکہ معظّمہ مسجد الحرام میں اس تفسیر پر کام کرنے کا موقع مل جائے اور مدینہ منورہ مسجد نبویؐ میں بھی اس مبارک کام کرنے کی سعادت ملے اور ہم جب جب سفر حج پر ہوتے تھے تو حرمین شریفین کے ساتھ منیٰ شریف، عرفات میں بھی موقع ملتے ہی تفسیر امام لاہوریؒ کے مسودوں پر پروف، حاشیہ اور تفصیل سے لکھتے تھے۔ شہادت سے ایک سال قبل حضرت شہیدؒ کو سینے میں اچانک تکلیف محسوس ہوئی تو فوراً راقم اور حضرت کے فرزندان مولانا حامد الحق مدظلہ اور مولانا حافظ راشد الحق سمیع کے ساتھ انہیں سی ایم ایچ نوشہرہ لے گئے، جہاں پر ڈاکٹروں نے حضرتؒ کا معائنہ اور علاج ومعالجہ کی کوشش کی تو ڈاکٹروں نے تشخیص کے بعد ہمیں بتایا کہ حضرت کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، جتنا جلدی ہو سکے حضرت کو ایف آئی سی ہسپتال راولپنڈی پہنچایا جائے، ہم نے بلا تاخیر حضرت کو راولپنڈی ہسپتال پہنچایا، جہاں ایف آئی سی ہسپتال کے منتظمین کو پہلے ہی سی ایم ایچ نوشہرہ نے خبر دے دی تھی کہ حضرت شیخ کو دل کی تکلیف لاحق ہوئی ہے اور وہ آرہے ہیں تو ہسپتال کا عملہ گیٹ پر منتظر تھا، ہسپتال پہنچتے ہی ماہر ڈاکٹروں نے معائنہ شروع کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت کے دل کے چاروں وال بند ہیں اور حضرت کا آپریشن کرنا ہوگا یا اسٹنٹ لگانے ہوں گے، بات طویل ہوتی جا رہی ہے، خلاصہ یہ کہ حضرت کو جب پتہ چلا تو اس وقت تک تفسیر امام لاہوریؒ کے چودہ پارے ہو چکے تھے، اس حکایت سے مطلوب ومقصود میرا صرف تفسیر قرآن سے حضرت کی محبت اور تکمیل کی آرزو کا اظہار تھا تو حضرت نے فرمایا کہ آپریشن ہو یا اسٹنٹ، میں اللہ تعالیٰ سے زندگی صرف اس لیے مانگتا ہوں تاکہ میں اپنی شروع کردہ تفسیر پوری کرسکوں تو اللہ سے یہی التجاء ہے کہ اسوقت تک زندگی عطا فرمائیں تاکہ میری تفسیر کا کام مکمل ہوسکے تو پھر اللہ کے فضل وکرم سے حضرتؒ کے دل کی کامیاب اوپن ہارٹ سرجری ہوئی اور چاروں وال تبدیل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مہینے کے اندر اندر صحت یاب فرمایا لیکن حضرتؒ کی تفسیر امام لاہوریؒ کی تکمیل واشاعت کی اتنی زیادہ آرزو تھی کہ بستر علالت پر ہسپتال میں بھی تیمّم کرکے مجھ سے تفسیر کے مسودے منگواتے تھے اور اسی شدید علالت و کمزوری کی حالت میں بھی تفسیر پر کام کرتے تھے۔

تصلب رائے

ملکی اور بین الاقوامی سیاست میں حضرت امام الشہداء کی مدبرانہ حکمت عملی اور اپنے نظریے پر قائم

رہنے اور حق پر سدسکندری کی طرح قائم رہنے اور کسی بھی مصلحت کا شکار نہ ہونے کی کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں

امریکی اور نیٹو افواج کے افغانستان پر حملے کے بعد سے تا روز شہادت اپنے حق موقف پر قائم رہے، اس کے باوجود پاکستان سمیت دنیا بھر کی اسلامی حکومتیں اور علماء یا تو نیٹو کے ہمنوا بنے یا خاموش ہو گئے لیکن حضرت شیخ نے ہر اسٹیج پر کلمہ حق کہا، ایک بار ایک بڑے اسلامی ملک کے دارالحکومت میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد ہوا اور ہم شام کے وقت کانفرنس کے لئے اس ملک میں پہنچ گئے، ایئرپورٹ سے سے ہمیں منتظمین کانفرنس نے ایک بڑے ہوٹل میں منتقل کیا، کمرے میں پہنچتے ہی ہمیں کانفرنس کا ایجنڈا موصول ہوا، حضرت سفر سے تھکے ماندے پہنچے اور ایجنڈا پڑھا تو حضرت نے مجھ سے کہا کہ بیٹا! اس ایجنڈے سے مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ شاید تمام اسلامی ممالک کے علماء سے امارت اسلامیہ افغانستان کے خلاف کوئی فتویٰ جاری کروانا چاہتے ہیں، مجھے حکم دیا کہ بیٹا! تم جا کر ہمارے ساتھ پاکستان سے آئے ہوئے وفد میں تمام علماء اور رہنماؤں سے ملو اور انہیں اس ایجنڈے کی نشاندہی کراؤ اور ان سے کہو کہ مولانا صاحب کانفرنس سے پہلے آپ سب سے ملنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں مشاورت کرنا چاہتے ہیں تو حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میں جا کر تمام زعماء سے فرداً فرداً ملا اور حضرت کا پیغام پہنچایا، پاکستان سے جانے والے وفد میں جماعت اسلامی کے سربراہ جناب سراج الحق، قائد انصار الامہ کے مولانا فضل الرحمٰن خلیل، پاکستان علماء کونسل کے چیئرمین علامہ طاہر محمود اشرفی، مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور کے مولانا شیخ الحدیث فضل الرحیم اشرفی، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، آزاد کشمیر کے سابق وزیراعظم جناب سردار عتیق احمد خان صاحبان شامل تھے۔ حضرت نے سب سے میٹنگ کرکے ایجنڈا کے خدشات سے باخبر کیا اور وفاق کے تمام زعماء نے حضرت کو اطمینان دلایا کہ اگر ایسی کوئی بھی بات ہوئی تو ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور ہم کانفرنس کا بائیکاٹ کریں گے تو اُسی وقت حضرت نے کانفرنس کے سربراہ سے کہا کہ اگر اس کانفرنس میں طالبان افغانستان یا امارت اسلامی کے خلاف کسی بھی مخالفت یا فتویٰ دینے کی بات ہوئی تو ہم طالبان افغانستان کی حمایت میں کانفرنس کا بائیکاٹ کریں گے تو اسی وقت حضرت کی جدوجہد کی وجہ سے کانفرنس کے منتظمین نے ایجنڈے سے اس شق کا خاتمہ کردیا۔ اسی طرح کئی کانفرنسز ملک میں اور بیرون ملک منعقد کی گئیں لیکن حضرت نے ان کانفرنسز میں شرکت کرنے سے انکار کیا اور اس بات کی طرف حضرت امام الشہداء مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے یوم شہادت کے سلسلے میں اسلام آباد میں منعقد کی گئی تقریب سے مولانا فضل الرحمٰن خلیل صاحب نے بھی اشارہ کیا، خلاصہ یہ کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے کبھی بھی اسلام میں شرعی نظام اور امت مسلمہ کے حق میں کسی بھی مصلحت یا سودے بازی کا شکار نہ

ہوئے اور اپنے حق موقف پر قائم رہے۔ اسی طرح جب حضرت شیخ آئی سی یو میں بستر پر تھے کہ حضرت کی عیادت کرنے کیلئے سیاسی لیڈران اور علماء کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک دن پاکستانی افواج کے سربراہ جناب قمر جاوید باجوہ صاحب حضرت شہیدؒ کی عیادت کرنے ہسپتال تشریف لائے اور کہا کہ میں پہلے دن ہی آنا چاہتا تھا لیکن ملک سے باہر تھا اور اب پاکستان پہنچتے ہی میں آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، ایف آئی سی کے سربراہ جناب جنرل صفدر اور جناب جنرل سہیل صاحب سے کہا کہ حضرت کے علاج معالجے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتیں اور جناب قمر جاوید باجوہ صاحب نے ڈاکٹر سے حضرت کی تکلیف کے بارے میں دریافت کیا تو ڈاکٹر نے کہا کہ حضرت کے دل کے چاروں والوں میں بندش آرہی ہے اور ہمیں چاروں وال تبدیل کرنے ہوں گے، چیف آف آرمی سٹاف جناب قمر جاوید باجوہ صاحب نے مزاحاً ڈاکٹر سے کہا کہ باقی سارے والز تبدیل کردیں لیکن مولانا صاحب سے ''طالبان'' والے وال نکال دیں، حضرت مولانا شہیدؒ نے اسی حالت میں بھی فرمایا کہ نہیں جنرل صاحب! ڈاکٹرز حضرات میرے دل سے باقی سارے وال نکال دیں لیکن ''طالبان افغانستان اور جہاد'' والے وال نہیں نکالیں گے کیونکہ میں تو صرف اسی وال کو اپنے رب کے سامنے پیش کر کے اسی کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں، مطلب یہ کہ حضرت مذاق میں بھی اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔

مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا جہاد سے محبت وآرزوئے شہادت

شہادت سے ایک دن پہلے ہمارے دارالعلوم جامعہ حقانیہ کا ایک فاضل جس نے گذشتہ سال (۲۰۱۷ء) ہی جامعہ سے فراغت حاصل کی تھی افغانستان میں جہاد کے دوران امریکی ڈرون حملے کا نشانہ بن کے شہید ہوگئے، شہید طالب علم کے ورثاء کی جانب سے ایک تعزیتی جلسہ عام منعقد کیا گیا اور منتظمین اور ورثاء کا بے حد اصرار تھا کہ حضرت شہید رحمہ اللہ اس جلسے کے مہمان خصوصی بن کر اس جلسے میں شرکت فرمائے چنانچہ اس جلسے کا انعقاد حضرت شہید رحمہ اللہ کے مشورہ سے یکم نومبر رکھا گیا تھا، حضرت شہید رحمہ اللہ نے شرکت کا وعدہ فرمایا تھا جو کہ اتفاقاً انہی ایام میں پاکستان کی عدالت نے آسیہ ملعونہ کی رہائی کا حکم صادر کیا، جس کے ردعمل میں پاکستان کے تمام غیور مسلمان عاشقان خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سراپا احتجاج بن گئے، ملک کے تمام دینی مدارس سے احتجاجی مظاہرے شروع ہوگئے تھے تو ہمارے مدرسہ جامعہ حقانیہ سے بھی ایک بہت بڑا جلوس اور مظاہرہ حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کی قیادت میں مین جی ٹی روڈ پر نکلا، بروز بدھ ۳۱/ اکتوبر ۲۰۱۸ء جس

احتجاجی مظاہرے سے قائد جمعیت امام الشہداء حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے جراتمندانہ خطاب فرمایا اورختم نبوتؐ پر جان قربان کرنے کا اعلان کر کے ملک کے حکمرانوں کو اس فیصلے کو واپس لینے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق ہونے کا ثبوت دینے کا کہا، اس دن کے بعد ہی یکم نومبر جمعرات کا دن تھا جو کہ حضرت شہید عالم دین کے تعزیتی جلسے میں شرکت کا وعدہ فرمایا تھا اور آسیہ ملعونہ کے رہائی کے فیصلے کی وجہ سے تمام ملک کے عمومی شاہراہوں کو حکومت نے بند کیا تھا تاکہ کوئی ناخوشگوار صورتحال نہ پیدا ہو جائے پھر حضرتؒ کی تعزیتی جلسے میں شرکت بھی ضروری تھی کیونکہ قائد محترم رحمہ اللہ نے ان سے شرکت کا وعدہ فرمایا تھا کہ میں لازمی شرکت کروں گا کیونکہ یہ ایک شہید کا جلسہ تھا اور ہم نے جلسے میں شرکت کیلئے اکوڑہ خٹک سے چارسدہ تنگی کے ایک گاؤں میں جانا تھا۔

حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ نے مولانا یوسف شاہ ترجمان جمعیت علماء اسلام اور امیر جمعیت علماء کے پی کے کو حکم دیا کہ تم پہلے چلے جاؤ اور راستے وغیرہ دیکھ لو کہ ہم کس راستے سے چارسدہ جلسے میں پہنچ سکتے ہیں لہٰذا مولانا سید یوسف شاہ صاحب حضرتؒ کے حکم کے مطابق روانہ ہوگئے پھر بعد میں مولانا سید یوسف شاہ صاحب کی فون کال آئی کہ حضرت آپ اکوڑہ خٹک سے نوشہرہ خویشکی کے راستہ سے روانہ ہو جائیں یہ راستہ کھلا ہے اور آپ بآسانی جلسہ میں پہنچ سکتے ہیں۔

حضرت شہید رحمہ اللہ فون کال کے بعد بلا تاخیر اپنے رہائش گاہ سے جلسہ کے لئے روانہ ہوئے جب کہ میں گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور حضرت شہید رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب بھی ہم سفر تھے اور ہم چارسدہ تنگی جلسہ پہنچ گئے، جلسہ گاہ پہنچنے سے قبل جلسہ کے منتظمین نے ظہرانے کا اہتمام کیا تھا جس میں حضرت نے شرکت کی اور نماز ظہر ہم نے ادا کی اور نماز ظہر کے بعد امام الشہداء استقبالیہ جلوس میں جلسہ گاہ تشریف لے گئے، حضرت شہید رحمہ اللہ نے جہاد اور شہادت کے موضوع پر عالمانہ ومجاہدانہ تقریر فرمائی اور سعادت شہادت پر تفصیلی بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ اپنی تقریر میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی التجاء کرتے رہے۔

تعزیتی جلسہ ختم ہونے کے بعد ہم واپس روانہ ہوئے اور حضرت شہید رحمہ اللہ چارسدہ کے مشہور علمی خاندان جو کہ ''قاضی صاحبان'' سے شہرت رکھتے ہیں اور ہمارے مدرسے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فضلاء میں سے ہیں اور مذکورہ تعزیتی جلسہ میں شریک تھے کہ اصرار پر کہ جلسہ ختم ہونے کے بعد قائد محترم ہمارے ہاں مختصر قیام فرمائیں اور چائے نوش فرمائیں تو حضرت نے دعوت قبول فرما کر چارسدہ تنگی کے علاقہ عمرزئی چارہ میں جناب قاضی محمد طیب صاحب، جناب قاضی محمد طاہر صاحب،

قاضی محمد قاسم صاحب کی رہائش گاہ پر مختصر قیام فرمایا اور حضرت شہیدؒ کے ہمراہ مولانا حامد الحق حقانی، مولانا سید یوسف شاہ، جناب عاصم خٹک شریک تھے، اور قاضی صاحبان کے علاوہ ان کے برخوردران جناب طلحہ قاضی اور سعد قاضی ،مولانا واسع اللہ، برخودر محمد حنیف صاحب نے پرتکلف میزبانی کی (یاد رہے کہ اس خاندان کی جامعہ حقانیہ کیساتھ آباؤ اجداد سے لیکر آج تک روحانی وعلمی سلسلہ جاری ہے)

قاضی صاحبان کی رہائش گاہ سے براہ راست اسلام آباد کے لئے عازم سفر ہوئے چونکہ ملک کے حالات مظاہروں کی وجہ سے خراب تھے اکثر بڑی شاہراہیں بند کرادی تھیں، بالخصوص اسلام آباد اور راولپنڈی میں سارے روڈ بلاک تھے ہم چارسدہ سے براستہ موٹروے روانہ ہوئے، رشکئی انٹرچینج کے قریب قیام وطعام کی طرف میں نے گاڑی پٹرول پمپ کی طرف موڑی اور حضرتؒ سے کہا کہ اباجی! آگے اکوڑہ خٹک کیلئے انٹرچینج ہے ولی انٹرچینج کے نام سے، ہمیں اکوڑہ خٹک گھر جانا چاہیے کیونکہ ہمیں اسلام آباد راولپنڈی میں مشکلات ہوں گی اس لئے ہم کل چلے جائیں گے۔اسی انٹرچینج سے مولانا حامد الحق حقانی اور جناب عاصم خٹک صاحب ہم سے علیحدہ ہوکر اکوڑہ خٹک کے لئے واپسی کی۔عاصم خٹک صاحب جناب طارق خٹک صاحب کے فرزند ارجمند (اوران کے دادا جان جامعہ حقانیہ اور مولانا عبدالحق صاحبؒ کے معتمد خاص اور جامعہ کے شوریٰ کے ممبر بھی تھے جوکہ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے قریب ہی مدفون ہیں) ہیں جوکہ چارسدہ کے سفر میں ہمارے ساتھ تھے۔تاکہ صحیح راستوں کا اندازہ ہوجائے اکوڑہ خٹک سے نکلنے کے وقت حضرت شہید رحمہ اللہ کے فرزند حضرت مولانا حافظ راشد الحق سمیع صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کوشش کریں کہ اسلام آباد کیلئے نہ جائیں کیونکہ تمام راستے بند ہیں اور حضرت والد صاحبؒ بیمار بھی ہیں کہ حضرتؒ کو تکلیف نہ ہو میرے بار بار اسلام آباد نہ جانے کے اصرار پر حضرت مجھ پر کچھ برہم بھی ہوئے، اتفاق سے میرے موبائل پر حضرت مولانا راشد الحق صاحب کی کال آئی کہ کہاں پر ہو؟ اور اکوڑہ واپسی کا پروگرام بنا؟ میں نے اِن سے کہا حضرت سے اسلام آباد نہ جانے کا بار بار کہہ رہا ہوں لیکن حضرت غصہ ہورہے ہیں کہ آپ کیوں نہیں سمجھتے ہیں میں نے کل جمعہ کے دن تمام مذہبی قائدین کو آبپارہ اسلام آباد میں ناموس رسالتؐ کیلئے احتجاجی مظاہرے پر بلایا ہوا ہے اور میری کال پر ایک عظیم الشان احتجاجی مظاہرہ حکمرانوں کے خلاف ہورہا ہے اور پھر بات ناموس رسالتؐ کی ہے، میں نے ہر حال میں جانا ہے تو میں نے راشد الحق صاحب سے کہا کہ میری درخواست تو حضرتؒ قبول نہیں کررہے، آپ ہی حضرت والد صاحبؒ سے بات کریں، پھر مولانا راشد الحق صاحب نے فون پر بات کی اور حضرتؒ سے گزارش

کی کہ راولپنڈی اسلام آباد کے راستے بند کئے جارہے ہیں، اس کی ہمیں کنفرم اطلاع مل گئی ہے اور راشدالحق صاحب نے یہ بھی کہا کہ ہمارا بھانجا جناب عمار شفیق بھی اسلام آباد سے اکوڑہ خٹک کیلئے روانہ ہو چکے ہیں، اور تقریباً چار گھنٹوں سے اسلام آباد ہی میں روڈ پر بند ہے لیکن حضرت شہید رحمہ اللہ نے جناب راشدالحق صاحب کا بھی اسلام آباد نہ جانے کا مشورہ ٹال دیا، حتیٰ کہ ہم صوابی انٹرچینج پر پہنچنے والے تھے تو ایک بار پھر حضرت سے کہا کہ ہم یہاں سے بھی براستہ جہانگیرہ واپس ہو سکتے ہیں، لیکن حضرت کے جانے کا عزم پختہ تھا کیونکہ احتجاجی مظاہرے کی کال دے چکے تھے بروز جمعہ آبپارہ اسلام آباد میں ۔تو ہم موٹروے پر اسلام آباد کیلئے روانہ تھے اس دوران حضرت شہید رحمہ اللہ کے فون پر کال آئی حضرت نے بڑی محبت سے کال کرنے والے سے بات کی اور باتوں باتوں میں حضرت شہیدؒ نے تین بار آمین آمین آمین کہا اب مجھے علم نہ تھا کہ فون کرنے والا کون ہے اور حضرت نے تین بار آمین کیوں کہا جب فون کال بند ہوئی تو میں نے حضرت سے کہا کہ کس کا فون تھا اور آپ نے تین بار آمین کیوں کہا تو حضرت فرمانے لگے کہ یہ حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب سابق ایم این اے بنوں کی کال تھی انہوں نے ہمارا آج والا جلسہ لائیو دیکھا تھا اور میری تقریر بھی سنی تھی جس میں میں نے اپنے لئے شہادت کی درخواست کی تھی تو قاری عبداللہ صاحب نے مجھے کہا کہ حضرت! کیا آپ شہید ہونا چاہتے ہیں؟ آپ نے اپنی تقریر میں تو ایسی زوردار آرزو اور شہادت کی تمنا مانگی ہے جیسے آپ کو شہید ہونا ہے، تو میں نے اس لئے تین بار آمین بولا، کہ کاش! مجھے بھی اللہ کی راہ میں شہادت مل جائے تھوڑی دیر بعد حضرتؒ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم بھی عجیب سادہ اور دیوانے لوگ ہیں شہادت پانے کیلئے تو میدان جنگ میں جانا پڑتا ہے، کافروں کے مقابلہ میں لڑنا ہوتا ہے پھر کہیں جا کر شہادت ملتی ہے اور ہم اس بڑھاپے اور بستر پر شہادت مانگتے ہیں، اللہ اکبر! انہیں کیا خبر تھی کہ حضرت شہید کو اگلے دن ہی اپنے بستر پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی شہادت ملنی ہے۔

تو یہ تھی حضرت امام الشہداء مولانا سمیع الحق کی جہاد، مجاہدین اور شہداء سے محبت اور آرزوئے شہادت جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی آرزو قبول فرما کر اپنے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر غیرت کے بدلے حضرت شہید کو ناموس رسالتؐ کے نام کا اعزاز اور سعادت عطا فرمایا، فارسی کا ایک شعر ہے:

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا محمد اکبر شاہ بخاری
مدیر مدرسہ اشرفیہ احتشام العلوم جام پور

شفقت بھری باتیں، محبت بھری یادیں

مولانا محمد اکبر شاہ بخاری صاحب، مصنف، مؤرخ، محقق، ادیب اور درجنوں کتابوں کے مرتب ومؤلف ہیں۔ ان کے رُشحاتِ قلم شوق سے پڑھے جاتے اور اکابر کے حوالے سے ان کی کتابیں محبت سے لی جاتی ہیں۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے بھی مکاتبت رہی اور تعلق خاطر بھی، ذیل کی تحریر ان کی محبتوں کا مظہر ہے...... (ادارہ)

فخر اسلاف مجاہد اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ ہمارے اکابر علماء دیوبند میں اس وقت چند عظیم اور عہد ساز شخصیات میں منفرد مقام کے حامل تھے، ظالموں نے بہت بیدردی سے اسلاف کی عظیم نشانی کو بھی شہید کردیا (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)، اللہ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ تو کامیاب ہوگئے اور وہ ظالم سفاک لوگ برباد ہوگئے، جنہوں نے ہمارے محبوب رہنما کو ہم سے جدا کردیا، موجودہ علماء ومشائخ میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اپنے علم وعمل اور اخلاص وللّٰہیت میں ممتاز مقام پر فائز تھے، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم، حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی مدظلہم اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہم جیسی عظیم علمی شخصیات میں ایک نام مولانا سمیع الحق کا تھا، یہ سب حضرات مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے علمی مقام مجاہدانہ کردار اور سیاسی بصیرت کے قائل تھے اور آپ کی علمی دینی اور سیاسی خدمات کے معترف تھے، ہمارے شیخ ومربی شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے خصوصی احباب میں سے ایک تھے اور دونوں حضرات ایک دوسرے کا بے حد احترام واکرام فرماتے تھے، ایک دوسرے کے علمی مقام کے قائل تھے اور علمی بصیرت پر مکمل اعتماد فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ برصغیر پاک وہند کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے اور دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی اعظم سید مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی قدس سرہ کے تلمیذ رشید رہے تھے، یہاں پاکستان میں بھی مفتی اعظم قدس سرہ سے حضرت شیخ

الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے خصوصی تعلقات رہے تھے، اسی طرح مولانا سمیع الحق اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے تعلقات وروابط بھی مثالی تھے، دونوں حضرات نے متعدد علمی کاموں مل کر عظیم کارنامے سرانجام دیئے تھے، ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں سارا علمی کام ان دونوں حضرات نے کیا محدث العصر محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ نے ان حضرات کی علمی بصیرت پر مکمل اعتماد فرمایا اور قادیانیت کے موضوع پر تحریری وعلمی جتنا بھی کام تھا، حضرت علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ نے انہی دونوں عظیم شخصیات سے کروایا، جو علمی تاریخی کارنامہ ہے، حق تعالیٰ شانہ ان دونوں حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی پوری زندگی علمی، تدریسی، تبلیغی وتصنیفی کاموں میں گزری، وہ بیک وقت شیخ الحدیث بھی تھے، شیخ التفسیر بھی، عظیم محقق ومدقق اور عالمی سطح پر سیاسی مبصر و مدبر بھی تھے، عالم اسلام کی عظیم شخصیت تھے، دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم تھے، جمعیت علماء اسلام کے قائد تھے اور علمائے کرام ومشائخ کی محبوب شخصیت تھے۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اپنے اخلاق و اوصاف میں اسلام بھی یادگار تھے، اپنے بڑوں کا احترام اور اپنے چھوٹوں کی شفقت آپ کے دل ودماغ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، غیر شائستہ الفاظ کبھی ادا نہیں کئے، اگر کسی نے سیاسی اختلاف کیا، تب بھی آپ نے اپنے بزرگوں کی روایات کے مطابق اپنی زبان وکردار سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے کسی کی دل آزاری ہو، اخلاق کے دامن کو بھی نہیں چھوڑا، اپنے اخلاق وعادات میں اکابر واسلاف کا عین نمونہ تھے، مجھ جیسے ناکارہ کی بھی ہمیشہ دلجوئی کی اور ہمیشہ شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا، احقر ناکارہ کی تصانیف کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور متعدد تصانیف کے بارے میں مسرت کا اظہار فرمایا، مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے خط وکتابت بھی رہی، ہمیشہ محبت فرمائی، ایک مرتبہ ایک صاحب نے مولانا شہیدؒ سے علمائے دیوبند کی خدمات کے بارے میں پوچھا اور درخواست کی کہ پی ایچ ڈی کرنے کیلئے مجھے اس موضوع پر مواد چاہئے، حضرت مولانا کی شفقت ومحبت دیکھئے! انہوں نے میرا نام اسی صاحب کو دیا کہ یہ مواد ان سے حاصل کریں وہ اس سلسلہ میں بہت کچھ آپ کی مدد کریں گے۔

اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تحریک پاکستان میں عظیم خدمات کے بارے بھی ایک صاحب کو حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے میرا نام دیا کہ وہ اس سلسلہ میں رہنمائی کریں گے، احقر نے مولانا شہید رحمہ اللہ کے حکم پر ان دونوں حضرات کو جو ہوسکا مواد جمع کرکے ارسال کیا اور ان کی طرف سے شکریئے کا خط بھی ملا تھا، مولانا سمیع الحقؒ نے احقر کے مضامین ماہنامہ ''الحق'' میں شائع فرمائے اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب پر خصوصی اشاعت کیلئے مضمون طلب فرمایا، احقر نے ان کے حکم پر مضمون بھیجا جو خصوصی نمبر میں شائع ہوا تھا، بہر حال حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے ہمیشہ محبت فرمائی، حضرت شہید رحمہ اللہ مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی شفقت ومحبت بھی نا قابل فراموش ہے، احقر کی تصانیف کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ کے متعدد خطوط احقر کے لئے عظیم سرمایہ ہیں اوراسی طرح مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے خطوط بھی احقر کیلئے عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

الغرض ان کی یادیں اور باتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ایک دفتر کی ضرورت ہے کہ احقر نا کارہ کو حضرت سمیع الحق شہیدؒ کی عظیم شہادت پر رشک بھی ہے اوران کو جس اندوہناک اور بیدردی سے قتل کیا گیا وہ انتہائی قابل مذمت بھی ہے، جتنا افسوس کیا جائے وہ کم ہے، اللہ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

محترم برادرم محمد اکبر شاہ بخاری زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف!

ہمارے دوست نے فرمائش کی ہے کہ شیخ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ پر مقالہ برائے پی ایچ ڈی لکھنا ہے تو میرے ذہن میں آپ کا نام آیا ہے کہ آپ اس کی مدد فرمائیں اوران سے پورا پورا تعاون فرمائیں مواد کی فراہمی میں محبت کے ساتھ تعاون فرمادیں، حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔ دعا کا طالب: سمیع الحق (۲۰ رجنوری ۲۰۰۱ء)

واجب الاحترام عزیزم مولانا بخاری صاحب زیدہ مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے مزاج بخیر وعافیت ہوں گے! والد گرامی حضرت شیخ الحدیثؒ کے خصوصی نمبر کے بارے میں جو تأثرات آپ نے تحریر فرمائے ہیں میں دل سے قدر کرتا ہوں، ماشاء اللہ آپ خود بھی صاحب قلم ہیں والد صاحب رحمہ اللہ سے جو آپ کی خط وکتابت رہی ہے، وہ بھجوا دیں تو احسان ہوگا، ماہنامہ ''الحق'' آپ کا اپنا رسالہ ہے، اس میں مضامین ضرور بھیجتے رہا کریں۔

والسلام: سمیع الحق (۲۶ فروری ۲۰۰۲)

برادرم سید مولانا اکبر شاہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا گرامی نامہ اور کتاب موصول ہوگئی ہیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء، ماشاء اللہ آپ کی تصنیفی وعلمی خدمات قابل قدر ہیں، احقر مشاہیر کے خطوط مرتب کر رہا ہے، اس میں آپ بھی تعاون فرمائیے اوراسی طرح سے دارالعلوم حقانیہ میں اکابر مشاہیر کے بیانات جو سالانہ اجتماعات اورجلسوں وکانفرنسوں میں ہوتے رہے ہیں، ان پر بھی یکجا کتابی صورت میں کام کر رہا ہوں، خصوصی دعا فرمائیے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔ فقط: سمیع الحق

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی، مانچسٹر

ملک وملت کیلئے عظیم سانحہ

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب ، الحاج ابراہیم یوسف باوا مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں، معروف مصنف ومؤلف ہیں، ایک عرصہ سے مانچسٹر برطانیہ میں مقیم ہیں، بڑے معرکۃ الاراء اور مختلف فیہ مسائل پر بڑی چابکدستی اور ذمہ داری سے قلم اٹھاتے ہیں، اب تک ان کے قلم سے کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں، ذیل میں انہوں نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کے بعد جامع مسجد امدادیہ مانچسٹر برطانیہ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شہید کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی، جسے جناب محمد عمار سلیم نے مرتب کیا ہیں اب وہ خطاب نذر قارئین ہے...... (ادارہ)

بزم تیری ہے مگر دِل میں لئے بیٹھے ہیں
ایک خاموش سا طوفانِ تکلّم ہم لوگ

محترم بزرگو اور دوستو! آپ تمام حضرات کو بذریعہ ٹی وی اور واٹس ایپ یہ افسوسناک خبر مل چکی ہوگی کہ پاکستان کے بہت بڑے عالم دین ، جمعیت علماء اسلام کے سربراہ اور دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحبؒ کو پاکستانی وقت کے مطابق عصر کی نماز کے بعد راولپنڈی میں ان کے گھر میں خنجر اور چاقوؤں کے وار کر کے شہید کر دیا گیا ہے۔

ملک وملت کے لئے عظیم سانحہ

مولانا سمیع الحق شہیدؒ پاکستان کے بڑے علمائے کرام میں سے ایک تھے ان کی وفات محض ایک شخص کی وفات نہیں یہ ملک وملت دونوں کے لئے عظیم حادثہ ہے آپ ہر مکتب فکر کے ہاں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور ہر کوئی آپ کی عزت کرتا تھا۔

بانی دار العلوم حقانیہ کی خدمات وتوجہات

آپ کے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ کا نام علمی اور سیاسی حلقوں میں نامانوس نہیں ہے اور حضرتؒ کی دینی اور سیاسی خدمات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ دار العلوم

حقانیہ اکوڑہ خٹک آپ کے ہاتھوں لگایا ہوا وہ پودا ہے جس کی خوشبو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔آپ اسے یوں سمجھئے کہ جس طرح ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کی اپنی ایک شان آن اور وقار ہے اسی طرح دارالعلوم حقانیہ پاکستان کا ''دارالعلوم دیوبند'' ہے جس کا علمی فیض دنیا بھر میں پھیلا اور اب تک پھیل رہا ہے اوران شاء اللہ پھیلتا رہے گا۔حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے بعد مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے دارالعلوم حقانیہ کو جس دینی اور علمی ترقی کی راہ پر ڈالا وہ محتاج بیان نہیں ہے یہ آپ کی دادی صاحبہ کی دعائیں آپ کے والد محترم کی خصوصی توجہات اور آپ کی محنت وکاوش تھی کہ جس نے اس دارالعلوم کے فیض کو بڑی دور دور تک پھیلایا اور ہزاروں تشنگانِ علم اس سے بھرپور سیراب ہوئے اور ہور ہے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک یہ سب ان کیلئے صدقہ جاریہ بنیں گے۔

خاندانی تعلقات

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ساتھ میرے والد ماجد (جناب الحاج ابراہیم یوسف باوا مرحوم) کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے اور دونوں بزرگ مختلف موضوعات پراکثر وبیشتر ٹیلیفون پر گفتگو بھی کرتے رہتے تھے حضرت مولانا مرحوم کا جب بھی برطانیہ آنا ہوا یا تو آپ والد مرحوم سے ملاقات کیلئے گلاسٹر تشریف لے گئے یا قریب کے جس شہر میں آپ کا قیام ہوتا والد صاحب مرحوم وہاں پہنچ جاتے اور مختلف امور بالخصوص برطانیہ میں مسلمان اوران کے بچوں کے مستقبل پر گفتگو ہوتی تھی۔اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کواپنی جوار رحمت میں خصوصی مقام نصیب کرے۔(آمین)

ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ نے ماہنامہ ''الحق'' کے لئے میرا ایک مضمون بھیج دیا حضرت مولانا مرحوم نے نہ صرف یہ کہ اسے پسند کیا بلکہ اسے ماہنامہ میں شائع بھی کیا اور والد صاحب سے فرمایا کہ اسے کہو کہ مضمون بھیجا کرے ہم شائع کردیں گے۔مخدوم محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ العالی نے بھی مجھے یہ بات بتائی تھی۔حضرت مولانا مرحوم کا یہ طرزعمل بتاتا ہے کہ آپ اپنے شاگردوں اور چھوٹوں کے ساتھ کس قدر محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے تھے اوران کے دینی کاموں کی کس قدر حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔چند ماہ پہلے جب میری کتاب امام اعظم ابوحنیفہؒ تین جلدوں میں چھپ کر آئی تو میں نے حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں بھی ارسال کی تو دوسرے ہی دن حضرت مرحوم نے صبح صبح مجھے فون کیا اور فرمایا کہ تمہاری کتاب امام ابوحنیفہؒ کی تینوں جلدیں پہنچ چکی ہیں اور میں اس وقت اس کی پہلی جلد دیکھ رہا ہوں بہت اچھی ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت دعا

کریں اللہ اسے قبولیت بھی عطا کرے آپ نے دعا فرمائی اور پھر فرمایا کہ علامہ شبلی نعمانیؒ کی "سیرت النعمان" کے بعد تمہاری کتاب سب سے اچھی اور عمدہ ہے ۔ میں نے عرض کیا، حضرت ! علامہ شبلی نعمانی مرحوم تاریخی شخص تھے انہوں نے سیرت النعمان تاریخی نکتہ نظر سے لکھی ہے اور میں نے دینی نکتہ نظر سے لکھی ہے ۔ یہ سن کر فرمایا بہت خوب بہت خوب ۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ بڑے ہی علمی آدمی تھے ان کا اصل کام اور مشغلہ تو درس وتدریس اور تصنیف وتالیف رہا ہے۔

سیاسی وآئینی خدمات

تاہم اس کے ساتھ ساتھ آپ پاکستان اور مسلمانان پاکستان کے لئے میدان سیاست میں بھی اترے اور اپنی سیاست کا لوہا بھی منوایا آپ پارلیمنٹ کے رکن بھی منتخب ہوئے اور مختلف مواقع پر سینیٹر کی حیثیت سے ملک کے سیاسی اور دینی معاملات میں آپ نے بڑا اہم کردار بھی ادا کیا ہے۔ حضور اکرم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے تحفظ کا معاملہ ہو یا منکرین ختم نبوت کی ریشہ دوانیاں ہوں آپ نے بڑی ہمت اور جرات کے ساتھ اس پر لکھا بھی اور کھل کر بولا بھی ۔ آپ اس معاملے میں کسی رواداری کے قائل نہ تھے کہ یہ دین کا معاملہ ہے آپ اس باب میں خاموش رہنے کو جرم جانتے تھے ۔ ناموس رسالتؐ پر کی جانے والی آپ کی آخری تقریر اس پر گواہ ہے ۔ اسی طرح جب بھی ملک کی سلامتی کا مسئلہ درپیش ہوا، آپ ضعیف العمری اور بیماری کے باوجود کھل کر میدان عمل میں نکلے کبھی پیچھے نہ رہے آپ ایک سچے محبّ وطن عالم دین تھے اور ایک اسلامی مملکت کی خدمت اور اس کی حفاظت کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے ۔

حکمت، بصیرت اور تدبر کا پیکر

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا افغانستان کے معاملے میں بھی بڑا کردار رہا ہے آپ کے ہزاروں شاگرد افغانستان میں ہیں اور دینی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کو غیروں کے تسلط سے آزاد کرانے میں بھی پیش پیش ہیں اور ان کی قیادت میں بھی بہت سے ایسے ہیں جن کا حضرت مولانا سے شاگردی کا رشتہ ہے اور وہ حضرت مولانا مرحوم کے بڑے قریب بھی ہیں اس جہت سے یورپ اور امریکہ کے بعض لوگ آپ کو طالبان کے باپ (فادر آف طالبان) کے نام سے بھی پکارتے ہیں، حضرت مولانا چونکہ صلح جو اور امن پسند شخصیت تھے اس لئے کئی مرتبہ یورپ اور امریکہ نے آپ کو اس

معاملے میں ثالثی کا کردار کرنے کی بھی درخواست کی ، یوں بھی بہت سے معاملات میں آپ کی معاملہ فہمی اور حکمت وتدبر نے بڑے حوصلہ افزاء نتائج دیئے ہیں، اسی لئے جب کبھی حالات متاثر ہوتے تو لوگ آپ سے مشورہ کرنے کیلئے آپکی خدمت میں پہنچ جاتے تھے اور یہ بات وہ تمام حضرات جانتے ہیں جن کی ان معاملات پر گہری نظر رہی ہے۔

غیر مسلموں پر اسلامی شعائر کی تاثیر

بزرگان محترم اور سامعین عزیز! آپ جانتے ہیں کہ آج جمعہ کی نماز سے قبل ہمارے اس ادارہ میں ایم پی کیٹ اور ہیڈ آف دی کونسل آئے ہوئے تھے انہوں نے جمعہ کا بیان خطبہ اور نماز دیکھی اس سے وہ بہت متاثر ہوئے ۔ ویسے ایم پی تو کئی مرتبہ یہاں آچکے ہیں مگر کونسل کا سربراہ پہلی مرتبہ آیا تھا اس لئے نماز کے بعد ان کے ساتھ بعض معاملات پر تبادلہ خیال میں مصروف رہا۔ مجھے اس دوران فون پر فون آتے رہے مگر میرا فون آفس میں تھا جب میں ان سے فارغ ہوا تو مجھے حضرت مولانا مرحوم کی شہادت کی افسوسناک خبر دی گئی ۔ خبر سنتے ہی پیروں تلے زمین نکل گئی، یقین نہیں آرہا تھا کہ حضرت مولانا مرحوم کو اس بہیمانہ اور ظالمانہ طریقے سے شہید کیا گیا ہے چنانچہ متواتر ملنے والی خبروں نے اس بات کی تصدیق کردی کہ جو کچھ کہا جارہا ہے وہ درست ہے اور حضرت مولانا مرحوم کو نہایت بے دردی سے شہید کردیا گیا ہے اور اس وقت مولانا مرحوم کی میت ہسپتال میں رکھی ہوئی ہے میں نے مخدوم محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب سے فوری رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر حضرت مصروف تھے کیونکہ دنیا بھر کے لوگ انہی سے تعزیت بھی کررہے ہیں اور ان ہی سے امید بھی رکھتے ہیں کہ غم کی اس گھڑی میں حقانی صاحب ان کو حوصلہ دیں گے۔

شہادت میں حضرت عثمانؓ سے مشابہت

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کی جب کچھ کچھ تفصیل ٹی وی کے ذریعہ سامنے آئی اور پتہ چلا کہ حضرت مولانا مرحوم پر حملہ کیسے ہوا؟ اور کس طرح آپ کو شہید کیا گیا ؟ تو اسی وقت میرا ذہن امیرالمؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی جانب منتقل ہوگیا کہ آپ کی شہادت کس طرح ہوئی تھی ۔ حضرت عثمان غنیؓ تقریبا ۸۲/سال کی عمر میں تھے بلوائیوں اور باغیوں نے مدینہ منورہ پر اپنا قبضہ جمایا ہوا تھا حضرت علی مرتضیٰؓ کے حکم پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دروازے کے باہر پہرہ دے رہے تھے اور ادھر باغی دوسری جانب سے دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپ پر خنجروں سے

وار کئے، خون آپ کے سر سے نکل کر بہہ پڑا، جس سے آپ کا چہرہ اور داڑھی تک تر ہوگئی ظالموں نے آپ کے سینے پر برچھا مارا اور آپ کو شہید کر کے چلے گئے پھر جب لوگ وہاں پہنچے تو حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے اور ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپس میں جوڑے رکھنا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کی جو تفصیل اب تک ٹی وی خبروں کے ذریعے سامنے آئی ہے اور جو تصویر بذریعہ واٹس اَپ ہم نے دیکھی ہے ہمارے سامنے تقریباً وہی منظر ہے۔ حضرت مولانا مرحوم گھر میں اکیلے تھے آپ کی عمر ۸۲ سال سے تجاوز کر چکی تھی، ضعیف العمر اور بیمار تھے گھر کے باہر گارڈ تھا حملہ آور دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے آپ پر خنجر اور چھریوں سے کئی وار کئے۔ آپ کا سر چہرہ اور داڑھی خون سے تر نظر آتا ہے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آپ خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے اور بالآخر آپ جام شہادت نوش فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

ہمارا مطالبہ، قاتل کی گرفتاری

مولانا سمیع الحق شہیدؒ پر حملہ کرنے والے کون تھے؟ یہ معلوم کرنا پاکستان کے تحقیقاتی اداروں کا کام ہے اور ہمارا ان سے مطالبہ بھی یہی ہے کہ چونکہ یہ صرف ایک عالم کی موت نہیں بلکہ پورے عالَم کی موت ہے موت العالِم موت العَالم اس لئے فوری طور پر ان تمام لوگوں کو گرفتار کیا جائے جو اس ظلم میں شامل اور شریک رہے انہی سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ اس شہادت کے پیچھے کن لوگوں کا ہاتھ ہے؟ اور وہ کن مقاصد کیلئے آپ کو راستے سے ہٹانا چاہتے تھے؟ ہمیں امید بھی کرنی چاہیے کہ ان شاء اللہ حضرت مولانا مرحوم کا خون کبھی رائیگاں نہیں جائے گا اللہ تعالیٰ نے خون مظلوم میں وہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ اپنے قاتل کو بالآخر سامنے لے ہی آتا ہے۔ قرآن کریم سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص ظلماً مارا گیا ہو، اس خون کو چھپانے کے لئے لاکھ جتن کئے جائیں وہ کبھی نہیں چھپتا، بالآخر ظاہر ہو کر رہتا ہے وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرۃ: ۷۲) ''اور اللہ کو وہ راز نکال باہر کرنا تھا جو تم چھپائے ہوئے تھے''

تعزیت کرنے والا بھی مستحقِ تعزیت ہے

میں اپنی طرف سے اور آپ تمام حاضرین کی جانب سے حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے تمام متعلقین بالخصوص مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب اور آپ کے تمام اہل وعیال سے تعزیت

کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت کو قبول فرمائے اور انہیں جنت میں اعلیٰ ترین مقام عطا کرے ان کی نیکیوں کا انہیں بہترین بدلہ دے اور لغزشوں اور خطاؤں سے درگذر فرما کر مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر اور حوصلہ کے ساتھ اس بڑے صدمہ کو سہنے کی توفیق دے۔ (آمین)

بہترین تعزیت کی عمدہ ترین مثال

ایک یہ تعزیت ہے جو ہم نے کی اور لوگ کرتے ہیں اور ایک وہ تعزیت ہے جو ایک دیہاتی نے حضور اکرم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی وفات پر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کی تھی، وہ دیہاتی جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تعزیت کے لئے آیا تو اس نے آپ کو مخاطب کر کے کہا: ......

اصبر نكن بك صابرين فانما
صبر الرعية بعد صبر الرأس

یعنی اے عبداللہ بن عباس! آپ صبر کا دامن تھام لیجئے تا کہ آپ کو دیکھ کر ہم بھی صبر کا سبق سیکھیں کیونکہ اس وقت آپ مقتدا ہیں، بڑے ہیں اور بڑوں کے صبر کرنے سے چھوٹوں کو صبر آ جاتا ہے اگر بڑے ہی صبر کا دامن چھوڑ دیں تو پھر چھوٹے کس طرح صبر کا دامن پکڑیں گے پھر اس نے کہا

خير من العباسؓ أجرك بعده
والله خير منك للعباسؓ

یعنی اے عبداللہ! آپ کے والد حضرت عباسؓ کے انتقال سے جو دکھ اور غم آپ کو ہوا ہے آپ نے اس پر صبر کیا تو اس پر اللہ نے اجر دیا وہ اجر وثواب آپ کے حق میں حضرت عباسؓ سے بدرجہا بہتر ہے رہی بات حضرت عباسؓ کی تو جان لو کہ حضرت عباسؓ کے لئے ربّ العزت آپ سے بہت اچھے ہیں وہ تو اپنے کریم رب کے پاس گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب یہ سنا تو کہا کہ مجھے کسی کی تعزیت سے اتنا نفع نہیں ہوا جتنا اس دیہاتی کی تعزیت سے ہوا ہے۔ ہماری دعا یہ ہے کہ اللہ مولانا مرحوم کے تمام صاحبزادگان اور دار العلوم حقانیہ کے تمام اکابر کو صبر وتحمل کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر انہیں اجر وثواب دے اور حضرت مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

مولانا اعزازالحق شمس نقشبندی
خانقاہ نقشبندیہ شمسیہ شاہ منصور ضلع صوابی

بڑے باپ کا بڑا بیٹا

مولانا اعزازالحق حقانی صاحب، شیخ الحدیث مولانا شمس الہادی صاحبؒ (سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک) کے فرزند اور ان کے علمی و روحانی جانشین، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فارغ التحصیل اور کئی نسبتوں کے امین ہیں، آپ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع صوابی کے امیر بھی ہیں، آپ اپنے والد کے لگائے ہوئے پودے (خانقاہ و جامعہ شاہ منصور) کو ایک تناور درخت بنانے میں مصروف عمل ہیں (ادارہ)

بندۂ فقیر نے آج بقیۃ السلف حجۃ الخلف، عظیم باپ کے عظیم فرزند الولد سرٌّ لابیہ، اکابر کے لاڈلے، اصاغر کی سند، علم وقلم کے شہسوار، مجسم پیکر انکسار، مدبر سیاستدان، جہاد افغانستان کے عظیم رہبرورہنما، شفیق معلّم، دارالحدیث کی زینت، اپنے وقت کے مانے ہوئے محدّث، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فکر مند مہتمم، طلباء پر شفقتوں کا سایہ اور ہمہ گیر صفات کے مالک شہید ناموس رسالتؐ حضرت شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق نور اللہ مرقدہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ کیا قلم اُٹھایا تو سوچا کیا لکھوں؟ حضرت مولانا شہیدؒ پر تو بڑے بڑے علماء، ادباء، کالم نگار، مصنفین اپنے اپنے مزاج اور اسلوب کے مطابق اظہار خیال کر چکے ہوں گے اور ہم سب پر بھی ان کا حق بنتا ہے کہ حضرت شہیدؒ پر بہت کچھ لکھیں کیونکہ مولانا شہیدؒ نے خود تمام زندگی ہر مکتب فکر پر لکھا، بہت کچھ لکھا اور خوب لکھا، اداریے لکھے، مشاہیر کی وفات اور رحلت پر قلم کے آنسو بہائے، علماء محدثین، مفسرین، زعماء، ادباء اور ملک وملت کے علاوہ عالم اسلام کی عظیم شخصیات کے مناقب، حالات اور خدمات کو سراہا، ''کاروانِ آخرت'' اُٹھا کر دیکھئے! عجیب انداز اور عجیب الفاظ سے مضامین تحریر کئے۔ ''الحق'' کے اداریے اُٹھا کر دیکھئے! ملکی اور عالمی حالات پر کیسے تبصرے کیے، اپنے عظیم والد کے مواعظ حسنہ کو کیسے احسن طریقے سے جمع ومرتب کیا۔ دارالعلوم حقانیہ میں مشاہیر کی آمد اور تشریف آوری پر اُنکے شایانِ شان کیسے سپاس نامے پیش کیے، جلسوں، مظاہروں، اجتماعات اور سینٹ میں اعلائے کلمۃ اللہ اور دین

کی سربلندی، عظمت خوب بیان کی اور دین دشمن قوتوں کی سرکوبی کیلئے ہرمحاذ پر ڈٹ کر اُن کا مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے (امین)

پہلی ملاقات

میرے بچپن کے زمانے میں جب تایا مرحوم شیخ الحدیث مولانا فضل الٰہی صاحبؒ (استاذ الحدیث دارالعلوم حقانیہ) جمعرات کے دن اکوڑہ خٹک سے تشریف لاتے تو والد صاحبؒ مرحوم شیخ الحدیث مولانا شمس الہادی صاحبؒ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک) کے ساتھ دیر تک اپنے دروازے کے سامنے بعد از نماز ظہر کھڑے رہتے تھے اور ہفتہ بھر کے احوال سنتے اور سناتے، میں بار بار اساتذہ دارالعلوم کے نام سنتا تھا، اُس وقت سے بندہ فقیر وعاجز ان شخصیات سے غائبانہ واقف ہوا اور بچپن کے بچگانہ ذہن میں ان حضرات کی خیالی تصویر آتی، اُس وقت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی وفات تھوڑے عرصے پہلے ہوئی تھی اور اُنکے خلف الرشید اور دارالعلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب کے نام سے بھی آشنا ہوا، بندہ کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کی وفات کی خبر دھندلی دھندلی سی یاد آتی ہے، اس وقت میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ میٹرک کے بعد دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا۔ اُس وقت سارے اساتذہ کرام کی ملاقات نصیب ہوئی، شیخ الحدیث مفتی محمد فرید صاحبؒ، استاذ الحدیث مولانا مغفوراللہ صاحب مدظلہ، مولانا انوارالحق صاحب، مولانا عبدالحلیم دیر باباجی، مولانا مفتی سیف اللہ صاحب حقانی مدظلہ، مولانا مفتی غلام الرحمان صاحب اور مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کے علاوہ رفتہ رفتہ دوسرے اساتذہ کرام کے ساتھ بالمشافہ ملاقاتیں ہوتی تھیں، اسی اثناء میں مہتمم دارالعلوم حقانیہ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ جب دارلعلوم تشریف لاتے تو طلباء کے ساتھ بندہ بھی صرف دیدار کرتا تھا، یہ ۱۹۹۲/۹۳ء کا سن تھا، بندہ درجہ اولیٰ کا طالب علم تھا۔ دوبارہ ۹۴ء تا ۹۶ء میں بھی دارالعلوم میں زیر تعلیم رہا اور بعد میں تعارف ہوا، ہمارے والد صاحبؒ کی وفات کے بعد تو جب بھی ملتے بہت ہی محبت کا اظہار فرمایا کرتے تھے اور فرماتے کہ ماشاء اللہ پیر صاحب بہت اچھے طریقے سے تصوف کا کام کررہے ہیں، یہ حضرت شہیدؒ کا حسن ظن تھا ورنہ من آنم کہ من دانم، حضرات شیخینؒ کے جنازوں میں تشریف لائے تھے اور دونوں جنازوں سے قبل غمزدہ لوگوں کے عظیم مجمع سے پُرمغز بیان بھی فرمایا۔ ۲۱۰۶ء شاہ منصور میں ختم نبوتؐ کا جو عظیم الشان اجتماع ہوا تھا۔ علماء کے مشورے سے حضرت شہیدؒ کو دعوت دی گئی، حضرتؒ تشریف لائے، مرکزی مدرسہ اور خانقاہ میں کھانا تناول فرمایا اور پھر فقیر کے مرید حاجی اشفاق احمد اپنی گاڑی میں اجتماع گاہ تک لے آئے،

لوگوں کے عظیم اجتماع کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بار بار فرماتے کہ یہ تو ماشاء اللہ بہت بڑا اجتماع ہے، لوگوں نے پرتپاک استقبال کیا ،لوگوں سے حضرت شہیدؒ نے خصوصی خطاب فرمایا اور اپنے مشاہدات کا ذکر فرمایا۔

دوسرے سال حضرتؒ بیمار تھے، راولپنڈی کے سی ایم ایچ ہسپتال میں زیرِ علاج تھے، بندۂ فقیر، تایا زاد مولانا اظہار الحق صاحب اور مولانا فیضان الحق مجددی (ناظم جامعۂ دارالتفسیر والحدیث شاہ منصور) جناب مبشر حسن ایڈوکیٹ کی گاڑی میں عیادت کیلئے حاضر ہوئے تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس سال ختم نبوت اجتماع میں بیماری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔اُس وقت بھی ہر کسی سے بہت دل لگی کرتے اور خوش اسلوبی سے مخاطب ہوتے تھے۔

حضرت شہیدؒ کی ہردلعزیز شخصیت کی خصوصیات

ہر انسان کی تربیت میں والدین اور ماحول کا اثر زیادہ دخل انداز ہوتا ہے، حضرت شہیدؒ نے ایک نیک اور علمی گھرانے میں آنکھیں کھولی، اُس وقت آپؒ کے والد صاحب دارالعلوم دیوبند کے مانے ہوئے استاد تھے، حضرت شہیدؒ بچپن ہی سے علماء، اکابرین اور علماء کے ماحول سے روشناس ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ٦ سال کی عمر میں والد صاحب سے کھلونوں کے بجائے ہولڈر(قلم) مانگتا ہے۔طالب علمی کے زمانے سے شہادت تک اکابر علماء ومشائخ نے بھی بہت محبت دی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ طریقت مولانا عبدالغفور عباسیؒ، شیخ طریقت مولانا عبدالمالک صدیقیؒ، امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ اور بیسوں اکابرین اور مشائخ کے منظور نظر تھے۔

حضرت شہیدؒ ۱۹۵۸ء کی ڈائری میں رقمطراز ہیں’’مدینہ منورہ کے مشہور شیخ عالم اور رہنما ومرشد حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی باب مجیدی (متوطن چغرزئی جدبی ریاست سوات) دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے ،صبح سویرے ۴ بجے بندہ حاجی سید نور بادشاہ رکن دارالعلوم کی معیت میں کار لے کر مجاہد آباد عمرزئی گئے، وہاں حاجی محمد امین صاحب مدظلہ کے کتب خانہ میں حضرت مولانا جلوہ افروز تھے، اولین نظر پڑی اور اہل اللہ اور اکابرین کا نمونہ سامنے آگیا۔حضرت صاحب بیعت کر رہے تھے،فراغت کے بعد مصافحہ ہوا، فرمایا: اچھا تم آئے، کار لائے ہو؟ ہم نے کہا: جی ہاں! جناب نور بادشاہ نے بندہ کا تعارف کرایا،غور سے دیکھا اور فرمایا’’اچھا یہ تو بہت اچھے ہیں‘‘، سامنے بٹھایا، مجلس علماء ودیندار افراد ومریدین

سے بھری تھی۔'' شیخ طریقت مولانا عبدالغفور عباسیؒ سے مولانا سمیع الحق شہیدؒ بیعت بھی تھے اور فقیر کے والد صاحب بھی حضرت عباسیؒ کے خلیفہ مجاز تھے یوں حضرت شہیدؒ فقیر کے والدؒ کے پیر بھائی بھی تھے۔

حضرت شہیدؒ کی کسر نفسی

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ افسوس! اپنی بے مائیگی و کم سوادگی کو دیکھ کر اب بھی پانی پانی ہو جاتا ہوں، کاش! کہ بزرگوں کے جوتے اُٹھانے کی خدمت بھی مجھ سے لی جائے تو بہت بڑی غنیمت بار دہ ہوگی اور یہ شعر تحریر فرمایا ہے: أُحبّ الصالحين ولست منهم لعل الله يرزقني صلاحاً

اور آخر میں عجیب انداز اپناتے ہیں، لکھتے ہیں۔ بزرگوں کی توجہات کریمانہ اور جوتیوں کے طفیل نجات مل جائے تو زہے نصیب (آمین ثم آمین)

حضرت شہیدؒ سے آخری ملاقات

۲۳/اکتوبر بروز منگل نوشہرہ اور زیارت کا کا صاحبؒ میں جانا تھا، میرے ہم سفر بزرگ حضرت مولانا محمد صدیق باچا صاحب پلوڈنڈ (خلیفہ مجاز فقیر صاحب) اور حاجی محمد زاہد بھی ساتھ تھے۔ میں نے تجلیات شمسیہ اور اپنی ڈائریوں کا مسودہ لے لیا اور پہلے حضرت شہیدؒ کی ملاقات کی عرض سے اکوڑہ گئے۔ پولیس والوں کا جو گارڈ دروازے کے سامنے مقرر تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اپنا نام تعارف لکھ دو ابھی حضرت تشریف لائیں گے۔ میں نے نام لکھا اعزاز الحق شاہ منصوری بن شیخ الحدیث مولانا شمس الہادی شاہ منصوری۔ تھوڑی دیر بعد حضرت کے صاحبزادے مولانا اسامہ حقانی تشریف لائے اور فرمایا کہ مہمان خانہ آئیں، ہم اندر گئے اور انتظار میں تھے، اس اثناء مولانا شہیدؒ تازہ وضو کر کے تشریف لائے، ہم نے قدم بوسی کی، بہت خوش ہوئے اور اپنے ساتھ دارالحدیث لے گئے درس میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ درس کے بعد شاہ منصور اور ہمارے خاندان کے مناقب بیان فرمائے اور میرا تعارف بہت اعلیٰ الفاظ میں کیا جس سے میں پانی پانی ہو گیا۔ فقیر سے بیان اور دُعا کروائی پھر حضرت نیچے دفتر میں اپنے ساتھ لے گئے، میں نے کتابیں حوالہ کیں فرمایا ان شاء اللہ کچھ لکھ دوں گا اور اپنی ڈائری والی کتاب عنایت فرمائی اور پھر دس دن بعد عشاء کے وقت یہ اندوہناک خبر ملی کہ حضرت شیخ سمیع الحق صاحبؒ کو شہید کیا گیا، ظالموں نے بہت ظلم کیا اُمت کا بہت نقصان ہوا، اگلے دن جنازے میں شرکت کیلئے گیا تو ہر طرف لوگوں کا سیلاب تھا، ایسا جنازہ میں نے کہیں نہ دیکھا اور نہ سنا ہے۔ اللہ مرحوم کو شہادت کے اعلیٰ مراتب سے سرفراز فرمائے اور اس خلا کو اپنے فضل سے پُر فرمائے (آمین ثم آمین)

مولانا سید اسرار احمد نعمانی
ابن مولانا ظہور احمد رستمی

عظمتوں کے تاجدار کی بلند پایہ عظمتیں

قبائے نور سے سج کر لہو سے باوضو ہوکر — وہ پہنچے بارگاہ حق میں کتنے سرخرو ہوکر
فرشتے آسماں سے ان کے استقبال کو اترے — چلے ان کے جلو میں باادب باآبرو ہوکر
زمین وآسماں ایسے ہی جانبازوں پہ روتے ہیں — سحاب غم برستا ہے شہیدوں کا لہو ہوکر

دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے چانسلر شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی یاد تازہ کرکے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح جمعہ ہی کی روز خنجر کے وار سے عصر کے وقت شہید کرکے سفاک درندوں کے ہاتھوں دارالفناء کو الوداع کہہ کر دارالبقاء تشریف لے گئے اور لاکھوں علماء صلحاء، عوام وخواص کے دلوں کو اپنی شہادت عظیم سے حزیں کر گئے۔

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے افق پر مہر جبیں نہیں ہے
تیری جدائی میں مرنے والو! کون ہے جو حزین نہیں ہے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں ہے

تاریخ عالم اور علمی دنیا شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے جسے سن کر عقیدت سے سر جھک جاتے ہیں بے اختیار دل پر عقیدتوں محبتوں اور خلوص کے دریا موجزن ہوتے ہیں اور اس پر گلہائے عقیدت نچھاور کرنے کی تمنا ہر زبان پر آتی ہیں۔

تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی — تاریخ کے اوراق میں تابندہ رہوں گا

دل کو میرے شعور ہی جب نہ تھا

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید نوراللہ مرقدہ سے عقیدت ومحبت تو ہمیں وراثت میں ملی تھی، ہمارے حضرت شیخ القرآن مولانا ظہور احمد رستمیؒ تو اپنے شیوخ واکابر کے عاشق صادق، محبّ

کامل تھے اوران ہی شیوخ کے ذکر اورتذکرہ میں ہر مجلس میں برسرمنبر رطب اللسان تھے، ان سے ہم کو یہ نام بڑے ادب، عقیدت ومحبت سے سننے کو ملتے تھے، غالبًا ادنیٰ جماعت کا واقعہ ہے، ہمارے کمرے میں تختہ سیاہ تھا، اس پر میں نے امام الشہداء حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے نام سے پہلے ملت قائد لکھا، کم علمی تھی پتہ ہی نہیں تھا کہ قائد کیا ہوتا ہے؟ ملت کیا ہوتی ہے؟ جب ہمارے حضرت شیخ القرآن نے اپنے عظیم محسن، مربی اور مشفق استاد ورہنما کا نام دیکھا تو اس کی تصحیح بھی کی، قائد ملت کردیا، انعام بھی دیا مگر ملتِ قائد کی تصحیح کررہے تھے تو کاٹ دیا تو فرطِ عقیدت سے آنسو پر قابو نہ رکھ سکے، زار وقطار رونے لگے قائد ملت ابن قائد ملت لکھنے لگا تو فرمایا بیٹے! میں اس شخصیت سے محبت وعقیدت اپنے ایمان کا حصہ اورخاتمہ بالایمان سمجھتا ہوں۔

حضرت شیخ شہید سے پہلی ملاقات

شیخ الحدیث علامہ عبدالہادی شاہ منصوری رحمہ اللہ کے بعد ہمارے حضرت شیخ القرآن مرحوم کے دل پرجس استاد کی قدرومنزلت، محبت وعقیدت غایت انتہا پر تھی وہ عظیم شخصیت بہار چمن، سفیر امن، حضرت شیخ الحدیث علامہ سمیع الحق شہید رحمہ اللہ ہی تھے۔اس انداز سے اس عظیم محسن، مشفق ومربی علامہ سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا نام لیتے تھے کہ فرطِ حیرت سے لوگ انگشت بدنداں ہوتے تھے اور ہمارے دلوں میں اپنے شیوخ واکابر اور قائد ملت امام الشہداء کی عظمت اس طرح بٹھادی تھی جو اس شعر کے مصداق تھے ......

تیری نسبت سے زمانے پرعیاں تھے ہم بھی ۔۔۔ تو جو موجود نہ ہوتا تو کہاں تھے ہم بھی

ہمارے حضرت شیخ القرآن نے ایک دن مجھ سے فرمایا بہت عرصہ ہوگیا ہے قائد محترم کی خدمت میں حاضری دو اور میرے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست پیش کرنا، پہلی مرتبہ اکیلے حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کرنے کیلئے گھر پر حاضر ہوا اورخادم خاص کے ذریعے حضرت شیخ الحدیث کو اطلاع دی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ اپنے ساتھ میرے لئے چائے بھی لائے تو میں شرم سے پانی پانی ہوگیا، حضرت شیخ الحدیث نے بڑی محبت سے ہاتھ ملایا اوراس طرح مجھ سے ملے جیسا کہ کوئی بڑا عالم آیاہے، اپنے بچوں کی طرح محبتوں شفقتوں سے نوازا اوراپنے ساتھ پھر دارالحدیث روانہ کیا اورفرمایا والدمحترم کیسے ہیں؟ بہت عرصہ ہوگیا وہ غیر حاضر ہیں، مجھے زیارت ملاقات کا شوق بہت زیادہ ہوگیا تو میں نے کہا حضرت جی! ان کا تو ہاتھ ٹوٹ گیا ہے ورنہ وہ بھی آپ

سے ملنے کیلئے بہت بے چین ہیں، درس حدیث کے بعد ہمارے حضرت شیخ القرآن کی صحتیابی اور ہماری کامیابی کیلئے دعا فرمائی، ہمارے حضرت شیخ القرآن کے نام اپنے مبارک قلم سے خط بھی لکھ دیا اور اپنی ڈائری میں بھی نوٹ کیا کہ عیادت کیلئے حاضر ہوں گا، جب واپسی کی اجازت چاہی تو اپنی کتابوں کا ایک سیٹ مجھے عنایت کیا اور پانچ سو روپے بھی دیئے اس وقت پانچ سو روپے کی بڑی وقعت تھی، آج بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کی وہ محبت یاد آتی ہے تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تواضع وانکساری پر حیران ہو جاتا ہوں۔

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے — جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں
کچھ بلبلوں کو یاد ہے کچھ قمریوں کو حفظ — ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

درس نظامی کی افتتاحی تقریب میں حاضری

بندہ نے عصری علوم میں شماریات میں ریگولر ایم ایس کرنے کے بعد دینی علوم کے حصول میں آغاز کرنا تھا تو ہمارے حضرت شیخ القرآن مرحوم نے فرمایا بیٹے! فتن اور شرور کا زمانہ ہے، میرا جی چاہتا ہے اپنے عظیم شیوخ کو تکلیف دے کر حجرہ میں ایک افتتاحی تقریب منعقد کروں تا کہ ان کا دست شفقت آپ کے سر پر ہو اور آغاز بھی میرے شیوخ سے کرو، اسی تقریب کی رونق اور میر مجلس امام الشہداء حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ تھے اور معیت میں پاکستان کے عظیم علمی سکالر، مفکر اسلام، میرے عظیم شیخ ومربی ومحسن شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ اور شیخ القرآن علامہ نورالہاری شاہ منصوری مدظلہ نے بھی مجلس کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ شیخ القرآن علامہ نورالہادی شاہ منصوری نے حضرت شہید رحمہ اللہ سے فرمایا آپ نے بہت بڑی کرم نوازی فرمائی اتنی مصروفیات، جسمانی عوارض اور بڑھاپے میں آپ نے تشریف آوری فرمائی تو حضرت شہید رحمہ اللہ نے فرمایا آپ مولانا ظہور احمد کو انکار کر سکتے ہیں؟ میں تو کیا حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ بھی ان کی لازوال محبت وخلوص کو رَد نہیں کر سکتے، پھر قدوری، نورالایضاح اور زادالطالبین کی عبارتوں کی پڑھائی سے میری ابتدا وبسم اللہ فرمائی۔

ایک دفعہ عارف کامل امام المجاہدین شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ سے فرمایا جس حجرہ میں نماز عصر ہم نے آپ کی اقتداء میں ادا کی، یہ حجرہ ہمارے اکابرین کی نشانی ہے، حضرت شیخ الحدیث عبدالحق رحمہ اللہ، حضرت شیخ القرآن عبدالہادی شاہ منصوری رحمہ اللہ کی

قیام گاہ ہے تو استاد المحدثین امام الشہداء رحمہ اللہ کے ارشاد پر ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نے بہت جامع دعا فرمائی حضرت شیخ الحدیث امام الشہداء رحمہ اللہ کی اپنے ایک شاگرد سے بے پناہ محبت پر بندہ کی زبان پر یہی شعر بار بار حضرت شیخ الحدیث کو قلبی کیفیت بتا رہا تھا۔

اے سفیر امن اے بہار چمن
تو سلامت رہے تا قیامت رہے

آخری آمد

میرے والد ماجد حضرت شیخ القرآن مولانا ظہور احمد رحمہ اللہ کا بہترین مشغلہ درس قرآن تھا، حضرت شیخ الحدیث علامہ سمیع الحق شہید رحمہ اللہ سے آخری سورتوں کا ترجمہ وتفسیر کی تمنا اپنے ساتھ قبر میں لے گئے، فرمایا کرتے تھے کہ اس بار اپنے محبوب مشفق ومہربان شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو ختم القرآن کیلئے بلاؤں گا، آخری دس سورتیں شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ پڑھائیں گے، آنے کا ایک بہانہ مل جائے گا اور ہمارے لئے بہت بڑے اعزاز وسعادت کی بات ہوگی، حضرت شیخ الحدیث علامہ سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے ذریعے ہماری سند بھی امام لاہوری رحمہ اللہ سے منسلک ہوجائیگی، مگر قسام ازل کو کچھ اور ہی منظور تھا، ولسوف یرضیٰ تک پڑھا سکے اس کے بعد بیماری کی وجہ سے نہ پڑھا سکے۔

تکمیل کے بعد بندہ نے مخدوم ومکرم علمی دنیا کے مایہ ناز ادیب اور محقق علامہ راشد الحق سمیع دامت برکاتہم العالیہ سے اس سلسلہ میں بات کی تو آپ نے مجھے بتایا کہ حضرت والد صاحب نے فرمایا ہے، ان کی عیادت کیلئے اگر صحت نے مجھے بھی اجازت دی تو ضرور حاضری دوں گا، ختم القرآن سے ایک دن پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو یاد دہانی کیلئے فون کیا تو فرمایا، بیٹے! مکمل اطمینان رکھیں میں نے تو راشد الحق کو کہہ دیا ہے کہ حاضر ہوجاؤں گا کیوں ان کے بتلانے پر آپ کو میرے آنے کا یقین نہیں؟ بندہ نے عرض کیا حضرت! آپ سے بات کرنے کی سعادت کا متمنی تھا۔ فرمایا بیٹے! ان شاء اللہ کل تین بجے ہم آپ کے حجرے میں ہوں گے، حضرت شیخ الحدیث آپریشن کے چالیس ویں روز خود تشریف لائے اور آخری سورتوں کا درس دیا، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا ہم پر ایک احسان عظیم، کرم نوزی اور شفقت کی انتہا تھی ورنہ ان کی صحت اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ اب محافل میں جانے کی سکت نہیں ہے مگر ہمارے ساتھ رشتے

کی لاج رکھی، اپنے آپ کو تکلیف دی مگر اپنوں کیلئے اپنی محبت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

بھلا سکیں گے نہ اہل زمانہ صدیوں تک
مری وفا مرے فکر وفن کے افسانے

آخری ملاقات

میرے شیخ القرآن مولانا ظہور احمد رحمہ اللہ تو میدان عقیدت واحترام میں فنا فی الشیوخ تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اپنے والد نے حاجی صاحب ترنگزئیؒ کے بارے میں یہ وصیت کی تھی کہ میرے مرشد کے خاندان کے افراد تو کیا ان کی گلیوں کے کتوں کا بھی احترام کرنا مگر آپ کو کہتا ہوں کہ شیوخ حقانیہ خصوصاً میرے عظیم محسن ومشفق حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے ساتھ تعلق رکھنا اورانتہائی ادب واحترام کا دامن تھامنا، ان کے بارے میں سوائے خیر کے اور بات کا سوچنا بھی مت اور میں آج بھی ان کے جوتے سیدھے کرنا سعادت سمجھتا ہوں اورروزِ قیامت جب اللہ پوچھے گا میرے دربار میں کیالائے ہو؟ تو ان شیوخ کے جوتے سیدھے کرنے کی سعادت پیش کروں گا کہ اللہ آپ کے دربار میں عقیدتوں کی یہ سوغات لایا ہوں اورامید ہے کہ اسی کے طفیل بخشش ہوگی اوروقتاً فوقتاً ان کی قدم بوسی کیلئے ضرور حاضری دینا اپنا وظیفہ حیات بنالو، یہی وجہ ہے کہ ہمارے والدمحترم کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا سایہ ہم پر والد کی طرح تھا، ہمیں یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے سروں پر اب بھی شفقت پدری کا سایہ موجود ہے، آخری بار حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ سے ملنے گیا عیدالاضحیٰ کیلئے ہمارے والد کے چند اقتباسات کا مجموعہ تھا وہ مجموعہ دینے کیلئے حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے ہاں گیا تو انتہائی عاجزی و انکساری کے عالم میں گھر سے حجرہ میں جلوہ افروز ہوئے تو بغیر کسی پروٹوکول کے قمیص کا گریبان کھلا ہوا تھا اور سر پر ٹوپی اور پاؤں میں چپل وغیرہ بھی نہیں تھی کمرے سے تشریف لائے اور فرمایا آپ بھی اپنے والد کی طرح محبت میں پیش پیش ہو میں نے آپ کو آنے سے منع کیا تھا مگر آپ نے وہی اپنے والد کا طرز اپنایا ہوا ہے، دراصل حضرت والد صاحب مرحوم کی عادت تھی کہ ہمیشہ عید اوراہم موقعوں پر کچھ نہ کچھ ہدیہ وغیرہ ضرور پیش کرتے۔ بڑی عید پہ قربانی کے لئے چھریاں، پشاوری چپل اور ہمارے گاؤں میں سرسوں کا خالص تیل وغیرہ بہت معروف ہے، یہ آپ کا اپنے شیخین سے محبت وعقیدت کا ایک فقیرانہ تحفہ ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے انہی کی سنت کو قائم رکھا اور حضرت سے گزارش کی کہ عیدالاضحیٰ

میں آپ کو چھریوں وغیرہ کی کمی محسوس نہ ہو، آپ نے والد مرحوم کو بہت دعائیں دیں اور ''الحق'' میں مضمون آنے پر مبارکباد دی اور فرمایا اسی طرح لکھا کرو، ہم اسے شائع کریں گے اور خود اپنے گھر جا کر ''الحق'' کا نیا شمارہ عنایت فرمایا پھر رخصت چاہی تو ڈھیڑوں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، آج بھی وہی منظر ذہن پر نقش ہے، کھلا گریباں، بغیر چپل کے اللہ اللہ کیسے کیسے لوگ ہم سے بچھڑ گئے اور ہم کتنے بے آسرا اور یتیم رہ گئے۔

دست بے داد اجل سے بے سروپا ہوگئے
فقر دین ،فضل وہنر ،لطف وکرم، علم وعمل
ہم فقیروں کا خلوص بھلا کون بھولے گا
تیرے شہر کے پرندے بھی اداس رہیں گے

دنیائے علم کا ایک درخشندہ باب

ہمارے شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں اور بیش بہا اعزازات سے نوازا تھا، آپ ہی واحد شخصیت تھی جن کو اتنے اعزازات نصیب ہوئے سیاست کے میدان میں ہو تو آپ ہی واحد قائد تھے جو مسند حدیث کے شہسوار بھی تھے اور قائد بھی تھے، سیاسی قائدین میں آپ ہی کے ساتھ شیخ الحدیث لکھا جاتا تھا، یہ اعزاز کسی اور پارٹی کو نہیں ملا کہ اس کا قائد شیخ الحدیث بھی ہے اور علمی مقام تو ایسا تھا کہ مفتی اعظم پاکستان مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ بھی آپ کے علمی مقام کے معترف ورطب اللسان رہتے اور قبولیت اتنی کہ توسیع مسجد حرام کی بنیاد آپ ہی کے دست مبارک سے شروع کی گئی اور آخری شب روز قرآن مجید کی تفسیر کی تکمیل میں گزری اور جب دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ کر کے جمعہ ہی کے روز عصر کے وقت بیاسی سال کی عمر میں وہ بھی اپنے گھر میں، وہ زمانہ بھی شورش کا یہ زمانہ بھی شورش کا، شہادت عثمان بھی خنجر سے شہادت شیخ بھی خنجر سے ،شہادت بھی ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم خاطر، شہادت تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی آخری آرزو اور تمنا تھی جس کی تمنا میں وہ جہاد افغانستان میں کونے کونے پر مورچے میں اول دستے میں دشمنان اسلام کے خلاف سینہ سپر رہے مگر اللہ تعالیٰ نے خلعتِ شہادت سے نوازنا تھا، مگر دوسرے مجاہدین شہداء سے ممتاز کرنا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح شہادت آرزومند تھے تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح شہادت میں

مشابہ کر دیا ورنہ آج کے دور جدید میں گولیوں کے زمانہ میں بھی خنجروں سے شہادت عجیب مماثلت ہے شہداء احد وبدر سے خصوصاً سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے جس طرح ان کی شہادت سفاکانہ سے قلب اطہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوگیا تھا، اسی طرح امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب بھی زخمی ہوگئے اور یقیناً سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی باکمال ہستی پھر سے دیکھنے کونہیں ملی، اسی طرح حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد بھی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا مصلح شاید ہی پھر دیکھنے کو ملے اور یقیناً حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ قرون اولیٰ کی سادگی کا انمول نمونہ، اسلاف کی جیتی جاگتی تصویر، جلال وجمال کا حسین امتزاج، زبان میں چاشنی، عجز وانکساری کا پیکر، طلباء پر شفقت ان کی عادت ثانیہ، اخلاق وعادات میں کامل، علمائے کرام سے محبت ان کا طرہ امتیاز، مزاج میں سادگی ونفاست، منکسر المزاج، سلیم الطبع، کریم النفس، فراخ حوصلہ، بلند ہمت، بہادر وشجاع، جفاکش، ریا ونمود سے عاری، شان وشوکت سے گریزاں، مہمان نواز، بہادر وشجاع، فیاض، متمول ہونے کے باوجود سادہ زندگی بسر کرنے والے، مرد قلندر، مرد درویش، حق کے قائد، اسلاف کی عملی تصویر، محبت وخلوص کے پیکر، عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار، راہ وفا کے جانثار، یادگار اسلاف، مسلک حق کے پاسباں، عالم اسلام کے عظیم قابل فخر سپوت، عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی منہ بولتی تصویر، پیکر صدق وفا، وہ مجموعہ محاسن جس کے بارے میں ایشاء کے عظیم علمی سکالر شیخ التفسیر حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مؤسس ومہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل اور تکمیل میں مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کا اپنا کردار ایک حصہ اور تین حصے شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اوران کے ماہنامہ ''الحق'' کے ہیں (''بنیاد کا پتھر'' ص:۱۸۹)

رب تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی شہادت عظیمہ اپنے بارگاہ میں قبول فرما کر اس کے صدقے ہم فقیروں گنہگاروں کی مغفرت فرمائیں اور ہم سب کو روز محشر شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے خدام کی صف میں کھڑا کر کے اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی معیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حوض کوثر سے سیرابی نصیب فرمائے اوران کی صف میں ہم گنہگاروں کیلئے جنت کا فیصلہ فرمائیں۔ (آمین)

جناب بابر حنیف
رکن موتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

مولانا شہیدؒ کے ساتھ وابستہ بیس برس

جناب بابر حنیف صاحب دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ کمپیوٹر کے انچارج اور ماہنامہ ''الحق'' کے کمپوزر ہونے کے ساتھ ساتھ ''موتمر المصنفین'' کے موقر رکن بھی ہیں، خادم مزاج طبیعت کے حامل، تکبر سے کوسوں دور اور اعلیٰ اخلاق سے مزین ہیں، ہر کوئی انہیں اپنا سمجھتا ہے اور یہ بھی ہر کسی کے کام آتے ہیں، ہر کسی کی طبیعت اور مزاج کو جلد سمجھ لیتے ہیں، مولانا شہیدؒ اور مدیر ''الحق'' کے بہت قریب رہے ان کے اشارہ اَبرو کو سمجھتے ہوئے دن رات دیکھے بغیر خدمت کر رہے ہیں، ''موتمر المصنفین'' کی اکثر مطبوعات آپ ہی کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی ہے (ادارہ)

موت برحق ہے یہاں سے ہر ایک کو جانا ہے، جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی میں نہ رہے تو اور کون سی ایسی شخصیت ہے اور کون سا ایسا فرد ہے جو اس جہان میں باقی رہے لیکن یہاں سے جانے والوں کے کارنامے، کردار، افعال، اعمال، جدوجہد اور خدمات کو یاد کیا جاتا ہے اور ان کو یاد کرنا بھی چاہیے اور ان کی خدمات کو یاد کرنے سے ان کی شخصیت کی جھلک بھی سامنے آجاتی ہے۔ میرے مشفق اور محسن حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شخصیت بھی ایسی ہی ہے وہ ایک جید عالم دین، نامور مصنف، نڈر اور بہادر مجاہد اور صاحب بصیرت سیاستدان اور نہایت ہی متواضع، منکسر المزاج شخصیت کے حامل تھے، ان کی شخصیت علم وعمل کی حسین آئینہ دار تھی اور مولانا شہیدؒ علم وفضل دونوں اعتبار سے اپنے والد مکرم کے صحیح جانشین تھے اور اپنے نامور والد کی صحیح جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ مولانا شہیدؒ نے بہت ہی قابل رشک زندگی گزاری ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی خدمات اور کردار کی بدولت اپنی زندگی کا حق ادا کر دیا اور دنیا کو بھی بتا دیا کہ دنیا میں رہ کر اس طرح زندگی گزاری جاتی ہے۔ ان کی زندگی کے ایک ایک لمحے کو دیکھئے! دین کے لئے اور امت مسلمہ کی فکر میں کتنی صعوبتیں برداشت کیں اور کتنی پریشانیاں جھیلیں وہ ہم سب کے سامنے ہیں۔ امت کے درد میں سفر میں بھی نہ تھکتے اور حضر میں بھی امت کی فکر دامن گیر رہتی حتیٰ کہ موت بھی اسی فکر میں آئی اور موت بھی ایسی کہ جس کے لئے ہر کوئی اللہ سے دعا مانگتا ہے کہ الٰہی! ہمیں موت دے مگر شہادت کی۔ چونکہ ان کی زندگی بھی سعادت مندی کی تھی اور موت بھی شہادت کی پائی۔ ان کو تو شہادت مل گئی

لیکن ملت اور امت ایک فکر مند شخصیت سے محروم ہوگئی۔ان کا دنیا سے چلے جانا سب کے لئے اور خاص کر میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے کیونکہ میرے ساتھ ان کا جو مشفقانہ و ہمدردانہ سلوک رہا اس کو میں ساری زندگی نہیں بھلا سکتا، حضرت شہیدؒ سے بہت قریبی تعلق رہا، بہت قریب سے دیکھا اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا میرا ان کے ساتھ عرصہ خدمت تقریباً بیس برس رہا۔

پہلے دن ہی سے جب ان کی نگرانی میں کام شروع کیا تو ان کی شفقتوں ومحبتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، ان کی شخصیت میں بلا کی تاثیر تھی جو بھی ان سے پہلی بار ملتا انہی کا ہو جاتا اور دینی شخصیات میں یہی پہلو ہونا بھی چاہیے چونکہ ہر ایک انسان بہت سی خوبیوں کا مالک ہوتا ہے وہ عالم بھی ہو، محقق بھی ہو، مصنف بھی ہو، مدیر بھی ہو، مہتمم بھی ہو، مدرس بھی ہو مگر ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ دیکھیں کہ اس کے معاملات کیسے ہیں؟ ان کا برتاؤ کیسا ہے؟ ان کا لوگوں سے ملنا جلنا کیسا ہے؟ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ سلوک کیسا ہے؟ میں نے جہاں مولانا شہیدؒ کو علم کا سمندر پایا وہاں ان کی شفقتوں، محبتوں، حسن سلوک سے حظ وافر بھی حاصل کیا۔مولانا شہیدؒ کی شہادت کو تقریباً تین سال ہونے کو ہیں کئی بار لکھنے کا عزم وارادہ کیا لیکن قلم ہاتھ میں لیتے ہی میرا دل و دماغ اس حادثہ جانکاہ سے متاثر ہوتا رہا اور ہمت ہی نہ پڑتی کہ کچھ لکھ سکوں۔اُن کے ساتھ بیتے لحات، ان کا شفقت آمیز رویہ، حسن سلوک کے سارے مناظر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں، اب بھی ان کی ذات اور شخصیت پر روشنی ڈالنے کی طاقت نہیں لیکن برادرم مولانا راشد الحق صاحب کے پیہم اصرار پر حضرت کے ساتھ اپنے بائیس تیئس سالہ وابستہ یادوں میں سے چند کو یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ خریدارِ یوسف میں میرا نام بھی شامل ہو۔

یہ غالبًا ۱۹۹۸ء کی بات ہے جب برادرم مولانا راشد الحق سمیع اور مولانا محمد ابراہیم فانی مرحوم میرے نوشہرہ آفس سپر ٹیک کمپیوٹرز آئے جہاں پر میں کمپیوٹرز کا کام کیا کرتا تھا۔انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے ادارے اور بالخصوص جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان رسالہ ''الحق'' کے لئے ایک ماہر کمپوزر کی ضرورت ہے، ہمیں آپ کا نام پرنسپل زاہد صاحب (پاکستان ڈگری کالج نوشہرہ) نے دیا کیونکہ میں نہ برادرم مولانا راشد الحق صاحب کو اس وقت جانتا تھا اور نہ مولانا ابراہیم فانی صاحب کو لہٰذا ہم زاہد صاحب کے پاس گئے تو انہوں نے مکمل تعارف کرایا کہ یہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے آئے ہیں، مولانا راشد صاحب مولانا سمیع الحق صاحب کے فرزند ارجمند ہیں اور یہ مولانا ابراہیم فانی صاحب ہیں، یہ جامعہ کے جید مدرس، ادیب اور شاعر ہیں اور جامعہ حقانیہ کو پوری دنیا میں ایک بلند

مقام حاصل ہے اور یہ تو بہت معزز اور قابل قدر لوگ ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اور مولانا سمیع الحق کی کاوشوں سے جامعہ حقانیہ اس مقام تک پہنچا ہے لہٰذا پھر مجھے برادرم راشد الحق سمیع صاحب نے جامعہ حقانیہ آنے کا کہا کہ وہاں آپ کو مولانا سمیع الحق صاحب سے ملوائیں گے تا کہ آپ کا ٹیسٹ و انٹرویو لیا جاسکے۔ دوسرے دن جب جامعہ حقانیہ پہنچا تو برادرم مولانا راشدالحق صاحب نے مولانا سمیع الحق صاحب سے میرا تعارف کرایا کہ یہ بابر حنیف صاحب ہیں اور نوشہرہ میں کام کرتے ہیں اور وہیں مقیم ہیں اور بنیادی طور پر اردو سپیکنگ بھی ہیں، مولانا سمیع الحق صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ہمارے ادارے سے دو میگزین نکلتے ہیں ایک ماہنامہ ''الحق'' اور دوسرا پندرہ روزہ ''ترجمان دین'' اس کی کمپوزنگ آپ کو کرنی ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ ہماری اخبارات کو جاری کی گئی پریس ریلیز بھی ہوا کرے گی انہیں بھی آپ نے لکھنا اور پریس کو بھیجنا ہوگا۔ اس کے بعد مولانا شہیدؒ نے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک پریس ریلیز دی کہ اسے ٹائپ کر کے میرے پاس لے آئیں لہٰذا پانچ منٹ میں ٹائپ کر کے انہیں دکھائی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور برادرم راشد الحق کو کہا کہ ٹھیک ہے ماشاء اللہ بہت بہتر ہے، انہیں اپنے ساتھ آفس میں رکھ لیں۔

دارالعلوم میں اس وقت صرف ایک ہی کمپیوٹر تھا جس پر دارالعلوم کا سارا کام ہوا کرتا تھا، جس میں ماہنامہ ''الحق''، پندرہ روزہ ''ترجمان دین'' کے علاوہ، دفتر تعلیمات، دفتر اہتمام کا ریکارڈ، کتب خانہ کا ریکارڈ، ای میلز، فیکس، فوٹو اسٹیٹ تقریباً جو بھی کام کمپیوٹر سے ہو سکتے تھے الحمدللہ پوری کوشش کی کہ اس کو مکمل کیا جائے پھر مولانا شہید کی کوششوں سے دارالعلوم میں طلباء کے لئے کمپیوٹر کورسز شروع کروائے گئے جس کے لئے احقر سے مشورہ کیا کہ کون سے کمپیوٹرز ان طلباء کے لئے بہتر رہیں گے لہٰذا اُسی سال طلباء کی نئی کلاسز شروع کروائی گئیں۔ ان کے ساتھ یوں وقت گزرتا رہا ان کی زیرنگرانی کام کے مواقع ملتے رہے اور ان سے روز کچھ نیا سیکھنے کو ملتا اور فنی صلاحیتوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ ماہنامہ ''الحق'' کے ساتھ ساتھ ''موتمر المصنفین'' جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی مطبوعات کا کام بھی شروع ہوا اور کتاب ''صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام'' جو کہ سینکڑوں انٹرویوز پر مشتمل تھی ان میں سے چند کا انتخاب کر کے یہ کتاب مرتب کی گئی اس کتاب کو بھی تاریخ کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کی کمپوزنگ بھی راقم نے کی جس پر مولانا شہیدؒ نے بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

یوں یہ سلسلہ چلتا رہا کہ مولانا شہیدؒ کے نام پوری دنیا سے سیاسی زعماء، مفکرین علماء و مشائخ، دانشور وصحافی حضرات کے بے شمار خطوط پر کام شروع ہوا، ان کی کمپوزنگ بھی میرے حوالے کی اور راقم ان خطوط کو لکھ کر اصل خط کے ساتھ پروف بھی رکھ دیتا جسے حضرت شہید تصحیح کر کے حواشی لکھتے اور

کتابی شکل میں ترتیب فرما رہے تھے۔ ''مکتوبات مشاہیر'' میں اکثر و بیشتر بلکہ تقریباً روز ہی مولانا شہید سے ملاقات رہتی، صبح جب مولانا صاحب آفس آتے تو فوراً بلاتے اور کام کا پوچھتے، جو کام کیا ہوتا انہیں دے دیتا اور مزید کام دیتے اور سمجھاتے۔ اسی طرح اگر دن میں ان سے ملاقات مہمانوں کی وجہ سے نہ ہو پاتی تو رات کو اپنے حجرے بلا کر وہاں کام دیکھتے، ''مکتوبات مشاہیر'' میں ترتیب کا مسئلہ درپیش آرہا تھا تو انہوں نے میری ذمہ داری لگائی کہ انہیں حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیں، ہزاروں خطوط کو تاریخ وار اور حروف تہجی سے بندہ نے احسن طریقے سے سرانجام دیئے اور مولانا شہیدؒ بھی اس ترتیب سے بہت خوش ہوئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مولانا شہیدؒ نے میری صلاحیتوں کو مزید نکھارا، مکتوبات کے مسودات جنہیں حاجی نثار محمد صاحب مرحوم نے الگ الگ فائل میں جمع کر رکھا تھا، ان کی ترتیب وغیرہ میں حاجی نثار محمد مرحوم کی بھی بہت محنت شامل تھی (خطوط کے علاوہ اخباری کٹنگ وغیرہ بھی حاجی صاحب مرحوم کے ذمہ تھی جو وقتاً فوقتاً حضرت شہیدؒ کو دکھاتے۔) ان خطوط کو حضرت شہیدؒ نے بہت سنبھال کر رکھے ہوئے تھے وہ روزانہ تھوڑے تھوڑے کر کے دیتے جسے بندہ ٹائپ کر کے پرنٹ نکال کر اصل کے ساتھ انہیں واپس کر دیتا۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ چلتا رہا، ''مکاتیب مشاہیر'' میں مولانا شہیدؒ نے ہر ایک شخص کی الگ الگ فائل بنائی جس میں اس کا اصل خط بمع پرنٹ پروف کر کے رکھتے اور پھر برادرم جناب شفیق الدین فاروقی صاحبؒ کو دیتے، بعض اوقات خط اتنے شکستہ اور بوسیدہ ہوتے کہ پڑھنا بھی بہت مشکل ہوتا، پہلے تو کوشش ہوتی کہ خود ہی سمجھ کر لکھ لوں اگر ممکن نہ ہوتا تو جناب شفیق الدین فاروقی صاحبؒ کو دکھاتا جسے وہ ایک محدب شیشے کی مدد سے اس خط کو دیکھتے اور پھر بڑی مشکل سے اس خط کو مکمل کرواتے اور جو رہ جاتا وہ حضرت شہیدؒ خود پورا فرما دیتے۔

جب مکتوبات کی طباعت کا مسئلہ آیا تو بھی مؤتمر کی پوری ٹیم کو لے کر محلّہ جنگی پشاور تشریف لے گئے جہاں پریس کے صدر اور دیگر عہدیداران نے حضرت شہیدؒ سے ملاقاتیں کیں اور کتاب کی چھپائی کے سلسلے میں مشورے بھی دیئے۔ ''مکتوبات مشاہیر'' کی طباعت کے بعد مولانا شہیدؒ نے ''خطبات مشاہیر'' کو مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا چونکہ مولانا کی شخصیت صرف اور صرف علم اور حفاظت علم سے عبارت تھی آپ ہر کتاب، رسالے، اخبارات حتیٰ کہ معمولی سے تراشے کو بھی محفوظ کر لیتے، اسی طرح انہوں نے جامعہ حقانیہ کے قیام سے لے کر اب تک آنے والے سینکڑوں مہمانوں علماء، مشائخ کی تقاریر کو محفوظ کیا تھا وہ چاہتے تھے کہ یہ سارا علمی مواد علمی دنیا کے استفادے کے لئے منظر عام پر لایا جائے اس کے لئے انہوں نے برادرم مولانا اسرار مدنی اور برادرم مولانا محمد اسلام حقانی کو انہیں مرتب کرنے کا کہا تو اس ذخیرہ علمی کی کمپوزنگ کا مرحلہ تھا تو کمپوزنگ کے سارے مراحل بشمول کتابی سیٹنگ

وغیرہ احقر نے بحمدللہ پورے کئے۔رفتہ رفتہ اس پر کام ہوتا رہا،عرصہ چار سال میں یہ عظیم کاوش دس جلدوں میں منظر عام پر آئی اور اس کام کے دوران روزانہ مولانا شہیدؒ سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔اسی طرح اصلاح معاشرہ پر مبنی کتاب ''ابواب البروالصلۃ''اسلام کا نظام اکل و شرب، ''دعوات حق''(۴جلد) ، شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنیؒ نمبر، مولانا محمد ابراہیم فانیؒ نمبر، فتاویٰ حقانیہ(۶ جلد) کی طباعت کا مرحلہ درپیش آیا تو الحمدللہ اس کی کمپوزنگ اور سیٹنگ کا مرحلہ بھی مکمل کیا۔

حضرت شیخؒ کی احقر پر بہت زیادہ نوازشات تھیں جن میں سے ایک یہ کہ کئی بار مجھے جامعہ میں وقتاً فوقتاً آنے کا کہتے رہے کہ آپ یہاں پر آجائیں ہم آپ کو یہاں رہائش دیں گے، کھانا پینا، آنے جانے کی جانی و مالی تکلیف سے بےفکر ہو جائیں گے مگر والدین کی خدمت کی وجہ سے جامعہ میں سکونت اختیار نہ کرسکا۔جب کبھی کہیں سفر (ملکی یا غیرملکی) پر تشریف لے جاتے تو فون کرکے وہاں کے احوال سناتے خبر بنانے کا حکم فرماتے اور پھر ہم اخبارات اور میڈیا کو جاری کرتے ۔دارالعلوم کے ترجمان مجلّہ ''الحق'' کی کتابت بھی میرے ذمے تھی اور حضرت شہیدؒ کو فائنل رسالہ دکھایا جاتا، اکثر آپ خود ہی ہمیں بلاتے اور رسالہ دیکھ کر ہدایات دیتے کہ اس مضمون کو پہلے لگائیں اور اس کو بعد میں اور آخر میں برادرم راشد الحق سمیع رسالہ فائنل دیکھ کر پریس کو روانہ کرواتے۔مولانا شہیدؒ ایک بین الاقوامی شخصیت تھے جس کی وجہ سے ملکی و غیرملکی مشاہیر کا جامعہ حقانیہ میں اکثر آنا ہوتا جس سے ہمیں اکابر ومشاہیر سے استفادے کا موقع بھی ملتا، مولانا شہیدؒ کی وجہ سے بڑے بڑے علماء مشائخ، سیاستدانوں کو سننے اور دیکھنے کی سعادت حاصل ہوتی۔

حضرت شہیدؒ کی جو بھی کتابیں کمپیوٹر سے لکھی گئی ہیں اس میں سے اکثر کی کمپوزنگ احقر نے کی ہے بالخصوص ''زین المحافل'' اور ''تفسیر امام لاہوریؒ'' میں حضرت شہیدؒ کے ساتھ کام کرنے کو اپنی دنیا وآخرت میں وسیلہ ظفر سمجھتا ہوں ۔تفسیر لکھتے وقت برادرم مولانا محمد فہد بھی اکثر میرے ساتھ ہی ہوتے تو مولانا شہیدؒ اس وقت اچانک ''الحق'' دفتر آجاتے اور ہمارے کام کو دیکھتے اور پرکھتے اور جو پروف کام انہوں نے دیا ہوتا اسے بھی چیک کرتے اور جاتے وقت بہت سی دعائیں دیتے۔''الحق'' کا خصوصی شہید نمبر جوکہ چار جلدوں میں ہے اس کی کمپوزنگ اور تصحیح کے تمام تر مراحل میں بھی میرے محسن برادرم راشد الحق سمیع نے خدمت کا بھرپور موقع دیا واجرھم علی اللّٰہ

سوچتا ہوں تو یادوں کی ایک مالا سامنے آجاتی ہے جسے لکھنے بیٹھوں تو ایک داستان مکمل ہوجائے مگر ''الحق'' کے صفحات کی تنگ دامنی کی وجہ سے صرف انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی غرض سے چند بے ربط جملے لکھے۔اللہ تعالیٰ مولانا شہیدؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور انکی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔

مولانا قاری محمد اسعد مدنی
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی

انسانیت کاملہ کا عکس جمیل

مولانا حافظ قاری محمد اسعد مدنی صاحب جواں سال فاضل اور دارالعلوم کراچی میں شعبہ تخصص کے طالب علم ہیں، جامعہ تحسین القرآن نوشہرہ کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد عمر علی مدظلہ کے فرزند ہیں، مولانا سمیع الحق شہید نے ان کی زمانہ طالب علمی میں ان کیساتھ جس شفقت، محبت اور بھر پور تحسینات کا معاملہ فرمایا یہ واقعتاً ان کا بہت بڑا ظرف تھا، مولانا اسعد مدنی نے بڑی خوبصورت روئیداد لکھی ہے، قارئین پڑھیں گے تو حضرت شہید رحمہ اللہ کی انسانیت کاملہ کا عکس جمیل پائیں گے۔ (ادارہ)

حضرت مولانا سمیع الحق قدس سرہ کی شہادت کو تقریباً ڈھائی سال ہونے کو ہیں لیکن ابھی تک ان کے بارے میں میں کچھ زیادہ نہ لکھ سکا، حقیقت یہ ہے کہ وہ ان گنی چنی شخصیات میں سے تھے جن کے متعلق لکھتے وقت یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کس پہلو پر لکھا جائے اور کس کو چھوڑا جائے، اس بارے میں جب بھی قلم اٹھایا، ذہن کی تختی پر ان گنت موضوعات کی ایک فہرست ابھری جن میں کسی ایک موضوع کے انتخاب کے بجائے خود ایک مسئلہ معلوم ہوا نیز مولانا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لکھنے کیلئے ان کے ارادت مندوں میں سے اہلِ قلم کی ایک بڑی کھیپ موجود ہے، جن کی موجودگی میں ہم جیسے طلباء کیلئے کچھ لکھنا ایک قسم کی جسارت ہے، چنانچہ آسان راستہ یہی معلوم ہوا کہ مولانا کے متعلق اپنے قلبی تأثرات، ان سے وابستہ یادیں اور ان کی مجلسوں میں گزرے ہوئے لمحات کا مختصر تذکرہ لکھوں اس طرح ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر بھی ضمناً روشنی پڑے گی۔

مولانا کا ایک ممتاز وصف

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ حضرت مولانا سمیع الحق شہید قدس سرہ کی شخصیت بڑی جامع تھی، شخصی وجاہت، وسعتِ ظرفی، زورِ قلم، عالی ہمتی اور علمی ورثے کی حفاظت کا ذوق ان کے ایسے اوصاف تھے جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتے تھے لیکن مجھے مولانا شہیدؒ کے جس وصف نے سب سے زیادہ متأثر کیا اور جس کا مجھے خود بارہا تجربہ ہوا، وہ ان کا وصف اصاغر نوازی تھا، چھوٹوں پر شفقت ان

کی حوصلہ افزائی اوران کی صلاحیتوں کونکھارکران سے کام لینا، ان کا خاص وصف تھا، وہ ننھی کونپلوں کی پرورش کرکے اس کو سایہ دار درخت بنانے کا ہنر جانتے تھے، آج کے دور میں کسی کوآگے بڑھتا دیکھ کر لوگ حوصلہ شکنی کرتے ہیں، وہ تھپکی دے کر حوصلہ بڑھاتے تھے، ان کی صحبت میں رہ کر کتنے نوآموز ''قلم کار'' بنے اوران کی آغوش میں پل کر کتنے ناآزمودہ کارمجاہد صف شکن بنے، آگے کی سطروں میں چند واقعات پیش کروں گا، جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ ایک طالب علم کے شوق کو دیکھتے ہوئے مولانا شہیدؒ نے اس کی کس قدر ہمت افزائی کی، اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے اس کیلئے وقت نکالا اوراس کوانگلی سے پکڑ کر چلنا سکھایا، ان واقعات کو پڑھنے سے نہ صرف ان کا مذکورہ وصف نمایاں ہوکر سامنے آئے گا بلکہ ان کی عظمت، شرافت، تواضع اورحسنِ اخلاق کا بھی پتہ چلے گا۔

پہلی ملاقات

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مذہبی گھرانے میں آنکھیں کھولنے کی بدولت جب سے میں نے ہوش سنبھالا، گھر میں علماء وصلحاء کے تذکرے سنے اوران کی زیارت اورخدمت کا موقع ملا، والدمکرم کی دارالعلوم حقانیہ اورشیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے ساتھ طویل ملازمت اور پرانی وابستگی کی وجہ سے مولانا شہیدؒ کا ذکر بھی کثرت سے ملتا، یوں بچپن ہی میں مولانا شہیدؒ کے ساتھ عقیدت ومحبت کا تعلق بن گیا تھا اوردل میں ان کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوگیا تھا لیکن بدقسمتی سے ایک عرصے تک اس شرف سے محروم رہا، ایک دن ضد کرکے والد ماجد کوآمادہ کیا کہ وہ ہمیں حضرت مولانا شہیدؒ کی خدمت میں لے جائیں چنانچہ والد ماجد ہم چاروں بھائیوں کو لے کر اکوڑہ خٹک حاضر ہوئے جہاں مولانا شہید رحمہ اللہ کی رہائشگاہ پر ان کی اولین زیارت کا شرف حاصل ہوا، مولانا نے ہمارے ساتھ حد درجے شفقت کا معاملہ کیا، ہنسی مذاق کی باتیں کیں اوررخصت کرتے وقت تاکید کی کہ کبھی کبھی آیا کرو، یوں پہلی ہی ملاقات میں دل پر ان کی محبت کا گہرا اثر قائم ہوا۔

مولانا کا پہلا خط

اس واقعے کو چند دن ہوئے تھے، مجھے اکابر علماء کے ساتھ خط وکتابت کا شوق چڑھا، چنانچہ ملک کے دیگر اکابر کے علاوہ مولانا شہیدؒ کے نام بھی میں نے ایک خط لکھ کر بھیج دیا، جس میں اپنے بعض گھریلو حالات اپنی بہن بھائیوں کی تعلیمی کیفیت لکھی اوردعاؤں کی درخواست کی، چند دن بعد میری حیرت اورخوشی کی انتہاء نہ رہی جب مولانا شہیدؒ کی طرف سے خط کا جواب موصول ہوا،

مولانا شہیدؒ کا خط کیا تھا؟ ان کی وسعتِ ظرفی، تشجیعانہ رویہ اور چھوٹوں پر بے پایاں شفقت کا عملی ثبوت! یہاں پر خط کا متن بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:

عزیز مکرم صاحبزادہ محمد اسعد مدنی حفظه الله وزاده علماً وعملاً ومجداً

سلام مسنون! گرامی نامہ پڑھا، اپنے عزیز برخوردار کے علمی احساسات، اخلاق عالیہ اور اکابر سے تعلق وگرویدگی کا علم ہوکر دل باغ باغ ہوا، یہ حضرت قاری عمر علی صاحب کی خداداد صلاحیتوں اور داعیانہ اور مربیانہ جذبات اور کوششوں کا نقد ثمر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھا دیا، اللھم زد فزد

چھوٹے بھائی کے مدینۃ الرسول میں گنبدِ خضرا کے سایہ میں قرآن سنانے کی تیاریوں سے مزید در مزید مسرت ہوئی، یہ سب کیلئے باعثِ خیر وبرکت ہے، محمد افلح، محمد احسن اور بیٹی طوبیٰ کے تعلیمی مشاغل مزید نور علیٰ نور ہیں سب کو اللہ تعالیٰ دینی، علمی، روحانی اور عملی ترقیات سے نوازے، نصیحت الحمد اللہ آپ کو والدین اور اساتذہ کرتے رہتے ہیں، اس پر کار بند رہیں یہ سب اسی کی برکات ہیں کبھی کبھی رابطہ کرتے رہیں اور حالات سے آگاہی بخشا کریں، حضرت والد ماجد اور سب حضرات کو تسلیمات اور دعوات۔ والسلام: سمیع الحق

دوسرا شفقت بھرا خط

اس کے کچھ عرصہ بعد روزنامہ ''اسلام'' میں مولانا شہیدؒ کا ایک بیان نظر سے گزرا، موضوع تو اب یاد نہیں لیکن مجھے پسند آیا، چنانچہ میں نے مولانا شہید رحمہ اللہ کو خط لکھا، جس میں ان کے بیان پر اپنی پسندیدگی کا اظہار اور ان کی کتاب ''مکتوباتِ مشاہیر'' سے استفادہ کا ذکر کیا اور آخر میں اپنی پسندیدہ کتابوں کی فہرست بھیجنے کی درخواست کی، چند ہی دن گزرے تھے کہ مولانا شہیدؒ کی طرف سے درجہ ذیل جواب موصول ہوا۔

فرزند عزیز ورشید محمد اسعد مدنی سلمه الله تعالیٰ وزادالله علمه، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گرامی نامہ جو ظاہراً وباطناً بہت ہی پیارا تھا اور جو آپ کی فطرتِ سعیدہ اور روشن مستقبل کی غمازی کررہا تھا، پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، الحمد للہ کہ حضرت قاری محمد عمر علی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ذہین وفطین اور علمی ذوق سے سرشار فرزند نوازا ہے، اللہ تعالیٰ ترقیاتِ فائقہ سے نوازتا رہے، آپ جیسے بچے اور نوجوان ہم سب کا سرمایہ ہیں اللھم زد فزد

میری تقریر آپ کو پسند آئی یہ آپ کی حمیت وصلابت اور جذبات حق کی علامت ہے،

مکتوبات پر بھی خوشی علم وادب سے شغف اور اکابر سے محبت کا بین ثبوت ہے، یہ ان اکابر مکتوب نگار حضرات کی اپنی کرامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ کرانے اور مجھ ناچیز سے کام لینے کا موقع دیا، خدا کرے اس گنج گراں مایہ سے استفادے کا سلسلہ جاری وساری رہے۔

پسندیدہ کتابوں کے بارے میں میں نے اکابر امت اور علماء مشائخ کی خدمت میں سوالنامہ بھیجا تھا، جواب میں بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا، جو''میری علمی ومطالعاتی زندگی'' کے نام سے''مؤتمر'' نے شائع کیا، اسے بالاستیعاب پڑھ کر اپنے مطالعہ کی پسندیدہ کتابوں کا انتخاب کرلیں، یہ کتاب اکابر کے علمی ذوق اور رجحانات کا ایک گلدستہ ہے اور تمام مدارس کے نوجوانوں کے مطالعہ کی چیز ہے، اس سے علمی وفکری دروازے طالب علمی میں کھل جاتے ہیں حضرت قاری صاحب مدظلہ اور سب احباب سے سلام مسنون اور دعائیں۔

میری دستار بندی

اس کے بعد میری زندگی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا، جس کے لئے میں ہمیشہ مولانا شہیدؒ کا ممنون رہوں گا، درجہ اولیٰ کے سال جب کہ میری عمر چودہ سال تھی، والد صاحب کی دعوت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم ہمارے یہاں ''تحسین القرآن'' نوشہرہ تشریف لائے، اگلے روز حضرت مفتی صاحب نے علماء وطلباء کے عظیم اجتماع سے خطاب فرمایا، اسٹیج پر دوسرے اکابر کے علاوہ حضرت مولانا سمیع الحق شہید قدس سرہ بھی تشریف فرما تھے، اجتماع کے اختتام کے بعد تمام اکابر ہمارے گھر تشریف لائے، اسی سال ہمارے بھائی جان مولانا قاری محمد احمد عمر کی فراغت ہوئی تھی، چنانچہ والد ماجد نے حضرت مفتی صاحب سے بھائی جان کی دستار بندی کرانے کی درخواست کی، ابھی مفتی صاحب بھائی جان کی دستار بندی کرہی رہے تھے کہ مولانا شہیدؒ نے بلند آواز سے پکارا اسعد کہاں ہے؟ میں بھیڑ میں سے راستہ بناتا ہوا مولانا شہیدؒ کے پاس پہنچا مسکرا کر مصافحہ کیا اور مفتی صاحب سے میری ملاقات کروا کر فرمایا کہ ان کی بھی دستار بندی کردیں میں پریشان تھا کہ دوسرا عمامہ کہاں سے آئے گا؟ مولانا شہیدؒ نے چٹکی میں اس مسئلہ کا حل نکالا والد صاحب کے کندھے سے رومال کھینچا پلک جھپکنے میں اس کو لپیٹا اور مفتی صاحب کو پیش کیا مفتی تقی صاحب مدظلہ نے آدھا عمامہ مجھے خود باندھا اور بقیہ مولانا شہیدؒ سے بندھوایا اب اس واقعے کے متعلق سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ صرف ایک ملاقات اور ایک دو خطوط کے نتیجے میں مولانا شہیدؒ نے اتنی محبت سے نوازا اور اس قدر عزت افزائی کی آج بھی جب وہ منظر یاد آتا ہے تو میرا دل مولانا شہیدؒ کیلئے جذباتِ تشکر

سے معمور ہوجاتا ہے یقیناً یہ ان کے وصفِ ذرہ نوازی کا عظیم مظہر ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے۔

فارسی پڑھنے پر شاباش

غالباً درجہ خامسہ والے سال سالانہ چھٹیوں میں میں نے دارالعلوم حقانیہ کے استاد مولانا فیض الرحمٰن حقانی صاحب سے درخواست کی کہ وہ مجھے فارسی پڑھائیں انہوں نے آمادگی ظاہر کی چنانچہ میں دارالعلوم میں واقع ان کی رہائش گاہ جانے لگا ایک دن سبق سے فارغ ہونے کے بعد دفتر اہتمام گیا مولانا شہیدؒ تشریف فرما تھے بڑی محبت سے ملے خیر خیریت دریافت اور تعلیمی سرگرمیوں کے متعلق پوچھا میں نے اپنی فارسی کے بارے میں بتایا مسکرا کر فرمایا اس طرح چھوٹ نہیں سکتے بلکہ آپ کو مستقل طور پر دارالعلوم کا طالب علم بننا پڑے گا یہ ان کی غایت درجہ شفقت اور تواضع تھی بعد از اں میرے دارالعلوم آنے اور فارسی پڑھنے پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور میرے جذبے کو سراہا اور میری حوصلہ افزائی کی اس کے بعد اپنے برخورداروں مولانا اسامہ سمیع اور خذیمہ سمیع کو بلایا اور انہیں بھی فارسی کے درس میں شرکت کرنے اور اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی تاکید کی چنانچہ اگلے دن سے صاحبزادگان نے بھی آنا شروع کر دیا۔ایک دن سبق پڑھنے کے بعد ''الحق'' کے دفتر میں زیارت کا شرف حاصل ہوا میں نے مثنوی مولوی معنوی کا نسخہ بڑھاتے ہوئے اس پر کچھ لکھنے کی درخواست کی، مولانا نے اندرونی صفحہ پر لکھا عزیزم مولوی محمد اسعد اسعده الله فی کل میادین العلم والعمل اس کے نیچے لکھا ''مثنوی معنوی سے لگاؤ حسن ذوق کی دلیل ہے'' (سمیع الحق)

انہی ایام میں ''مولانا جلال الدین رومیؒ اور ان کی مثنوی کے عنوان سے میں نے ایک مضمون لکھا مولانا شہیدؒ نے نہ صرف مضمون کو پسند کیا بلکہ اس کو ''الحق'' میں بھی شائع کیا۔

خطبات مشاہیر کا تحفہ

''خطبات'' طباعت کے مرحلے سے گزر رہے تھے مجھے شدت سے انتظار تھا جس روز کتاب چھپ کر آ گئی جمعرات کا دن تھا تیز بارش ہو رہی تھی میں بارش کی پروانہ کرتے ہوئے دارالعلوم پہنچا اور سیدھا دفتر اہتمام حاضر ہوا مولانا شہیدؒ تشریف فرما تھے میں نے آمد کا مقصد بتایا پاس میں بیٹھے مولانا عرفان الحق صاحب نے فرمایا، ابھی تو کتاب کمرے میں بند پڑی ہے پیر کے دن مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب تشریف لائیں گے رونمائی کی تقریب ہوگی تب کتاب دستیاب ہوگی مولانا شہیدؒ نے ان سے فرمایا یہ بیچارہ اتنی تیز بارش میں آیا اس کو خالی ہاتھ واپس نہ بھیجو بلکہ اس کو ایک سیٹ نکال کر دے دو

چنانچہ مولانا عرفان الحق حقانی صاحب نے دفتر والانسخہ مجھے دے دیا میں نے رقم دینی چاہی مولانا نے یہ کہہ کر سختی سے منع کیا ایک نسخہ ویسے بھی قاری محمد عمر علی صاحب اور آپ کو ہدیہ کرنا تھا اور اس پر تحریر فرمایا: اسعد مدنی فرزندِ عالی جناب مولانا محمد عمر علی مدظلہ جو علم وادب کے اعلیٰ ذوق سے بہرہ ور ہیں اور بہترین مستقبل کی ان سے امیدیں ہیں زاده الله علماً ومجداً وفیضاً سمیع الحق غفرلہ''

اشاریہ سازی پر حوصلہ افزائی

''خطبات مشاہیر'' کے مطالعہ کے دوران مجھے خیال آیا کہ اس کا اشاریہ مرتب کروں اس طرح یہ ایک علمی خدمت ہوگی نیز حضرت مولانا شہیدؒ کی توجہ اوران کی دعائیں بھی حاصل ہوگی چنانچہ میں نے اشاریہ پر کام شروع کیا اور چند دن کی ان تھک محنت کے بعد پہلی جلد کا اشاریہ مرتب کرنے میں کامیاب ہوگیا میں نے اشاریہ مولانا شہیدؒ کی خدمت میں بھیجا، موصول ہوتے ہی مولانا شہیدؒ کا فون آیا میرے کام کو پسند کیا میری ہمت افزائی کی اور دوسری جلد پر کام شروع کرنے کی تاکید کی بعد میں مولانا شہیدؒ کے قریبی ساتھیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ مولانا شہیدؒ نے ملاقات کے لئے آنے والے کئی علماء اوراحباب اشاریہ دکھایا اور میرے کام کی تعریف کی کچھ عرصہ بعد مولانا شہیدؒ کی طرف سے ذیل کا خط موصول ہوا۔

عزیز القدر جناب مولانا اسعد مدنی صاحب سلمه الله تعالیٰ

سلام مسنون! ''خطبات مشاہیر'' جلد اول کا انڈکس جس عجلت سے مرتب فرمایا یہ آپ کے اعلیٰ علمی ذوق کا بین ثبوت ہے الحمد للہ یہ علمی ذوق روشن علمی مستقبل کے غمازی کررہاہے اللهم زد فزد اب تو تمام مطبوعات حقانیہ کا انڈکس آپ ہی کے ذمہ ہے'' خطبات مشاہیر'' کی باقی جلدوں اور پھر ''مکتوبات مشاہیر'' وغیرہ پر بھی کام جاری رکھیے! ان شاء اللہ نہایت مفید کام ہے، آپکے علمی، تصنیفی، دعوتی، جہادی کاموں کیلئے دعا گوہوں اپنے والد بزرگوار اور تمام متعلقین کوتسلیمات پیش ہوں۔ والسلام سمیع الحق

اگلی فرصت ملنے پر میں نے جلد دوم کا اشاریہ مرتب کر کے مولانا شہیدؒ کی خدمت میں پیش کیا ملاحظہ کرنے کے بعد خوشی کا اظہار کیا دیر تک صفحات پلٹتے رہے اور شاباش دیتے رہے آخر میں فرمایا ایک اور صاحب نے بھی اشاریہ مرتب کرنا شروع کیا ہے لیکن مجھے آپ کا کام پسند آیا۔

پورا حقانی بننے کی ہدایت

مولانا شہیدؒ کی شفقت اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ ہر ملاقات میں اس خواہش کا اظہار کرتے

کہ میں دورہ حدیث کے اسباق دارالعلوم حقانیہ میں پڑھوں ظاہر ہے میری ذات سے نہ ان کو کچھ فائدہ تھا نہ ان کے ادارے کو بلکہ میری دل داری اوردل جوئی مقصود تھی چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ''دارالعلوم آ کر مولانا فیض الرحمٰن کے دروس میں شرکت واستفادہ سے بڑی خوشی ہوئی میری خواہش ہے کہ آئندہ آپ مستقلاً تمام اسباق میں حقانیہ سے استفادہ کریں کہ پورے حقانی بن سکیں۔ سنا ہے ڈائری آپ نے حاصل کرلی تھی امید ہے آپ کے اعلیٰ علمی ذوق کی وجہ سے یہ منتشر خیالات بھی آپ کو پسند آئے ہوں گے کہ قدر شناسی ہر کسی کے بس میں نہیں اندازہ ہے کہ بہت جلد اسکے دوسرے ایڈیشن کی ضرورت پڑے گی اس لحاظ سے انڈکس کا اضافہ سونے پرسہاگہ ہوگا، ماشاء اللہ جوانی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر علمی اورادبی کاموں میں منہمک رہیں بارك الله في حياتكم وعلمكم

علمی ورثے کی حفاظت

مولانا شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے علمی تراث کی حفاظت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، ''مکتوبات مشاہیر'' اور''تفسیرات'' امام لاہوری رحمہ اللہ اس کی عمدہ مثالیں ہیں صوبہ خیبر پختونخوا میں جب سیلاب آیا تو مولانا شہیدؒ کے بقول سب سے پہلے مذکورہ علمی اثاثوں کومحفوظ مقام پر منتقل کیا گیا اس کے بعد اہل وعیال اور بیوی بچوں کی حفاظت کا خیال آیا اس سلسلہ کا ایک عجیب واقعہ والد ماجد سے سنا جس کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ قدس سرہ کے مرضِ وفات میں والد ماجد خدمت کے لئے ہسپتال میں انکے ساتھ تھے انہی ایام کا واقعہ ہے ایک دن حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے ڈاکٹروں کی خواہش پر ان کو وعظ فرمایا والد ماجد مولانا کی زیارت کے لئے اکوڑہ حاضر ہوئے گفتگو کے دوران مولانا شہیدؒ نے ایک فائل منگوائی والد ماجد کو شیخ الحدیث قدس اللہ سرہ کے مرضِ وفات کا حوالہ دیا فائل سے ایک وعظ نکالا اوروالد ماجد کوتھماتے ہوئے فرمایا یہ آپکی امانت ہے آپ کے سپرد کررہا ہوں والد صاحب فرماتے ہیں یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ چالیس سال پہلے کا حضرت شیخ الحدیثؒ کا وعظ میں نے ہسپتال میں ضبط کیا تھا آج میرے ہاتھ میں تھا۔

حضرت مولانا شہیدؒ کے محاسن اوران کے ساتھ وابستہ یادوں کی فہرست خاصی طویل ہے فی الحال اسی پر اکتفاء کرتا ہوں آخر میں اپنا ایک شعر حضرت مولانا شہیدؒ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو ان کے احسانات، شفقتوں اورعنایتوں کا تصور کر کے کبھی دل سے نکلا تھا۔

میں کہ غفلت کے بیاباں میں تھا کہ گم کردۂ راہ
سوئے منزل مجھے سرگرم سفر تو نے کیا

مولانا قاضی فتح الباری رستمی
ادارہ فتح العلوم نواں کلی رستم

ایک عہد ساز شخصیت

- ...... اسلام اور مسلمانانِ عالم کی فکرمندی سے سرشار
- ...... عظمتوں اور کارناموں سے لبریز زندگی
- ...... آپ کو حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کا جو ادراک حاصل تھا وہ شاید ہمارے علمی طبقہ میں بہت کم شخصیات کو حاصل ہوگا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ان شخصیات میں سے تھے جن کی آنکھوں نے مسلمانوں کی تعلیمی، سیاسی، علمی اور تمدنی انقلاب کے مناظر دیکھے تھے، وہ مجسم اخلاق اور شر وفساد سے طبعاً دور تھے، آپ تمول کے باوجود خاکسار، علم وفضل کے باوجود ملنسار تھے، آپ نے اکابرین امت دیوبند کی مجالس ومحافل سے خوب جھولی بھر بھر کر فیض حاصل کیا، آپ ملت اسلامیہ کا مشترکہ اثاثہ تھے، آپ کی زندگی اسلام اور مسلمانان عالم کی فکرمندی سے سرشار تھی۔

آج برصغیر پاک و ہند، افغانستان اور دنیائے اسلام کے ہر خطہ میں جہاں کہیں بھی اسلام کے تحفظ اور بقاء کی بات ہورہی ہے یا جہاں کہیں بھی علوم وفنون کی درسگاہیں قائم ہیں، ان تمام مساعی اور آبیاری میں اس عظیم شخصیت (مولانا سمیع الحقؒ) کے خوشہ چینوں کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے آپ کی زندگی عظمتوں اور کارناموں سے لبریز ہے، آپ نے ساری زندگی درس و تدریس، اشاعت اسلام اور قومی وملی خدمات میں گزاری، آپ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ آپ حقیقی معنوں میں ایک عہد ساز شخصیت تھے۔

اوصاف جمیلہ

آپ نے علماء وفضلاء کی ایسی جماعت تیار کی جو اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتی

ہیں، آپ ایک منجھے ہوئے مفسر اور محدث تھے۔ آپ کو حالات حاضرہ کے تقاضے کا جو ادراک حاصل تھا وہ شاید ہمارے علمی طبقہ میں بہت کم شخصیات کو حاصل ہو گا۔ آپ سے علمی اکتساب کرنے والے ذروں کو وقت نے آفتاب اور ستاروں کو مہتاب بنا دیا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نہ صرف منصب تدریس پر جلوہ افروز تھے بلکہ مدنی ذوق اپناتے ہوئے درس و تدریس، اہتمام و انصرام، عوامی محافل میں شرکت اور دکھ درد میں شریک اور حصہ دار ہوتے اور ساتھ ہی معاشرہ میں رواں سرگرمیوں پر اِن کی گہری نظر ہوتی۔ معاشرہ میں گھل مل کر رہنے کی وجہ سے دین کا جو حصہ یا جو خدمت ضروری تھی اس کے لئے کمر کس کے آگے عملی قدم رکھتے ہوئے بڑھتے رہتے تھے۔ آپ نے بے سروسامانی کے عالم میں کفریہ طاقت کو للکارا اور انجام تک پہنچایا، ملک کے اندر آئین سازی میں نہ صرف تجاویز کی حد تک کوشش کی بلکہ ایوان پہنچ کر عملی جدوجہد میں حصہ ڈال کر پاکستان کے آئین کو قرار داد مقاصد اور ملک کے نظریاتی شناخت کے مطابق ترتیب دینے میں آخر دم تک کوشش کرتے رہے۔

آج آپ کے ہزاروں شاگرد متنوع انقلابات میں صف اول کے سپاہی بنے ہوئے مصروف عمل ہے، آپ نہایت شفقت، محبت کرنے والے اور صبر و استقامت اور برداشت کا ایسا انداز کہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ آپ نہایت حلیم و بردبار اور احباب سے محبت کرنے والے تھے، آپ کی تحریرات نے علمی دنیا میں قوس قزح کے رنگ پیدا کئے، قلم و زبان کو کبھی کسی کی اہانت یا تضحیک کے لئے استعمال نہیں کیا۔

غیر ضروری گفتگو کو اپنی مجلسوں میں داخل نہیں ہونے دیتے، ہاں! علمی انداز میں مباحثہ حدود کے اندر کیا کرتے تھے، امت مسلمہ میں جو مقام آپ کو ملا وہ تاریخ میں جگمگا رہا ہے۔ آپ ان نابغہء روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کی مثال دنیا میں مشکل سے ملتی ہے، آپ ہمیشہ دلوں میں زندہ ہیں اور رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال درجے کی عالی ظرفی وسعت قلبی کی دولت سے مالا مال کر رکھا تھا اسلئے آپ اپنے چاہنے والوں کو ہاتھ سے پکڑ کر ساتھ ملائے رکھتے تھے۔

درس حدیث کی ایک جھلک

ایک دفعہ دارالعلوم حقانیہ میں سالانہ دستار بندی کی تقریب میں شرکت کا موقع ملا تقریب کے

آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنیؒ دعا کر رہے تھے، میں نے سٹیج پر مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو والد صاحب کی صحت یابی کی دعا کیلئے ایک رقعہ دیا، مولانا شہیدؒ نے وہ رقعہ ڈاکٹر شیر علی شاہ نوراللہ مرقدہٗ کو دیا تو انہوں نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ یا اللہ! ہمارے محترم دوست قاضی عبدالہادی رستمی کو صحت عطا فرما۔ بہت دفعہ ان کے دروس میں شرکت کا موقع ملا، خاص کر بخاری کی ''کتاب المغازی'' کے دروس میں شریک رہا، ان کے انداز تدریس میں تحقیق کے غلبے کے ساتھ ساتھ رجال کے نقد و جرح اور تعدیل پر بھی خوب گرفت تھی، تہہ در تہہ چھپے موتیوں کی تلاش ان کا بہترین فن تھا، احادیث مبارکہ میں طویل عرصہ درس و تدریس کی مناسبت سے رب العالمین نے آپ کو ایک علمی مقام دیا تھا دوسری طرف آپ اس حدیث کے واضح مصداق بھی رہے نضر اللّٰہ اِمراء سمِع مقالتيِ فوعا ھا و أدّ ھا كما حفِظها

اھل الحدیث طویل اعمارھم

و وجوھم بِدعا الرسولِ منضرا

آپ کی تدریسی، تنظیمی، علمی، تبلیغی، اصلاحی، سماجی وسیاسی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں بلکہ ذہن علمائے دیوبند کی خدمات کی طرف لوٹتا ہے، اس مقام پر ان اکابرین دیوبند کی مقبولیت کا اندازہ ان کے خوشہ چینوں اور فیض سے لگایا جا سکتا ہے، علمائے دیوبند کے صف اول کے اس عظیم جرنیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مقبولیت سے نوازا تھا۔ افسوس! کہ آج ایک علمی، دینی اور دعوتی خاندان کے فضل وکمال اور علمی جاہ وجلال کی ایک بڑی روشن یادگار بجھ گئی۔ ہمیں یہ تصور بالکل ہی نہ تھا کہ علم و فضل اور مدنی سیاست کا یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ ہم سے جلد بجھ جانے والا ہے۔

اصاغرنوازی

آپ نے اپنی نسبی اولاد کے علاوہ ہزاروں تلامذہ اور لاکھوں عقیدت مندوں کا وسیع سلسلہ چھوڑا ہے، مولانا شہیدؒ چونکہ میرے والد محترم کیساتھ بہت حد تک ہم شکل نظر آ رہے تھے، واسکٹ، پگڑی اور بعض حرکات والد صاحب کے مترادف تھے، اس لحاظ سے بھی ان سے عقیدت ومحبت بہت زیادہ تھی، ان کی جدائی کا خلا بہت مشکل سے پورا ہوگا، آپ ہر میدان میں صف اول کے علمائے کرام کے شانہ بشانہ بلکہ انکے سپہ سالار کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے تھے۔ بعض سیاسی، مذہبی شخصیات کا ان سے اختلاف اپنی جگہ لیکن ان سے عقیدت اوراحترام اورسلام ودعا میں انہیں سبقت حاصل رہتی۔

ایک دفعہ ہمارے گاؤں نواں کلی رستم کے قریب دارالعلوم درویشیہ گجرات میں ختم القرآن کی تقریب میں تشریف لائے، مجھے دارالعلوم کے سرپرست پیرزادہ عبدالرشید ایڈوکیٹ نے دعوت دی تھی، وہاں تقریب میں شرکت کی، بعد میں تقریب کے بعد ظہرانے کے موقع پر الگ ایک کمرے میں ملاقات ہوئی، اس ملاقات میں میرے ساتھ چھوٹا صاحبزادہ قاضی شریح (طالب علم سیکنڈ ائیر) بھی تھا۔مولانا مبارک احمد درانی (پلوڈھیری) بھی تھے۔مولانا سمیع الحق میرے بیٹے کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے پھر مجھ سے خیریت دریافت کی اور والدمحترم کے حوالے سے باہمی تبادلہ خیالات کیا انہوں میرے بیٹے سے گفتگو میں انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم سیکھنے کی بھی تلقین کی، اس موقع پر دارالعلوم درویشیہ کے مہتمم مولانا عبدالقہار نے کہا کہ قاضی فتح الباری رستمی اپنے بیٹوں کی صحیح پرورش کر رہے ہیں۔

اکثر اوقات اسلام آباد میں دینی تقریبات، سیرت کانفرنسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ محبت کا اظہار کرتے تھے،حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے جب بھی ملاقات ہوتی ایسا حسین جمیل شخص،غم گسار، اکابرین دیوبند کے امین،علم وقلم اور ادبی اقدار کے حامل کے ساتھ بیٹھ کر فراق گورکھپوری کا شعر یاد آتا......

تم مخاطب بھی ہو، قریب بھی ہو
تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی جدوجہد سے آج برصغیر پاک وہند میں دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ ملکی اور عالمی سطح پر کئی مدارس، ملی تحریکات کے ساتھ ساتھ مشاہیر اہل علم کے لئے ایک ماں کی حیثیت رکھتی ہے۔۱۹۴۷ء میں جب دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ والدمحترم قاضی عبدالہادی رستمی (شیخ القران) دارالعلوم سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی مسجد میں مولانا عبدالحقؒ سے حدیث پڑھتے رہے اور ان سے فیضیاب ہوتے رہے، اس کے علاوہ میرے چچا مولانا فضل ہادی بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ اور مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور وہ مولانا عبدالحقؒ کی بیماری کے دوران ہسپتال میں بڑی خدمت سرانجام دیتے رہے۔

شیخ الحدیث کا لقب

ایک دفعہ والد محترم نے نماز عصر کے بعد شمائل ترمذی کا درس دیتے ہوئے اچانک کہا کہ شیخ الحدیث کا لقب دو علماء مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور مولانا حسن جان شہیدؒ کے ساتھ صحیح جچتا ہے ۔ دوران درس اچانک والد صاحب کا ان علماء کے حوالے سے تعریفی کلمات زبان پر آنا عجیب معلوم ہوا ۔ بعد میں استفسار پر معلوم ہوا کہ بخاری میں مولانا حسن جانؒ اور شمائل ترمذی میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کمال کا درس دیتے تھے ۔ ان کے الفاظ سے معلوم ہوتا تھا کہ یا تو ان کے دروس میں والد صاحب شریک ہوئے یا ان کی تالیفات ، تصنیفات سے استفادہ کر چکے ہیں، میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی علمی ، تنظیمی ، تبلیغی ، اصلاحی ، دینی ، سیاسی اور ان کے ماہنامہ ''الحق'' دیگر جہادی خدمات کو شاندار الفاظ میں سراہتا ہوں ۔ آج ان کے شاگرد معتقدین ان کے مشن کی پاسداری میں سر بکف ، پیکر جرأت اور استقامت بنے ہوئے ہیں، آپ اپنی تقاریر میں باہمی اتحاد ، یگانگت کا درس اور اندرونی و بیرونی فتنوں کے مقابلے کیلئے سرگرم رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے ۔

آج آپ کی روحانی اولاد اسلام کا جھنڈا دل کی گہرائیوں سے اور عقیدت کے ساتھ تھامے ان کے مشن کی پاسداری کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں، مجھے ذاتی طور پر ان سے نیاز کی سعادت حاصل تھی ۔ جن کا ذکر میں نے پہلے بھی کیا، اسلام آباد میں جب بھی علمائے کرام کے حوالے سے میٹنگ یا اجلاس یا تقریب ہوتی تو مجھ ناچیز کو ضرور اطلاع دیتے اور میں شریک ہوتا کیونکہ میرا زیادہ تر وقت اسلام آباد میں گزرتا ۔ میں دارالعلوم حقانیہ کے اس گلستان کو تا قیامت سرسبز وشاداب دیکھنا چاہتا ہوں، آج یہ دارالعلوم شجر طوبیٰ بن کر اصلها ثابت و فرعها فی السماء کا عملی مصداق ہے ۔ آج اس دارالعلوم کے فاضل ہزاروں کی تعداد میں دنیا کے کونے کونے میں حضرت مولانا عبد الحقؒ اور مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے نام کو روشن کئے ہوئے ہیں ۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

جناب راشدعلی زئیؒ

یادگارِ اسلاف شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کے حضور میں

محترم جناب راشد علی زئی مرحوم، حضرو اٹک کے ممتاز علمی وادبی علی زئی خاندان کے چشم و چراغ تھے، آپ ممتاز ادیب، مصنف، صحافی، دانشور اور وسیع المطالعہ شخصیت تھے، آپ اٹک کی معروف لائبریری ''میرا کتب خانہ'' کے سرپرست تھے، مولانا شہیدؒ کے ساتھ آپ کا علمی ربط وتعلق تھا، زیرِنظر مضمون حضرت شہید رحمہ اللہ کے حین حیات میں لکھا گیا تھا (مدیر)

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک بلا شبہ دارالعلوم دیوبندِ ثانی ہے۔ میرا اس ادارہ سے تعلق اس وقت سے ہے، جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ میں نے شعور کی آنکھ کھولتے ہی دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ ''الحق'' کو اپنے گھر میں دیکھا۔ والد گرامی خواجہ محمد خان اسدؒ کا حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور قائد سیاستِ اسلامیہ مولانا سمیع الحق مدظلہٗ سے برادرانہ ومخلصانہ تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ والد گرامیؒ کی قائم کردہ عالمی شہرت یافتہ لائبریری ''میرا کتب خانہ'' میں ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک پہلے شمارے سے لے کر آج تک مکمل موجود ہے۔ اس کے علاوہ حضرات شیخین کی کئی دستخطی کتب بھی زینتِ کتب خانہ ہیں۔

آج سے کچھ عرصہ قبل چھچھ کے عظیم محدث شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین غورغشتویؒ سے متعلق میری کتاب ''پٹھانوں کے شاہ ولی اللہ'' شائع ہوئی تو میری درخواست پر اُس کی تقریبِ رونمائی کے سلسلہ میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ حضرو تشریف لائے اور شدید بخار کے باوجود ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ دیر تک کھڑے ہو کے خطاب فرمایا۔ اس وقت آپ کی خوشی اور جوش و جذبہ دیدنی تھا اور پتہ چلتا تھا کہ شیخِ غورغشتویؒ سے اُن کا کیا تعلق تھا۔ اب کی بار میں نے چھچھ کے ایک اور محدث شیخ الحدیث مولانا عبدالسلامؒ (بانی جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو) سے متعلق کوئی چار صد صفحات پر مشتمل کتاب تیار کر لی اور گذشتہ روز کتاب کی تقریظ کے لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس سفر میں جامعہ عربیہ اشاعت القرآن'' حضرو کے مہتمم مولانا محمد رضوان مدظلہٗ (ابنِ شیخ الحدیث مولانا محمد صابرؒ) اور میرے عزیز دوست مولانا مفتی محمد ادریس مدظلہٗ (جو اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں اور آج کل یو کے (برمنگھم) میں خطابت کے فرائض انجام دے

رہے ہیں) شریکِ سفر تھے ۔ دارالعلوم حقانیہ کے گیٹ پر ہماری گاڑی کو روکا گیا تو میں نے برادرِ مکرم راشد الحق مدیر ماہنامہ ''الحق'' سے فون پہ رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ یہاں موجود نہیں ہیں، اس کے باوجود انہوں نے گیٹ کیپر کو موبائل پر ہی ہدایات دیں اور وہ ہمیں سیدھا دفتر اہتمام لے گیا۔ وہاں مولانا عرفان الحق مدظلہٗ نے اپنے چند ہمراہیوں سمیت ہمارا استقبال کیا۔ اسی وقت انچارج دفتر نے فون کا ریسیور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ آپ کے لیے فون کال ہے، میں نے حیرانگی سے بات کی تو معلوم ہوا کہ دوسری طرف برادرِ مہربان راشد الحق ہیں ۔ انہوں نے دفتر اہتمام میں ہماری میزبانی سے متعلق تمام ہدایات دے دی تھیں ۔ انہوں نے اپنے عظیم والدِ گرامی حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ سے ملاقات کے متعلق بھی بتایا کہ وہ کچھ دیر تک دارالحدیث میں تشریف لانے والے ہیں ۔ ہماری دفترِ اہتمام میں برادرم مکرم مولانا عرفان الحق سے خوب گپ شپ رہی ۔ اُن کے نام سے بخوبی آگاہی تھی مگر ملاقات کا شرف آج پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ میں ماہنامہ ''الحق'' میں اُن کی مرتب کردہ مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کی ڈائری ایک عرصے سے بڑے شوق کے ساتھ پڑھتا آرہا ہوں، اس کے علاوہ ''الحق'' میں اُن کے مضامین بھی نظر سے گذرتے رہتے ہیں، وہ ماشاء اللہ قلم وقرطاس کے آدمی ہیں، اُن کی معیت میں وقت گذرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔

اسی دوران معلوم ہوا حضرت شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہٗ دارالحدیث تشریف لا چکے ہیں اور ایک گھنٹہ درس کے بعد فارغ ہوکر دفتر اہتمام میں جلوہ افروز ہوں گے ۔ پُر تکلف چائے سے فراغت کے بعد ہم نے برادرم عرفان الحق سے درسِ حدیث میں شامل ہونے کی درخواست کی تو انہوں نے بخوشی دارالحدیث تک ہماری رہنمائی فرمائی ۔ دارالحدیث کی وسیع وعریض اور شاندار عمارت دیکھ کر ہم تو حیران رہ گئے ۔ اڑھائی ہزار سے زاید طلبا سے کھچا کھچ بھرا ہوا دارالحدیث اپنی تنگی کی شکایت کررہا تھا۔ ہم نے طلبائے حدیث کے جوتوں میں جگہ اپنے لیے سعادت سمجھی ۔ مسندِ حدیث پہ بوڑھا شیر اپنی مادری زبان پشتو میں گرج رہا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے علوم ومعارف کا بحرِ بیکراں اپنی تندی وطغیانی کے ساتھ رواں دواں ہے ۔ مہمانانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ومیزبانی کا یہ شرف ہر کسی کے نصیب کی بات نہیں ہے ۔ ایک بجے ظہر کی اذان کے ساتھ ہی علوم ومعارف کا یہ باب بند ہوا۔ ہم نے آگے بڑھ کر حضرتؒ سے ہاتھ ملایا۔ تعارف کروانے پہ انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور یوں محسوس ہوا کہ جیسے میری روح تک سکون بھر گیا ہو ۔ حضرتؒ نے ہم سے انتظار کی معذرت کی تو ہم نے خود کو شرمندگی کے گڑھے میں گرتا محسوس کیا ۔ مجھے اس وقت آپ کی جواں مردی اور بلند ہمتی کا شدت سے احساس ہوا جب دارالحدیث کی سیڑھیاں اترتے ہوئے طلبا نے آپ کو سہارا

دینے کی کوشش کی تو آپ بڑی پھرتی سے سیڑھیاں اُترنے لگے۔ آپ کے اردگرد طلبا اور ملاقاتیوں کا ہجوم تھا۔ اس ہجومِ عاشقاں میں چلتے چلتے نوتعمیر جامع مسجد ''شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ'' کے عقب میں پہنچے تو مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''علی زئی صاحب یہ مسجد دیکھیں ناں! دعا کریں کہ میں اسے اپنی زندگی میں مکمل ہوتا دیکھ لُوں۔'' میں نے عرض کی کہ ان شاء اللہ ضرور ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد مسجد کے نقشے اور دوسری تفصیلات سے آگاہ فرمانے لگے۔ اسی دوران فرمایا کہ: ''آئیں آپ کو جتنا کام ہو چکا ہے وہ بھی دکھاؤں اور ظہر کی نماز بھی پڑھ لیں۔ ہم سیڑھیاں اُتر کے مسجد کے نوتعمیر بیسمنٹ میں آ گئے۔ مسجد کو دیکھ کر حیرانی ہوئی اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ ایک شخص کیا کیا جادو جگا رہا ہے۔ اس عمر میں اندرون و بیرون ملک دورے، جلسے، جلوس، سیاست، صحافت، تدریس، مدرسہ کا اہتمام، ہزاروں صفحات پر مشتمل بھاری بھرکم تصنیفات و تالیفات، تعمیرات اور نہ جانے کون کون سے بے تحاشا مسائل یہ ایک شخص کس طرح انجام دے رہا ہے۔

نماز ظہر سے فراغت کے بعد ہم آپ کی معیت میں دفتر اہتمام آ گئے۔ یہاں حضرت نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا۔ دفتر اہتمام میں چند مہمانوں کے علاوہ پہلی دفعہ ''الحق'' کے کمپوزر محترم بابر حنیف سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نے محترم محمد اسرار ابن مدنی سے تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرے قلمی معاون بھی ہیں۔ یہاں برادرم راشد الحق کی کمی شدت سے محسوس ہوئی مگر وہ کسی تقریب میں شرکت کیلئے پشاور گئے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے ہم سفر ساتھیوں مولانا محمد رضوان اور مولانا مفتی محمد ادریس کا تعارف کروایا تو حضرت نے بے ساختہ خوشی کے ساتھ فرمایا کہ: ''شیخ الحدیث مولانا محمد صابر رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام رحمہ اللہ ہمارے بھائیوں کی مانند تھے اور میں انہیں حضرات شیخین کہہ کر پکارا کرتا تھا۔'' میں نے عرض کیا ''حضرت! مدرسہ اشاعت القرآن حضرو میں آپ کی تشنگی محسوس کی جاتی ہے'' تو فرمانے لگے کہ: ''یہ مدرسہ میرا اپنا مدرسہ ہے، مجھے جب یاد کریں گے میں آ جاؤں گا۔'' اسی دوران مولانا قاری سعید الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر چھڑ گیا تو میں نے عرض کیا حضرت! قاری سعید الرحمٰنؒ کے حوالے سے آپ کے قلم سے کوئی تحریر سامنے نہیں آئی تو فرمایا کہ: ''بعض حادثے یا رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے حوالے سے کچھ لکھنا ممکن ہی نہیں ہوتا ہے، جیسے میں آج تک اپنے والد ماجد یا والدہ مرحومہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھ پایا ہوں، کچھ ایسی ہی صورت قاری سعید الرحمٰنؒ کے حوالے سے بھی ہے۔ ان کے ساتھ میری رفاقت بچپن سے آخری دِم تک رہی ہے'' انہوں نے قاری سعید الرحمٰنؒ کے صاحبزادے قاری عتیق الرحمٰن کے بارے میں فرمایا

کہ: ''سیاست میں کیا رکھا ہے۔ انہیں اپنے آپ کو اس طرح ضائع کرنے کے بجائے اپنے مدرسہ کی طرف بھرپور توجہ دینی چاہئے۔'' اس دوران عالمی حالات و واقعات سے لے کر ملکی سیاست تک زیرِ بحث رہی۔ ملکی حالات کے حوالے سے فرمایا کہ: ''اِس وقت ہم جس ظلم و جبر کے دور سے گذر رہے ہیں، ایسے حالات تو علماء بے زار اور سیکولر ذہن کے مالک ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں بھی پیش نہیں آئے تھے۔'' ملکی سیاست پہ تبصرہ کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن مدظلہٗ کا بھی ذکرِ خیر ہوا اسی طرح مختلف دلچسپی کے باہمی امور پر بات چیت ہوتی رہی، ساتھ ساتھ وہ دوسرے مہمانوں سے بھی گفتگو فرماتے رہے۔ ڈاک اور دوسرے دفتری امور بھی نمٹاتے رہے۔ چند لوگ ایران سے ملنے آئے ہوئے تھے انہوں نے رخصت لی تو میں نے شیخ الحدیث مولانا عبدالسلامؒ سے متعلق اپنی کتاب کا مسودہ پیش کرتے ہوئے اس پر مقدمہ لکھنے کی درخواست کی تو بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور بڑی دلچسپی کے ساتھ مسودہ دیکھنے لگے اور ساتھ ساتھ میری حوصلہ افزائی کے جملے بھی فرماتے رہے۔ انہوں نے چند روز تک مقدمہ لکھ دینے کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ: ''اس سے پہلے تم نے شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین غورغشتویؒ سے متعلق کتاب ''پٹھانوں کے شاہ ولی اللہ'' لکھ کر ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔'' اس موقع پر مولانا عرفان الحق نے یاد دلایا کہ اس کتاب کی تقریب رونمائی میں حضرت حضرو تشریف لے گئے تھے اور وہاں جو تقریر کی تھی وہ تم نقل کر کے بھیج دو کہ ''خطباتِ مشاہیر'' میں شامل ہو جائے۔ اس پر حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں ''خطباتِ مشاہیر'' کا سیٹ ملا ہے کہ نہیں؟ میں نے نفی میں سر ہلایا تو فوراً ''خطباتِ مشاہیر'' کا دس جلدوں پر مشتمل سیٹ منگوا کے اپنے دستخطوں کے ساتھ مجھے ''میرا کتب خانہ'' کے لیے عنایت کیا۔ اس کے ساتھ ہی ''مکاتیب مشاہیر'' کا پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ: ''وہ مکمل سیٹ لائبریری میں موجود ہے اور میں نے اس پہ تبصرہ بھی لکھا تھا تو فرمایا کہ خطبات پہ بھی لکھنا۔ ساتھ ہی فرمانے لگے کہ: ''اس دور میں کتاب چھاپنا بھی بہت مشکل کام ہے کہ لاکھوں اشاعت و طباعت پر اُٹھ جاتے ہیں اور پھر ہر شخص مفت کا طلب گار ہوتا ہے۔'' اس موقع پر کتاب کی طباعت و اشاعت کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ اسی دوران گفتگو کا رُخ مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہؒ کی طرف مُڑ گیا تو فرمانے لگے کہ: ''وہ میرا بازو ہی نہیں، میرے دست و بازو تھے۔'' اُن کا جنازہ بہت بڑا تھا فرمایا ''افغانستان سے صرف پچیس ہزار لوگ باقاعدہ اجازت لے کر آئے تھے، اس کے علاوہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ جنازہ کہاں ہے اور صفیں کہاں ہیں؟ جنازہ سے کہیں آگے بھی لوگ صفیں بنائے ہوئے تھے۔'' ڈاکٹر شیر علی شاہؒ کا تذکرہ دیر تک رہا، میں نے عرض کیا کہ میری کتاب

''پٹھانوں کے شاہ ولی اللہؒ'' کا مقدمہ ڈاکٹر صاحبؒ نے لکھا تھا اور اب چھچھ کے غورغشتوی ثانی شیخ الحدیث مولانا عبدالسلامؒ (بانی: جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو) سے متعلق میری مرتبہ کتاب پر آپ نے مقدمہ لکھنا ہے۔ یہ سُن کر خوشی کا اظہار فرمایا اور میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا ''یہ بڑا اہم کام ہے اور شیخ الحدیث مولانا عبدالسلامؒ کے حوالے سے تم نے بڑا کام کیا ہے۔ ساتھ ہی شیخ الحدیث مولانا محمد صابرؒ کے بارے میں فرمایا کہ اُن کے حوالے سے بھی کام ہونا چاہئے کہ مولانا محمد صابرؒ اور مولانا عبدالسلامؒ یک جان دو قالب تھے۔''

اس دوران شیخ الحدیث مولانا عبدالسلامؒ سے متعلق میری مرتبہ کتاب کے مسودہ کی بڑے انہاک اور دلچسپی کے ساتھ ورق گردانی کرتے رہے اور بھرپور مقدمہ لکھنے کا وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد دیر تک شیخین کا تذکرہ رہا۔ اسی دوران برادرم عرفان الحق نے بتایا کہ کھانا تیار ہے تو حضرت نے ہمیں کھانے کا اصرار کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''مدرسہ کا کیا کھانا ہوگا، بس ماحضر!'' ہم جب کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے تو انتہائی پُرتکلف کھانا دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ حضرت! اگر یہ ماحضر ہے تو پُرتکلف کھانا کیا ہوگا؟ تو مسکرا کے فرمانے لگے'' تم کبھی وقت نکال کے آؤ تو تمہیں پُرتکلف کھانا بھی کھلایا جا سکتا ہے۔'' اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے عزیز عمران خان کی کتاب ''وادیٔ چھچھ کے جلیل القدر علمی خانوادے'' جو اُسی روز چھپ کر آئی تھی پیش کی تو بے حد خوشی کا اظہار فرمایا اور اسی وقت مجھے عمران خان سے بات کروانے کو فرمایا اور فون پر ہی عمران خان کو کتاب کی اشاعت کی مبارکباد دی۔ بزرگوں کا خوردوں پر شفقت و محبت کا یہ انداز دیکھ کے میں حیران ہوا کہ ابھی بھی کچھ لوگ باقی ہیں اگلے زمانے والے۔ میں نے عرض کیا حضرت! چھچھ کے بے شمار علمائے کرام ''دارالعلوم حقانیہ'' کے فارغ التحصیل ہیں اور میں نے کچھ دیر پہلے دارالحدیث کے باہر فارغ التحصیل طلبا کی فہرستوں میں کئی نام پہلی دفعہ دیکھے ہیں، جن کا تعلق چھچھ سے ہے تو فرمانے لگے کہ: ''میں تمہیں سارے نام لکھوا کر بھجوا دوں گا۔ تم ماہنامہ ''الحق'' کیلئے ایک سلسلۂ مضامین ''چھچھ کے حقانی علماء'' کے نام سے لکھنا شروع کرو'' میں نے اس موضوع اور عنوان سے لکھنے کا وعدہ کیا اور اس کے ساتھ ہی حضرت کی دعاؤں کے ساتھ رخصت لے کر واپسی کا سفر شروع کیا اور راستے بھر سوچتا رہا کہ پاکستان میں کئی قدآور دینی مدارس موجود ہیں، مگر حقانیہ کی شان سب سے نرالی اور منفرد ہے۔ اس انفرادیت کی وجہ مجھے اس ملاقات میں حضرت کی شفقت و محبت دیکھ کر اچھی طرح سمجھ آ گئی اور اس خلوص و محبت اور عنایت و شفقت کا گھر واپسی تک ایک عجیب سُرور اور کیف رہا اور اس ملاقات کو آج کئی دن گذرنے کے باوجود بھی دل و دماغ اُسی خوشی سے سرشار ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم حضرت کو عمرِ خضری عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا شوکت علی حقانی
خادم مطبخ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا شہیدؒ چند مشاہدات وتأثرات

مولانا شوکت علی حقانی صاحب ، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ہیں ،حضرت شیخ شہیدؒ اور دارالعلوم حقانیہ سے جنون کی حد تک عشق ہے ، مادرعلمی اور حضرت شیخ شہیدؒ کی خدمت میں پیش پیش رہے ، اب بھی دارالعلوم حقانیہ کے مطبخ کا نظام سنبھالا ہوا ہے، دارالعلوم میں تحتانی درجات کے طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں ،ذیل میں ان کے حضرت شیخ شہیدؒ سے متعلق مفصل مضمون کا خلاصہ نذرِ قارئین ہے......(ادارہ)

اپنے لہو سے سینے کی لوح پر
اک تعلیم انقلاب پڑھا کر چلے گئے

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے رب ذوالجلال سے کئی بار شہادت طلب کی تھی وہی دعائیں بارگاہِ الٰہی میں آخر کار قبول ہوئیں اور ایسی سند شہادت حاصل کی جس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے کہ حسنِ اتفاق سے شیخ شہید رحمہ اللہ کی شہادت بھی شہادت حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مماثل ومشابہ ہے جو کہ درج ذیل ہے :

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت بروز جمعہ ہوئی اور شیخ شہید رحمہ اللہ کو بھی جمعہ کے دن شہادت نصیب ہوئی۔

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت دن کے آخری حصے میں ہوئی اور شیخ شہید رحمہ اللہ کی شہادت بھی دن کے آخری حصے میں (بوقت مغرب) ہوئی۔

☆ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس آئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے ہوئے شہید کردیا جبکہ شیخ شہید رحمہ اللہ کے گھر میں بھی قاتلین اور خونخوار بھیڑیئے داخل ہوئے اور اسی طرح گھر میں آپ کو شہید کردیا۔

☆ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو درندہ صفت قاتلوں نے خنجر سے وار کرکے شہید

کیا اور شیخ شہید کو بھی سفاک درندوں نے خنجر وچھریوں سے وار کر کے شہید کیا۔

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بڑھاپے میں شہید کیا گیا اور شیخ شہیدؒ کو بھی آخری عمر (۸۲سال) میں شہید کیا گیا۔

مذکورہ اعلیٰ مقام شہادت ومماثلت سے یقیناً شیخ شہیدؒ کے تلامذہ، محبّین، معتقدین اورامت مسلمہ کے عام وخاص سب کو دلی تسلی وتشفی ہے لیکن حضرت کا غم جدائی اور انداز شہادت بار بار دل و دماغ وحواس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور راقم سے زندگی بھر کے سارے غم بُھلا دیئے ہیں۔

جامع الصفات شخصیت

شیخ شہید رحمہ اللہ کے سایۂ عاطفت میں راقم نے تقریباً دس بہاریں گزاریں، سفاک قاتلوں نے حضرت کو شہید کر کے ہزاروں بلبلانِ چمن کو خون کے آنسو رلا کر ایک چٹیل میدان پر چھوڑ دیا۔

بلبل کو جس پے ناز تھا وہ گلستاں نہیں اب
جو حسن انجمن تھے وہ یاراں نہیں اب

شیخ شہید رحمہ اللہ کی ذات ایک خوشگوار انجمن تھی جس سے ہر روز ارباب علم وفن، ادباء، صلحاء، مجاہدین اسلام، صوفیائے کرام، سیاسی زعماء، علماء اور فضلائے دین کے علاوہ خاص وعام مستفید ہوتے تھے، آپ رحمہ اللہ کی حیاتِ طیبہ کو جس پہلو سے بھی دیکھیں یعنی عام نجی ومعاشرتی زندگی سے لیکر تدریسی، تصنیفی، علمی، سیاسی، جہادی سرگرمیوں تک وہ ایک جامع الصفات ادارے سے کم نہ تھے۔آپؒ اگر تدریسی میدان میں ذہین وفہیم شیخ الحدیث تھے تو تصنیفی میدان میں باکمال مصنف ومؤلف تھے، آپؒ ایک طرف سیاسی زعماء کی صف میں سمجھدار وہوشیار سیاستدان ورہنما تھے تو دوسری طرف علمی میدان میں ایک ہونہار یگانۂ روزگار، مدبر اور قابل ترین شہسوارِ علم بھی تھے۔آپؒ اگر ایک پہلو سے نرم وخوش مزاج، شفقت ومحبت اوراعلیٰ سیرت واخلاق کے مالک رُحماء بینهم کے صحیح مصداق تھے تو دوسرے پہلو پر عالم کفر کیلئے میدان جہاد میں ''طالبان کے باپ'' سے ملقب ایک تلوارِ بے نیام بن کر أشداء علی الکفار بھی تھے۔آپ شہیدؒ نے افغان، روس جہاد سے لیکر تادمِ حیات امارت اسلامی افغانستان کے لئے بے پناہ قربانیاں دے کر ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا اور شیطانی قوتوں کو خس وخاشاک کر کے عبرت آموز شکست دی، جس کی زندہ مثال امریکہ کی افغانستان میں حالیہ شکست آپ سب کے سامنے ہے۔

شیخ شہیدؒ کی ذات مبارکہ ایک درسگاہ

شیخ شہید رحمہ اللہ دارالعلوم کی چاردیواری میں طلبائے کرام کو درس وتدریس کی شکل میں قرآن وحدیث، دینی وسیاسی، معاشی اورمعاشرتی، تاریخی وجغرافیائی تعلیم سے آراستہ فرماتے جبکہ دارالعلوم کے باہر ماحول میں علاقائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پرعوام الناس کو وعظ ونصیحت اورتقریر وخطاب کی صورت میں ان کو ایک صحیح رخ ومنہج دکھا کر جذبہ اسلام اورحب الوطنی ان کے دلوں میں اجاگر فرماتے۔

ایک باریک بین انسان

مولانا شہیدؒایک دقیق النظر اور باریک بین انسان تھے، ہرکام میں سوچ اورتدبر کو مدنظر رکھتے اور ہر موضوع ومسئلے کا ماقبل ومابعد دیکھ کر فیصلہ کرتے حتیٰ کہ ملکی اور بین الاقوامی مسائل میں تو کیا ایک معمولی تحریر، مضمون یا کتاب عمیق نظر سے اوراکثر بالاستیعاب دیکھ کرفوراً آپ کی نگاہ غلطی پر پڑتی، جب کبھی ہم ساتھیوں میں سے کوئی تحریری وتصنیفی کام آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرتا تو آپ کام کو دیکھتے ہی مسکراہٹ والے انداز میں اس ساتھی کوفرماتے کہ میری نظر قدرتی طور پرغلطی پر پڑ جاتی ہے۔

ایک حکیم انسان

شیخ شہید رحمہ اللہ ایک صاحب بصیرت اورحکمت والے انسان تھے جو کام کسی سے کروانا چاہتے تو ایک عجیب خوش طبعی کا طریقہ اختیار کرکے اس بندے کی حوصلہ افزائی فرماتے، آپؒ کے ہر کام میں ایک اصول، اسلوب اورسلیقہ مندی رچی بسی تھی، معمولی یازیادہ کام کسی سے کروانے میں ان کی دلجوئی فرماتے۔آپؒ کی مجلس میں جب کسی ایک موضوع پر بات ہوتی تو شیخ شہیدؒ بس اسی موضوع پرگفتار کرکے دوسروں کوبھی اسی طرف متوجہ فرماتے، پھرکبھی کبھار مجلس میں مزاح کے رنگ بکھیرتے۔

کچھ یادیں

راقم کی جامعہ سے فراغت ۲۰۱۱ء کے فوراً بعد حضرت شیخ شہیدؒ سے مادرعلمی میں حسبِ استطاعت کوئی ایک خدمت کی خواہش کی، جس کو آپ نے عملی جامہ پہنایا اورراقم کو ''مکتوبات مشاہیر'' کے اصل خطوط کو فائلوں میں محفوظ کرنے کی خدمت پر مامور کرکے خود بدست مبارک پانچ ہزار روپے راقم کو دیئے، میں نے کہا جی! میں تنخواہ کے عوض خدمت نہیں کرتا، آپؒ نے فرمایا بچے! یہ تو آپ کا کرایہ ہے

آہ! راتوں رات شیخ شہید رحمہ اللہ کے ذاتی کتب خانہ اور حجرے میں کتابیں مرتب کرنے کی وہ ساعتیں راقم کیسے بھول سکتا ہے جب آپؒ راقم کی جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ دور کرنے اور شفقت برتنے کی خاطر دل بستگی اور خوش طبعی کرتے، آپؒ کے پُر لطف کلمات کی گونج اب بھی کانوں میں ہے، کبھی کبھار وہ شام اور عشاء کے بعد برادرم مولانا محمد اسلام حقانی اور دیگر ساتھیوں کی آپؒ کے ذاتی کمرہ اور مہمان خانے میں وہ علمی وادبی محفلیں یقیناً اب ایک خواب سی معلوم ہوتی ہیں۔

قلم وتحریر سے محبت

قلم وقرطاس، خط وکتابت سے شوق وذوق کی وہ تاریخی یاد جب آپؒ نے رمضان المبارک میں شدید گرمی وتپش کی حالت میں راقم کو''رائے بک'' تلاش کرنے کی غرض سے بھیجا، بندہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جب''الحق'' دفتر کے اوپر پرانے مکان کے طاقچوں اور بوریوں میں رائے بک تلاش کرنے لگا تو اتفاقاً وہاں قدیم خطوط مل گئے، بندہ نے فوراً آکر شہید رحمہ اللہ کو مطلع کرکے وہ خطوط دکھائے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ پھر بعد از نماز جمعہ آپ بنفس نفیس خود اس گھر میں اوپر تشریف لائے اور ایک ایک خط تلاش کرنے لگے، آپ شہیدؒ نے بوسیدہ نسخوں کو خاک کے ذرات سے چن چن کر نکالا اور انہیں''مکاتیب مشاہیر'' کا حصہ بنایا۔

حسن خاتمہ

۳۰ ر اکتوبر ۲۰۱۸ء کو بعد نماز ظہر جب شیخ شہید رحمہ اللہ آسیہ ملعونہ کی رہائی اور موجودہ کٹھ پتلی حکومت کی بےحسی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور مادر علمی سے تحریک کا آغاز کرکے دارالعلوم کے سامنے سڑک کے کنارے علمائے کرام، فضلاء، طلبہ اور عوام الناس کے جم غفیر سے ولولہ انگیز اور ایمان افروز خطاب فرمایا حتیٰ کہ جمہوریت سے براءت اور خلافت کی تائید میں اعلان کرکے سب کے دلوں میں ختم نبوت کے عزم نو کی ایک نئی روح پھونک دیا اور اگلے دن حکمرانوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑا اور ۲ رنومبر جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا زخمی دل وجان پیش کیا۔

جان دے دی، دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ڈاکٹر عبدالستار آزاد
سابق رفیق ''القاسم'' اکیڈمی

شہنشاہِ علم وقلم سے آخری ملاقات

یکم اکتوبر ۲۰۱۸ء رات کے ۹ بجے ہمارے کرم فرما، محبوب اور مشفق، پختونخوا کے'' ابنِ بطوطہ'' (جب بھی اُن سے رابطہ ہوتا ہے تو حضرت اکثر سفر پر ہوتے ہیں ،اس لئے میں اُن کو'' ابن بطوطہ'' کہتا ہوں) مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی کال آئی کہ کل ۲ بجے دوپہر مولانا سمیع الحق صاحب کی ملاقات کیلئے جامعہ حقانیہ جانا ہے، قلم اور کاغذ ساتھ لے کر ۲ بجے جامعہ ابو ہریرہؓ پہنچ جایئے۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل! ......

تم جسے یاد کرو پھر اُسے کیا یاد رہے
نہ خدائی کی ہو پرواہ، نہ کوئی یاد رہے

میں وقتِ مقررہ پر جامعہ ابو ہریرہؓ پہنچ گیا اور ٹھیک دو بجے مولانا حقانی صاحب گھر سے باہر تشریف لائے، میں نے اُن کو ہمیشہ وقت کا پابند پایا اور شاید یہ ان کی ترقی کا واحد راز ہے، اُن کا اکثر وقت سفر میں گزرتا ہے لیکن وہ اِس وقت کو بھی مفید اور کارآمد بنادیتے ہیں، میں نے اُن کو گاڑی میں خطوط کے جوابات دیتے دیکھا ہے، وہ نہایت ذکی اور بذلہ سنج انسان ہیں، فیاضی اور مہمان نوازی میں حاتم سے'' کچھ کم'' نہیں؟ ایک ماہر عالمِ دین اور اردو کے بہت اچھے ادیب ہیں، نوشہرہ میں جو چند'' باکمال شخصیات'' رہتی ہیں اُن میں سے ایک آپ بھی ہیں، مولانا عبدالحق مرحوم کے روحانی بیٹے ہیں، اُن کی ایک آنکھ میں'' میکدۂ حافظ'' اور دوسری میں'' میخانہء خیام'' ہے، وہ ہر ایک سے بڑی تواضع سے یوں پیش آتے ہیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

ہم پانچ افراد (حضرت حقانی صاحب، مولانا گل رحمٰن، '' کراماً کاتبین'' مولانا لعل محمد جنہیں مولانا سمیع الحق صاحب اسی نام سے یاد کرتے ہیں، اور بندہ عاجز) گاڑی میں بیٹھ کر اکوڑہ خٹک کی طرف روانہ ہوئے۔ گویا منظر کچھ یوں تھا کہ بقول شاعر............

ہیں بیچ میں وہ جلوہ گر، میں ہوں اِدھر اور غیر اُدھر
یک بت ہے اور دو برہمن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

راستے میں حقانی صاحب نے اپنے ایک شاگرد کو بھی گاڑی میں بٹھایا جو شاید چھٹی لے کر گھر جا رہا تھا، اگر چہ گاڑی میں اس کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی لیکن حقانی صاحب کے دردمند اور ہمدرد دل نے اسے برداشت نہیں کیا کہ اُن کا کوئی شاگرد تکلیف میں ہو، کیونکہ وہ تمام خوبیاں جو ایک مثالی استاد میں ہونی چاہئیں، مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب میں موجود ہیں۔ شاگرد سے محبت اور شفقت سے پیش آنا اور اُس کی مشکلات، خواہ وہ کسی نوعیت کی ہوں، اُن کو سمجھنا اور اُن کو دور کرنا یا مناسب مشورہ دینا، اس کے ساتھ تعلیمی موضوعات پر بحث کرنا، اُس کے بار بار سوال کرنے پر ناراض نہ ہونا وغیرہ۔ یہ سب خوبیاں مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

میرے خیال میں میں صرف یہی فرق ہے ایک عصری اور دینی ادارے کے استاد کا۔ اس لئے عصری اداروں میں استاد اور شاگرد کے درمیان خلیج روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے جس سے ان اداروں کو کافی مشکلات درپیش ہورہی ہیں جو محبت والدین کو اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے یا بڑے بھائی کو اپنے چھوٹے بھائی سے، ویسی ہی محبت استاد کو اپنے شاگردوں سے ہونی چاہئے۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ صرف کلاس روم تک ہی یا اس مدّت تک جب کہ شاگرد زیرِ تعلیم ہوتا ہے محدود نہیں رہتا بلکہ یہ رشتہ تا حیات قائم رہتا ہے۔ استاد ہمیشہ استاد رہتا ہے اور اس کا شاگرد اسے ہمیشہ اپنا استاد سمجھتا ہے اور اسی طرح اسی کا احترام کرتا ہے۔

آج کل استاد اور شاگرد کے تعلقات وہ نہیں رہے جو پچھلے زمانے میں ہوا کرتے تھے، اِس کی وجہ شاید اُن اساتذہ کی اخلاقی بلندی اور تبحرِ علمی تھا جو کہ آج کے دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے نایاب اگر نہیں تو کمیاب ضرور ہوگئے ہیں۔ فالی اللّٰہ المشتکی ۔

ہم ڈھائی بجے، اکوڑہ خٹک میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے قائم کردہ دارالعلوم حقانیہ (جو ''دیوبندِ ثانی'' کے نام سے مشہور ہے) پہنچ گئے۔ ہم سیدھے دفترِ جامعہ گئے جہاں پر مولانا سمیع الحق صاحبؒ تشریف فرما تھے اور اپنے کام میں مگن تھے، اُنہیں لکھنے، پڑھنے اور اضیاف کے ساتھ گفتگو میں مصروف پایا۔ بقول شاعر......

غیروں کا مجمع اور تم، پریوں کا جھمگٹ اور ہم
پہلو بہ پہلو انجمن، ایک اِس طرف ایک اُس طرف

میرے ذہن میں مولانا سمیع الحق صاحب کی ایک عجیب تصویر تھی کیونکہ میں نے اس سے پہلے اُن کو قریب سے کبھی نہیں دیکھا تھا، صرف ان کے بارے میں پڑھا اور اُن کے شاگردوں سے سُنا تھا اور اُن کی تحریروں کے آئینے میں ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ میرے ذہن میں مولانا کی جو تصویر تھی اس کا میں نے انہیں برعکس پایا کیونکہ میرے تصورات کے مولانا اور اِس سامنے موجود مولانا میں کوئی مشابہت نہیں تھی ....

قریب آؤ تو شاید یہ سمجھ میں آ جائے
کہ فاصلے تو غلط فہمیاں بڑھاتے ہیں

جبہ میں ملبوس، بلند قامت، بھری ڈاڑھی، آنکھوں میں ذہانت کی چمک، گندمی چہرہ، خاموشی میں پہاڑ کا سا سکوت اور گفتگو میں دریا کی سی روانی ہے، سنجیدگی اُن کے چہرے سے ٹپک رہی ہے، چھوٹوں کے ساتھ چھوٹا اور بڑوں کے ساتھ بڑا، اُن کا خاص وصف ہے۔ عام لوگوں سے ملنا وہ تقدس کے دامن پر دھبہ نہیں سمجھتے۔

وہ اپنی قومی، علمی اور ادبی خدمات کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر قابلِ رشک شہرت کے مالک ہیں اور اسی وجہ سے ہر ایک اُن سے عقیدت و احترام کے ساتھ پیش آتا ہے اور اِس کو اپنی نجات کا موجب سمجھتے ہیں، وہ اکوڑہ خٹک کے ایک بین الاقوامی شہرت کے حامل ''جامعہ حقانیہ'' (جو برّصغیر میں ''دیوبندِ ثانی'' کے نام سے جانا جاتا ہے) میں گلشنِ علومِ نبوت اور اس کے نونہال پھول طلبائے کرام کی دینی آب یاری کرنے میں شب و روز مصروف رہتے ہیں اور اِس عمل میں وہ ارتقائی مراحل سے گزر کر ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر گئے ہیں، اُن کا دل طلباء کے لئے استاذانہ رہنمائی اور پدرانہ شفقت کے جذبات سے سرشار ہے، وہ اپنی نجی اور عملی زندگی میں انتہائی پُرعزم اور باہمت نظر آتے ہیں، اب بھی ''اسّی سال کے جوان'' لگ رہے ہیں اور اِس عمر میں بھی کھنڈرات سے عمارت کی عظمت اور شان کا پتہ چلتا ہے، وہ ایک اچھے ادیب ہیں اور علمی و ادبی حلقوں سے اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں، اُن کی تحریر میں حسن، سادگی اور دل آویزی ہیں، جدتِ فکر

اور جودتِ طبع سے وہ اپنی تحریر میں جان ڈال دینے کا ہنر اور گُر بطریقِ احسن جانتے ہیں، اُن کی ذہانت کی چنگاری اُن کی تحریر میں تب و تاب پیدا کرتی ہیں، سلاست، روانی اور سادگی اُن کی تحریر کو دوسروں سے ممتاز بنادیتی ہیں، اُن کا مطالعہ و مشاہدہ وسیع ہے، وہ اِس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ علم کو محض کسی کتاب سے منتقل ہونا نہیں ہوتا بلکہ علم کی حدود کو وسعت دی جاتی ہے، وہ ملکی تعمیر و ترقی اور معاشرہ میں اسلامی رجحانات کی ترویج کے خواہاں ہیں، اُن کی ذات واجب التعظیم ہے، اُن کی تمام تر خدمات قابلِ تحسین ہیں اور اُن کی تعلیمات قابلِ تقلید ہیں، وہ مذہب کو زندگی کے کسی شعبہ سے علیحدہ نہیں سمجھتے۔ اُن کی شخصیت بہت دلکش اور جاذبِ نظر ہے، ان کی فکروفہم، انداز و اطوار سے محبت، اخوت، اپنائیت، چاہت اور جذبہ حب الوطنی پھوٹتے ہیں، وہ علوم وفنون، فکر وفلسفہ، تاریخ، سیاسیات، شعر و ادب، درس و تدریس کے میدانوں کے شہسوار ہیں۔ ان کی خداداد سلامتِ فکر، استقامت اور گہرا علم ونظر زندگی کی ہر منزل اور موڑ پر ہمارا دستگیر رہے گا، وہ قومی تشخص، تہذیبی و ثقافتی کشمکش، سیاسی اور معاشی محاذوں پر اپنی مخصوص رائے رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دین وفکر اور عمل کی بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے، وہ بیک وقت مذہب، دعوت و اصلاحِ امت، تصنیف و تالیف، صحافت اور سیاست کے بے شمار میدانوں میں قدم رکھنے والے انسان ہیں، ہر دلعزیزی کے باوجود غرور اور تکبر سے پاک ہیں، وہ عربی، فارسی، پشتو اور اردو پر مہارتِ تامّہ رکھتے ہیں، وہ اسلامی صحافت کے ترجمان جریدہ ماہنامہ ''الحق'' کے مدیرِمسؤل بھی ہیں۔

اُن کی معرکۃ الآرا کتابیں ''خطباتِ مشاہیر'' اور ''مکتوباتِ مشاہیر'' ابھی ابھی منصۂ شہود پر آئی ہیں جو اردو کی ''زنبیلِ ادب'' میں ایک مفید، اچھا، معیاری و بھاری اضافہ ہے، مولانا حقیقی معنوں میں ''سلطان القلم'' ہیں لیکن سیاست نے اُن کی اقلیمِ قلم کی سلطنت کو نقصان پہنچایا ہے تاہم آخر عمر میں امام لاہوریؒ کے تفسیری افادات تکمیل کے مرحلوں میں ہے جو اُن کی علمی اور قلمی جولانیوں کو پورے عالم میں جگمگا دے گی۔ یہ حضرت شیخ عبدالحقؒ کے اخلاص اور نیک نیتی کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی سعادت منداولاد دی جس نے اُن کے لگائے گئے پودے کی پرورش اور آبیاری کر کے ایک ایسا مضبوط اور تناور درخت بنادیا جس کی گھنی چھاؤں کے نیچے بیٹھ کر تشنگانِ علم دین علم کی پیاس بُجھانے

دور دور سے آتے ہیں اور علمِ دین کی روشنی یہاں سے حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں دین کی شمعیں روشن کر رہے ہیں۔

آدمی مر جاتا ہے لیکن اُس کا کام زندہ رہتا ہے کیوں کہ اُس نے جو شمع روشن کی ہوتی ہے وہ روشنی دیتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے لوگ کبھی مرتے نہیں بلکہ تاریخ اُن کو ہمیشہ کے لئے یاد رکھتی ہے۔ اُن کا فن، اُن کا علم، اُن کی پھیلائی ہوئی روشنی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ وہ دنیائے سیاست کی ایسی شخصیت ہیں جن کے بارے میں مختلف اور متضاد رویے اختیار کیے گئے ہیں۔ انہیں طعنے بھی ملتے ہیں اور ممدوحِ عالم بھی ٹھہرائے جاتے ہیں لیکن اُن کی علمیت سب کے ہاں متفق علیہ ہے اور دوست و دشمن سب اِس کے معترف ہیں۔ دنیا میں ہر قسم کی ترقی انہیں لوگوں کے طفیل ہوتی ہے جنہوں نے اپنے زمانے کے ناقص نظام کو بے چوں و چراں تسلیم نہیں کیا اور اس کے رنگ میں رنگ کر اس کی کمزوریوں اور خرابیوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے لئے عیش و عشرت اور آرام کی زندگی اختیار نہیں کی بلکہ اپنے روشن ضمیروں کی بدولت ایک بہتر دنیا کا تصور قائم کیا اور ہر مخالفت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ اس لئے وہ پاکستان کے نظامِ تعلیم، نظامِ حکومت اور مغربی تہذیب کے بھی مرثیہ خواں ہیں، وہ مغربی نظامِ تعلیم کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں اور اس کی خامیوں کا تذکرہ اور نشاندہی کرانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اپنی قوم کے واسطے تعلیم کا کچھ ایسا انداز اختیار کیا جائے، کچھ ایسا نصاب مرتب کیا جائے جس سے صحیح معنوں میں کم سے کم مدت میں مسلمانوں کو وہ ساری چیزیں حاصل ہو جائیں جس سے دین اور دنیا دونوں کا بھلا ہو۔ وہ اس نظامِ تعلیم کے نتائج کے بھی شاکی ہیں کہ آج تک ہم نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ماہرین کی کوئی ٹیم پیدا نہیں کی۔

جب میں پہلی بار حقانیہ گیا تو میں نے ایک جگہ، غالباً دارالحدیث کے باہر حضرت کا یہ ملفوظ آویزاں دیکھا کہ ''ہمیں وہ نظامِ تعلیم نہیں چاہیے جو فیکٹریوں کے مزدور پیدا کرے بلکہ ہمیں وہ نظامِ تعلیم چاہیے جو قوم کے معمار پیدا کرے''۔ اس ملفوظ کو دیکھ کر میں خوش بھی بہت ہوا لیکن ساتھ ساتھ میرے ذہن میں اِس حوالے سے کچھ سوالات بھی پیدا ہوئے کہ آخر مولانا کے پاس کون سے نظامِ تعلیم کا نقشہ ہے؟ وہ کیسے اس نظام کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں؟ اِس کا متبادل اُن کے پاس کون سا نظام ہے؟ مولانا سائنس کے مضامین کو کیسے اسلامی سانچے میں ڈھالیں گے؟ موجودہ نظامِ تعلیم میں

کیا ترمیمات ضروری ہیں؟ یہ اور اِس طرح کے اور سوالات موقع ملے تو مولانا سے اِس پر گفتگو بھی ہوجائے گی اور اُن کے تعلیمی نظریات بھی ان شاء اللہ سامنے آجائیں گے۔

اسی طرح مولانا موجودہ مغربی جمہوریت کو اپنی موجودہ شکل میں پاکستانی مسلم معاشرہ کے لئے بطورِ نظامِ حکومت قبول کرنے کے بھی مکمل طور پر حامی نہیں ہیں، اُن کے نزدیک مغربی جمہوریت ہمارے معاشرے کی نفسیات کے مطابق نہیں ہے، اگر چہ وہ سیاست میں آئے ہیں یا لائے گئے ہیں لیکن ان کے یہ ''گناہ والے نظریات'' ہماری ''معصوم بیوروکریسی'' کے نزدیک ''جرمِ عظیم'' ہیں لیکن وہ اس جرم کا ارتکاب بابانگِ دہل کر رہے ہیں۔ مولانا کا ایمان ہے کہ اگر کسی کا ایمان الحاد کے حملوں کے بعد قائم نہیں رہ سکتا تو وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے ......

ہے شوقِ سفر اتنا کہ اِک عمر سے یاروں نے
منزل بھی نہیں پائی، رستہ بھی نہیں بدلا

مولانا سمیع الحق صاحب ایک بین الاقوامی شہرت کے حامل ادارہ کے مہتمم اور نمائندہ ہیں۔ آپ کی نگرانی میں جامعہ حقانیہ کے فضلاء اور اِس ادارے کی ایک مربوط تاریخ مرتب ہونی چاہیے کہ یہاں کے علماء وصلحاء کے علمی، دعوتی کارناموں کو اجاگر کیا جائے اور اِسے اگلی نسل تک منتقل کرنے کیلئے ایک مفید پلاننگ کی جائے کہ اب تک جو کچھ کام ہوا ہے اس کو سامنے لایا جائے، بڑھایا جائے، پھیلایا جائے، جو ہو چکا ہے اس کو جمع کیا جائے اور جو نہیں ہوا اس کو وضع کیا جائے۔ چونکہ عظیم شخصیات کی سوانح عمریاں اور ان کے کارنامے منظرِ عام پر لانے میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ ان شخصیات کی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات، دشواریوں اور رکاوٹوں کا ذکر کیا جائے کہ کن خاردار راہوں سے گزر کر اِن حضرات نے کامیابی اور کامرانی کے درجات حاصل کئے۔ بڑے لوگوں کی تاریخ کے درخشاں باب نہ صرف اُن کی اپنی زندگی کو زندہ جاوید بنا دیتے ہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی مشعلِ راہ ہوتے ہیں تاکہ وہ اِس کی روشنی میں اپنے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کرسکیں۔

مولانا جیسی ہستیاں خدا کے انعامات میں سے ہوتی ہیں جو اپنے خونِ جگر سے ملت کی خدمت کرتی ہیں۔ اللہ اُنکے فیض کا چشمہ جاری رکھے اور ہمیں ان جیسی ہستیوں کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا محمد اسلم ساقی
ماہنامہ ''القاسمیہ'' گوجرانوالہ

ایک ممتاز عالم دین کی شہادت

ممتاز عالم دین، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت افسوسناک اور المناک ہے، حضرتؒ کو بڑھاپے کے عالم میں جس سنگدلی سے شہید کیا گیا اس پر دل خون کے آنسو رو رہا ہے حضرتؒ تو جمعہ کے دن شہادت پاکر عظیم رتبے پر فائز ہوکر سرخرو ہوگئے لیکن ان کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہیں کیا جاسکے گا حضرت مولانا سمیع الحقؒ ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے درس و تدریس ،تصنیف و تالیف ،انتظام و انصرام ،سیاست و جہاد کے ہر شعبے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں، ایسی بھرپور زندگی گزاری کہ ان کی دینی خدمات پر رشک آتا ہے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ ''جامعہ قاسمیہ'' میں ایک موقع پر سالانہ جلسے میں تشریف لائے تھے، حضرت نے جامعہ کے ساتھ عوام کی محبت و یکجہتی کی تعریف فرمائی اور محسن مدارس دینیہ استاذ العلماء والقراء حضرت مولانا قاری گلزار احمد قاسمی صاحب کے زیراہتمام جامعہ قاسمیہ کی تمام شاخوں کے انتظام و انصرام کو دیکھ کر اطمینان اور مسرت کا اظہار فرمایا نیز جامعہ میں تعلیم و تربیت اور گلزار فاؤنڈیشن ہسپتال کی صورت میں عوامی خدمت کو قابل رشک اور قابل تقلید عمل قرار دیا اور جامعہ کے شعبہ ہائے تعلیم حفظ وقرات ،شعبہ فاضلات وشعبہ درس نظامی اور شعبہ افتاء میں ترقی منازل کے لئے خلوص دل سے دعائیں دی تھیں۔

قائد جمعیت علمائے اسلام (س) شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید کی دردناک شہادت پر ہم دلی افسوس کے ساتھ حضرت شہید کے غمخواروں اور سوگواروں کے ساتھ شریک ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور حضرت کی شہادت کو وطن عزیز پاکستان میں نفاذ شریعت کا سبب بنائے۔(آمین)

مولانا قاری محمد سلیمان حقانی
خطیب مکی مسجد ایچ ایم سی ٹیکسلا

مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا

مولانا قاری محمد سلیمان حقانی صاحب جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل، مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کے تربیت یافتہ اورخلیفہ مجاز، دعوت وتبلیغ میں فنائیت کا مزاج، اپنے اساتذہ سے والہانہ تعلق خاطر بالخصوص حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی محبتوں کے قائل اوراخلاق کریمانہ کے گھائل، اولین ملاقات سے تاشہادت کی مختصر روداد اپنی اچھوتی طرزتحریر سے بیان فرمائی ہے، سادگی، دل کشی اورروانگی وسلامت کی حلاوت اس پرمستزاد ہے، زیارت وملاقات،تلمذ واستفادہ، قربت وخدمت،شفقت ومحبت اورشفیق اتالیق سے تعلقِ خاطر کی دلچسپ روداد ،لحہ لحہ کی ایک دلچسپ کہانی نذرقارئین ہے۔(ادارہ)

آپ کوعظیم صدمہ سہنا پڑا،صبر والوں کیلئے معیت الٰہیہ اوربے حساب اجر کا وعدہ ہے، آپ کی ساخت پرداخت حضرت رحمہ اللہ کی نگاہوں اور ہاتھوں میں ہوئی ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا،لیکن تاہم جوکچھ سیکھا، جتنا برتا، اسی کی روشنی میں چلتے رہیں گے تومزید راہیں کھلتی رہیں گی،حضرت رحمہ اللہ کی نظر ہم نانہجاروں پرتھی، اپنے نورنظر پرکیا کچھ نہ ہوگی،بندہ اٹک حضرت مولانا قاضی محمد زاہدالحسینی صاحب رحمہ اللہ کے پاس ایک زمانہ رہا، وہاں بہت سے رسائل آتے تھے،''الحق'' بھی آتا تھا، وہاں سے تعارف ہوا، پھرلاہور تجوید کیلئے گیا، وہاں حضرت افغانی رحمہ اللہ کا بیان غالبًا ۱۹۶۷ء میں لکھا، ان ہی سے نظرثانی کروائی، ''الحق'' میں دوقسطوں میں سیرت کےعنوان سے شائع ہوا، وہاں سے تعلق بڑھا، پھر۱۹۸۲ء میں حقانیہ میں دورہ حدیث کیا وہاں حضرت رحمہ اللہ کی ذرہ نوازیاں رہیں، وفاق کا سالانہ امتحان ہورہا تھا،بعض طلباء دائیں بائیں تاک جھانک کررہے تھے، بندہ مسلسل سرجھکا کر لکھنے میں مصروف تھا،حضرت دروازہ کے شیشے سے مسلسل دیکھتے رہے، پھرہال میں تشریف لائے فرمایا،سلیمان! تجھ پراللہ کا خاص فضل ہے، میں نے عرض کیا حضرت !اس میں کیا شک ہورہا تھا، ہمارے ساتھی قاری عبداللہ صاحب بنوں والے باہر سے آئے اورآپ زور زور سے بول رہے تھے، حضرت! حضرت! حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کیا ہوگیا؟ بھائی کہنے لگے حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا،بس سناٹا چھا گیا، کافی دیر کے بعدحضرت رحمہ اللہ نے سراٹھایا انا للّٰہ کا وردشروع ہوا،ور پھرحضرت رحمہ اللہ کے مناقب بیان فرمانے شروع کئے، اللہ اللہ! کیا ادب واحترام تھا،کیامیٹھی زبان تھی، کیاعقیدت کے پھول، محاسن کے بیان میں

شامل کردیئے، پھر حقانیہ کے درجہ حفظ کے امتحان کیلئے بندہ کو بلوانا شروع فرمایا۔ایک مرتبہ امتحان ختم کر کے سلام کیلئے حاضر ہوا، حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہم آپ کے پاس تشریف فرما تھے، میں نے سلام عرض کیا آنکھیں نیم سی بند کر کے فرمانے لگے کون ہو، سلیمان؟ میں تم سے نہیں ملتا ، پھر ڈاکٹر صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، حضرت !یہ ہمارا فاضل ہے ، ہم بلائیں تو آتا ہے ، ورنہ از خود کبھی سلام کے لئے بھی نہیں آتا ، میں نے سوچا، اب تو شکایتوں کے دفتر کھل جائیں گے ، بات کا رخ موڑنے کیلئے میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا،حضرت! میں آپ کے گاؤں کے قریب کا ہوں ، سلام دعا ہوتی رہتی ہے، تفصیل پوچھی بات کا رخ بدل گیا، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا ، وہ فلاں زمانے میں ہم حویلیاں سے پیدل آپ کے گاؤں گئے تھے ، وہاں مکئی کی روٹی اور ساگ کھایا تھا، کیا مزیدار کھانا تھا اور منہ سے اس کے مزے بھی لینے لگے ، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا نا، نا کھانا تو بہت سادہ سا تھا، وہ جو آپ اتنا چل کر گئے اور بھوک جو لگی تھی ، وہ مزیدار تھا ، سارا مزہ تو اس میں تھا۔ پھر میری کتاب زندگی جلد اول چھپی، پیش خدمت کی ، مجھے لکھا ، بہت خوب لیکن حقانیہ کا تذکرہ کم ہے ، یہ تو کئی صفحوں میں ہونا چاہئے تھا، چلو آئندہ سہی ۔ پھر ۲۰۰۳ء میں میری اہلیہ فوت ہوئیں ، میں نے اطلاع نہیں دی ، دے بھی کیسے سکتا تھا، بڑے لوگوں کی بڑی مصروفیات ہوتی ہیں، عاشورہ کا دن تھا اور جمعہ بھی تھا اور ٹیکسلا کی تاریخ میں یہ بڑا جنازہ تھا، جنازہ پڑھانے کیلئے مولانا قاضی محمد ارشد صاحب مدظلہ (موجودہ جانشین) کھڑے ہوگئے تھے کہ جنازگاہ میں حضرتؒ کی گاڑی داخل ہوئی ، ایک سیاسی کارکن نے پہچان کر شور ڈالا ، قاری صاحب مولانا سمیع الحق صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں آگے بڑھو ، پروٹوکول دو، یہ لفظ اس نے استعمال کئے ، ہم چند احباب اور قاضی صاحب بھی مصلی چھوڑ کر دوڑے ، سلام کیا فرمایا : میں واہ کینٹ آیا تھا، وہاں کسی نے ذکر کیا، وقت بھی معلوم ہوا، میں نے کہا، میں قریب آیا ہوا ہوں ، ضرور شریک ہوں گا۔ ع فقیروں کے مہمان ہوتے ہیں بادشاہ اکثر

ہمارے جنازے کی شان بڑھ گئی ہم نے عرض کیا، جنازہ آپ پڑھائیں گے،فرمایا نہیں میری آواز پست ہے ، قاضی صاحب جوان ہیں آواز بلند ہے، میں نے عرض کیا حضرت !میں مکبرین کو مزید تاکید کر دیتا ہوں جنازہ آپ ہی پڑھائیں گے ،قبول فرمالیا، پیارے حامد ! دنیا دکھوں کا گھر ہے، یہاں حالات آتے رہتے ہیں ، ہم نے آپکے دادا جان رحمہ اللہ کے جنازہ میں ابوجان شہیدؒ کی روتے ہوئے دستار بندی ہوتے دیکھی ، اب سبحان اللہ ابو کے جنازہ میں حضرت چچا جان کے اہتمام اور آپ کے نائب مہتمم ہونے کا اعلان اور دستار بندی کا سنا ، دیکھ نہ سکے کہ دور تھے اور باہر بھی ، بہت پہلے پہنچ گئے تھے ،لیکن سیکورٹی والوں نے اندر نہ جانے دیا، آپ کا غم ہلکا کرنے کیلئے یہ چند سطریں لکھ دیں اللہ آپ کو اور سارے بھائیوں کو صبر عطا فرمائیں (آمین) حضرت کے درجات بلند فرمائیں ،لیکن وہ تو دادا جان دادی جان کے پاس ان کو سارے حالات سنا رہے ہوں گے۔

روایت: میاں عبدالمطلب شاہ جہانگیروی
نقل (مولانا سمیع الحق ذاتی ڈائری)

مولانا شہیدؒ کے حزم واحتیاط کے حیرت انگیز واقعات

مولانا سمیع الحق شہیدؒ ودیگر برادران کی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے بچپن میں کس طرح تربیت فرمائی اورخود حضرت والا کے اخلاق کتنے بلند تھے، میاں عبدالمطلب شاہ جہانگیرویؒ کی زبانی، تین واقعات نذر قارئین ہیں، مولانا سمیع الحقؒ کو گھر پر آنگن میں کانٹوں پر چلایا گیا پھول کی پتی کی طرح نازک تلووں میں کانٹے چبھتے رہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ صبر وتحمل سے برداشت کرتے تھے، انہیں قدرت کی طرف سے دل میں ڈال دیا گیا کہ آج انہیں کانٹوں پر چلنے کی پریکٹس کراؤ،ایک وقت آئے گا جب ظلم اور جبر واستبداد کی تلواروں کے وار سینے اور شہادت کی سعادت کو سینے کے ساتھ لگانا ہوگا۔تینوں واقعات میں اولاد کی تربیت کے دلچسپ اورانوکھے واقعات نذر قارئین ہیں۔(ادارہ)

بچوں کی اذیت اور تکلیف پر دارالعلوم کو ترجیح

حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہم زلف اور میرے خالو جناب میاں عبداللطیف شاہ صاحبؒ فقیر خیل جہانگیرہ نے فرمایا، دارالعلوم کے طالب علموں کیلئے روٹی سالن شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے گھر میں پکتا تھا، تندور میں اکثر خاردار جھاڑیاں کانٹے دار جلائی جاتیں اس وقت گیس وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا، اتفاق سے میں اکوڑہ گیا، مولانا صاحبؒ سے ملنے کے لئے تو تمہاری والدہ صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ آپ حضرت صاحبؒ سے گزارش کریں کہ جب ہم مدرسے کیلئے روٹیاں پکاتے ہیں تو اکثر لکڑیاں کانٹے دار ہوتی ہیں، تو گھر میں کانٹے بکھر جاتے ہیں اور بچوں کو صحن میں چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی ہے اوراس وقت بچوں میں (سمیع الحق اور محمود الحق وغیرہ چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے) توان کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے اور پاؤں میں کانٹے چبھتے ہیں، حضرت نے تمام باتیں غور سے سنیں اورفرمایا کہ میاں صاحب! گھر میں دوعورتیں (یعنی خادمات) روٹی پکانے کیلئے موجود ہیں اور ہر ایک کو مہینے کے سات سات روپے ملتے ہیں تو دوعورتوں کے چودہ روپے ہوئے، اب اگر میں تنور کیلئے مکان کرایہ پرلوں تو کم ازکم مکان کا کرایہ بیس روپے ہوگا تو ٹوٹل ساٹھ روپے ہوگئے، اب جو کام چودہ روپے میں ہوتا ہے، گھر میں آسانی سے تو کیا ضرورت ہے، ۸۰، ۹۰ روپے مدرسے کے

خرچ کرنے کی، یہ تو خدائی کام ہے، اس میں گزارا کرنا چاہئے اور جو بچوں کے پاؤں میں کانٹے چبھتے ہیں تو اس کا صلہ اللہ تعالیٰ بچوں کو دے گا، ان شاء اللہ

اٹھنے بیٹھنے کی پریڈ

میاں عبدالمطلب شاہ صاحبؒ نے دوسرا واقعہ یہ بیان کیا کہ حضرت مولانا عبدالحقؒ کی یہ عادت ہوتی تھی کہ عصر کے بعد یا کسی بھی وقت بیٹھک میں ہوتے تھے، مہمانوں وغیرہ کے ساتھ، اتنے میں اگر کوئی مہمان وغیرہ آجاتا تھا تو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ عموماً کھڑے ہوجاتے تو باقی لوگ بھی ان کے دیکھے کھڑے ہوجاتے، اتنے میں کوئی اور مہمان تشریف لائے، میرے خیال میں تھا کہ وہ کراچی یا لاہور کے بڑے عالم تھے تو شیخ الحدیث صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ ہم سب ایک ساتھ بیٹھک میں کھانا کھائیں گے، میں نے ان سے توریۃً کہا، میرا روزہ ہے اور یہ اس لئے کہا تھا کہ مجھ سے بیٹھک میں ہر وقت مہمانوں کیلئے اٹھنا بیٹھنا نہیں ہوسکتا تھا، حضرت خود کھانا اٹھا کر مہمانوں کے پاس لائے اور میں گھر میں اس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، جس میں تمہارے والد اٹھتے بیٹھتے تھے، میں نے تمہاری والدہ صاحبہ سے کہا کہ مجھے کھانا دے دیں، مجھے واپس بھی جہانگیرہ پہنچنا ہے، اتنے میں تمہارے والد صاحبؒ مزید سالن وغیرہ لینے کیلئے گھر آئے اور مجھ پر نظر پڑی اور ہنسے اور فرمایا کہ میاں صاحب! آپ کا تو روزہ تھا، میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے ہر وقت آپ کے ہمراہ مہمانوں کے لئے اٹھنے بیٹھنے کی ''پریڈ'' نہیں ہوسکتی۔

دارالعلوم حقانیہ کے اہتمام کی پیش کش

میاں صاحب نے تیسرا واقعہ یہ بیان کیا کہ حقانیہ کے قیام کے بعد گاؤں کی ایک دوسری شخصیت نے بھی اپنا مدرسہ بنانا شروع کردیا تو حضرت مولانا عبدالحقؒ ان کے پاس تشریف لے گئے کہ اکوڑہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور اس میں تو دو مدرسے بیک وقت نہیں چل سکتے اور حضرتؒ نے ان کو یہ پیشکش کی کہ آپ حقانیہ کے مہتمم بن جائیں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا بلکہ اس پر خوشی ہوگی، اس سے دین کو اور گاؤں کے اتفاق کو نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اُنہوں نے اپنا مدرسہ بنالیا، انکی زندگی میں تو کچھ عرصہ طلبہ مدرسے میں رہے لیکن ان کی وفات کے بعد اب گزشتہ ۳۵۔۴۰ برس سے بالکل خالی پڑا ہوا ہے، دراصل ساری بات اخلاص اور نیت کی ہوتی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحقؒ کا ایثار اور اخلاص تھا، آج الحمدللہ حقانیہ پہلے سے بھی زیادہ اچھے طریقے سے ترقی راہ کی طرف گامزن ہے، میں جب اکوڑہ آیا کرتا تھا تو واپسی پر حضرتؒ سے ملتے وقت دعا کی گذارش کرتا تو آپ مجھ سے فرماتے کہ آپ میرے لئے دعا کریں یہ تو شیخ الحدیث صاحبؒ کی تواضع عجز وانکساری کا عالم تھا کہ ہم جیسے عام انسان و گناہ گاروں سے دعا کیلئے کہتے تھے اور انہیں جو بلند مقام ورمرتبہ ملا یہ تواضع اور اخلاص کی وجہ سے ملا۔

حافظ محمد عبداللہ حقانی

مدیر قاسم نانوتویؒ لائبریری بنوں

مولانا شہیدؒ تواضع، وسعت ظرفی کا پیکر

حضرت شیخ الحدیث شہیدؒ ایک جامع الکمالات شخصیت تھے، ان کی زندگی کے ہر پہلو پر لکھنے والے تفصیل سے لکھتے رہیں گے، ان کی عظمت کے ترانے مدت تک فضاؤں میں گونجتے رہیں گے، ان کی ہمہ گیر خدمات کی بدولت وہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ زندہ جاوید ہوں گے۔ حضرت شیخ شہیدؒ کی پوری زندگی ایک تحریک بے مثال تھی۔ راقم ان کی زندگی میں سوچتا رہا اور حضرت کی رحلت کے بعد بھی ڈھونڈتا رہا کہ حضرت شہیدؒ جیسی منبع العلوم، سدا بہار اور عظیم شخصیت مل جائے مگر نہ مل سکی، وہ بلاشبہ اپنے اکابر کی آخری نشانی تھے جس کو دیکھ کر علمائے دیوبند اور اکابر عزیمت کی یاد تازہ ہوجاتی۔ قدرت ان پر بچپن سے مہربان تھی، ان کو ایسے گھرانے میں پیدا کیا کہ اگر وہ زندگی میں کچھ نہ بھی کرتے پھر بھی لوگوں کی آنکھوں کا تارا ہوتے مگر بچپن سے تادم شہادت انہوں نے عزیمت کی ایسی راہ اختیار کی جس کی وجہ سے عصر حاضر کے تمام اکابر اسلاف کو ان پر ناز تھا، وہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ایک آئیڈیل رہنما تھے اور امید کی ایک کرن تھے۔

ملک عزیز پاکستان بننے کے بعد مدارس، اہل مدارس اور اسلام پسندوں کے ساتھ جس ناروا سلوک کی روایت ڈالی گئی اور وقتاً فوقتاً اس کی آبیاری ہوتی رہی وہ تاریخ کا ایک مستقل تاریک باب ہے مگر دو تین دہائیوں سے دینی مدارس اور علمائے کرام کے خلاف مغربی میڈیا اور اس کے آلہ کاروں نے جو فضا بنا رکھی ہے وہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں افسوسناک ہی نہیں شرمناک بھی ہے۔ اس لادینی سیلاب کا مقابلہ کرنے میں حضرت شیخ شہیدؒ ہمیشہ صف اول میں نظر آتے، مدارس اور اہل مدارس کے بارے میں کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا، وہ اس دور میں قرآن وحدیث کے داعیوں کی وکالت کرنے والی ایک توانا آواز تھے، انہوں نے پوری زندگی اسلام اور اہل اسلام کی خلوصِ دل سے جو خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مجھ گناہ گار پر رب ذوالجلال نے جو بے شمار اور بے پناہ احسانات کئے، ان میں سے ایک حضرت شیخ شہیدؒ کی قربت اور صحبت تھی، رب ذوالجلال نے مجھے

دوسال دارالعلوم حقانیہ میں حضرت شیخ کے زیر سایہ رہنے کا موقع عنایت فرمایا۔اسی دوران حضرت شیخ شہیدؒ کی قربت سے پاکستان کی دینی، سیاسی اور مذہبی قیادت کو قریب سے دیکھا۔حضرت شیخ شہیدؒ کی صحبت میں بہت کچھ سیکھا، وہ ایک شاندار انسان تھے، ویسے تو وہ خوبیوں اور صفات کا حسین مرقع تھے مگر مجھے ان کی دوصفتوں نے بے حد متاثر کیا جو حضرت شیخ کی امتیازی خصوصیات قرار دی جاسکتی ہیں۔ان میں سے پہلی صفت تواضع اور دوسری وسعت ظرفی تھی۔

حضرت شیخ شہیدؒ عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت ہونے کے باوجود ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا ظاہر کرتے، ان کا یہ وصف ہر کسی کو ان سے استفادے پر مجبور کرتا، ان کی بڑائی استفادے میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ ہر عمر کے طلباء کے لئے آئیڈیل تھے، حضرت سے پہلی ملاقات کا منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے کہ ان کے مہمان خانہ میں مخدوم زادہ مولانا راشد الحق سمیع (مدیر ماہنامہ ''الحق'') کے ساتھ بیٹھے تھے کہ شیخ شہیدؒ تشریف لائے، میں ان کی طرف لپکا، قدم بوسی کی اور اس دوران راشد صاحب نے تعارف کروایا۔شیخ شہید صاحبؒ نے محبت بھرے لہجے میں فرمایا کہ میں درس حدیث پڑھانے جارہا ہوں آپ بھی ساتھ چلو، دارالحدیث پہنچے تو انہوں نے مجھے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور درس حدیث کے بعد طلبہ دورہ حدیث سے میرا تعارف کرا کے مجھے حیران کردیا کہ اتنی بڑی شخصیت اور اس قدر ذرہ نوازی۔

وہ یقیناً چھوٹوں کو بڑا بنانے کا گر جانتے تھے، یہی ملاقات حضرت شیخ شہید صاحبؒ کی گرویدگی اور دارالعلوم میں داخلہ لینے کا سبب بنی اور میرے لیے دارالعلوم کے قیام کے دوران محبت اور عقیدت کا محور حضرت شیخ شہیدؒ ہی رہے، میں ان کی محبت میں جو گرفتار ہوا تھا۔ان کی شفقت پروری اور اصاغر نوازی کے باعث ایک دن ہمت کر کے عرض کیا کہ میری دلی خواہش ہے کہ آپ میرے مرشد (شیخ طریقت حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد مدظلہ) سے بات کریں پہلے تو حضرت نے فرمایا کہ بیٹا! وہ تو اللہ والے ہیں میں تو ایک گناہگار بندہ ہوں مگر جب میرا اصرار بڑھا تو فرمایا ٹھیک ہے، میں نے اپنے حضرت جی کے بھتیجے کو فون کیا اور یوں حضرت جی سے حضرت شیخ شہیدؒ کی بات کرائی حضرت شیخ شہیدؒ نے حضرت جی کو بھی یہی جملہ دہرایا جو کچھ دیر پہلے مجھے فرمایا تھا یوں ان کی ایک ایک بات سے تواضع وانکساری ٹپکتی تھی۔

میرے دورہ حدیث کے سال حضرت جی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تو حضرت شیخ شہیدؒ نے ضعیف العمری اور اپنی عالی مرتبت حیثیت کے باوجود مدرسہ کے گیٹ میں کھڑے ہوکر ان کا

پرتپاک استقبال کیا۔ اپنے اسلاف کی تاریخ پڑھتے ہوئے یہ جملہ متعدد بارنظروں سے گزرا تھا کہ ہمارے اکابر عظمت کے پہاڑ ہونے کے باوجود تواضع وانکساری کا پیکر ہوا کرتے تھے اس دن اس بات کا خوب مشاہدہ کیا۔ایک مرتبہ ہمارے بنوں کے کچھ علمائے کرام حضرت شیخ شہیدؒ سے تقریب ختم بخاری کیلئے وقت لینے دارالعلوم آئے حضرتؒ نے وقت دیا مجھے جب پتہ چلا تو دفتر اہتمام کی طرف لپکا حضرت سے ملا ان کے ساتھ نماز عصر پڑھی جس کے بعد حضرت میرا ہاتھ پکڑ کر گھر جانے کے لئے روانہ ہوئے گاڑی پہنچنے سے قبل میں نے عرض کیا کہ حضرت! بنوں جاتے وقت میرے والد مکرم (پیر طریقت حضرت مولانا گل رئیس نقشبندی) کا مدرسہ (جامعہ دارالہدیٰ مرکزی) راستے میں آتا ہے اگر آپ قدوم میمنت سے نوازیں تو احسان ہوگا تو حضرت نے جو بات ارشاد فرمائی وہ میرے لئے سعادت اور مدرسہ کیلئے عند اللہ قبولیت کا سبب ہے۔فرمایا: آپ کا مدرسہ تو میرا اپنا مدرسہ ہے ضرور آؤں گا ایک مہینے بعد، جب حضرت بنوں تشریف لائے تو اس وقت میں دارالعلوم میں اور والد صاحب سفر پر تھے۔اسی وجہ سے میں نے یاددہانی مناسب نہیں سمجھی مگر قربان جاؤں حضرت کی انکساری پر کہ وہ جب بنوں پہنچے تو ہمارے مدرسے میں پورے قافلے کے ساتھ تشریف لے گئے، والد مکرم مدظلہ کا پوچھا اور مدرسہ میں دعائیں کیں مدرسینِ جامعہ چونکہ دارالعلوم کے فاضل اور حضرت شیخ شہیدؒ کے تلامذہ میں سے ہیں انہوں نے اکرام کا بہت اصرار کیا مگر حضرت شیخ یہ ارشاد فرما کر رخصت ہوئے کہ یہ میرے اپنے بیٹے کا مدرسہ ہے تکلف نہ کریں مجھے صرف حاضری لگوانی تھی حضرت جب واپس دارالعلوم تشریف لائے اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابتدا اس بات سے کی کہ بیٹا! میں نے آپ کی بات (وعدہ) پوری کر لی تھی۔

اس واقعہ کے بیان سے مقصود یہ تھا کہ حضرت شیخ شہیدؒ اپنے شاگردوں کے ساتھ کس قدر شفقت سے پیش آتے اور شاگردوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو کس قدر اہمیت دیتے تھے جب والد صاحب سفر سے واپس آئے تو سیدھا دارالعلوم میں حضرت شیخ شہیدؒ کے پاس شکریہ کیلئے حاضر ہوئے والدگرامی نے جب شکریہ ادا کرنا چاہا تو حضرت شیخ نے بات کاٹتے ہوئے وہی بات ارشاد فرمائی جو ہمارے مدرسہ میں مدرسین کو فرمائی تھی یہ تھی حضرت شہیدؒ کی تواضع وانکساری کی ایک جھلک۔

دوسری صفت جو میں نے حضرت شیخ شہیدؒ کی زندگی میں بہت زیادہ محسوس کی وہ ان کی اعلیٰ وسعت ظرفی تھی ان کے پاس ہر طبقے، مسلک اور جماعت کے رہنما آتے تو وہ ان کی قدردانی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ان کو اپنی قدر ومنزلت سے زیادہ عزت دیتے حالانکہ وہ

لوگ سیاسی زندگی میں حضرت شیخ کے شدید ناقد بلکہ مخالف کے طور پر مشہور ہوتے مگر حضرتؒ نے کبھی ان کو محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ مجھے ان سب باتوں کا علم ہے ان سب سے عجیب بات یہ کہ جو بھی رہنما دارالعلوم تشریف لاتے ان کو دورہ حدیث لاتے اور طلباء سے بیان کرنے کا حکم بھی کرتے اور ان کی بیان کردہ باتوں کو پاکستان کے علمی، تاریخی، تحقیقی ماہنامہ ''الحق'' میں شائع بھی کرتے اور ابھی چند سال پہلے ''منبر حقانیہ سے خطبات مشاہیر'' کے نام سے مستقل کتابی صورت میں دس جلدوں میں چھپ گئی ہے جس کو دیکھ کر حضرت کی وسعت ظرفی کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

ایک مرتبہ دارالعلوم کے قریب ایک بہت بڑا سیاسی، مذہبی جلسہ منعقد ہورہا تھا جس کی باقاعدہ تیاریاں تقریباً چھ مہینے پہلے سے شروع ہوگئی تھیں جس میں ہر مذہب، ہر مسلک اور ہر جماعت کو شرکت کی دعوت دی گئی مگر ہمارے بلکہ ہزاروں شاگردوں کے محبوب استاد، امت مسلمہ کے عظیم سرمایہ، ام المدارس پاکستان دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت شیخ شہیدؒ کو دعوت نہیں دی گئی پروگرام شروع ہونے سے قبل دارالعلوم میں بلکہ پورے پاکستان میں حضرت شیخ کے محبین و متعلقین اس حوالے سے سخت تردد اور تشویش کا شکار تھے کہ ایک دن کسی نے درس حدیث کے دوران پرچی بھیجی کہ آپ جلسہ میں شرکت کریں گے تو حضرت شیخ نے فرمایا بیٹا! جب بلائیں گے تو جاؤں گا ورنہ بن بلائے جانا اچھا نہیں ہوتا پھر فرمایا کہ پاکستان میں بسنے والے ہر سیاسی مذہبی تحریک کے سربراہان کو دعوت دی گئی بلکہ بیرون ممالک میں بھی دعوت کے سلسلے میں وفود بھیجے گئے مگر چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع مادر علمی دارالعلوم میں آنے کی زحمت نہیں کی گئی حالانکہ میں نے جب بھی کسی تحریک کا آغاز کیا یا ''ملی یکجہتی کانفرنسیں'' کیں دعوت کی ابتداء ان لوگوں سے کی حضرت شیخؒ نے یہ چند جملے ارشاد فرمائے اور طلبا کے بار بار کہنے پر اپنے دل ودماغ کے جذبات کس تہذیب اور سلیقے سے بیان کئے کوئی اور ہوتا تو وہ اس موقع پر پھٹ پڑتا لیکن حضرت کو اللہ تعالیٰ نے وسعت ظرفی اور برداشت کا بہت بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا اپنے مدرسہ میں سیاسی مخالف طلبا اور کچھ سٹاف وغیرہ کو بھی ہمیشہ برداشت کیا ورنہ مہتممین اور مدرسہ کے ذمہ دار مخالفین کو عام طور پر بالکل برداشت نہیں کرتے اور دلچسپ بات یہ کہ چند دنوں بعد جب اجتماع شروع ہوا تو حضرت رحمہ اللہ نے دورہ حدیث میں اعلان کیا کہ یہ جتنے بھی مہمان دارالعلوم آئیں گے قیام وغیرہ کے لئے یہ سب ہماری آنکھوں کے تارے اور معزز مہمان ہیں آپ سب طلبہ مسجد وغیرہ منتقل ہوجائیں اور کمرے مہمانوں کے لئے خالی کردیں اور ناظم مطبخ کو پیغام بھیجا کہ ان تین دنوں میں جتنے بھی مہمان آئیں ان کے کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے اس سے اعلیٰ وسعت

ظرفی کی اور کیا مثال ہوسکتی ہے مجھے آج تک حضرت شیخ شہیدؒ کی دریا دلی پر رشک آتا ہے

تیرے کس کمال کا اب کرے کوئی تذکرہ
تیرے ہر اِک کمال میں لاکھوں کمال ہیں

بہر حال! انہوں نے پوری زندگی دین مقدس کی خدمت کرنے اور دین اسلام کی خاطر جان قربان کرنے والوں کی ہر محاذ پر وکالت، تعاون بلکہ ترجمانی کا حق ادا کیا، اس وجہ سے تو اتنے بڑے اعزاز سے نوازے گئے جمعہ کی شام میں معھد الفقیر الاسلامی جھنگ میں مطالعہ سے فارغ ہوا تو پشاور سے چچا نے کال کرکے یہ اندوہناک اور المناک خبر سنائی جس کے بعد آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، دل ودماغ ماؤف ہوگئے اور کچھ دیر کیلئے زبان بھی بند ہوگئی مسجد جاکر بے اختیار دھاڑیں مار مار کر دیر تک روتا رہا اور فجر کی نماز سے قبل جنازے کیلئے دوساتھیوں سمیت روانہ ہوا جنازے سے دو گھنٹے پہلے پہنچا تو ہر طرف آہوں اور سسکیوں کی فضا تھی، ہر ایک آنکھ اشکبار تھی اور کچھ تو شدت غم سے بلک بِلک کے رو رہے تھے، جنازہ کے بعد بھی فضا سوگوار تھی، دل شدت غم سے نڈھال تھا کہ والد صاحب نے فون کیا اور کیا تسلی کی بات ارشاد فرمائی بیٹا! حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے پوری زندگی قرآن وحدیث کی انتھک اور بے لوث خدمت کی تبھی تو اللہ نے گولیوں کے دور میں خنجروں سے شہادت عطا فرمائی تاکہ قیامت کے دن خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ کے حضور حاضری ہو، اس لئے تو اتنی مناسبت عطا فرمائی کہ خلیفہ سوم حضرت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ کو جمعہ کے روز عصر کے بعد اور مغرب سے پہلے اپنے گھر میں خنجروں اور چھریوں سے شہید کیا گیا۔ یہ عنداللہ ان کی خدمات جلیلہ کے عوض قبولیت کی نشانی ہے۔ ابوجی کی اس بات سے دل کا غم کچھ ہلکا ہوا۔

میں نے اپنے محبوب استاد شیخ الحدیث مولانا عبد القیوم حقانی سے سنا کہ حضرت شیخ شہیدؒ فرمایا کرتے تھے'' کہ جب مجھے دل کے آپریشن سے صحتیابی اللہ نے عطا کی ہے تو لگتا اس طرح ہے کہ اللہ مجھے شہادت کی نعمت سے سرفراز کریں گے'' اور یوں وہ شہادت کا عظیم رتبہ پا گئے، اللہ حضرت شیخ شہیدؒ کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

مولانا قاری محمد شاہ نقشبندی
مراد پور مانسہرہ، حالاً مدینہ منورہ

کئی دماغوں کا ایک انسان

مولانا قاری محمد شاہ نقشبندی صاحب، بزرگ عالم دین، نیومراد پور مانسہرہ کے ایک دینی جامعہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے بانی ومؤسس، لائق مدرس، استاذ العلماء والقراء اورعظمت شان کے باوصف علم وقلم اور کتاب کے حوالے سے بڑا ستھرا ذوق رکھتے ہیں، لکھتے کم ہیں مگر جتنا لکھتے ہیں، وہ علم وادب کا بہترین حصہ ہوتا ہے، انہوں نے فرصت کے اوقات میں اپنے قلم سے اصلاح معاشرہ، تزکیہ وتطہیر نفس اور مکارم اخلاق کی تبلیغ، حیاء وشرافت کے استحکام، صحیح عقائد کی ترجمانی، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احیاء کا مقدس فریضہ ایک مذہبی اور سماجی فرض سمجھ کر انجام دیا ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت سے جذبات میں ہیجان برپا ہوا، ''الحق'' کے خصوصی نمبر کے لئے کچھ لکھ ڈالنے کی تحریک کی انگیخت ہوئی، تأثرات چھلک پڑے اوراردو ادب کے حوالے سے ایک معیاری ادبی شہ پارے کو وجود مل گیا، جس میں دردوسوز کے ساتھ ساتھ اکابر شناسی کا جوہر بھی موجود ہے۔ (ادارہ)

کئی دماغوں کا ایک انساں — میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے — زبان کا زور بیان گیا ہے
عجب قیامت کا حادثہ ہے — کہ اشک ہے آستین نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے — افق پہ مہر مبین نہیں ہے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا — مجھے ابھی تک یقین نہیں ہے

ماہنامہ ''الحق'' جب مطلع صحافت پر طلوع ہوا تو اس وقت بندہ کم عمر تھا اور مدرسہ امداد العلوم ایبٹ آباد ہزارہ میں تحفیظ القرآن کے ابتدائی مراحل میں مدرسہ میں تھا، شعبہ تحفیظ القرآن کے معلم حضرت اقدس مولانا قاری محمد یونس صاحب تھے جنہوں نے حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ سے دورہ حدیث پاک اور شیخ القرآء قاری رحیم اللہ بخش پانی پتی رحمہ اللہ سے تجوید وضبط کی تعلیم حاصل کی تھی وہ بڑے درجہ کے عالم وفاضل اور بہت اچھے مربی اورمزکی تھے تدریس کے اوقات کے علاوہ وہ دینی کتب کے مطالعہ کے رسیا تھے، بڑے عمدہ علمی ادبی ذوق کے مالک تھے، انہیں کی تربیت کا اثر ہے کہ قلم وکتاب اور مطالعہ بندہ کیلئے بھی ''میٹھا دردسر'' بنا ہوا ہے۔

اب یاد تو نہیں کہ ''الحق'' بندہ کے ہاتھ کیسے لگا؟ مگر جب ہاتھ آیا تو پسند بھی بہت آیا ''الحق'' کے دو سلسلے بہت پسندیدہ تھے ایک ''دعوات عبدیت حق'' یہ حضرت محدث کبیر مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کے مواعظ تھے جنہیں مولانا سمیع الحق صاحبؒ مرتب کیا کرتے تھے محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ اس سرزمین پر آیت من آیات اللہ تھے ''دعوات عبدیت حق'' کے پرنور سلسلہ سے معرفت الٰہیہ کے فوارے پھوٹتے، محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزموں سے قلب وروح منور ہوتے، علم وعمل تقویٰ اور خشیت الٰہیہ میں روزافزوں اضافہ ہوتا اور دوسرا سلسلہ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا علمی، ادبی، معاشرتی، معاشی اور تاریخی نوعیت کا ''الحق'' کیلئے اداریہ ہوتا تھا وہ اپنے ادارتی صفحہ میں بڑی محنت اور شوق سے جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے اس موضوع پر ان کی یہ تحریر حرفِ آخر سمجھی جاتی اپنے موضوع کے ساتھ بڑا انصاف برتتے، اپنے دعویٰ اور دلیل کو فصاحت اور بلاغت کے ساتھ پیش کرتے آپ کے قلم میں روانی اور ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ دردوسوز کا وافر ذخیرہ ہوتا، قلم کے پس منظر میں محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی تربیت کا پرنور عکس ہوتا جس سے خلوص، درد دل، خیرخواہی کے جذبات سے قاری پر حیرت انگیز اثر ہوتا یوں مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی محبت بھی قاری کے دل پر حاوی ہوتی رہتی چنانچہ بندہ بھی انہیں بن دیکھے ہی ان کے دامِ محبت کا اسیر ہوچلا تھا ان کے رسالہ کا شدت سے انتظار رہتا اس دور میں کتابت پریس وغیرہ کی زیادہ سہولتیں نہیں تھیں جب پرچہ آنے میں دیر ہوجاتی تو بندہ کو سخت ذہنی اذیت ہوتی کبھی کبھار اس کا اظہار بھی ہوتا رہتا تھا۔ ع کیا پوچھتے ہو دوستو! روداد محبت

ماہنامہ ''الحق'' میں ادارتی صفحات پر ہی مولانا سمیع الحق شہیدؒ علمائے عصر کی جدائی پر بھی اپنے تاثرات لکھتے اور بہت محبت اور محنت سے یادرفتگاں (کاروان آخرت) کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے، خیبر پختونخواہ کے دور دراز پہاڑی سلسلہ میں بڑے بڑے محقق ماہرفنون علماء دین قیام پذیر تھے جنہیں دینی حلقوں میں جانا پہچانا جاتا تھا مولانا ان کی یاد میں جب لکھنے بیٹھے تو پوری زندگی کا حاصل اور نچوڑ چند صفحات میں نکال کے رکھ دیتے اسی طرح بیسیوں شخصیات کو انہوں نے برصغیر میں متعارف کرایا یہ سلسلہ بھی بندہ کو بہت پسند اور دلپذیر تھا۔ ''الحق'' کا یہ دور تعلیمی تربیتی معلوماتی دور تھا جس سے نسلِ نو کی تربیت اور نشوونما کا عمل آہستہ آہستہ جاری تھا۔ قیام پاکستان کے بعد جب امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مجاہد ملت ضغیم اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی قیادت میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیل ہوئی تو اس جماعت کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ خدا کی زمین پر

خدا کا نظام عملی طریقہ پر جاری کیا جائے اوراس کام کیلئے سیاسی حکمت عملی کو اختیار کیا گیا تب اس کا اولین بھر پور معرکہ جمعیت علمائے اسلام نے ۱۹۷۰ء میں لڑا، جمعیت علمائے اسلام نے ۱۹۷۰ء کے انتخابی معرکہ میں بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ حصہ لیا اور بہت بلند پایہ علمائے کرام اور مشائخ عظام کو میدان سیاست میں اتار دیا مثلاً حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ، حضرت محدث کبیر مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور مجاہد اسلام مولانا غلام غوث ہزارویؒ، جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ، مولانا عبدالحکیم سجاد رحمہ اللہ، مولانا نعمت اللہؒ، مولانا صدر الشہیدؒ، اسی طرح صوبہ بلوچستان میں بھی اور مشرقی پاکستان میں بھی جمعیت نے امیدوار کھڑے کئے اور الحمدللہ جمعیت نے مغربی پاکستان میں پی پی پی کے بعد سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے اس معرکہ میں دیگر علماء ومشائخ عظام کے ساتھ محدث کبیر مولانا عبدالحق رحمہ اللہ بھی دارالعلوم حقانیہ سے قومی اسمبلی میں پہنچ گئے، یہاں سے دارالعلوم حقانیہ، مولانا عبدالحق رحمہ اللہ اور مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی خدمات ملیہ اور دینیہ کا ایک نیا اور عظیم الشان دور شروع ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے ''قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ'' جس بہادری بیدار مغزی اور مہارت کے ساتھ لڑا، اس اسمبلی نے پاکستان کا آئین بھی تشکیل دیا اس میں مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی کارکردگی بہت نمایاں رہی، آئین میں مسلمان کی متفقہ تعریف، قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں اور علاقائی مسائل اور بین الاقوامی مسائل پر آپ کی کارکردگی مثالی رہی وہ سلسلہ جو ۱۹۷۰ء میں شروع ہوا آپ کے بعد مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ بھی اس میدان میں آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ۲۰۱۳ء تک ایوان بالا کے ممبر رہے اور اسلام کا مقدمہ آپ نے خوب لڑا اور ''شریعت بل'' پاس کرانے میں کامیاب ہوگئے۔

جہاد افغانستان

اسی زمانہ میں پاکستان کے پڑوسی اسلامی ملک افغانستان پر روس حملہ آور ہوگیا تو حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ اور مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ میدان عمل میں کود پڑے۔ افغانستان کا دفاع دراصل پاکستان کا دفاع تھا پس اس لئے آپ اپنے شاگردوں اور علماء افغانستان کے ذریعہ مقابلہ میں سربکف ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد سے یہ معرکہ بھی جیت کر سرخرو ہوئے اس کا اعتراف حکومت پاکستان کے ایک وزیر اعظم نے اپنی نشری تقریر میں بھی کیا تھا۔

ملک کے ممتاز عالم اور مشہور مؤرخ بالخصوص دارالعلوم حقانیہ کی علمی ، روحانی ، جہادی تاریخ کے چشم دید گواہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہم نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی سوانح حیات ان کی حیات ہی میں مرتب کی اور بڑی معتبر سوانح مرتب کی جو کہ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی نظر سے گزر چکی ہے۔اب مولانا حقانی نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کے بعد ماہنامہ ''القاسم'' خالق آباد ماہِ دسمبر ۲۰۱۸ میں جو اداریہ لکھا ہے ، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور تمام حقانی برادری کی جس خوبصورتی سے ترجمانی کی بلکہ ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

نقطہ نظر، حرف تمنا اور شورش پیہم

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ گوشہ نشین مفکر، بے جان لفظوں کے مصنف اور چٹ پٹی تحریروں کے مؤلف نہیں تھے بلکہ ان کا ہر خطاب، ان کی گفتگو اور ان کی ہر کتاب صحیفۂ انقلاب کا درجہ رکھتی ہے میرے استاد کی کتاب کا ہر باب، باب مزاحمت ہے، ہر باب کا ہر عنوان نشانِ منزل ہے ہر سطر راہ شوق ہے ،سطر کا ہر حرف مجسم جہاد ہے ، لفظ کی ہر سطر مجسم جہاد ہے لفظ کا ہر حرف، حرف تمنا ہے ،حرف کا ہر نقطہ باقاعدہ نقطۂ نظر ہے اور نقطہ کا ہر شوشہ شورش پیہم ہے ، جس نے نام نہاد حکمرانوں ، ظالم جابر آمر بادشاہوں کے تاج کو اچھال کر اور شاہی تخت کو ڈھا کر رکھ دیا ہے۔

شہید ناموس رسالت کا خون نچوڑا گیا

مولانا حقانی لکھتے ہیں: کوئی مجھ سے یہ توقع نہ رکھے کہ میں مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کے خطابات کے حوالے دوں گا افسوس میں اس پر پورا نہیں اتر سکوں گا اس لئے خطبہ تو بس وہی ختم ہو گیا جو امام حسینؓ نے کربلا میں دیا تھا، اب تو اس پر عمل کی ضرورت ہے مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے اس خطبے کی صداقت وحقانیت کو اپنی رگوں میں کشید کر لیا تھا جب نچوڑا گیا تو شہادت کا خون بن گیا ان کے اپنے گھر میں ان کے بستر اور فرش پر بہنے لگا مگر اپنے ساتھ جبر واستبداد ،ظلم واستکبار اور مظالم کے سارے ساز وسامان بہا لے گیا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ساتھ پہلی ملاقات

وہ پہلی نظر پہلی ملاقات کا عالم — کچھ کچھ تو مجھے یاد ہے سب یاد نہیں ہے

افغانستان سے روسی استعمار کے کوچ کر جانے کے بعد جہادی لیڈروں کا دور آیا ان میں

فکری وعملی وحدت کا فقدان تھا، اتحاد واتفاق کی جدوجہد ناکامی کے قریب تھی انہی میں سے ان کے تلامذہ میدان عمل میں کود پڑے جنہیں دنیا نے طالبان کا نام دیا ان کی محنت دن دگنی رات چوگنی کامیابی سے ہمکنار ہونا شروع ہوئی تو اہلِ ایمان کو خوشی ہوئی کہ خونِ شہادت رائیگاں جانے سے بچ گیا ہے چنانچہ افغانستان میں ملا محمد عمر مجاہدؒ کی زیرسرپرستی اسلامی حکومت قائم ہوگئی جسے سب سے پہلے پاکستان اور سعودی عرب نے تسلیم کیا اور پاکستان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی چنانچہ مانسہرہ کے مسلمان بھی اسی خوشی میں گرم جوشی کے ساتھ پیش پیش تھے چنانچہ طالبان کی اسلامی حکومت کو مبارک باد پیش کرنے کیلئے علماء مانسہرہ بھی ایک وفد کی صورت میں جانے کے تیار ہوگئے ۔اس وفد کے دو قائد تھے مولانا قاری فضل ربی اور مولانا سید غلام نبی شاہ صاحب، مفتی حفیظ الرحمٰن صاحب راقم الحروف (قاری محمد شاہ نقشبندی) مولانا سید ہدایت اللہ شاہ ، مفتی کفایت اللہ وغیرہ بہت سے علمائے کرام تھے وفد میں مولانا رفیق الرحمٰن قمر مرحوم بھی تھے، رفیق الرحمٰن قمر کی تحریک پر جاتے ہوئے وفد نے شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اور دیگر علماء مشائخ حقانیہ سے ملاقات ضروری سمجھی مولانا قمر نے مولانا کی خدمت میں اطلاع پہنچائی کہ علمائے مانسہرہ کا وفد آپ کی زیارت کرنے آرہا ہے وقتِ مقررہ پر وفد دارالعلوم حقانیہ پہنچ گیا تو شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ المدنیؒ ، مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اور دیگر نے دارالحدیث (جیسے ایوان شریعت کہا جاتا ہے)اس کے گیٹ پر وفد کا استقبال فرمایا۔

دارالعلوم حقانیہ کا معائنہ کرایا گیا ، بعدازاں ایوان شریعت میں وفد کو استقبالی خطبوں سے نوازا گیا محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی قبر پر حاضری دی مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے ازراہ کرم گورنر جلال آباد کو فون پر وفد کی اطلاع دی جواب میں ہمیں وفد کو سرکاری پروٹوکول دے دیا گیا، سفارت خانے پہنچایا گیا اور سرکاری گاڑیوں میں ہمیں کابل کیلئے روانہ کیا گیا، رات جلال آباد میں ٹھہرے نائب گورنر نے استقبال کیا اور جلال آباد کی سیر کرائی استقبالی جلسوں سے نوازا گیا کابل پہنچے تو سرکاری ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تقریباً پانچ دن اس سفر پر خرچ ہوئے واپسی پر ارکانِ وفد نے دارالعلوم حقانیہ میں حاضری کو ضروری سمجھا اور حاضر ہوکر مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا شکریہ ادا کیا واپسی پر بھی مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے بہت محبت کا مظاہرہ فرمایا، میرا خیال ہے کہ حقانی علماء اپنے اخلاق حسنہ کی بدولت علماء میں ممتاز ہیں۔راقم الحروف (قاری محمد شاہ نقشبندی) کا ۲۰۰۵ء میں حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہم کے ساتھ رابطہ ہوا اور رابطہ بارہ پندرہ برسوں پر محیط ہے ، بحمدللہ مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہم نے بہت محبت دی ، زلزلہ میں مدرسہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء مرادپور کی بھر

پوری مدد فرمائی جس کی بدولت مولانا حقانی مدظلہم کے ہاں آمد ورفت جاری ہوگئی حضرت والا نے کئی بار حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ سے ملاقات کرائی اور ان کی صحبت سے مستفیض فرمایا والحمدللّٰہ علی ذالك

قبل ازیں شریعت بل کی تحریک کے زمانہ میں علماء مانسہرہ کی اکثریت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اور قاضی عبداللطیفؒ صاحبان کی تائید فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ مانسہرہ جامع مسجد ناڑی میں تشریف لائے تو بہت بڑی آئین شریعت کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس میں علماء خواص اور عوام کثرت سے حاضر ہوئے تھے اس موقع پر راقم الحروف کو یہ سعادت حاصل رہی کہ سٹیج سیکرٹری کی خدمات بجالائی تھیں۔ والحمدللّٰہ علی ذلك

ایک سٹیج وہ تھا اور ایک سٹیج آج بھی ہے کہ ہر طرف سے دیوانے، پروانے شمع پر قربان ہونے آرہے ہیں، ایوان شریعت میں عوام وخواص کے ٹھٹ کے ٹھٹ موجود ہیں مگر قائد شریعت، اس دنیا سے روٹھ چکے ہیں۔ وہ موجود نہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ العالی سٹیج پر کھڑے ہیں، قائد شریعت کی تعزیت کیلئے مشائخ وعلمائے کرام، قائدین سیاست، طلباء آرہے ہیں، وہ ہر آنے والے کی دلجوئی کررہے ہیں، حوصلے دلارہے ہیں اسی اثناء میں راقم الحروف اپنے تعزیتی وفد کے ہمراہ ''ایوان شریعت'' میں داخل ہوتا ہے، حضرت حقانی مدظلہ سٹیج ہی سے تعارف کرارہے ہیں، تلاوت کلام پاک کی دعوت دیتے ہیں، تلاوت ہوچکی تو حضرت اقدس مردقلندر حافظ الحدیث حضرت مولانا درخواستی رحمہ اللہ کے صاحبزادے اور ملک کے جلیل القدر عالم، یادگار درخواستی مولانا شفیق الرحمٰن درخواستی کو دعوت سخن دیتے ہیں کہ وہ اس غمزدہ ماحول میں قرآن وسنت کی روشنی بکھیریں۔

غمزدہ لوگوں کی ڈھارس بندھوائیں، حضرت درخواستی نے عوام وخواص کو صبر کی تلقین فرمائی جب وہ وعظ ونصیحت فرما چکے تو مولانا حقانی مدظلہم نے کمال شفقت سے سٹیج سے اتر کر حضرت درخواستی اور راقم الحروف کو جامعہ ابوہریرہ چلنے کا حکم ارشاد فرمایا، جامعہ ابوہریرہ کی فضاء بھی آج سوگوار ہے کیونکہ ان کا مرشد آج اس دنیا میں نہیں، حضرت مولانا شفیق الرحمٰن درخواستی نے یہاں بھی طلباء سے خطاب فرمایا، حوصلہ اور صبر کی تلقین فرمائی، حضرت مولانا حقانی مدظلہ نے اپنے اضیاف کو اکل وشرب کے مرحلے سے گزار کر ہر ایک کو اپنی منازل کی طرف رخصت فرمایا اور خود بھی ایوان شریعت جامعہ حقانیہ کی طرف روانہ ہوگئے......

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میر پھر آئیں گے گر خدا لایا

جناب عالمگیر خان
ناظم دفتر اہتمام دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۲۵ / سالہ خدمت ورفاقت کی مختصر داستان

جناب عالمگیر خان صاحب جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مرکزی ناظم مالیات ہیں، عرصہ پچیس سال حضرت شہید رحمہ اللہ کی خدمت میں رہے، الحاج حاجی اظہار الحق مرحومؒ کے ہمراہ بھی دفتر اہتمام میں کافی عرصہ کام کیا اوران کے معتمد رہے، اب بھی دفتر اہتمام کے ناظم مالیات اوردیگر امور کے اہم عہدہ پر فائز ہیں، ذیل کے مضمون میں اپنی داستان بیان کررہے ہیں۔ (ادارہ)

انسان کی زندگی میں بعض شخصیات ایسی آتی ہیں، جن کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات وایام برسوں نہیں بھولتے، انہی ستودہ صفات شخصیات میں میرے محسن ومربی شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ بھی تھے، میرا ان کے ساتھ پچیس سال کی خدمت کا طویل عرصہ گزارا، اب سوچتا ہوں تو سب ایک خواب وخیال کی طرح معلوم ہوتا ہے ان پچیس سال میں راقم جتنا قریب حضرت شہید رحمہ اللہ کے ساتھ رہا، اتنا قریب شاید ہی کوئی اور رہا ہو۔

دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیرے حیات   تھا سراپا دین ودنیا کا سبق تیرے حیات

کریمانہ اخلاق، تقویٰ وطہارت اور اخلاص وللّٰہیت

میں نے ان کی خلوت وجلوت کا مشاہدہ کیا ان کے کریمانہ اخلاق، تواضع وانکسار کو دیکھا، علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور اخلاص للّٰہیت کے نظارے کئے، وہ کون سا وصف تھا جو آپ کی شخصیت میں موجود نہیں تھا، میں اگر یہ کہوں تو مبالغہ ہرگز نہ ہوگا کہ حضرت شہید رحمہ اللہ تمام صفات میں کامل تھے بلکہ علم کے بحر ذخار اور ولی کامل تھے، سیاست وسیادت میں بھی آپ لاثانی تھے۔

مولانا شہید رحمہ اللہ شفقت ومحبت کا پیکر

آپ نے صرف مجھے نہیں بلکہ تمام عملے کو ایک شفیق والد کا پیار دیا تھا، میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ حضرت کے شہید ہونے کے بعد ہم صحیح معنوں میں یتیم ہوگئے ہیں، میرے والد صاحب

جب وفات پا گئے تو میں دارالعلوم آیا اورمولانا شہید رحمہ اللہ نے مجھے دفتر اہتمام میں رکھااور مجھے باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

طلباء کی حق میں کوتاہی پر ڈانٹ

مولانا شہید رحمہ اللہ بہت زیادہ حلیم الطبع انسان تھے، آپ اپنے ذاتی کام لیٹ ہونے کی وجہ سے ہم پر کبھی بھی غصہ نہ ہوئے، ہاں! جب طلبہ کے حق میں کوئی کمی یا کوتاہی ہوتی تو ان کا غصہ دیدنی ہوتا، طلبہ کے معاملات پر کبھی کسی سے کوئی کمپرومائز نہیں فرمائی، جب کبھی کوئی طلبہ کیلئے کوئی چیز بھیجتا تو حضرت رحمہ اللہ مجھے فون کر کے فرماتے کہ آؤاور یہ چیزیں سنبھال لو یا طلبہ میں تقسیم کرنا ہوتی تو طلبہ میں تقسیم کروانے کا کہتے، میں رات کے وقت اپنے گاؤں شیدو سے آتا اور چیزیں سنبھال کر واپس چلا جاتا۔

حضرت شہیدؒ ایک فیاض شخصیت

حضرت شہید رحمہ اللہ بہت جواد وسخی تھے، علماء، طلبہ اور بعض احباب جب بھی حاضر خدمت ہوتے اورحضرت شہید رحمہ اللہ کو پتہ چلتا کہ یہ غریب وحاجت مند ہے، توان کی مدد ضرور فرماتے، اکثر ایک چھوٹی سی پرچی پر مجھے لکھتے کہ عالمگیر میرے ذاتی کھاتے میں سے اتنے دے دو، میں دے دیتا اب بھی میرے پاس اس قسم کی بہت ساری رسیدیں جمع ہیں۔صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی آپ کا خاصہ تھا، آدم زئی کے آپ کے ایک دور کے رشتہ دار تھے، ایک دن مجھے ساتھ لے گئے تو وہ بیمار تھے، مجھے ڈاکٹر احمد علی کے پاس بھیجا کہ جلدی سے بلالاؤ آپ آئے اورعلاج معالجہ کیا تو مولانا شہید رحمہ اللہ نے انہیں تاکید فرمائی کہ کبھی کبھار انہیں چیک فرمایا کریں اور مجھے حکم فرمایا کہ ان کا کھانا بھیجا کرو۔

اخلاق عالی سے متاثر ہونے کا نتیجہ

حضرت شہیدؒ سراپا شفقت اورمحبت تھے، ۲۵ رسال ملازمت کے دوران میں نے انکا صرف پیار ہی دیکھا، انہوں نے کبھی اپنی ذات کیلئے غصہ نہیں کیا، جب میں بھرتی ہوا تو میں کلین شیو تھا، آپ نے کبھی مجھے یہ نہیں فرمایا کہ داڑھی کیوں منڈھواتے ہو؟ کچھ عرصہ کے بعد خود ہی میں آپ کے اخلاق عالیہ سے متاثر ہوااورڈاڑھی رکھ لی، اسی طرح کے عالی اخلاق والی شخصیت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔آپ ایک عظیم، سحرانگیزاور ہردلعزیز شخصیت تھے۔آپ کی جدائی سے ساری انجمن افسردہ ہے۔

مولانا انعام الحق حقانی
ناظم دفتر تعلیمات جامعہ دارالعلوم حقانیہ

جامعہ حقانیہ کے سرپرست اعلیٰ: چند مشاہدات

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں قلم کو لکھنے پر مائل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ مجھ جیسے کم فہم، نالائق کیلئے مناسب بھی نہیں لیکن خریداران یوسف میں نام شامل کرنے کی غرض سے چند یاداشت سپرد قلم کررہاہوں۔ خانوادہ حقانیہ سے ہمارا رشتہ کافی قدیم ہے داداجان جناب حنیف گلؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے خاص عقیدت مندوں میں سے تھے بلکہ تلمذ کا رشتہ بھی قائم تھا پھر میرے والدمحترم مولانا عبدالحقؒ نے ایک طرف قاعدہ بغدادی کی ابتداء حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ سے فرمائی تو دوسری طرف بخاری شریف کی آخری حدیث بھی حضرت شیخ الحدیثؒ سے پڑھی پھر یہ سلسلہ چلتے چلتے میرا تعلیمی سفر بھی جامعہ حقانیہ سے مکمل ہوا، دورہ حدیث شریف کے دیگر اسباق کے ساتھ بخاری شریف کی آخری حدیث بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، دوران تعلیم ہر ہفتے جب بھی گھر بھی واپسی ہوتی تو والد گرامی کا پہلا سوال صاحبین کریمین شیخین (حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور حضرت مولانا انوارالحق مدظلہ) کے بارے میں ہوتا تھا ان کی خیر عافیت اور تذکرے کے بعد باقی اسباق کے بارے میں پوچھ گچھ ہوتی۔

تحصیل علم اور جامعہ حقانیہ سے فراغت کے بعد جب شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق حفظہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور انتخاب پر جامعہ میں خدمت کا موقع ملا تو ابتدائی دنوں میں ذہن مشوش رہتا تھا ایک دن خواب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو دیکھا کہ جامعہ میں ایک سٹیج لگا ہوا ہے جس پر کافی زیادہ شیوخ واساتذہ تشریف فرما ہیں، حضرت مولانا انوارالحق مدظلہ بھی موجود تھے میں ملنے کے لئے آگے بڑھا تو حضرت شیخ شہیدؒ نے اپنے قریب بٹھایا اور اپنی آغوش شفقت میں میرا سر رکھا۔اس خواب کے بعد میرا دل مطمئن ہوگیا۔ جامعہ حقانیہ میں دفتر تعلیمات کی خدمت کے دوران جب بھی کوئی مسئلہ حضرت شیخ شہیدؒ کے سامنے پیش کیا تو بڑے توجہ اور اہتمام کے ساتھ رہنمائی فرمائی، خصوصاً ہر ہفتے منگل کے دن حضرت شیخ انوارالحق مدظلہ کی زیرصدارت تعلیمی کمیٹی کا اجلاس ہوتا، اجلاس کی مکمل کاروائی میں منضبط کرکے حضرت شیخ شہیدؒ کے سامنے پیش کرتا۔ جب بھی خدمت اقدس میں حاضری ہوتی تو دور سے ارشاد فرماتے ''آؤ آؤ وزیر تعلیم صاحب!'' آپ کے پیارے منہ سے یہ ''وزیر تعلیم'' کے الفاظ

میرے دل کو ایک عجیب لذت اور خوشی بخشتے، اکثر دفتر اہتمام میں کافی زیادہ مہمان، حکومتی ارکان، جمعیت علماء اسلام کے عہدیداران، صحافی حضرات کے علاوہ معزز لوگ تشریف فرما ہوتے مگر جب بھی حاضر ہوتا تو سب کچھ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہوتے اور مہمانوں سے بھی اکثر فرماتے کہ یہ ہمارا ''وزیر تعلیم'' ہے۔ اجلاس کی کاروائی حرف بہ حرف دیکھتے، میری تحریر میں اکثر پروف بھی فرماتے اور پھر کاروائی کی مناسبت سے مشوروں سے بھی نوازتے۔

اخلاق وعادات کے بارے میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں تو مجھے حضرت انسؓ کی وہ حدیث یاد آجاتی ہے کہ ''میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا، اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھ سے اُف نہیں کہا اور نہ کبھی مجھ سے کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ یا فلاں کام کیوں کیا؟'' میں نے حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کے زیر سایہ تقریباً نو سال گزارے ان نو سالوں میں کبھی بھی میں نے یہ بات نہیں سنی کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ یا کسی غلطی پر سختی کے ساتھ تنبیہ کی ہو حالانکہ مجھ جیسے نالائق سے قدم قدم پر لغزشیں صادر ہوتیں مگر حضرت شیخ شہیدؒ بڑی محبت سے اس کی اصلاح فرماتے جب کوئی طالب علم کسی سفارش کے بارے میں درخواست پیش کرتا تو اس پر سفارش بھی سفارش کی حد تک لکھ دیتا کہ ''مولانا انعام صاحب! مطلوبہ مسئلہ کی تحقیق کر کے قانون کے مطابق مسئلہ حل کریں (تحریر کے آخر میں صرف سمیع الحق لکھتے)'' کبھی بھی حکم جاری نہیں فرماتے، اس سے بڑی تواضع اور انکساری کی کوئی بات ہوسکتی ہے؟ مگر ہمارے لئے حضرت کا اشارہ بھی حکم سے کم نہیں ہوتا تھا، میں حضرات کریمین صاحبین شیخین (حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور حضرت مولانا انوارالحق مدظلہ) کی آپس میں محبت سے بھی کافی زیادہ متاثر تھا میں اکثر دونوں محبین کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہوتا جب بھی حضرت شہیدؒ سے ملاقات ہوتی تو سب سے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق مدظلہ کا پوچھتے اور فرماتے کہ بیمار وغیرہ تو نہیں اللہ انہیں ہمت دے، ہمیں دفتر تعلیمات وغیرہ کے مسائل سے فارغ کیا ہوا ہے، آپ ان کا خاص خیال رکھا کرو مگر یہ سب احوال، واقعات اور یادداشتیں صرف یادگار کے طور پر رہ گئی ہیں۔ آج بھی میرے کان ''وزیر تعلیم'' کی آواز کیلئے، دفتر میں داخلہ کے ساتھ ہی ''آؤ آؤ'' کے دلنشین استقبال کیلئے ترس رہے ہیں، حضرت شیخ شہیدؒ کی المناک شہادت کے بعد دارالعلوم میں زندگی گویا پھیکی پھیکی ہو چکی ہے، شہادت کے بعد طلباء، علماء کے علاوہ جامعہ کے در و دیوار یتیم نظر آرہے ہیں بقول شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق مدظلہ کہ ہم ایک عظیم چھتری سے محروم ہو گئے جو ہم سب کو ہر قسم کے باد و باران سے محفوظ رکھ رہا تھا۔ اللہ حضرت شہیدؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرما کر ہم سب پر ان کی علمی برکات نازل فرمائے (آمین)

مفتی محمد ظہور اللہ حقانی مروت
ابن مفتی سیف اللہ حقانی مدظلہ

بعد از مرگ بھی ہے دنیا ان سے فیض یاب

گلشن دہر میں ہر سمت خزاں چھائی ہے   جگمگاتے ہوئے سورج کی کرن ڈوب گئی
آج پھولوں میں لطافت نہ فضاؤں میں سرور   چھپ گیا وقت کے زمانے کا چمکتا ہوا خورشید

وہ آفتاب رشد وہدایت ،۲رنومبر۲۰۱۸ء کوراولپنڈی میں غروب ہوگیا جب یہ خبر کانوں میں پڑی تو حواس ختم ،عقل گم ،زبان گنگ اورشعور معطل ہوگیا آنکھوں سے آنسو بے اختیار جاری ہوگئے۔

تیری یاد کی خلش ہو تیرے ذکر کی تپش ہو   میرے اشک ہائے غم کو کوئی چاہیے بہانہ

ہر شخص اپنی جگہ مجسمہ حیرت اورغم والم بنا ہوا تھا،ایک ایسا سانحہ جس نے دلوں کوزخمی کر دیا شاگردتو شاگرد عام وخواص بھی خون کے آنسو روتے رہے، بدبخت ظالموں نے ہم سے ہمارا مشفق، رہبر استاد چھین لیا اوراپنی دانست میں ایک چراغ بجھادیا کہ اب چارسو اندھیرا ہوجائے گا لیکن یہ شقی القلب نہیں جانتے کہ علمی آفتاب کے غروب ہونے سے روشنیاں ختم نہیں ہوتیں۔

بعد از مرگ بھی ہے دنیا ان سے فیضیاب   وہ شمع بجھ گئی اجالا نہیں گیا

جی ہاں! وہ آفتاب رشدوہدایت سیدی ومولائی شیخ الحدیث حضرت مولانا سیدالشہداء الشیخ مولانا سمیع الحق صاحب رحمہ اللہ تھے۔مضمون لکھتے وقت دماغ ساتھ نہیں دے رہا تھا کہ حضرت الاستاد کی زندگی کے کس پہلو سے شروع کروں......

جب کبھی اہل وفا یاد کریں گے مجھ کو   جانے کیا کیا میری روداد کے عنوان ہوں گے

ان کی علمی خدمات کوسراہوں یا تدریسی لمحات کواجاگر کروں یا ان کی عجز وانکساری پر بات کروں یا چمکتے دمکتے، ہنستے مسکراتے چہرے پرقلم کوجنبش دوں،ان کی سیاسی جدوجہد کی عالمگیر حیثیت سے بحث کروں یا جہادی سوچ وفکر کی آبیاری کرنے والے ایک عظیم مجاہد کی داستان سناؤں۔

الغرض! اس مختصر مضمون میں حضرت رحمہ اللہ کی حیات مبارکہ کے تمام پہلوؤں کومختصر بیان

کرنا جوئے شیر لانے کی مترادف ہے کیونکہ حضرت استادمحترم تو اس شعر عین مصداق ہے......

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

پھر بھی اس عاجز نے جو دیکھا ہے، ان میں سے بطور مشت نمونہ خروار کچھ نقل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ قیامت کے دن ایک شہید استاد کے مداحوں کی فہرست میں میرا نام بھی آئے اور اسی بہانہ سے عاجز سیہ کار کی بخشش ہو جائے ......

لوگ کہتے ہیں تیری باتوں میں ہوتا ہے اثر بات یہ ہے کہ انہی کی بات دہراتا ہوں میں

حضرت استادمحترم کی عاجزی وانکساری

مولانا شہیدؒ بلند پایہ سیاسی لیڈر، علمی مقام میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوجانے کے باوجود عجز وانکساری کا نمونہ تھے۔راقم الحروف کے والدمحترم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مدظلہ ورزقهم الله شفاء کاملا ۱۹۹۲ء میں سعودی عرب کے مہمان کی حیثیت سے حضرت الاستاد رحمہ اللہ کے وفد میں حج کیلئے تشریف لے گئے تھے، وہاں پر اسفار کے دوران والدمحترم کو گاڑی کی اگلی نشست پر بٹھاتے اور فرماتے کہ آپ سفید ریش اور جامعہ حقانیہ کے مفتی اعظم ہیں اس لئے آپ اگلی نشست پر بیٹھیں گے باوجود اس کے والدمحترم حضرت مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ کے خاص شاگرد رہے ہیں، حضرت والد گرامی فرماتے ہیں کہ حج کے دوران حج کے تمام افعال میں استادمحترم رحمہ اللہ بندہ کو انگلی سے پکڑے رہے جیسے چھوٹے بچے کو اس کا والد انگلی پکڑ کر لے چلتا ہے۔

اسی طرح راقم الحروف نے بارہا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کے دفتر اہتمام میں جب بھی والدمحترم ملاقات کے لئے اپنے استاد حضرت شہید رحمہ اللہ کو ملنے تشریف لے جاتے تو حضرت الاستاد رحمہ اللہ اپنی نشست سے اٹھتے اور آگے بڑھ کر استقبال فرماتے۔

اخلاص کا یہ عالم ہر ایک یہ سمجھتا ہے جو مجھ سے تعلق ہے اوروں سے نہیں ایسا

حضرت الاستاد رحمہ اللہ کی یہ بڑی زبردست عادت تھی کہ جب بھی راہ چلتے اور کسی بھی کاغذ کے ٹکڑے کو زمین یا پانی کی نالی وغیرہ میں دیکھتے تو فوراً خود اٹھاتے اور اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہ فرماتے، کئی بار بندہ نے جامعہ حقانیہ کے اندر بڑے قد کاٹھ کے سیاسی لوگوں کو اور بڑے پایہ کے علماء کے ساتھ دیکھا ہے کہ جب بھی کوئی کاغذ، اخبار کا ٹکڑا یا کتاب کے صفحے وغیرہ کا حصہ زمین پر پڑا ہوتا تو خود اٹھاتے کسی خادم یا ساتھ چلنے والے کسی طالب علم کو نہ حکم دیتے کہ اس کاغذ

کواٹھاؤ، اس سے حضرت الاستاد رحمہ اللہ کی عاجزی کے ساتھ ساتھ علم کے آلے (کاغذ) کا ادب واحترام بھی عیاں ہوتا ہے۔

حضرت الاستاد رحمہ اللہ کی طلبہ کرام پر شفقت

ہر وارد وصادر کو زما بچیه یعنی میرے بیٹے! سے مخاطب کرتے، خصوصاً جامعہ حقانیہ کے اساتذہ کرام، عملہ اور طلبہ کرام پر شفقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی اور یہ شفقت، رفقت اور محبت ان کو ورثے میں ملی تھی۔ مجھے فخر ہے کہ میں شہید ناموس رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا شاگرد ہوں جب بھی مدرسہ کا طالب علم ان سے ملتا تو طالب علم سے رہائش وخوراک کے متعلق ضرورت پوچھتے اور فرماتے کہ ''اے بچیه!'' آپ ہمارے مہمان ہیں۔

استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ المدنی رحمہ اللہ شعبان، رمضان میں دورۂ تفسیر جامعہ حقانیہ میں پڑھاتے جس میں سینکڑوں تشنگان تفسیر حصہ لیتے ان طلبہ کرام کا اکثر خرچہ حضرت الاستاد شہید رحمہ اللہ برداشت کیا کرتے۔ ان ایام میں حضرت والد محترم بھی ''سراجی'' نماز ظہر کے بعد پڑھاتے جس میں ۴۰ طلبہ شریک ہوتے مگر وہ اپنا خرچہ خود اٹھاتے، ایک دفعہ اتفاقاً حضرت الاستادؒ دورہ میراث کے طالب علم سے ملے اور حسب عادت کھانے وغیرہ کا پوچھا انہوں نے کہا ہم تو اپنی جیب سے برداشت کرتے ہیں اور مطبخ والے نہیں دیتے کہ یہ کھانا دورہ تفسیر کے طلبہ کے لئے ہے، آپ نے فوراً مطبخ کے ذمہ دار کو بلایا اور فرمایا کہ جب دورہ تفسیر کے ایک ہزار طلبہ کھانا مطبخ سے لیتے ہیں ان دورہ میراث کے طلبہ کا بھی کھانا مطبخ سے دیا کریں۔

دینی خدمات پر حوصلہ افزائی

جس طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ راتوں کو اٹھ کر دعا کرتے کہ یا اللہ! جامعہ حقانیہ کے سابقہ اور آنے والے تمام طلبہ اور فضلاء سے دین کی خدمت لے لہٰذا جب بھی حضرت الاستاد رحمہ اللہ کے پاس کوئی جامعہ حقانیہ کا فاضل یا کسی دوسرے جامعہ کا فاضل آتا اور اپنی کسی دینی خدمت کا تذکرہ کرتا اور کسی بھی چھوٹی سے چھوٹی دینی خدمت کیساتھ تعلق بتاتا تو حضرت الاستاد رحمہ اللہ بہت ہی خوشی کا اظہار فرماتے اور بہت زیادہ حوصلہ دیتے خود بندہ کو بھی آپ نے بہت حوصلہ دیا جسے میں کبھی بھلا نہیں سکتا وہ یوں کہ حضرت الاستاد تفسیر لاہوری رحمہ اللہ کی تصنیف میں مشغول تھے اور یہ ان کی خواہش ودیرینہ آرزو تھی کہ یہ تفسیر ان کی زندگی میں مکمل ہوجائے، بندہ نے کمپوزنگ کی

خدمت کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا، آپ رحمہ اللہ نے تین چار صفحات بطور نمونہ لکھنے کیلئے دیئے اگلے دن جب دفتر اہتمام کمپوزنگ کا کام حضرت الاستاد رحمہ اللہ کو دکھایا تو بہت خوش ہوئے اور مجھے کمپوزنگ کیلئے منتخب فرمایا پھر الحمدللہ، سورۃ بقرہ مکمل، سورۃ آل عمران مکمل، سورۃ نساء مکمل، سورۃ مائدہ مکمل اور سورۃ یوسف بھی لکھی، والد محترم روز مجھ سے دریافت کرتے کہ استاد محترم نے جو کام دیا ہے وہ مکمل کیا ہے یا نہیں؟ اور کہتے کہ اس میں تاخیر نہ کیا کرو اور ساتھ یہ بھی کہا کہ خبردار کمپوزنگ کا معاوضہ نہیں لوگے بلکہ خدمت کے جذبہ سے کام کرو مگر حضرت الاستاد رحمہ اللہ نے مجھے زبردستی معاوضہ دیا کہ تم بھی صاحب اولاد ہو اور کرایہ کے مکان میں رہتے ہو۔

حضرت الاستاد رحمہ اللہ کی خوش طبعی

بندہ کو ہوش وحواس سنبھالے ہوئے تقریباً ۳۵ سال ہوگئے ہیں ان سالوں میں حضرت الاستاد رحمہ اللہ کو ہمیشہ ہشاش بشاش اور خوش طبع دیکھا ہے، ملکی سیاست کے اندراونچ نیچ، امت مسلمہ کی حالت زار، جامعہ حقانیہ کے اہتمام کی ذمہ داری، دفاع پاکستان کونسل کی رہبری اور تدریسی وتصنیفی مصروفیات کے باوجود دوران گفتگو کبھی بھی محسوس نہ ہوتا تھا کہ آپ پر پریشانی کے کچھ اثرات ہیں۔

جو ہیں خاصانِ حق وہ اپنے دل کو شاد رکھتے ہیں
غم و اندوہ میں، رنج والم میں، یاس و حرمان میں

بندے کی صحت مندی دیکھ کر بطور خوش طبعی اکثر فرماتے کہ صحت مندی میں (خپل کلے وال نه به نمبر اُوڑے) مراد قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ ہوتے۔

حضرت الاستاد رحمہ اللہ کی رفاہی خدمات

آپ کی پوری زندگی رفاہی، خیر خواہی اور خوش اخلاقی کی عکاس تھی، جامعہ حقانیہ کی شکل میں اتنا بڑا ادارہ چلانا اور اس میں ہزاروں طلبہ اور سو سے اوپر اساتذہ وعملہ اور ان کی تمام ضروریات بدرجہ اتم پورا کرنا، ۲۸۔ جولائی ۲۰۱۰ء کو سیلاب کے دوران جب دریائے کابل کی موجیں اکوڑہ خٹک کے گھروں کی چھتوں سے اوپر ہوگئیں تو لوگوں نے نقل مکانی کی۔ لوگ سیلاب کے اچانک آجانے کی وجہ سے سارا ساز وسامان گھروں میں چھوڑ کر جامعہ حقانیہ کے سامنے جی، ٹی روڈ پر آئے تو حضرت الاستاد رحمہ اللہ بے چین ہوکر رات کے ایک بجے گھر سے باہر تشریف لائے اور یہ شعبان کا مہینہ تھا تعطیلات کی وجہ سے جامعہ حقانیہ کی تمام کمرے مقفل تھے اور چابیاں جس خادم کے پاس موجود تھی وہ خادم بھی

اپنے گاؤں گیا ہوا تھا لہٰذا حضرت الاستاد نے فوراً حکم دیا کہ کمروں کے تالے توڑ دیئے جائیں اور ان متاثرین کو ان کمروں میں پناہ دی جائے، بندہ نے خود دیکھا کہ حضرت الاستاد رحمہ اللہ نے اپنی نگرانی میں تالے تڑوائے اور کئی مہینوں تک جامعہ کے اندران متاثرین سیلاب کی مہمان نوازی کی، اس وقت نوشہرہ اور اٹک دونوں طرف اکوڑہ خٹک کی طرف آنے جانے کا راستہ یعنی جی ٹی روڈ سیلاب کی وجہ سے بند تھا، راشن باہر سے نہیں آسکتا تو متاثرین سیلاب کو طعام کا بندوبست جامعہ حقانیہ کے مطبخ سے کیا اور اس کا تمام خرچہ اپنی جیب وغیرہ سے برداشت کیا اور مطبخ سے کھانا متاثرین کو ان کے کمروں تک پہنچانے کا بندوبست بھی کیا حالانکہ یہ سہولت طلبہ کو حاصل نہیں ہوتی کیونکہ طلبہ بھی لائن میں کھڑے ہوکر مطبخ سے روٹی لے کر کمروں کو جاتے ہیں۔

حرف آخر

یہ دنیا فانی ہے، ہر آن موت وحیات کی پنجہ آزمائی جاری رہتی ہے جو آیا ہے وہ جانے ہی کیلئے آیا ہے، دنیا میں موت کتنی سستی، یقینی اور ہر وقت اور ہر جگہ آسانی سے مل جانے والی چیز ہے اور ایک نہ ایک دن ہر جاندار کو اس کا مزہ چکھنا ہے **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ** (العنکبوت: ۵۷)

کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت　　　گلشن ہستی میں مانند نسیم، ارزاں ہے موت

لیکن جب کوئی ایسا انسان دنیا سے منہ موڑ لیتا ہے جس کی زندگانی خود اس کیلئے اور دوسروں کے لئے مفید تھی تو دنیا والوں کو اس کے چلے جانے کا غم زیادہ محسوس ہوتا ہے کچھ اس طرح کا احساس حضرت مولانا شیخ الحدیث شہید ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھ جانے کے بعد ہم سب کو ہو رہا ہے اور حضرت الاستاد رحمہ اللہ کی کمی ملک وبیرون ملک میں شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس　　　یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے

اور بالآخر اپنے ہزاروں تلامذہ، لاکھوں عقیدت مندوں، کروڑوں محبین اور تربیت یافتہ عوام و خواص کو روتا ہوا چھوڑ کر اور اپنے خون میں رنگ کر جامعہ حقانیہ کی گود میں پوری دنیا کو ببانگ دہل اللہ کی بات جرات کیساتھ بات پہنچانے والا تھکا ماندہ مسافر خود خاموش ہوکر سوگیا (رحمه الله رحمة واسعة)

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد رکھنا جب چمن میں بہار آئے

مولانا محمد نعمان حقانی
رفیق مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ

مجھے سب یاد ہے وہ ذرا ذرا

میرے انتہائی واجب القدر محسن شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب میں اُن کا انتہائی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میرے ہاتھ میں قلم پکڑوا کر مجھے کچھ لکھنے کی تلقین کی اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے بہت زیادہ دعائیں بھی دیں کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی اس عظیم الشان تفسیر وخدمت کی وجہ سے تم پوری دنیا میں چمکو گے اور تمہارا کام اور نام دونوں روشن ہوں گے اور ساتھ ہی میری دلجوئی بھی فرمائی اور مجھے داد دے کر تسلی دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ہم سب اور ہمارے سارے دینی کام حضرت شہید رحمہ اللہ کی کرامت وصدقہ جاریہ ہیں۔

حضرت شیخ شہیدؒ کیلئے تفسیر لاہوریؒ کی کمپوزنگ کا معمول

میرا حضرت شیخ سمیع الحق شہیدؒ سے قلبی تعلق تھا میں ان کے لئے رات کو تفسیر کا کام تیار کرتا، پھر حضرت شہیدؒ رات کو نو بجے فون پر اکثر کام کے بارے میں دریافت فرماتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ صبح پھر نو بجے نورولی (جو کہ حضرت شیخ شہیدؒ کے ذاتی خادم ہیں) سے لے لینا یا اس فائل سے (جس کو حضرتؒ اپنے حجرے کی مخصوص الماری میں رکھ دیتے) لے لینا پھر صبح جا کر وہاں سے کام لیتا تو خوشی سے دفتر آتا اور ایسا لگتا کہ مجھے دنیا وما فیہا کی دولت مل گئی پھر اپنی ترتیب سے واپس جا کر کام کرتا۔ اب صبح کام کرنے جب دفتر آتا ہوں تو یہی سوچ ستاتی ہے کہ اب کون مجھے فون پر پیار بھری آواز میں اپنے ہاں بلائے گا؟ اور کون مجھے کہے گا بیٹے! آج کام لاؤ گے؟ اب کون دفتر آئے گا اور حاجی نثار صاحبؒ کو حکم دے گا کہ جاؤ اور تمام ''مؤتمر المصنفین'' والوں کو بلا لاؤ؟ میں اکثر دوستوں سے یہی بات کرتا ہوں کہ میں نے اپنے ماں باپ کو حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کیلئے چھوڑا ہوا ہے، میرے والدین بھی حضرت کی خدمت پر راضی تھے اور اسے میرے لئے خوش قسمتی سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ شہیدؒ اوران کے صاحبزادوں کی شفقت کی ایک زندہ مثال

جب میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا تو میں نے حضرت شہیدؒ کے فرزند ارجمند استاد محترم مولانا

راشدالحق سمیع صاحب کو پیغام بھیجا کہ حضرت کو بتادیں کہ ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اس وجہ سے میرا مدرسہ آنا مشکل ہے (مولانا راشدالحق صاحب انتہائی غمزدہ ہوئے اورساتھ ہی شفقت کا معاملہ کرکے فرمایا کہ اگرمسئلہ زیادہ ہوتو LRH میں میرا کزن نیروسرجن ڈاکٹر عثمان ہے ان کو میں فون کرتا ہوں ان کے پاس جائیں وہ بہتر طریقے سے آپ کا علاج کریں گے) بہرحال! میں بھی زخمی تھا ساتھ ہی گھر والی اور بیٹی بھی، میرے شیخ ومیرے مربی سیدی وسندی واستادی حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے بیماری کے دوران غالباً تین دفعہ فون کیا اور استادمحترم مولانا راشدالحق صاحب بھی بار بارعیادت وخیریت دریافت کرتے رہتے۔

بیماری کے بعد حضرتؒ نے فون کیا فرمایا کہ آگئے ہو؟ مدرسہ میں ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آگیا ہوں، فرمایا: بیماری سے کچھ افاقہ ہوگیا ہے؟ میں نے کہا جی! الحمدللہ! پھر فرمایا کہ دوائی ختم ہوگئی کہ نہیں میں نے کہا چند گولیاں باقی ہیں فرمایا جو دوائیاں استعمال کی ہیں اس سے کچھ فرق آیا ہے کہ نہیں میں نے کہا جی الحمدللہ! اس کے بعد پھر کام کے بارے میں پوچھنے لگے کہ کام کی کیا پوزیشن ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں یہاں تک کام مکمل کرلیا ہے، الغرض محبت اتنی کہ ایک ساتھی کو یہ واقعہ سنایا تو اس نے مجھے کہا کہ آپ نے کبھی ان کے فون کرنے پرسوچا ہے، اس میں تو تم کو حضرت شیخ شہیدؒ نے اپنے بیٹے کی طرح مخاطب کیا اور یقین جانئے! تم کو اپنے بیٹے سے کم نہیں سمجھا ہے کیونکہ اس طرح باتیں تو والد اپنے بیٹے کے ساتھ کرتے ہیں اور ساتھ ہی میں نے اس فون کا تذکرہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب سے کیا تو ارشاد فرمایا کہ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ حضرت شیخؒ کی شفقت ومحبت تمہیں نصیب ہوئی۔

حضرت شیخ سے محبت کی ایک مثال

ایک دفعہ ہم کمرے میں بیٹھے تھے مولانا شوکت علی حقانی (جوکہ دارالعلوم حقانیہ میں ایک مخلص مدرس بھی ہیں اور ناظم مطبخ بھی تشریف فرما تھے) ان کے ساتھ باتیں ہورہی تھیں توانہوں نے باتیں شروع کیں کہ جنت میں حضرت شیخ صاحبؒ کتنے آرام سے بیٹھے ہوں گے اور ہم کو یہاں پر رُلا دیا اس کے بعد حضرت شیخ شہیدؒ کے جہاد کے اور مجاہدانہ تذکرے ہوتے رہے اورساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ شہداء کا کتنا اونچا مقام ہوگا اورساتھ یہ کہا کہ میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا کہ اے اللہ مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی وہ جھلکیاں دکھادیں جس میں انہوں نے جہاد کیا ہو اورشہید ہوگئے

ہوں، میں نے عرض کیا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت ہے مجھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت ہے اور میرا ایمان ہے کہ وہ اعلیٰ وارفع مقامات پر ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ سے صرف ایک سوال ضرور کروں گا کہ اے اللہ! مجھے حضرت شیخ شہیدؒ کے قاتلوں کی وہ جھلک ضرور دکھائیں کہ اِن بدبختوں نے میرے شیخ پر کیسے حملہ کیا ہوگا اور پھر اس بدبخت قاتلوں کے ساتھ دنیا وآخرت میں کیا معاملہ برتاؤ ہوگا ؟ تو مولانا شوکت علی صاحب نے کہا بالکل یہ آپ کی حضرت شیخ صاحبؒ سے محبت ہے اللہ تعالیٰ آپ کا یہ مطالبہ ضرور پورا فرمائے گا۔ (ان شاء اللہ)

مولانا عبدالقیوم حقانی سے پہلی ملاقات

حضرت حقانی صاحب سے پہلی ملاقات غالباً ۲۲ رمضان المبارک ۲۰۱۶ء ظہر کی نماز کے بعد دفتر اہتمام جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ہوئی تھی، حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت شہیدؒ کو میں تفسیر کی کمپوزنگ کا کام روزانہ دکھاتا تھا اور حضرتؒ معائنہ کر کے پھر رات کو فون کرتے تھے اور نئی ہدایات دیتے (جس کی اکثر ریکارڈنگ میرے پاس موجود ہے) حضرت حقانی صاحب نے جب مجھے حضرت شہید رحمہ اللہ کے ساتھ دیکھا تو مجھے یاد ہے مجھے کہنے لگے کہ تم تفسیر کی کمپوزنگ کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں جی! کچھ صفحات دیکھتے ہی کہا کہ یہ آپ تفسیر نہیں بلکہ اصل میں موتی پرو رہے ہو پھر صبح تقریباً آٹھ بجے فون کر کے فرمایا، مولانا نعمان بول رہے ہو، میں نے کہا جی! فرمایا میں عبدالقیوم حقانی بات کر رہا ہوں پہچان لیا؟ میں نے کہا جی ہاں! پہچان لیا۔ فرمایا سو رہے تھے میں نے کہا نہیں جی! دفتر میں ہوں (حضرت اپنی عاجزی اور غایۃ محبت کو مدنظر رکھ کر فرمانے لگے) آپ افطاری کے بعد میرے ہاں آجائیں میں آپ کیلئے کچھ کتابیں بطور ہدیہ اور کچھ نقد انعام دینا چاہتا ہوں لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ مجھے فون کرنا (چونکہ حضرت ہمیشہ سفر پر ہوتے ہیں اسی بناء پر کسی کو تکلیف دینا گوارا نہیں کرتے) اسی دن رات کو ان کے ہاں چلا گیا تو جب میں ان کے مدرسہ وہاں جامعہ ابوہریرہ خالق آباد پہنچا تو حضرت حقانی صاحب موجود نہیں تھے تو مولانا قاسم صاحب جو کہ ان کے فرزند ارجمند ہیں ان کے ساتھ ملاقات ہوئی انہوں نے حضرت کو فون کر کے بتایا کہ نعمان آیا ہوا ہے تو حضرت نے کہا کہ ایک ہزار روپے انعام دے دو اور چند کتابیں بھی مجھے عنایت فرمائیں۔

والد محترم اور عم محترم کے حضرت شہیدؒ کے ساتھ بیتے ہوئے چند لمحات

ایک مرتبہ دارالحدیث کے ہال میں شوریٰ کا اجلاس تھا بڑے بڑے علماء تشریف فرما تھے، میرے

والدِ محترم (جناب نجیب اللہ صاحب) جب دارالحدیث آئے تو میں نے حضرت شہید رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ میرے والد صاحب آئے تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے والد صاحب سے مصافحہ فرمایا اورحال احوال دریافت کئے، اس کے بعد والدِ محترم جب بھی دارالعلوم آتے تو مجھے کہتے کہ حضرت شیخ صاحب سے ملاقات کرتے ہیں، ایک دفعہ آپ اتفاقاً اپنے حجرے میں مہمانوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، جب میں نے کہا کہ والد صاحب تشریف لائے ہیں تو فرمانے لگے، او ماشاء اللہ...... اس کے بعد فرمانے لگے، کھانا کھایا ہے؟ میں نے کہا جی! یہاں کوارٹر میں کھلا کے آیا ہوں، تو فرمانے لگے ایسا نہ کریں، یہاں آتے تو یہاں کھاتے، میرے والد صاحب جب بھی کسی سے حضرت شہید رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کا حسنِ سلوک ضرور یاد کرتے ہیں کہ حضرت شہید رحمہ اللہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔

میری دستار بندی کے موقع پر والدِ محترم آئے (ساتھ ہی میرے نانا اور ماموں مولانا یاسر جان بھی تشریف لائے تھے) ، حضرت شہید رحمہ اللہ نے والدِ محترم کو کہا کہ آج آپ کے بیٹے نعمان کی صحیح شادی ہوگئی، (جبکہ اس سے ایک مہینہ قبل شادی ہوچکی تھی) ایک دفعہ میرے چچا (جو کہ میرے سسر بھی ہیں) جناب حاجی محبّ اللہ صاحب ایک جنازے کیلئے گئے تھے تو واپسی پر دارالعلوم حقانیہ میں ہمارے گھر آئے تو میں نے شیخ صاحب کی بیماری کا بتایا کہ وہ اسلام آباد میں زیرِ علاج ہیں، ہم ابھی ان سے واپس آئے ہیں تو کہا کہ میں بھی بیمار پرسی کیلئے جانا چاہتا ہوں پھر میں نے مولانا احمد شاہ صاحب کو فون کیا کہ میرے چچا آئے ہیں اور حضرت کی خیریت دریافت کرنے اسلام آباد آنا چاہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں حضرت سے بات کرواتا ہوں، حضرت شہید رحمہ اللہ سے دعا سلام کیا پھر چچا نے کہا کہ میں ہسپتال آنا چاہتا ہوں تو حضرت شہید رحمہ اللہ نے کہا کہ تکلیف نہ کریں، بس دعاؤں میں یاد رکھیں۔

جب ان دونوں کو حضرت شہیدؒ کی شہادت کا معلوم ہوا تو مجھے یاد ہے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بے اختیار کہا کہ بس وئی گٹلہ خو سمہ ئی و گٹلہ اسی طرح ایک دفعہ میرے چچا زاد بھائی محمد حارث جان مخلص جو کہ شیخ شہیدؒ کے انتہائی عقیدتمند تھے، جب بھی دارالعلوم آتے تو مجھے کہتے کہ شیخ صاحب سے ملواؤ، میں ان سے ملاقات کرواتا، ایک دفعہ آئے تو حضرت شیخ نے پوچھا کہ بیٹے کون سی جماعت میں پڑھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی دسویں جماعت میں پڑھتا ہوں، فرمایا کہ اس کے بعد درجہ اولیٰ کیلئے یہاں آؤ۔ وہ اب بھی بہت یاد کرتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ ہر کسی سے انتہائی محبت کرتے تھے غرض کہ ہر بندہ کہتا کہ میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

مولانا ضیاء اللہ حقانی
ناظم ومدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ان کی یادوں پہ اب آنسوؤں کی قطار آئے گی

جس کی چاہت تھی کہ گلشن پہ بہار آئیگی
خوشی چمن میں بھی لیل ونہار آئیگی
جس کی آمد پہ جبینوں سے خوشی پھوٹتی تھی
ان کی یادوں پہ اب آنسوؤں کی قطار آئے گی

ہمارے شیخ شہید رحمہ اللہ نے اچھے اخلاق، منظم اور علمی وعملی طور پر ایک بہترین طرز حیات پر مبنی زندگی گزاری، یقین کیجیے! اِس دنیا سے جا کر بھی آپ امت مسلمہ کے دلوں میں اب بھی زندہ ہیں ۔حضرت شہید رحمہ اللہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور دارالعلوم کے اندر کوئی بھی مسئلہ پوچھنا یا کسی بات پر تبصرہ کرنا ایسا لگتا تھا جیسا اپنے گھر میں اپنے والد محترم کے ساتھ بیٹھ کر کسی مسئلہ پر بات کرنے لگا ہوں، دنیا میں بہت کم شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو کامل طرز حیات رکھتی ہیں۔جن کا رہن سہن، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، بات چیت، لب ولہجہ، اخلاق وتمیز الغرض شخصیت کا ہر زاویہ کامل اور بے مثال ہوتا ہے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ بھی ایسی ہی چنیدہ شخصیات میں سے ایک تھے جن کی صحبت ہر کسی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی تھی اور جدائی آنکھوں میں آنسو لے آتی تھی۔ آج وہ عظیم سرمایہ ہمارے پاس نہیں لیکن آج بھی انہیں یاد کر کے ہر آنکھ پرنم ہو جاتی ہے، انہوں نے چمنستانِ حقانیہ کو اپنی دیدہ وری سے منور رکھا، ان کی شخصیت اور دور اہتمام میں کوئی کمزور پہلو نہیں تھا، آپ کہیں گے کہ شاید میں یہ الفاظ ایک شاگرد ہونے کے ناطے بیان کر رہا ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہر وہ شخص جس نے کچھ وقت خواہ چند لمحے ہی ایسی مشفق ومہربان ہستی حضرت شہید رحمہ اللہ کی معیت میں گزارے ہوں آج وہ اس عظیم شخصیت کے بچھڑنے پر بہت اداس ہیں۔ اللہ تعالیٰ استادؒ کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

مولانا قاری حمایت الحق حقانی
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

شہیدؒ قائد کے ساتھ وابستہ چند یادیں

شہید ناموس رسالتؐ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں جن سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے، ان کا علمی رسوخ ،حزم واحتیاط، تفقہ فی الدین، جرات واستقامت، احساس اوردردمند دل، جہاد وعزیمت پر مثالی استقامت، سادگی و بے تکلفی، تواضع وللّٰہیت، عجز و بے نفسی، بلند ہمتی وحوصلہ، آتش نمرود میں بے خطر کود پڑنے کی مستقل عادت، بیباک بیانی اور بے داغ سیاست گویا وہ عصر حاضر کی جامع الصفات والکمالات ہستی تھی، نہ جانے ان کی شخصیت کے کتنے پہلو ہیں جن کا تذکرہ ہم جیسے نالائق اورتحریر کے ہنر سے نابلد طالب علموں کا کام نہیں، تاہم اپنے بڑوں خاص کر مدیر ماہنامہ ''الحق'' مولانا راشد الحق سمیع کے پیہم اصرار پر حضرت شہیدؒ سے وابستہ کچھ یادیں زیب قرطاس کرنے کا ٹوٹا پھوٹا ارادہ کیااور زخمی دل وقلم سے چند سطور پیش خدمت ہیں۔

حضرت شہیدؒ کے ساتھ پہلی ملاقات

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ سے میری پہلی ملاقات بچپن میں ہوئی تھی جس وقت میری عمر تقریباً چار یا پانچ سال تھی، یہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے الیکشن ۱۹۸۵ء کا زمانہ تھا، میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالصمد حقانی رحمہ اللہ نے ہمارے گاؤں مصری بانڈہ میں الیکشن کے حوالے سے ایک جلسے کا اہتمام کیا تھا جس میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ تشریف لانے والے تھے، اس لئے والد صاحب نے استقبال کے لئے دریا کے کنارے لوگوں کوجمع کیا تھا، اس وقت چونکہ پل نہیں بنا تھا ،مہمانوں کی کشتی جب کنارے پہنچی تو اس میں سے سب سے پہلے مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ اترے اور ساتھ حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی اور دیگر رفقاء بھی تشریف لائے، مولانا حقانی صاحب کے ہاتھوں میں کلاشنکوف تھی جو حضرت شہیدؒ کے گارڈ کے فرائض انجام دے رہے تھے میں آگے بڑھا تو مولانا شہید رحمہ اللہ نے مجھے ازارہ شفقت گود میں اٹھایا اوردعائیں دیں۔

علم وعرفان سے آراستہ مجلس

آپ کی شفقتوں ،محبتوں سے بھرپور پہلی ملاقات سے دل و دماغ کے دریچے اب تک معطر ہیں پھر اس کے بعد گاہے بگاہے ملاقاتوں کا سلسلہ چلتا رہا پھر دارالعلوم حقانیہ کے زمانہ طالبعلمی میں اکثر آپ کی شفقتوں سے دامن عقیدت بھرتا رہا۔حتیٰ کہ آپ کی عنایات اورمہربانیوں کی بدولت راقم کو جامعہ میں بطور مدرس خدمت کا موقع مل گیا، اس کے بعد تو اکثر حضرت شہیدؒ کی مجالس میں اپنی موجودگی کو یقینی بناتا اورکوشش ہوتی کہ آپ کی مجالس سے غیر حاضری نہ ہو،آپ کے علم وعرفان سے آراستہ مجلس میں آپ کوسنتا رہتا اوراستفادہ کرنے کی بھرپورکوشش کرتا۔

مولانا شہیدؒ کا قُرّاء سے عقیدت مسجد عبدالحقؒ میں نماز پڑھانے کا حکم

میری خوش قسمتی کے لحات میں ایک لحہ وہ بھی تھا جب حضرت شہید رحمہ اللہ نے مجھے بلایا اور دارالعلوم حقانیہ کی جامع مسجد عبدالحق رحمہ اللہ کے متعلق مجھے حکم دیا کہ دارالعلوم کی مسجد میں ایک جہری نمازآپ نے ضرور پڑھانی ہے اور آپ حرم مکہ کے امام ماہرالعقیلی کے لہجے میں بہت اچھی تلاوت کرتے ہیں اس لئے اسی لہجے میں نماز پڑھاؤ گے اوربعض اوقات سفرسے واپسی پر مجھ سے پوچھتے کہ آپ نماز پڑھانے کی پابندی کرتے ہو؟یا غیرحاضری وغیرہ کرتے ہو؟

دارالعلوم کے تمام امور پر توجہ

حضرت شہید رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ دارالحدیث میں دورہ حدیث کے طلبہ کوسبق پڑھانے کے بعدایک بجے تقریباً دفتر اہتمام تشریف لاتے ، یہاں اضیاف کی کثرت ہوتی روزانہ کئی خطوط آتے اورحضرت وہیں ان کے جوابات بھی لکھتے ، اساتذہ ودیگر منتظمین کے کاموں کی رپورٹ طلب کرتے مختصر یہ کہ ایک دوگھنٹے میں اتنا کام کرتے کہ عام آدمی ایک ہفتہ میں بھی نہیں کرسکتا،یقین سے کہتا ہوں کبھی کبھی ان کے کام کو دیکھ کر میں سوچتا کہ معلوم نہیں کہ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ میں فرشتوں جیسی قوت اور طاقت کہاں سے آئی ہے جواس بڑھاپے کے باوجود جوانوں کی بہت بڑی ٹیم ''موتمر المصنفین'' سے بھی تن تنہا زیادہ کام کرتے ہیں۔بڑھاپے میں اتنی ہمت اور اتنا زیادہ کام انسان کے بس میں نہیں مگر یہ سب ان کی روحانی قوت و برکات کے طفیل ممکن تھا اور یہ کسی بھی کرامت کے درجے سے کم نہ تھیں۔

مولانا شہیدؒ کی اچانک آمد اور تجوید کلاس کی اہمیت

کبھی کبھار جب دفتر اہتمام میں کام کی وجہ سے لیٹ ہو جاتے تو موقوف علیہ کی درسگاہ میں عصر کے بعد میری تجوید کی کلاس ہوتی جس میں دورہ حدیث، موقوف علیہ، تکمیل وغیرہ درجات کے طلبہ شریک ہو جائے، وہاں آپ تشریف لے آتے اور طلبہ سے فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین مجود قاری بطور استاد دیا ہے، مجھے اس پر فخر ہے، ان سے خوب استفادہ کر کے تجوید سیکھو تاکہ قرآن صحیح پڑھ سکو اور غلط پڑھنے سے بچ سکو ایسا نہ ہو کہ کل نماز میں اُس جاہل امام کی طرح نہ بنو اور نہ پڑھو جو سورہ فاتحہ اس طرح پڑھتے الحمد اللّٰه رب العالمین "نا رحمانِ نا رحیمِ" یعنی پشتو میں اس طرح معنی آئے گا کہ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ نہ رحمان ہے نہ رحیم ہے جو کفر کے زمرے میں آتا ہے تو اس لئے طلبہ آپ لوگ قرآن کو صحیح سیکھیں اور صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھیں کیونکہ عوام الناس آپ کے علوم وفنون اور عربی متون وحواشی کے ازبر کرنے سے متاثر نہیں ہوں گے بلکہ ہر وقت آپ کی امامت کی نمازوں میں آپ کا امتحان ہوگا۔

سند تجوید میں مربی محترم کی دستخط کے متعلق نشاندہی اور تصحیح

حضرت شہید رحمہ اللہ اپنے متعلقین کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی اصلاح فرماتے تھے ایک مرتبہ ایک طالب علم تجوید کی سند دستخط کیلئے دفتر اہتمام میں لایا تو میرے دستخط کو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس نے کیا ہے یہ دستخط؟ طالب علم نے راقم کا نام لیا، حضرت نے میرے نام ایک رقعہ لکھا جس میں لکھا تھا کہ اس طرح دستخط نہ کریں دستخط ایسا کریں کہ پتہ چلے کہ یہ کس کا ہے اس لئے اپنا نام واضح لکھیں تاکہ پڑھا اور سمجھا جاسکے پھر دفتر سے واپسی پر بھی تشریف لائے اور فرمایا کہ بیٹا! دستخط اس طرح کریں کہ پڑھا جاسکے کہ یہ کس نے کیا ہے؟ اُسکے بعد آج تک میں دستخط میں نام واضح لکھتا ہوں۔

خوشنویسی کے متعلق مولانا شہیدؒ کا راقم کے بارے میں حسن ظن

حضرت شہید رحمہ اللہ خود بھی خوش نویس تھے اور خوشخطی پسند فرماتے تھے چونکہ مجھے بھی ابتدا ہی والد محترم کے زمانے سے خوش نویسی کا ذوق تھا اور یہاں دارالعلوم میں تجوید کے ساتھ بطور "خوشخطی کے استاذ" تقرری ہوئی تو ایک دفعہ خود حضرت شہید رحمہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ "میرے بچوں" اسامہ اور خزیمہ کو خط سکھایا کرو، تعمیل حکم کی بنیاد پر کچھ نہ کچھ وقت نکال کر ان کو حضرت شہید رحمہ اللہ کی زندگی میں خوشنویسی کی مشق کراتا اور حضرت شہید رحمہ اللہ اس پر بہت خوش ہوتے۔

دنیائے عالم کے ہر طبقے میں حضرت شہیدؒ کی مقبولیت ومحبوبیت

حضرت شہید کی محبوبیت کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ ہر طبقے نے حضرت شہید رحمہ اللہ کو اپنی چاہتوں کے مطابق نام دیئے تھے مثلاً آپ کے فرزندان وغیرہ انہیں ''ابا جی'' کے نام سے پکارتے تھے دیگر خاندان کے افراد ان کو ''چاند لالا'' کے نام سے پکارتے تھے، جامعہ کے عملہ اور دیگر ذمہ داران ان کو ''مشر'' کے نام سے پکارتے تھے، سیاسی میدان میں پورا پاکستان ان کو ''قائد'' کے نام سے پکارتا تھا، طلبہ کرام اور دینی طبقے کے لوگ ان کو ''شیخ الحدیث'' کے نام سے پکارتے تھے، عامۃ الناس اور علاقے کے لوگ حضرت شہید رحمہ اللہ کو ''مولانا صاحب'' کے نام سے پکارتے تھے۔

مولانا شہیدؒ عجز وانکساری کا پیکر

آپ کا ہر کسی کے ساتھ ملنے کا سادہ انداز تھا، حتی الوسع ہر آنے والے کو کھڑے ہوکر دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرماتے، ایک مرتبہ کچھ مہمان حضرات آئے تھے، جن میں مولانا عدنان کاکاخیل صاحب اور ان کے چچا بھی تھے، مولانا عدنان کاکاخیل حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کے ساتھ کچھ باتوں میں مصروف تھے حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کرسی میں تشریف فرما تھے اور مولانا عدنان کاکاخیل کھڑے تھے تو میں نے موبائل سے تصویر لی اور فیس بک پر لگائی اور ساتھ لکھا کے'' قدر زر زرگر شناسد'' صبح حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کے ساتھ میری ملاقات ہوئی تو میرے کان میں فرمایا کہ تم نے فیس بک پر جو تصویر دی تھی جس میں میں بیٹھا ہوا تھا اور مولانا عدنان صاحب کھڑے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ دیکھ کر خفا ہو جائیں اس کو فیس بک سے ڈیلیٹ کرادیں وہ میرا بھتیجا ہے، اس تصویر میں بے مروتی کا کچھ عنصر پایا جاتا ہے، میں نے کہا ٹھیک ہے ختم کردوں گا۔ اس واقعہ سے حضرت شہیدؒ کی بلند عظمت، حساسیت اور اصاغر پروری اور سب سے بڑھ کر تواضع وعجز وانکساری اور دوسروں کے جذبات کا خیال رکھنا معلوم ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی جنازے میں جا رہے تھے وہاں بہت زیادہ رش تھا اور مولانا صاحب اپنی لینڈکروزر جیپ میں سوار تھے، تنگ راستے میں بڑی گاڑی کا جانا مشکل تھا تو حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا یہ رکشہ رکواؤ اس میں ہم چلتے ہیں، کیونکہ وقت کم ہے اور جنازے پر پہنچنا ضروری ہے تو لوگوں نے جب حضرت مولانا صاحب کو رکشے میں بیٹھا دیکھا تو لوگ حیران ہو گئے کہ اتنی بڑی عظمت اور منصب والی شخصیت رکشے میں سوار ہے اور وہ کوئی پروٹوکول اور کسی احساس برتری کی پرواہ نہیں کررہے۔

حرمین شریفین میں حضرت کے ساتھ گزرے لمحات

سن ۲۰۰۴ میں رمضان المبارک میں عمرے کے سفر پر جا رہا تھا اور یہ مبارک سفر میری زندگی

کا پہلا سفر تھا، جب ہمارا جہاز جدہ کے ائیر پورٹ پر اترا تو جہاز میں اعلان ہوا کہ اس جہاز میں شیخ سمیع الحق صاحبؒ بطور شاہی مہمان موجود ہیں لہٰذا ہم ان کو مرحبا کہتے ہیں اور ان کیلئے رائل پروٹوکول کا سٹاف موجود ہے، لہٰذا سب سے پہلے حضرت مولانا صاحبؒ نیچے تشریف لے جائیں گے، یہ اعلان سن کر اس وقت مجھے جتنی خوشی ہوئی وہ بیان کرنا مشکل ہے کہ حضرت کی قدر و منزلت دیگر ممالک اور سربراہان مملکت کے پاس کتنی زیادہ ہے اور ایک ہم پاکستانی ہیں جو حضرت کی صحیح قدردانی نہیں کر رہے۔ اس مبارک سفر کا ہر لحہ پرلطف تھا پھر جب حرم کے صحن مبارک میں میزاب رحمت کے بالکل مقابل حضرت شیخ شہیدؒ پر نظر پڑی تو حیرانی کا یہ عالم تھا کہ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں بہرحال! حضرت سے ملاقات ہوئی تو حضرتؒ بھی بہت زیادہ خوش ہوئے دراصل میرے لئے سعادتوں کے کتنے لحات میسر آئے پہلے تو حضرت کے ہاتھ پاؤں دبائے حضرت نے کئی مرتبہ دعائیں دیں، عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد دیر تک مطاف میں بیٹھے رہے اور حضرت ماضی کے حالات بتاتے تھے، حرم سے باہر آئے تو حضرت کی چپل گم ہوگئی تو حضرت بغیر چپل کے سامنے محل کی طرف چل پڑے میں نے انہیں اپنی چپل پیش کی تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ مجھے چپلوں کے بغیر ہی سرزمین حرم پر پھرانا چاہتے ہیں، سارا حدود حرم ہے۔ باب عبدالعزیز کے سامنے کلاک ٹاور کا نقشہ لگا ہوا تھا اور ابھی کلاک ٹاور تعمیر نہیں ہوا تھا، حضرت اس پر کبیدہ خاطر تھے کہ حکومت ادھر بہت بڑے بڑے ٹاورز اور عالیشان بلڈنگیں بنوا رہی ہے جس سے خانہ کعبہ کی عظمت پر حرف آ رہا ہے پہلے خانہ کعبہ سارے مکہ مکرمہ سے نظر آتا تھا مگر اب ان ٹاورز اور محلات کی وجہ سے محصور ہو کر رہ گیا ہے۔

حضرت شہیدؒ کو ٹھنڈا پانی پیش کرنے کی سعادت

حضرت شیخ رحمہ اللہ کو ٹھنڈا پانی بہت پسند تھا جب دفتر تشریف لاتے تو پانی مانگتے، ایک مرتبہ میں نے فریج سے بہت زیادہ ٹھنڈا پانی آپ کو پیش کیا تو اس پر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آئندہ مجھے پانی تم پلاؤ گے کیونکہ تم میرے مزاج کو سمجھتے ہو، پھر شہادت سے قبل اکوڑہ خٹک کے احتجاجی مظاہرے سے خطاب کے بعد دفتر تشریف لائے تو میں نے انہیں ان کے ذوق کے مطابق ٹھنڈا پانی پیش کیا حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کے شایان شان تذکرے، مضامین اور حالات زندگی کے مناقب بڑے ادیب اور جید علماء کا کام ہے میں نے صرف خریداران یوسف میں نام لکھنے کیلئے چند بے ربط یاداشتیں لکھی ہیں۔ اللہ حضرت شہیدؒ کو کروٹ کروٹ جنت کی خوشبو نصیب فرمائے (آمین)

مولانا محمد ایوب انور حقانی
پی ایچ ڈی اسکالر، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان

ارشاداتِ حق

اس عالم جہاں آب وگل میں جو بھی آیا ہے جانے کیلئے ہی آیا ہے، کسی کو بھی بقا ہے نہ ہی دوام، ہر ایک فنائیت کے رنگ میں ملون ہے۔ بقا اور دوام دونوں ذات اقدس کا خاصہ ہیں پر بعض انسان اس فنائیت میں بھی ایسے نقوش چھوڑ جاتے ہیں جن کو بقا اور دوام دونوں نصیب ہوتے ہیں وہ اپنی ذات میں معدوم لیکن اپنے کارناموں اور خدمات کے طفیل فنائیت پر دوام کی چادر اوڑھ لیتے ہیں۔

شہیدِ ختم نبوت حضرت مولانا سمیع الحق نور اللہ مرقدہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہے لیکن ان کی یادیں، کارنامے، علمی، سیاسی وجہادی خدمات ہمارے سامنے ہیں، یہی ہمارے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ آپ بے شمار خصوصیات کے حامل فردِ عظیم تھے آپ میدانِ صحافت وادب کے گل سرسبد، میدانِ سیاست کے امام، پارلیمانی امور کے ماہر، حمیت دینی کے حامل اور بہترین منتظم تھے۔

نوعمری سے لے کر بڑھاپے تک قلم وقرطاس سے رشتہ جوڑے رکھا اور علمی دنیا میں ایسے نقوش اور روایات چھوڑ کر چلئے گئے جو رہتی دنیا تک قائم رہیں گی، ''الحق'' کے اداریوں کو اٹھائیں۔ دیکھئے اور پرکھئے! ادب کا عظیم مرقع اور صحافت کا جھومر ہیں، بلا مبالغہ انہی اداریوں میں آپ کو ادیبِ شہیر مولانا ابوالکلام آزادؒ اور سلطان الادباء مناظر احسن گیلانی نظر آئیں گے، اسی ''الحق'' کے رشتے سے دنیا نے ''مکتوبات مشاہیر'' کے نام سے مکتوبات اور خطوط کا عظیم مجموعہ دیکھا۔ شاید ہی خطوط اور مکتوبات کی دنیا میں ایسا کوئی کارنامہ صفحہ قرطاس پر آیا ہو۔ انہوں نے ہمیں ''خطبات مشاہیر'' عطا کئے اور حقانیہ کے اسٹیج پر شہسوارانِ علم وعمل کے مایہ ناز خطابات اور تقریرات کو دامن قرطاس میں سمو دیا۔ اکابر کے نوادرات اور شذرات کو محفوظ کر دیا۔ حضرت اقدس مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کا تاریخی ''الحق'' نمبر آپ ہی کا کارنامہ ہے اور آخر میں جاتے جاتے امام الاولیا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

کی ساری عمرِ عزیز کا قابل فخر سرمایہ ''تفسیر امام لاہوری'' سے بھی علمی حلقوں کو نوازا۔اس پر امام لاہوری نور اللہ مرقدہ عالم ارواح میں ناز کریں گے۔

میدان سیاست کو لیجئے ! پارلیمنٹ کے ایوانوں میں شریعت بل کی گونج آج بھی سنائی دے رہی ہے، یہ آپ ہی کا کارنامہ تھا، اس سے تھوڑا آگے جائیں، اسی پارلیمنٹ کے آپ ممبر نہ تھے مگر پارلیمنٹ میں قادیانیوں کو غیر مسلموں قرار دینے کی علمی کاوشوں میں آپ اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کا کلیدی کردار تھا، اسی یادکردار نے قادیانی مسئلہ کو تاحیات آئین کے مطابق متفقہ بنادیا اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

اپنی ساری متاع حیات دارالعلوم کی خدمت کے لئے وقف کردی تھی، یہی حقانی خانوادے کا کل سرمایہ ہے۔دارالعلوم حقانیہ نے آپ کے زیر اہتمام بہت ظاہری اور باطنی ترقیاں کیں، دارالحدیث کی شاندار عمارت، وسیع وعریض طلبہ کرام ہاسٹل احاطہ مدنیہ، دارالحدیث صغریٰ کا آسمان کو چھوتی ہوئی عمارت، اساتذہ کرام اور طلبہ کیلئے پرکشش علمی لائبریری اور آخر میں جاتے جاتے جامع مسجد عبدالحقؒ اور جدید دارالتدریس کی پرشکوہ اور دل فریب عمارتیں آپ ہی کی مرہون منت ہیں۔کتنا سعید ونیک بخت اختتام ہے کہ دونوں خدمات کا تعلق رب کائنات سے ہے ایک بیت اللہ (جامع مسجد) کی خدمت اور دوسرا کلام اللہ (تفسیر امام لاہوریؒ) کی خدمت۔

راقم نے ۱۵۔۲۰۱۴ء میں دارالعلوم حقانیہ سے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی سعادت حاصل کی ہے۔اسی دوران میں دارالعلوم حقانیہ میں باہر سے جوجو مہمان تشریف لاتے، ان کی تفصیلات اور روداد کو قلم بند کرنے کی کوشش کرتا۔دارالعلوم حقانیہ کے اکابر ومشائخ نے درس وتدریس کے علاوہ جو علمی نکات اور ارشادات گوش گزار کئے تھے ان کو بھی احاطہ قلم میں لاتا۔حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے بھی ارشادات سنے اور ان کو قلم بند کیا، ذیل میں افادہ عامہ کی خاطر اور بغرضِ حفاظت اس کو پیش کیا جارہا ہے ان کو ''ارشاداتِ حق'' کے نام سے موسوم کردیا۔سہولت کے لئے عنوانات لگادیئے ہیں۔وباللّٰہ التوفیق

اسیرِ مالٹا مولانا عزیر گلؒ کا مزاج

فرمایا اسیر مالٹا، نمونہ اسلاف حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ (۱) بہت بے تکلف شخصیت تھی، آپ شہرت سے کوسوں دور تھے، میں حضرت کے (اسی) مزاج سے واقف تھا۔جب وہ مجھ سے بات

چیت فرماتے تو میں سیدھا جواب دیتا (میرے اس فعل کی وجہ سے) مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے ایک دن میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور حضرت کو بسلسلہ سالانہ دستار بندی دارالعلوم حقانیہ کی تقریب میں دعوت دی، آپ میری بات (دعوت) کو ٹالتے رہے اور میں بار بار اصرار کرتا رہا کہ حضرت ملک اور بیرونِ ملک خصوصا ہندوستان سے بڑے بڑے اکابر ومشائخ جلسہ دستار بندی میں شرکت کے لئے تشریف لا رہے ہیں، اگر بالفرض آپ جلسہ میں شرکت نہ بھی کریں تو آنے والے مہمان اکابر و شیوخ خود ہی آپ کے ہاں یہاں تشریف لائیں گے۔ یہ ان کیلئے باعث تکلیف ہوگا (اس معقول وجہ اور سبب کے باوجود) حضرت پھر بھی میری بات ٹالتے رہے تو میں نے انداز گفتگو بدل کر کہا آپ تو پھر بڑے ''متکبر'' ہیں اور آپ کا نفس بہت بڑا ہے تو فوراً ہنس کر فرمانے لگے ٹھیک ہے جلسہ میں شرکت کروں گا۔ یوں اس طریقہ سے آپ نے دعوت قبول کی۔

فرمایا: امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب (جانشینِ شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ) ہندوستان کے چند مہمانوں کے ساتھ اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ملاقات کے لئے تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں ہم نے رات قیام کیا۔ ہم صحن میں سوئے تھے، رات بارش ہونے لگی، حضرت نے مولانا اسعد مدنی صاحب اور دوسرے مہمانوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی چارپائی خود اٹھا کر اندر کمرے میں جائیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ سے ملاقات

آج سے تقریباً پچاس سال پیشتر مدینہ منورہ میں میری علامہ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ (۲) سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ انتہائی محقق عالم دین تھے۔ حجیت حدیث وسنت کے موضوع پر آپ نے السنة ومکانتها فِی التشرِیعِ الِاسلامِی ایک بلند پایہ کتاب لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے ایما پر حضرت مولانا ادریس میرٹھی صاحبؒ نے کیا ہے انہی دنوں میں وہ مفلوج اور شدید بیمار تھے۔ ایک علیحدہ مکان کے کمرے میں پڑے تھے میں شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے میری بہت خاطر مدارت کی۔ سامنے الماری میں ٹافیاں وغیرہ رکھی تھیں مجھے حکم دیا کہ اسے اٹھالاؤ اور میرے سامنے کھاؤ۔ میں نے اِسی طرح کیا، دوران گفتگو میں نے کہا کہ آپ کیلئے ملک اور بیرونِ ملک میں اعلیٰ معیار کا علاج ہوسکتا ہے۔ آپ کیوں اِدھر بیماری کی حالت میں قیام پذیر ہیں؟ فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ آخری عمر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک میں گزاروں۔

حضرت مولانا عبدالحقؒ کی اجراء سند میں احتیاط

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کسی صاحب کی سفارش کے لئے دارالعلوم تشریف لائے۔ حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کو یہ سفارش پیش کی کہ کسی سرکاری محکمہ میں ایک عہدہ ہے، اس پر تقرری کے لئے بنیادی شرط شہادۃ العالمیہ کی سند ہے اور ہمارے یہ صاحب باضابطہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہے لیکن ملکی حالات کی وجہ سے (تقسیم ہند کا مسئلہ) وہ سند فراغت فی الحال حاصل نہیں کر سکے لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ اپنے ادارے کی سند ان کو مرحمت فرمائیں۔ حضرت مولانا بغیر کوئی جواب دیئے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد کدال اپنے ساتھ لے کر اندر تشریف لائے اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاری صاحبؒ کو کدال دے کر فرمایا کہ خود اپنے ہاتھ سے دارالعلوم کی بنیادوں کو گرادو۔ اس طرح سند جاری کرنا دارالعلوم (کی حیثیت) کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔

فرمایا! ایک مرتبہ سعودی حکومت کی طرف سے دو وِیزے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے داخلے کے لئے بھیجے گئے اور دونوں ویزوں میں وہاں داخلہ کے حصول کے لئے شہادۃ العالمیہ کی سند ضروری تھی، ایک وِیزہ مولانا شیر علی شاہ مدظلہ العالی کو لگایا گیا اور دوسرے وِیزے پر داخلہ کے لئے ہم نے مولانا انوارالحق صاحب کو نامزد کیا، مولانا انوارالحق صاحب ابھی دورہ حدیث پڑھ رہے تھے، تین ماہ بعد امتحان تھا، جس کے بعد میں سند کا اجرا ہونا تھا۔ ہم نے حضرت مولانا عبدالحق (رحمہ اللہ علیہ) کو اس سلسلہ میں کئی مرتبہ عرض کیا کہ انہیں ابھی سے سند جاری کی جائے تاکہ وہاں داخلہ مل سکے اس دوران سالانہ امتحان بھی یہ دے دیں گے لیکن ہر بار انہوں نے سختی سے انکار کردیا۔

دارالعلوم کے اصول سب کے لئے

فرمایا: الحمد اللہ میں اسّی (۸۰) سال سے دارالعلوم کی خدمت کررہا ہوں اور اس طویل زمانے میں دارالعلوم سے کبھی بھی مشاہرہ نہیں لیا، تمام اخراجات اور ضروریات اپنی ذاتی رقم سے چلا رہا ہوں، اسی طرح میرے یہ دونوں لڑکے مولانا راشد الحق (مدیر ماہنامہ ''الحق'') اور مولانا حامد الحق (حالاً نائب مہتمم دارالعلوم) بھی دارالعلوم سے کوئی مشاہرہ نہیں لیتے، یہاں تک کہ دارالعلوم کے معاملات میں ان کی سفارش

تک قبول نہیں ،کبھی کبھی گھر آ کر دونوں میرے سامنے مشکلات بیان کرتے ہیں کہ اپنا دارالعلوم ہوتے ہوئے بھی کوئی سفارش قبول نہیں کی جاتی تو میں انہیں تسلی اور دلاسہ دیتا ہوں کہ دارالعلوم کے اصول وضوابط جو ہیں یہ ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔

سیاسی مباحث

فرمایا: حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال سے چند دن پہلے جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہمان خانہ میں شرفِ ملاقات نصیب ہوئی، ملاقات میں ملک کے مختلف اہم مباحث اور مسائل پر گفتگو ہوئی۔اسی گفتگو میں صدر ضیاء الحق مرحوم کا تذکرہ بھی آیا۔میں ان کے حق میں تھا اور حضرت مفتی صاحبؒ ان کے شدید مخالفین میں سے تھے اسی مسئلہ میں ہم دونوں کے درمیان سیاسی بحث بھی ہوئی۔آخر میں حضرت مفتی صاحبؒ فرمانے لگے کہ یہ تو ایسا ہے کہ ساری قوم کو کنویں میں بند کرکے کنویں کے منہ پر جائے نماز رکھ کر نماز پڑھی جائے، یہ ہمیں قبول نہیں، میں نے کہا یہ بھی تو ٹھیک ہے کہ اوپر جائے نماز رکھ کر نماز پڑھی جائے اگر اس شخص کے علاوہ دوسرا (کوئی لبرل یا روایتی سیاستدان) ہوتا تو وہ یہاں نماز کے بجائے شراب اور رقص وسرور کرتا۔

قرآن کریم: مکتوب الٰہی

مولانا پیر احسان الکریم نقشبندی کی زیر نگرانی اور ان ہی کی مسجد میں ختم القرآن کے سلسلہ میں جمعہ کی شب کو محفل کا انعقاد کیا گیا تھا۔شہیدِ ختم نبوتؐ حضرت مولانا سمیع الحق نور اللہ مرقدہ نے وہاں ختم القرآن کی آخری سورتوں کا درس دیا۔اسی مجلس میں فرمایا قرآن کریم کی مثال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آرڈیننس یا مکتوب (خط) جیسی ہے، آرڈیننس جب کوئی حاکم (صدر مملکت) جاری کرتا ہے یا مکتوب کوئی صاحب کتاب لکھتا ہے تو آغاز میں ابتدائی کلمات اور تعارف لکھ دیا جاتا ہے۔خط کے درمیان میں اپنا تفصیلی مدعا پیش کرتا ہے اور آخر میں اپنا نام، دستخط اور عہدہ وغیرہ لکھتا ہے، پھر اس مکتوب کو بھجوانے کے لئے اس کو لفافہ میں بند کرکے رجسٹری کراکے مہر سے اسے محفوظ بنا دیتا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ سے کیا ہے جس میں ابتدائی تعارفی کلمات ہیں۔درمیانی سورتوں میں تفصیلی احکامات اور منہیات موجود ہیں اور آخر میں سورۃ الاخلاص کی

صورت میں اپنا نام، عہدہ و منصب کا ذکر فرمایا ہے۔ بالکل آخری دوسورتوں میں گویا اس کی حفاظت کروائی کہ یہ ہر قسم کے شرور و آفات سے محفوظ رہے گا خواہ اِنسی شرور ہو یا جنی۔

امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوریؒ کی برجستگی

فرمایا: ایک دن امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ نے درس میں معجزات اور کشف و کرامات پر بحث فرمائی تو میں نے کہا کہ حضرت! یہ جوگی، جادوگر اور ساحر حضرات بھی ریاضتوں اور مشقتوں سے اکثر اوقات روحانی ترقی کر کے عجائبات اور کرشموں کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ فوراً فرمانے لگے: پیشاب اور پانی دونوں میں شکل و صورت نظر آتی ہے۔

فہمِ تقدیر

فرمایا: سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر اور اسبابِ تقدیر کو نہایت عمدہ طریقے سے ایک شعر میں حل کیا ہے۔

یہ اسباب ہیں دست قدرت میں یوں
کہ قلم دست کاتب میں جیسے رہے

ماہنامہ ''الحق'' کی ترغیب

طلبا و فضلاء سے فرمایا کہ دارالعلوم کا ماہنامہ ''الحق'' ضرور پڑھا کریں۔ اس پرچے کا بدل مالیت صرف سالانہ تین سو روپے ہے جو ملک کے دوسرے پرچوں کے برعکس انتہائی کم قیمت ہے محض تین سو روپے سالانہ بدل مالیت سے ''الحق'' کے جملہ اخراجات پورے بھی نہیں ہوتے میں بھی ہر مہینہ اس میں اپنی طرف سے فنڈ دیتا ہوں تاکہ یہ سلسلہ چلتا رہے۔ ''الحق'' کو اپنے نام پر جاری کرو اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ یہ شمارہ رپرچہ ہمارے اور آپ کے درمیان تعلق کا واسطہ اور ذریعہ ہے اس سے ''الحق'' کے فنڈ میں اضافہ ہوگا، اس میں میں ایسے مضامین ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں جس میں اسلام اور اس کے احکام کا دفاع ہو، گمراہ اور ضال فرقوں کو دندان شکن جواب کیلئے مناسب پلیٹ فارم میسر آجائے۔ اس پرچہ کے ذریعے دارالعلوم کے حالات کے باخبر رہو گے۔

میری زندگی کی آخری خدمت: افاداتِ امام لاہوریؒ

شہید ختم نبوتؒ حضرت مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ علیہ نے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی

لاہوری نور اللہ مرقدہ سے دورہ تفسیر پڑھا تھا،انہی دنوں میں آپ نے امام لاہوریؒ سے ان کے افادات تحریر میں قلمبند کئے تھے۔آپ کی زیر سرپرستی مولانا محمد فہد حقانی صاحب اور مولانا محمد اسلام حقانی صاحب اس تفسیر کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھے۔آپ روزانہ کی بنیاد پر ان کے کام کو دیکھتے اور تصحیح وغیرہ فرماتے۔اس دوران آپ نے درس میں فرمایا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے پاک وہند کے اکابر اور جید علماء نے دورہ تفسیر پڑھا تھا۔میں نے بھی دورہ تفسیر کیا تھااور تفسیری افادات میں نے اپنے ساتھ لکھ لئے تھے لیکن میں ان افادات کو شائع کر کے منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا،اس انتظار میں کہ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ساتھ بڑے بڑے اکابر نے دورہ تفسیر کیا ہے،شاید وہ کچھ نہ کچھ لکھیں،خصوصاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے توقع تھی کہ آپ ان کے افادات کو منظر عام پر لائیں گے (کیونکہ حضرت ہی اس کے صحیح اہل تھے) لیکن شاید یہ ان کے ذہن میں نہ آیا ہو۔اب میں نے اللہ کا نام لے کر اس قرآنی خدمت کو شروع کر ڈالا ہے۔شاید یہ میری زندگی کی آخری خدمت ہو۔

حواشی

(۱) آپ ۱۸۸۶ء کو پیدا ہوئے اور ایک سو پانچ سال کی عمر میں ۱۷ نومبر ۱۹۸۹ء کو وفات پاگئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہ کے معتمد ساتھی تھے۔شیخ الہند مولانا محمود حسن،حضرت مولانا حسین احمد مدنی،مولانا وحید احمد مدنی اور حضرت حکیم نصرت حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مالٹا میں تقریباً ساڑھے تین سال تک اسیر رہیں۔مارچ ۱۹۴۵ء میں سخاکوٹ تشریف لائے تھے۔ (مدنی،مولانا حسین احمدؒ،اسیر مالٹا،ناشر:زم زم پبلی کیشنز(ملخصا)

(۲) ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی ۱۹۱۵ءکو شام کے شہر حمص میں شیخ حسن السباعی کے ہاں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۳۳ء تک جامعہ ازہر سے منسلک رہے،جہاں آپ نے ''اسلامی قانون سازی اور اس کی تاریخ'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔تحریک اخوان المسلمین کے بانی شہید حسن البنا کے دست راست تھے اور بعد ازاں دمشق میں اس تحریک کی ایک شاخ کو قائم کیا۔آپ سولہ سال کی عمر میں جیل گئے تھے،سیاسی امور کے ماہر تھے،شام کی پارلیمنٹ کے رکن کی حیثیت سے شامی دستور کو ترتیب دینے والی کمیٹی کے رکن بھی تھے۔صحافت سے بھی وابستہ تھے۔آپ نے کئی اہم موضوعات پر درجنوں کتابیں لکھیں ہیں۔۳/اکتوبر۱۹۶۴ء بروز ہفتہ کو آپ اس دار فانی سے رحلت فرماگئے۔(زھیر الشاویش،مقدمه السنة ومكانتها فِي التشرِيعِ الِاسلامِي،ص٦، ناشر:دار الوراق لنشر والتوزيع)

(۳) مولانا ادریس میرٹھیؒ ۱۹۱۱ء میں انڈیا کے شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ تقسیم ہند کے وقت کراچی تشریف لائے۔ پہلے دارالعلوم کورنگی کراچی بعد ازاں مدرسہ اسلامیہ نیوٹاؤن سے تاحیات منسلک ہوگئے۔ آپ وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ اور بعد میں اس کے صدر رہے۔ ۲؍فروری ۱۹۸۹ء کو بروز جمعرات رحلت فرماگئے، آپ نے مستشرقین کا تصور سنت کے نام سے ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب کا اردو ترجمہ مسلسل چار سال سے ماہنامہ ''بینات'' میں شائع کرتا رہا۔ یہ اقساط اور اس کے ساتھ حضرت سید یوسف بنوریؒ کی ''معارف السنن شرح جامع الترمذی'' کا ضخیم عربی مقدمہ کی اہم مباحث یکجا کرکے ''سنت کا تشریعی مقام'' کے نام سے بیت التوحید کراچی نے اس کو طبع کیا تھا۔ اس موضوع پر یہ گرانقدر تصنیف ہے۔ خدا کرے کہ کوئی باہمت اس کو دوبارہ جدید تقاضوں کے مطابق زیور طبع سے آراستہ کرے۔

(۴) آپ ۵؍ دسمبر ۱۹۱۳ء کو مولانا حکیم سید عبدالحیٔ حسنی کے ہاں شہر رائے بریلی سے مشرقی جانب دو کلومیٹر دور گاؤں میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد اردو اور فارسی کی ابتدائی کتب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سے پڑھیں۔ شیخ خلیل عرب سے عربی زبان کی چند کتب پڑھنے سے مہارت پیدا کی۔ آپ کے بڑے بھائی نے سید صاحب کو لکھنو یونیورسٹی میں داخل کرایا، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی اور سید حسین احمد المدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ علیہ سے ترجمہ قرآن مجید اور حجۃ اللہ البالغہ پڑھے۔ آپ کی شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کے ساتھ کئی ملاقاتیں ہوئی تھی (حسنی ندوی، بلال عبدالحیٔ، سوانح مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی، رائے بریلی: سید احمد شہید اکیڈمی ۱۴۳۵ھ، ص ۳۵ تلخیصا)

(۵) آپ ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو گوجرانوالہ گکھڑ ریلوے اسٹیشن کے مشرق کی جانب قصبہ جلال میں شیخ حبیب اللہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی ساری زندگی ملی تحریکوں اور قید و بند کی صعوبتوں میں گزری۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد مدرسہ دارالرشاد واقع گوٹھ پیر جھنڈا میں چھ سالوں میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد حضرت سندھی نور اللہ مرقدہ نے اپنی صاحبزادی آپ کے عقد میں دے دی۔ آپ حضرت سندھی کے حکم پر جمعیت الانصار کے نگران مقرر ہوئے، علی گڑھ میں بھی پڑھایا، آپ انتہائی مخلص اور فرشتہ صفت انسان تھے۔ ۱۷؍رمضان ۱۳۸۳ھ کو یہ مردِ درویش دنیا کی صعوبتوں سے تھک تھک کر سفر آخرت پر چلے گئے۔ (بخاری، حافظ محمد اکبر شاہ، اکابر علمائے دیوبند، ناشر: لاہور، ادارہ اسلامیات ۱۹۹۹ء، ص ۲۴۷ (ملخصا)

مولانا حافظ لقمان الحق حقانی
مدرس ونگران شعبہ کتب خانہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ

پس از شہادت منامی ملاقاتیں اور مبشرات

الحاج مولانا محمد اظہار حقانی مرحوم،(سابق منتظم اعلیٰ دارالعلوم حقانیہ) کے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا لقمان الحق حقانی دارالعلوم میں عرصہ دراز سے مدرس اور متعدد انتظامی شعبوں و امور میں گہری دلچسپی لینے والے عاجز طبع اور صلح جو شخصیت کے مالک ہیں،ان کا اپنے تایا شہیدؒ کے ساتھ خصوصی محبت وتعلق قائم رہا اور حضرت شہیدؒ کے بارے میں انہوں نے منامی مبشرات کو یکجا کیا جو کہ نذر قارئین ہے(ادارہ)

اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے،حال، مستقبل میں کیا ہوگا؟ سب کچھ اسی کے علم میں ہے،مخلوق میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا؟ ارشاد خداوندی ہے، وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا اس سے واضح پتہ چلا کہ کلی علم کسی کے پاس بھی نہیں اس کیلئے بنیادی ذریعہ وحی الٰہی والقاء وغیرہ ہیں،اب چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہے تو وحی کا سلسلہ بھی بند ہے اب صرف مبشرات باقی ہیں جس کے متعلق ارشاد ہے،وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لم یبق من النبوۃ الاالمبشرات اوریہی وہ نیک اور سچے خواب ہوتے ہیں، جسے احادیث مبارکہ میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے تو یقیناً سچے خواب من جانب اللہ ہوتے ہیں اور بندوں کیلئے رب العباد کی طرف سے ایک بشارت ہوتی ہے،انسان خواب کی حالت میں بہت سی ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو بیداری اور جاگنے کی حالت میں نہیں دیکھ سکتا،عرف میں اس کو خواب سے تعبیر کیا جاتا ہے، دراصل خواب میں روح جسم سے نکل کر عالم علوی اور عالم سفلی میں سیر کرتی ہے جو چیز جاگنے میں نہیں دیکھی جا سکتی وہ خواب میں دِکھتی ہے،اسے جشن روحانی کہنا چاہئے،قرآن کریم کے متعدد مقامات پر مختلف نوعیت سے خوابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب کا وجود حق ہے جس پر دلیل یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے اِنہی (خوابوں) کے ذریعے اشارات وغیرہ ملتے،لہٰذا آپ

صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے، اسی طرح واقع ہوجاتا اوراسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وما المبشرات کے جواب میں الرؤیا الصالحة فرمایا اورخود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوابوں کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بعد از نماز فجر پوچھتے اوراس پر اپنی تعبیر اور تأثرات بیان فرماتے اس لئے بعض ماہرین تعبیر نے صبح کی نماز کے بعد ''تعبیر الرؤیا'' کو دیکھنا مستحب لکھا ہے۔ انبیائے کرامؑ کے علاوہ دیگر افراد کا خواب اگرچہ حجت شرعی نہیں تاہم اچھے خواب فیضان الوہیت اور برکات نبوتؐ ہیں جسے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا ۴۶واں حصہ قرار دیا ہے یعنی رؤیا صالحہ علم نبوت کے اجزاء اورحصص میں ایک جزء اورایک حصہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے خواب کی فضیلت اور منقبت بیان فرمائی اوراسے نبوت کا پرتو قرار دیا ہے۔

راقم الحروف نے اسی غرض کی خاطرعم محترم شہید ناموس رسالتؐ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے متعلق دیکھے گئے بے شمار ومتعدد خوابوں میں سے کچھ کا انتخاب کیا ہے جو ملک وملت کے عظیم زعماء، علماء، صلحاء، اتقیاء اور طالبان علوم نبوت نے دیکھے تاکہ ان سے محبت وعقیدت رکھنے والوں کے لئے تسلی کا سامان فراہم ہو اورحق تعالیٰ شانہ نے حضرتؒ کو جن انعامات واکرامات سے نواز کر اعلیٰ وارفع مقام دیا ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں اورکلمۂ حق کو بلند کریں اور باطل کے بطلان سے نہ ڈریں اورنہ پیچھے ہٹیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات ودرجات عطا فرمائے اورہمیں اس عظیم ہستی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اوراس ادنیٰ کاوش کو شرف قبولیت ومقبولیت سے نوازے۔ آمین

تین مرتبہ ایک ہی خواب کو دیکھنا (دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند)

سوال: تین مرتبہ ایک ہی خواب دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک دیکھتا ہوں یا کوئی مجھے بتاتا ہے کہ یہ دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک ہے حالانکہ میں کبھی عمرہ پر بھی نہیں گیا ہوں۔ ہر مرتبہ ایک ہی خواب دیکھتا ہوں (چار مرتبہ) کہ مولانا طارق جمیل صاحب بیٹھنا چاہتے ہیں اور میں ان کے لیے کرسی لے کر آتا ہوں اور وہ اس پر بیٹھ جاتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق صاحبؒ جن کو شہید کیا گیا، خواب میں ان کو جنازہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ آنکھیں کھولتے ہیں اوران کے دانت چمک رہے ہیں، میری طرف دیکھ کے تین مرتبہ اشارہ کرتے ہیں کہ میرے قریب آؤ مگر میں ڈر جاتا ہوں

ان سے کہ یہ مردہ نہیں زندہ ہے، یہ عجیب معاملہ ہے اور لوگوں کو کہتا ہوں کہ حضرت تو زندہ ہیں مگر سب لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو نہیں دیکھ رہے ہیں کہ یہ زندہ ہیں، مولانا صاحبؒ انگلی کا اشارہ کرتے ہیں میری طرف پھر اپنی طرف اشارہ کرتے ہیں اور پھر دونوں ہاتھ جوڑتے ہیں، ان کے ہاتھوں کے جوڑنے سے ایک آسمانی بجلی کی طرح چمک نکلتی ہے جس کی وجہ سے میرے سینے سے کچھ نکل جاتا ہے اور میرا سینہ خوشی سے باہر آجاتا ہے، میں حیرانی سے سب لوگوں کو کہتا ہوں کہ یہ بجلی کی چمک بھی نہیں دیکھی؟ سب کہتے ہیں کہ نہیں دیکھی، اللہ آپ سب حضرات کو جزائے خیر عطاء فرمائے، مجھے آگاہ کردیں ان خوابوں کی تعبیر سے، اگر بار بار نہ دیکھتا تو کبھی نہیں پوچھتا، براہ کرم جواب دیں۔

جواب: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ماشاءاللہ! تینوں خواب مبارک ہیں اگر آپ قرآن کی تلاوت کا خاص اہتمام کریں تو امید ہے کہ آپ کو حرمین شریفین کے فوائد حاصل ہوں گے، مولانا سمیع الحق صاحبؒ کے جو احوال خواب میں دکھائے گئے ہیں وہ انکے قبر میں اچھی حالت میں ہونے کی طرف مشیر ہیں اللہ انکی قبر کو نور سے منور فرمائے۔ واللہ تعالی اعلم (فتویٰ نمبر۱۶۷۴۳۱)

شہادت سے قبل جامعہ حقانیہ میں ہجوم (شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفوراللہ باباجی، استاد حدیث جامعہ حقانیہ)

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی وفات سے کچھ دن پہلے شیخ الحدیث مولانا مغفوراللہ باباجی دامت برکاتہم نے خواب دیکھا کہ مدرسہ میں بہت ہجوم ہے، لوگ ادھراُدھر جمع ہورہے ہیں اور شوروغوغا ہے، عصر کی نماز کے بعد پوچھا کہ مدرسہ کا کیا حال ہے؟ کچھ گڑ بڑ تو نہیں؟ تو عرض کیا گیا کہ کچھ بھی نہیں خیریت ہے، اس کے بعد اسی خواب کو بیان کیا اور کچھ دن بعد یہ عظیم سانحہء شہادت امام الشہداء (حضرت مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ) پیش آیا۔

ایک مضبوط نسبت (شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

(مولانا لقمان الحق حقانی) کو اپنا خواب سناتے ہوئے فرمایا کہ ’’میں نے خواب میں دیکھا کہ دارالعلوم حقانیہ کے موجودہ دارالحدیث کے اسٹیج پر ہم سب بیٹھے ہیں، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ بھی تشریف فرما ہیں اور مولانا سمیع الحق شہیدؒ بھی، ہمارے گاؤں کے مولانا فضل قادر صاحب (جن کا انتقال ہوچکا ہے) وہ بھی تشریف فرما ہیں میں بھی ساتھ بیٹھا تھا تو مولانا شہیدؒ نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر شیخ الحدیثؒ سے عرض کیا کہ یہ ’’علامہ‘‘ کا بیٹا ہے (میرے والد مولانا شہیدؒ کے بے تکلف دوست تھے اور احباب میں اپنی قابلیت وذہانت کی وجہ سے ’’علامہ‘‘ کے نام سے مشہور تھے) پھر میری

آنکھ کھلی تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ہماری ان کے ساتھ ایک مضبوط نسبت کی دلیل ہے۔

امام بخاریؒ کا ''بخاری شریف'' میرے ہاتھ میں دینا

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

دوسرا خواب یہ دیکھا کہ پرانے دارالتدریس ودارالحدیث کے قریب لوگ جمع تھے اور کہہ رہے تھے کہ امام بخاریؒ دارالعلوم آرہے ہیں، حضرت مولانا عبدالحقؒ ،حضرت مولانا سمیع الحقؒ اور بہت سارے لوگ قطاروں میں استقبال کے لئے کھڑے تھے، میں بھی ان میں شامل تھا،لوگ بتا رہے تھے کہ امام بخاریؒ ریل گاڑی میں آرہے ہیں، ہم انتظار میں تھے لوگوں کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار بھی تھے، اسی دوران ایک موٹر کار آئی اور پرانے دارالحدیث کے سامنے رُکی تو میں آگے بڑھا اور گاڑی کا دروازہ کھولا تو امام بخاریؒ اتر رہے تھے اور کتاب ''بخاری شریف'' ان کے ہاتھ میں تھی وہ مجھے تھما دی، پھر امام بخاریؒ اترے اوران سب حضرات سے مصافحہ فرمایا، حضرت مولانا عبدالحقؒ اور حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ مہمانوں کا تعارف کرارہے تھے، پھر میری آنکھ کھل گئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں دارالعلوم حقانیہ اور قدیم مسجد میں حضرت والد صاحب کی شہادت کے بعد تشریف آوری (مولانا راشدالحق سمیع)

جن دنوں حضرت والد صاحب شہیدؒ کا حادثہ فاجعہ ہوا تھا راقم کافی عرصہ تک شدید غم اور حزن ویاس کی تصویر بنا ہوا تھا اور شدت غم کے باعث بیمار بھی رہاان دنوں خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دارالعلوم حقانیہ اور قدیم مسجد میں حضرت والد صاحب کی شہادت کے بعد تشریف آوری دیکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کی جگہ پر کھڑے تھے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ اوپر مسجد میں تشریف لے آئیں، آپ اس وقت مشرق کی طرف سے دارالعلوم کی طرف آنے والے بادلوں کو دیکھ رہے تھے پھر آپ مسجد میں تشریف لائے ، میں نے احتراماً کرسی پیش کی آپکے ہمراہ مسلح باڈی گارڈ بھی حفاظت کیلئے ساتھ تھے، پھر غالباً آپ قبرستان حقانی تشریف لے آئے اس مبارک خواب سے مجھے بہت زیادہ اطمینان اورسکون حاصل ہوااور میری بڑی ڈھارس بندھ گئی۔

راقم نے دوسرا خواب بھی بہت حوصلہ افزا اور بشارت قرآنیہ سے بھرپور دیکھا۔اسی طرح ایک رات دُکھ اور پریشانی کے عالم میں سویا تو قرآن کی سورہ حم سجدہ کی حوصلہ افزا، جنتوں کی بشارتوں سے بھرپور آیتیں نیند میں میری زبان پر جاری تھیں،اسی عالم میں اچانک بیدار ہوا تو یہ مبارک

آیتیں تب بھی پڑھ رہا تھا إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ''بے شک جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور جنت میں خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔'' نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَاتَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ۔ ''ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو وہاں مانگو گے ملے گا۔'' نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ''بخشنے والے نہایت رحم والے کی طرف سے مہمانی ہے۔'' وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ''اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور خود بھی اچھے کام کیے اور کہا بے شک میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں۔'' وَلَاتَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ '' اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (برائی کا) دفعیہ اس بات سے کیجئے جو اچھی ہو پھر ناگہاں وہ شخص جو تیرے اور اس کے درمیان دشمنی تھی ایسا ہوگا گویا کہ وہ مخلص دوست ہے''

حضرت عاصم بن سنانؓ کی امارت میں صحابہ کرامؓ کے قبرستان میں ہونا

(مولانا سید یوسف شاہ، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

قائد محترم ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو شہادت کے بعد کئی مرتبہ خواب میں دیکھا ایک دفعہ شب جمعہ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت واسکٹ پہنے ہوئے ہیں، علاقہ دیر کی روایتی ٹوپی سر پر ہے، راستے میں سامنا ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں تو آپ کی قبر پر حاضر ہوا تھا لیکن آپ ادھر نہیں تھے اور ابھی آپ کو یہاں پایا تو فرمایا کہ بیٹا! میری تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قبرستان میں تشکیل ہوئی ہے اور آپ کو بھی دکھاتا بھی ہوں، میں ساتھ روانہ ہوگیا تھوڑی دیر میں ہم ایک پہاڑی درّے میں پہنچ گئے، وہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹا سا قبرستان تھا جس میں تقریباً ۱۲ سے ۱۵ تک قبریں تھیں، میں نے استفہامی انداز میں کہا کہ حضرت! یہاں تو خطرہ ہے کہ بارش کا پانی آپ کی قبریں خراب نہ کردے؟ تو فرمایا کہ دیکھتے نہیں کہ دونوں طرف ہم نے نالیاں خود بنا دی ہیں، حضرت نے فرمایا کہ شاہ جی بیٹا! یہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ہمارا امیر عاصم بن سنان رضی اللہ عنہ ہے، میں واپس روانہ ہوگیا تھوڑی سی چڑھائی تھی اوپر جب گیا راستے کے ایک کنارے ہمارے علاقے کے ایک بزرگ حاجی عبدالباری صاحب چارپائی پر بیٹھے تھے۔ صبح جب اٹھا

حیران تھا کہ یہ عاصم بن سنانؓ کی تاریخ کیا ہے ؟ جس کو امیر بنا دیا ہے؟ ان کے حالات زندگی مطالعہ کئے تو پتہ چلا کہ آپ بڑے مجاہد صحابی تھے اور تقریباً چھ غزوات میں شریک ہوئے اور آخر میں سات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ شہید ہو گئے تھے ۔

دوسرے دن کرک میں مدرسہ مدینۃ العلوم کے اساتذہ کے سامنے خواب کا ذکر کیا تو مولانا سکندر صاحب نے بتایا کہ عاصم بن سنانؓ کے بارے میں غالب رائے یہ ہے کہ ''اصحاب بابا'' جو پشاور سے مغرب کی طرف ورسک ڈیم کے قریب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایک مقبرہ ہے جو ''اصحاب بابا'' سے مشہور ہے وہاں پر مدفون ہیں ۔

مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ کے ہمراہ حضرت شیخ شہیدؒ

(حضرت مولانا مفتی غلام قادر نعمانی ، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

بندہ کو پانچ بار خواب میں حضرت شیخ شہیدؒ سے شرف ملاقات نصیب ہوا، دوخوابوں میں حضرت کیفیت جلال میں تھے اور دوخوابوں میں کیفیت جمال میں تھے، مختصر ایک خواب کا تذکرہ کر رہا ہوں جس میں حضرت کے ساتھ حضرت العلامہ سید شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے اور کثیر تعداد میں لوگ جمع تھے اور حضرت سید شیر علی شاہ صاحبؒ کی زیب تن قمیص پر بولی ہو رہی تھی اور حضرت شہید رحمہ اللہ بولی کے وقت پشتو زبان میں نظم پڑھ رہے تھے، ساری تو یاد نہیں رہی صرف ایک قطعہ یاد ہے وہ یہ ہے۔

دا سومره تا اغستے دا سومره ډېر اوچت دے
په ډېر قيمت ئې غواړی دَ ده سومره ګران قيمت دے

شہادت میں بازی لے گئے

(حضرت مولانا حافظ شوکت علی حقانی ، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

نہایت شفیق اور مہربان استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت سے چند روز بعد خواب میں دیکھا کہ ایک مجلس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب (جو کہ آپ کے دیرینہ رفیق اور جامعہ حقانیہ کے روح رواں تھے) تشریف فرما تھے کہ اچانک استاد محترم حضرت شہید رحمہ اللہ تشریف لائے ، حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ فوراً کھڑے ہو گئے ان سے معانقہ کیا اور کہا ! سمیع الحقؒ جیت گئے ، مجھ سے بازی لے گئے یعنی شہادت میں ، درحقیقت مولانا شیر علی شاہ صاحب شہادت کی سعادت حاصل کرنے کیلئے بہت زیادہ دعائیں مانگتے تھے، اللہ شہید ناموس رسالتؐ کی شہادت کی پذیرائی فرمائے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب (اکوڑہ خٹک)

محترم جناب مولانا محمد الیاس صاحب حقانی ولد سراج الدین صاحب جو کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے خصوصی قابل، فاضل، داعی مصنف، سکالر اور تلامذہ میں سے ایک ہیں اور دارالعلوم حقانیہ کے مایہ ناز اور جید فاضل ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت کی خبر ان کو مکہ معظمہ عمرہ کی ادائیگی کی موقع پر ملی تو اس وقت مولانا الیاس صاحب کے بقول حرم کے اس نئے حصے میں بیٹھا تھا، جس کی بنیاد کی افتتاحی تقریب میں حضرت شہید رحمہ اللہ نے خود سعودی حکومت کی دعوت پر شرکت کی تھی، اس کے بعد میری حضرت شہید رحمہ اللہ سے خواب میں زیارت ہوئی اور دیکھا کہ حضرت شہید ٹھیک ٹھاک لیٹے ہوئے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی شہادت کیسے ہوئی ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میری شہادت اس طرح ہوئی کہ مجھے محسوس ہوا کہ قاتلوں نے مجھے شہادت سے پہلے زہر آلودہ وغیرہ کوئی چیز پیش کی جس سے مجھ پر غنودگی سی طاری ہوئی اور اس کے بعد انہوں نے ظالمانہ کاروائی کی، مزید ان سے پوچھا کہ کون لوگ تھے؟ تو اس دوران میں نیند سے جاگ گیا۔

تکمیل مسجد کا نظارہ (مولانا سعید الرحمٰن حقانی مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

جامع مسجد عبدالحقؒ کے گنبد کی تکمیل کے دوران میں بڑا حزین تھا کہ کاش !امام الشہداء حیات ہوتے اور تکمیل مسجد کا نظارہ کرتے۔ پھر غنودگی کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ امام الشہداء استاد محترم گھر کی طرف سے بڑے دروازے ''باب امام ابوحنیفہؒ'' سے داخل ہوکر ''دارالحدیث'' کی طرف تشریف لارہے ہیں، ہاتھ میں خوبصورت لاٹھی اور اپنی مخصوص ہیئت میں پگڑی باندھے ہوئے اور ایک طالب علم ان کے ساتھ کتاب تھامے ہوئے نظر آگئے، میں سلام کیلئے آگے بڑھا تو بڑی بشاشت کے ساتھ ملے اور کہا کہ یاشیخ القلل والجبال (طالبعلمی کے زمانے میں جب مدرسہ سے گھر آکر میں ملتا تو فرماتے کہ ان پہاڑوں میں کیا کرتے ہو تو محبت کے انداز سے ان الفاظ کیساتھ مخاطب کرتے) کیسے ہو؟ اور مولانا عبدالحلیم صاحب کیسے ہیں ؟ سبق کیلئے آئے تھے (عموماً دیر باباجی کا نام لیکر یہی پوچھا کرتے تھے اور صحت کے بارے میں دریافت کرتے) پھر فرمایا ماشاء اللہ ایک آرزو تھی جس کی تکمیل ہوگئی (یعنی نئی جامع مسجد مولانا عبدالحقؒ کی تعمیر وتکمیل) پھر فرمایا کہ حامد الحق اور راشد الحق سے کہہ دو کہ اساتذہ کے ساتھ تعلق استوار رکھیں اس سے خدمت جامعہ میں توفیق نصیب ہوگی اور زندگی میں برکت ہوگی (یہ کیفیت میں نے بوجوہ کسی کے سامنے ذکر نہیں کی) لیکن آج اپنے مخلص باوفا رفیق

مولانا لقمان الحق حقانی استاد جامعہ حقانیہ کے شدید اصرار پر تحریر میں لاتا ہوں کیونکہ میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا، اللہ تعالیٰ اس گلشن نبویؐ کے مؤسس دوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات میں قرب نصیب فرمائے اور ان کی شہادت کو پوری دنیا میں غلبہ اسلام کیلئے ذریعہ بنائے اور مؤسس سوم استاد محترم مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ کو صحت کاملہ نصیب فرما کر اپنے پیش رووں کی طرح جامعہ کی شادابی وتابانی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں ''آمین'' باد

پس از رحلت بھی جزئی امور میں دارالعلوم کی طرف توجہ (مولانا لقمان الحق، مدرس جامعہ حقانیہ)

عیدالاضحیٰ کے دوران قربانی کے گوشت اور چرم ہائے قربانی کے تمام انتظامات چھ سال سے راقم کے ذمے ہیں، راقم حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کی حیات میں بھی ان تمام امور کی نگرانی حسب استطاعت کرتا رہا ہے، ان کی عدمِ موجودگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ عیدالاضحیٰ میں قربانی کے چرم اور اشتہارات اور طلبہ میں خطوط تقسیم کرنے کے امور کی نگرانی راقم کے ذمے تھی تو عید سے پہلے رات کے آخر پہر میں شیخ شہید رحمہ اللہ کی خواب میں (احقر لقمان الحق حقانی کو) زیارت ہوئی، آپؒ ویسے ہی معمول کے مطابق دفتر اہتمام میں تشریف فرما تھے اور تمام امور کی نگرانی میں مصروف عمل تھے، راقم کو پاس آنے کا اشارہ فرمایا، جب میں حاضر ہوا تو انہوں نے عیدالاضحیٰ کے متعلق تمام امور (اشتہارات، خطوط، تقسیم خطوط) کے حوالے سے احوال پوچھے تو میں نے تمام احوال بیان کئے، اس کے علاوہ قربانی کے حوالے سے جو خط لکھا گیا تھا، اس میں کچھ اضافہ کرنا تھا تو حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ نے بتایا کہ مجھے دیدیں میں سب کچھ کرلوں گا کیونکہ آپ لوگ ہمیشہ تاخیر وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔

اپنے نواسے محمد معزالحق کی دستار بندی کروانا (مولانا عرفان الحق، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

برادرمکرم مولانا عرفان الحق تحریر فرماتے ہیں: ''احقر عرفان الحق غفرلہ نے عم محترم مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت سے دوماہ بعد خواب میں ملاقات کی تو آپ نہایت خوش وخرم اور ہشاش بشاش کیفیت میں تھے، اس موقع پر میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ رحمہ اللہ ہم سے بہت جلد جدا ہوگئے، میرے فرزند محمد معزالحق بھی آپ کے بعد کافی خفا ہیں اور اس کی والدہ (شہید موصوف کی دختر نیک اختر) بھی حد درجہ غمزدہ ہے اور دن رات آپکو یاد کرکے روتی ہے، جس پر صبر کی تلقین فرمائی، میں نے مزید بات بڑھاتے ہوئے کہا کہ معزالحق (موصوف کے نواسے) کو یہ شکوہ اور افسوس بھی ہے کہ اباجی نے میری دستار بندی بھی (حفظ قرآن کی) نہیں فرمائی جس پر مجھے مخاطب کرکے کہا اس کو

ابھی لے آؤ، میں اس کی دستار بندی کر لیتا ہوں، یاد رہے کہ میرے فرزند نے ابھی تکمیل حفظ تو نہیں کیا، بہرصورت! خیال یہی تھا کہ وہ حفظ مکمل کریں گے تو اپنے نانا کے دست مبارک سے ان کی دستار بندی کروائیں گے لیکن یہ شہید موصوف کی حد درجہ شفقت وتوجہات کا مظہر ہے کہ انہوں نے اپنے نواسے کے سر پر اپنے مبارک ہاتھ پھیر لئے۔

کل مـــــا یتمنـــی المرء تشتھی تجری الریاح بما لاتشتھی السفن

خواب میں حضرت شہیدؒ کی مسکراہٹ (مولانا سلمان الحق حقانی، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

چترال کے علاقے دروش میں اپنے ہم سفر ساتھیوں کے ساتھ تھا، وہاں رات کو تایا جان کو خواب میں دیکھا کہ جامعہ حقانیہ کے دارالحدیث کی دوسری منزل کی دائیں راہداری میں بجانب قبرستان والدمحترم اور مولانا یوسف شاہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور رورہے تھے، میں بھی راہداری میں کھڑا تھا لیکن جب بائیں جانب دیکھا (کھڑکی میں) تو تایا جان شہید رحمہ اللہ سفید کپڑے، نیلی واسکٹ پہنے اور سر پر دیر والی ٹوپی رکھے تقریباً ۴۰ سال عمر میں طلباء کو دیکھ کر مسکرارہے تھے، مجھے دیکھ کر اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا جسے میں نے پکڑ کر چوم لیا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تو میں نے اپنے شرکائے سفر کو نیند سے اٹھا کر خواب بیان کیا اور سب نے اسے بہترین بشارت قرار دیا۔

عصر کی نماز کیلئے جگانا (مولانا اسامہ سمیع، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

مولانا اسامہ سمیع فرزند حضرت شیخ رحمہ اللہ نے راقم کو اپنا خواب اس طرح بیان کیا کہ عصر کے وقت معمول کے مطابق کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کی نیت سے لیٹا، اچانک خواب میں والدمحترم کی زیارت ہوئی، خواب میں مجھے والدمحترم فرمانے لگے کہ اٹھو جلدی کرو، عصر کی نماز قضا ہونے والی ہے فوراً نماز پڑھو، پھر میں اچانک بیدار ہوا تو واقعی نماز قضا ہونے کے قریب تھی۔ ایک دوسرے موقع پر میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد شہیدؒ شفقت ومحبت کے انداز میں مسکراتے ہوئے میرا ماتھا چوم رہے ہیں۔

ایک مبارک خواب (مولانا مفتی محمد آصف، استاد الحدیث جامعہ دارالعلوم زکریا اسلام آباد)

گزشتہ رات جب خادم سویا تو رات کو خواب میں دیکھا کہ ہم اسلام آباد کے ایئرپورٹ پر موجود ہیں اور وہاں لوگوں کا بہت بڑا ہجوم ہے، درمیان میں سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا ہے، اس کے

اردگرد لوگ کسی کے استقبال میں کھڑے ہیں جیسے کسی سربراہ مملکت کا استقبال کیا جاتا ہے۔خادم نے کسی سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں؟ تو حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ نہیں! بلکہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تشریف لا رہے ہیں اتنے میں خادم دیکھتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا سمیع الحق صاحبؒ ساتھ ساتھ تشریف لا رہے ہیں، دونوں حضرات سے ملاقات (مصافحہ) کے لئے دھکم پیل ہونے لگی، خادم بھی اس ہجوم میں ان کی زیارت کی کوشش کرنے لگا، کسی نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے کہا کہ یہ شخص (خادم) آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہے تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی گردن مبارک ذرا لمبی کردی تا کہ خادم ان کو دیکھ سکے، اس کے بعد خادم نے محبت میں حضرت نانوتویؒ سے عرض کیا حضرت! آپ ہمارے حضرت (حضرت اقدس مولانا محمد عزیز الرحمٰن ہزارویؒ) کے دارالعلوم زکریا میں تشریف لائیں گے؟ آپ فرمانے لگے بھائی! اب تو ہم دارالعلوم حقانیہ جا رہے ہیں بعد میں اگر وقت ملا تو ضرور آئیں گے، اس کے بعد خادم دارالعلوم کے اساتذہ سمیت واپس دارالعلوم زکریا آ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دارالعلوم زکریا کی جگہ پر نماز پڑھ رہے ہیں اور دارالعلوم زکریا کی جگہ میں کھجور کا ایک گھنا باغ ہے۔اللہ ہمیں اپنے اکابر پر اعتماد اوران کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی داستان شہادت سناتے ہوئے

(مولانا خان واحد نقشبندی شاذلی، خلیفہ مجاز مولانا مفتی سید نور زمان ہاشمی نقشبندی شاذلی کراچی)

جس وقت یہ خواب دیکھا تھا پہلے اپنے شیخ حضرت مفتی سید نور زمان شاہ صاحب نقشبندی شاذلی دامت برکاتہم کو سنایا اور کچھ دیگر علمائے کرام کو بھی سنایا تھا، کچھ علمائے کرام نے فرمایا تھا کہ یہ خواب جامعہ حقانیہ بھیج دو لیکن معلوم نہیں کہ کیوں اس وقت بھیج نہ سکا لیکن آج آنجناب کی زبان سے شہید مولانا سمیع الحق صاحبؒ کا نام سن کر سنا دیتا ہوں، شہادت کے دوسرے دن جب نیٹ آن کیا تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ خنجر سے چھلنی بدن دیکھ کر میری عجیب حالت ہوگئی اور زور زور سے رونے لگا اور ساتھ ساتھ دعائے مغفرت بھی کرنے لگا لیکن میں شہید کو دیکھنے کا حوصلہ کھو بیٹھا لیکن پھر بھی رو رو کر بار بار دیکھنے کی کوشش کرتا رہا، اسی حال میں سو گیا، خواب میں مدینہ شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مسجد کی طرف سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ اصحابہ

وسلم پر درود وسلام پیش کرنے روضہ مبارک کی طرف ''باب السلام'' سے اندر داخل ہوا، پیاس بہت لگی تھی سیدھے ہاتھ پر پڑے کولر سے زم زم پینے لگا، زمزم پینے کے بعد جیسے ہی اٹھا تو روضہ مبارک کی طرف دیکھا جو آگے والا محراب ہے، وہاں پر اسٹیج بنا ہوا ہے، جیسے مدارس میں جلسوں میں ہوتا ہے، تھوڑا آگے گیا تو بائیں ہاتھ پر ''ریاض الجنۃ'' میں بہت خوب صورت چمکدار اونچی کرسی پڑی ہے، جس پر سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور پیچھے پوری مسجد شریف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین سے بھری ہوئی ہے اور سامنے اسٹیج کے پیچھے ''شہدائے اسلام'' کانفرنس لکھا ہوا ہے، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درود وسلام کر کے ''ریاض الجنۃ'' روضہ مبارکہ کی طرف کھڑا ہوگیا، اسٹیج پر کرسیوں پر بہت سارے شہداء کرام بیٹھے ہوئے ہیں جس میں شہدائے افغانستان اور مولانا اعظم طارق صاحبؒ اور اسامہ بن لادنؒ (آگے بیان والی جگہ جو جلسوں میں ایک ٹیبل سی رکھی ہوتی ہے جہاں تلاوت یا نعت یا بیان کرنے والا بندہ کھڑا ہوتا ہے) اس میز کے قریب بیٹھے ہوئے ہیں، سارے لوگ بہت خوش بھی ہیں اور مسکرا بھی رہے ہیں، ایک شہید اٹھتا ہے اور اپنی شہادت کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی سب اس کو داد اور مبارکباد دیتے ہیں اور وہ خوش ہو کر واپس اپنی کرسی پر جا کے بیٹھ جاتا ہے، آخر میں لہولہان حالت میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ آتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسکرا کر مبارکباد دیتے ہیں اور پھر سب حاضرین بھی مبارکباد دیتے ہیں، وہ آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی داستان سناؤ تمہیں کیسے شہید کیا؟ تو مولانا شہید صاحبؒ اتنے مزے لے لے کر مسکرا مسکرا کر فرماتے ہیں الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللّٰہ ؟ پہلے ظالموں نے یہاں پر خنجر مارا، پھر یہاں پر مارا، پھر یہاں پر مارا پھر درود وسلام پڑھتے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں تو جب مولانا شہیدؒ اپنا قصہ سناتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکرانے سے ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو جاتی ہے اور سارے خوشی سے انہیں داد دیتے ہیں اور مولانا اعظم طارق صاحبؒ مزاح کے انداز میں بار بار کہہ رہے ہیں اے بوڑھے حضرت آپ نے اس بڑھاپے میں کیا کیا مزے لیے ہیں، جب مولانا جانے کی اجازت لے کر واپس مڑتے ہیں تو سب ان کو پھر بلاتے ہیں کہ پھر شہادت کا احوال سناؤ، اس بڑھاپے میں آپ نے اس رتبہ شہادت سے بڑے مزے لئے پھر اسی طرح کئی بار یہ داستان سنائی پھر میری آنکھ کھلی تو میں بھی بہت خوش تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب سے راضی ہوجائے اور دین اسلام پر استقامت کے ساتھ عمل کی توفیق اور سعادت کی زندگی شہادت کی موت عطا فرمائے (آمین)

دارالعلوم کے عملہ کا حددرجہ خیال ورعایت (مولانا احسان الکریم نقشبندی)

استاد محترم شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ بھی عجیب محتاط انسان تھے، ان کے ساتھ میں نے دارالعلوم کے کتب خانہ میں ۱۳ سال گزارے اور خدمت کی پھر کچھ بیماری کی وجہ سے میں مستعفی ہوا، ان کی شہادت کے بعد مجھے خواب میں زیارت مبارک ہوئی کہ حضرت مولانا صاحبؒ مجھے فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو کتب خانہ سے فارغ کردیا ہے، آپ ناراض تو نہیں ہیں؟ میں نے کہانہیں جی! آپ نے میری جگہ جو بندہ لگایا وہ کتب خانے کا کام صحیح کرسکتا ہے پھر مجھ سے کہا کہ آپ کے خرچے کا کیابندوبست ہے؟ میں نے کہا بحمداللہ ایسا دن نہیں گزرتا کہ مجھے کچھ رقم نہ ملے پھر جیب سے کچھ کاغذات اور رقم نکالی کاغذات تو واپس رکھ لئے اور رقم مجھے دینے لگے، میں نے انکار کیا لیکن حضرت مولانا صاحبؒ کے اصرار پر پھر لے لئے۔

آخری سال ۱۴۴۰ھ کے شاگردوں کی دستار بندی کروانا (قاری عمر فاروق اکوڑہ خٹک)

دارالعلوم حقانیہ کی دستار بندی ۱۴۴۰ھ سے کچھ ہفتے قبل ہمارے ایک دوست مولانا اسلام اللہ حقانی (ساکن اٹک) کیساتھ ان کے ایک رفیق قاری عمر فاروق اکوڑہ خٹک تشریف لائے، جنہوں نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی زیارت اس طرح کی کہ موصوف دارالعلوم کے سبزہ زار میں ایک کھجور کے تنے کے سایہ میں تشریف فرما ہیں، ہاتھ میں عصا بھی موجود ہے اور طلبائے کرام جو امسال فارغ التحصیل ہونے والے ہیں ان کے سروں پر ہاتھ پھیر کر دستار بندی فرمارہے ہیں، قاری صاحب کو اس ضمن میں عمامہ پر ہاتھ رکھ کر دستار فضیلت سے نوازا، گویا عم محترم کو اپنے تلامذہ کی فکر برزخ میں لگی رہتی ہے کہ وہ شاگرد دل میں افسوس کررہے ہوں گے کہ ہم اپنے استاد کے دست شفقت سے محروم ہوگئے۔

برزخی زندگی میں بھی جان کے دشمنوں سے حسن سلوک (مولانا عبدالاحد، پشاور)

ہمارے ایک فاضل حقانیہ ساکن شاہ گئی تھانہ پشاور مولانا عبدالاحد نے مجھے اپنا خواب سناتے ہوئے کہا کہ میں نے رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ سے ایک ہفتہ قبل حضرت شہید رحمہ اللہ کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ آپ رحمہ اللہ کے ساتھ ان کا چھوٹا بھائی (مولانا الحاج اظہار الحق مرحوم) بھی ہے اور آپ رحمہ اللہ کے بھائی قاتلین کو برا بھلا اور بددعائیں دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو برباد کردے کہ آپ کو مار ڈالا اس پر مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ نے بھائی کو روکتے ہوئے فرمایا کہ ایسا

مت کہو، اس لئے کہ ان قاتلوں کی وجہ سے تو مجھے شہادت کی خلعت فاخرہ نصیب ہوئی ہے، راوی کہتا ہے کہ پھر احقر عرفان الحق حقانی نے خواب میں حضرت کے ساتھ عبدالاحد کو ملاتے ہوئے تعارف کروایا کہ یہ پشاور سے آپ کی زیارت کیلئے آئے ہیں، وہ بڑے خوش ہوئے اور جیب سے ستو اور گڑ نکال کر انہیں دیئے، بہرصورت! اسی خواب سے عم محترم کی فطرتی نرمی اور جان کے دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک مترشح ہوتا ہے، جیسا کہ ان کی زندگی میں بھی بارہا دیکھا گیا کہ ان کے سخت ترین مخالفین سامنے آئے لیکن موصوف نے حرف شکایت تو دور کی بات ماتھے پر ناگواری بھی ظاہر نہ کی۔

ملائکہ کی آسمان سے غسل دینے کیلئے آمد (مولانا سعادت اللہ حقانی)

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل (مولانا) سعادت اللہ حقانی بن مولانا عبداللہ (مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن مع التجوید مغلکی ضلع نوشہرہ) نے راقم کو یہ خواب بیان کرتے ہوئے کہا: شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ جس رات شہید ہوئے تو ایک خاتون سکنہ گاؤں مغلکی بنت سہر خان نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے کروڑوں فرشتے اتر رہے ہیں اور جس حالت میں مولانا صاحب شہید ہوئے تھے، اسی کیفیت میں تختہ غسل پر نعش رکھی تھی اور فرشتے زور زور سے صدائیں لگا رہے ہیں کہ دور ہو جاؤ ہم غسل دینے آئے ہیں اس خاتون کو اپنے بھائی (حافظ احسان اللہ) نے موبائل پر شیخ صاحب کی شہادت والی وہ دردناک تصویر دکھائی۔

زیر تعمیر جامع مسجد کا معائنہ اور زخموں کا مندمل ہونا (مولوی ذاکر حسن)

احقر ذاکر حسن ولد بخت زمین سکنہ پارچن فاضل ۲۰۱۳ء نے اپنے استاد محترم کو شہادت کے بعد خواب میں دیکھا کہ حضرت کیری ڈبہ میں بیٹھے ہوئے احرام نما دو چادریں زیب تن کئے ہوئے ہیں جامع مسجد عبدالحق رحمہ اللہ کا معائنہ کر رہے ہیں، کیری ڈبہ پرانی مسجد کے مینار کے نیچے کھڑا ہے اور حضرت کے ساتھ اس میں دوسری شخصیت بھی تشریف فرما تھے، میں سوچ میں تھا کہ حضرت کے زخم مندمل ہو گئے جس پر میں بہت خوش تھا کہ حضرت بہت جلد ٹھیک ہونے والے ہیں۔

ایک طالب علم کو جامعہ حقانیہ میں داخل کرانا (مولانا سیف اللہ حقانی، خادم حضرت شہید رحمہ اللہ)

میں نے صبح کے وقت حضرت شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے چند دن بعد خواب میں دیکھا کہ دارالعلوم میں نئے سال کے داخلے جاری تھے اور ہم شعبہ مالیات کے انچارج محمد عارف صاحب کے دفتر میں بیٹھے ہیں اور میں حضرت شہید رحمہ اللہ کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہا ہوں ایک شخص

افغانستان سے آیا اور حضرت شہید رحمہ اللہ سے کہنے لگا کہ میں یہاں داخلہ لینا چاہتا ہوں تو شیخ صاحب نے مجھے کہا کہ مجھے ایک پین (قلم) دیدو جب میں نے پین دیکھا تو میرے پاس نہیں تھا۔

بہرحال! وہاں قریب ہی وہ بڑا وائٹ بورڈ مارکر پڑا تھا وہ اٹھا کر حضرت شہید رحمہ اللہ کے پاس لایا، انہوں نے مولانا فیض السلام حقانی (ناظم تعلیمات جامعہ حقانیہ) کو ایک رقعہ لکھا کہ ان کے ساتھ تعاون کرو اور ساتھ ہی مجھے بتایا کہ جاؤ فیض السلام کو بلاؤ، میں نے ناظم صاحب کو کہا کہ حضرت صاحب آپ کو بلا رہے ہیں تو ناظم صاحب نے حضرت شہید رحمہ اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''کہ حضرتؒ کو کون جواب دے گا؟'' بہرحال! ناظم صاحب آئے تو حضرت شہید رحمہ اللہ نے وہ رقعہ دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ ان کے ساتھ جتنا تعاون ہوسکتا ہے وہ کرلیں، یہ ہمارے قریبی متعلقین میں سے ہیں پھر حضرت شہید رحمہ اللہ نے فیض السلام صاحب کو کہا کہ آیئے! ہمارے ساتھ کھانا کھائیں تو فیض السلام صاحب نے کہا کہ نہیں جی! میں نہیں کھاتا، کسی کام میں مصروف ہوں، حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ خوشگوار موڈ میں بیٹھے تھے، یہ صبح کی نماز کا وقت تھا۔

قاتلین شیخ درندے پینٹ شرٹ میں ملبوس (حضرت علی، خیرآباد)

میرا نام حضرت علی ہے، میں مولانا محمد ظفر صاحب مہتمم مدرسہ بلال حبشی محلّہ اسلام آباد خیرآباد سے ہوں، جب مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو شہید کیا گیا ان دنوں میں بہت زیادہ اداس تھا اور بہت رویا بھی ہوں، حضرت شیخ صاحب کو شہید کرنے کے بعد دو دفعہ میں نے خواب دیکھا پہلا خواب دو دن بعد میں نے دیکھا کہ میں ایک گھر میں ہوں اسی گھر میں شیخ صاحب اندر آرام فرما رہے ہیں اور اچانک دروازہ کھلا تو ۴ وحشی درندے تھے جن کے پاس دو موٹرسائیکلیں تھی جنہوں نے خاکی پینٹ اور بلیک شرٹ پہنی ہوئی تھیں اور وہ نقاب پوش تھے اور یہی درندے مولانا صاحب کو شہید کرنے آئے ہوئے تھے اور آگے خواب ختم ہوگیا تھا۔

قبر میں نعش اتارتے وقت بلند آواز سے کلمہ کا بار بار ورد (حضرت علی، خیرآباد)

دوسرا خواب شہید ہونے کے دس دن بعد میں نے دیکھا کہ حضرت سمیع الحق شہیدؒ کی تدفین کے وقت جب شیخ صاحب کی تدفین ہو رہی تھی اور شیخ صاحب کو جب طلبائے کرام ان کی قبر مبارک میں رکھ رہے تھے تو شیخ صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ اور اونچی آواز سے بار بار پڑھتے رہے حتیٰ کہ قبر کی لحد میں حضرت شیخ کو رکھ دیا تو پھر بلند آواز سے کہا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور پھر چہرہ انور کو قبلہ رخ کر کے آرام فرما گئے۔

مغفرت کا سبب جہاد سے تعلق (متعلم دورہ حدیث)

میں نے حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے دین کیلئے بہت کام کیا ہے، مغفرت کس بات پر ہوئی؟ تو حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ شوق جہاد کی وجہ سے میری مغفرت ہوئی

مسجد کی تعمیر کیلئے وسائل کی فکر اور چندہ کی تلقین (متعلم عبداللہ عابد، دورہ حدیث ۱۴۴۰ھ، پکتیا)

بندہ نے عیدالاضحیٰ کی تعطیلات سے پہلے جبکہ مسجد کے گنبد کی تعمیر نہیں ہوئی تھی، خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ مسجد کے پرانے گیٹ کے ساتھ کرسی پر تشریف فرما ہیں اور پریشانی کی حالت میں نئی مسجد کی تعمیر کو دیکھ رہے ہیں، میں نے حضرت شیخ صاحبؒ سے پوچھا کہ آپ کیوں اتنے پریشان ہیں؟ تو فرمایا کہ میں اس مسجد کی تعمیر کے بارے میں پریشان ہوں بہت عرصہ ہوا اور تعمیر پوری نہیں ہوئی، میں نے پوچھا کہ شیخ صاحب! کیا وجہ ہے کہ تعمیر پوری نہیں ہو رہی؟ شیخ صاحب نے فرمایا، روپوں کی کمی ہے فنڈ نہیں ہے، میں نے کہا پریشان نہ ہو، اس کیلئے چندہ کرینگے اور میرے ساتھ ایک اور ساتھی تھا، میں نے حضرت شیخ صاحب کو کہا کہ میری طرف سے بیس ہزار روپے لکھیں، میرے ساتھی نے بیس ہزار روپے لکھ لئے، حضرت شیخ صاحب نے کہا کہ چندہ کب جمع کریں گے اور تبسم کا اظہار کر دیا، میں نے کہا شیخ صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ اب طالب علمی کا زمانہ ہے ہمارے پاس اتنے روپے نہیں ہیں، ان شاء اللہ جلد ملیں گے، اس کے بعد لوگ آنے لگے اور چندہ رجسٹر میں لکھتے رہے، ہم بھی اٹھ گئے اور چلنے کا ارادہ کیا مگر ہمیں اجازت نہیں ملی، شیخ صاحبؒ نے خادم کو آواز دی کہ ان کو یہاں کمرے میں روکو اور باقی لوگوں کو اجازت دیدی اور میں خود ان کے ساتھ ملاقات کرتا ہوں تو میں اور میرا دوست کمرے میں بیٹھ گئے اس دوران میں خواب سے بیدار ہو گیا۔

تفسیر کی اختتامی دعا میں شرکت کیلئے تگ و دو (مولانا محمد نعمان حقانی)

شہادت کے بعد ایک رات حضرت شہید رحمہ اللہ کی اندوہناک وحیرت انگیز شہادت کے سوچ اور غم میں بیٹھا تھا، اس دوران آنکھ لگ گئی، خواب میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ہے اور تفسیر کی اختتامی دعا کا موقع ہے اور بالائی منزل کے برآمدے کے سامنے اوپر والی جگہ میں لوگ جمع ہیں، میں نے بھی توکل علی اللہ کیا اور ان کے قریب جا کر تفسیر کی اختتامی دعا میں شریک ہو گیا، میرے

ہمراہ مولانا شوکت علی، مولانا مفتی اسماعیل وغیرہ بھی تھے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کا جنت میں عالی مقام ومرتبہ (مولانا بلال عابد پشاوری، مدرس جامعہ حقانیہ)

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی شہادت کی رات پوری امت مسلمہ اور خصوصاً دارالعلوم حقانیہ کے طلبا علماء کے لئے بہت بھاری اور غم واندوہ سے بھرپور تھی۔ رات کے کسی پہر آنکھ لگ گئی تھی اور بہت ہی بہترین اور خوبصورت حوصلہ افزاایک خواب دیکھا صبح کی نماز سے پہلے برادرم مولانا راشد الحق صاحب کی تسلی وسکون کے لئے یہ مبارک خواب ان کی خدمت میں بیان کیا تو انہوں نے نماز کے بعد طلبا کے مجمع سے اس خواب کے سنانے کا حکم دیا تا کہ طلبا وشرکاء کے زخمی دلوں کا کچھ مداوا ہوسکے۔

بندہ نے شیخ الحدیث امام الشہداء حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو شہادت کی رات خواب میں دیکھا کہ میدان محشر لگ چکا ہے، لوگوں کا جم غفیر ہے، ہر طرف انسان ہی انسان ہیں اور سب کہہ رہے ہیں کہ واہ مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کا کیا مقام ہے، کتنا اونچا مقام، ماشاء اللہ کیا عظیم الشان مرتبہ ہے، اتنے میں امام الشہداء رحمہ اللہ کو دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور فارسی اشعار میں عجز وانکساری پیش کررہے ہیں کہ با خدا میں کہاں اور یہ اتنا بڑا مرتبہ ومقام، یا اللہ! یہ صرف تیری کرم نوازی ہے، میں کچھ نہیں پھر مجھے کوئی کہتا ہے کہ آؤ لیٹ جاؤ، میں آپ کو آپ کے شیخ کا صحیح مقام دکھاتا ہوں، پس میں لیٹ جاتا ہوں اور ایک سفید چادر میرے اوپر ڈال دی جاتی ہے اور ہم روانہ ہو جاتے ہیں پھر ایک مقام پر پہنچ کر رک جاتے ہیں، یہ شخص جو مجھے لے کر جا رہا ہے) کسی کے ساتھ کچھ دیر محو گفتگو ہو جاتا ہے پھر چل دیتے ہیں، حتیٰ کہ ہم اس جنت میں پہنچ جاتے ہیں (جو امام الشہداء کیلئے تیار کی گئی ہے) اور مجھے چادر ہٹا کر کھڑا کیا جاتا ہے کہ اٹھو اپنے حضرت شیخ کا مقام دیکھ لو اللہ اکبر کیا دیکھتا ہوں کہ تاحد نگاہ وسیع وعریض ایک خوشنما جنت جس میں چھوٹے چھوٹے سرسبز و شاداب درخت ہیں اور بے شمار چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں، خوشبو سے معطر نور سے منور اور راحت وسکون کے تمام اسباب سے آراستہ ہیں، یہ سب دیکھ کر میں بے اختیار بول پڑا، واہ ہمارے شیخ کا کیا مقام ہے پھر مجھے اسی کیفیت سے واپس کیا گیا، واپسی پر اس شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ کو خبر ہے کہ جاتے وقت ہم جس مقام پر رکے تھے کیوں رکے تھے، میں نے کہا نہیں آپ بتائیں فرمایا صاحب! میں جس کے پاس ٹھہرا اور بات کرنے لگا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام تھے اور وہ ان کا مقام تھا اور اس کے برابر میں آپ کے شیخ حضرت مولانا

سمیع الحقؒ کا یعنی دونوں کا مقام ومرتبہ ایک ہے (مولانا راشدالحق سمیع صاحب نے یہ خواب بیان کرنے کے بعد مجھے فرمایا کہ دونوں میں برابری کا نقطہ یہ ہے کہ دونوں ذبیح اللہ ہیں اور قربانی کے جذبے سے سرشار بھی ہیں۔ فیاسبحان اللہ) اس کے بعد چلتے چلتے ایک جگہ ٹھہر گئے، میں نے کہا شاید کسی اور نبی کا مقام ہے۔ چادر ہٹاؤ اور دیکھو (جاتے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور انہیں دیکھا نہیں) تو جونہی چادر ہٹائی تو وہ شخص غائب تھا اور میں اپنے گاؤں میں نہر کے کنارے کھڑا تھا، اس کے بعد بندہ کی آنکھ کھلی، دیکھا تو سحری کا وقت تھا، خوشی سے رونے لگا، دل ایسا مطمئن ہوا کہ جو بے چینی اس صبر آزما حادثے سے ہوئی تھی وہ ہلکی ہوگئی۔

دارالعلوم حقانیہ کے مالی مسائل سے نہ گھبرانے کی تلقین (افسر بہادر خٹکؒ شیدو)

پھوپھا محترم جناب افسر بہادر خٹکؒ نے احقر کو خواب بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی خواب میں زیارت ہوئی، حضرت شہید رحمہ اللہ نے مجھے (افسر بہادر خٹک) کو ہنستے ہوئے کہا کہ مولانا انوارالحق صاحب کو یہ پیغام پہنچا دو کہ گھبراؤ مت مجھے پتہ ہے کہ دارالعلوم مالی لحاظ سے اس وقت کمزور ہے میں اس کیلئے سوچ وبچار میں ہوں، ان شاء اللہ جلد از جلد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوبست ہو جائے گا۔

خوبصورت جبہ وواسکٹ زیب تن (عالمگیر خان، دفتر اہتمام جامعہ حقانیہ)

ایک دوسرے موقع پر خواب میں مجھے (عالمگیر) حضرت شہیدؒ کی زیارت ہوئی کہ اپنے گھر سے تشریف لا رہے ہیں، وہاں میں بھی حاضر تھا، حضرت ایک خوبصورت جبہ میں ملبوس تھے اور اس کے نیچے ایک خوبصورت سی واسکٹ پہنی ہوئی ہے، میں نے سوچا اگر اس جبہ کا مطالبہ کرتا ہوں تو مناسب نہیں یہ تو بڑے صاحب منقبت لوگ پہنتے ہیں، بہرحال! میں نے تبرک کیلئے وہ واسکٹ جو حضرت نے پہنی تھی اسی کا مطالبہ کر دیا تو حضرتؒ نے فوراً وہ واسکٹ مجھے عنایت کر دی۔

مسجد اور تفسیری کام کی نگرانی کیلئے پس از شہادت دفتر آمد (محمد عارف، معاون ناظم دفتر ومحاسب مسجد)

جناب محمد عارف صاحب (بائیس سال سے حضرت والد محترم مولانا الحاج اظہار الحق حقانیؒ کے ساتھ معاون رہے ہیں) کی حضرت شہیدؒ سے خواب میں شہادت کے ایک مہینہ بعد زیارت ہوئی کہ مولانا صاحب حسب معمول دفتر اہتمام میں تشریف لائے تو میں اکیلا دفتر میں موجود تھا، میں نے

حضرت کے ساتھ مصافحہ کیا، وہ اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوگئے اور مجھے کہا کہ اس مرتبہ تم مجھے دیکھ رہے ہو، آئندہ بھی میں دفتر آتا رہوں گا لیکن پھر تم لوگ مجھے نہیں دیکھ سکو گے، میں مسجد اور تفسیر مکمل ہونے تک آپ لوگوں کا کام چیک کرتا رہوں گا۔

ایک بزرگ کے ساتھ صوفہ پر تشریف فرما (جناب عبدالوحید صاحب، اکوڑہ خٹک)

محترم جناب عبدالوحید صاحب نے احقر کو اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا کہ دستار بندی سے کچھ دن قبل شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ بہت زبردست جگہ ہے صوفہ پر تشریف فرما ہیں اور وہی اپنی لاٹھی ان کے پاس ہے، پگڑی باندھی ہوئی ہے اور کوٹ پہنا ہوا ہے اور ان کے ساتھ نزدیک ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں، ان بزرگ کی نورانیت اور فضیلت کو بیان کرنا الفاظ میں نہیں آرہا، ایسا لگ رہا تھا کہ بہت عظمت والا فرشتہ ان کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔

جامعہ حقانیہ کے وسائل کیلئے سورۃ الواقعہ کا وظیفہ (مولانا ضیاء اللہ حقانی، ناظم دفتر تعلیمات)

بندہ (مولانا ضیاء اللہ حقانی) کو خواب میں شہید رحمہ اللہ کی زیارت ہوئی کہ آپ رحمہ اللہ دفتر اہتمام میں اپنی کرسی کے علاوہ دوسری کرسی پر تشریف فرما ہیں، جامعہ کے شعبہ اکاونٹس کے انچارج جناب عالمگیر صاحب بھی ساتھ والی کرسی پر تشریف فرما ہیں، بندہ حاضر ہوا اور مولانا صاحب سے کہا کہ مجھے اپنی تنخواہ سے کچھ رقم دیجئے! تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پیسے تو نہیں ہے، وہ وقت گیا کہ میں روزانہ ایک دفعہ سورۃ واقعہ جامعہ کے مالی حالات کیلئے پڑھا کرتا تھا، اب آپ کی مرضی ہے کہ آپ بھی پڑھتے ہیں یا نہیں، بندہ جب خواب سے بیدار ہوا تو سحری کا وقت تھا تقریباً آدھا گھنٹہ اذان کو باقی تھا، پھر نو بجے میرے والد محترم مولانا نورالبصر صاحب نے فون پر رابطہ کیا کہ آپ کا چھوٹا بھائی محمد صہیب بیمار ہے کچھ رقم دفتر سے لے کر آجاؤ، (اصدق الرؤیاء بالاسحار او کمال قال علیه السلام) یعنی بھائی کی بیماری صبح کو ثابت ہوئی۔

دارالحدیث میں دورانِ درس گفتگو اور توجہ (مولا شوکت علی حقانی، ناظم مطبخ جامعہ حقانیہ)

راقم نے رات کو خواب میں دیکھا کہ دارالحدیث کی طرف طلبائے کرام کی ہلچل ہے اور شور مچ گیا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب درس کیلئے دارالحدیث تشریف لائے ہیں بندہ دوڑ کر سیدھا دارالحدیث کی سیڑھیوں پر چڑھا دیکھا تو دروازے بند تھے، بندہ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور طلبائے کرام کو اندر جانے کیلئے کہا طلبائے کرام نے بندہ کو اندر جانے کی اجازت دی، بندہ سیدھا مسندِ حدیث کی

طرف گیا، دیکھا تو شیخ صاحب رحمہ اللہ کتاب کھولے ہوئے خاموش بیٹھے تھے میں نے سلام کیا، شیخ صاحب نے سلام کا جواب دیا اورخیریت پوچھی، شیخ صاحب رحمہ اللہ نے بھی خیرخیریت پوچھی اورفرمایا کہ میں ٹھیک ہوں اسی دوران تمام طلبائے کرام مجھے غصیلی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ ادھر گھنٹہ شروع ہے اورشوکت علی حضرت شیخ صاحب کے ساتھ دوران درس محوگفتگو ہورہے ہیں پھر شیخ صاحب رحمہ اللہ نے بندہ کو کچھ فرمایا

دارالحدیث میں درس (مولانا خان آغا حقانی، مدرس ونائب مہتمم جامعہ ابی عبیدہ بن الجراحؓ)

میں نے منگل اور بدھ کی رات کوشہید ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کوخواب میں دیکھا کہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں طلباء کو درس دے رہے ہیں، معلوم نہیں تھا کہ یہ درس قرآن شریف ہے یا درس حدیث؟ جب حضرتؒ درس سے فارغ ہوئے تو کچھ طلباء ان کیساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ واپس چلے گئے، اس دوران میں مولانا شہیدؒ کے ساتھ سٹیج پرمولانا راشدالحق سمیع حقانی بھی بیٹھے ہوئے ہیں، بات چیت کررہے تھے اورمیرا بھی دل کررہا تھا کہ میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ساتھ قریب بیٹھ جاؤں، اس دوران میں نیند سے بیدار ہوگیا۔

دارالعلوم میں چہل قدمی کرتے ہوئے

ایک رات شیخ شہید رحمہ اللہ کوخواب میں دیکھا کہ آپ رحمہ اللہ دارالعلوم کے اندر جنوب والی دیوار سے متصل چہل قدمی کرتے ہوئے مغرب سے مشرق کی طرف رواں ہیں اورایک کالے رنگ کا لمبا چغہ بھی پہنے ہوئے اور جوانی کی حالت میں نظرآرہے ہیں۔

امریکہ کے مقابلہ میں ڈٹ جانے کی تلقین (مولوی خلیل الرحمٰن حیرانؔ متعلم دورہ حدیث)

مولوی خلیل الرحمٰن حیرانؔ متعلم دورہ حدیث کہتے ہیں کہ پرسوں جب جمعرات کوگھر گیا تو رات کوخواب میں حضرت شہید رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہوئی دیکھتا ہوں کہ میں دوستوں کے ساتھ جامعہ حقانیہ میں چل رہا ہوں کہ ایک جگہ حضرت شیخ صاحب سامنے آجاتے ہیں میں انکی طرف چلا جاتا ہوں جبکہ باقی دوست مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ میں جب شیخ صاحب سے ملا تو آپ نے مسکراتے ہوئے کہ فوراً فرمایا کہ امریکہ کے سامنے ڈٹے رہو تو میں نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں ہم آپکے نقش قدم پرچلتے رہیں گے اوراس بات سے میری آنکھیں پرنم ہوجاتی ہیں، پھرصبح ہوئی تو سارا دن اک عجیب کیفیت میں گزرا۔

قبرستان حقانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ورود (طالب علم جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

دارالعلوم حقانیہ میں موجود ایک طالبعلم نے خواب دیکھا کہ آقائے دوجہان محمد صلی اللہ علیہ وسلم بمع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدرسہ کی مسجد میں جلوہ افروز ہوئے اور پھر امام الشہداء کی قبر پر قبرستان حقانی میں تشریف لیجا کر وہاں سورۃ یس کی تلاوت فرمائی۔ ''یہ رتبہ بلند ملاجسکو بھی ملا'' امام الشہداء کی شہادت کی قبولیت کی علامت ہے اوران کے مقام ومرتبہ کی عالی ہونے کی دلیل ہے، اگرچہ خواب کوئی دلیل نہیں لیکن مبشرات میں سے ہے اوردلی سکون کا ذریعہ ہے۔

حضرت شیخ کا اپنی تفسیر کے بارے میں پوچھنا (مولانا محمد امتیاز، مدرس دبئی)

قابلِ صداحترام میرے مربی استادِ محترم حضرت مولانا راشدالحق سمیع صاحب

امید ہے کہ آپ بفضل خدا خیریت وعافیت سے ہوں گے ان شااللہ۔حضرت شیخ رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد والدین اور آپ کی دعاؤں سے اپنی فیملی کے ہمراہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی۔الحمد للہ۔حرم مکی میں ایک رات حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہوئی، کچھ تھوڑی بہت بات چیت کرنے کے بعد فرمایا: میرے بچے میری اس تفسیر کا کیا بنا؟ مجھے اس کی بہت فکر ہے اور ساتھ میں ایک عالم کا تذکرہ بھی کیا، بندہ ناچیز نے سوال کے جواب میں عرض کیا کہ حضرت اس پر استادِ محترم راشدالحق صاحب کام کر رہے ہیں اور بہت جلد ان شاء اللہ پوری ہوجائے گی۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ حضرت کی دلی محبت کی وجہ سے اکثر مجھے ان کی زیارت ہوتی رہتی ہے اور اس سے مجھے بہت زیادہ خوشی اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

شہیدؒ کی قبر میں حیات (متعلم دارالعلوم حقانیہ)

یہ خواب میں نے دارالعلوم حقانیہ میں دیکھا کہ میڈیا پر خبر چلی کہ مولانا سمیع الحق شہید نوراللہ مرقدہ کی قبر کھودی جا رہی ہے اورانہیں واپس نکالا جا رہا ہے یہ سن کر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی قبرستان (جو مدرسہ میں ہے) کی جانب دوڑا، وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ابھی اتنی بھیڑ نہیں تھی بلکہ لوگ رفتہ رفتہ آرہے تھے میرے ہاتھ میں پانی کی بوتل اور گلاس تھا اور قبر کے اردگرد حفاظت کے لئے دیوار بنائی جارہی تھی، میری خواہش تھی کہ میں حضرت شیخ کی قبر کو دیکھ لوں لیکن اندر جانے کی کسی کو بھی اجازت نہیں تھی، میں نے اپنی پانی کی بوتل سے چند لوگوں کو پانی پلایا، جس میں سے ایک آدمی نے

خوش ہو کر مجھے حضرت شیخ کے دیدار کی اجازت دی تھی لہٰذا مجھے نیچے اتارا گیا، سارے لوگ مجھے دیکھ رہے تھے اور میں رو رہا تھا مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں قبر سے پردہ ہٹا کر شیخ کا دیدار کروں دو تین مرتبہ میں پیچھے ہٹا اور میں نے اس اجنبی شخص کو آواز دی جس نے قبر کھولی تھی کہ وہ میرے ساتھ آئے کیونکہ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا، وہاں گئے اور حضرت شیخؒ سے پردہ ہٹایا تو عجیب منظر دیکھا، قبر کے اندر حضرت شیخ سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ جوانی کی حالت میں تھے، چہرے سے نور ٹپک رہا تھا، ہونٹ گلابی تھے اور ایسے تازہ تھے کہ حضرت گویا ابھی ابھی سوئے ہوئے ہیں، جیسے ہی انہوں نے پردہ ہٹایا تو حضرت نے ایسی کروٹ بدلی جیسے کہ وہ زندہ ہوں، ان کی آنکھوں میں حرکت تھی اور وہ سیدھا لیٹ گئے جیسے انہیں میرے آنے کا پتہ چل گیا ہو، میں نے سبحان اللہ کہا اور حضرت شیخ شہیدؒ سے دعا کی درخواست کی اور کہا کہ حضرت آپ تو کامیاب ہوگئے ،لیکن ہمارے لئے دعا کریں، اس کے بعد چونکہ لوگ زیادہ آ رہے تھے اس لئے میں نے اُن سے کہا کہ حضرتؒ کو فوراً پردہ نشین کر لو تا کہ کوئی انہیں دیکھ نہ پائے ، میری آنکھوں کے سامنے ان پر پردہ ڈالا گیا جب میری آنکھ کھلی تو صبح کے پانچ بج رہے تھے اور اذانیں شروع ہوگئیں تھیں۔

جناب جعفر شاہ (انچارج تعمیر جامع مسجد مولانا عبدالحقؒ)

جامع مسجد کی تعمیر سے لے کر اب تک کام کے انچارج جناب جعفر شاہ سکنہ اکوڑہ خٹک نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ دفتر اہتمام میں حالت حیات میں حسب سابق موجود ہیں اور مجھ سے جامع مسجد کی تعمیر وغیرہ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں اور مجھے ہدایت کی کہ اب تو کام کو پوری تیز رفتاری و تندہی کے ساتھ رواں دواں کردو کہ پیسے وغیرہ کی کمی تو اب نہیں رہی (دراصل حضرت کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد دارالعلوم و مسجد کے اخراجات نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا ادریس صاحب اور دیگر اساتذہ کی ہمت و اپیل پر فوری چندہ وغیرہ اکٹھا ہوگیا تھا جس کی بناء پر مسجد کی تعمیر کا کام دوبارہ شروع ہوگیا۔ خواب میں اس جانب حضرتؒ نے اشارہ کیا کہ کام کی رفتار کو بڑھا دو) اسی طرح جعفر شاہ نے کہا کہ حضرت شہیدؒ نے مجھ سے مولانا راشدالحق (نگران جامع مسجد) کے بارے میں بھی دریافت کیا کہ راشد الحق کہاں ہیں؟ الغرض حضرت شہیدؒ دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی دارالعلوم حقانیہ اور اس کے منصوبوں کی طرف متوجہ اور فکرمند رہے۔